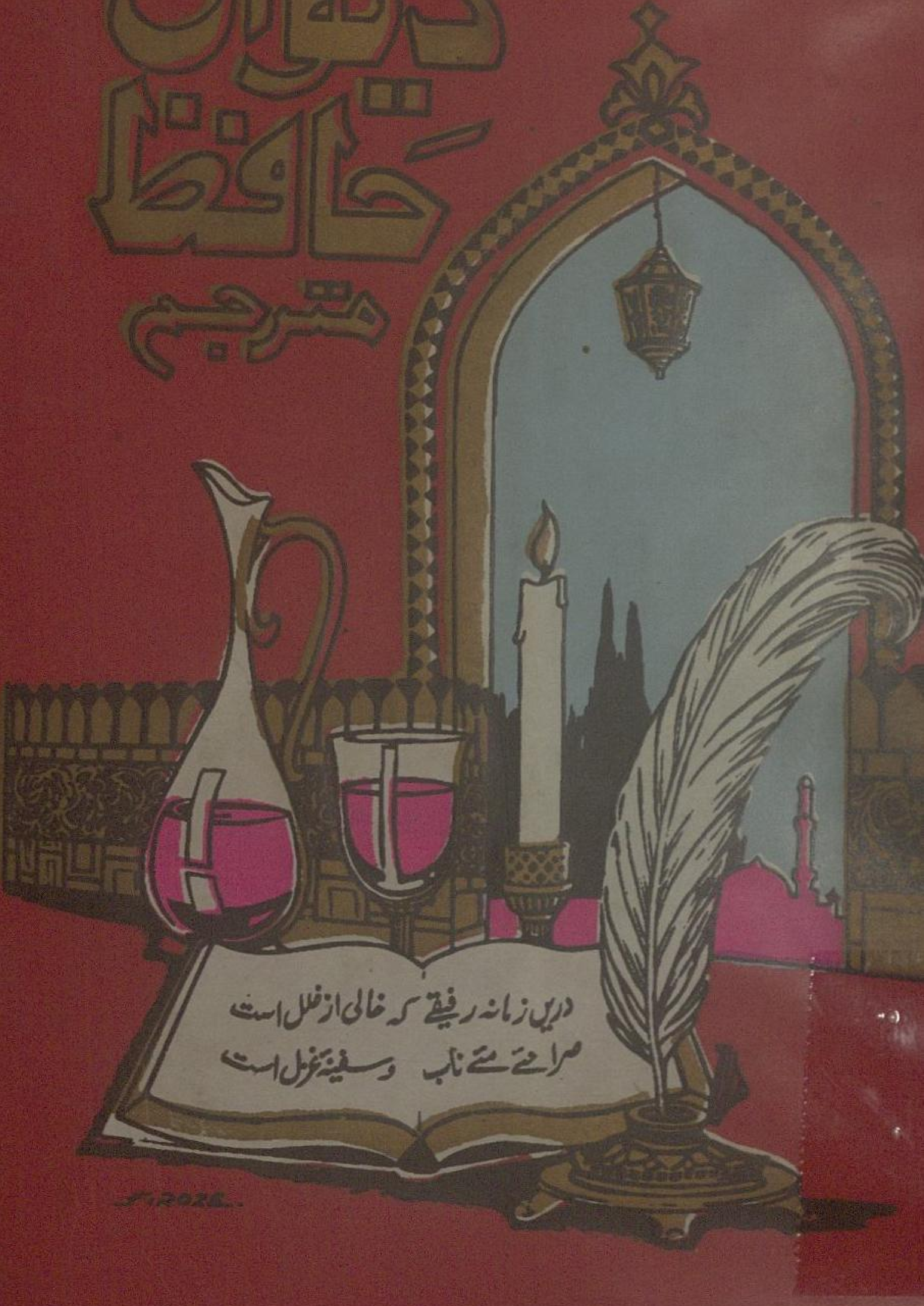
دیوان حافظ

مترجم



باسمہ تعالیٰ

دیوانِ حافظ

مترجم

بہ ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب

صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

ناشر

سب رنگ کتاب گھر دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ اور کلامِ حافظ

از

جناب کوثر چاندپوری

ایران اپنی تاریخ، تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے، اور ہندوستان سے اس کے روابط تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اور تہذیبی تعلقات کی قدامت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ایران کے باشندے حسن اور آرٹ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں، فنونِ لطیفہ سے انہیں بڑی مناسبت ہے اس علمی سرزمین نے بہت سے عالم، فلاسفر، شاعر، صوفی اور آرٹسٹ پیدا کئے جن کو اپنی انفرادی خصوصیات کے لحاظ سے صفحاتِ تاریخ پر نمایاں مقام حاصل ہے۔ ایرانی شعراء میں فردوسی، خیام، سعدی اور حافظ کو جو قبولِ عام ملا ہے وہ ان کے باکمال ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، ایران کے یہ چاروں فن کار دنیا بھر کی تاریخِ شاعری میں ہمیشہ کے لئے اپنی جگہ محفوظ کر چکے ہیں شاعرانہ نکتہ سنجیوں، قدرتِ کلام اور اصنافِ شعر پر فن کارانہ قدرت کے اعتبار سے ایران کے یہ عناصرِ اربعہ ہر دور میں مقبول اور ہر دلعزیز رہے ہیں ان کے کلام کے تراجم نہ صرف اردو بلکہ انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور ترکی زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں ہندوستان میں گلستان، بوستاں اب تک پڑھائی جاتی ہے فردوسی کا شاہنامہ اور دیوانِ حافظ بھی اربابِ علم و تحقیق کی توجہ جذب کرتے رہے ہیں اسی طرح رباعیاتِ خیام کی مقبولیت سے انکار ممکن نہیں، فردوسی مناظرِ رزم و بزم کی عکاسی کی بنا پر زندۂ جاوید رہے گا، خیام کی رندی و سرمستی اس کی رباعیات کے آبگینوں سے چھلکتی رہیگی، سعدی کی اخلاقی شاعری خراجِ تحسین حاصل کرتی رہیگی اس کے ساتھ ان کی غزل کے اشعار دلوں کی دھڑکنوں میں اضافہ کرتے رہیں گے اور حافظ اپنی غنائی شاعری اور اس سے زیادہ بقول میر محمدی[1] اپنے جذبۂ غیبی و خدائی کی بدولت ہمیشہ عوام میں مقبول رہیں گے۔ یہ کہنا کسی بے انصافی پر مبنی نہیں کہ حافظ ایران کے تمام شاعروں سے زیادہ شہرت اور مقبولیت کے مالک ہیں یہ شہرت جغرافیائی حدود کی پابند نہیں بلکہ نسیمِ صبح کی مانند ایران سے چل کر بغداد، رے، بنگالہ اور دکن تک جا پہونچی اس کے بعد اس نے فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور ترکی کو بھی اپنی بادہ ریز اور خنک لہروں سے سرشار کیا حافظ کا شمار ان خوش نصیب شعراء میں ہے جن کا کلام ان کی زندگی ہی میں قبولِ عام کے درجہ تک پہونچا ان کے اشعار سیہ چشمانِ کشمیر اور ترکانِ سمرقند کو بھی بیخود بنا دیا کرتے تھے، وہ انہیں سن کر وجد کرنے لگتے تھے ؎

زشعرِ حافظِ شیراز می گویند و می رقصند[2]
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

عراقِ عرب اور ہندوستان کے فرمانرواؤں نے خواجہ کے کلام کو جوشِ بیان، حسنِ بندش

---

[1] دیوان حافظ۔ مرتبہ میر محمدی
[2] دیوان حافظ ص ۳۰

نغمگی اور غنائیت کی وجہ سے بیحد پسند کیا اور آرزو کی کہ وہ ان کے دربار میں آئیں لیکن خواجہ دنیا کی تمام فراغتوں، مسرتوں اور عیش و عشرت کو چمنستانِ مصلّیٰ کی فرحت افزا ہواؤں اور آبِ رکناباد کی دلفریب موجوں پر نثار کر دینے کی جرأتِ رندانہ رکھتے تھے اور جس فیاضی کے ساتھ خالِ ہندی پر سمرقند و بخارا کو لٹا سکتے تھے اُسی دریا دلی کے ساتھ تمام دولت اور بلندی کو نسیمِ خاکِ مصلّیٰ اور آبِ رکناباد پر قربان کر دینے کی ہمت رکھتے تھے ؎

نمی[1] دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر
نسیمِ خاکِ مصلّیٰ و آبِ رکناباد!

لیکن جس طرح اربابِ فضل و کمال میں ایک خاص قسم کی نازک مزاجی کی جھلک ہوتی ہے حافظ میں بھی تھی، چنانچہ وہ آزردہ اور بیزار ہو کر کبھی کبھی شیراز سے نکل جانے کی تمنا بھی کرنے لگتے تھے، یہ جذبہ عام طور پر اہلِ شیراز کی بے التفاتی اور ناقدرشناسی کی بنا پر پیدا ہوا کرتا تھا ؎

سخن[2] دانی و خوشخوانی نمی ورزند در شیراز
بیا حافظ کہ ما خود را بملکِ دیگر اندازیم

انہیں یہ شکوہ بھی ہے کہ وطن میں رہ کر ان سربلندیوں تک نہیں پہونچ سکے جن کو وہ اپنی منزلِ مقصود خیال کرتے تھے۔

رہ[3] نبردیم بمقصودِ خود اندر شیراز
خرم آں روز کہ حافظ رہِ بغداد کند

یہ جذبۂ بیزاری بالکل لمحاتی اور ہنگامی ہوتا تھا جو ہوا کے جھونکے کی طرح آتا اور گذر جاتا تھا ایرانی اپنے قومی جوش اور وطن پرستی کے نقطۂ نظر سے ہر دور میں ناقابلِ شکست رہے ہیں حملہ آوروں نے انہیں خوب روندا ہے لیکن جب موقع ملا ہے وہ دامن جھاڑ کر خاکِ مذلت سے اُٹھے ہیں اور اورنگِ سلطنت پر جا بیٹھے ہیں ان کی یہ خصوصیت تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے حافظ کے احساس میں جس وقت وطن کی محبت کروٹیں بدلنے لگتی تھی بیزاری کا وہ لمحاتی جذبہ ٹھٹھر کر رہ جاتا تھا اور وہ اپنے مسقط الراس کے گن گانے لگتے تھے ؎

خوشا[4] شیراز و وضعِ بے مثالش
خداوندا نگہدار از زوالش

عجب اتفاق ہے کہ حافظ اپنی مقبولیت اور بے مثال ہر دلعزیزی کے باوجود نہایت بے التفاتی کا شکار رہے ہیں۔ تذکرہ نگاروں اور مورخین نے ان کے حالاتِ زندگی سے زیادہ اعتنا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے وارداتِ حیات تلاش کے بعد بھی مکمل طور پر دستیاب نہیں ہوتے علامہ شبلی نے شعراء فارس کے کلام پر بے لاگ تنقید کرنے کے ساتھ ہی ان کی زندگی پر روشنی ڈالنے کی بھی سعی کی ہے لیکن حافظ کے وہی کوائف و حالات انہیں مل سکے ہیں جو میخانہ عبد النبی، تاریخ فرشتہ، حبیب السیر اور چند دوسری تاریخوں میں مذکور ہیں

---

[1] دیوان حافظ ص ۱۹۰ [2] دیوان حافظ ص ۲۹۳ [3] دیوان حافظ ص ۱۹۰
[4] دیوانِ حافظ ص ۲۵۵

اور جن سے حافظ کا صرف زمانہ حیات ہی متعین کیا جاسکتا ہے
یا چند ماورائی قسم کے وہ افسانے مل جاتے ہیں جن کو خواب وخیال کی باتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ مسٹر براؤن نے شبلی سے زیادہ دادِ تحقیق نہیں دی اکثر مقامات پر وہ شعر العجم کا ترجمہ ہی پیش کر دیتے ہیں ایرانِ جدید کے بعض مصنفین نے بھی اس میدان میں گامزنی کی ہے ان میں میر محمدی اور دکتور محمود بامداد قابلِ ذکر ہیں میر محمدی، صرف اس لئے کہ انہوں نے حافظ کا سنہ ولادت ۷۲۶ھ متعین کر دیا ہے، سالِ وفات باتفاق رائے ۷۹۱ھ ہے ان سنین کے پیش نظر آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ حافظ نے پینسٹھ سال کی عمر پائی اس عرصہ میں وہ مختلف مراحل سے گذرے سلطنت کی تبدیلی کے مناظر بھی دیکھے میخانوں کو مقفّل ہوتے دیکھا، محتسبوں کی چیرہ دستیوں کے تماشے دیکھے، دوسری طرف رندانِ قدح خوار کو پوری آزادی اور بیباکی کے ساتھ جامِ شراب منہ سے لگاتے دیکھا، شراب خانوں میں ان کے جھگڑوں کا نظارہ کیا اور اکثر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی مخمس، رُباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، غرض سب ہی کچھ کہا میخانہ کے مصنّف نے ان کے ساقی نامہ کو بہت سراہا ہے لیکن حافظ دراصل غزل کے شاعر تھے وہ جس جوش، صداقت، جذبات اور برجستگی سے اپنی داخلی و خارجی کیفیات کو غزل میں پیش کرتے ہیں وہ انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ ایران کی غزل پر سب سے زیادہ رنگین اور حسین نقوش جس شاعر نے بنائے وہ صرف حافظ ہیں۔

میخانہ عبد النبی میں جو حالات قلمبند کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ کا نام شمس الدین تھا ان کے باپ بہاء الدین اصفہانی تھے اور اتابکوں کے عہدِ حکومت میں شیراز گئے تھے یہیں توطن اختیار کر لیا تھا حافظ کی والدہ گازرون کی تھیں بہاء الدین شیراز میں تجارت کرنے لگے تھے حافظ اپنے تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے باپ کی وفات کے بعد جب مال واسباب باقی نہ رہا تو دو بڑے بھائی شیراز چھوڑ کر کہیں چلے گئے حافظ ماں کے زیر سایہ وہیں رہے، ماں نے افلاس سے مجبور ہو کر انہیں محلّہ کے ایک شخص کے سپرد کر دیا حافظ کو اس کے طور طریق پسند نہ آئے اور وہ خمیر گری کا پیشہ کرنے لگے۔ قریب ہی مکتب تھا پوری محنت اور سرگرمی سے اپنا کام ختم کرنے کے بعد حافظ وہاں پڑھنے بھی چلے جاتے تھے خمیر گری کی آمدنی وہ چار حصّوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے ایک حصّہ والدہ کو دیتے، دوسرا استاد کی خدمت میں پیش کرتے تیسرا خیرات کر دیا کرتے تھے اس کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا وہ اپنی ذات پر صرف کرتے تھے، آہستہ آہستہ انہوں نے قرآن حفظ کر لیا اور کچھ حرف شناس بھی ہو گئے اُس کے بعد انہوں نے عربی اور فارسی میں پوری دسترس بہم پہونچائی میر محمدی لکھتے ہیں کہ حافظ کو بیس برس کی عمر میں شعر گوئی کا اتنا سلیقہ آگیا تھا کہ اپنے اشعار سلاطین اور اکابرِ وقت کے سامنے پیش کر کے ان کی توجہ مبذول کر سکیں حافظ اپنی رندی و آزاد مشربی کے باوجود متاہل زندگی کے دور سے گذر چکے ہیں ان کے دو بیٹے بھی تھے ایک کا نام شاہ نعمان تھا انہوں نے سفرِ ہندستان میں داعیِ اجل کو لبیک کہا علامہ شبلی کی روایت کے مطابق ان کا مزار قلعہ اسیر (برہان پور) میں ہے شاہ نعمان نے غالباً دکن سے دہلی جاتے ہوئے وفات پائی دوسرا لڑکا شیراز ہی میں انتقال کر گیا تھا حافظ نے اس حادثہ سے متاثر ہو کر مرثیہ کے طور پر یہ اشعار قلمبند کئے تھے ؎

۱؎ تذکرۂ میخانہ از ملا عبد النبی۔

دلا دیدی کہ ایں فرزانہ فرزند
چہ دید اندر خمِ ایں طاقِ نیلیں
بجائے لوحِ سیمیں در کنارش
فلک بر سر نہادش لوحِ سنگیں

میر محمدی کا خیال ہے کہ شاہ نعمان نے باپ کی زندگی ہی میں جامِ فنانوش کر لیا تھا حافظ نے دونوں بیٹوں کی موت کے متعلق اپنے اشعار میں اشارات کئے ہیں، حافظ کا زمانۂ حیات بڑی افراتفری کا تھا حافظ کے دیکھتے ہی دیکھتے خاص شیراز میں بیش ایسے ہنگامے ہوئے جن کو حرب و پیکار سے موسوم کیا جا سکتا ہے حافظ اس عہد کے ممتاز ترین فن کار تھے، وہ ان سیاسی مناقشات سے دامن نہیں بچا سکتے تھے انہیں مجبوراً مدّاحی اور قصیدہ گوئی کا سہارا لینا پڑا اس کے باوجود وہ خطرات سے دو چار ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جن ممدوحین یا معاصرین کے نام حافظ کے اشعار میں ملتے ہیں ان میں یہ حضرات شامل ہیں۔ شاہ ابو اسحٰق، امیر مبارز الدین۔ شاہ شجاع۔ شاہ نصرت الدین یحییٰ۔ خواجہ قوام الدین۔ حاجی قوام حسن، شاہ منصور، شاہ قطب الدین محمود۔ عماد ابن محمود۔ خواجہ عماد الدین محمود ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں جن کا ذکر دیوانِ حافظ میں ملتا ہے۔

ؔ حافظ کے زمانہ میں دہلی کے تخت پر فیروز شاہ تغلق جلوہ افروز تھا۔ دکن کا حکمران، محمود شاہ بہمنی ابن علاء الدین بہمنی تھا جس کا وزیرِ اعظم فیض اللہ تھا اور بنگال کا حکمران غیاث الدین تھا۔

ایران میں طوائف الملوکی تھی مختلف حصّوں پر مختلف حکمراں تھے جنکو شاہ سے مخاطب کیا جاتا تھا اور ان میں باہمی جنگ و جدال رہتی تھی بالآخر آلِ مظفر کو کامیابی ہوئی اور ان کی سلطنت وسیع تر ہو گئی۔

اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ غیاث الدین احمد حاجی خراسانی تھا۔ اس کے تین لڑکے ابو بکر۔ محمد۔ منصور تھے ابو بکر اور محمد نے ہلاکو خاں کی رفاقت اختیار کر لی۔ ابو بکر مصر پر حملہ کے وقت مارا گیا اور چند دن بعد محمد بھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ منصور باپ کی خدمت میں رہا۔ منصور کے تین بیٹے محمد۔ علی اور مظفر تھے۔ مظفر اگرچہ تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا لیکن شجاعت اور الوالعزمی میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔

ہلاکو خان کی اولاد ایران پر قابض ہو چکی تھی۔ مظفر کو عروج شروع ہو گیا تھا۔ ہلاکو خان کی نسل میں شاہ غازان خان مظفر پر بہت مہربان تھا پھر اس کے بھائی سلطان اولجائیتو کے دورِ سلطنت میں مظفر امیر بنا۔ ہرات اور مرو وغیرہ کی صوبہ داری اس کے سپرد کر دیگئی اور بالآخر امیر مظفر ہی آلِ مظفر کی سلطنت کا بانی بنا۔ امیر مظفر کے بعد اس کا لڑکا امیر مبارز الدین محمد اس کا جانشین ہوا جو حافظ کا ہمعصر تھا۔

سلطان اولجائیتو کے بعد ہلاکو خان کی آٹھویں پشت میں سلطان ابو سعید بہادر خاں برائے نام ایران کا بادشاہ تھا۔ صوبوں میں امراء نے علمِ بغاوت بلند کر رکھا تھا امیر شیخ ابو اسحاق کا باپ امیر محمود عراق کے ایک حصّہ کا والی تھا امیر مبارز الدین محمد یزد کا حاکم تھا اور امیر حسین شیراز پر حکومت کرتا تھا۔ امیر ملک اشرف کو شیراز پر حکومت کرنیکا لالچ پیدا ہوا تو وہ عراق پہونچکر ابو اسحاق سے ملا اور پھر دونوں نے ملکر شیراز پر حملہ کر دیا ابو اسحاق نے ملک اشرف کو دھوکا دیکر خود شیراز پر قبضہ

ؔ دیوان حافظ ص۳۵۲ ؔ یہ عبارت اس جگہ سے ۲۵ سطر تک کوثر صاحب کی نہیں ہے۔ (ناشر)

کرلیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ اب ابواسحاق
کو اپنی سلطنت وسیع تر کردینے کا خیال دامن گیر ہوا تو اس نے
۷۵۱ھ میں مبارز الدین محمد کو شکست دینے کے لئے یزد پر حملہ کردیا اس حملہ میں
اسکو سخت ناکامی ہوئی اور اس کے نتیجہ میں مبارز الدین محمد نے ابواسحاق کے خلاف
شیراز پر حملہ کا ارادہ کردیا۔ ابواسحاق نے قاضی عضد الدین عبدالرحمان کو صلح کا پیغام دیکر یزد بھیجا مگر قاضی صاحب کو مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ یہی قاضی عضد الدین ہیں جن کے بارے میں خواجہ صاحب نے اپنے اور ابواسحاق کے دور کی پانچ شخصیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

دگر شہنشہِ دانش عضد کہ در تصنیف

بنائے کارِ مواقف بنامِ شاہ نہاد[۱]

اب وہ وقت آچکا تھا کہ ابواسحاق کا ستارہ گردش میں تھا اور فتحمندی اس سے مُنہ پھیر چکی تھی اس کے معتمد و مشیر کار دنیا سے رخصت ہوچکے تھے اور اس کے دور کی پانچوں شخصیتیں رفتہ رفتہ ختم ہورہی تھیں شیخ مجد الدین کا وصال ہوچکا تھا شیخ امین الدین بھی عالمِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

امیر مبارز الدین محمد نے ۷۵۴ھ میں شیراز پر حملہ کردیا ابواسحاق کے وزیر اعظم خاص قوام الدین حسن بھی اس محاصرہ کے دوران انتقال کر گئے۔ اس حملہ کے نتیجہ میں مبارز الدین محمد کا شیراز پر قبضہ ہوگیا اور ابواسحاق نے شیراز سے راہِ فرار اختیار کی تین سال تک مارا مارا پھرتا رہا اور بالآخر گرفتار ہوا اور مبارز الدین کے حکم سے قتل کردیا گیا۔

مبارز الدین محمد نے شیراز پر قبضہ کے بعد عراق کا رخ کیا اور اپنے بیٹے جلال الدین شجاع کو شیراز میں اپنا قائم مقام بنایا اس دوران میں خواجہ عماد الدین محمود نے جو ابواسحاق کا وفادار وزیر تھا شجاع کے خلاف ایک ناکام بغاوت کی اور مارا گیا۔ خواجہ عماد الدین محمود بھی خواجہ صاحب کا ممدوح رہا ہے۔

ابواسحاق پر فتح پانے کے بعد مبارز الدین محمد بادشاہ تو بنگیا لیکن برابر خانہ جنگیوں میں مصروف رہا۔ تبریز۔ اصفہان اور عراق اس کی جولانگاہ بنے رہے۔

مبارز الدین محمد کے پانچ لڑکے تھے۔ شجاع۔ شرف الدین مظفر۔ قطب الدین محمود۔ سلطان افسر اور سلطان ابویزید شرف الدین مظفر کا تو مبارز الدین محمد کی زندگی میں انتقال ہوگیا۔ شجاع برابر باپ کا ساتھ دیتا رہا لیکن آخر عمر میں مبارز الدین بدمزاج اور تندخو ہوگیا عموماً بڑے بیٹوں کے ساتھ ترشروئی سے پیش آتا تھا۔ اور صرف سلطان ابویزید سے محبت کرتا تھا۔

شجاع اور قطب الدین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مبارز الدین محمد ان کو محروم کرکے ان کے چھوٹے بھائی سلطان ابویزید کو تخت و تاج کا مالک بنا دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے اور شاہ سلطان نے جو ان کا بہنوئی اور اصفہان کا گورنر تھا ملکر سازش کی اور مبارز الدین محمد کو گرفتار کرکے اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر معزول کر ڈالا مبارز الدین محمد کا اسی حالت میں ۷۶۵ھ میں انتقال ہوگیا۔

اس انقلاب میں شاہ شجاع اورنگِ سلطنت پر قابض ہوگیا اور اس نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں نصرت الدین یحیٰی اور منصور کو مختلف علاقے سپرد کردئے

---

[۱] دیوان حافظ صہ ۲۵۵

لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں باہمی نفاق پیدا ہوا
اور قطب الدین محمود نے شیراز پر چڑھائی کر دی اور سلطان ادیس
ابن امیر شیخ حسن ایلکانی حاکمِ عراق کی مدد سے شیراز پر قبضہ کر لیا عماد ابن محمود
انہی قطب الدین کا وزیر تھا جو حافظ کا ممدوح ہے جس کو اکثر غزلوں میں آصفِ دوراں
کہا ہے شاہ شجاع شیراز سے نکلکر خواجہ جلال الدین توران شاہ کے پاس پناہ گزیں ہوا اور کچھ دن بعد شاہ شجاع نے توران شاہ کی مدد سے کرمان وغیرہ پر قبضہ کر لیا نصرت الدین یحیٰی بھی اُس کا فرماں بردار بنگیا کچھ عرصہ کے بعد شاہ شجاع نے شیراز کا رخ کیا اور قطب الدین محمود کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کر لیا۔

اب شاہ شجاع کا اقتدار پھر واپس آیا۔ اور خواجہ جلال الدین توران شاہ وزیر اعظم مقرر ہوا جو بہت ہر دلعزیز تھا اس سے قبل خواجہ قوام الدین محمد اور کمال الدین شاہ شجاع کے وزیر اعظم رہ چکے تھے جو بغاوتوں کے الزام میں قتل کر دئے گئے۔ شاہ شجاع کے یہ تینوں وزراء بھی خواجہ حافظ کے ممدوح رہے ہیں۔

شاہ شجاع کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی اس کے بعد اُس کا بیٹا سلطان زین العابدین تخت نشین ہوا مگر شاہ شجاع کے بھتیجے منصور۔ اور نصرت الدین یحیٰی باغی ہو گئے اور شاہ شجاع کے بھائی سلطان ابو یزید نے بھی علمِ بغاوت بلند کیا اور ملک فارس پھر خانہ جنگی کا شکار ہو گیا نتیجہ میں منصور کامیاب ہوا اور اس نے پورے ملک میں اپنی سلطنت قائم کر لی کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ فارس پر تیمور کے حملے شروع ہو گئے اور منصور تیمور کے ہاتھوں قتل ہوا اور فارس سے آلِ مظفر کا خاتمہ ہو گیا۔

حافظ شیراز چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے انہوں نے عمر میں صرف تین سفر کئے پہلا شاہ نصرت الدین کی خواہش پر اس سفر میں وہ شیراز سے یزد گئے دوسرا سفر محمود شاہ بہمنی شاہ دکن کے اصرار پر شیراز سے جزیرہ ہرمز تک کیا گیا۔ قصد ہندوستان کا تھا اسی ارادے سے ہرمز آئے تھے مگر سمندر کی طوفانی لہروں کو دیکھ کر دل دہل گیا اور ارادہ فسخ کر دیا۔ میر فضل اللہ کو جس کے توسط سے شاہ محمود نے انہیں زادِ راہ بھیج کر بلایا تھا یہ غزل لکھ کر بھیجدی۔ جس کا مطلع ہے

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد
بمے بفروش دلقِ ما کزیں بہتر نمی ارزد

تیسری مرتبہ حافظ آخری ایامِ عمر میں اصفہان گئے یہ شاہ منصور کا زمانہ تھا۔

حافظ کا کلام ان کی وفات کے بعد ۷۹۱ھ میں محمد گل اندام نے مرتب کیا براؤن محمد گل اندام کے حوالہ سے لکھتے ہیں دیوان کی ترتیب اس زمانہ کے ممتاز عالم قوام الدین عبداللہ کی خواہش پر شروع کی گئی تھی۔

...The writer of these lines, this least of men, Muhammad Gulandam, when he was attending the lectures of our Master, that most eminent teacher Qiwamu'd-Din 'Abdu'llah, used constantly and repeatedly to urge, in the course of conversation, that he (Ḥafiẓ) should gather together all these rare gems in one concatenation and assemble all these lustrous

---

۱؎ دیوان حافظ ص ۱۵۷

pearls on one string, so that they might become a necklace of greatprice for his contemporaries or a girdle for the brides of his time. With this request, however, he was unable to comply, alleging lack of appreciation on the part of his contemporaries as an excuse, until he bade farewell to this life....in A.H.791" (A.D. 1389).

- A Literary History of Persia
Volume III, page 272

(مشہور مدرس مولانا قوام الدین عبداللہ گفتگو کے دوران میں برابر تلقین کرتے رہے کہ وہ (حافظ) اپنے بے مثل جواہر کو ایک جگہ جمع کریں اور تمام چمکدار موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیں تاکہ ان کے ہم عصروں کے لئے وہ ایک قیمتی ہار بن جاتے اور ان کے زمانے کی دولہنوں کے لئے گلو بند۔ بہر حال حافظ ان کی یہ درخواست پوری کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور وہ ہمیشہ اپنے ہم عصروں کی قدر ناشناسی کا گلہ کرتے رہے حتی کہ ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں انہوں نے اس دنیوی زندگی کو خیر باد کہدیا!)

انگریزی زبان میں لٹریری ہسٹری آف پرشیا کے علاوہ حافظ کے متعلق کچھ اور سرمایہ بھی موجود ہے سر گور اوزلے (SIR GORE OUSELEY) کے جغرافیائی نوٹس جو انہوں نے فارسی شعراء پر لکھے ہیں حافظ کے کلام سے متعلق اکثر امور پر روشنی ڈالتے ہیں لیکن حافظ کے زمانۂ حیات اور ان کے کلام پر سب سے اچھی اور قابلِ اعتماد معلومات ——— MISS GERTRUDE LOWTHIAN BELL (مس گرٹروڈ لوتھین بیل) نے اپنے تعارف میں مہیا کی ہیں۔ براؤن نے اس سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی کی بھی تعریف کی ہے۔

حافظ پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں ان میں سے اکثر میں پورا زورِ قلم اس بات پر صرف کیا گیا ہے کہ حافظ لسان الغیب ہیں ان کے اشعار میں ایک ایسا خدائی جذبہ موجود ہے جو آئندہ واقعات کی خبر دیدیتا ہے ان کی شراب جس کا وہ بہت زور شور سے ذکر کرتے ہیں معرفت کی شراب ہے اسی طرح ان کا محبوب بھی اس دنیا کا باشندہ نہیں وہ ایک ایسا ماورائی وجود ہے جس کو پیغمبرانہ صلاحیتیں ودیعت کیگئی ہیں کچھ ایسے اربابِ علم بھی ہیں جو حافظ کو رندِ لم یزل سمجھتے ہیں علامہ شبلی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ حافظ پر رندی و سرمستی کا جذبہ غالب تھا جس کو وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ ظاہر کرتے تھے لیکن ان کے شاہد و شراب کے متعلق وہ کبھی کوئی واضح فیصلہ صادر نہیں کرتے وہ ان کی مستی پر ہی اپنے اظہارِ خیال کی بنیاد رکھتے ہیں جو شرابِ معرفت اور شرابِ انگور دونوں سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن شاعر اگر داخلی واردات کے ساتھ خارجی واقعات اور سماجی تقاضوں کی عکاسی بھی کرتا ہے تو ماننا پڑیگا کہ حافظ کے ان اشعار میں جو عہدِ شباب کی یادگار ہیں ایسی سرخوشی اور سرشاری ملتی ہے جو اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب شاعر عملی طور پر ان کیفیات سے گزر رہا ہو حسن کی جو خصوصیات ان کے یہاں ملتی ہیں وہ ماورائی حسن سے زیادہ اس جہانِ آب و گل کے جمال و رعنائی کی تصویر کشی کرتی ہیں حافظ کے ان پرستاروں سے میں بحث نہیں کروں گا جو ان کے ہر اشارے اور استعارے کو تاویلاتِ باردہ کی طاقت سے معرفت و حقیقت کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں میری رائے میں شاعر سے صرف شاعرانہ بلند خیالی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ اس میں پیغمبرانہ اوصاف کی تلاش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ حافظ کا ایک مشہور شعر ہے ؎

مئے دو سالہ و محبوب چار دہ سالہ
ہمیں بس است مرا صحبتِ صغیر و کبیر[1]

[1] دیوان حافظ ص ۳۳

ظاہر ہے کہ شعر میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ اپنے صحیح معانی پر دلالت کر رہے ہیں مئے دو سالہ سے وہ شراب عتیق مراد ہے جسے اس کے نشہ اور تاثرات کے لحاظ سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے اور محبوبِ چہاردہ سالہ کا خطاب کسی ایسے نوخیز امرد سے ہے جس پر ایرانی حضرات ہمیشہ سے ہوش و حواس نثار کرتے آئے ہیں اور اکثر شعراءِ فارس کے یہاں ایسی مثالیں ملتی ہیں[1] شاہ طہماسب کے دربار میں جلال الدین بحیثیت طبیب ملازم تھا جو حسن و جمال کے اعتبار سے بہت جاذبِ نظر تھا ایک مرتبہ وہ شاہ کی مجلس میں پہونچا تو شاہ طہماسب نے اسے دیکھتے ہی بے اختیار کہا

خوش طبیبے است بیا تا ہمہ بیمار شویم[1]

اس مصرعہ سے شاہ کا اصل ذوق اس شدت سے نمایاں ہے کہ اسے کسی تاویل کے پردے میں نہیں چھپایا جا سکتا بیرم خان ترکمان زبردست فاتح سپہ سالار اور بڑے دبدبے کا وزیر تھا لیکن اس کے دیوان میں ایسے قصائد ملتے ہیں جو اس عہد کے حسین و جمیل امردوں کی تعریف میں کہے گئے ہیں شہنشاہ بابر کی کیفیت بھی یہی ہے یہی بیماری اُردو کے بہت سے شاعروں کو فارس کی طرف سے ورثے میں ملی ہے حافظ سے پہلے شیخ سعدی کے کلام میں بھی اس نوع کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ حافظ بہرحال انسان تھے انہوں نے ایران ایسے ملک میں آنکھ کھولی تھی جہاں شراب و شاہد اپنی اصل صورت اور معانی میں تسکینِ ذوق کے لئے کام میں لائے جا رہے تھے اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ کوئی سماجی جرم نہیں جسے چھپانے کی کوشش کی جائے انسان اپنے سماج ہی کا پروردہ ہوتا ہے وہ اس کی بہت سی خصوصیات اپنے اندر جذب کرتا ہے یہی دنیا کا اصول ہے لیکن ان عقیدت کیشوں پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ مئے دو سالہ سے قرآن مراد ہے اور محبوب چہاردہ سالہ سے رسولِ اکرم کی ذات مبارک ۔ اس قسم کی تاویلات نہ صرف بے اثر اور بے کیف ہیں بلکہ ان سے شاعر کے وہ اصل تصوّرات بھی باطل ہوتے ہیں جو اپنے سماج کے متعلق اس کے ذہن میں موجود ہیں۔ شعر کی لطافت اور بلاغت پر ان باتوں کا جو اثر ہوتا ہے وہ صاحبانِ ذوق سے مخفی نہیں ہے دکتور محمود بامداد حافظ شناسی میں لکھتے ہیں کہ آقا محمد رضا مرحوم قمشہ سے اس شعر کے متعلق استفسار کیا گیا تھا انہوں نے اس کا نہایت معقول جواب دیا تھا۔

البتہ انتظار دارید کہ بگویم مراد از مئی دو سالہ قرآن است و از محبوبِ چہاردہ سالہ انسانیکہ بحدِ جمال و کمال رسیدہ باشد و چوں در انبیا این کمال بچہل سالگی دست مید ہد پس مقصود از انہم رسولِ اکرم (ص) است لکن بحق ہمان خبران کہ مقصود حافظ درین شعر ہمان معانی ظاہری و لغوی است[2]۔

حافظ کے علم و فضل اور ان کے اس عرفان سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو آگے چل کر انہیں حاصل ہوا لیکن ادبی تحقیق اور تنقیدی مباحث میں ایسا غلو جذباتیت کی تعریف میں آتا ہے اور جذباتی و تاثراتی اظہارِ خیال میں کوئی وزن نہیں ہوتا حقیقت پسندانہ اسلوبِ بیان ہی قابلِ اعتماد ہوتا ہے ایک حقیقی

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۲۰ والحیاتے عہدِ مغلیہ (کوثر چاند پوری صفحہ ۷)

[2] حافظ شناسی چاپ دوم مطبوعہ چاپ خانہ اتحاد صفحہ ۱۷

شاعر جس میں ذرا سا ذوقِ جمال بھی موجود ہے وہ حسن سے متاثر ہونے کی وہی صلاحیت رکھتا ہے جو بارود میں آگ پکڑنے کی ہوتی ہے اور یہ حس حقیقت و معرفت کی شراب سے مدہوش اور سرشار ہونے کے باوجود اس میں زندہ رہتی ہے زندگی بجائے خود تغیر پذیر ہے وہ مختلف ادوار اور مراحل سے گزرتی ہے اور ان سے گزرتے وقت جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا اظہار ضرور کسی نہ کسی طرح ہوتا ہے۔ زندگی کے ادوار اور مراحل میں عمر کے وہ سنگِ میل شامل ہیں جن سے ان کو تقسیم کر دیا گیا ہے مثلاً بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن کے عادات و خصائل شباب اور بڑھاپے کے اطوار سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ حافظ عمر کے جن منازل سے گزرے ہیں انہوں نے ان کی نہایت کامیاب ترجمانی اور عکاسی اپنے اشعار میں کی ہے اور یہی ایک بلند پایہ شاعر کی خصوصیت ہے دیوانِ حافظ کے مطلع کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ شاعری کے آغاز ہی میں انہیں پیرِ طریقت اور ہادیِ معرفت کا منصبِ جلیل مل گیا تھا۔ دیوان کا یہ پہلا شعر یقیناً حقائق و معرفت کا ترجمان ہے۔

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِی اَدِرْ کَاساً وَّ نَاوِلْھَا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

لیکن یہ بات کسی طرح قرینِ عقل نہیں کہ دیوانِ حافظ جس ترتیب سے مدون ہو کر شائع ہوا ہے اسی ترتیب سے شاعر نے نظم بھی کیا ہے۔ میخانہ عبدالنبی کا بیان ہے کہ حافظ کم عمری میں شعر کہنے لگے تھے شروع میں وہ موزوں اشعار نہیں کہہ سکتے تھے چنانچہ بے تکے اور غیر موزوں اشعار نے انہیں لوگوں کے مذاق کا ایک دلچسپ ذریعہ بنا دیا تھا آہستہ آہستہ ان کا ذوقِ شعرگوئی نکھرتا گیا آخرکار وہ اس مرتبہ تک پہونچ گئے کہ ان کے کلام پر جذبۂ خدائی کا گمان ہونے لگا۔ دیوانِ حافظ کے صحافی میر محمدی بھی لکھتے ہیں

از اوانِ جوانی بطبع آزمائی در شعری پرداخت

لیکن کمالِ شعرگوئی کی منزل تک پہونچنے میں بہت دیر لگی اسی طرح سلوک و طریقت کا ادراک بھی چالیس سال سے قبل نہ ہو سکا اس عرصہ میں وہ ناکامی، یاس و ناامیدی اور تگ و دو کے بیشمار پیچ و خم سے گذرے دکتور بادو لکھتے ہیں۔ شاید در چہل سالگی بمراد رسیدہ است کہ فرمودہ۔

چل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت
تدبیرِ ما بدست شراب دو سالہ بود
علم و فضلے کہ بچل سال دلم گرد آورد
ترسم آن نرگس مستانہ بیکجا ببرد

حافظ نے ایک اور شعر میں بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ انہیں چالیس سال کی عمر ہی میں تصوف کا ادراک نصیب ہوا۔

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف
کہ در شیشہ بماند اربعینے

۱؎ دیوان حافظ ص ۲۹ ۲؎ دیوان حافظ ص ۱۵۶
۳؎ دیوان حافظ ص ۲۰۹ ۴؎ دیوان حافظ ص ۳۰۷

اس کے بعد انہیں سلوک وطریقت میں وہ مرتبہ میسّر ہوا جس کو فضل وکمال اور صدق وصفا کا آئینہ کہا جا سکتا ہے اس کے ساتھ رشد وہدایت کا منصب بھی مل گیا ہو تو بعید نہیں جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔

سحرم ہاتفِ میخانہ بدولت خواہی
گفت باز آی کہ دیرینۂ این درگاہی
بامنِ راہ نشیں خیز وسوئے میکدہ آی
تا بہ بینی کہ درآن حلقہ چہ صاحب جاہم [1]

حافظ کے اشعار میں جو تناقض اور تضاد نظر آتا ہے وہ غزل کے متفرق اور منتشر اشعار میں عام طور پر پایا جاتا ہے غزل کا شاعر مشکل ہی سے کوئی ایسا سالم نظریہ پیش کر سکتا ہے جس کو فلسفہ کا نام دیا جا سکے جس طرح آج غزل کی اس خصوصیت پر اعتراض کیا جاتا ہے حافظ کے عہد میں بھی ذہنوں میں اس قسم کے تصورات موجود تھے چنانچہ شاہ شجاع نے حافظ پر بھی اعتراض کیا تھا تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ شاہ شجاع نے ان سے یہ سوال کیا تھا۔

ابیاتِ غزلہائے شما ارتباطے باہم ندارد یک بیت در وصال است ویک بیت در فراق وسومی در مذمت زہد وریا وانگاہ بیت دمیخانہ پرداختہ واز رندی وبیخودی حکایت میکنی باز دم از بے نیازی واستغنا زدہ ودر عین حال ہمہ را مدح می پردازی یعنی از شاخ بہ شاخ پرواز می نمائی ودرین تلوّن ذہنِ شنوندہ مشوّش خواہد شد ووقعِ کلام از بین می رود کہ ایں خود بر خلافِ فصاحت است۔

یہ اعتراض حافظ پر نہیں درحقیقت غزل پر ہے جس میں کوئی مضمون تسلسل کے ساتھ بیان نہیں کیا جاتا، اس کا ہر شعر ایک واحدہ کی حیثیت رکھتا ہے شاہ شجاع کے اس سوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شعر کا کتنا اچھا ذوق رکھتا تھا اور کتنی عمدہ تنقید کر سکتا تھا اس وقت کا ذہن نظم یا مسلسل غزل کا طالب تھا جس میں کسی موضوع پر ربط وتسلسل کے ساتھ خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے فردوسی کی مثال سامنے تھی جس نے ایران کی پوری تاریخ مثنوی میں بیان کر دی ہے عمر خیام رُباعی میں ایک سالم نظریہ پیش کر دیا کرتے تھے اس اعتبار سے ان کا شمار فلسفی شعراء میں ہونا چاہئے۔ حافظ اور خسرو میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں نے متعدد سلاطین کا زمانہ دیکھا خسرو نے حافظ سے بادشاہوں کے درباروں کا نظارہ کیا حافظ نے صرف چار سلاطین ہی کے عہد حکومت کی تبدیلیاں دیکھیں یعنی ابواسحٰق۔ مبارز الدین محمد۔ شاہ شجاع اور شاہ منصور جو شاہ شجاع کا بھتیجہ تھا ان چاروں بادشاہوں کا زمانہ حالات کے لحاظ سے بالکل مختلف تھا شیخ ابواسحٰق جن کو جمال الدین شاہ ابواسحٰق بھی لکھا جاتا ہے۔ ابتداءً فارس کے گورنر مقرر ہوئے اور ۷۴۲ھ-A.H میں تختِ حکومت پر رونق افروز ہوئے یہ سب سے پہلے بادشاہ تھے جنہوں نے حافظ کے جوہرِ ذاتی کو پہچانا۔ حکیم غلام مہدی ایم۔ اے اپنے انگریزی (غیر مطبوعہ) مقالہ میں لکھتے ہیں۔

Shah Jamaluddin Abu Ishaq was the first great ruler who came to the throne in 742 A H. He was a wise and just king and for the first time discovered the genius of our great poet.

---

[1] دیوان حافظ ص۳۰۸ [2] دیوان حافظ ص۲۰۵

(شاہ جمال الدین ابواسحٰق پہلا عظیم حکمراں
تھا جو ۷۴۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ وہ ایک عاقل اور انصاف پسند
بادشاہ تھا۔ اور اُس نے ہی پہلی بار ہمارے اس عظیم شاعر کی صلاحیت
کو دریافت کیا تھا۔)

ابواسحٰق شاعر بھی تھا اور شاعر دوست بھی یہ دوسرے شعراء کی عزت کرتا تھا لیکن عیش پرست تھا اور امورِ مملکت پر کوئی توجہ نہ کرتا تھا آخر کار اسی عیش پرستی کی بدولت سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل گئی اس واقعہ کو علاّمہ شبلی نے بھی لکھا ہے اور براؤن نے بھی۔ براؤن لکھتا ہے:

This Abu Ishaq was a poet and friend of poets, heedless, pleasure-loving, and so negligent of the affairs of state that when he was at last induced by his favourite Shaykh Aminu'd-Din to fix his attention on the Muzaffari hosts who were investing the capital, he merely remarked that his enemy must be a fool to waste the delicious season of Spring in such fashion, and concluded by reciting the verse:[1]

بیا تا یک امشب تماشا کنیم
چو فردا شود فکر فردا کنیم

(یہ ابواسحٰق ایک شاعر تھا، وہ شاعروں کا دوست، لاپرواہ اور عیش پسند تھا اور ملک کے حالات سے اتنا بے پرواہ تھا کہ جب آخر کار اس کے عزیز مصاحب شیخ امین الدین نے اُس کی توجہ ان مظفری سپاہ کی طرف دلائی جو اس کے دارالسلطنت پہ یلغار کر رہے تھے تو اس نے سرسری طور پر جواب دیا کہ اس کا دشمن بیوقوف ہے جو موسم بہار کے اس خوشگوار وقت کو اس طرح ضائع کر رہا ہے اور اپنی بات مندرجہ ذیل شعر کہہ کر ختم کر دی۔)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مبارز الدین محمد نے شیراز فتح کر لیا اور ابواسحٰق کو تہ تیغ کر دیا گیا اس اندوہناک سانحہ پر حافظ بیحد ملول ہوئے انہوں نے اس تاثر میں ایک قطعہ نظم کیا جس میں اس عہد کے تمام اربابِ علم کا ذکر کیا۔

بہ عہدِ سلطنتِ شاہ شیخ ابواسحٰق[2]
بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد

شاہ ابواسحٰق کو حافظ بھول نہ سکے ان کی یاد عرصہ تک ان کے دل و دماغ سے محو نہ ہوئی، غزلوں میں کبھی ان کا نام حافظ کے منہ پر آ جاتا ہے۔

راستی خاتمِ فیروزۂ بواسحاقی[3]
خوش درخشید ولے دولتِ مستعجل بود

ابواسحٰق کا دورِ فرمانروائی اس اعتبار سے نہایت مبارک تھا کہ شیراز میں بڑے بڑے صوفی، محقق اور دانشور جمع ہو گئے تھے۔

ابواسحٰق کے بعد مبارز الدین محمد شیراز اور فارس کا فرمانروا ہوا یہی بادشاہ

۱۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد سوم صفحہ ۲۷۵ ۲۔ دیوان حافظ ص
۳۔ دیوان حافظ ص ۴۵۵ ۴۔ دیوان حافظ ص ۲۱۷

آلِ منظفر کی حکومت کا بانی اور موسس ہے مبارزالدین محمد نہایت مذہبی قسم کا فرمانروا تھا اس نے شراب خانے بند کردیئے اور محتسب مقرر کردیئے گئے حافظ اس وقت جوان تھے لیکن اپنے اشعار میں سماجی تغیرات کی تصویر کشی کا بہت اچھا شعور ان میں پیدا ہو چکا تھا چنانچہ اس عہدِ پرہیزگاری پر انہوں نے نہایت کامیاب طنز کئے ہیں۔

درِ مے خانہ بہ بستند خدایا مپسند[1]
کہ درِ خانۂ تزویر وریا بکشایند

محتسبوں کی چیرہ دستیوں سے حافظ تنگ تھے ان کے خوف سے نہایت احتیاط سے شراب نوشی کی تلقین کرتے ہیں۔

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلریز است[2]
بہ بانگِ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

مبارزالدین محمد کے بعد اس کی جگہ اس کے نامور فرزند شاہ شجاع کو ملی یہ بھی ان لوگوں میں تھا جن کو شراب بندی سے اذیت پہونچی تھی چنانچہ باپ کے زمانہ ہی میں اس نے بھی ایک رباعی لکھی تھی۔

در مجلسِ دہر ساز مستی پست است[3]
نہ چنگ نہ قانون و نہ دف بر دست است
رنداں ہمہ ترکِ مے پرستی کردند
جز محتسبِ شہر کہ بے مے مست است

شاہ شجاع نہایت علم دوست اور وسیع النظر تھا اس نے وہ تمام پابندیاں اٹھا دیں جو اس کے باپ نے عائد کردی تھیں اب دورِ جام پر کوئی قدغن نہ رہی میخانے آباد ہو گئے رندانِ بلانوش بے خطر آتشِ سیال سے کھیلنے لگے اور محتسب شاعروں کے طنز کا شکار ہو گئے حافظ سماجی آزادی کے اس اعلان کو سن کر باغ باغ ہو گئے اسی عالم مسرت میں انہوں نے کہا

سحر ز ہاتفِ غیبم رسید مژدہ بگوش[4]
کہ دورِ شاہ شجاع است مے دلیر بنوش

حافظ آلامِ حیات سے نجات پانے کی غرض سے "شرابِ لعل" کا سہارا ڈھونڈنے لگے

شرابِ لعل میخواہم کہ مرد افگن بود زورش[5]
کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش
شرابِ لعل می نوشم من از جامِ زمرد گوں
کہ زاہد افعیِ وقت است میسازم بداں کورش

اُن تکالیف کے پیشِ نظر زاہد کو افعیِ وقت قرار دینا جو اس سے عوام کو پہونچ رہی تھیں بیحد قابل تعریف تشبیہ ہے البتہ زمرد سے سانپ کے اندھا ہو جانے کا عقیدہ تجربات سے درست ثابت نہیں ہوا۔

---

[1] دیوان حافظ صہ ۱۲۴ [2] دیوان حافظ صہ ۵۱ [3] شعر العجم صہ ۱۹۲/۲ج
[4] دیوان حافظ صہ ۲۳۴ [5] دیوان حافظ صہ ۲۵۸

شراب و شاہد سے پابندیاں اٹھ گییں تو حافظ تنہا مے دوسالہ ہی کو غمِ زندگی کا حریف نہیں بناتے ہیں بلکہ اسی پیراہن پر خرقہ و دستار کو بھی نثار کر ڈالنے کی جراتِ رندانہ رکھتے ہیں جو کسی محبوب کے عشق میں چاک کر ڈالا گیا ہو۔

فدا[1] کے پیرہن چاکِ ماہرویان باد
ہزار جامۂ تقوٰی و خرقۂ پرہیز

وہ شراب و نگار ہی کو فروغِ مجلس کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

بہیچ[2] وجہ نباشد فروغِ مجلسِ انس
مگر بروئے نگار و شرابِ انگوری

ان تمام اشعار میں حافظ نے اپنے مخصوص جوشِ بیان کے سہارے اس مسرت کا اظہار کیا ہے جو شراب اور دوسرے لوازمِ عیش و نشاط پر سے پابندیاں ہٹ جانے کے باعث انہیں حاصل ہوئی تھیں۔ شراب کے بغیر حسن میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی زمانہ وہ آگیا ہے دونوں سے ایک ہی بزم میں پوری آزادی کے ساتھ لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر حافظ بیحد مسرور ہیں وہ جوشِ انبساط میں وجد کرتے نظر آرہے ہیں اپنی ذاتی کیفیات کے ساتھ ہی حافظ اس سماج کی عکاسی بھی کرتے جارہے ہیں جس میں وہ زندگی گذار رہے ہیں انہیں جامِ زمردگون بھی گردش کرتا نظر آرہا ہے ماہرویوں پر چاک پیرہن بھی پیش نظر ہیں اور ان خرابات میں بھی شمعیں جھلملاتی دکھائی دے رہی ہیں جہاں کل تک تاریکی، سوگواری اور سناٹے کے علاوہ کچھ نہ تھا یہ ساری باتیں ہماری آپ کی دنیا سے متعلق ہیں ان میں اس کائنات کا جلوہ نہیں دیکھا جا سکتا جس کو حقیقت اور معرفت کا عالم کہتے ہیں اسی عالمِ انبساط میں حافظ نے شاہ شجاع کی مدح میں غزل کہ ڈالی

عید[3] است و آخرِ گل و یاراں در انتظار
ساقی بروئے شاہ ببین ماہ و مے بیار

حافظ شراب نوشی کے آداب اور لوازم سے پوری طرح باخبر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تنہا پینے میں کوئی لطف نہیں اور شراب کی کمی کے متعلق وہ اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں جو بعد کو غالب نے اپنایا یعنی

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

حافظ اس وقت تک شراب پینا پسند نہیں کرتے جب تک منوں شرابِ عتیق ان کے سامنے نہ ہو۔

دو[4] یار زیرک و از بادۂ کہن دومنے
فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

وہ شاہدانِ سیمین رخسار کی زلفوں کو چہرے پر منتشر دیکھ کر کہتے ہیں۔

دی[5] در میانِ زلف بدیدم رخِ نگار | بر ہیئتے کہ ابر محیطِ قمر شود
گفتم کہ ابتدا کنم از بوسہ گفت نے | بگذار تا کہ ماہ ز عقرب بدر شود

---

[1] دیوان حافظ ص ۲۳۹ [2] دیوان حافظ ص ۲۹۱ [3] دیوان حافظ ص ۲۳۱
[4] دیوان حافظ ص ۳۹۹ [5] دیوان حافظ ص ۱۸۹

ان اشعار کو سلوک و معرفت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا یہ حافظ کی ایسی واردات ہیں جو خارجی تاثرات کی ترجمانی بھی کر رہی ہیں اور داخلی کیفیات کو بھی نمایاں کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دورِ شباب کی عذر خواہی ضروری سمجھتے ہیں مگر یہ کہکر کہ یہ سب چیزیں تو عہدِ شباب کے مظاہر ہیں۔

حافظ چہ[1] شد ار عاشق و رند است و نظر باز
بس طورِ عجب لازمِ ایّامِ شباب است

حافظ عالمِ مستی میں بھی لعلِ بتاں کے ساتھ بادۂ خوشگوار کو ضروری سمجھتے ہیں وہ ان میں سے کسی کی برائی پہ آمادہ نہیں۔

ماعیب[2] کس برندی و مستی نمی کنیم
لعلِ بتان خوش است و مئے خوشگوار ہم

جوانی کا دور اپنی تمام سرمستیوں کے ساتھ گذر گیا اور اس کے بعد وہ زمانہ شروع ہوا جب وہ اسرارِ سلوک سے واقف ہوئے اس وقت بھی انہوں نے نقطۂ نظر کی تبدیلی کے ساتھ ان کیفیات کا اظہار کیا جو اس نئی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد پیدا ہوتی تھیں۔

بہ سرِ[3] جامِ جم آنگہ نظر توانی کرد
کہ خاکِ میکدہ کحلِ بصر توانی کرد

اس غزل میں حافظ کی قلبِ ماہیت ہوگئی ہے وہ بالکل بدلے ہوئے نظر آرہے ہیں انہوں نے رندی و سرمستی کی قبائے زرّیں اتار دی ہے اور سالکوں کا بوسیدہ لباس پہن لیا ہے یہاں سے ان کی زندگی کا وہ مرحلہ شروع ہوتا ہے جس میں وہ رند کی حیثیت سے گامزن نہیں بلکہ سالک اور پیرِ طریقت کے روپ میں آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہے ہیں اس تبدیلی کے باوجود حافظ اپنی دنیوی فلاح اور طلبِ معاش سے غافل نہیں ہوئے وہ آخر عمر تک سلاطین کی مدحی کر کے صلات حاصل کرتے رہے۔ لیکن ان کی قصیدہ سرائی کی سطح انوری۔ ظہیرِ فاریابی۔ اور سلمان ساؤجی وغیرہ سے بہت بلند تھی انہیں قصائد کا صلہ نہ ملتا تو ہلکا سا شکوہ تو ضرور کرتے لیکن مذمّت اور ہجو سے ان کا دامن کبھی داغدار نہ ہوتا۔ وہ حسنِ طلب کے طور پر نہایت لطیف اشارے کر کے خاموش ہو جاتے اس قطعہ سے ان کے حسنِ طلب کا انداز معلوم ہو

بہ سمعِ[4] خواجہ رساں اے رفیقِ وقت شناس
بہ خلوتے کہ در آں اجنبی صبا باشد

حافظ کا عہدِ شباب رندی و سرمستی میں ضرور بسر ہوا ہے لیکن ان کی اس معنوی خصوصیت کو کسی عالم میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا طبعی میلان ابتدا ہی سے معرفت و حقیقت کی طرف رہا ہے ان کے دل میں کوئی ایسی چنگاری دبی ہوئی تھی جو کملا سکتی تھی اس کا بجھنا ممکن نہ تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عام اس سے کہ وہ ظاہری بادہ و دوست کا عکاس ہو یا سلاطین اور اکابرِ وقت کی مدح میں ہو اس میں عرفان کا ایک تڑپتا ہوا جذبہ ضرور مل جاتا ہے۔ اسی معنوی رجحان کا اثر تھا کہ آخرکار حافظ اس منزل پر پہونچ گئے جہاں انہیں "لسان الغیب" کا

---

۱ دیوانِ حافظ ص ۱۰۰   ۲ دیوان حافظ ص ۳۰۸   ۳ دیوان حافظ ص ۱۲۱
۴ دیوان حافظ ص ۲۵۰

خطاب دیدیا گیا۔ حافظ کا مرتبہ بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں
چنانچہ ان دو اشعار کو دیکھئے جو شیخ ابو اسحٰق کے سانحہ ارتحال پر ایک غزل میں
کہے گئے ہیں۔

یاد[1] باد آنکہ سر کوئے توام منزل بود
دیدہ را روشنی از خاکِ درت حاصل بود

در دلم بود کہ بے دوست نباشم ہرگز
چہ تواں کرد کہ سعیِ من و دل باطل بود

جن اشعار میں حافظ اپنی ذاتی واردات کی تصویر کشی کرتے تھے وہ اس قسم کے اشعار سے بالکل مختلف معلوم ہوتے ہیں یہ بظاہر ایک قسم کا تضاد ضرور ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب اس فطری جوہر کی چنگاری کملا جاتی تھی وہ زیادہ تر اسی قسم کی تخلیقات پیش کرتے تھے جن میں ان کی ذات نمایاں رہتی تھی۔

جلال الدین توران شاہ، عہدِ شاہ شجاع کا نہایت ممتاز امیر تھا بعد کو وزارت کے عہدے پر بھی مامور ہو گیا تھا اس کا عہدِ وزارت کافی طویل ہوا حافظ کی اکثر غزلوں میں توران شاہ کا ذکر ملتا ہے اور اس انداز سے ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ توران شاہ بھی عالمِ عرفان کی دلچسپیوں کا لذت کش تھا ایک مقام پر حافظ نے اس کے متعلق اشارہ بھی کیا ہے

من غلام[2] نظرِ آصفِ عہدم کورا
صورتِ خواجگی و سیرتِ درویشانست

توران شاہ سے متعلق مدحیہ اشعار میں عرفانی کیفیات کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ زاہد اور محتسب کی ریاکاری کو قطعی پسند نہ کرتے تھے اور اس پر طنز کرنا ضروری سمجھتے تھے جب اس کا موقعہ آجاتا وہ مصلحت اندیشی کے پابند نہ رہتے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اپنا فرض ادا کر دیتے تھے۔ شاہ شجاع کے زمانہ میں خواجہ عماد ایک مشہور فقیہ تھے شاہ شجاع کو ان سے عقیدت تھی خواجہ عماد نے ایک بلی پال رکھی تھی جس وقت خواجہ نماز پڑھتے بلی بھی اسی انداز سے جھکتی اور پھر سر اٹھاتی تھی عام طور پر مشہور ہو گیا تھا کہ خواجہ کی بلی نماز پڑھتی ہے اسی زمانہ میں حافظ نے ایک غزل کہی جس میں یہ دو شعر بھی تھے۔

صوفی[3] نہاد دام و سرِ حقہ باز کرد
بنیادِ مکر بافلکِ حقہ باز کرد

اے کبکِ خوش خرام کہ خوش می روی بناز
غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد

آخری شعر میں طنز بھی ہے اور ظرافت کی چاشنی بھی شجاع کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے حافظ کے اسلوبِ غزل پر وہ اعتراضات کئے جو پہلے لکھے جا چکے ہیں ان کا جواب حافظ نے نہایت معقول دیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ ان تمام نقائص کے باوجود میری غزلیں دور دور تک مشہور ہو جاتی ہیں

---

[1] دیوان حافظ ص۲۱۶ [2] دیوان حافظ ص۴۰
[3] دیوان حافظ ص۱۰۲

جبکہ دوسرے شعرا کا کلام شہر کی چہار دیواری سے ٹکرا کر لوٹ آتا ہے۔ اسی دوران میں حافظ نے ایک اور غزل کہی جس کا یہ شعر

گر[١] مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد
وائے گر در پئے امروز بود فردائے

معرض بحث میں آگیا شاہ شجاع پہلے ہی سے مکدر تھا اس نے اس شعر میں قیامت کے انکار یا شک کا پہلو نکال لیا۔ حافظ نے نزاکتِ وقت کا احساس کرتے ہوئے مولانا زین الدین ابوبکر کی رائے سے مقطع سے قبل اس شعر کا اضافہ کر دیا اس طرح وہ دوسرے شخص کا مقولہ بن گیا۔

این[٢] حدیثم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت
بر درِ میکدۂ بادف و نے ترسائے

۷۸۳ھ میں شاہ شجاع نے شاہ منصور بن محمد بن منظفر کے لئے جگہ خالی کر دی۔ خواجہ صاحب نے اس کی تخت نشینی پر بھی غزل کی صورت میں تہنیت پیش کی۔

بیا[٣] کہ رایتِ منصور بادشاہ رسید
نویدِ فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے دورِ فرمانروائی ہی میں تیمور نے شیراز پر حملہ کر دیا اور منصور اس لڑائی کے دوران میں قتل ہو گیا۔

تیمور ۷۸۹ھ میں شیراز میں داخل ہوا۔ حافظ اور تیمور کی جس ملاقات کا حال تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے وہ غالباً اسی سن میں ہوئی دولت شاہ سمرقندی نے ملاقات کا صحیح وقت نہیں لکھا وہ ۷۹۵ھ ۱۳۹۳ء میں اس ملاقات کا ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اس وقت تیمور دوبارہ شیراز ضرور آیا ہے لیکن حافظ اس سے پہلے یعنی ۷۹۱ھ میں انتقال کر چکے تھے۔ ایسی صورت میں ۷۹۵ھ میں ان دونوں کی ملاقات کا کوئی امکان نہیں میخانہ کی روایت کے مطابق تیمور نہایت التفات سے پیش آیا تھا۔ اس نے حافظ سے کہا تھا کہ میں نے سمرقند اور بخارا کو آباد کرنے کی کوشش میں نہ جانے کتنے ممالک کو ویران کر ڈالا اور آپ ایک خالِ ہندی پر ان شہروں کو جو میرا وطن ہیں نثار کئے ڈالتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں

اگر[٤] آن ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بہ خالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ نہایت بذلہ سنج اور حاضر جواب تھے متانت کے ساتھ فرمایا کہ انہیں فضول خرچیوں کا نتیجہ ہے کہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

۷۹۱ھ میں حافظ کا انتقال ہو گیا۔ خاکِ مصلیٰ سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ علامہ شبلی کا یہ ارشاد درست نہیں کہ اس میں ایک سال کی کمی ہے مصلیٰ جس کو زندگی بھر سراہتے رہے تھے ان کا مدفن ہے۔ سلطان بابر بہادر کے دورِ سلطنت میں محمد معمائی نے جو صدارت کے عہدے پر مامور تھا کافی روپیہ صرف کر کے مقبرہ تعمیر کرا دیا جس کو "حافظیہ" سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ حافظیہ مرجع انام ہے۔ ہفتہ میں ایک روز

---

[١] دیوان حافظ ص ٣٩٩ [٢] دیوان حافظ ص ٣٩٩ [٣] دیوان حافظ ص ١٢٦
[٤] دیوان حافظ ص ٣٠

لوگ زیارت کو جاتے ہیں کھانے پکتے ہیں چائے نوشی ہوتی
ہے۔ مینوش حضرات شراب بھی پیتے ہیں اور حافظ کے نام کی شراب زمین پر
گرا دیتے ہیں۔

حافظ کی غزل کا انداز بالکل انفرادی ہے یہ لب و لہجہ انہیں کے لئے مخصوص ہے ان کے اشعار ایک خاص کیفیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں ان کے کلام میں ایک ایسی سحر آفریں تاثیر پائی جاتی ہے جو دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے انہیں خصوصیات کی بنا پر کلامِ حافظ ہر جگہ مقبول ہے۔ ہندوستان میں جب تک فارسی کا ذوق رہا دیوانِ حافظ کو بغیر ترجمہ کے پڑھا اور سمجھا جاتا رہا جب یہ مذاق کم ہوگیا تو حافظ کو پڑھنے اور سمجھنے کی غرض سے تراجم کی ضرورت ہونے لگی۔ ماضی قریب میں بعض حضرات نے وقت کے تقاضوں کا خیال کرتے ہوئے دیوانِ حافظ کے اُردو تراجم شائع کئے لیکن جس انداز سے ان کی اشاعت ہوئی اس میں وہ حسن اور معیار نہ تھا جس سے جدید ذوق کی تسکین ہوتی۔ ملک میں سب سے پہلے مولانا سجاد حسین صاحب صدر، مدرسہ فتحپوری دہلی نے عوام کے ذوق کی بلندی کا احترام کرتے ہوئے دیوانِ حافظ مترجم کا ایک معیاری نسخہ بازار میں پیش کیا ترجمہ میں زبان کی سلاست روانی اور اختصار کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور زائد، غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا گیا ہے کوشش کی گئی ہے کہ اصل شعر کی روح ان کی رواں دواں اور آسان نثر میں منتقل ہو جائے مولانا عربی و فارسی کے نہایت ممتاز عالم ہیں اور درس و تدریس کا طویل تجربہ رکھتے ہیں انہیں فارسی اور اُردو پر پوری قدرت حاصل ہے۔ مشرقی علوم کی روشنی بچپن ہی سے ان کے ذہن و دماغ کو منور کرتی رہی ہے وہ کرتپور ضلع بجنور کے ایک ایسے علمی اور تاریخی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس کو قدیم زمانہ سے منصبِ قضا حاصل رہا ہے ان کے والد حکیم قاضی شمشاد حسین صاحب مرحوم نے مولانا کی تعلیم و تربیت پر غیر معمولی توجہ فرمائی مولانا ۳ نومبر ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے تاریخی نام قاضی خلیل الرحمٰن (۱۹۱۰ء) اور قاضی نور العین (۱۳۲۸ھ) رکھا گیا۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کرتپور ہی میں ہوئی ۱۳۴۴ھ میں انہیں دار العلوم دیوبند میں داخل کیا گیا۔ ۱۳۴۸ھ تک وہاں تعلیم پاتے رہے۔ سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۳۴۹ھ سے مدرسہ فتحپوری دہلی میں درس کی خدمات انجام دینا شروع کیں اور ۱۹۴۷ء میں صدر مدرس کے منصب پر پہونچ گئے۔ اگرچہ مولانا عربی علوم میں پوری مہارت پیدا کر چکے تھے لیکن علم کی پیاس نہیں بجھی تھی چنانچہ انہوں نے پڑھانے کے ساتھ پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۳۴ء میں الٰہ آباد بورڈ سے فاضل ادب کا امتحان دیگر تمام بورڈ بر درجہ اوّل میں کامیابی حاصل کی پھر ۱۹۳۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے آنرز ان عربک (مولوی فاضل) پاس کیا جس میں تمام یونیورسٹی میں اوّل آئے اور نقرئی میڈل حاصل کیا۔ اس کے علاوہ منشی فاضل درجہ اوّل میں پاس کیا اور عربی و فارسی کے دوسرے امتحانات بھی دیئے۔ تصنیف اور ترجمہ کے مشاغل سے فطری دلچسپی تھی ان کی کتاب التوشیحات جو عربی کی شہرہ آفاق کتاب سبعہ معلقات کی شرح ہے ہند و پاک کے علمی حلقوں میں کافی مقبول ہے۔ انہوں نے گلستاں۔ بوستان اور اخلاق محسنی کے تراجم بھی کئے ہیں۔ ان وجوہ سے دیوانِ حافظ کے ترجمہ میں ان خصوصیات کی موجودگی جن کا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے تعجب خیز نہیں۔ بحالت موجودہ مولانا ہمدرد دواخانہ
میں معاون متولّی کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

مولانا سجاد حسین صاحب کے دیوانِ حافظ مترجم کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن
ملک میں بہت زیادہ مقبول ہوا ہے۔ اس قبول عام کے پیشِ نظر
انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ترجمہ اور

حاشیہ پر نظرثانی کر کے تیسرا ایڈیشن عکسی آفسیٹ پر چھپوانے
کا اہتمام کیا یہ کام بڑی جرأتِ مردانہ کا طالب تھا۔ اسی نسبت سے مصارف
کا بار بڑھ رہا تھا۔ مولانا نے عشق نبرد پیشہ کے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس
ایڈیشن میں انہوں نے ایرانی مصنفین کی ان تخلیقات کے حسن اور معیار کو پیش نظر رکھا
ہے جو ایران میں حافظ کے متعلق مصور اور غیر مصور شائع ہو رہی ہیں۔ یوں مولانا بھی ذاتی طور پر آرٹ سے دلچسپی
رکھتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ترجمہ کے لئے دیوان حافظ کا انتخاب کیا جو ایران کا بہت بڑا حسن دوست
اور غنائی شاعر ہے وہ مناظر قدرت پر جان چھڑکنے کا خوگر ہے رکناباد کی حسین لہروں سے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ
کرتا ہے اور مصلیٰ میں عطر بیز ہواؤں سے دماغ کو معطر کرتا ہے حافظ کی غزلیہ شاعری کا محور ہی حسن و شباب اور جمال
و رعنائی ہے وہ ظاہری خوبصورتی کی عکاسی کریں یا ماورائی محبوب کے زلف و رخسار کی تصویر کشی، اس میں حسن کا
ایک مخصوص تصور کار فرما رہتا ہے مجلسی زندگی میں بھی مولانا کی اس خصوصیت کا اظہار ہوتا رہتا ہے وہ نہایت ہنس مکھ
اور بذلہ سنج ہیں ۱۹۶۶ء میں صدر جمہوریہ ہند نے انہیں سرٹیفکیٹ آف آنرز ان پرشین دیا ہے۔ جس کی تاریخ قمر
سنبھلی صاحب نے یہ نکالی ہے:

قاضی سجاد کو خوب آج یہ انعام ملا
حق کے الطاف و عنایت کا ایک مظہر ہے یہ
عیسوی میں کہی بے ساختہ تاریخ قمر
محض اللہ کا بخشا ہوا اعزاز ہے یہ
۱۹۶۶

فارسی وہ زبان ہے جس نے ہندوستان پر بڑے خوبصورت نقش و نگار بنائے ہیں اُردو پر فارسی کا اثر بہت گہرا
ہے جس طرح مغلوں کے ان نقوش کو ملک کی تہذیب اور کلچر سے محو نہیں کیا جا سکتا جو صدیوں تک ابھرتے رہے ہیں اور
اب اس کے جوہر میں سرایت کر چکے ہیں اسی طرح فارسی کی حلاوت کو اردو سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اُردو کی بین الاقوامی
شہرت اور مقبولیت میں فارسی کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ فارسی نہایت میٹھی رسیلی اور اثر انگیز زبان ہے اس میں
رومان اور وہ نزاکت و رعنائی ہے جو صرف محسوس ہی کی جا سکتی ہے اس زبان کے اشعار میں بھی بڑی دلنشین
تاثیرات پائی جاتی ہیں۔ یہ کافی مالدار زبان ہے اور لٹریچر کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے دامن میں رکھتی ہے فارسی کی
بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قوم پرستی اور وطن دوستی کا سمندر زندہ ہے۔ ایران کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ قوم پرستی
کا جذبہ ہر دور میں وہاں موجود رہا ہے حملہ آوروں نے بار بار اسے فتح کیا ہے لیکن ان کے قدم سرزمین فارس پر
جمنے نہیں پائے کسی نہ کسی نوبت پر انہیں ملک و مکان سے جانا ہی پڑا۔ ایران کے باشندے اپنی حکومت ہی
کے سامنے سر جھکانے کے خوگر ہیں وہ کسی بیرونی پرچم کے آگے سرنگوں رہنا پسند نہیں کرتے۔ فارسی کتابوں
کے تراجم کی وساطت سے حب الوطنی کی یہ شراب بھی چھن چھن کر آتی رہی ہے فارسی لٹریچر کو اُردو لباس
پہنانے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے۔ خاص طور پر حافظ جیسے بین الاقوامی فنکار
کی تخلیقات کو اُردو میں منتقل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مختلف

۱؎ ملاحظہ ہو — IRAN TO-DAY

فرقوں میں یک جہتی اور ہم آہنگی کی روح پیدا کرنے کے محرک ہیں وہ صوفی ازم کے علمبردار تھے جس میں سب سے زیادہ اہمیت انسانیت کو حاصل ہے مذہب ان کے یہاں ثانوی درجہ رکھتا ہے۔

ہمارے ملک میں بیرونی زبانوں کی تعلیم پر کافی توجہ کی جارہی ہے۔ فارسی اور عربی کالجوں میں بھی پڑھائی جاتی ہے اور جو لوگ فارسی کا ذوق رکھتے ہیں وہ انفرادی طور پر اس کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہندوستان ہر ملک سے دوستانہ تعلقات استوار رکھنا چاہتا ہے۔ وہ امن اور دوستی کی بنیاد پر بقائے باہمی کے عقیدہ کا احترام کرتا ہے۔ ایران سے بھی اسی اصول پر ہندوستان کے روابط بالکل دوستانہ ہیں۔ ان حالات میں فارسی تراجم کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ مولانا سجاد حسین صاحب کو عربی اور فارسی سے گہری دلچسپی ہے۔ ان کی ذات سے یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اپنے کام کو نہ صرف جاری رکھیں گے بلکہ اس کی رفتار تیز اور اس کا دائرہ وسیع کردیں گے۔ اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دیوان حافظ کا یہ معیاری ایڈیشن عام طور پر پسند کیا جائے گا اور ملک میں اس کا پرجوش خیر مقدم ہوگا۔

کوثر چاندپوری
ہمدرد ریسرچ کلینک اینڈ نرسنگ ہوم
آصف علی روڈ۔ نئی دہلی ۔ ١٩٧٣ء

کلامِ حافظ اور فال

از

مولانا محمد میاں صاحب قمرؔ دہلوی، مسجد فتحپوری دہلی

حافظ کا کلام جس طرح رندانِ قدح خوار کے لئے سرمستی اور خوش عیشی کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح ہمیشہ سے اہلِ باطن بھی اس سے استفادہ کے قائل رہے ہیں۔ اہلِ صفا کی مجلسیں حافظ کے زمزموں سے گونجتی رہی ہیں اور ان پر حافظ کے اشعار سے وجد حال کی کیفیتیں طاری ہوتی رہی ہیں۔

ایک بہت بڑا طبقہ ہے جو اپنی مہموں اور پیش آنے والے واقعات میں حافظ کے کلام سے فال نکال کر اپنے قلب کو مطمئن کرتا رہا ہے اور حافظ کی صدا کو ایک غیبی آواز یقین کر کے اپنے کاموں کی اس کو بنیاد بناتا رہا ہے اور حافظ و کلامِ حافظ کو لسان الغیب کا درجہ دیتا رہا ہے تیموری بادشاہ اپنی تمام مہموں میں دیوانِ حافظ سے راہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہمایوں، اکبر اور جہانگیر ہی نہیں بلکہ عالمگیر بھی دیوان حافظ سے فال لے کر پیش قدمیاں کرتا رہا ہے۔

حافظ کے تذکرہ نگاروں نے ایسے سینکڑوں واقعات نقل کئے ہیں جن سے فال نکالنے والوں کو حافظ کے کلام سے محیّر العقول اشارے حاصل ہوئے ہیں۔ ہم ان میں کے کچھ واقعات نقل کرتے ہیں۔

تذکرہ حسینی میں مذکور ہے (۱) ایک شخص کا لڑکا گم ہو گیا تھا تلاش اور جستجو کی گئی لیکن لڑکے کا کچھ پتہ نہ چلا اس نے دیوانِ حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر سامنے آیا ؎

فاش میگویم واز گفتۂ خود دلشادم　　　بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم

اس شعر میں جو اشارہ تھا وہ نہ سمجھ سکا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو اُس کا لڑکا ایک خانقاہ میں فقیرانہ لباس میں ملا اس نے اپنے لڑکے سے احوال دریافت کئے تو اس نے بتایا کہ میں نے فرقۂ آزاداں اختیار کر لیا ہے اور میں شاہ عشق اللہ کا مرید ہو گیا ہوں۔ اس نے شاہ عشق اللہ سے درخواست کی اُنہوں نے اس لڑکے کو باپ کے حوالے کیا تب اس پر دیوانِ حافظ کے شعر کا مطلب واضح ہوا۔

(۲) مولوی احمد رضا کو اپنے ایک شاگرد بنیاد خاں سے بہت محبت تھی بنیاد خاں کی بیماری پر مولوی صاحب نے فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؎

ماکہ دادیم دل و دیدہ بطوفانِ بلا
گو بیا سیلِ غم و خانہ زبنیاد ببر

دوسرے ہی روز بنیاد خاں کا انتقال ہو گیا۔

(۳) ایک شخص کا بھائی قید تھا اس نے دیوانِ حافظ

سے فال نکالی تو یہ مصرع سامنے آیا ؎

کہ دم ہمتِ ماکرد زبند آزاد ست

اسی روز اُس کا بھائی قید سے رہائی پا کر گھر آگیا۔

(۴) ہمایوں بادشاہ نے جب ایرانی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ کا ارادہ کیا تو دیوانِ حافظ سے فال نکالی یہ شعر سامنے آیا ؎

عزیزِ مصر برغم برادرانِ غیور　　　زقعرِ چاہ برآمد براوجِ ماہ رسید

تاریخ داں صاحبان جانتے ہیں کہ اس حملہ میں سب بھائیوں کو شکست دیکر وہ ہندوستان پر قابض ہوا۔

(۵) جہانگیر بنگال کی مہم پر جارہا تھا دیوانِ حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر سامنے آیا ؎

خوردہ ام تیرِ نظر بادہ بدہ تا سرست　　　دست در بند کمر ترکشِ جوزا فگنم

اس مہم میں عثمان جو کہ بالمقابل تھا کی پیشانی پر تیر لگا اور وہ مرگیا اور جہانگیر بنگال پر قابض ہوگیا۔

(۶) جہانگیر، اکبر کی ناراضگی کی وجہ سے الہ آباد میں مقیم تھا اور آگرہ کا سفر کرنے میں متردد تھا دیوانِ حافظ سے فال لی تو یہ غزل برآمد ہوئی ؎

چرا نہ در پےٴ عزمِ دیارِ خود باشم　　　چرا نہ خاکِ رہِ کوئے یارِ خود باشم

آگرہ پہونچا باپ سے ملا تعلقات استوار ہوئے۔ چند روز بعد اکبر کی وفات ہوئی اور جہانگیر تخت وتاج کا وارث بنا۔

(۷) شاہانِ صفویہ میں کا شاہ عباس ثانی تبریز پر لشکر کشی کا ارادہ کر رہا تھا دیوان حافظ سے فال لی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

عراق و پارس گرفتی بشعرِ خوش حافظ　　　بیا کہ نوبتِ بغداد و وقتِ تبریز است

تاریخ شاہد ہے کہ شاہ عباس نے اس مہم میں تبریز کو فتح کرلیا۔

(۸) اس سلسلہ میں حافظ کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا بھی دلچسپ واقعہ ہے حافظ کے انتقال کے بعد ان کے مخالفین نے کچھ شور وغوغا کیا نمازِ جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی مخالفت شروع کردی۔ اسلامی عقائد کے سلسلہ میں ان کا کلام زیرِ بحث آیا تو سب سے پہلے یہ شعر سامنے آیا ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ　　　کہ گرچہ غرقِ گناہ است میرود بہشت

اس پر باتفاقِ رائے نمازِ جنازہ ہوئی اور جنازہ خاکِ مصلیٰ کی سپرد کردیا گیا۔

(۹) سلطنت صفویہ کا بانی شاہ اسماعیل جس نے شیعیت کو ایران کا مذہب قرار دیدیا تھا اور سنّی بزرگوں کے مقبروں کو ڈھانے کا بھی حکم جاری کردیا تھا۔ ایک روز ایک شیعہ عالم ملّا گمس کے ساتھ خواجہ حافظ کے مزار کے پاس سے گذرا ملا گمس نے خواجہ حافظ کے مزار کو مسمار کرنے کا مشورہ دیا تو شاہ اسماعیل نے دیوانِ حافظ سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؎

جوزا سحر نہاد حمائل برابرم　　　یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم

شاہ اسماعیل نے اس شعر کا مطلب یہ لیا کہ حافظ اس کا تابع اور فرمانبردار ہے ملّا گمس کے مزید اصرار پر اس نے دوبارہ فال نکالی تو حسب ذیل شعر برآمد ہوا ؎

اے مگس حضرتِ سیمرغ نہ جولانگہ تست
عرضِ خود میبری وزحمتِ ما میداری

(۱۰) فتح علی سلطان ایک نہایت حسین نوجوان تھا۔ خواجہ حافظ کے مزار کے پاس پہونچا اور فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؎

سرِ مست با قبائے زر افشاں چو بگزری ... یک بوسہ نذرِ حافظِ پشمینہ پوش کن

فتح علی نے کہا کہ ایک بار نہیں بلکہ دو بار بوسہ دوں گا لیکن بوسہ نہ دیا اور واپس ہوگیا۔ اگلے ہفتہ پھر مزار پر پہونچا اور فال نکالی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

گفتہ بودی کہ شوم مست و دو بوست بدہم ... وعدہ از حد بشد و ما نہ دو دیدیم و نہ یک

فتح علی نے پھر کہا کہ میں دو بوسے نہیں بلکہ تین بوسے دوں گا اور پھر بغیر بوسے دئے چلا گیا۔ تیسری بار جب خواجہ صاحب کے مزار پر پہونچا اور فال نکالی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

سہ بوسہ کز دولبت کردۂ حوالتِ من ... اگر ادا نہ کنی وام دارِ من باشی

فتح علی اپنی جگہ سے اٹھا اور بے اختیار پے در پے مزار کو بوسے دئے۔

دیوانِ حافظ سے فال نکالنے کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔ بعض صاحبان بسم اللہ پڑھکر دیوانِ حافظ کھولتے ہیں۔ اور پھر کسی شعر پر انگلی رکھ کر اس شعر کے مطلب سے فال نکالتے ہیں۔

بعض صاحبان دیوانِ حافظ کھولکر دائیں صفحے کے ساتویں شعر سے فال لیتے ہیں۔

بعض صاحبان نے فال نکالنے کی حسبِ ذیل جدولیں تجویز کی ہیں۔ جنسے فال نکالنے کا طریقہ یہ ہے۔

فال نکالنے کا طریقہ

جب فال نکالنے کا ارادہ ہو، پہلے معلوم کریں کہ دن یا رات کے چار پہروں میں سے کونسا پہر ہے (رات اور دن کے آٹھوں پہروں کی جدولیں الگ الگ دیگئی ہیں) پھر اُس پہر کی جدول نکال کر پہلے باوضو سورۂ فاتحہ پڑھکر خواجہ حافظ کی روح کے لئے ایصالِ ثواب کریں۔ پھر سورۂ فاتحہ ایک بار قل ھو اللہ تین بار، اوّل و آخر درود شریف سات سات بار پڑھیں اور اپنے مقصد کا خیال کرکے اس جدول کے کسی خانہ میں انگلی رکھدیں اور اس خانہ میں جو حرف ہو اس کو الگ کاغذ پر لکھ لیں پھر لکھے ہوئے حرف کے علاوہ دبائیں سے دائیں اتنے حروف چھوڑنے کے لئے اس جدول کے اوپر لکھا ہو اُتنے حروف گن کر اگلا حرف بھی اُسی کاغذ پر، پہلے لکھے ہوتے حرف کی برابر دائیں طرف لکھ لیں جب سطر ختم ہو جائے تو اس سے اوپر والی سطر میں بائیں سے دائیں یہی عمل کریں یہانتک کہ سب سے اوپر والی (پہلی) سطر پر پہنچ جائیں۔ اگر اس سطر میں کچھ خانے ایسے بچ جائیں جو حساب میں نہ آئے ہوں تو اُنہیں چھوڑ دیں۔

پھر اس کے بعد (جس حرف پر انگلی رکھی تھی) اُس سے آگے دائیں سے بائیں اسی طرح حروف گن گن کر، کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کی سطر میں بائیں طرف لکھتے جائیں جب سطر ختم ہو جائے تو اُس سے اگلی نیچے والی سطروں میں سے گنتے

اور کاغذ پر لکھتے جائیں یہانتک کہ سب سے نیچے
والی آخری سطر پر پہنچ جائیں۔ اگر اس سطر میں کچھ حروف زائد بچ
جائیں جو حساب میں نہ آئیں تو انہیں بھی چھوڑ دیں۔

اب ان حروف کو جو مذکورہ طریقہ سے کاغذ پر جمع کئے ہیں، ملاکر دیکھیں تو ضرور غزلیاتِ حافظ میں سے کسی غزل کے مطلع کا پہلا مصرع بن گیا ہوگا۔ پھر اس مصرع کو دیوانِ حافظ میں تلاش کرکے اس کے ترجمے اور مفہوم سے اپنا مطلب نکالیں۔

مثال

رات کی جدولوں میں سے پہلے پہر کی جدول ۵ میں حرف ج پر انگلی رکھی۔ جو اوپر سے نیچے ساتویں سطر میں ہے۔ اس ج کو الگ کاغذ پر لکھ لیا۔ پھر اس جدول کے اوپر لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق ج کے علاوہ سات حروف بائیں سے دائیں چھوڑ کر اگلا حرف ن، کاغذ پر لکھے ہوئے ج کی داہنی طرف بڑھا دیا۔ اسی طرح اوپر والی سطروں میں سے بائیں سے دائیں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف کاغذ پر داہنی طرف بڑھاتے رہے یہانتک کہ سب سے اوپر والی سطر میں ب تک پہنچ گئے۔ باقی چار حرف چونکہ حساب میں نہیں آتے اس لئے اُنہیں چھوڑ دیا۔

پھر اسی طرح (اس ج سے آگے جس پر انگلی رکھی تھی) دائیں سے بائیں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف، کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کی بائیں طرف بڑھاتے رہے یہانتک کہ سب سے نیچے والی سطر میں پہلے ش تک پہنچ گئے۔ جس کے بعد تین حروف بچے جو حساب میں نہ آنے کی وجہ سے چھوڑ دئے۔ تو کل حرف حسب ذیل ہوئے۔

ب ا غ ب ا ن گ ر پ ن ج روز ی ص ح ب ت گ ل ب ا ی د
ش جن سے یہ مصرع بن گیا۔ ع

باغباں گر پنج روزی صحبتِ گل بایدش

نوٹ

وہ وقت جس میں رات اور دن ملتے ہیں۔ اور اُس وقت کو نہ دن کہہ سکتے ہیں نہ رات۔ ایسے وقت کی جدول بھی علیحدہ ہے جو رات اور دن کی آٹھوں جدولوں کے بعد درج کیگئی ہے۔

اس علم میں چونکہ ہمزۂ اضافت کو مستقل حرف تسلیم نہیں کیا گیا ہے اس لئے جو مصرع برآمد ہوگا اس میں ہمزۂ اضافت نہیں ہوگا۔ لیکن پڑھنے میں اگر ایسا ہمزہ ادا نہیں کیا گیا تو نہ صرف وزنِ شعر غلط ہوگا بلکہ شعر کے صحیح مفہوم تک رسائی بھی مشکل ہو جائے گی۔ نیز الف مقصورہ ی کی صورت میں برآمد ہوگا۔

دن کے پہلے پہر کی جدول نمبر ۱

اس میں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا۔

۱

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳
۱	ر	د	م	ا	د	و	ج	ح	و	ا	ن	ی	ا
۲	ق	و	و	ز	د	م	ق	ن	ت	ش	ش	گ	گ
۳	ک	ب	ی	ر	ا	ت	ا	ر	ہ	ا	ک	ا	د
۴	ے	ر	ل	و	ی	ہ	غ	م	ز	ی	ف	ی	ب
۵	چ	ن	ی	ع	س	ل	ہ	ہ	ی	ی	ک	ی	ت
۶	ک	ے	د	س	م	ہ	ش	ک	ت	ب	ش	ت	ت
۷	ہ	ص	ہ	ے	د	ا	ہ	ہ	ر	ح	م	ا	ی
۸	ھ	و	ا	ا	ب	ا	ج	ہ	ی	ل	ن	ء	ت
۹	ے	ے	ل	ے	ث	ا	ی	و	ا	ع	ر	ا	د
۱۰	ن	ہ	ب	ن	ہ	ہ	س	ی	ق	گ	ا	ک	ک
۱۱	ہ	ت	د	د	و	غ	ر	ش	س	ب	ا	ر	ی
۱۲	و	ا	پ	ت	ر	ر	ک	م	ب	ن	ی	ک	ب
۱۳	ی	ہ	ت	ہ	م	ا	ے	ا	ا	ب	ب	ا	ی
۱۴	ل	د	ل	ر	ت	س	ر	د	ہ	م	ا	د	و
۱۵	ل	ج	ا	ب	ب	ح	ی	ا	ا	ی	ر	ا	ا
۱۶	ت	د	ن	م	س	ی	د	ز	و	ن	ی	ت	ت

۲

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	ز	ا	ع	س	ز	ب	س	ہ	ی	ی	ح	ب
۲	ن	ا	ی	د	د	ر	ا	ا	ق	ح	ر	س
۳	چ	غ	ل	ی	ج	چ	ت	و	و	ب	ب	س
۴	م	و	ب	ص	ل	ن	ت	ن	م	ل	ل	ب
۵	و	ہ	خ	و	ب	ت	ل	ر	ز	و	س	ل
۶	و	ا	ب	م	ب	م	ب	ی	گ	ا	ا	ی
۷	گ	ی	ا	ر	د	ن	ر	ل	د	ب	ب	ہ
۸	ی	و	س	ل	د	ا	ب	ک	ی	ا	و	ر
۹	م	ر	ہ	ت	ق	م	ی	ن	ا	ی	چ	ی
۱۰	ی	ا	ت	ف	ا	و	ب	ش	ض	س	ر	ر
۱۱	گ	ی	د	ر	ر	و	ب	ل	ا	م	ض	ی
۱۲	ز	ا	خ	ر	د	و	ا	ج	ز	و	ب	ر
۱۳	ا	ر	ا	ا	د	ا	ب	ن	ی	م	ی	ر
۱۴	د	ا	ا	س	ر	د	و	ہ	غ	ب	ت	ا

دن کے دوسرے پہر کی جدول نمبر ۲

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا۔

دن کے تیسرے پہر کی جدول ۳

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	د	ب	ا	س	ش	گ	ا	و	ا	ی	ح	ر
۲	ل	ی	ش	ر	پ	ر	ا	ب	د	ر	ہ	ی
۳	ز	ب	ن	ل	ف	ا	ک	ہ	ل	ع	ا	ت
۴	گ	پ	ا	ع	ی	گ	م	ف	ی	ت	ل	ش
۵	ر	ب	ت	خ	ف	گ	م	ا	د	ہ	ج	ع
۶	ش	ی	ز	ر	ا	س	ی	و	د	چ	م	م
۷	ت	ب	ر	م	ا	ی	و	ہ	م	و	د	ہ
۸	ک	ب	چ	ر	ی	س	ز	د	ا	ہ	س	م
۹	ا	ن	ہ	ر	ن	ی	ہ	ق	خ	خ	د	ا
۱۰	د	ج	ی	د	و	گ	م	م	ب	گ	ا	ا
۱۱	ر	ی	ژ	ی	ل	ن	ب	م	ف	و	ن	ع
۱۲	ب	ا	ی	د	ہ	ا	ذ	د	ل	گ	ی	ب
۱۳	ن	ا	ر	و	و	ت	گ	ب	ر	ا	د	ی
۱۴	ل	و	ی	ک	ء	ہ	م	ک	ش	ن	و	ی

۳

۴

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
۱	ا	ب	چ	ش	خ	م	ص	ی	ع	ن	م
۲	ط	ز	پ	ن	ہ	د	م	ع	ر	ا	و
۳	د	ا	ت	ذ	ع	ب	ر	گ	ن	ر	ا
۴	س	ہ	چ	ل	ک	و	ر	ب	پ	ش	ش
۵	ہ	ح	ی	ز	ہ	م	د	گ	و	ا	ف
۶	ن	م	م	ف	د	ر	ل	ی	ن	ا	ت
۷	ا	ک	ک	ت	س	ز	ن	د	ہ	د	پ
۸	خ	ت	د	و	ب	ی	ی	ن	و	غ	ش
۹	گ	د	س	ی	ب	م	م	ر	م	م	ہ
۱۰	ہ	ب	ت	ف	و	ی	س	ش	ا	ب	ت
۱۱	د	ف	ت	ر	ط	ر	م	ا	ر	گ	ا
۱۲	ب	ق	ا	س	و	و	ب	ی	و	ہ	م
۱۳	ش	ش	ح	ب	ص	ا	ہ	ا	ک	ج	ا
۱۴	ا	ز	ن	م	ن	ل	ن	ل	و	و	د

دن کے چوتھے پہر کی جدول ۴

اسمیں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

رات کے پہلے پہر کی جدول ۵

اس میں سات سات حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

۵

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳
۱	ن	م	ر	د	ب	ن	د	ی	و	ی	و	ا	ا
۲	ک	ا	ا	پ	س	ز	ل	غ	ت	م	ر	ہ	و
۳	ع	ی	ب	ہ	ن	ب	ا	ز	ی	ک	ا	د	ک
۴	ا	ر	م	د	ہ	ن	ل	ش	ن	س	ا	س	چ
۵	گ	ک	ا	ن	ت	ز	ت	ن	ر	ش	ن	و	د
۶	ف	و	گ	پ	ب	ہ	گ	ر	ر	م	و	ن	گ
۷	م	ل	ا	ا	ن	ع	چ	و	ی	ح	ن	ق	ا
۸	ہ	ر	ی	ن	ن	ک	ت	م	و	و	م	ش	د
۹	و	ر	ر	چ	ز	خ	د	ا	ش	و	و	ہ	ی
۱۰	ا	د	ن	ک	ا	ز	ت	ص	ل	ر	ک	ہ	ز
۱۱	د	ق	ح	ا	ش	ہ	خ	ج	ر	ر	ب	ن	ر
۱۲	س	و	ف	ا	ی	ت	م	پ	پ	ش	ا	ن	ر
۱۳	گ	ہ	ز	ر	د	ب	ت	م	ل	ر	ر	و	ل
۱۴	گ	و	ی	ب	و	ک	ی	ب	ر	ب	ک	ا	ب
۱۵	ش	ب	ا	د	ی	ن	ی	پ	ی	م	ش	ا	ر
۱۶	ن	د	ی	د	ن	ی	ن	م	د	ش	ن	ہ	ش

۶

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱	ا	م	د	م	ن	ہ	ا	ی	ر	ر	ب	ی
۲	ز	گ	ا	ح	خ	ا	س	ا	ر	ز	ب	ر
۳	د	ت	ر	ب	ف	ا	ا	ک	ک	د	ک	ر
۴	ط	ب	س	س	ش	و	و	ا	ا	چ	ر	م
۵	ی	غ	ء	ت	و	ا	ن	ت	ر	ر	م	م
۶	ز	م	و	و	ف	غ	ن	ک	ا	ب	ی	ر
۷	ا	خ	م	ر	ا	ت	خ	ن	س	ن	م	ش
۸	ر	ر	ن	ت	د	ی	د	و	ح	و	ہ	س
۹	ک	م	ش	ف	ر	م	ر	ن	ر	ن	ر	خ
۱۰	ب	ز	ن	ا	چ	خ	د	ت	ل	د	م	ر
۱۱	ن	ا	ل	ف	ق	ج	ا	د	م	ا	ت	ص
۱۲	ا	غ	ہ	ی	ی	و	و	ل	د	پ	ب	ف
۱۳	خ	ہ	و	ی	ی	ی	ر	ل	ل	ص	و	ا
۱۴	ن	ا	ا	ا	و	ہ	م	م	ق	ص	ک	ل

رات کے دوسرے پہر کی جدول ۶

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائیگا

رات کے تیسرے پہر کی جدول ۷

اس میں چھ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جاتے گا۔

	١	٢	٣	٤	٥	٦	٧	٨	٩	١٠	١١	١٢
١	ج	م	گ	چ	م	گ	ب	ا	ژ	ر	ہ	ن
٢	ل	ج	ی	د	چ	ق	م	ع	د	ح	ہ	ہ
٣	ا	غ	ذ	و	ض	و	ا	م	ر	ا	ج	و
٤	ص	ف	ت	ی	ر	ہ	ر	ل	ت	ی	ب	ی
٥	د	و	ت	ا	ک	د	ز	چ	گ	و	د	ہ
٦	ی	گ	و	ل	ک	ز	ز	ا	ل	ک	ش	و
٧	ز	س	ر	س	ا	ن	ک	ل	ر	و	ت	ر
٨	ا	ز	ف	ت	ت	ا	ی	م	س	ت	ا	و
٩	ن	ن	ن	ر	گ	ق	ء	ج	م	س	ج	ر
١٠	د	ی	ہ	ی	ت	ا	ہ	م	ع	ا	ر	ا
١١	ن	ی	ہ	ر	ن	و	ی	ب	د	م	ی	م
١٢	د	ن	ر	ر	ہ	ب	ا	ا	س	خ	ک	ج
١٣	ن	ر	ز	ر	ی	ا	ا	و	ا	پ	ا	ز
١٤	ر	ن	ا	ب	ی	ی	م	م	ی	ز	س	ش

	١	٢	٣	٤	٥	٦	٧	٨	٩	١٠	١١
١	د	د	ا	ا	ب	د	س	ی	ر	ی	ی
٢	ش	ر	ت	د	ا	ن	د	ر	د	ا	ا
٣	ز	و	ل	ی	م	ر	ر	ل	ر	ب	ا
٤	ا	ہ	ش	پ	چ	ک	ذ	ز	ب	د	ر
٥	ش	و	ا	ی	د	م	ت	م	ی	ل	ا
٦	ر	ی	و	م	ع	س	ر	خ	س	ح	ن
٧	ش	ل	س	ش	ر	س	س	ق	ا	ت	ی
٨	و	ن	خ	گ	م	و	د	ب	ت	ن	ذ
٩	ت	د	و	و	ز	ی	ا	ح	ر	م	س
١٠	ت	ہ	ر	ل	م	ا	و	ج	س	ی	ت
١١	ا	ہ	ک	ل	ت	ن	ب	ن	م	ن	ی
١٢	گ	م	ذ	ن	ج	ا	د	و	ی	ی	ی
١٣	ل	ر	م	ش	ک	س	ز	س	ہ	ز	ک
١٤	ن	ل	ہ	ش	م	د	ن	ی	م	م	د

رات کے چوتھے پہر کی جدول ۸

اس میں لکھے جانیوالے حرف کے علاوہ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لیا جائے گا۔

رات اور دن کی مشترک جدول ۹

اِس میں، لکھے ہوئے حرف کے علاوہ چھ حروف چھوڑ کر اگلا حرف لکھا جائیگا۔

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
۱	ی	ت	م	ب	د	ک	ر	و	ر	ی	ل	ر	ن	و
۲	س	ک	ر	ب	خ	ا	ز	ف	م	م	ل	ت	ر	گ
۳	گ	ن	ن	ی	د	ا	ا	م	چ	خ	ب	و	ب	ر
۴	گ	و	و	ر	س	و	ی	ش	ن	ش	گ	ت	پ	ش
۵	ت	ج	م	گ	ی	ا	د	ہ	ع	ی	ل	ب	ی	ک
۶	ب	د	ر	ی	ن	ب	ہ	ا	م	و	خ	ش	ی	د
۷	ز	ش	ی	و	ا	د	ر	ا	ک	ک	ش	ن	و	م
۸	ی	ی	ا	ر	ک	ط	ی	د	ن	ن	ن	ہ	ب	خ
۹	ب	گ	د	گ	ک	ع	ا	ک	ر	ر	د	ا	ش	ن
۱۰	ن	د	س	ر	م	ع	ہ	ع	ک	ر	م	د	ر	خ
۱۱	ا	ا	ا	ن	ل	و	د	ن	ک	پ	ق	ب	ی	م
۱۲	غ	ل	ا	ا	ب	ا	ت	م	ب	م	ر	ا	ر	م
۱۳	م	ش	ی	د	ر	ی	ی	خ	ک	ر	ا	ا	خ	ک
۱۴	و	ن	م	ش	ر	و	ن	ر	د	ت	ت	د	ش	م

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِی اَدِرْ کَاسًا وَّ نَاوِلْھَا
آگاہ! اے ساقی پیالے کا دور چلا، اور وہ دے

کہ عشق[۱] آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا
کیونکہ ابتداءً عشق آسان نظر آیا لیکن مشکلیں آن پڑیں

ببوئے[۲] نافہ کاخر صبا زاں طرہ بکشاید
اس نافہ کی مہک کی قسم، جو آخر، صبا اُس طرہ سے کھولتی

زتاب جعد مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا
اس کے مشکیں گھنگریالو بالوں کی شکن کیوجہ سے دلوں میں کس قدر خون پڑ گیا

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
اگر تجھے پیر مغاں کہے تو مصلیٰ شراب سے رنگ دے

کہ سالک[۳] بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا
اس لیے کہ سالک منزلوں کی رسم وراہ سے بیخبر نہیں ہوتا ہے

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
مجھے محبوب کے پڑاؤ میں کیا امن و عیش؟ جبکہ ہر دم

جرس[۴] فریاد می دارد کہ بربندید محملہا
گھنٹہ اعلان کر رہا ہے کہ کجاوے کس لو

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل
اندھیری رات اور موج کا خوف اور ایسا خوفناک بھنور

کجا[۵] دانند حال ما سبکساران ساحلہا
ساحلوں کے بے فکرے ہمارا حال کب سمجھ سکتے ہیں؟

ہمہ کارم زخودکامی بہ بدنامی کشید آخر
خود غرضی کیوجہ سے میرے تمام کام انجام میں بدنامی پر پہونچے

نہاں[۶] کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا
وہ راز کب چھپ سکتا ہے جس سے محفلیں گرم ہوں؟

حضوری[۷] گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ
اے حافظ تو حضوری چاہتا ہے تو اس سے غائب نہ ہو

مَتٰی مَا تَلْقَ مَنْ تَھْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَاَھْمِلْھَا
جب تیری محبوب سے ملاقات ہو تو دنیا کو چھوڑ اور اس کو ترک کردے

۱ شراب کی بیخودی ہی ان مشکلات کا حل ہے۔
۲ نسیم سحری کی مہک اس کی زلفوں کیوجہ سے ہے۔ جس کی یاد میں ہمارے دل زخمی ہیں۔
۳ یعنی پیر مغاں کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔
۴ کوچ کیوقت گھنٹہ بجادیا جاتا ہے۔
۵ جو عشق سے خالی ہیں وہ عشق کی سختیوں سے ناواقف ہیں۔
۶ میری بدنامی کے ذکر سے محفلیں گونج رہی ہیں۔
۷ محبوب کے مشاہدہ کے وقت دنیا و مافیہا سے غافل ہوجانا چاہیے۔

اے فروغِ ماہِ حسن از روئے رخشانِ شما
اے وہ کہ حسن کے چاند کی رونق تمہارے روئے روشن سے ہے

آبروئے خوبی از چاہِ زنخدانِ شما
خوبصورتی کی آبرو، تمہاری ٹھوڑی کے گڑھے سے ہے

عزمِ دیدارِ تو دارد جان بر لب آمدہ
ہونٹوں پر آئی ہوئی جان تمہارے دیدار کا ارادہ رکھتی ہے

باز گردد یا بر آید چیست فرمانِ شما
تمہارا کیا حکم ہے؟ وہ نکل آئے یا لوٹ جائے

کے دہد دست ایں غرض یا رب کہ ہمدستاں شوند
اے خدا یہ مقصد کب حاصل ہوگا کہ اکٹھے ہو جائیں؟

خاطرِ مجموعِ ما زلفِ پریشانِ شما
ہمارا مطمئن دل، اور تمہاری پریشان زلف

کس بدورِ نرگست طرفے نبست از عافیت
تمہاری نرگس کے دور میں کسی کو چین نصیب نہ ہوا

بہ کہ نفروشند مستوری بمستانِ شما
بہتر یہی ہے کہ پارسائی تمہارے مستوں کے ہاتھ نہ بیچ دیں

بختِ خواب آلودِ ما بیدار خواہد شد مگر
شاید! ہمارا سویا ہوا نصیبہ جاگ اٹھے

زانکہ زد بر دیدہ آبے روئے رخشانِ شما
اس لئے کہ تمہارے روئے روشن نے آنکھوں پر پانی چھڑک دیا ہے

با صبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستۂ
اپنے رخ کا ایک گلدستہ صبا کے ساتھ بھیج دو

بو کہ بوئے بشنویم از خاکِ بستانِ شما
شاید تمہارے باغ کی خاک کی ہم، خوشبو سونگھ سکیں

دل خرابی می کند دلدار را آگہ کنید
دل خرابی پیدا کر رہا ہے، محبوب کو آگاہ کر دو

زینہار اے دوستاں جانِ من و جانِ شما
ضرور، اے دوستو! تمہیں میری اور تمہاری جان کی قسم

عمرتاں باد دراز اے ساقیانِ بزمِ جم
جمشید کی محفل کے ساقیو! تمہاری عمر دراز ہو

گرچہ جامِ ما نشد پر مے بدورانِ شما
اگرچہ تمہارے دور میں ہمارا پیالہ شراب سے پر نہیں ہوا ہے

اے صبا با ساکنانِ شہرِ یزد از ما بگو
اے صبا یزد کے ساکنوں کو ہمارے جانب سے کہہ دے

ق

کاے سرِ حق ناشناساں گوئے میدانِ شما
کہ اے حق ناشناسوں کا سر، تمہارے میدان کی گیند ہے

گرچہ دوریم از بساطِ قرب ہمت دور نیست
اگرچہ قرب کی بساط سے ہم دور ہیں، توجہ دور نہیں ہے

بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوانِ شما
ہم تمہارے بادشاہ کے غلام اور تمہارے مداح ہیں

دور دار از خاک و خوں دامن چو بر ما بگذری
جب ہم پر سے گذرو دامن کو خاک اور خون سے دور رکھو

کاندریں رہ کشتہ بسیارند قربانِ شما
اس لئے کہ اس راستہ میں تم پر قربان مقتول بہت ہیں

اے شہنشاہِ بلند اختر خدارا ہمتے
اے بلند اختر بادشاہ! خدا کے لئے توجہ کیجئے

تا ببوسم ہمچو گردوں خاکِ ایوانِ شما
تاکہ آسمان کی طرح تمہارے محل کی خاک کو بوسہ دوں

می کند حافظ دعائے بشنو آمینے بگو
حافظ دعا کرتا ہے، سنو، اور آمین کہو

روزئے ما باد لعلِ شکر افشانِ شما
تمہارا شکر بکھیرنے والا ہونٹ، ہماری روزی ہو

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را
اگر وہ شیرازی معشوق، ہمارا دل تھام لے

بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
تو اس کے دلفریب تل کے عوض میں سمرقند و بخارا بخش دوں

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
اے ساقی باقی شراب بھی دیدے اس لئے کہ تو جنت میں نہ پائے گا

کنارِ آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلیٰ را
رکنا باد کی نہر کا کنارا، اور مصلیٰ کی سیرگاہ

۱ یعنی حسن کو میرے محبوب کی وجہ سے عزت حاصل ہوئی ہے۔
۲ دلجمعی جب ہی حاصل ہوگی جب پریشاں زلفوں کا وصال میسر آجائیگا
۳ مستان سے محبوب کی آنکھیں مراد ہیں یعنی زہد ان پر قربان کردیا جائے۔
۴ چمک دار چیز کو دیکھنے سے آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔
۵ بو، بود کا مخفف ہے۔
۶ کیونکہ یہ ہمارا قصور ہے۔
۷ آسمان کے اطراف کا جھکاؤ محل کی خاک بوسی کے لئے ہے۔
۸ رکنا باد کی نہر اور مصلیٰ کی سیرگاہ کا منظر جنت میں ہاتھ نہ آئے گا۔

فغاں کیں لولیانِ شوخ شیریں کار شہر آشوب
فریاد کہ یہ شریر، شیریں کار شہر کو فتنہ میں مبتلا کرنیوالے معشوق

چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوانِ یغمارا
دل سے صبر کو اس طرح لوٹ لیگئے جیسا کہ مالِ غنیمت کے خوان کو

ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی ست
ہمارے ناقص عشق سے، یار کا حسن بے نیاز ہے

باب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا
حسین چہرے کو آب و رنگ اور تل اور خط کی کیا ضرورت ہے

من از آں حسنِ روز افزوں کہ یوسف[1] داشت دانستم
میں اُس روز بروز بڑھنے والے حُسن سے جو کہ یوسف رکھتے تھے جان گیا تھا

کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را
کہ عشق زلیخا کو پاکی کے پردے سے باہر نکال لائے گا

حدیث[2] از مطرب و مے گوی و رازِ دہر کمتر جو
گویّے اور شراب کی بات کر اور زمانہ کا راز کم تلاش کر

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا
اس لیئے کہ دانائی سے کسی نے یہ معمہ کھولا ہے نہ وہ کھولے

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
پیارے نصیحت سُن لے اس لیئے کہ جان سے زیادہ پیار رکھتے ہیں

جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را
سعادتمند نوجوان، بوڑھے سمجھدار کی نصیحت کو

بدم[3] گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
تو نے مجھے برا کہا اور میں خوش ہوں خدا تجھے معاف کرے تو نے اچھا کہا

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا
لعل جیسے، شکر چبانے والے ہونٹوں کو کڑوا جواب زیب دیتا ہے

غزل گفتی و دُر سفتی بیا و خوش بخواں حافظ
اے حافظ تو نے غزل کہی اور موتی پرو دیئے آ، اور خوش الحانی سے پڑھ

کہ بر نظمِ تو افشاند فلک عقدِ ثریا را
اس لیئے کہ آسمان تیری نظم پر ثریا کے ہار نچھاور کرے گا

بملازمانِ[4] سلطاں کہ رساند ایں دعا را
بادشاہ کے ملازموں کو یہ التجا کون پہونچائے گا؟

کہ بشکرِ پادشاہی ز نظر مراں گدا را
کہ بادشاہی کے شکرانہ میں فقیر کو نظر سے نہ ہٹا

چہ قیامت ست جاناں کہ بعاشقاں نمودی
اے معشوق کیا قیامت ہے کہ تو نے عاشقوں کے لئے نمودار کیا ہے

رخِ ہمچو ماہِ تاباں دلِ ہمچو سنگِ خارا
روشن چاند جیسا چہرا، اور سنگِ خارا جیسا دل

ز رقیبِ دیو سیرت بخدا ہمی پناہم
دیو طبیعت رقیب سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں

مگر آں شہابِ[5] ثاقب مددے کند خدا را
شاید وہ روشن ستارا خدا کے لیئے مدد کرے

دلِ عالمے بسوزی چو عذار بر فروزی
جب تو رخسار روشن کرتا ہے، ایک عالم کے دل کو جلا دیتا ہے

تو ازیں چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا
تجھے اس سے کیا فائدہ ہے کہ خاطر تواضع نہیں کرتا ہے

مژہ سیاہت ار کردہ بخونِ ما اشارت
تیری سیاہ پلکوں نے اگر ہمارے قتل کا اشارہ کیا ہے

ز فریبِ[6] او بیندیش و غلط مکن نگارا
تو اس مکر کے بارے میں سوچ اور اے معشوق، غلطی نہ کر

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیمِ صبح گاہی
تمام رات، اسی تمنا میں ہوں، کہ نسیم سحری

بہ پیامِ آشنائی بنوازد آشنا را
دوست کو، دوستی کے پیغام سے نواز دے

دلِ دردمندِ[7] عاشق کہ ز ہجرِ تست پر خوں
دردمند عاشق کا دل جو تیرے فراق سے خون میں ہے

چہ شود گرش رسانی بوصالِ خویش یارا
کیا ہو جائے گا اگر اے یار تو اس کو اپنے وصال تک پہونچادے گا

دلِ مستمندِ ما را بشکنجِ زلف بردی
ہمارے حاجتمند دل کو تو زلف کے شکنجے میں قید کر کے لے گیا

مشکن دلِ ضعیفم بنواز ایں گدا را
ہمارے کمزور دل کو نہ توڑ، اس فقیر کو نواز دے

---

[1] یوسف کا روز افزوں حسن ہی زلیخا کی بدنامی کا سبب بنا۔
[2] میدانِ عشق و محبت میں دیوانگی درکار ہے نہ کہ عقل و دانش۔
[3] محبوب کی تلخ کلامی باعثِ لذت ہے۔
[4] سلطان سے مراد معشوق ہے یعنی اپنے حسن کا صدقہ فقیروں کو دینا چاہیئے۔
[5] شیاطین کو ٹوٹنے والا ستارا تباہ کر دیتا ہے یعنی رقیب پر محبوب کی مدد سے فتح حاصل ہو سکتی ہے۔
[6] عاشقوں کو قتل کر کے یوسفِ بے کارواں بننا اچھا نہیں ہے۔
[7] عاشق کے وصال سے معشوق کا کیا بگڑتا ہے۔

زفریبِ چشمِ مستت دلِ دردمند خوں شد
تیری مست نگاہ کے فریب سے دردمند دل خون ہو گیا ہے
نظرے بکن بحالش بتِ دلربا خدا را
اے دلربا بت خدا کے لئے اس کے حال پر ایک نظر کر

چو طبیب[۱] دردمنداں لبِ لعلِ یار باشد
جبکہ دردمندوں کا طبیب، معشوق کا لعل جیسا ہونٹ ہو
دلِ دردمندِ عاشق زکہ جوید ایں دوا را
تو عاشق کا دردمند دل اس دوا کو کس کے پاس تلاش کرے

خبرے[۲] زحالِ عاشق برِ یار باز گوئید
عاشق کی حالت کی خبر یار کے پاس جا کر کہہ دو
برسد مگر ز زُلفش اثرے مشامِ ما را
شاید! اس کی زلف کا کوئی اثر ہمارے دماغ تک پہونچ جائے

بخدا[۳] کہ جرعہ دہ تو بحافظِ سحر خیز
خدا کیلئے، صبح کو بیدار ہونے والے حافظ کو تو ایک گھونٹ دیدے
کہ دعائے صبحگاہی اثرے کند شمارا
اس لئے کہ صبح کے وقت کی دعا تمہارے لئے مفید ہوگی

تا جمالت عاشقاں راز دلبوِصل خود صلا
جب سے تیرے حسن نے عاشقوں کو اپنے وصال کی دعوت دی ہے
جان و دل افتادہ اند از زلف و خالت در بلا
جان اور دل تیری زلف اور تل سے مصیبت میں پڑے ہیں

آنچہ جانِ عاشقاں از دستِ ہجرت می کشد
عاشقوں کی جان تیرے فراق کے ہاتھ سے جو کچھ برداشت کرتی ہے
کس ندیدہ در جہاں جز کشتگانِ کربلا
کربلا کے شہیدوں کے علاوہ کسی نے دنیا میں نہیں دیکھا ہے

ترکِ[۴] ما گر می کند رندی و مستی جانِ من
اگر ہمارا معشوق رندی اور مستی کرتا ہے تو اے میری جان!
ترکِ مستوری و زہدت کرد باید اوّلا
تجھے پہلے پرہیزگاری اور زہد کو ترک کر دینا چاہئے

بزمِ[۵] عیش و موسمِ شادی و ہنگامِ طرب
عیش کی محفل اور خوشی کا موسم، اور مستی کا وقت
پنج روز ایامِ عشرت را غنیمت داں دِلا
عیش وعشرت کے پانچ دن کو اے دل غنیمت سمجھ

با کہ بنشینم کہ را گویم دگر من رازِ دل
کس کے ساتھ بیٹھوں کس سے کہوں پھر دل کا راز
زانکہ من در عشقِ اُو جز غم نکردم حاصلا
اس لئے کہ غم کے سوا اس کے عشق میں مجھے کچھ حاصل نہ ہوا

حافظا گر پائے بوسِ شاہ دستت می دہد
اے حافظ! اگر تجھے شاہ کی قدم بوسی حاصل ہو جائے
یافتی در ہر دو عالم زینتِ عزّ و علا
تو تو نے دونوں جہان میں عزت اور بلندی کی رونق حاصل کر لی

تا کے بدردِ ہجر کنی ناتواں مرا
ہجر کے درد میں، مجھے کب تک ناتواں بنائے گا
یکدم بوصلِ خویش بکن شادماں مرا
تھوڑی دیر کے لئے اپنے وصل سے مجھے خوش کر

میخواستی[۶] ہمیشہ گرفتارِ ہجرِ خود
تو ہمیشہ اپنے فراق میں گرفتار رکھنا چاہتا تھا
دیدی بکامِ خویشتن آخر چناں مرا
آخر تو نے مجھے ویسی حالت میں اپنے مقصد کے مطابق دیکھ لیا

نبود ہیچ وجہ دمے از توام گریز
تھوڑی دیر کے لئے بھی کسی طرح میرے لئے تجھ سے گریز نہ ہو سکیگا
زاں رو کہ نیست جز تو کسے در جہاں مرا
اس لئے کہ جہاں میں تیرے سوا میرا کوئی نہیں ہے

در حیرتم کہ بے تو چساں زندگی کنم
میں حیران ہوں تیرے بغیر کس طرح زندگی گذاروں
چوں نیست خواب و خور ز غمت یکزماں مرا
جبکہ تیرے غم کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے بھی مجھے سونا اور کھانا میسر نہیں ہے

---

[۱] عاشق کے مرض کی دوا معشوق ہی کے پاس ہے۔ لہٰذا اس سے ہی طلب کی جا سکتی ہے۔

[۲] محبوب کی زلفوں کی خوشبو ہی عاشق کو جان بخش سکتی ہے۔

[۳] صبح کی شراب پلا کر دعا لے صبح کی دعا میں اثر ہوتا ہے۔

[۴] یعنی معشوق کے رنگ میں رنگا جانا چاہیے۔

[۵] یعنی عیش کی چند روزہ زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

[۶] یعنی مجھے ہجر میں گرفتار رکھنے سے تجھے کیا فائدہ ہے۔

افتادہ[1] ام بکنجِ غم و جز فغاں و آہ
میں غم کے گوشہ میں پڑا ہوں اور سوائے فریاد اور آہ کے
نے یارِ غمگسارے و نے ہمزباں مرا
نہ میرا کوئی یارِ غمگسار ہے، نہ ہم زبان

بودم ہمیشہ شاد ز وصلت ولے کنوں
میں، ہمیشہ تیرے وصل سے خوش تھا مگر اب
کارے ز ہجرِ تو نبود جز فغاں مرا
تیرے ہجر کی وجہ سے سوائے فریاد کے میرا کوئی کام نہیں ہے

حافظ عجب مدار اگر می کُشد بغم
اے حافظ! تعجب نہ کر اگر غم میں مار ڈالے
از دردِ فرقت آں مہِ نامہرباں مرا
فراق کے درد سے مجھے وہ نامہربان چاند

دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا
اے دل والو خدا کے لئے، میرے ہاتھ سے دل نکلا جا رہا ہے
دردا[2] کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا
افسوس! پوشیدہ راز کھل جائے گا

دہ روزہ[3] مہرِ گردوں افسانہ ایست و افسوں
زمانہ کی دس روزہ محبت افسانہ اور طلسم ہے
نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا
اے دوست! دوستوں کے ساتھ نیکی کو غنیمت سمجھ

کشتی[4] شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز
ہم کشتی ٹوٹے ہیں، اے موافق ہوا! چل پڑ
باشد کہ باز بینیم آں یارِ آشنا را
شاید! اس آشنا یار کو ہم پھر دیکھ سکیں

در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوش بلبل
گزشتہ رات پھول اور شراب کی محفل میں بلبل کیا خوب گا گئی
ہَاتِ الصَّبُوحَ ہُبُّوا یَا اَیُّہَا السُّکَارٰی
صبوحی لا! اے مستو! آؤ

اے صاحبِ[5] کرامت شکرانۂ سلامت
اے کرامت والے! سلامتی کے شکرانہ میں
روزے تفقدے کن درویشِ بینوا را
کسی دن بے سامان فقیر پر مہربانی کر

آسائشِ[6] دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف ست
دونوں جہان کی راحت ان دو حرفوں کی تفسیر ہے
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا
دوستوں کے ساتھ مہربانی، دشمنوں کے ساتھ مدارات

در کوئے[7] نیکنامی ما را گذر ندادند
نیکنامی کے کوچہ میں انھوں نے ہمیں گذر نے کا موقع نہ دیا
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را
اگر تو پسند نہیں کرتا ہے تقدیر کو بدل دے

آئینہ سکندر جامِ جم ست بنگر
سکندر کا آئینہ، جمشید کا جام ہے، دیکھ!
تا بر تو عرضہ دارد احوالِ ملکِ دارا
تاکہ تجھ پر دارا کے ملک کے احوال پیش کر دے

سرکش[8] مشو کہ چوں شمع از غیرتت بسوزد
سرکش نہ بن، تجھے غیرت کی وجہ سے موم بتی کی طرح جلا دیگا
دلبر کہ در کفِ او موم ست سنگِ خارا
وہ معشوق جس کی ہتھیلی میں سنگِ خارا موم ہے

گر مطرب حریفاں ایں پارسی بخواند
اگر دوستوں کا گویا یہ فارسی غزل گائے گا
در رقص حالت آرد پیرانِ پارسا را
نیک بزرگوں کو رقص میں لے آئے گا

آں تلخوش کہ صوفی اُمّ الخبائثش[9] خواند
وہ کڑوی، صوفیوں نے جس کو ام الخبائث کہا
اَشْہٰی لَنَا وَ اَحْلیٰ مِنْ قُبْلَۃِ الْعَذَارٰی
وہ ہمارے لئے باکرہ لڑکیوں کے بوسے سے زیادہ مرغوب اور خوش گوار ہے

ہنگامِ[10] تنگدستی در عیش کوش و مستی
تنگدستی کے وقت مستی اور عیش میں لگ جا
کایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را
اس لئے کہ ہستی کی یہ کیمیا، فقیر کو قارون بنا دیتی ہے

[1] میں تنہا مرضِ عشق میں مبتلا ہوں میری داستان سمجھنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔
[2] آثارِ عشق ظاہر ہوں گے اور راز کھل جائے گا۔
[3] دنیا کی چندروزہ زندگی ناقابلِ بھروسہ ہے اس میں نیکی کرلے۔
[4] معشوق کا فرض ہے کہ اپنے حسن کی زکوٰۃ عاشقوں کو بانٹے۔
[5] دنیا کا تمام عیش و آرام اس میں پوشیدہ ہے کہ انسان دوستوں سے مہربانی اور دشمنوں سے خاطر و تواضع سے پیش آئے۔
[6] ہماری برائی بھی اپنے اختیار کی نہیں ہے۔
[7] تاریخ کے آئینہ میں دوسروں کے احوال دیکھ کر عبرت حاصل کرلینی چاہیے۔
[8] محبوب کا سرکشی کی حالت میں مناسب نہیں ہے۔
[9] ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ یہ شراب کا نام ہے۔
[10] اگر انسان تنگدستی کا وقت خندہ پیشانی سے گذارنے کا عادی بن جائے تو بڑی دولت ہے۔

خوبانِ پارسی گو بخشندگانِ عمر ند
کہدو، کہ پارس کے معشوق عمر بخشنے والے ہیں
ساقی بدہ بشارت پیرانِ پارسا را
اے ساقی نیک بوڑھوں کو خوش خبری دیدے

حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
یہ شراب میں تر گدڑی حافظ نے خود نہیں پہنی ہے
اے شیخِ پاک دامن معذور دار مارا
اے پاک دامن، شیخ! ہمیں معذور سمجھ

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما
کل ہمارا پیر مسجد سے میخانہ کی طرف آگیا
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما
یارانِ طریقت اس کے بعد ہماری کیا تدبیر ہے؟

در خراباتِ مُغاں مانیز ہم منزل شویم
آتش پرستوں کے شراب خانے میں ہم بھی پیر کے ہم منزل ہوجائیں
کایں چنیں رفتست در عہدِ ازل تقدیرِ ما
اس لئے کہ ازل میں ہماری تقدیر اسی طرح بنی ہے

ما مُریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں
ہم مرید کعبہ کی طرف رخ کیسے کریں جبکہ
روبسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما
ہمارا پیر بھٹی کی جانب رخ رکھتا ہے

عقل اگر داند کہ دل دربندِ زلفش چوں خوش ست
عقل کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ دل اسکی زلف کی قید میں کیسا خوش ہے
عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیرِ ما
تو ہماری بیڑی کے لئے، عقلمند دیوانے بن جائیں

روئے خوبت آیتے از لطف برما کشف کرد
تیرے حسین چہرے نے مہربانی کی ایک آیت ہم پر کھول دی ہے
زاں سبب جز لطف و خوبی نیست در تفسیرِ ما
اسی لئے مہربانی اور بھلائی کے سوا ہماری تفسیر میں کچھ بھی نہیں ہے

بادلِ سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے
تیرے سنگین دل میں کسی رات کو کیا کچھ اثر کرے گی؟
آہِ آتشبار و سوزِ نالۂ شب گیرِ ما
ہماری آگ برسانیوالی آہ اور تمام رات کے نالے کی جلن

مُرغِ دل را صیدِ جمعیت بدام افتادہ بود
دل کے پرند کے لئے اطمینان کا شکار جال میں پھنسا تھا
زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیرِ ما
تو نے زلف کھولدی، ہمارا شکار پھر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا

باد بر زلفِ تو آمد شد جہاں برمن سیاہ
تیری زلف کو ہوا لگی، جہان ہم پر تاریک ہوگیا
نیست از سودائے زلفت بیش ازیں توفیرِ ما
تیری زلف کے عشق میں اس سے زیادہ ہمارا حاصل وصول نہیں ہے

تیرِ آہِ ما ز گردوں بگذرد جانِ عزیز
اے جانِ عزیز، ہماری آہ کا تیر آسمان سے گذر جاتا ہے
رحم کن بر جانِ خود پرہیز کن از تیرِ ما
اپنی جان پر رحم کر، ہمارے تیرے بچ

بر درِ میخانہ خواہم گشت چوں حافظ مقیم
میں بھی حافظ کی طرح شراب خانہ کے دروازہ پر مقیم ہوجاؤں گا
چوں خراباتی شد اے یارِ طریقت پیرِ ما
جبکہ اے یارِ طریقت، ہمارا پیر خراباتی ہوگیا ہے

رونقِ عہدِ شباب ست دگر بُستاں را
باغ کے لئے پھر جوانی کے زمانہ کی رونق ہے
میرسد مژدۂ گل بُلبلِ خوش الحاں را
پھول کی خوشخبری خوش الحان بُلبل کو پہونچتی ہے

اے صبا گر بجوانانِ چمن باز رسی
اے صبا چمن کے جوانوں کے پاس سے تیرا اگر گزر ہو
خدمتِ ما برساں سرو و گل و ریحاں را
تو سرو اور گلاب اور ناز بو کو ہمارا سلام پہونچادے

۱ے پارسا میں الف تحسین کا مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ پارس کے رہنے والے بوڑھوں کے لئے خوشخبری ہے۔
۲ے انسان کی نیکی اور بدی اپنی اختیاری چیز نہیں ہے۔
۳ے بہرحال محبوب کی پیروی ضروری ہے
۴ے تیری بکھری ہوئی زلفوں نے ہمارا اطمینانِ خاطر ختم کردیا۔
۵ے زلفوں کو کالی گھٹا سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
۶ے ہماری آہوں کے اثر سے ڈر۔
۷ے جوانانِ چمن سے سرو اور گل و ریحاں مراد ہیں۔

[۱] اے کہ بر مہ کشی از عنبرِ سارا چوگاں
اے وہ، جو خالص عنبر کا بلّا چاند پر تانتے ہے
مضطرب حال مگرداں منِ سرگرداں را
مجھ حیران کو، پریشان حال نہ لوٹا

ترسم [۲] آں قوم کہ بر دُرد کشاں می خندند
مجھے ڈر ہے جو لوگ تلچھٹ پینے والوں پر ہنستے ہیں
در سرِ کارِ خرابات کنند ایماں را
خرابات کے کام میں ایمان کو نہ گنوا بیٹھیں

یارِ [۳] مردانِ خدا باش کہ در کشتیِ نوحؑ
مردانِ خدا کا یار بن اس لئے کہ نوحؑ کی کشتی میں
ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفاں را
ایسی خاک بھی ہے جو طوفان کو ذرا سا پانی نہیں سمجھتی

برو [۴] از خانۂ گردوں بدرو ناں مطلب
آسمان کے گھر سے باہر نکل جا اور روٹی نہ مانگ
کیں سیہ کاسہ در آخر بکشد مہماں را
اس لئے کہ یہ بخیل آخر میں مہمان کو مار ڈالتا ہے

گر چنیں جلوہ کند مُغبچۂ بادہ فروش
اگر مے فروش کا مُغبچہ، اسی طرح جلوہ دکھائے گا
خاکروبِ درِ میخانہ کنم مژگاں را
تو میں پلکوں کو شراب خانہ کے دروازہ کا خاکروب بناؤں گا

نشوی [۵] واقف یک نکتہ ز اسرارِ وجود
وجود کے رازوں کے ایک نکتہ سے بھی تو واقف نہ ہو سکے گا
گر تو سرگشتہ شوی دائرۂ امکاں را
اگر تو امکان کے دائرہ میں گھومتا رہے گا

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشتے خاک ست
جس شخص کی خوابگاہ انجام کار دو مٹھی خاک ہے
گو چہ حاجت کہ برافلاک کشی ایواں را
اس کو کہہ دے کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ تو سرِ فلک محل بنائے

ماہِ کنعانیِ [۶] من مسندِ مصر آنِ تو شد
اے میرے ماہِ کنعان، مصر کی مسند تیری ملکیت ہو گئی ہے
وقت آنست کہ پدرود کنی زنداں را
اب وہ وقت ہے کہ تو قید خانہ کو خیر باد کہہ دے

در سرِ زلف ندانم کہ چہ سودا داری
زلف کے معاملہ میں نہ معلوم تو کیا دیوانگی رکھتا ہے
کہ بہم بر زدۂ گیسوئے مُشک افشاں را
کہ تو نے مشک بکھیرنے والی زلفوں کو پریشان کر رکھا ہے

مُلکِ آزادگی و کنجِ قناعت گنجے ست
آزادگی کا ملک اور قناعت کا گوشہ ایسا خزانہ ہے
کہ بشمشیر میسّر نشود سُلطاں را
جو بادشاہ کو، تلوار کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے

حافظا مے خور و [۷] رندی کن و خوش باش ولے
اے حافظ شراب پی اور رندی کر اور خوش رہ لیکن
دامِ تزویر مکن چوں دگراں قرآں را
دوسروں کی طرح قرآن کو مکاری کا جال نہ بنا

ساقی بنورِ بادہ برافروز جامِ ما
اے ساقی شراب کے نور سے ہمارا جام روشن کر دے
مُطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما
گویّے گا! دنیا کا کام ہماری منشاء کے مطابق ہو گیا ہے

ما در پیالہ عکسِ رُخِ یار دیدہ ایم
ہم نے پیالے میں یار کے رُخ کا عکس دیکھا ہے
اے بیخبر ز لذّتِ شُربِ مُدامِ ما
اے بے خبر، ہمارے شراب کے پینے کی لذت سے

چنداں [۸] بود کرشمہ و نازِ سہی قداں
سیدھے قد معشوقوں کا کرشمہ اور ناز اُسی وقت تک ہے
کآید بجلوہ سرو صنوبر خرامِ ما
جبتک کہ ہمارا سرو صنوبر کی طرح ٹہلنے والا جلوہ میں آئے

ہرگز [۹] نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
جس کا دل عشق کی وجہ سے زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرتا
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما
ہماری ہمیشگی دنیا کی تاریخ میں قائم ہو چکی ہے

[۱] مہ سے مراد چہرہ اور چوگان سے مراد زلفیں ہیں۔
[۲] دوسروں کی مصیبت پر ہنسنے والے خود اس مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں۔
[۳] مردانِ خدا سے اہل اللہ مراد ہیں جن کی نگاہ میں دنیا و مافیہا ہیچ ہے۔
[۴] دنیا سے بھلائی کا طالب نہ بن۔
[۵] جب تک انسان خدا کی ذات و صفات کا علم نہ حاصل کرے ممکنات کے راز اس پر منکشف نہیں ہو سکتے ہیں۔
[۶] ماہِ کنعان سے مراد حضرت یوسفؑ ہیں۔
[۷] مکاری بدکاری سے ہزار گنا بری ہے۔
[۸] دوسرے معشوقوں کی اُسی وقت تک قدر و قیمت ہے جب تک ہمارا محبوب جلوہ گر نہیں ہوتا ہے۔
[۹] شیدائیانِ عشق کو حیاتِ جاودانی حاصل ہو جاتی ہے۔

مستی بچشم شاہدِ دلبندِ ما خوش ست — زاں رُو سپردہ اند بمستی زمامِ ما
ہمارے دل پسند معشوق کی نظر میں مستی بھلی ہے — اسی وجہ سے ہماری باگ انھوں نے مستی کے ہاتھ میں دی ہے

ترسم[۱] کہ صرفۂ نبرد روزِ باز خواست — نانِ حلالِ شیخ زآبِ حرامِ ما
مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن کہیں غلبہ حاصل نہ کرے — شیخ کی حلال روٹی، ہمارے حرام پانی سے

اے باد گر بگلشنِ احباب بگذری — زنہار عرضہ دہ برِ جاناں پیامِ ما
اے ہوا! اگر تو دوستوں کے چمن سے گذرے — تو ضرور معشوق پر، ہمارا پیغام پیش کر دیجو

گو[۲] نامِ ما زیاد بعمد اچہ می بری — خود آید آنکہ یاد نیاری زنامِ ما
کہدینا! جان بوجھ کر ہمارا نام یاد سے کیوں بھلاتا ہے — وہ دن خود آرہا ہے جب تو ہمارا نام یاد نہ کرے گا

بگرفت ہمچو لالہ دلم در ہوائے سرو — اے مُرغِ بخت کے شوی آخر تو رامِ ما
سرو کی محبت میں لالہ کی طرح، میرا دل گرفتار ہوگیا ہے — اے نصیبہ کے پرندتو ہمارے قبضہ میں کب آئے گا؟

دریائے[۳] اخضرِ فلک و کشتیِ ہلال — ہستند غرقِ نعمتِ حاجی قوامِ ما
آسمان کا سبز دریا، اور یہ چاند کی کشتی — ہمارے حاجی قوام الدین کی نعمتوں میں غرق ہیں

حافظ زدیدہ دانہ اشکے ہمی فشاں
حافظ آنکھوں سے آنسوؤں کا دانہ بکھیر
باشد[۴] کہ مُرغِ وصل کند قصدِ دامِ ما
شاید وصال کا پرند ہمارے جال کا قصد کرے

ساقیا[۵] برخیز و دردہ جام را — خاک بر سر کن غمِ ایام را
اے ساقی اُٹھ اور جام دے — زمانہ کے غم کے سر پر، خاک ڈال

ساغرِ مے در کفم نہ تاز سر — بر کشم ایں دلقِ ازرق فام را
میرے ہاتھ میں شراب کا پیالہ دے تاکہ دماغ سے — اس نیل گوں گدڑی کو نکال دوں

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں — مانمی خواہیم ننگ و نام را
اگرچہ یہ عقلمندوں کے نزدیک، بدنامی ہے — ہم ننگ ونام کے، خواہاں نہیں ہیں

بادہ دردہ چند ازیں بادِ غرور — خاک بر سر نفسِ نافرجام را
شراب دے، یہ غرور کی پھونک کب تک! — بد بخت نفس کے سر پر خاک ہو

دودِ آہِ سینۂ سوزانِ من — سوخت ایں[۶] افسردگانِ خام را
میرے جلتے سینے کے دھوئیں نے — ان کچے، ٹھٹھرے ہوؤں، کو جلا ڈالا

محرمِ رازِ دلِ شیدائے من — کس نمی بینم زخاص و عام را
اپنے شیدائی دل کا محرم راز — خاص اور عام میں سے میں کسی کو نہیں دیکھتا ہوں

با دل آرامے مرا خاطر خوش ست — کز دلم یکبارہ برد آرام را
اُس محبوب سے میری طبیعت خوش ہے — جو یکبارگی، میرے دل سے آرام کو نکال لے گیا

ننگرد[۷] دیگر بسرو اندر چمن — ہر کہ دید آں سروِ سیم اندام را
وہ چمن میں، پھر سرو کو نہ دیکھے گا — جس نے اُس چاندی جیسے جسم والے سرو کو دیکھ لیا

۱۔ راہِ عشق میں کوتاہی کی وجہ سے کہیں ہم مغلوب نہ ہو جائیں۔
۲۔ ہم تو خود ہی فنا ہونیوالے ہیں لہذا عمداً ہمارا نام بھلانیکی کیا ضرورت ہے۔
۳۔ حاجی قوام الدین، ابو اسحاق کے وزیر کا نام ہے جس نے حافظ کی دعوت کی تھی اس دعوت میں حافظ کے پیالہ میں آسمان اور چاند کا عکس پڑا تو یہ شعر کہا۔
۴۔ محبوب کے وصال کے لئے آنسوؤں کا دانہ بکھیرنیکی ضرورت ہے
۵۔ شراب کی مستی میں غم کو بھلا دے۔
۶۔ یعنی ناقص عشق والے
۷۔ چونکہ محبوب کے قد کے مقابلہ میں سرو ہیچ ہے۔

از سرِ دنیا گذشتی غم مخور   خوش بخور ہم خوش بدار ایام را
تو دنیا کی فکر سے گذر گیا، غم نہ کر   اچھی طرح کھا، پی، نیز زمانہ کو خوش رکھ

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
اے حافظ! دن رات کی سختی پر صبر کر

عاقبت[1] روزے بیابی کام را
انجام کار، تو کسی دن مقصد حاصل کرے گا

ساقی بگذار از کفِ خود رطلِ گراں را   تا خوش گذرانیم جہانِ گذراں را
اے ساقی بھاری پیمانہ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے   تاکہ ناپائیدار دنیا کو ہم اچھی طرح گذار دیں

زاہد[2] چہ عجب گر کندم عیب برندی   بر اہلِ ہنر طعنہ بود بے ہنراں را
کوئی تعجب نہیں! اگر زاہد مجھ پر رندی کا عیب لگاتا ہے   بے ہنروں کا ہنرمندوں پر طعنہ ہوتا ہی ہے

در قبلہ و بتخانہ تو مسجودی و معبود   رُو سوئے تو باشد ہمہ صاحب نظراں را
کعبہ اور بتخانہ میں تو ہی مسجود اور معبود ہے   تمام صاحب نظروں کا رخ تیری طرف ہوتا ہے

ارباب[3] خرد ذوقِ مے عشق چہ دانند   از حالتِ ما نیست خبر بے خبراں را
عقل والے عشق کی شراب کا ذائقہ کیا جانیں   بے خبروں کو، ہماری حالت کی خبر نہیں ہے

کامے طلبد حافظ ازیں چشمۂ حیواں
حافظ اس چشمۂ حیات سے مقصد طلب کرتا ہے

آرے نتواں خورد نصیبِ دگراں را
ہاں، دوسروں کا حصہ نہیں پی سکتا ہے

شب از مُطرب کہ دل خوش باد ویرا   شنیدم نالۂ جانسوزِ نے را
رات گویے سے (خدا کرے اُس کا دل خوش رہے)   میں نے بانسری کا ایک جاں سوز نالہ سنا

چناں در جانِ من سوزش اثر کرد   کہ بے رقت ندیدم ہیچ شے را
میری جان میں، جلن نے ایسا اثر کیا   کہ میں نے کسی چیز کو رقت سے خالی نہ دیکھا

حریفے بُد مرا ساقی کہ ہر دم   ز زلف و رُخ نمودے شمس و دے[4] را
ایسا یار، میرا ساقی تھا جو ہر وقت   زلف اور چہرے سے سورج اور تاریک رات دکھاتا تھا

چو شوقم دید در ساغر مے افزود   بگفتم ساقیِ فرخندہ پے را
جب اس نے میرا شوق دیکھا تو پیالے میں شراب بڑھا دی   تو مبارک قدم، ساقی سے میں نے کہا

رہا نیدی مرا از شرِّ ہستی[5]   چو پیمودی پیاپے جامِ مے را
تو نے، مجھے وجود کے شر سے رہائی دے دی   جبکہ شراب کا پیالہ پے در پے بھرا

حَمَاکَ اللّٰہُ عَنْ شَرِّ النَّوَائِبِ   جَزَاکَ اللّٰہُ فِی الدَّارَیْنِ خَیْرًا
خدا، تجھے مصائب کے شر سے بچائے   تجھے اللہ دونوں جہان میں بھلائی کا بدلا دے

چو بیخود گشت حافظ کے شمارد[6]   بیک جو مملکت کاؤس و کے را
جب حافظ بے خود ہو گیا تو کب شمار میں لاتا ہے   کیخسرو اور کیکاؤس کی مملکت کو ایک جو کے بدلے میں

[1] سختیوں کے بعد ہی وصال میسر آتا ہے۔
[2] صاحبِ عشق صاحبِ ہنر ہے، بے ہنر ہنرمندوں پر طعنہ زن ہوتے ہی ہیں۔
[3] بے خبروں سے مراد اربابِ خرد ہیں۔
[4] چہرے کی سورج اور زلف کی شبِ تاریک سے تشبیہ ہے۔
[5] مستی میں انسان ہستی کو گم کر دیتا ہے
[6] مستی کی حالت میں مملکتِ کاؤس و کے، کی حقیقت ایک جو کی برابر نہیں رہتی ہے۔

صوفی بیا کہ آئینہ صاف ست جام را
اے صوفی! آ، جام کا شیشہ صاف ہے
تا بنگری صفائے مَے لعل فام را
تاکہ تو لعل جیسی شراب، کی صفائی دیکھے

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس
پردے کے اندر کے راز مست رندوں سے معلوم کر
کیں حال نیست صوفیٔ عالی مقام را
اس لیئے کہ صوفیٔ عالی مقام کا یہ مقام نہیں ہے

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں
عنقا، کسی کا شکار نہیں بنتا اب جال اٹھالے
کانجا ہمیشہ باد بدست ست دام را
اس لئے، کہ یہاں جال کے ہاتھ میں ہمیشہ ہوا آتی ہے

من آں زمان طمع ببریدم ز عافیت
میں نے اسی وقت عافیت کا لالچ ختم کر دیا
کایں دل نہاد در کفِ عشقت زمام را
جبکہ اس دل نے تیرے عشق کے ہاتھ میں ہماری باگ دی

مارا برآستانِ تو بس حقِ خدمت ست
تیری چوکھٹ پر، ہمارا بہت حق خدمت ہے
اے خواجہ باز بیں بترحم غلام را
اے خواجہ! پھر غلام پر رحم کی نگاہ ڈال دے

در عیشِ نقد کوش کہ چوں آبخور نماند
موجودہ عیش حاصل کر اس لئے کہ جب دانہ پانی نہ رہا
آدم بہشت روضۂ دار السّلام را
آدم نے جنّت کا باغیچہ چھوڑ دیا

در بزمِ دور یک دو قدح درکش و برو
دور (شراب) کی محفل میں ایک دو پیالہ چڑھالے اور چلدے
یعنی طمع مدار وصالِ دوام را
یعنی دائمی وصال کی تمنا نہ کر

اے دل شباب رفت و نچیدی گلے زعمر
اے دل جوانی رخصت ہوئی اور تو نے عمر کا ایک پھول بھی نہ چنا
پیرانہ سر مکن ہنرے ننگ و نام را
بڑھاپے میں ننگ و نام، کی ہوس نہ کر

حافظ مریدِ جامِ جم ست اے صبا برو
حافظ تو جام جمشید کا مرید ہے اے صبا جا
وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را
اور خادم کی جانب سے جام کے شیخ کو بندگی پہونچادے

صلاحِ کار کجا و من خراب کجا
کام کی نیکی کہاں؟ اور میں رند کہاں؟
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا
دیکھ! راستہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے؟

چہ نسبت ست برندی صلاح و تقویٰ را
نیکی، اور تقوے کو رندی سے کیا نسبت؟
سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا
کجا وعظ کا سننا، کجا ستار کا نغمہ؟

دلم ز صومعہ بگرفت و خرقۂ سالوس
عبادت خانے، اور مکر کی گدڑی سے میرا دل غمگین ہوگیا
کجاست دیرِ مغان و شرابِ ناب کجا
آتش پرستوں کا بتخانہ، اور خالص شراب کہاں ہے؟

بشد زیاد خوشش یادِ روزگارِ وصال
اس کی اچھی یاد سے وصال کے زمانہ کی یاد ختم ہوگئی
خود آں کرشمہ کجا رفت و آں عتاب کجا
خود وہ ناز، اور غصہ کہاں چلا گیا!

ز روئے دوست دلِ دشمناں چہ دریابد
دوست کے چہرہ سے، دشمنوں کا دل کیا پائے گا؟
چراغِ مردہ کجا شمعِ آفتاب کجا
کہاں بجھا ہوا چراغ، کہاں آفتاب کی شمع؟

ببیں بسیبِ زنخداں کہ چاہ در رہ ست
ٹھوڑی کے سیب کو دیکھ کہ راستہ میں کنواں ہے
کجا ہمی روی اے دل بدیں شتاب کجا
اے دل! اس قدر تیزی سے کہاں جاتا ہے!

۱۔ عاشق حقیقی ہی اسرار سربستہ سے واقف ہوسکتا ہے۔
۲۔ جال میں ہوا کا آنا محرومی سے کنایہ ہے۔
۳۔ راہِ محبت میں آرام کی تمنا لا حاصل ہے۔
۴۔ لہٰذا جنّت کی موہوم لذّت کی خاطر نقد عیش کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔
۵۔ جوانی ہی کام کا وقت ہے۔
۶۔ تاکہ وہاں پہونچکر مکر و فریب کا جامہ چاک کردوں۔
۷۔ یہ چیزیں زمانۂ وصال میں مجھے حاصل تھیں۔
۸۔ مردہ چراغ سے مراد رقیبوں کا دل اور شمعِ آفتاب سے مراد معشوق کا چہرہ ہے۔
۹۔ معشوق کی ٹھوڑی کے گڑھے کو کنویں سے تشبیہ دیجاتی ہے۔

چو کحلِ بینشِ ما خاکِ آستانِ شماست — کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا
جبکہ ہماری بینائی کا سرمہ تمہاری چوکھٹ کی خاک ہے — حکم ہی فرمائیے، اس دربار سے کہاں جائیں؟

قرار و خواب ز حافظ طمع مدار اے دوست
اے دوست! حافظ سے سکون اور نیند کی توقع نہ رکھ
قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا
سکون کیا ہوتا ہے، صبر کیا ہے، نیند کہاں ہے؟

صبا بلطف بگو آں غزالِ رعنا را — کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را
اے صبا نرمی سے اس نازنین ہرن سے کہہ دے — تو نے ہی ہمارا سر کوہ و بیابان کے حوالہ کر دیا ہے

بشکر آنکہ توئی بادشاہِ کشورِ حسن — بیاد آر غریبانِ دشت و صحرا را
اس بات کے شکرانے میں کہ تو ہی مملکتِ حسن کا بادشاہ ہے — دشت و صحرا کے، پردیسیوں کو یاد رکھ

شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا — تفقدے نکند طوطیِ شکر خارا
شکر فروش (خدا کرے اُس کی عمر دراز ہو) کیوں — شکر خور طوطی پر مہربانی نہیں کرتا ہے؟

غرورِ حسن اجازت مگر نداد اے گل — کہ پرسشے نکنی عندلیبِ شیدا را
اے پھول! شاید حسن کے غرور نے اجازت نہیں دی — جو تو عاشق بلبل کی پرسش نہیں کرتا ہے

بحسنِ خلق تواں کرد صیدِ اہلِ نظر — بدام و دانہ نگیرند مرغِ دانا را
اہلِ نظر کو حسنِ اخلاق کے ذریعہ شکار کیا جا سکتا ہے — سمجھدار پرندہ کو جال اور دانے کے ذریعہ نہیں پکڑتے ہیں

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی — بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را
جب تو دوست کے ساتھ بیٹھے اور شراب نوشی کرے — تو آوارہ دوستوں کو بھی، یاد کر لیا کر

ندانم از چہ سبب رنگِ آشنائی نیست — سہی قدانِ سیہ چشم و ماہ سیما را
نہ معلوم دوستی کا رنگ کیوں نہیں ہے؟ — سیدھے قد والوں، کالی آنکھ والوں چاند جیسے چہرے والوں میں

جز ایں قدر نتواں گفت در جمالِ تو عیب — کہ خالِ مہر و وفا نیست روئے زیبا را
تیرے حسن میں اس کے سوا کوئی عیب نہیں بتایا جا سکتا ہے — کہ حسین چہرے میں مہر و وفا کا تل بھی نہیں ہے

در آسماں چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ
کوئی تعجب نہیں اگر حافظ کے کلام کو آسمان میں
سماعِ زہرہ برقص آورد مسیحا را
زہرہ کا گانا، مسیحا کو وجد میں لے آئے

صبح دم بکشاد خمارے درِ میخانہ را — قلقلِ آوازِ صراحی جان دہد مستانہ را
کلال نے، صبح کو میخانہ کا دروازہ کھولا — صراحی کی قلقل کی آواز مستوں میں جان ڈالتی ہے

دورِ گرداں آمدہ آخر دریں بزمِ من — ساقیا برخیز و پُر دہ آخریں پیمانہ را
آخرکار اس بزم میں دور کی باری مجھ تک آ گئی — تو اے ساقی! اٹھ، اور آخری پیمانہ کو پورا بھر دے

چوں شدم مجنوں بروئے عشقِ لیلیٰ در جہاں — عاقلا پندے مدہ ہمچوں منِ دیوانہ را
جب میں زمانہ میں لیلیٰ کے عشق کی وجہ سے مجنوں ہو گیا ہوں — تو اے عاقل! مجھ جیسے دیوانہ کو نصیحت نہ کر

تیرے عشق میں ہم کوہ و بیابان میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔
۲ـ شکر فروش سے مراد محبوب ہے اور طوطی سے مراد عاشق۔
۳ـ اس شعر میں بے توجہی کی وجہ بیان کی ہے
۴ـ باد پیما آوارہ گرد۔
۵ـ زہرہ کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے حضرت مسیح چرخ چہارم پر ہیں۔
۶ـ دیوانوں کو نصیحت کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

آئینہ[1] زنگار از صیقل ز تقوے پاک کن
زنگ آلود آئینہ کو تقوے کی صیقل سے صاف کرلے

پاک بنگر اندر آں آئینہ جانانہ را
پھر اس آئینہ میں، معشوق کو اچھی طرح دیکھ

گرد[2] شمع جانِ معشوقے بگرد از عاشقی
عاشقی کی وجہ سے معشوق کی جان کی شمع کے گرد چکر لگا

عاشقی آموز اندر سوختن پروانہ را
جلنے میں پروانہ سے عاشقی سیکھ

نیست دشنامے بصیادِ ازل ای جانِ من
اے میری جان اصیادِ ازل پر کوئی برائی نہیں ہے

آمدہ مرغِ ہوا گرداں زبہرِ دانہ را
دانہ کی خاطر ہوا میں اڑنے والا پرندہ آ پھنسا ہے

حافظ از زہدِ ریائی توبہ کردہ پیش ازاں
ریاکاری کے زہد سے حافظ اس سے پہلے ہی توبہ کرچکا ہے

پس برو بکشائے آخر شب درِ میخانہ را
پس جا آخری شب میں اُس پر میخانہ کا دروازہ کھول دے

لطف[3] باشد گر نپوشی از گدا یاروت را
مہربانی ہوگی، اگر فقیروں سے تو اپنا چہرہ نہ چھپائے

تا بکام دل بہ بیند دیدۂ ماروت را
تاکہ ہماری آنکھ دل بھر کر تیرا چہرہ دیکھ لے

ہمچو ہاروتیم دائم در بلائے عشق زار
ہم ہاروت کی طرح، ہمیشہ عشق کی مصیبت میں درماندہ ہیں

کاشکے ہرگز ندیدے دیدۂ ماروت را
کاش! ہماری آنکھ تیرا چہرہ کبھی نہ دیکھتی

کے شدے ہاروت در چاہِ زنخدانش اسیر
ہاروت اس کی ٹھوڑی کے کنوئیں میں کیوں قید ہوتا؟

گر نگفتے شمۂ از حسنِ او ماروت را
اگر ماروت اس کے حسن کا تھوڑا سا بھی بیان نہ کرتا

بوئے گل برخاست گوئی در چمن ہاروت بود
بوئے گل اُٹھی گویا کہ چمنوں میں تیرا چہرہ تھا

بلبلاں مستند گوئی دیدہ چوں ماروت را
بلبلیں مست ہوگئی ہیں گویا کہ انہوں نے ہماری طرح تیرا چہرہ دیکھ لیا ہے

می کشم جور و جفاہایت زہجراں اے صنم
اے معشوق ہجر کی وجہ سے میں تیرا ظلم و جفا برداشت کررہا ہوں

روی بنما تا بہ بیند حافظِ ماروت را
رونمائی کردے تاکہ ہمارا حافظ تیرا چہرہ دیکھ لے

ما برفتیم[4] تو دانی و دلِ غمخورِ ما
ہم تو چلے، تو، اور ہمارا غم خور دل جانتا ہے

بختِ بد تا بکجا می برد آبشخورِ ما
بر انصیبہ ہمارا دانہ پانی کہاں تک لیجائے گا

بے غمت شاد مبادا دلِ غم پرورِ ما
ہمارا غم پرور دل، خدا کرے تیرے غم کے بدوں خوش نہ رہے

غم خور اے دل کہ بجز غم نبود در خورِ ما
اے دل تو غم کھا اس لئے کہ غم کے سوا اور کوئی چیز ہمارے لائق نہ ہوگی

می کنم شادی ازاں روز کہ گفتی برقیب
میں اس دن سے خوشی منارہا ہوں جس دن تو نے رقیب سے کہا تھا

کیں گدا کیست کہ ہرگز نرود از درِ ما
یہ بھکاری کون ہے جو کسی وقت بھی ہمارے دروازہ سے نہیں ٹلتا ہے

ازنثار[5] مژہ چوں زلفِ تو دُر دُر گیرم
پلکوں سے بکھیرے تیری زلفوں کی طرح موتیوں سے گھیر دوں گا

قاصدے کز تو سلامے برساند برِ ما
اُس پیامبر کو جو تیرا سلام، ہم تک پہونچائے

بدعا آمدہ ام ہم بدعا دست برآر
میں دعا کرتا ہوں، تو بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا

کہ وفا با تو قریں باد و خدا یاورِ ما
کہ وفا تیرا ساتھی ہو، اور خدا میرا مددگار

---

[1] جب تک انسان ماسوی اللہ سے تعلق ترک نہیں کرتا ہے اس کو وصال میسر نہیں آتا ہے۔

[2] عاشق کو پروانہ وار معشوق پر قربان ہوجانا چاہیے۔

[3] اس غزل میں بار بار یاروت، ماروت کا لفظ آرہا ہے کہیں تو چاہِ بابل والے ہاروت و ماروت مراد ہیں اور کہیں "یا" علامت جمع اور ما ضمیر متکلم کے ساتھ "روت" بمعنی روئے تو ملادیا گیا ہے۔

[4] آوارہ پھرنے کا سبب ہمارے دل کو معلوم ہے یا تجھے۔

[5] تو نے چونکہ ہمیں در سے نہ ٹلنے والا کہا اس لئے ہمیں مسرت ہے۔

[6] تیرے قاصد پر اپنے آنکھوں کے موتی نچھاور کردوں گا۔

گرہمہ[1] خلقِ جہاں برمن و توحیف خورند — بگشد از ہمہ انصافِ ستم داورِ ما
اگر تمام دنیا کی مخلوق تجھ پر اور مجھ پر افسوس کرے — ہمارا خدا سب سے ظلم کا انصاف لے لیگا

بسرت گرہمہ عالم بسرم بخروشند — نتواں برد ہوائے تو بروں از سرِ ما
تیرے سر کی قسم اگر تمام جہان میرے سر پر شور مچائے — تو بھی میرے سر سے تیری محبت نہ نکال سکے گا

فلک[2] آوارہ بہر سُو کندم می دانی — رشک می آیدش از صحبتِ جاں پرورِ ما
تجھے معلوم ہے کہ مجھے آسمان ہر طرف آوارہ پھرا رہا ہے — ہماری جان پرور صحبت پر اس کو رشک آتا ہے

دردمندیم و خبر می دہد از سوزِ دروں — دہنِ خشک ولبِ تشنہ و چشمِ ترِ ما
ہم دردمند ہیں اور اندرونی سوزش کی خبر دیتا ہے — ہمارا خشک منہ اور پیاسا ہونٹ، اور تر آنکھ

ماز وصف[3] رُخِ زیبائے تو تادم زدہ ایم — ورقِ گُل خجل ست از ورقِ دفترِ ما
جب سے ہم نے تیرے حسین چہرے کے اوصاف لکھنے کا دم بھرا ہے — گلاب کی پتی ہمارے دفتر کے ورق سے شرمندہ ہے

زود باشد کہ بیاید بسلامت یارم — اے خوش آں روز کہ آید بسلامت برِ ما
بہت جلد ہوگا کہ ہمارا معشوق سلامتی کے ساتھ واپس آجائیگا — وہ دن کیا ہی اچھا ہوگا جس دن سلامتی سے وہ ہمارے پہلو میں آئیگا

ہر کہ گوید کہ کجا رفت خدارا حافظ
جو بھی کہے کہ خدا کے لئے حافظ کہاں چلا گیا
گو بزاری سفرے کرد و برفت از برِ ما
کہدو اس نے عاجزاً سفر کیا ہے اور ہمارے پاس سے چلا گیا ہے

ہنگامِ نو بہار گُل از بوستاں جدا — یارب مبادو ہیچ کس[4] از دوستاں جدا
نو بہار کے وقت، پھول چمن سے جدا — اے خدا ایسا کبھی نہ ہو، اور کوئی بھی دوستوں سے جدا

بُلبل بنالہ در چمن آمد بہ صبح دم — از وصلِ گُل ہمی شدہ اندر خزاں جدا
صبح کے وقت بُلبل چمن میں نالہ کرتی ہوئی آئی — خزاں کے موسم میں، پھول کے وصل سے جدا ہو کر

دنیا[5] ست باغِ کہنہ وانساں چو نو گلند — ہر یک زشاخِ عمر کند باغباں جدا
دنیا پرانا باغ ہے اور انسان نئے پھول ہیں — ہر ایک کو باغبان عمر کی شاخ سے جدا کر دیتا ہے

افسوس کیں حیاتِ جہاں رائگاں گذشت — افسوسِ دیگر آں کہ شود تن ز جاں جدا
افسوس کہ یہ دنیا کی زندگی بیکار گئی — دوسرے یہ افسوس ہے کہ جسم جان سے جدا ہو جائے گا

بسیار خفتہ اند دریں خاک سیم تن — شاہان و نوعروس بسے از جہاں جدا
بہت سے چاندی جیسے جسم والے خاک میں سوئے ہوئے ہیں — بادشاہ، اور دولھا، دنیا سے بہت دور

ہُشدار و پائے بر سرِ ایں مُردگاں منہ — تنہا بخاک خفتہ واز خانماں جدا
ہوش میں رہ اور ان مردوں کے سر پر پیر نہ رکھ — جو گھر سے جدا، تنہا خاک میں سوئے ہیں

ترکِ ہوا و حرص بکن حافظا کنوں
اے حافظ! اب ہوا اور حرص کو چھوڑ دے
بہرِ وصالِ دوست شو از این[6] و آں جدا
دوست کے وصال کے لئے اِس اور اُس سے جدا ہو جا

[1] ان کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے خدا ان کے ظلم کا بدلہ دے گا۔
[2] محبت کے معاملہ میں آسمان بھی رقیب بنا ہوا ہے۔
[3] تیرے رُخ میں جو خوبیاں ہیں وہ گلاب کی پتی کو کہاں نصیب ہیں۔
[4] یعنی کوئی دوست کسی دوست سے جدا نہ ہو۔
[5] جس طرح تازہ پھول شاخوں سے توڑ لئے جاتے ہیں اسی طرح انسانوں کی عمر قطع کر دی جاتی ہے۔
[6] این و آں کا اشارہ ہوا اور حرص کی طرف ہے۔

ردیفِ بائے موحّدہ

آفتابؔ از روئے او شد در حجاب
اس کے چہرے کی وجہ سے آفتاب پردے میں چھپ گیا
سایہ را باشد حجاب از آفتاب
سورج سے سایہ پردے میں ہو جاتا ہے

دستِؔ ماہ و مہر بر بندد بحسن
حسن کی وجہ سے آفتاب اور ماہتاب کا ہاتھ باندھ دیتا ہے
ماہِ بے مہرم چو بر بندد نقاب
جب میرا ماہِ بے مہر نقاب الٹ دیتا ہے

از خیالمؔ باز نشناسد کسے
کوئی میری موہوم صورت کو پھر نہیں پہچان سکتا
گر در آغوشش بہ بینم شب بخواب
اگر رات کو خواب میں، میں اس کو اپنی بغل میں دیکھ لوں

شاہداںؔ مستور و مستاں بے شکیب
معشوق چھپے ہیں، اور مست بے صبر ہو رہے ہیں
خانقہ معمور و درویشاں خراب
خانقاہ بھری ہے، اور درویش پریشان ہیں

خونِ دل در جام دیدم از سرشک
آنسوؤں کی وجہ سے دل کا خون میں نے جام میں دیکھا
آبرو برباد دادم از شراب
شراب کی وجہ سے، میں نے آبرو کو برباد کر دیا

از برائے بادہ می باید زدن
شراب کی خاطر مارنا چاہیے
مُحتسب را حدِّ بیحدّ و حساب
مُحتسب کو کوڑے، بے حد و حساب

سوزِ مستاں گر بداند محتسب
اگر محتسب، مستوں کی سوزش کو سمجھ لے
در دم از مے شاں زند بر آتش آب
تو اُن کی شراب کا پانی فوراً، آگ پر چھڑکے

ہر کرا از دیدہ شد بارانِ اشکؔ
جس کی آنکھ سے آنسوؤں کی بارش برسے
زیرِ دامن باد دارد چوں سحاب
وہ دامن کے نیچے ابر کی طرح ہوا چھپی ہوئی رکھتا ہے

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن
اے حافظ! وعظ، اور نصیحت، کہہ دے نہ کر
ترکِ ترکانِ خطا نبود صواب
ملکِ خطا کے معشوقوں کا چھوڑنا درست نہ ہو گا

تعالیٰ اللہ چہ دولت دارم امشب
اللہ اکبر، آج کی رات مجھے کیا دولت ملی ہے
کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب
کہ آج کی رات، اچانک میرا معشوق آ گیا

چو دیدم روئے خوبش سجدہ کردم
جب میں نے، اس کا حسین چہرہ دیکھا تو سجدہ کیا
بحمد اللہ نکوکر دارم امشب
بحمد اللہ، میں آج کی رات نیکوکار ہوں

نہالِ عیشم از وصلش بر آورد
میری زندگی کے پودے نے اس کے وصل کا پھل دیا
زبختِ خویش برخوردارم امشب
میں آج کی رات اپنے نصیبہ سے بہرہ ور ہوں

کشد نقشِ انا الحق بر زمیں خوں
خون زمین پر انا الحق کا نقش کھینچ دے گا
چو منصور ار کشی بر دارم امشب
اگر آج رات منصور کی طرح تو مجھے سولی پر چڑھائے گا

براتِ لیلۃ القدرے بدستم
لیلۃ القدر کا ثواب مجھے
رسید از طالعِ بیدارم امشب
آج کی رات میرے جاگتے نصیبہ کی وجہ سے مل گیا

۱ محبوب کے چہرے سے شرما کر آفتاب چھپ گیا جب سورج نکلتا ہے چھاؤں غائب ہو جاتی ہے۔
۲ چاند اور سورج اس کے دست بستہ غلام ہیں۔
۳ اگر اس کا موہوم وصال ہی حاصل ہو جائے تو میں اپنی ہستی کو گم کر دوں
۴ مبارز الدین محمد نے اپنے دور میں شراب خانے بند کرا دیے تھے اور محتسب مقرر کر دیے تھے۔
۵ بارانِ اشک کے بعد راحت میسّر آ جائے گی، اس کا غم چھٹ جائے گا جیسا کہ ہوا سے ابر چھٹ جاتا ہے۔
۶ انا الحق کہنے پر منصور کو سولی دیدی گئی تھی آج کی رات مجھے محبوب سے ایسا اتحاد حاصل ہے کہ میرے خون کا قطرہ انا الحق کا نقش قائم کر دے گا۔

برانٓ[۱] عزمم کہ گر خود میرود سر
میں اس کی ٹھانے ہوں کہ اگر سر جاتا رہے
کہ سرپوش از طبق بردارم امشب
تو آج کی رات طباق سے سرپوش ہٹا دوں

تو صاحب نعمتی من مستحقم
تو نعمت والا ہے، اور میں مستحق ہوں
زکوٰۃِ حسن دہ حق دارم امشب
حسن کی زکوٰۃ دے آج کی رات مجھے اس کا حق ہے

ہمی ترسم کہ حافظ محو گردد
مجھے ڈر ہے، کہ حافظ محو ہو جائے گا
ازیں شورے کہ در سر دارم امشب
اس شور سے، جو آج کی رات میرے سر میں ہے

ز باغ[۲] وصلِ تو یابد ریاضِ رضواں آب
رضوان کے باغ تیرے باغِ وصال سے رونق حاصل کرتے ہیں
ز تابِ ہجرِ تو دارد شرارِ دوزخ تاب
دوزخ کی آگ کی سوزش، تیرے ہجر کی سوزش سے ہے

چو چشمِ من ہمہ شب جوئبارِ باغِ بہشت
تمام رات میری آنکھ کی طرح بہشت کا چشمہ
خیالِ نرگسِ مستِ تو بیند اندر خواب
تیری مست نرگس کا خیال، خواب میں دیکھتا ہے

بہ حسنِ[۳] عارض و قدِ تو بردہ اند پناہ
تیرے رخسار اور قد کے حسن سے پناہ چاہی ہے
بہشت و طوبیٰ و طوبیٰ لہم و حسنِ مآب
بہشت اور طوبیٰ نے اور ان کے لئے طوبیٰ اور بہترین ٹھکانا ہو

بہار شرحِ جمالِ تو دادہ در ہر فصل
موسم بہار نے ہر فصل میں تیرے حسن کی شرح کی ہے
بہشت ذکرِ جمیلِ تو کردہ در ہر باب
بہشت نے ہر باب میں تیرا جمیل ذکر کیا ہے

لب[۴] و دہانِ ترا اے بسا حقوقِ نمک
تیرے لب اور دہن کے نمک کے بہت سے حقوق
کہ ہست بر جگرِ ریش و سینہ ہائے کباب
ہیں کباب بنے ہوئے سینوں اور زخمی جگر پر

بسوخت ایں دلِ ما و بکامِ دل نرسید
ہمارا یہ دل سوختہ ہو گیا اور اپنے مقصد تک نہ پہونچا
بکام اگر برسیدے نریختے خونناب
اگر مقصد حاصل کر لیتا تو خالص خون نہ بہاتا

گماں[۵] مبر کہ بدورِ تو عاشقاں مستند
یہ خیال نہ کر کہ تیرے دور میں (صرف) عاشق مست ہیں
خبر نداری ز احوالِ زاہدانِ خراب
مست زاہدوں کے احوال کا تجھے علم نہیں ہے

مرا بدورِ[۶] لبت شد یقیں کہ جوہرِ لعل
تیرے ہونٹوں کے دور میں مجھے یقین ہو گیا کہ لعل کے جوہر
پدید میشود از آفتابِ عالمتاب
عالم کو روشن کرنے والے آفتاب سے بنتے ہیں

بیمنِ[۷] عشق بہمت رسیدہ اے دل
اے دل! عشق کی برکت سے تو باطن تک پہونچا ہے
ز راہ ہائے خطا آمدی براہِ صواب
غلط راستوں سے تو سیدھے راستے پر پہونچا ہے

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ
اے حافظ! نہ چھوڑ کہ عمر بیکار گذرے
بکوش و حاصلِ عمرِ عزیز را دریاب
کوشش کر، اور پیاری زندگی کا مقصد پالے

صبحِ دولت میدمد کو جامِ ہمچوں آفتاب
دولت کی صبح نمودار ہو رہی ہے آفتاب جیسا جام کہاں ہے؟
فرصتے زیں بہ کجا باشد بدہ جامِ شراب
اس سے بہتر فرصت کہاں ہوگی، شراب کا جام دے؟

---

[۱] مجھے آج کی رات ایسی وحدت حاصل ہے کہ اگر میرا سر کٹ جائے تو سارے راز ظاہر کر دوں اور ثابت کر دوں کہ لاموجود الا اللہ یعنی کائنات محض فریب ہے اور وجود ایک ہی ہے۔

[۲] محبوب کے وصل کی جو راحتیں ہیں وہ جنت میں کہاں ہیں اور ہجر میں جو مصائب ہیں وہ دوزخ میں بھی نہیں ہیں۔

[۳] محبوب کے حسن کے مقابلہ میں جنت کا حسن ہیچ ہے اور اس کے قد کے مقابلہ میں طوبیٰ کا قد بے رونق ہے۔

[۴] تیرے ملیح ہونٹ کباب شدہ سینوں پر نمک پاشی کرتے ہیں۔

[۵] تیرے عشق سے عاشق و زاہد سب ہی مست ہیں۔

[۶] چونکہ تیرا چہرہ آفتاب ہے اور ہونٹ لعل ہیں۔

[۷] عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی حاصل ہوا ہے جو کہ عشق و محبت ہے۔

خانہ بے تشویش و ساقی یار و مُطرب بذلہ گو
گھر پُرسکون ہے، یار ساقی ہے، مُطرب لطیفہ گو ہے
موسمِ عیش ست و دورِ ساغر و عہدِ شباب
عیش کا وقت ہے، ساغر کا دور ہے، اور جوانی کا زمانہ ہے

شاہد و ساقی بدست افشان و مُطرب پائے کوب
معشوق اور ساقی بھاؤ دکھا رہے ہیں اور مُطرب رقص کر رہا ہے
غمزۂ ساقی ز چشمِ مے پرستاں بردہ خواب
ساقی کے ناز و انداز نے مے پرستوں کی نیند اڑا دی ہے

خلوتِ خاص ست و جائے امن و نزہتگاہِ اُنس
خاص خلوت ہے، امن کی جگہ ہے اور محبت کی سیرگاہ ہے
اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب
اے خدا یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، بیداری میں ہے یا خواب میں

از خیالِ لطفِ مے مشاطۂ چالاک طبع
چالاک طبع مشاطہ شراب کے لطف کے خیال سے
در ضمیرِ برگِ گُل خوش میکند پنہاں گُلاب
گلاب کی پتی کے دل میں اچھی طرح گلاب بھر رہی ہے

از پئے تفریحِ طبع و زیورِ حسن و طرب
تفریحِ طبع اور حسن و مستی کی آراستگی کے لئے
خوش بود ترکیبِ زرّیں جام با لعلِ مذاب[1]
زرّیں جام اور پگھلے ہوئے لعل کا جوڑ عمدہ ہوتا ہے

جائے امن و یار ساقی و حریفاں یکجہت
پُراطمینان جگہ، اور ساقی یار ہے اور یکدل دوست
کردہ چشمِ مستِ ساقی مے پرستاں را خراب
ساقی کی مست آنکھوں نے مے پرستوں کو مست کر دیا ہے

تا شد آں مہ مشتری دُرہائے حافظ را[2] بگوش
جبکہ وہ چاند حافظ کے موتیوں کو کان میں پہنکر خریدار بنا ہے
میرسد ہر دم بگوشِ زہرہ گلبانگِ رباب
ستار کی آواز ہر وقت زہرہ کے کانوں میں پڑ رہی ہے

گفتم اے سلطانِ خوباں رحم کُن بر ایں غریب
میں نے کہا: اے حسینوں کے بادشاہ اس پردیسی پر رحم کر
گفت در دنبالِ دل رہ گم کند مسکیں غریب
وہ بولا دل کے پیچھے مسکین پردیسی راستہ بھول جاتا ہے

گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار
میں نے اس سے کہا تھوڑی دیر کے لئے آ، اس نے کہا مجھے معذور رکھ
خانہ پرور[3] دے چہ تاب آرد غمِ چندیں غریب
گھر کا پالا ایسے عجیب غم کی کیا تاب لا سکتا ہے؟

خفتہ بر سنجابِ شاہی نازنینے را چہ غم
شاہی سنجاب پر سوئے ہوئے نازنین کو کیا غم!
گر ز خار و خارہ سازد بستر و بالیں غریب
اگر کوئی پردیسی کانٹوں اور سنگِ خارا کا بستر اور تکیہ بنائے

اے کہ در زنجیرِ زلفت جانِ چندیں آشناست
اے وہ کہ تیری زلف کی زنجیر میں بہت سے آشناؤں کی جان ہے
خوش فتاد آں خالِ مشکیں بر رُخِ رنگیں غریب
نادر رنگیں رُخ پر وہ سیاہ تل کیسا بھلا واقع ہوا ہے

بس غریب افتادہ است آں مورِ خط گردِ رخت
تیرے رخسار کے گرد، سبزہ آغاز کیسا عجیب ہے!
گرچہ نبود در نگارستاں خطِ مشکیں غریب
اگرچہ نگارستان میں سیاہ خط نادر نہیں ہوتا ہے

می نماید عکسِ مے در رنگِ روئے مہوشت
تیرے چاند جیسے چہرے کے رنگ میں شراب کا عکس ایسا نظر آتا ہے
ہمچو برگِ ارغواں[4] بر صفحۂ نسریں غریب
جیسا کہ نسرین پر ارغوان کا پتہ، عجیب نظر آتا ہے

گفتم اے شامِ غریباں طرۂ شبرنگِ تو
میں نے کہا: اے وہ کہ تیری شب رنگ زلفیں شامِ غریباں ہیں
در سحرگاہاں حذر کن چوں بنالد ایں غریب
صبح کے وقت جب یہ پردیسی نالہ کرے، تو خدا سے ڈر

باز گفتم ماہِ من آں عارضِ گلگوں مپوش
پھر میں نے کہا اے میرے چاند گلاب جیسا رخسار نہ چھپا
ورنہ خواہی ساخت مارا خستہ و مسکیں غریب
ورنہ ہمیں خستہ، اور مسکین غریب بنا دے گا

[1] لعلِ مذاب شراب کو کہتے ہیں۔
[2] یعنی جبکہ حافظ کے اشعار محبوب کو پسند آگئے ہیں۔
[3] یعنی تو عشق کے مصائب کو برداشت نہ کر سکے گا۔
[4] رخ نسرین کی طرح ہے اور شراب کا رنگ ارغوانی ہے۔

گفت حافظ آشنایان در مقامِ حیرت اند
حافظ نے کہا، جاننے والے مقام تحیّر میں ہیں
دور نبود گر نشیند خستہ و مسکیں غریب
اگر ایک مسکین اور غریب خستہ ہو بیٹھے تو کچھ بعید نہ ہوگا

می دمد صبح و کِلّہ[1] بستہ سحاب
صبح طلوع ہو رہی ہے، ابر پردہ تانے ہے
اَلصَّبُوحُ الصَّبُوحُ یَا اَصحَاب
اے ساتھیو! صبح کی شراب لاؤ

میچکد[2] ژالہ بر رُخِ لالہ
لالہ پر، شبنم پڑ رہی ہے
اَلمُدَامُ اَلمُدَام یَا اَحبَاب
اے دوستو! کہنہ شراب لاؤ

می وزد[3] در چمن نسیمِ بہشت
چمن میں، بہشتی ہوا آ رہی ہے
خوش بنوشید دائماً مے ناب
مسلسل، خالص شراب خوب پیو

تختِ زریں زدہ ست گُل بچمن
پھول نے، چمن میں زریں تخت بچھایا ہے
راحِ چوں لعل آتشیں دریاب
آتشیں، لعل جیسی، شراب حاصل کر لو

لب و[4] دندانِ تو حقوقِ نمک
تیرے ہونٹ، اور دانت، نمک کے حقوق
داشت بر جانِ سینہ ہائے کباب
رکھتے ہیں کباب بنے سینوں کی جان پر

درِ میخانہ بستہ اند مگر
شراب خانہ کا دروازہ، پھر بند کر دیا
اِفتَح یَا مُفَتِّحَ الاَبوَاب
اے دروازوں کے کھولنے والے تو کھول دے

در چنیں موسمے عجب باشد
اس جیسے موسم میں، تعجب کی بات ہوگی
کہ بہ بندند میکدہ بشتاب[5]
کہ شراب خانہ جلد بند کر دیں

زاہدا مے بنوش رندانہ
اے زاہد! رندانہ شراب پی
فَاتَّقُوا اللّٰہَ یَا اُولِی الاَلبَاب
اے عقل والو! اللہ سے ڈرو

گر نشاں ز آبِ زندگی جوئی
اگر تو آبِ حیات کا متلاشی ہے
مے نوشیں بجو بہ بانگِ رُباب
ستار کی دھن پر، شراب مانگ

چوں سکندر حیات اگر طلبی
اگر تو سکندر کی طرح، حیات کا طالب ہے
لبِ[6] لعل نگار را دریاب
تو معشوق کے لعل جیسے، ہونٹ حاصل کر

بر رُخِ ساقیِ پری پیکر
پری جیسے جسم والے، محبوب کے روبرو
موسمِ گل بنوش بادۂ ناب
پھول کے موسم میں، خالص شراب پی

شادیِ روئے ساقیِ مہوش
چاند جیسے، ساقی کے چہرے کی خوشی میں
ہمچو حافظ بنوش بادۂ ناب
حافظ کی طرح، خالص شراب پی

حافظا غم مخور کہ شاہدِ بخت
اے حافظ! غم نہ کھا اس لئے کہ نصیبہ کا محبوب
عاقبت بر کشد ز چہرہ نقاب
انجام کار، چہرے سے نقاب اٹھائے گا

[1] کلّہ باریک پردے، اور خیمہ کو کہتے ہیں۔
[2] یعنی ابر چھایا ہوا ہے اور موسم خوشگوار ہے۔
[3] جبکہ مست ہوائیں چل رہی ہیں تو شراب کا دور ضروری ہے۔
[4] یعنی زخمی دلوں پر تیرے لب و دنداں نمک پاشی کرتے ہیں۔
[5] ایسے خوشگوار موسم میں شراب نوشی نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔
[6] معشوق کے ہونٹ، آبِ حیات ہیں۔

ردیفِ تائے فوقانی

آں سیہ چردہ[1] کہ شیرینیِ عالم با اوست
وہ ملیح کہ تمام دنیا کی مٹھاس اُس میں ہے

چشمِ میگوں لبِ خنداں دلِ خرم با اوست
مست آنکھیں، مسکراتا ہونٹ، خوش دل اس کا ہے

گرچہ شیریں دہناں پادشہانند و لے
اگرچہ تمام شیریں دہن، بادشاہ ہیں لیکن

آں سلیمانِ زمان ست کہ خاتم[2] با اوست
وہ سلیمانِ زمانہ ہے، اس لئے کہ انگوٹھی اُس کے پاس ہے

روئے خوبست و کمالِ ہنر و دامنِ پاک
حسین چہرہ ہے، اور کمال ہنر ہے، اور پاک دامن ہے

لاجرم ہمتِ پاکانِ دو عالم با اوست
لامحالہ دو جہاں کے پاکوں کی باطنی توجہ اس کی طرف ہے

خالِ مشکیں کہ بر آں عارضِ گندم گونست
کالا تل، جو اس گندم گوں رخسار پر ہے

سرِ آں دانہ کہ شد رہزنِ آدم[3] با اوست
اس دانہ کا راز جو کہ حضرت آدم کے لئے رہزن بنا تھا اس کے پاس ہے

دلبرم عزمِ سفر کرد خدا را یاراں
میرے معشوق نے سفر کا عزم کر لیا ہے خدا کے لئے اے دوستو!

چہ کنم با دلِ مجروح کہ مرہم با اوست
میں زخمی دل کا کیا کروں، اس لئے کہ مرہم تو اس کے پاس ہے

باکہ ایں نکتہ تواں گفت کہ آں سنگیں دل
یہ راز کس سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سنگیں دل نے

کُشت[4] مارا و دمِ عیسیٰ مریم با اوست
ہمیں مار ڈالا اور حضرت مریم کے عیسیٰ کی جھاڑ پھونک اسکے پاس ہے

حافظ از معتقدانست گرامی دارش
حافظ، معتقدوں میں سے ہے، اس کو معزز سمجھ۔

زانکہ بخشایش بس روحِ مکرم با اوست
اس لیے کہ مکرم روح کی اس پر بخشش ہے

آں شبِ قدرے کہ گویند اہلِ خلوت امشب ست
وہ شبِ قدر جس کے اہلِ خلوت قایل ہیں آج کی رات ہے

یارب ایں تاثیرِ دولت از کدامی کوکب ست
اے خدا، دولت کی یہ تاثیر کس ستارے کی وجہ سے ہے؟

تا بگیسوئے تو دستِ ناسزایاں کم رسد
تاکہ نااہلوں کا ہاتھ، تیرے گیسو تک نہ پہونچے

ہر دلے در حلقۂ در ذکرِ یارب یارب ست
ہر حلقہ میں ہر دل، یارب یارب کے ذکر میں ہے

تشنۂ چاہِ زنخدانِ توام کز ہر طرف
میں تیری ٹھوڑی کے کنویں کا پیاسا ہوں اس لئے کہ ہر طرف سے

صد ہزارش گردنِ جاں زیرِ طوقِ غبغب ست
لاکھوں جانوں کی گردنیں اس کی ٹھوڑی کے گوشت کے طوق کے نیچے ہیں

تابِ خوی بر عارضش بیں کافتابِ گرم رو
اس کے رخسار پر پسینہ کی چمک کو دیکھ کہ تیز رفتار سورج

در ہوائے آں عرق تا ہست ہر روزش تب ست
جب سے اس کے پسینہ کے عشق میں ہے بخار میں ہے

اندر آں موکب کہ بر پشتِ صبا بندند زیں
اس شاہی جلوس میں جس میں صبا کی پشت پر زین کستے تھا

با سلیماں[5] چوں برانیم منکہ مورم مرکب ست
سلیمان سے ہم کیسے نمٹیں کہ ہماری سواری چیونٹی ہے

شہسوارِ من کہ مہ آئینہ دارِ روئے اوست
ہمارا وہ شہسوار، چاند جس کے چہرے کا آئینہ دار ہے

تاجِ خورشیدِ بلندش خاکِ نعلِ مرکب ست
بلند آفتاب کا تاج، اس کی سواری کے نعل کی خاک ہے

آبِ حیوانش ز منقارِ بلاغت می چکد
اس کی بلاغت کی چونچ سے آبِ حیات ٹپکتا ہے

زاغِ کلکِ من بنام ایزد چہ عالی مشرب ست
بخدا میرے قلم کا کوا کس قدر عالی مرتبہ ہے

---

[1] یعنی میرے معشوق میں ملاحت کے ساتھ صباحت ہے۔

[2] جس کے ذریعہ وہ جن وانس پر حکومت کرتے تھے۔

[3] جس طرح حضرت آدم گیہوں کے دانہ کی وجہ سے مبتلائے آلام ہوئے اسی طرح اس کے رخسار کا تل فتنۂ عالم ہے۔

[4] وہ مردوں کو زندہ کرسکتا ہے، لیکن اس نے ہمیں مار ڈالا۔

[5] حضرت سلیمان تخت پر سوار ہوتے تھے جو ایک ماہ کی مسافت صبح کو اور ایک ماہ کی مسافت شام کو طے کر لیتا تھا۔

من نخواہم کرد ترکِ لعلِ یار و جامِ مے
میں یار کے لعل اور شراب کے جام کو ترک نہ کروں گا
زاہداں معذور داریدم کہ اینم مذہب ست
اے زاہدو! مجھے معذور سمجھو یہ میرا مذہب ہے

آنکہ ناوک بر دلم از زیرِ چشمے میزند
وہ جو نیچی نگاہوں کا تیر میرے دل پر چلاتا ہے
قوتِ جانِ حافظش در خندۂ زیرِ لب ست
حافظ کی جان کی خوراک، اس کی مسکراہٹ میں ہے

آں ۱ پیکِ نامور کہ رسید از دیارِ دوست
وہ نامور قاصد جو دوست کے وطن سے آیا ہے
آورد حرزِ جاں ز خطِ مشکبارِ دوست
وہ دوست کا مشکبار خط، جان کا تعویذ لایا ہے

خوش میدہد نشانِ جلال و جمالِ یار
یار کے جلال اور جمال کا بڑی خوبی سے پتہ دے رہا ہے
خوش می کند حکایتِ عزّ و وقارِ دوست
دوست کی عزت اور وقار کے بڑے عمدہ قصے بیان کر رہا ہے

جاں ۲ دادمش بمژدہ و خجلت ہمی برم
انعام میں میں نے اس کو جان دیدی اور میں شرمندہ ہوں
زیں نقدِ کم عیار کہ کردم نثارِ دوست
کم جوہر نقد کی وجہ سے جو میں نے دوست پر نچھاور کیا

سیرِ سپہر و دورِ قمر راچہ اختیار
آسمان کی گردش اور چاند کے چکر کو خود کیا اختیار ہے؟
در گردش اند بر حسبِ اختیارِ دوست
وہ دوست کے اختیار سے گردش میں ہیں

شکرِ خدا کہ از مددِ بختِ کارساز
خدا کا شکر ہے کہ کارساز نصیبہ کی مدد سے
بر حسبِ مدّعاست ہمہ کاروبارِ دوست
دوست کا تمام کاروبار، مدّعا کے مطابق ہے

گر بادِ فتنہ ۳ ہر دو جہاں را بہم زند
اگر فتنہ کی ہوا دونوں جہانوں کو بھی درہم برہم کر دے
ما و چراغِ چشم و رہِ انتظارِ دوست
میں ہوں گا اور آنکھ کا چراغ ہوگا اور دوست کے انتظار کا راستہ

کحل ۴ الجواہرے بمن آر اے نسیمِ صبح
اے صبح کی نسیم میرے لئے کحل الجواہر لا
زاں خاکِ نیک بخت کہ شد رہگذارِ دوست
اس خوش نصیب خاک کا، جو دوست کا راستہ بنی

مائیم و آستانۂ عشق و سرِ نیاز
ہم ہیں، اور عشق کی چوکھٹ اور نیاز مندی کا سر
تا خوابِ خوش کرا برد اندر کنارِ دوست
دیکھئے میٹھی نیند کس کو دوست کی بغل میں پہونچاتی ہے

دشمن ۵ بقصدِ حافظ اگر دم زند چہ باک
حافظ کے ارادہ سے اگر دشمن قصد کرے تو کیا پرواہ ہے
منّت خدائے را کہ نیم شرمسارِ دوست
خدا کا احسان ہے کہ میں دوست سے شرمندہ نہیں ہوں

آں ترکِ پری چہرہ کہ دوش از برِ ما رفت
وہ پری چہرہ معشوق جو گذشتہ رات ہمارے پہلو سے نکل گیا
آیا چہ خطا دید کہ از راہِ خطا رفت
معلوم کیا خطا دیکھی جو خطا کے راستہ سے نکل کر چلا گیا؟

تا رفت مرا از نظر آں چشمِ جہاں بیں
دنیا بھر کو دیکھنے والی آنکھ جب سے میری نگاہ کے سامنے سے گئی ہے
کس واقفِ ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت
کسی کو ہمارے بارے میں علم نہیں کہ ہماری آنکھوں سے کیا کیا گیا

بر شمع ۶ نرفت از گذرِ آتشِ دل دوش
کل رات، دل کی آگ کی وجہ سے شمع پر نہ گذرا
آں دود کہ از سوزِ جگر بر سرِ ما رفت
وہ دھواں جو جگر کے جلنے سے ہمارے سر پر سے گذرا

۱ یعنی دوست کا خط میری جان کی حفاظت کا تعویذ ہے۔
۲ اگرچہ قاصد کے قدموں پر میں نے جان نثار کر دی لیکن میں شرمندہ ہوں کہ اچھی چیز نثار نہ کر سکا۔
۳ دنیا کا کوئی تغیر ہمارے عشق کو نہیں بدل سکتا ہے۔
۴ معشوق کے کوچہ کی گرد ہماری آنکھ کو وہی طاقت بخشتی ہے جو سرمہ کحل الجواہر بخشتا ہے۔
۵ یعنی دشمن اگر حافظ کے خون کا خواہاں ہے تو کوئی فکر نہیں جبکہ دوست راضی ہے۔
۶ شمع کا دل جلنے سے شمع کو وہ تکلیف نہیں ہوتی ہے جو ہمیں ہوتی ہے۔

دور از رخِ تو دمبدم از گوشۂ چشمم
تیرے چہرے سے دور، میری آنکھ کے گوشے دمبدم
سیلابِ سرشک آمد و طوفانِ بلا رفت
آنسوؤں کا سیلاب آیا، اور بلا کا طوفان اٹھا

از پائے فتادیم چو آمد شبِ ہجراں
جب شبِ ہجراں آئی تو ہم لوٹ پوٹ ہو گئے
در درد بماندیم چو از دست دوا رفت
جب ہاتھ سے دوا نکل گئی، تو ہم درد میں مبتلا رہ گئے

دل گفت وصالش بدعا باز تواں یافت
دل بولا اُس کا وصال دُعا کے ذریعہ دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے
عمریست کہ عمرم ہمہ در کارِ دعا رفت
ایک زمانہ گزر گیا ہے کہ میری عمر تمام تر دعا میں صرف ہوگئی

احرام[1] چہ بندیم کہ آں قبلہ نہ اینجاست
ہم کیا احرام باندھیں، وہ قبلہ تو اس جگہ نہیں ہے
در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت
سعی میں کیا کوشش کریں، مروہ سے رونق چلی گئی

دی[2] گفت طبیب از سرِ حسرت چو مرا دید
کل طبیب نے جب مجھے دیکھا، حسرت سے کہا
ہیہات کہ دردِ تو ز قانونِ شفا رفت
ہائے افسوس کہ تیرا درد تو شفا کے قانون سے باہر ہو گیا

اے دوست بپرسیدنِ حافظ قدمے نہ
اے دوست! حافظ کی مزاج پرسی کے لئے ایک قدم دھر
زاں پیش کہ گویند کہ از دارِ فنا رفت
اس سے پہلے کہ لوگ کہیں کہ وہ دنیا سے چلا گیا

اے شاہدِ قدسی کہ کشد بندِ نقابت
اے مقدس محبوب! کون ہے جو تیرے نقاب کا بند کھولے
وے مرغِ بہشتی کہ دہد دانہ و آبت
اے بہشتی چڑیا! کون ہے جو تجھے آب و دانہ دے

رفتی ز کنارِ منِ دل خستہ بنا کام
ناکام کر کے مجھ تباہ کے پہلو سے تو روانہ ہو گیا
تا جائے کہ شد منزل و ماوائے کہ خوابت
کس کا گھر تیری منزل ہے، اور کس کا ٹھکانا تیری خوابگاہ ہے؟

خوابم بشد از دیدہ دریں فکرِ جگر سوز
اس جگر سوز خیال سے میری آنکھوں سے نیند اڑ گئی
کآغوش کہ شد منزلِ آسایش و خوابت
کہ تیرے آرام اور نیند کی منزل کس کی آغوش ہے

درویش[3] نمی پرسی و ترسم کہ نباشد
تو فقیر کی پرسش نہیں کرتا ہے اور مجھے ڈر ہے
اندیشۂ آمرزش و پروائے ثوابت
کہ تجھے بخشے جانے کی فکر اور ثواب کی پروا نہیں ہے

راہِ دلِ عشاق زد آں چشمِ خماری
اس خمار والی آنکھ نے عاشقوں کا دل لوٹ لیا
پیداست ازیں شیوہ کہ مست است شرابت
اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ تیری شراب نشیلی ہے

تیرے[4] کہ زدی بر دلم از غمزہ خطا رفت
ناز کا تیر جو تو نے میرے دل پر چلایا، وہ چوک گیا
تا باز چہ اندیشہ کند رائے صوابت
معلوم نہیں تیری درست رائے اب کیا سوچے؟

ہر نالہ و فریاد کہ کردم نشنیدی
میں نے جس قدر بھی نالہ اور فریاد کی تو نے نہ سنا
پیداست نگارا کہ بلند است جنابت
اے معشوق ظاہر ہے تیری بارگاہ بہت بلند ہے

اے قصرِ دل افروز کہ منزل گہِ اُنسی
اے دل کو روشن کرنے والے محل تو محبت کی منزل ہے
یارب مکناد آفتِ ایام خرابت
خدا کرے کہ زمانے کی آفت تجھے برباد نہ کرے

دور[5] است سرِ آب دریں بادیہ ہشدار
اس صحرا میں پانی کا کنارہ دور ہے، سمجھ لے
تا غولِ بیاباں نہ فریبد بسرابت
تاکہ جنگلی بھوت، تجھے سراب کا فریب نہ دے

[1] جبکہ ہمارا کعبۂ مقصود ہماری نظروں سے غائب ہو گیا ہے تو احرام کس کے لئے باندھیں اور حج کس لئے کریں۔
[2] مریضِ عشق کی دوا شیخ بو علی سینا نے اپنے "قانون" اور "شفا" کتاب میں تحریر نہیں کی ہے۔
[3] عاشقوں کے ساتھ بھلائی کر تاکہ آخرت میں بھلا ہو۔
[4] تیرے تیرِ چشم سے اب کے تو بچ گیا ہوں نہ معلوم آئندہ تیرا کیا ارادہ ہے۔
[5] راہِ محبت میں شیطان دھوکے کے بہت سے سراب دکھاتا ہے ہوشیار رہنا چاہیے۔

تادر رہِ پیری بچہ آئیں روی اے دل
اے دل بڑھاپے کے راستے میں کس طور پر چلے گا

بارے بغلط صرف شد ایامِ شبابت
اب، تیری جوانی کی عمر تو غلط کٹی

حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد
حافظ ایسا غلام نہیں ہے، جو آقا سے بھاگے

لطفے کن و باز آ کہ خرابم ز عتابت
مہربانی کر دے اور باز آ جا کیونکہ میں تیرے عتاب سے تباہ ہوں

اے ہدہدِ صبا بسبا می فرستمت
اے بادِ صبا کے ہدہد! میں تجھے سبا میں بھیجتا ہوں

بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت
سمجھ لے میں تجھے کہاں سے کہاں بھیج رہا ہوں

حیف ست طائرے چو تو در خاکدانِ دہر
زمانہ کے خاکدان میں، تجھ جیسے پرندکا رہنا ظلم ہے

زینجا بآشیانِ وفا می فرستمت
میں تجھے اس جگہ سے وفا کے آشیانہ میں بھیج رہا ہوں

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست
عشق کے راستے میں دوری اور نزدیکی کا معاملہ نہیں ہے

می بینمت عیان و دعا می فرستمت
میں تجھے کھلم کھلا دیکھ رہا ہوں اور تیرے لئے دعا بھیج رہا ہوں

ہر صبح و شام قافلۂ از دعائے خیر
ہر صبح، اور شام کو دعائے خیر کا قافلہ

در صحبتِ شمال و صبا می فرستمت
پُروا اور پچھوا کے ساتھ تیرے لئے بھیج رہا ہوں

در روئے خود تفرجِ صُنعِ خدا بکن
اپنے چہرے میں خدا کی کاریگری کی سیر کر

کائینۂ خدائے نما می فرستمت
میں تیرے پاس، خدا نما آئینہ بھیج رہا ہوں

تا لشکرِ غمت نکند مُلکِ دل خراب
تاکہ تیرے غم کا لشکر دل کے ملک کو تباہ نہ کر دے

جانِ عزیزِ خود بفدا می فرستمت
اس لئے میں اپنی پیاری جان کو تیرے پاس فدیہ میں بھیج رہا ہوں

ہر دم غمے فرست مرا و بگو بناز
ہر دم میرے لیے غم روانہ کر، اور ناز سے کہہ

کایں تحفہ از برائے خدا می فرستمت
کہ یہ تحفہ خدا کے لیے، تیرے پاس بھیج رہا ہوں

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشینِ دل
اے نظر سے غائب! کہ تو دل کا ہم نشین ہے

می گویمت دعا و ثنا می فرستمت
میں تجھے دعا دیتا ہوں اور تیرے پاس تعریف بھیج رہا ہوں

تا مُطرباں ز شوقِ منت آگہی دہند
تاکہ گویّے میرے عشق سے تجھے باخبر کر دیں

قول و غزل بساز و نوا می فرستمت
قول اور غزل مع ساز اور آواز کے تیرے پاس بھیج رہا ہوں

ساقی بیا کہ ہاتفِ غیبم بمژدہ گفت
اے ساقی آ! غیبی ہاتف نے خوشخبری دیتے ہوئے مجھ سے کہا ہے

با درد صبر کن کہ دوا می فرستمت
درد پر صبر کر، کیونکہ میں تیرے پاس دوا بھیج رہا ہوں

حافظ سرودِ مجلسِ ما ذکرِ خیر تست
اے حافظ! ہماری مجلس کا گانا تیرا ذکرِ خیر ہے

تعجیل کن کہ اسپ و قبا می فرستمت
جلدی کر، میں تیرے پاس گھوڑا اور قبا بھیج رہا ہوں

اے غائب از نظر بخدا می سپارمت
اے نظر سے دور! میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں

جانم بسوختی و بدل دوست دارمت
تو نے میری جان جلا ڈالی اور میں تجھے دل سے چاہتا ہوں

۱؎ حضرتِ سلیمان نے ہدہد پرندے کو بلقیس کے احوال معلوم کرنے کے لئے ملکِ سبا کی طرف روانہ کیا تھا۔
۲؎ عشق و محبت کی راہ میں ظاہری فاصلے باقی نہیں رہتے ہیں۔
۳؎ محبوب کا چہرہ خدا بینی کا آئینہ ہے۔
۴؎ غمِ محبوب بھی ہمارے لئے تحفہ ہے۔
۵؎ بادشاہ جب مجلس میں بلاتے تھے تو پوشاک اور سواری بھیج دیتے تھے۔

تا دامنِ کفن نہ کشم زیرِ پائے خاک
جب تک کہ کفن کا دامن میں خاک کے نیچے نہ کھینچوں گا
باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت
یقین نہ کر کہ میں تیرے دامن سے دست بردار ہوں گا

گر بایدم شدن سوئے ہاروتِ بابلی
اگر بابل والے ہاروت کی طرف مجھے جانا پڑا
صد گونہ ساحری بکنم تا بیارمت
سو قسم کے جادو کروں گا، تاکہ تجھے کھینچ بلاؤں

محرابِ ابرواں بنما تا سحر گہے
ابروؤں کی محراب دکھا، تاکہ صبح کے وقت
دستِ دعا بر آرم و در گردن آرمت
دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤں، اور تیری گردن میں ڈال دوں

خواہم کہ پیش میرمت اے بیوفا طبیب
اے بیوفا طبیب! میری خواہش ہے کہ تیرے سامنے جان دوں
بیمار باز پرس کہ در انتظارمت
بیمار کو پھر پوچھ لے کہ تیرے انتظار میں ہوں

صد جوئے آب بستہ ام از دیدہ در کنار
آنکھوں سے، پہلو میں میں نے پانی کی سو نہریں بنا دی ہیں
بر بوئے تخمِ مہر کہ در دل بکارمت
محبت کے اُس بیج کی وجہ سے جو میں تیرے دل میں بوؤں

خونم بریخت و از غمِ ہجرم خلاص داد
میرا خون بہایا، اور مجھے غمِ ہجر سے چھڑا دیا
منت پذیرِ غمزۂ خنجر گذارمت
میں تیرے ناز و ادا کے خنجر کا ممنون ہوں

می گریم و مرادم ازیں چشمِ اشکبار
میں روتا ہوں اور ان آنسو بہانے والی آنکھوں سے میرا مقصد
تخمِ محبت ست کہ در دل بکارمت
محبت کا وہ بیج ہے جو میں تیرے دل میں بوؤں

گر دیدہ و دلم کند آہنگِ دیگرے
اگر میری آنکھ، اور دل، کسی دوسرے کا قصد کریں
آتش زنم در آں دل و دیدہ بر آرمت
اس دل میں آگ لگا دوں، اور تیری خاطر آنکھ کو نکال دوں

بارم دہ از کرم برِ خود تا بسوزِ دل
مجھے اپنے پاس، اپنے کرم سے باریابی دیدے تاکہ دل کی سوزش کیساتھ
در پائے دمبدم گہر از دیدہ بارمت
تیرے پیروں پر تیری خاطر آنکھ سے پے در پے موتی نچھاور کر دوں

حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضعِ تست
اے حافظ شراب اور معشوق اور مستی تیری وضع نہیں ہے
فی الجملہ میکنی و فرو میگذارمت
پھر بھی تو کرتا ہے، اور میں تجھے معاف کرتا ہوں

اگر بہ لطف بخوانی مزیدِ الطاف ست
اگر تو مہربانی سے بلائے، مزید مہربانی ہے
و گر بہ قہر برانی درونِ ما صاف ست
اور اگر غصہ سے نکال دے تو بھی ہمارا دل صاف ہے

بیانِ وصفِ تو گفتن نہ حدِ امکان ست
تیرے وصف کا بیان کرنا امکان کی حد سے باہر ہے
چرا کہ وصفِ تو بیروں ز حدِ اوصاف ست
اس لیے کہ تیرے اوصاف بیان کی حد سے باہر ہیں

چو سرو سرکشی اے یارِ سنگدل از ما
اے سنگدل یار! تو چونکہ سرو کی طرح ہم پر سرکشی کرتا ہے
چہ چشمہا ست کہ بر روئے ما ز اطراف ست
اطراف سے کس قدر نگاہیں ہمارے چہرے پر پڑ رہی ہیں

ز چشمِ عشق تواں دید روئے شاہدِ ما
ہمارے معشوق کے چہرے کو عشق کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے
کہ نورِ چہرۂ خوباں ز قاف تا قاف ست
اس لیے کہ حسینوں کے چہرے کا نور قاف سے قاف تک ہے

ز مصحفِ رخِ دلدار آیتے بر خواں
معشوق کے رخ کے قرآن سے کوئی آیت یاد کرے
کہ آں بیانِ مقاماتِ کشف و کشاف ست
اس لیے کشف اور کشاف کے مقامات کا یہی بیان ہے

۱ چاہِ بابل میں ہاروت جادوگر قید ہے۔
۲ میں اپنے آنسوؤں سے اس تخم کو پانی دے رہا ہوں جو میں نے تیرے دل میں بویا ہے تاکہ وہ بار آور ہو۔
۳ یہ ممکن نہیں ہے کہ تیرے حسن کا پورا بیان کیا جا سکے۔
۴ یعنی رقیبوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے۔
۵ مشہور ہے کہ کوہِ قاف تمام دنیا کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔
۶ علمِ تفسیر میں علامہ زمخشری کی مشہور کتاب ہے۔

عدو کہ منطق حافظ طمع کند در شعر
دشمن جو شعر کہنے میں حافظ کے کلام کا لالچ کرتا ہے
ہماں حدیث ہمای و طریق خطاف است
یہ تو وہی ہما کی بات اور ابابیل کا طریقہ ہے

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز ست
اگرچہ شراب خوشی پیدا کرنیوالی اور ہوا مہکانیوالی ہے
ببانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز ست
ستار کی آواز پر شراب نہ پی اس لیے کہ محتسب بہت تیز ہے

صراحیے و حریفے گرت بدست افتد
صراحی اور دوست اگر تیرے ہاتھ آجائیں
بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیز ست
تو بھی عقل کا کام کر زمانہ بہت فتنہ انگیز ہے

در آستین مرقع پیالہ پنہاں کن
گدڑی کی آستین میں، پیالہ چھپالے
کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز ست
اس لئے کہ زمانہ، صراحی کی آنکھ کی طرح خونریز ہے

زرنگ بادہ بشوئید خرقہ ہا از اشک
گدڑی سے شراب کے دھبے آنسوؤں سے دھولے
کہ موسم ورع و روزگار پرہیز ست
اس لئے کہ تقوے کا موسم اور پرہیزگاری کا زمانہ ہے

مجوی عیش خوش از دور واژگون سپہر
آسمان کے الٹے چکر سے خوشی و عیش کا متلاشی نہ بن
کہ صاف ایں سر خم جملہ دُردی آمیز ست
اس لیے کہ اس مٹکے کے اوپر کی صاف بھی تمام تلچھٹ ملی ہے

سپہر بر شدہ پرویزنیست خوں افشاں
بلند آسمان، ایسی خون چھڑکنے والی چھلنی ہے
کہ قطرہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز ست
کہ اس کا ایک ایک قطرہ کسریٰ کا سر اور پرویز کا تاج ہے

ہر آنچہ میرسد از نور فیض سبحانی
اللہ کے فیض کے نور سے جو کچھ پہنچتا ہے
نصیبۂ دل شخصے کہ شب سحر خیز ست
اس شخص کے دل کا حصہ ہے جو رات کو سویرے اٹھنے والا ہے

عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ
اے حافظ تو نے اپنے اشعار سے عراق اور پارس پر تو قبضہ کرلیا
بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز ست
آجا کہ اب تو بغداد کی باری اور تبریز کا وقت ہے

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بے ادبیست
اگرچہ یار کے سامنے کسی ہنر کا پیش کرنا بے ادبی ہے
زباں خموش و لیکن دہاں از عربیست
زبان خاموش ہے لیکن منہ عربی سے بھرا ہے

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
پری نے منہ چھپالیا اور دیو کرشمہ اور ناز دکھا رہا ہے
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست
حیرت سے عقل جل گئی کہ یہ کیا بوالعجبی ہے؟

سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد
اس کا سبب نہ پوچھ کہ آسمان کمینہ پرور کیوں ہوگیا ہے؟
کہ کام بخشی او را بہانہ بے سببیست
اس لئے کہ اس کی مطلب بخشی کے لئے بے سببی کا بہانہ موجود ہے

ازیں چمن گل بے خار کس نچید آرے
اس چمن سے بے کانٹے کا پھول کسی نے نہیں چنا بیشک
چراغ مصطفوی با شرار بولہبیست
مصطفوی چراغ، بولہبی لپٹ کے ساتھ ہے

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
بصرہ سے حسن، حبش سے بلال، روم سے صہیب
ز خاک مکہ ابو جہل ایں چہ بوالعجبیست
مکہ کی خاک سے ابو جہل! یہ کیا بوالعجبی ہے؟

ے ظاہر ہے کہ ہما اور ابابیل میں کوئی نسبت نہیں ہے۔
ے زمانے سے خالص عیش کی توقع نہ رکھ۔
ے یعنی جو خون کے قطرے آسمان برساتا ہے اس میں کسریٰ کے سر اور پرویز کے تاج کی آمیزش ہے۔
ے انپر بھی قبضہ کرلے۔
ے یعنی اہل ذلیل ہیں اور نا اہل عروج پر ہیں۔
ے یعنی کمینوں کو بلا سبب عروج ہے۔
ے آں حضور کا چچا ابولہب کفر میں مشہور ہے۔
ے یعنی مکہ کی متبرک خاک سے ابو جہل پیدا ہوا، اور دوسری سرزمینوں سے بڑے بڑے بزرگ پیدا ہوئے۔
ے مبارز الدین محمد نے شراب خانے بند کراکر محتسب مقرر کردئے تھے۔ اس غزل میں ان واقعات پر طنز ہے۔

جمالِ دخترِ رز نورِ چشمِ ماست مگر
انگور کی بیٹی کا حسن، ہماری آنکھوں کا نور ہے لیکن

کہ در نقابِ زجاجی و پردۂ عنبیست
جبکہ زجاجی نقاب، اور عنبی پردے میں ہو

دوائے دردِ خود اکنوں ازاں مفرّح جوی
اب اپنے درد کی دوا، اُس مفرح سے تلاش کر

کہ در صراحیِ چینی و شیشۂ حلبیست
جو چینی صراحی، اور حلبی بوتل میں ہو

بہ نیم جو نخرم طاقِ خانقاہ و رباط
خانقاہ، اور لنگر خانہ کے طاق کو میں آدھے جو میں بھی نہ خریدوں گا

مرا کہ مصطبہ ایوان و پائے خم طنبیست
کیونکہ میرا محل شراب خانہ، اور بلند خیمہ، پائے خم ہے

ہزار عقل و ادب داشتم من اے خواجہ
اے صاحب! میں ہزار عقل و ادب رکھتا تھا

کنوں کہ مست و خرابم صلائے بے ادبیست
اب جبکہ میں مست، اور خراب ہوں تو بے ادبی کی صدا ہے

بیار مے کہ چو حافظ مدامم استغفار
شراب لا، اس لئے کہ حافظ کی طرح ہمیشہ میری استغفار

بگریۂ سحری و نیازِ نیم شبیست
صبح کے وقت رونے، اور آدھی رات کے عجز کے ساتھ ہے

اے نسیمِ سحر آرامگہِ یار کجاست
اے صبح کی نسیم! یار کی آرام گاہ کہاں ہے؟

منزلِ آں مہِ عاشق کشِ عیّار کجاست
اُس عاشق کش، شوخ، چاند کی منزل کہاں ہے؟

شبِ تارست و رہِ وادیِ ایمن در پیش
رات اندھیری ہے، اور وادیِ ایمن کا راستہ درپیش ہے

آتشِ طور کجا وعدۂ دیدار کجاست
کوہِ طور کی آگ کہاں ہے، دیدار کا وعدہ کہاں ہے؟

ہر کہ آمد بجہاں نقشِ خرابی دارد
جو بھی دنیا میں آیا ہے، خرابی کا نقش رکھتا ہے

در خرابات مپرسید کہ ہشیار کجاست
شراب خانہ میں یہ نہ پوچھو کہ ہشیار کہاں ہے؟

آنکس ست اہلِ بشارت کہ اشارت داند
اہلِ بشارت وہ ہے، جو اشارہ سمجھے

نکتہا ہست بسے محرمِ اسرار کجاست
نکتے تو بہت ہیں، رازوں کا محرم کہاں ہے؟

ہر سرِ موئے مرا با تو ہزاراں کارست
میرے ہر رونگٹے کو، تجھ سے ہزاروں کام ہیں

ما کجائیم و نصیحت گرِ بیکار کجاست
ہم کہاں ہیں، اور فضول نصیحت کرنے والا کہاں ہے؟

عاشقِ خستہ ز دردِ غمِ ہجرِ تو بسوخت
خستہ، عاشق تیرے فراق کے غم میں جل گیا

خود نپرسی تو کہ آں عاشقِ غمخوار کجاست
تو خود یہ نہیں پوچھتا ہے کہ وہ غمخوار، عاشق کہاں ہے؟

بادہ و مطرب و گل جملہ مہیاست ولے
شراب، اور گویا، اور پھول سب مہیا ہیں لیکن

عیش بے دوست میسر نشود یار کجاست
دوست کے بغیر لطف میسر نہیں آتا ہے دوست کہاں ہے؟

عقل دیوانہ شد آں سلسلۂ مشکیں کو
عقل دیوانی ہو گئی ہے، مشکیں بیڑی کہاں ہے؟

دل ز ما گوشہ گرفت ابروئے دلدار کجاست
دل نے ہم سے کنارہ کر لیا، معشوق کی ابرو کہاں ہے؟

دلم از صومعہ و صحبتِ شیخ ست ملول
میرا دل، عبادت خانہ اور شیخ کی ہم نشینی سے تنگ ہے

یارِ ترسا بچہ کو خانۂ خمّار کجاست
آتش پرست زادہ، یار کہاں ہے شرابی کی بھٹی کہاں ہے؟

باز پُرسید ز گیسوئے شکن بر شکنش
اس کی پیچ در پیچ، زلفوں سے پھر پوچھو

کیں دلِ غمزدہ اش گشتہ گرفتار کجاست
کہ یہ غمزدہ دل، جو اس کا گرفتار ہے، کہاں ہے؟

لہ زجاجی اور عنبی آنکھ کے پردوں کے نام بھی ہیں۔
۲ حضرت موسیٰ کو وادیٔ ایمن میں تجلیاتِ رب کا دیدار ہوا تھا۔
۳ نیکوں کا مقام دنیا نہیں ہے۔
۴ جب اس درجہ کی وابستگی ہے تو ناصح کی نصیحت لغو اور بیکار ہے۔
۵ دیوانی عقل کو زلفوں کی بیڑیوں کی ضرورت ہے۔
۶ تاکہ وہاں سے اس کو تلاش کر کے لائیں۔

حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج
اے حافظ زمانہ کے چمن میں خزاں کی ہوا سے رنجیدہ نہ ہو

فکرِ معقول بفرما گُلِ بے خار کجاست[۱]
صحیح بات سوچ، بدوں کانٹے کا پھول کہاں ہے؟

امروز شاہِ انجمن دلبراں یکیست
آج دلبروں کی انجمن کا بادشاہ، تو ایک ہی ہے

دلبر اگر ہزار بود دلبر آں یکیست
دلبر اگر ہزار بھی ہوں، وہ دلبر ایک ہی ہے

من بہرِ آں یکے دل و دیں دادہ ام بباد
میں نے اسی ایک کی خاطر دل اور دین تباہ کر دیا ہے

عیبم مکن کہ حاصلِ ہر دو جہاں یکیست
مجھے عیب نہ لگا اس لئے کہ دونوں جہاں کا خلاصہ ایک ہی ہے

سودائیانِ عالمِ پندار را بگوی
خود پسندی کی دنیا کے دیوانوں سے کہہ دو

سرمایہ گم کنید کہ سود و زیاں یکیست
سرمایہ کو گم کر دو اس لئے کہ نفع اور نقصان یکساں ہے

خلقے زباں بدعوئے عشقش کشادہ اند
لوگوں نے اس کے عشق کے دعوے میں زبان کھولی ہے

اے من غلامِ آنکہ دلش با زباں یکیست[۲]
میں اس کا غلام ہوں جس کا دل اور زباں ایک ہے

حافظ بر آستانۂ دولت نہادہ سر
حافظ نے دوست کی چوکھٹ پر سر دھر دیا ہے

دولت در آں سرست کہ با آستاں یکیست[۳]
خوش نصیبی اُسی سر میں ہے، جو چوکھٹ کے ساتھ مل کر ایک ہے

اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ کہ درِ میکدہ باز ست
خدا کا احسان ہے کہ میکدہ کا دروازہ کھلا ہے

زاں رو کہ مرا بر درِ اُو روئے نیاز ست
اس طور پر، کہ میرا عاجزی کا چہرہ اس کے دروازہ پر ہے

خمہا ہمہ در جوش و خروش اند ز مستی
مستی کی وجہ سے تمام مٹکے جوش و خروش میں ہیں

واں مے کہ در آنجاست حقیقت نہ مجاز ست[۴]
وہ شراب جو اُن میں ہے، وہ حقیقی ہے، مجازی نہیں ہے

از وے ہمہ مستی و غرورست و تکبّر[۵]
اس کی جانب سے تمام تر مستی، اور غرور اور تکبّر ہے

و ز ما ہمہ بیچارگی و عجز و نیاز ست
ہماری جانب سے تمام تر بیچارگی، اور عجز و نیاز ہے

شرحِ شکنِ زلفِ خم اندر خمِ جاناں[۶]
محبوب کی پیچ در پیچ، زلفوں کی شکن کی شرح

کوتہ نتواں کرد کہ ایں قصہ دراز ست
مختصر نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ لمبا قصہ ہے

بارِ دلِ مجنون و خمِ طرّۂ لیلےٰ ست
مجنوں کے دل کا بوجھ، اور لیلیٰ کے گیسو کا پیچ ہے

رخسارۂ محمود و کفِ پائے ایاز ست
محمود کا رخسارہ، اور ایاز کے پیر کا تلوا ہے

بردوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم[۷]
باز کی طرح، تمام جہاں سے میں نے آنکھیں سی لی ہیں

تا دیدۂ من بر رُخِ زیبائے تو باز ست
جب سے میری آنکھ تیرے رخِ زیبا پر کھلی ہے

رازیکہ بر خلق نہفتیم و نگفتیم
جو راز، ہم نے تمام مخلوق سے نہ کہا اور چھپایا

با دوست بگوئیم کہ او محرمِ راز ست
دوست سے کہیں گے، کیونکہ وہ محرمِ راز ہے

در کعبۂ کوئے تو ہر آنکس کہ درآید
جو، تیرے کوچہ کے کعبہ میں آ جائے

از قبلۂ ابروئے تو در عینِ نماز ست
تیرے ابرو کے قبلہ کی وجہ سے، عینِ نماز میں ہے

---

۱ دنیا کا کوئی عیش تکلیف کے بغیر نہیں ہے۔

۲ دنیا میں مدعی بہت ہیں لیکن میرے پیر کا دل اور زباں یکساں ہے۔

۳ یعنی چوکھٹ اور سر میں دوئی ختم ہو جائے

۴ معرفت کی شراب، حقیقی ہے۔

۵ محبوب کی یہی شان ہے، عاشق کا کام عجز و نیاز ہے۔

۶ طولانی زلفوں کی شرح بھی مختصر نہیں ہو سکتی ہے۔

۷ باز کو مانوس کرنے اور سدھانے کے لئے اس کی آنکھیں سی دی جاتی ہیں۔

اے مجلسیاں سوزِ دلِ حافظِ مسکیں
اے ہمنشینو! مسکین، حافظ کے دل کی سوزش

از شمع بپرسید کہ درسوز و گداز ست
شمع سے معلوم کرو، جو سوز و گداز میں ہے

بیا کہ قصرِ امل سخت سُست بنیاد ست
آجا! کیونکہ تمناؤں کا محل بہت کمزور بنیاد کا ہے

بیار بادہ کہ بنیادِ عمر بر باد ست
شراب لے آ، کیونکہ عمر کی بنیاد ہوا میں قائم ہے

غلامِ ہمتِ آنم کہ زیرِ چرخِ کبود
میں اس کی توجہ کا غلام ہوں کہ نیلگوں چرخ کے نیچے

زہر چہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد ست
ہر اس چیز سے آزاد ہے جو تعلق کا رنگ قبول کرے

نصیحتے کنمت یاد گیر و در عمل آر
میں تجھے نصیحت کرتا ہوں، یاد کرلے اور عمل کر

کہ ایں حدیث ز پیرِ طریقتم یاد ست
اس لیے کہ یہ بات مجھے پیرِ طریقت کی یاد ہے

مجو درستیِ عہد از جہانِ سُست نہاد
کمزور بنیاد کی دنیا سے عہد کی پختگی نہ ڈھونڈ

کہ ایں عجوزہ عروسِ ہزار داماد ست
اس لیے، کہ یہ بڑھیا ہزار شوہروں کی دلہن ہے

چہ گویمت کہ بمیخانہ دوش مست و خراب
میں تجھے کیا بتاؤں، کہ کل شب مست و خراب میکدہ میں

سروشِ عالمِ غیبم چہ مژدہ ہا داد ست
عالمِ غیب کے فرشتے نے مجھے کیا خوشخبریاں دی ہیں

کہ اے بلند نظر شاہبازِ سدرہ نشیں
کہ اے بلند نظر، سدرہ نشیں، شہباز!

نشیمنِ تو نہ ایں کنجِ محنت آباد ست
تیرا آشیانہ اس محنت آباد کا گوشہ نہیں ہے

ترا ز کنگرۂ عرش میزنند صفیر
تجھے تو عرش کے کنگرے سے آوازیں دے رہے ہیں

ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد ست
معلوم، تو کیوں اس جال میں پھنسا ہے؟

غمِ جہاں مخور و پندِ من مبر از یاد
دنیا کا غم نہ کر، اور میری نصیحت نہ بھلا

کہ ایں لطیفۂ نغزم ز رہروے یاد ست
اس لیے کہ ایک سالک کا یہ نادر لطیفہ مجھے یاد ہے

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشای
ملے ہوئے پر راضی ہو جا اور پیشانی سے گرہ کھول

کہ بر من و تو درِ اختیار نکشاد ست
اس لیے کہ مجھ اور تجھ پر اختیار کا دروازہ نہیں کھلا ہے

نشانِ مہر و وفا نیست در تبسّمِ گل
پھول کی مسکراہٹ میں، مہر و وفا کا نشاں نہیں ہے

بنال بلبلِ مسکیں کہ جائے فریاد ست
اے مسکین بلبل نالہ کر، کیوں کہ فریاد کی جگہ ہے

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ
اے کمزور نظم کہنے والے حافظ پر کیا حسد کرتا ہے

قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد ست
طبیعت کی پسندیدگی اور کلام کی پاکیزگی خداداد چیز ہے

برو بکارِ خود اے واعظ ایں چہ فریاد ست
اے واعظ جا اپنے کام میں لگ یہ کیا شور ہے؟

مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتاد ست
میرا تو دل ہاتھ سے گیا ہے تیرا کیا گرا ہے؟

بکام تا نرساند مرا لبش چوں نائے
جب تک اُس کے ہونٹ مجھے میرے مدعا کو نَے کی طرح نہ پہنچائیں گے

نصیحتِ ہمہ عالم بگوشِ من باد ست
تمام دنیا کی نصیحت میرے کان میں ایک ہوا ہے

۱؎ جب تک خود پر نہ گزرے دوسرے کی کیفیت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

۲؎ نہ عمر قابلِ اعتبار ہے نہ ہمارا عشق مضبوط ہے لہذا جلد مہربانی کر دے۔

۳؎ دنیا نے ہزاروں سے رشتہ جوڑا ہے اور ان کو ختم کیا ہے۔

۴؎ یعنی غیبی فرشتے نے یہ کہا۔

۵؎ جبکہ بندہ کا کوئی اختیار نہیں تو قضاءِ الٰہی پر راضی ہو جانا عقلمندی ہے۔

۶؎ جو حاسد کو میسر نہیں ہے۔

۷؎ تیرا کیا بگڑا ہے میرا تو دل جا رہا ہے۔

میانِ او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ
اس کی کمر جس کو خدا نے عدم سے بنایا ہے
دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادست
ایک ایسا راز ہے جس کو کسی پیدا ہونیوالے نے نہیں کھولا ہے

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی ست
تیرے کوچہ کا گدا آٹھوں جنتوں سے بے نیاز ہے
اسیرِ بندِ تو از ہر دو عالم آزادست
تیری قید کا قیدی، دونو جہاں سے آزاد ہے

اگرچہ مستیٔ عشقم خراب کرد ولے
اگرچہ عشق کی مستی نے مجھے خراب کر دیا ہے، لیکن
اساسِ ہستیٔ من زیں خراب آبادست
میری ہستی کی بنیاد، اس خرابی سے آباد ہے

دلا منال ز بیداد و جورِ یار کہ یار
اے دل یار کے ظلم سے نالاں نہ ہو اس لئے کہ یار نے
ترا نصیب ہمیں کردہ است و ایں دادست
ترا یہی حصہ رکھا ہے، اور یہی انصاف ہے

فریبِ عشوۂ حسن از جہانِ پیر مخور
بوڑھی دنیا کے حسن کے ناز و انداز سے فریب نہ کھا
کہ ہر کہ کرد بوے اختلاط ناشادست
اس لئے کہ جس نے بھی اس سے اختلاط کیا وہ غمگین ہے

برو ملامتِ دُردی کشاں مکن ناصح
اے ناصح جا تلچھٹ پینے والوں کو ملامت نہ کر
کہ رزق و قسمتِ رزّاق ما ہمیں دادست
اس لئے کہ رزق، اور رازق کی تقسیم نے ہمیں یہی دیا ہے

برو فسانہ مخوان و فسوں مدم حافظ
جا فسانہ نہ بیان کر، اور منتر نہ پھونک اے حافظ!
کزیں فسانہ و افسوں مرا بسے یادست
اس لئے کہ اس قسم کے فسانے اور منتر مجھے بہت یاد ہیں

باغِ مرا چہ حاجتِ سرو و صنوبرست
میرے باغ کو سرو اور صنوبر کی کیا ضرورت ہے؟
شمشادِ سایہ پرورِ من از کہ کمترست
میرا سایہ پرور شمشاد، کس سے کم ہے

اے نازنیں پسر تو چہ مذہب گرفتۂ
اے نازنینوں کے پالے لڑکے تو نے کونسا مذہب اختیار کیا ہے؟
کت خونِ ما حلال تر از شیرِ مادرست
کہ تیرے لئے ہمارا خون ماں کے دودھ سے بھی زیادہ حلال ہے

چوں نقشِ غم ز دور بہ بینی شراب خواہ
جب تو غم کا نقشہ دور سے دیکھے شراب مانگ
تشخیص کردہ ایم و مداوا مقررست
ہم نے تشخیص کر دی اور تجویز تو مقرر ہے

یک قصہ بیش نیست غمِ عشق وایں عجب
غم عشق ایک قصہ سے زیادہ نہیں ہے اور یہ تعجب کی بات ہے کہ
از ہر کسیکہ می شنوم نامکررست
میں جس سے بھی سنتا ہوں، مکرر معلوم نہیں ہوتا ہے

از آستانِ پیرِ مغاں سر چرا کشم
پیر مغاں کی چوکھٹ سے سر کیوں کھینچوں
دولت دریں سرا و کشائش دریں درست
دولت تو اسی گھر میں ہے، اور کشائش اس در میں ہے

دی وعدہ داد وصلم و در سر شراب داشت
اس نے کل مجھ سے وصل کا وعدہ کیا، اور نشہ میں تھا
امروز تا چہ گوید و بازش چہ در سرست
دیکھئے آج کیا کہتا ہے، اور اب اس کا کیا خیال ہے؟

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
ہم قناعت اور فقر کی آبرو ریزی نہ کریں گے
با پادشہ بگوی کہ روزی مقدرست
بادشاہ سے کہہ دو کہ روزی تقدیر میں لکھی گئی ہے

شیراز و آبِ رکنی و آں بادِ خوش نسیم
شیراز، اور رکنا باد کا پانی، اور وہ بہترین نسیم
عیبش مکن کہ خالِ رخِ ہفت کشورست
اس میں عیب نہ ڈال، وہ ساتوں اقلیم کے رخ کا تل ہے

۱۔ معشوق کی کمر کو معدوم مانا جاتا ہے۔
۲۔ عشق کی مستی ہی انسان کا کمال ہے۔
۳۔ بوڑھی دنیا کے عشق میں مبتلا نہ ہونا چاہیے۔
۴۔ میرا محبوب ہر سرد و صنوبر سے بڑھ کر ہے
۵۔ غم کا علاج شراب سے ہی ہو سکتا ہے۔
۶۔ ہر بار ایسا لطف آتا ہے جیسا نئے قصہ میں۔
۷۔ مدہوشی میں وصل کا وعدہ کر گیا، اب معلوم کیا کرے۔
۸۔ سوال کرنا قناعت کی ذلت ہے۔

فرق ست زآبِ خضر کہ ظلمات جائے اوست
آبِ خضر میں، جس کی جگہ اندھیریاں ہے فرق ہے

تا آبِ[۱] ما کہ منبعش اللہ اکبر ست
ہماری نہر سے، کیونکہ اس کا منبع اللہ اکبر ہے

در کوئے ماشکستہ دلی میخرند و بس
ہمارے کوچہ میں، بس شکستہ دلی خریدتے ہیں

بازارِ خود فروشی ازاں سوئے دیگر ست
خود فروشی کا بازار، اس سے دوسری جگہ ہے

باز آ کہ در فراقِ تو چشمِ زگریہ باز
واپس آجا اس لیے کہ تیرے فراق میں رونے کیں آنکھیں اسطرح کھلی ہیں

چوں گوشِ روزہ دار براللہ اکبر ست
جیسا کہ روزہ دار کا کان، اللہ اکبر پر ہوتا ہے

حافظ چہ طرفہ شاخِ نباتیست کلکِ تو
اے حافظ! ترا قلم کس قسم کی شاخ نبات ہے

کش میوہ دلپذیر تراز شہد و شکر ست
کہ اس کا میوہ شہد و شکر سے بھی زیادہ لذیذ ہے

بجانِ خواجہ[۲] و حقِ قدیم و عہدِ درست
خواجہ کی جان، اور قدیم حق، اور پکے عہد کی قسم

کہ مونسِ دمِ صبحم دعائے دولتِ تست
کہ تیری دولت کی دعا، میری صبح کے وقت کی مونس ہے

سرشکِ من کہ زطوفانِ نوح دست ببرد
میرے آنسو جو طوفانِ نوح سے بھی بازی لے گئے

زلوحِ سینہ نیارست نقشِ مہرِ تو شست
تیری محبت کا نقش سینہ کی تختی سے نہ دھو سکے

بکن معاملہ وایں دلِ شکستہ بخر
معاملہ کرلے، اور یہ ٹوٹا ہوا دل، خرید لے

کہ با شکستگی ارزد بصد ہزار درست
اسلئے کہ ٹوٹا ہوا ہونے کے باوجود، لاکھ اشرفیوں کے لائق ہے

شدم[۳] زعشقِ تو شیدائے کوہ و دشت و ہنوز
میں تیرے عشق میں کوہ و دشت کا شیدائی بن گیا اور ابھی تک

نمیکنی بترحم نطاقِ سلسلہ سست
تو رحم دلی سے زنجیر کا بند حن ڈھیلا نہیں کرتا ہے

ملامتم بخرابی مکن کہ مرشدِ عشق
خرابی پر مجھے ملامت نہ کر، اس لئے کہ عشق کے مرشد نے

حوالتم بخرابات کرد روزِ نخست
روزِ ازل میں ہی مجھے خرابات کے حوالہ کر دیا تھا

دلا طمع مبر از لطفِ بے نہایتِ دوست
اے دل، دوست کی لاانتہا مہربانی کا لالچ نہ کر

چو لافِ عشق زدی سرباز چابک و چست
جب تو نے عشق کی ڈینگ ماری ہے چستی اور چالاکی سے سر کی بازی لگادے

زبانِ[۴] مور بر آصف دراز گشت از آں
چیونٹی کی زبان آصف پر اس وجہ سے دراز ہوئی

کہ خواجہ خاتمِ جم یاوہ کرد و باز نجست
کہ خواجہ نے سلیمان کی انگوٹھی گم کردی اور پھر تلاش نہ کی

بصدق[۵] کوش کہ خورشید زاید از نفست
سچائی کی کوشش کر تاکہ سورج تیری پھونک سے پیدا ہو

کہ از دروغ سیہ روی گشت صبحِ نخست
پہلی صبح، جھوٹ ہی کی وجہ سے سیہ رو ہوئی ہے

ہزار بار اگر عاشقے نگارے را
اگر کسی عاشق نے، ہزار بار معشوق کو

بیاز مود دلش سخت بود و پیماں سست
آزمایا اس کا دل سخت تھا اور عہد کمزور تھا

مرنج حافظ واز دلبراں وفا کم جوی
حافظ رنجیدہ نہ ہو اور معشوقوں سے وفا نہ تلاش کر

گناہِ[۶] باغ چہ باشد چو ایں گیاہ نرست
باغ میں کیا عیب ہوگا اگر یہ گھاس نہ اُگی

---

۱ رکناباد کی نہر کا منبع اللہ اکبر نامی جگہ ہے۔
۲ خواجہ سے قوام، شاہ شجاع کا وزیر مراد ہے جو حافظ کا مربی تھا یہ اور حاجی قوام دو جداگانہ شخص ہیں۔
۳ میری دیوانگی تو ویرانہ میں لیجانا چاہتی ہے لیکن تو نے زنجیر تنگ کر رکھی ہے۔
۴ آصف حضرتِ سلیمان کے وزیر کا نام ہے جم سے مراد حضرتِ سلیمان ہیں یعنی آصف نے حضرتِ سلیمان والی وہ انگوٹھی کھو دی جس کی وجہ سے وہ جن و انس پر حکومت کرتے تھے اسی وجہ سے چیونٹی جیسا کمزور کیڑا زبان چلانے لگا۔
۵ پہلی صبح کاذب ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کے منہ پر سیاہی آجاتی ہے دوسری صبح صادق ہے جب کہ سورج نمودار ہوتا ہے۔
۶ یعنی اگر محبوب میں وفا کی عادت نہیں ہے تو اس سے اس کے حسن میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا ہے۔

بنال بلبل اگر بامنت سرِ یار لیست
اے بلبل نالہ کر اگر تجھے مجھ سے دوستی کا خیال ہے
کہ ما دو عاشقِ زاریم و کارِ ما زار لیست
اس لیے کہ ہم دونوں عاشقِ زار ہیں اور ہمارا کام آہ و زاری ہے

دراں چمن کہ نسیمے وزد زطرۂ دوست
جس چمن میں دوست کے گیسو سے نسیم مہکے
چہ جائے دم زدنِ نافہائے تاتار لیست
تاتاری نافوں کے لئے دم مارنے کا کیا موقع ہے

بیار بادہ کہ رنگیں کنیم جامۂ دلق
شراب لا تاکہ گدڑی کے کپڑے کو رنگین کرلیں
کہ مستِ جامِ غروریم و نام ہشیار لیست
اس لئے کہ ہم غرور کے جام کے مست ہیں اور نام ہوشیاری ہے

نہ بستہ اند درِ توبہ حالیا برخیز
توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا ہے، اب اُٹھ جا
کہ توبہ وقتِ گل از عاشقی زبیکار لیست
اس لیے کہ پھول کے موسم میں عاشقی سے توبہ کرنا بیکار بات ہے

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم
میں صبح کو خواب میں اس کے وصل کا کرشمہ دیکھ رہا تھا
زہے مراتبِ خوابے کہ بہ زبیدار لیست
سبحان اللہ نیند کے مرتبوں کا کیا کہنا جو بیداری سے بہتر ہیں

خیالِ زلفِ تو پختن نہ کارِ خامان ست
تیری زلف کا خیال پکانا خام کاروں کا کام نہیں ہے
کہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیار لیست
اس لیے کہ زنجیر کے نیچے آنا ہوشیاری کا کام ہے

لطیفہ الیست نہانی کہ عشق ازو خیزد
جس سے عشق پیدا ہوتا ہے، ایک پوشیدہ لطیفہ ہے
کہ نامِ آں نہ لبِ لعل و خطِ زنگار لیست
جس کا نام لبِ لعل اور خطِ زنگاری نہیں ہے

جمالِ شخص نہ چشم ست و زلف و عارض و خال
کسی شخص کا حسن آنکھ، زلف، رخسار اور تل ہی نہیں ہے
ہزار نکتہ دریں کار و بارِ دلدار لیست
اس دلداری کے کام میں، ہزاروں نکتے ہیں

بآستانِ تو مشکل تواں رسید آرے
تیری چوکھٹ تک پہونچنا مشکل کام ہے، ہاں
عروج بر فلکِ سروری بدشوار لیست
سرداری کے آسمان پر چڑھنا بہت دشواری سے ہوتا ہے

روندگانِ طریقت بہ نیم جو نخرند
طریقت کے سالک آدھے جو میں بھی نہیں خریدتے ہیں
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عار لیست
اس شخص کی اطلس کی قبا، جو ہنر سے خالی ہے

دلش بنالہ میازار و ختم کن حافظ
اے حافظ!! اس کا دل نالہ سے آزردہ نہ کر اور ختم کردے
کہ رستگاریِ جاوید در کم آزار لیست
اس لیے کہ ہمیشہ کا چھٹکارا کم ستانے میں ہے

بکوئے میکدہ ہر سالکے کہ رہ دانست
جس سالک نے شراب خانہ کے کوچہ کا راستہ جان لیا
درِ دگر زدن اندیشۂ تبہ دانست
دوسرا دروازہ کھٹکھٹانا اُس نے بُرا جانا

زمانہ افسرِ رندی نداد جز بہ کسے
زمانہ نے رندی کا تاج، اُسی کو دیا ہے
کہ سرفرازیِ عالم دریں کلہ دانست
جس نے جہاں کی کامیابی، اسی ٹوپی میں سمجھی ہے

برآستانۂ میخانہ ہر کہ یافت رہے
جس کو میخانہ کی چوکھٹ کا راستہ مل گیا
زفیضِ جامِ مے اسرارِ خانقہ دانست
اس نے شراب کے جام کے فیض سے خانقاہ کے راز سمجھ لئے

ہر آنکہ رازِ دو عالم زخطِ ساغر خواند
جس نے ساغر کے خط سے دونوں جہاں کے راز پڑھ لئے
رموزِ جامِ جم از نقشِ خاکِ رہ دانست
اس نے جامِ جمشید کے رموز راستہ کی خاک سے سمجھ لئے ہیں

۱۔ کیونکہ اس کی خوشبو طرہ کی خوشبو کے سامنے ہیچ ہے۔
۲۔ ایسی ہوشیاری سے جس کی تہ میں غرور ہو مستی ہزار درجہ بہتر ہے۔
۳۔ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہو جائیگا۔ موسم گل میں کر لینا۔
۴۔ مرکزِ عشق محبوب کا حسن نہیں ہے۔
۵۔ عشق کے لا انتہا اسباب ہیں۔
۶۔ آستانہ محبوب پر پہونچنا عروج پر پہونچنا ہے۔
۷۔ یعنی رندی کا تاج اسی شخص کو ملتا ہے جو اس میں سرفرازی سمجھے۔
۸۔ ساغر پر نقش و نگار ہوتا ہے اس کو خط ساغر کہتے ہیں۔

دلم ز نرگسِ[1] ساقی اماں نخواست بجاں
میرے دل نے ساقی کی نرگس سے جان کی اماں نہیں چاہی
چرا کہ شیوۂ آں تُرکِ دل سیہ دانست
اس لیے، کہ وہ سیاہ دل معشوق کے شیوہ کو سمجھ گیا

ورائے طاعتِ دیوانگاں ز ما مطلب
دیوانوں کی سی فرماں برداری کے سوا ہم سے کچھ نہ چاہ
کہ شیخِ مذہبِ ما عاقلی گنہ دانست
اس لیے کہ ہمارے مذہب کے شیخ نے عقلمندی کو گناہ سمجھا ہے

زجورِ کوکبِ طالع سحرگہاں چشم
صبح کے وقت نصیبہ کے ستارے کے ظلم سے میری آنکھیں
چناں گریست کہ خورشید دید و مہ دانست
اس قدر روئیں، کہ خورشید نے دیکھا اور چاند نے جانا

خوش آں نظر کہ لبِ جام و روئے ساقی را[2]
وہ نگاہ کس قدر خوش نصیب ہے جس نے جام کے لب اور ساقی کے چہرے کو
ہلالِ یکشبہ و ماہِ چاردہ دانست
پہلی رات کا چاند، اور چودھویں رات کا چاند سمجھا

بلند مرتبہ شاہے کہ نُہ رواقِ سپہر
وہ بلند رتبہ بادشاہ، جس نے آسمان کے نو پردوں کو
نمونۂ زخمِ طاقِ بارگہ دانست
دربار کے طاق کے، جھکاؤ کا نمونہ سمجھا

حدیثِ حافظ و ساغر کشیدنِ پنہاں
حافظ کی بات، اور چھپا کر ساغر چڑھانے کو
چہ[3] جائے محتسب و شحنہ پادشہ دانست
چہ جائیکہ محتسب اور سپاہی، بادشاہ تک جان گیا

بلبلے برگِ گلے خوش رنگ در منقار داشت
ایک بلبل، ایک خوش رنگ پھول کی پتی چونچ میں لئے تھی
و اندر آں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت
اور اس ساز و سامان میں اچھی طرح عاجزی سے نالے کر رہی تھی

گفتمش در عینِ[4] فصل ایں نالہ و فریاد چیست
میں نے اس سے کہا، عین وصال میں یہ نالہ اور فریاد کیسی
گفت ما را جلوۂ معشوق در ایں کار داشت
وہ بولی معشوق کے جلوے لیے ہیں اس کام میں مصروف کردیا ہے

یار اگر ننشست با ما نیست جائے اعتراض
اگر دوست ہمارے ساتھ نہ بیٹھا تو اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے
پادشاہِ کامراں بود از گدایاں عار داشت
وہ کامیاب بادشاہ تھا اس کو فقیروں سے عار آئی

عارفے[5] کو سیر کرد اندر مقامِ نیستی
جس عارف نے مقامِ نیستی کی سیر کرلی
مست شد چوں مستیے از عالمِ اسرار داشت
چونکہ عالمِ اسرار کی ایک مستی اس میں آئی لہٰذا وہ مست ہوگیا

در نمی‌گیرد نیاز و عجزِ ما با حُسنِ دوست
دوست کے حسن میں ہماری عاجزی اور نیازمندی اثر نہیں کرتی ہے
خرم آں کز نازنیناں بختِ برخوردار داشت
وہ خوش نصیب ہے جس نے نازنینوں سے بہرہ ور نصیبہ رکھا

خیز تا بر کلکِ آں نقاش جاں افشاں کنیم
اٹھو تاکہ اس نقاش کے قلم پر ہم جان چھڑک دیں
کیں[6] ہمہ نقشِ عجب در گردشِ پرکار داشت
اس لیے کہ یہ تمام عجیب نقش وہ پرکار کی گردش میں رکھتا تھا

گر مریدِ راہِ عشقی فکرِ بدنامی مکن
اگر تو عشق کے راستے کا مرید ہے تو بدنامی کی فکر نہ کر
شیخِ[7] صنعاں خرقہ رہنِ خانۂ خمار داشت
صنعان کے بزرگ نے گدڑی شراب خانہ میں رہن کردی تھی

وقتِ[8] آں شیریں قلندر خوش کہ در اطوارِ سیر
اس شیریں قلندر کا وقت کس قدر بہتر تھا کہ سیر کی حالت میں
ذکرِ تسبیحِ ملک در حلقۂ زنّار داشت
فرشتہ کی تسبیح کا ذکر، زنار کے حلقہ میں رکھتا تھا

چشمِ[9] حافظ زیرِ بامِ قصرِ آں حوری سرشت
اس حور فطرت کے محل کے نیچے، حافظ کی آنکھ
شیوۂ جنّاتِ تجری تحتہا الانہار داشت
جنات تجری تحتہا الانہار کا طریقہ رکھتی تھی

---

۱ امان چاہنے سے کیا فائدہ جبکہ قاتل سخت دل ہے۔
۲ لبِ جام کو ہلال اور روئے ساقی کو چودھویں کا چاند سمجھا۔
۳ یعنی حافظ کی مے نوشی کسی پر پوشیدہ نہ رہی۔
۴ وصال میں کیفیتِ اضطراب اور زیادہ ہو جاتی ہے۔
۵ مقامِ فنا کے بعد ہی مقامِ بقا حاصل ہوتا ہے۔
۶ سارے حسین نقش نقاشِ ازل کی پرکار میں پوشیدہ ہیں
۷ شیخ صنعان فریدالدین عطار کے مرشد تھے، ان پر ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ ایک ترسا کی لڑکی پر عاشق ہوگئے تھے۔
۸ یعنی قلندرانہ حالت میں رہتے ہوئے بھی ذکر و تسبیح جاری رکھی۔
۹ یعنی آنکھوں سے معشوق کے محل کے نیچے نہریں جاری کردیں، تو بہشت کے ان محلات کا منظر پیدا ہوگیا جن کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ بہشت میں ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

بدامِ زلفِ تو دل مبتلائے خویشتن ست
تیری زلف کے جال میں، دل خود بخود مبتلا ہوا ہے

بکُش بغمزہ کہ اینش سزای خویشتن ست
ناز سے اس کو قتل کر دے یہی اس کی سزا ہے

گرت زدست برآید مرادِ خاطرِ ما
اگر ہمارے دل کی تمنا تیرے ہاتھ سے پوری ہو سکے

بنحش زود کہ خیرے برای خویشتن ست
تو جلد کر دے اس لیے کہ اپنے کے ساتھ بھلائی ہے

بجانت[1] اے بتِ شیرینِ من کہ ہمچوں شمع
اے میرے پیارے بت، تیری جان کی قسم، شمع کی طرح

شبانِ تیرہ مرادم فنای خویشتن ست
تاریک راتوں میں، میرا مقصد خود کو فنا کر دینا ہے

چو رأی[2] عشق زدی باتو گفتم اے بلبل
اے بلبل جب تونے عشق کرنے کی رائے قائم کی تو میں نے تجھ کو کہا تھا

مکن کہ ایں گلِ خود رو برای خویشتن ست
ایسا نہ کر اس لیے کہ یہ خودرو پھول اپنے لئے ہی ہیں

بمشکِ چین و چگل نیست حسنِ گل محتاج
پھول کا حسن چین و چگل کے مشک کا محتاج نہیں ہے

کہ نافہاش زبندِ قبای خویشتن ست
اس لئے کہ اس کے نافے خود اس کی بندِ قبا سے پیدا ہوتے ہیں

مرو بخانہ اربابِ بے مروتِ دہر
زمانہ کے بے مروت اصحاب کے گھر، نہ جا

کہ کنجِ عافیتت در سرائے خویشتن ست
اس لئے کہ تیری عافیت کا گوشہ اپنے گھر ہی میں ہے

بسوخت حافظ و در شرطِ عشق و جانبازی
حافظ جل گیا، اور عشق و جان کی بازی کی شرط میں

ہنوز بر سرِ عہد و وفائے خویشتن ست
ابھی تک اپنے عہد، اور وفا پر قایم ہے

بحریست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
عشق کا سمندر، ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے

آنجا جز آنکہ جاں بسپارند چارہ نیست
بجز اس کے کہ جان دیدیں، وہاں کوئی چارہ نہیں ہے

آن دم کہ دل[3] بہ عشق دہی خوش دمے بود
جس وقت بھی دل کو عشق میں لگا دے وہ اچھا وقت ہوگا

در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست
کارِ خیر میں کسی استخارہ کی ضرورت نہیں ہے

ما را[4] بمنعِ عقل مترسان و مے بیار
عقل کی ممانعت کی وجہ سے ہمیں نہ ڈرا اور شراب لا

کاں شحنہ در ولایتِ ما ہیچکارہ نیست
اس لیے کہ وہ سپاہی ہمارے ملک میں، کسی کام کا نہیں ہے

از[5] چشمِ خود بپرس کہ ما را کہ میکشد
اپنی آنکھ سے پوچھ، کہ ہمیں کون قتل کر رہا ہے؟

جاناں گناہِ طالع و جرمِ ستارہ نیست
پیارے نصیبہ کی خطا اور ستارے کا جرم نہیں ہے

رویش بچشمِ پاک تواں دید چوں ہلال
اس کا چہرہ، ہلال کی طرح پاک نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے

ہر دیدہ جائے جلوۂ آں ماہ پارہ نیست
ہر آنکھ اس ماہ پارے کے جلوے کی جگہ نہیں ہے

فرصت شمر طریقۂ رندی کہ ایں نشاں
رندی کے راستہ کو غنیمت سمجھ، اس لیے کہ یہ نشان

چوں[6] راہِ گنج بر ہمہ کس آشکارہ نیست
خزانے کے راستہ کی طرح ہر شخص پر آشکار نہیں ہے

نگرفت در تو گریۂ حافظ ہیچ روی
حافظ کے رونے نے کسی طرح تجھ پر اثر نہ کیا

حیران آں دلم کہ کم از سنگِ خارہ نیست
میں اس دل سے حیران ہوں جو سنگِ خارا سے کم نہیں ہے

---

[1] جس طرح تاریک رات میں شمع اپنے آپ کو گھلا کر ختم کر دیتی ہے۔ میں بھی ہجر کی راتوں میں اپنے آپ کو فنا کر رہا ہوں۔

[2] یعنی معشوق اپنے سوا کسی کے نہیں ہوتے ہیں۔

[3] جلد سے جلد عاشق ہو جانا مناسب ہے استخارہ تو ایسی بات میں کیا جاتا ہے جس کی اچھائی اور برائی کھلی ہوئی نہ ہو۔

[4] ہم پر عقل کی حکومت نہیں ہے۔

[5] تیری نگاہ نے ہی ہمیں قتل کیا ہے۔

[6] دفینے کا راستہ صاحبِ نصیب کو ہی ملتا ہے۔

بروای زاہد و دعوت مکنم سوئے بہشت
اے زاہد! جا اور مجھے جنت کی دعوت نہ دے
کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نسرشت
اس لیے کہ خدا نے مجھے ازل میں جنت کیلئے نہیں بنایا ہے

یکجو از خرمنِ ہستی نتواند برداشت
وجود کے کھلیان سے ایک جو بھی حاصل نہ کر سکے گا
ہر کہ در راہِ فنا و رہِ حق دانہ نکشت
جس نے فنا کے راستے۱ اور حق کے راستہ میں ایک دانہ نہیں بویا

تو و تسبیح و مصلّٰے و رہِ زہد و ورع
تو ہے اور تسبیح اور جائے نماز اور پرہیزگاری اور تقوے کا راستہ
من و میخانہ و ناقوس و رہِ دیر و کنشت
میں ہوں اور میخانہ اور ناقوس اور بتخانہ اور آتش خانہ کا راستہ

منعم۲ از مے مکن اے صوفیِ صافی کہ حکیم
اے خالی صوفی! مجھے شراب سے نہ روک اس لیے کہ حکمت والے نے
در ازل طینتِ ما را ز مے صاف سرشت
ازل میں ہمارا خمیر صاف شراب سے گوندھا ہے

صوفیِ صاف بہشتی بنود زانکہ چو من
خالی صوفی بہشتی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ اس نے میری طرح
خرقہ در میکدہ ہا رہنِ مے ناب نہشت
شرابخانوں میں خالص شراب میں گدڑی کو رہن نہیں کیا ہے

لذّت از حورِ بہشت و لبِ حوضش نبود
حورِ بہشتی کی لذّت اور حوض کا کنارہ اس کو حاصل ہوگا
ہر کہ او دامنِ معشوقِ خود از دست ہشت
جس نے اپنے محبوب کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا

حافظا لطفِ حق ار با تو عنایت دارد
اے حافظ! اگر اللہ کی مہربانی کی تجھ پر عنایت ہو
باش۳ فارغ زغمِ دوزخ و شادیِ بہشت
دوزخ کے غم، اور جنت کی خوشی سے بے نیاز ہو جا

بے مہرِ رخت روزِ مرا نور نماندہ است
تیرے رخ کے سورج کے بغیر، میرے دن کے لئے روشنی نہیں رہی ہے
وز عمرِ مرا جز شبِ دیجور نماندہ است
اور زندگی سے میرے لئے تاریک رات کے علاوہ کچھ نہیں رہا ہے

ہنگامِ۴ وداعِ تو ز بس گریہ کہ کردم
تیری جدائی کے وقت، میں اس قدر رویا
دور از رخِ تو چشمِ مرا نور نماندہ است
تیرے چہرے سے دور میری آنکھ میں نور نہیں رہا ہے

من بعد چہ سود ار قدمے رنجہ کند دوست
اس کے بعد کیا فائدہ، اگر دوست قدم رنجہ فرمائے
کز جاں رمقے در تنِ رنجور نماندہ است
اس لیے کہ رنجور جسم میں جان کی رمق بھی نہیں رہی ہے

میرفت خیالِ تو ز چشمِ من و میگفت
میری آنکھوں سے تیرا خیال جا رہا تھا اور کہتا تھا
ہیہات ازیں گوشہ کہ معمور نماندہ است
اس گوشہ پر افسوس ہے، جو آباد نہیں رہا ہے

نزدیک شد آں دم کہ رقیباں بتو گویند
وہ وقت قریب آگیا ہے، کہ تجھ سے رقیب کہیں گے
دور از درت آں خستۂ رنجور نماندہ است
تیرے در سے دور، وہ خستہ رنجور نہیں رہا ہے

از تلخیِ ہجرانِ تو زیں گردشِ بے مہر
تیرے ہجر کی تلخی جو اس بے مہر گردش کی وجہ سے ہے
سوزم من ازیں غصّہ کہ مستور نماندہ است
میں اس غصّہ سے جل رہا ہوں کہ وہ پوشیدہ نہیں رہی ہے

وصلِ تو اجل را ز سرم دور ہمی داشت
تیرا وصال موت کو میرے سر سے دور کئے ہوئے تھا
از دولتِ ہجرِ تو کنوں دور نماندہ است
اب تیرے ہجر کی دولت کی وجہ سے وہ دور نہیں رہی ہے

صبر است مرا چارہ ز ہجرانِ تو لیکن
تیرے ہجر کا علاج (میرے نزدیک) صبر ہے لیکن
چوں صبر تواں کرد کہ مقدور نماندہ است
صبر کیونکر کیا جائے، وہ ممکن نہیں رہا ہے

۱ زندگی سے وہی فائدہ اٹھائے گا جو فنا کا مقام حاصل کریگا۔
۲ شراب ہمارے خمیر میں ہے لہٰذا شراب سے روکنا مناسب نہیں ہے۔
۳ اصل توحید یہی ہے کہ جنت اور دوزخ سے بے پروائی ہو۔
۴ میری آنکھیں بےنور ہوگئی ہیں خدا کرے تیرا چہرہ ایسا نہ ہو۔
۵ گوشۂ چشم کی آبادانی محبوب کے خیال ہی سے تھی۔
۶ ہمارے ہجر کی کیفیت سب پر ظاہر ہوگئی ہے۔

در ہجر تو گر چشمِ مرا آب نماندہ است
تیرے ہجر میں اگر میری آنکھ میں پانی نہیں رہا ہے
گو خونِ جگر ریز کہ معذور نماندہ است
کہدو، کہ خونِ جگر بہائے کیونکہ معذور نہیں ہے

حافظ ز غم از گریہ نپرداخت بخندہ
حافظ، غم کی وجہ سے رونے سے ہنسنے میں نہ لگا
ماتم زدہ را داعیۂ سور نماندہ است
غمزدہ کو خوشی کا کوئی داعیہ نہیں رہا ہے

بادِ سحر از نافہ تاتار وزیدہ است
صبح کی ہوا، تاتار کے نافہ سے چلی ہے
نے نے غلطم از سرِ کوئے تو رسیدہ است
نہیں نہیں، میں نے غلط کہا تیرے کوچہ سے چلی ہے

گر با دہنت غنچہ نمی کرد تبسم
اگر تیرے منہ کے مقابلہ میں، غنچہ نے تبسم نہیں کیا تھا
بادِ سحرش بہرچہ ایں پردہ دریدہ است
صبح کی ہوا نے کیوں اس کا یہ پردہ چاک کیا ہے؟

چوں دید سرِ زلف چو زنجیر دلم گفت
جب زلف کے کنارے کو زنجیر کی طرح دیکھا تو میرے دل نے کہا
دیوانہ ندانم کہ دراں زہر چہ دیدہ است
معلوم نہیں دیوانہ نے اس زہر میں کیا دیکھا ہے؟

پرسی تو چہ حالِ دلِ بدروز کہ بہرت
اس بد قسمت دل کا کیا حال پوچھتا ہے جس نے تیری خاطر
از زلفِ تو و رنجِ شبِ تار کشیدہ است
تیری زلف اور تاریک رات کا رنج برداشت کیا ہے

بخشائی بر اشکم کہ چو باد از پئے بویت
میرے اُن آنسوؤں پر رحم کر جو ہوا کی طرح تیری خوشبو کیلئے
سرگشتہ بدنبالِ تو بسیار دویدہ است
حیران، تیرے پیچھے بہت دوڑے ہیں

گفتم سرِ گیسوئے چو مارِ تو کشم گفت
میں بولا، تیرے گیسوؤں کو جو سانپ کی طرح ہیں کھینچوں گا
بگذر کہ بلا جانبِ خود کس نہ کشیدہ است
اس نے کہا جانے دے کسی نے مصیبت اپنی طرف نہیں کھینچی ہے

از حالِ دل و زلفِ سیاہِ تو چہ آگاہ
دل اور تیری کالی زلف کی حالت سے وہ کیا آگاہ ہو سکتا ہے
آنکس کہ گہے مارِ سیاہش نگزیدہ است
جس کو کبھی، سیاہ سانپ نے نہ ڈسا ہو

تا کے غمِ پنہانِ تو در سینہ بدارم
میں تیرے پوشیدہ غم کو کب تک سینے میں رکھوں
چوں از غمت آہم بہ نہم چرخ رسیدہ است
جبکہ تیرے غم سے میری آہ نویں آسمان تک پہونچ گئی ہے

گفتی کہ چہ حالست فلاں چشمِ پر آبت
تو نے کہا کہ اے فلاں تیری آنسوؤں بھری آنکھوں کا کیا حال ہے؟
زاں خانہ چہ پرسی کہ مہ و سال چکیدہ است
اُس گھر کے بارے میں کیا پوچھتا ہے جس کو مہینے اور سال ٹپکتے گذرے ہیں

تا چند دہی وعدہ کہ نزدیک رسم باز
کب تک یہ وعدہ کرے گا کہ میں پھر قریب پہونچوں گا
رس تا کہ کسے بختِ سیہ رو نشنیدہ است
اسوقت تک آجا جب تک کسی سیاہ رو نصیبہ والے نے ہمارا حال نہیں سنا ہے

گفتی کہ شبِ حافظ بدروز خرابست
تو نے کہا، کہ بد نصیب حافظ کی رات تباہ ہے
عمریست کہ بے روئے تو صبحش ندمیدہ است
ایک عمر گذر گئی ہے کہ ترے چہرے بدون اس کی صبح نہیں ہوئی ہے

پریروئے کہ رخسارش چو ماہست
وہ پری رو جس کا رخسار چاند کی طرح ہے
ہزارش عاشقِ شیدا چو ماہست
ہم جیسے اس کے ہزاروں عاشقِ شیدا ہیں

۱؎ اگر آنسو ختم ہوگئے ہیں تو خونِ جگر کے آنسوؤں سے رونا چاہیے۔
۲؎ غم ہجر میں ہنسی کا کوئی داعیہ باقی نہیں ہے
۳؎ چونکہ غنچے نے تیرے منہ کی ہمسری کی تھی اسی لئے اس کا پردہ چاک ہوا ہے۔
۴؎ جس طرح ہوا تیری خوشبو حاصل کرنے کے لئے تیرے پیچھے دوڑتی ہے اسی طرح میرے آنسو تیرے درپے رہے ہیں۔
۵؎ زلف کو سیاہ سانپ سے تشبیہ دی ہے۔
۶؎ رقیب بدنصیب کو معلوم ہونے سے قبل آجا۔
۷؎ رخِ محبوب صبح ہے جب تک وہ نظر نہ آئے تو رات ہی رات ہے۔

زنخدانش مرا چاہست دائم
اس کی ٹھوڑی میرے لئے مستقل کنواں ہے
دریں[1] چاہش خدا مارا گواہست
اُسکے اس کنویں میں، خدا ہی ہمارا گواہ ہے

چہ باک ار میزند شمشیر مارا
کیا پروا ہے اگر وہ ہمارے تلوار مارتا ہے
چو لعلِ دلپذیرش عذر خواہست
جبکہ اس کا دلپسند لعل، عذر خواہ ہے

کمالِ[2] قرب زاں دارد شب قدر
شب قدر، قرب میں اسی وجہ سے کمال رکھتی ہے
کہ چوں زلفِ پریشانش سیاہست
چونکہ وہ اس کی پریشان زلف کی طرح، کالی ہے

مرا چوں اشک می اندازد از چشم
میری آنکھوں سے آنسو کیوں بہاتا ہے؟
نگارینے کہ عالم را پناہست
وہ معشوق، جو جہان کے لیے پناہ ہے

نگفتی[3] خواہمت کشتن دریں راہ
کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ تجھے اس راستہ میں مار ڈالنا چاہتا ہوں
زشادی روز چشمم رُو براہست
اس خوشی میں میری آنکھ ہر روز راستہ پر لگی رہے

دل و دیں چوں فدا کردیم حافظ
اے حافظ چونکہ ہم نے دل اور دیں قربان کر دیا ہے
لبِ خشک و رخِ زردم گواہست
ہمارا خشک ہونٹ، اور زرد چہرہ، گواہ ہے

تا سرِ زلفِ تو در دستِ نسیم[4] افتادہ است
جب سے تیری زلف کا سرا، نسیم کے ہاتھ میں پڑا ہے
دلِ سودا زدہ از غصہ دو نیم افتادہ است
سودائی دل، رنج کی وجہ سے دو ٹکڑے ہوا پڑا ہے

چشم[5] جادوئے تو در عین سوادِ سحر ست
تیری آنکھ کا جادو فی الحقیقت جادو کی روشنائی ہے
ایں قدر ہست کہ ایں نسخہ سقیم افتادہ است
بس اس قدر ہے کہ یہ نسخہ بیمار واقع ہوا ہے

در خم[6] زلفِ تو آں خالِ سیہ دانی چیست
تیری زلف کے پیچ میں وہ کالا تِل! تجھے معلوم ہے کیا ہے؟
نقطۂ دودہ کہ در حلقۂ جیم افتادہ است
دھویں کا ایک نقطہ ہے، جو جیم کے دائرے میں واقع ہوا ہے

سایۂ[7] سروِ تو در قالبم اے عیسیٰ دم
اے عیسیٰ نفس، میرے جسم پہ تیرے سرو کا سایہ
عکسِ روحیست کہ بر عظمِ رمیم افتادہ است
روح کا ایک عکس ہے، جو بوسیدہ ہڈیوں پر پڑا ہے

زلفِ[8] مشکینِ تو در گلشنِ فردوسِ عذار
رخسار کی جنت کے باغ میں تیری سیاہ زلف کیا ہے
چیست طاؤس کہ در باغِ نعیم افتادہ است
مور ہے، جو جنت النعیم میں آگیا ہے

دلِ من در ہوسِ روئے تو اے مونسِ جاں
اے جان کے مونس، میرا دل ترے رُخ کی ہوس میں
خاک راہیست[9] کہ در دستِ نسیم افتادہ است
راستہ کی خاک ہے جو نسیم کے ہاتھ لگی ہے

ہمچو گرد ایں تنِ خاکی نتواند برخاست
یہ خاکی جسم گرد کی طرح نہیں اٹھ سکتا ہے
از سرِ کوئے تو زاں روکہ عظیم افتادہ است
تیرے کوچہ سے کیونکہ بری طرح گرا ہے

آنکہ جز کعبہ مقامش نہ بُد از یادِ لبت
وہ جس کا کعبہ کے سوا کوئی مقام نہ تھا تیرے ہونٹوں کی یاد میں
بر درِ میکدہ دیدم کہ مُقیم افتادہ است
میں نے دیکھا ہے کہ میکدے کے در پہ مقیم ہو گیا ہے

حافظِ گم شدہ را با غمت اے جانِ عزیز
اے جانِ عزیز! گم شدہ حافظ کو تیرے غم سے
اتحادیست کہ از عہدِ قدیم افتادہ است
ایسا اتحاد ہے جو قدیم زمانہ سے ہوا ہے

---

۱ یعنی اس کنویں میں قید تنہائی ہے۔
۲ شب قدر کو اسی وجہ سے متبرک سمجھا جاتا ہے کہ وہ تیری زلفوں کی طرح کالی ہے۔
۳ تو نے مجھے قتل کر ڈالنے کا وعدہ کیا تھا میں خوشی سے اس دن کا منتظر ہوں۔
۴ چونکہ نسیم سے بھی رقابت ہے۔
۵ جادو کے نقش میں جو اثر ہوتا ہے وہی اثر تیری کالی آنکھوں میں ہے معشوق چونکہ عاشق کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا ہے اس لئے اس کی آنکھوں کو بیمار قرار دیا جاتا ہے۔
۶ زلف کے خم کو (ج) سے تشبیہ دیجاتی ہے جس کے پیٹ میں نقطہ ہوتا ہے۔
۷ حضرت عیسیٰ کے سانس میں یہ معجزہ تھا کہ وہ مُردہ کو زندہ کر دیتا تھا۔ روح سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔
۸ زلف کو مور سے اور رخسار کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔
۹ اس تمنا میں کہ نسیم اس کو اٹھا کر لیجائے اور تیرا دیدار کرادے۔

جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست
تیری چوکھٹ کے علاوہ دنیا میں میری کوئی پناہ نہیں ہے
سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست
میرے سر کے لئے اس در کے علاوہ کوئی سپرداری کی جگہ نہیں ہے

عدو[۱] چو تیغ کشد من سپر بیندازم
دشمن جب تلوار کھینچتا ہے میں سپر انداز ہوجاتا ہوں
کہ تیرِ ما بجز از نالۂ و آہے نیست
اس لئے کہ ہمارا تیر ایک نالہ اور ایک آہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے

چرا ز کوئے خرابات روی برتابم
میں شراب خانہ کے کوچے سے کیوں روگردانی کروں؟
کزیں بہم بجہاں ہیچ رسم و راہے نیست
اس لئے کہ میرے لئے دنیا میں اس سے بہتر کوئی رسم و راہ نہیں ہے

زمانہ گر بزند آتشم بخرمنِ عمر
اگر زمانہ میری عمر کے کھلیان میں آگ لگا دے
بگو بسوز کہ برمن ببرگِ کاہے نیست
کہدو جلادے، اس لئے کہ وہ میرے نزدیک گھاس کے تنکے کی برابر بھی نہیں ہے

غلامِ نرگسِ جماشِ آں سہی سروم
میں اسی سیدھے قد سرو کی شوخ آنکھ کا غلام ہوں
کہ از شرابِ[۲] غرورش بکس نگاہے نیست
غرور کی شراب کیوجہ سے جس کی کسی کی طرف نگاہ نہیں ہے

مباش[۳] در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن
ستانے کے درپے نہ ہو اور جو چاہے کر
کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست
اس لیئے کہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہے

عناں[۴] کشیدہ رو اے بادشاہِ کشورِ حسن
اے ملکِ حسن تے بادشاہ لگام کھینچے چل
کہ نیست بر سرِ راہے کہ دادخواہے نیست
اس لیے کہ راستہ پر، کوئی ایسا نہیں جو فریادی نہیں ہے

عقابِ جور[۵] کشادہ است بال در ہمہ شہر
ظلم کے باز نے سب شہروں میں اپنے بازو پھیلائے ہیں
کمانِ گوشہ نشینی و تیرِ آہے نیست
گوشہ نشینی کی کمان، اور آہ کا تیر نہیں ہے

چنیں[۶] کہ در ہمہ سو دامِ راہ می بینم
چونکہ میں تمام جانب، راستوں کے جال دیکھتا ہوں
بہ از حمایتِ زلفِ توام پناہے نیست
تیری زلف کی حمایت سے بہتر میرے لئے کوئی پناہ نہیں ہے

خزینۂ دلِ حافظ بزلف و خال مدہ
حافظ کے دل کے خزانہ کو زلف اور تل کے سپرد نہ کر
کہ کارہائے چنیں حدِ ہر سیاہے نیست
اس لئے کہ ایسے کام ہر کالے کے بس کے نہیں ہیں

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست
جب تو اہلِ دل کی بات سنے، تو یہ نہ کہہ کہ غلط ہے
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست
تو خود بات سمجھنے والا نہیں ہے، اے دلبر! غلطی تو یہ ہے

سرم[۷] بدنیا و عقبیٰ فرو نمی آید
میرا سر دنیا، اور عقبیٰ کی طرف نہیں جھکتا ہے
تبارک اللہ ازیں فتنہا کہ در سر ماست
(خدا ہی بابرکت ہے) ان فتنوں کو جو ہمارے سر میں ہیں

در اندرونِ منِ خستہ دل ندانم کیست
مجھ خستہ دل کے اندر، نہ معلوم کون ہے؟
کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
کہ میں تو چپ ہوں اور وہ فریاد اور غوغا کر رہا ہے

دلم ز پردہ بروں شد کجائی اے مطرب
میرا دل پردہ سے باہر ہوگیا اے مطرب تو کہاں ہے؟
بنال ہاں کہ ازیں پردہ کارِ ما بنواست
نالہ کر کہ اسی پردہ کی وجہ سے ہمارا کام پر رونق ہے

مرا بکارِ جہاں ہرگز التفات نبود
دنیا کے کام کی طرف میری کوئی توجہ نہ تھی
رُخِ[۸] تو در نظرِ من چنیں خوشش آراست
تیرے رخ نے اس کو میری نظر میں ایسی خوبی سے آراستہ کیا ہے

۱۔ اس قدر عاجز و ناتوان ہوں کہ دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔
۲۔ غرورِ حسن کی وجہ سے وہ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا ہے۔
۳۔ حافظ کا یہ شعر زبان زدِ خلائق ہے۔
۴۔ سب تیرے ہجر کے فریادی ہیں۔
۵۔ ظلم کو ختم کرنے کیلئے گوشہ نشینی اور صبر بلکہ خلقہ ہی میں آہ و زاری کی ضرورت ہے۔
۶۔ پھنسنا ہی ہے تو معشوق کی زلف میں پھنسنا چاہیے۔
۷۔ چونکہ سر میں عشق کے فتنے ہیں اس لیے ہم دونوں جہاں سے بے نیاز ہیں۔
۸۔ کائنات میں چونکہ تیری تجلیات ہیں اس لئے ہم اسیں لگے ہیں۔

نخفتہ ام بخیالے کہ می پزم شبہا
میں ان خیالات کی وجہ سے جن کو میں پکاتا ہوں راتوں نہیں سویا

خمارِ[1] صد شبہ دارم شراب خانہ کجاست
سو راتوں کا خمار مجھ پر چڑھا ہے شراب خانہ کہاں ہے؟

چنیں کہ صومعہ آلودہ شد بخونِ دلم
ایسی حالت میں کہ میرے خونِ دل سے عبادتخانہ آلودہ ہوا ہے

گرم بہ بادہ بشوئید حق بدستِ شماست
اگر تم شراب سے مجھے دھو دو تو حق تمہارے ساتھ ہے

ازآں[2] بدیرِ مُغانم عزیز میدارند
اس سبب سے آتش پرست آتشکدہ میں مجھے عزت سے رکھتے ہیں

کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دلِ ماست
کہ جو آگ کبھی نہ بجھے وہ ہمیشہ ہمارے دل میں ہے

چہ[3] ساز بود کہ بنواخت مُطربِ عُشاق
وہ کیا ساز تھا جو عاشقوں کے مُطرب نے چھیڑا

کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پُر ز صداست
کہ زمانہ گذر گیا اور صدا سے میرا دماغ پُر ہے

خمارِ عشقِ تو دیشب در اندرونم بود
تیرے عشق کا خمار، کل شب میرے اندر تھا

کجاست وقتِ عبادت چہ وقت و جائے دعاست
عبادت کا وقت کہاں ہے؟ اور دعا کا مقام اور وقت کب ہے؟

ندائے عشقِ تو دوشم در اندروں دادند
تیری محبت کی آواز، کل شب میرے اندر انھوں نے دی

فضائے سینۂ حافظ ہنوز پُر ز صداست
حافظ کے سینہ کی فضا اب تک، صدا سے پُر ہے

چہ[4] لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت
کیا مہربانی تھی کہ اچانک تیرے قلم کے ترشح نے

حقوقِ خدمتِ ما عرض کرد بر کرمت
ہماری خدمت کے حقوق تیرے کرم کے سامنے پیش کر دیئے

بنوکِ خامہ رقم کردہ سلامِ مرا
قلم کی نوک سے، تو نے مجھے سلام لکھا ہے

کہ کارخانۂ دوراں مبادِ بے رقمت
خدا کرے زمانہ کا کارخانہ تیری تحریر بدون نہو

نگویم از منِ بیدل بسہو کردی یاد
میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تو نے مجھ بیدل کو بھول کر یاد کر لیا ہے

کہ در حسابِ خرد نیست سہو بر قلمت
کیونکہ از روئے عقل تیرے قلم سے بھول نہیں ہوتی ہے

مرا ذلیل مگرداں بشکرِ ایں نعمت
اس نعمت کے شکریہ میں، مجھے ذلیل نہ کر

کہ داشت دولتِ سرمد عزیز و محترمت
کیونکہ سرمدی دولت نے تجھے باعزت و محترم بنایا ہے

بیا کہ با سرِ زلفت قرار خواہم کرد
آ، میں تیری زلف سے عہد کروں گا

کہ گر سرم برود برندارم از قدمت
کہ اگر میرا سر بھی جاتا رہے گا تیرے قدم سے نہ ہٹاؤں گا

زحالِ ما دلت آگہ شود مگر وقتے
تیرا دل ہماری حالت سے شاید اس وقت آگاہ ہوگا

کہ لالہ[5] بر دمد از خاکِ کشتگانِ غمت
جبکہ تیرے غم کے ماروں کی خاک سے لالہ اُگے گا

روانِ تشنۂ ما را بجرعۂ دریاب
ہماری پیاسی روح کی ایک گھونٹ سے مدد کر دے

چو[6] میدہند زلالِ خضر بجامِ جمت
جبکہ خضر کا پانی، تیرے جامِ جم میں دے رہے ہیں

صبا ز روئے تو با ہر گلے حدیثے کرد
صبا نے تیرے چہرے کی بات ہر گل سے کہہ دی

رقیب کے رہِ غمّاز داد در حرمت
حافظ نے چغل خور کو تیرے حرم میں کیوں راستہ دیا؟

دلم مُقیم درِ تست حرمتش میدار
میرا دل تیری چوکھٹ پر مُقیم ہے اس کی عزت کر

بشکر آنکہ خدا داشتہ است محترمت
اس بات کے شکریہ میں کہ خدا نے تجھے باعزت رکھا ہے

[1] یہ بے چینی مدہوشی سے ہی جائیگی۔
[2] آتش پرست ہماری اسی لئے عزت کرتے ہیں کیونکہ ہمارے دل کی آگ ہمیشہ روشن رہتی ہے۔
[3] عاشقوں نے جو نغمہ سُنا ہے وہ زمانہ گذرنے پر بھی نہ مٹا۔
[4] دوست کا خط آنے پر حافظ نے یہ غزل کہی ہے۔
[5] یعنی جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور ہماری خاک سے گل و لالہ اُگیں گے۔
[6] کارکنانِ قضا و قدر نے تیرے جام میں آبِ حیات بھر دیا ہے۔

ہمیشہ وقتِ تو اے عیسیٰ صبا خوش باد
اے عیسیٰ دم! خدا کرے تو ہمیشہ خوش وقت رہے
کہ جانِ عاشقِ دل خستہ زندہ شد بدمت
اس لئے کہ خستہ دل عاشق کی جان تیری پھونک سے زندہ ہوتی ہے

تراز حالِ دلِ خستگاں چہ غم کہ مدام
خستہ دلوں کی حالت سے تجھے کیا غم ہے اس لئے کہ ہمیشہ
ہمی دہند شرابِ خضر بجامِ جمت
خضر کی شراب تیرے جام جم میں دیتے ہیں

کمیں گہہ است و تو خوش تیز میروی حافظ
اے حافظ! کمین گاہ ہے اور تو بہت تیز جا رہا ہے
مکن کہ گرد بر آید ز شاہ رہِ عدمت
ایسا نہ کر کہ تیرے عدم کی شاہ راہ سے گرد اُٹھے

حالِ دل با تو گفتنم ہوس ست
مجھے، تجھ سے حالِ دل کہنے کی ہوس ہے
خبرِ دل شنفتنم ہوس ست
مجھے، دل کی خبر سنانے کی ہوس ہے

طمعِ خام بیں کہ قصہ فاش
غلط خواہش کو دیکھ، کہ ایک کھلے قصہ کو
از رقیباں نہفتنم ہوس ست
رقیبوں سے چھپانے کی مجھے ہوس ہے

شبِ قدرے چنیں عزیز و شریف
ایسی عزیز، اور شریف شبِ قدر میں
با تو تا روز خفتنم ہوس ست
مجھے دن نکلنے تک تیرے ساتھ سونے کی ہوس ہے

وہ کہ دُر دانۂ چنیں نازک
واہ! اس قدر نازک موتی
در شبِ تار سفتنم ہوس ست
مجھے اس کو تاریک رات میں پرونے کی ہوس ہے

اے صبا امشبم مدد فرمای
اے صبا آج کی رات میری مدد کر دے
کہ سحرگہ شگفتنم ہوس ست
اس لئے کہ صبح کو کھلنے کی مجھے ہوس ہے

از برائے شرف بنوکِ مژہ
عزت حاصل کرنے کے لئے پلکوں کی نوک سے
خاکِ راہِ تو رفتنم ہوس ست
تیرے راستہ کی خاک کو صاف کرنے کی مجھے ہوس ہے

ہمچو حافظ برغمِ مدعیاں
دعویداروں کی ذلت کے لئے، حافظ کی طرح
شعرِ رندانہ گفتنم ہوس ست
رندانہ شعر کہنے کی مجھے ہوس ہے

حسنت[1] باتفاق ملاحت جہاں گرفت
تیرے حسن نے ملاحت کی موافقت سے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا
آرے باتفاق جہاں میتواں گرفت
بیشک موافقت سے تمام جہاں پر قبضہ کیا جا سکتا ہے

افشائے رازِ خلوتیاں خواست کرد شمع
شمع نے گوشہ نشینوں کا راز افشاء کرنا چاہا
شکرِ خدا[2] کہ سرِ دلش در زباں گرفت
خدا کا شکر ہے کہ اس کے دل کے راز نے زبان پکڑ لی

میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوئے تو
پھول نے چاہا تھا کہ تیرے رنگ و بو کا مقابلہ کرے
از غیرتش[3] صبا نفس اندر دہاں گرفت
صبا نے غیرت سے اس کا سانس منہ میں بند کر دیا

چوں لالہ کج نہاد کلاہِ طرب ز کبر
تجھ سے مستی کی ٹوپی لالہ کی طرح کج اوڑھے ہوئے ہے
ہر داغِ دل کہ بادہ چوں ارغواں گرفت
دل کا ہر وہ داغ جس نے ارغوانی شراب حاصل کر لی ہے

[1] تیرا حسن ملیح ہے
[2] وہ بیان کرنے پر قادر نہ ہوئی ورنہ رسوا کر ڈالتی۔
[3] اسی لئے غنچہ دہاں بستہ ہوتا ہے۔

آں روز عشق ساغرِ مے خرمنم بسوخت
اُس دن شراب کے پیالے کے عشق نے میرا خرمن جلا ڈالا

کآتش ز عکسِ عارضِ ساقی درآں گرفت
جبکہ ساقی کے رخسار کے عکس سے اس میں آگ لگی

آسودہ بر کنار چو پرکار می شدم
میں کنارے پر، پرکار کی طرح آرام سے ٹہلتا تھا

دوراں چو نقطہ عاقبتم درمیاں گرفت
زمانے کی گردش نے بالآخر نقطہ کی طرح مجھے درمیان میں لے لیا

خواہم شدن بکوئے مُغاں آستیں فشاں
میں آستین جھاڑ کر، آتش پرستوں کے کوچہ میں جانا چاہتا ہوں

زیں فتنہ ہا کہ دامنِ آخر زماں گرفت
ان فتنوں کی وجہ سے جو آخری زمانہ کے دامن سے چمٹ گئے ہیں

بر برگِ گُل زخونِ شقائق نوشتہ اند
پھول کی پتیوں پر گلِ لالہ کے خون سے لکھ دیا ہے

کانکس کہ پختہ شد مے چوں ارغواں گرفت
کہ وہ شخص جو پختہ ہو گیا ہے، اُس نے ارغوانی شراب لی ہے

مے دہ بجامِ جم کہ صباحؔ صبوحیاں
جامِ جمشید میں شراب دے، اس لئے کہ صبح کے پینے والوں کی صبح نے

چوں پادشہ بہ تیغِ زر افشاں جہاں گرفت
زر افشاں تلوار کے ذریعہ بادشاہ کی طرح دنیا پر قبضہ کر لیا ہے

مے دہ کہ ہر کہ آخرِ کارِ جہاں بدید
شراب دے اس لئے کہ جس شخص نے دنیا کا انجام دیکھا ہے

از غم سبک برآمد و رطلِ گراں گرفت
غم سے ہلکا ہو کر نکلا ہے، اور بھاری پیمانہ لے لیا ہے

فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم اوفتاد
موقع دیکھ، جب عالم میں فتنہ برپا ہوا

عارف بجامِ مے زد و از غم کراں گرفت
عارف نے جام میں شراب انڈیل لی اور غم سے کنارہ کش ہو گیا

زیںؔ آتشِ نہفتہ کہ در سینۂ من ست
اس چھپی ہوئی آگ کا، جو میرے سینے میں ہے

خورشید شعلہ ایست کہ بر آسماں گرفت
سورج ایک شعلہ ہے جو آسمان میں لگ گیا ہے

حافظ چو آبِ لطف ز نظمِ تو میچکد
اے حافظ جبکہ پاکیزگی کا پانی تیری نظم سے ٹپکتا ہے

غیرے چگونہ نکتہ تواند برآں گرفت
کوئی دوسرا اس پر کیسے نکتہ چینی کر سکتا ہے

حاصلؔ کارگہِ کون و مکاں ایں ہمہ نیست
کون و مکاں کے کارخانہ کا خلاصہ، یہ سب کچھ نہیں ہے

بادہ پیش آر کہ اسبابِ جہاں ایں ہمہ نیست
شراب لا اس لیے کہ دنیا کے اسباب، یہ سب کچھ نہیں ہیں

از دل و جاں شرفِ صحبتِ جاناں غرض ست
دل اور جان سے غرض، معشوق کی صحبت کا شرف ہے

ہمہ آنست وگرنہ دل و جاں ایں ہمہ نیست
سب کچھ یہی ہے، ورنہ دل اور جان، یہ سب کچھ نہیں ہیں

منّتِؔ سدرہ و طوبیٰ زپئے سایہ مکش
سدرہ اور طوبیٰ کا احسان سایہ کے لئے برداشت نہ کر

کہ چو خوش بنگری اے سروِ رواں ایں ہمہ نیست
اس لیے کہ اے سروِ رواں اگر تو غور سے دیکھے گا تو سب کچھ نہیں ہیں

دولت آنست کہ بے خونِ دل آید بکنار
دولت تو وہی ہے جو دل کا خون کئے بدون حاصل ہو

ورنہ با سعی و عمل باغِ جناں ایں ہمہ نیست
ورنہ کوشش اور عمل کے ساتھ جنت کے باغات، یہ سب کچھ نہیں ہیں

پنج روزے کہ دریں مرحلہ مہلت داری
اس مرحلہ میں پانچ دن کی جو تجھے مہلت حاصل ہے

خوش بیاسائی زمانے کہ زماں ایں ہمہ نیست
آرام سے کچھ دن گذار لے، کیونکہ زمانہ، یہ سب کچھ نہیں ہے

بر لبِ بحرِ فنا منتظریم اے ساقی
اے ساقی ہم فنا کے سمندر کے کنارے منتظر ہیں

فرصتےؔ داں کہ ز لب تا بدہاں ایں ہمہ نیست
یہ سمجھ لے کہ ہونٹ سے منہ تک کی فرصت، یہ سب کچھ نہیں ہے

۱؎ یعنی صبح ہو گئی ہے اور سورج نکل آیا ہے اب شراب کا دور چلے۔
۲؎ یعنی میرے سینے کی گرمی سورج کی گرمی سے بہت زیادہ ہے۔
۳؎ عشق کے علاوہ دنیا کی ہر شے فانی ہے۔
۴؎ سدرہ بیری کے اس درخت کا نام ہے جو ساتویں آسمان پر ہے؛ طوبیٰ وہ درخت ہے جس کی جڑ چوتھے آسمان پر ہے اور شاخیں تمام آسمانوں پر پھیلی ہیں۔
۵؎ اتنی فرصت کہ کوئی چیز ہونٹ سے منہ کے اندر جائے یہ بھی موہوم ہے۔

زاہد ایمن مشو از بازیِ غیرت زنہار
اے زاہد اللہ کی غیرت کی بازی سے ہرگز مطمئن نہ ہو

کہ رہِ صومعہ تا دیرِ مغاں ایں ہمہ نیست
اس لئے کہ عبادت خانہ سے آتش پرستوں کے مندر تک کا راستہ یہ سب کچھ نہیں ہے

دردمندیِ چو منِ سوختۂ زار و نزار
مجھ جیسے سوختہ زار و نزار کی دردمندی کے لئے

ظاہر احاجتِ تقریر و بیاں ایں ہمہ نیست
بظاہر تقریر و بیان کی حاجت یہ سب کچھ نہیں ہے

از تہتک مکن اندیشہ و چوں گل خوش باش
بے آبروئی کی فکر نہ کر اور پھول کی طرح خوش رہ

زانکہ تمکینِ جہانِ گذراں ایں ہمہ نیست
اس لیے کہ گزرنے والی دنیا کی عزت یہ سب کچھ نہیں ہے

نامِ حافظ رقمِ نیک پذیرفت ولے
حافظ کے نام نے اچھا لفظ اختیار کر لیا ہے، لیکن

پیشِ رنداں رقمِ سود و زیاں ایں ہمہ نیست
رندوں کے لئے نفع اور نقصان کا لفظ یہ سب کچھ نہیں ہے

خدا چو صورتِ ابروئے دلربائے تو بست
خدا نے جب تیرے دلربا ابرو کی صورت پیدا کی

کشادِ کارِ من اندر کرشمہائے تو بست
میرے کام کی کشادگی کو تیرے ناز و ادا سے وابستہ کر دیا ہے

ہزار سروِ چمن را بخاکِ راہ نشاند
چمن کے ہزار دل سرو کو راستہ کی خاک پر کھڑا کر دیا

زمانہ تا قصبِ زرکشِ قبائے تو بست
زمانہ نے جب سے کہ زرکش قصب کی قبا تجھے پہنائی ہے

مرا و مرغِ چمن را ز دل ببرد آرام
میرے اور چمن کے پرندے کے دل سے آرام لے گیا

سحرگہاں کہ دلِ ہر دو در نوائے تو بست
جبکہ صبح کے وقت نے دونوں کا دل تیری آواز سے وابستہ کر دیا ہے

ز کارِ ما و دلِ غنچہ بس گرہ بکشود
ہمارے کام اور غنچہ کے دل کی گرہ کھول دی

نسیمِ صبح چو دل در رہِ ہوائے تو بست
صبح کی نسیم نے جب دل تیرے محبت کے راستہ سے وابستہ کر دیا ہے

مرا بہ بندِ تو دورانِ چرخ راضی کرد
زمانہ کی گردش نے مجھے تیری قید پر راضی کر دیا

ولے چہ سود کہ سررشتہ در رضائے تو بست
لیکن کیا فائدہ جبکہ سرا تیری رضامندی سے وابستہ کر دیا ہے

چو نافہ بر دلِ مسکینِ من گرہ مفگن
نافہ کی طرح میرے مسکین دل پر گرہ نہ لگا

کہ عہد با سرِ زلفِ گرہ کشائے تو بست
اس لئے کہ اس نے تیری گرہ کشا زلف سے عہد وابستہ کر دیا ہے

تو خود حیاتِ دگر بودی اے زمانِ وصال
اے وصال کے زمانہ تو خود دوسری قسم کی زندگی تھا

خطا نگر کہ دل امید در وفائے تو بست
غلطی کو دیکھو کہ دل نے تیری وفا سے امید وابستہ کر دی

ہم از نسیمِ تو روزے کشائشے یابد
تیری نسیم سے کسی دن کشادگی حاصل کرے گا

چو غنچہ ہر کہ دلِ خویش در ہوائے تو بست
غنچہ کی طرح ہر وہ شخص جس نے تیری محبت سے دل وابستہ کر دیا ہے

ز دستِ جورِ تو گفتم ز شہر خواہم رفت
میں نے کہا تیرے ظلم کے ہاتھوں اس شہر سے چلا جاؤں گا

بخندہ گفت برو حافظا کہ پائے تو بست
اس نے ہنس کر کہا جا حافظ، تیرا پیر کس نے باندھا ہے

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت ست
خلوت نشیں کو، سیر کی کیا حاجت ہے؟

چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست
جب دوست کا کوچہ موجود ہے تو جنگل کی کیا ضرورت ہے؟

۱۔ انسان کی قلبی کیفیات ہر وقت خطرے میں ہیں۔
۲۔ سب کے لئے عیاں ہے۔
۳۔ دنیاوی عزت فانی ہے۔
۴۔ قصب ایک ریشمی کپڑا ہے۔ زرکش جس پر زری کا کام ہو۔
۵۔ صبح کی ہوا کو دل تیری محبت سے وابستہ ہے اس نے میرے اور غنچے کے دل کی گرہیں کھول دیں۔
۶۔ یعنی اختیار تجھے دیا ہے۔
۷۔ زمانۂ وصال بے وفا ہے اس سے وفا کی امید کرنا غلطی ہے۔

جاناں بحاجتے کہ ترا ہست با خدا
اے جاناں! اس حاجت کی قسم، جو تجھے خدا سے ہے

آخر دمے بپرس کہ مارا چہ حاجت است
آخر کبھی تو دریافت کر، کہ ہمیں کیا ضرورت ہے؟

اے بادشاہِ حسن خدارا بسوختیم
اے حسن کے بادشاہ! خدا کے لئے ہم جل گئے

بارے سوال کن کہ گدارا چہ حاجت است
ایک مرتبہ تو دریافت کرے، کہ فقیر کی کیا ضرورت ہے؟

ارباب حاجتیم و زبانِ سوال نیست
ہم صاحب حاجت ہیں اور مانگنے کی زبان نہیں ہے

در حضرتِ کریم تمنا چہ حاجت است[1]
داتا کے دربار میں تمنا کی کیا ضرورت ہے؟

جامِ جہاں نماست[2] ضمیرِ منیرِ دوست
دوست کا روشن دل، جام جہاں نما ہے

اظہارِ احتیاج خود آنجا چہ حاجت است
وہاں اپنی ضرورت ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

آں شد کہ بارِ منتِ ملاح بردمے
وہ وقت گیا کہ ملاح کے احسان کا بوجھ میں برداشت کرتا تھا

گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت است
جب موتی ہاتھ آگیا ہے، دریا کی کیا ضرورت ہے؟

اے مدعی برو کہ مرا با تو کار نیست
اے مدعی! جا میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں

احباب حاضرند باعدا چہ حاجت است
دوست موجود ہیں، تو دشمنوں کی کیا ضرورت ہے؟

محتاجِ جنگ نیست گرت قصدِ خونِ ماست
جنگ کی ضرورت نہیں ہے، اگر ترا ہمارے خون کا ارادہ ہے

چوں رخت از آنِ تست بیغما چہ حاجت است
جب سامان تیرا ہے تو لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے؟

اے عاشقِ گدا چو لبِ روح بخشِ یار
اے گدا عاشق! جب معشوق کا روح بخش ہونٹ

میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت است
ترا حق جانتا ہے تو تقاضہ کی کیا ضرورت ہے؟

حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیاں شود
حافظ تو ختم کرے، کیونکہ ہنر خود ظاہر ہو جائے گا

با مدعی نزاع و محاکا چہ حاجت است
مدعی کے ساتھ جھگڑے اور لڑائی کی کیا ضرورت ہے؟

خوشتر ز عیشِ صحبت و باغ و بہار چیست
صحبت اور باغ و بہار کے عیش سے زیادہ بہتر کیا چیز ہے؟

ساقی کجاست[3] گو سببِ انتظار چیست
ساقی کہاں ہے؟ کہہ دو انتظار کا کیا سبب ہے؟

معنئ آبِ زندگی و روضۂ ارم
آب حیات، اور جنت کے باغ کی حقیقت

جز طرفِ جوئبار و مئے خوشگوار چیست
نہر کے کنارے، اور خوشگوار شراب کے سوا کیا ہے؟

ہر وقتِ خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
جو اچھا وقت میسر آجائے غنیمت سمجھ

کس را وقوف نیست کہ انجامِ کار چیست
کسی کو معلوم نہیں، کہ انجام کار کیا ہے؟

پیوندِ عمر بستہ بموئیست ہوش دار
عمر کا جوڑ، بال سے ہے ہوش کر

غمخوارِ خویش باش غمِ روزگار چیست[4]
اپنا غمخوار بن، زمانہ کا غم کیا ہے؟

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس
پردے کے اندر کے راز مست رندوں سے دریافت کر

اے مدعی نزاعِ تو با پردہ دار چیست
اے مدعی پردہ دار سے تیرا جھگڑا کیا ہے؟

مستور[5] و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند
مستور، اور مست، جبکہ ایک قبیلہ سے ہیں

ما دل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست
ہم کس کے ناز و انداز پر دل دیں، بہتر کیا ہے؟

[1] سخی تو بے مانگے دیتا ہے۔
[2] جمشید کا جام کچھ اس طرح کا تھا کہ وہ اس سے تمام دنیا کے احوال معلوم کرلیتا تھا اسی لئے اس کو جام جہاں نما بھی کہا جاتا تھا
[3] جب سب اسباب عیش مہیا ہیں تو ساقی کو فوراً آجانا چاہیے۔
[4] عمر ناقابلِ اعتبار ہے اپنی فکر کرنی چاہئے زمانہ کی فکر بیکار بات ہے۔
[5] مستور سے زاہد اور مست سے رند مراد ہے۔

سہو و خطائے بندہ چو گیرند اعتبار
بھول چوک اور بندہ کی غلطی بھی جب معتبر ہو

معنی عفو و رحمتِ پروردگار چیست
تو اللہ کی عفو اور رحمت کے معنی کیا ہیں؟

زاہد شرابِ کوثر و حافظ پیالہ خواست
زاہد نے کوثر کی شراب اور حافظ نے پیالہ مانگا

تا در میانہ خواستۂ کردگار چیست
دیکھیے! دونوں میں خدا کا پسندیدہ کیا ہے؟

خیالِ[1] روئے تو در ہر طریق ہمرہِ ماست
تیرے چہرے کا خیال ہر راستہ میں ہمارے ساتھ ہے

نسیمِ موئے تو پیوندِ جانِ آگہِ ماست
تیری زلفوں کی نسیم، ہماری آگاہ جان کا پیوند ہے

ببیں[2] کہ سیبِ زنخدانِ او چہ میگوید
دیکھ اس کی ٹھوڑی کا سیب، کیا کہتا ہے

ہزار یوسفِ مصری فتادہ در چہِ ماست
ہزار مصری یوسف، ہمارے کنویں میں گرے ہیں

برغمِ[3] مدعیانے کہ منعِ عشق کنند
ان مدعیوں کے برخلاف جو عشق سے منع کرتے ہیں

جمال و چہرۂ تو حجتِ موجہِ ماست
تیرا حسن، اور چہرہ ہماری پسندیدہ دلیل ہے

اگر بزلفِ درازِ تو دستِ ما نرسد
اگر تیری دراز زلف تک، ہمارا ہاتھ نہیں پہونچتا ہے

گناہِ بختِ پریشان و دستِ کوتہِ ماست
تو ہمارے پریشان نصیبہ اور کوتاہ ہاتھ کا قصور ہے

بحاجبِ درِ خلوت سرائے خاص بگو
خاص خلوت سرائے کے دربان سے کہدے

فلاں زگوشہ نشینانِ خاکِ درگہِ ماست
فلاں ہماری درگاہ کی خاک کے گوشہ نشینوں میں ہے

بصورت[4] از نظرِ ما اگرچہ محجوب ست
بظاہر اگرچہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے

ہمیشہ در نظرِ خاطرِ مرفہِ ماست
ہمیشہ، ہماری آسودہ طبیعت کی نظر میں ہے

اگر چو حافظ سائل درے زند بگشا
اگر حافظ بھکاری کی طرح دروازہ کھٹکھٹائے تو کھول دینا

کہ سالہاست کہ مشتاقِ روئے چوں مہِ ماست
اس لئے کہ وہ سالوں سے، ہمارے چاند جیسے چہرہ کا مشتاق ہے

خمِ[5] زلفِ تو دامِ کفر و دین ست
تیری زلف کا خم کفر اور دین کے لئے جال ہے

زکارستانِ او یک شمہ این ست
اس کے کارناموں میں سے ایک مسم تھوڑا سا کارنامہ ہے

مقالاتِ نصیحت گو ہمیں ست
نصیحت کرنے والے کی باتیں یہی ہیں

کہ حلم اندازِ ہجراں در کمین ست
کہ ہجر کا فیصلہ کرنے والا، گھات میں ہے

جمالت معجزِ حسن ست لیکن
تیرا جمال، حسن کا معجزہ ہے لیکن

حدیثِ غمزہ ات سحرِ مبین ست
ناز و انداز کی بات، کھلا ہوا جادو ہے

براں چشمِ سیہ صد آفریں باد
اس کالی آنکھ، کے لئے سو شاباشش

کہ در عاشق کشی سحر آفرین ست
جو عاشق کشی، میں جادوگر ہے

عجب[6] راہیست راہِ عشق ہیہات
عشق کا راستہ بھی، عجب راستہ ہے ہائے افسوس

کہ چرخِ ہفتمش ہفتم زمیں ست
کہ اس کا ساتواں آسمان، ساتویں زمین ہے

---

[1] تیرا خیال ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور تیری زلفوں کی خوشبو ہماری زندگی ہے

[2] کنعان کے کنویں میں تو ایک یوسف تھے معشوق کی ٹھوڑی کے کنویں میں سینکڑوں یوسف گرے پڑے ہیں۔

[3] جب تیرا حسن دیکھ لیں گے قائل ہو جائیں گے۔

[4] نگاہوں سے اگرچہ دور ہے لیکن دل سے قریب ہے۔

[5] تیری زلف میں مومن و کافر سب پھنسے ہیں۔

[6] راہِ عشق کی ہر چیز الٹی ہے۔

تو پنداری کہ بدگو رفت و جاں بُرد
تو سمجھتا ہے کہ چغلخور چلا گیا، اور مر گیا
حسابش با کراماً کاتبین ست[1]
اس کا حساب تو کراماً کاتبین کے سپرد ہے

زچشمِ شوخِ تو کے جاں تواں بُرد
تیری شوخ آنکھ سے، کیسے جان بچائی جا سکتی ہے
کہ دائم باکماں اندر کمین ست
جو ہمیشہ کمان لئے، گھات میں ہے

لبت را آبِ حیواں گفتم اَمّا
تیرے ہونٹوں کو میں نے آبِ حیات کہا، لیکن
چہ جائے آب کاں ماءِ معین ست
پانی کہنے کا کیا موقع ہے، وہ تو بہتا پانی ہے

مشو ایجاں زکیدِ زلفش ایمن
اے جان! اس کی زلف کی تدبیر سے مطمئن نہ ہو
کہ دل بُرد و کنوں در بندِ دین ست
دل تو لے گئی ہے، اب دین کی فکر میں ہے

حدیثِ مُطرب و پیمانۂ مے
گویئے اور شراب کے پیالے کی بات
بہ نزدِ عاشقاں آیاتِ دین ست
عاشقوں کے نزدیک، دین کے معجزے ہیں

زجامِ عشق مے نوشید حافظ
حافظ، نے عشق کے جام سے شراب پی ہے
مدامش مستی و رندی ازین ست
ایسی لیے اس کو ہمیشہ مستی، اور رندی حاصل ہے

خوابِ[2] آں نرگسِ فتّانِ تو بے چیزے نیست
تیری فتنہ میں مبتلا کرنیوالی نرگس کی نیند، بے سبب نہیں ہے
تابِ آں زلفِ پریشانِ تو بے چیزے نیست
تیری پریشان زلف کا خم، بے سبب نہیں ہے

از لبت[3] شیر رواں بود کہ من میگفتم
تیرے ہونٹوں سے دودھ جاری تھا، کہ میں نے کہا
کایں شکر گردِ نمکدانِ تو بے چیزے نیست
کہ یہ شکر تیرے نمک دان کے گرد بے سبب نہیں ہے

چشمۂ[4] آبِ حیات ست دہانت اَمّا
تیرا منہ آبِ حیات کا چشمہ ہے، لیکن
زیرِ لب چاہِ زنخدانِ تو بے چیزے نیست
ہونٹوں کے نیچے تیری ٹھوڑی کا گڑھا، بے سبب نہیں ہے

جاں درازیِ تو بادا کہ یقیں میدانم
خدا کرے تیری عمر دراز ہو، مجھے یقین ہے
در کماں[5] ناوکِ مژگانِ تو بے چیزے نیست
کمان میں تیری پلک کا تیر، بے سبب نہیں ہے

مبتلائے بغم و محنت و اندوہ و فراق
غم و مصیبت، اور رنج و فراق میں مبتلا ہو کر
اے دل ایں نالہ و افغانِ تو بے چیزے نیست
اے دل تیرا یہ نالہ، اور فریاد، بے سبب نہیں ہے

دوش[6] باد از سرِ کویش بگلستاں بگذشت
شبِ گذشتہ ہوا اس کے کوچے سے باغ میں پہونچی
اے گُل ایں چاکِ گریبانِ تو بے چیزے نیست
اے پھول! یہ تیرا چاکِ گریباں، بے سبب نہیں ہے

دردِ عشق ارچہ دل از خلق نہاں میدارد
دل اگرچہ دردِ عشق کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے
حافظ ایں دیدۂ گریانِ تو بے چیزے نیست
حافظ، تیری یہ روتی آنکھیں، بے سبب نہیں ہیں

خمے کہ ابروئے شوخِ تو در کماں انداخت
تیرے شوخ ابروئے کمان میں جو خم پیدا کیا ہے
بقصدِ جانِ منِ زارِ ناتواں انداخت
مجھ کمزور، زار حال کی جان لینے کے لئے پیدا کیا ہے

[1] کراماً کاتبین وہ فرشتے ہیں جو انسان کی نیکی اور بدی لکھتے ہیں۔
[2] نیند کی متوالی آنکھ اور بکھری زلفوں کے بل اور تباہی پیدا کرتے ہیں۔
[3] میں نے تیرے لڑکپن میں ہی کہدیا تھا کہ اس بچہ کے ہونٹ بہت قاتل ہونگے۔
[4] بلکہ اس لئے ہے کہ آبِ حیات کا متلاشی کنویں میں آ پھنسے۔
[5] ابرو کو کمان سے اور پلکوں کو تیر سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
[6] معشوق کے کوچہ کی محبت میں مبتلا ہو کر پھول کا گریبان چاک ہوا ہے۔

شراب خوردہ و خوے کردہ کے شدی بچمن — کہ آب روئے تو آتش در ارغواں انداخت
تو شراب پی کر پسینہ کی حالت میں کب چمن میں آیا تھا — کہ تیرے چہرہ کی رونق نے گلِ ارغواں میں آگ لگا دی ہے

بیک کرشمہ کہ نرگس بخود فروشی کرد — فریبِ چشمِ تو صد فتنہ در جہاں انداخت
ایک کرشمہ کے باعث جو نرگس نے خود نمائی میں دکھایا — تیری آنکھوں کے فریب نے دنیا میں سو فتنے پیدا کر دئے

خراب و خستہ قدِ تو ام تعالے اللہ — چہ کلک بود کہ ایں خطِ دلنشاں انداخت
تیرے قد کی وجہ سے میں خراب اور خستہ ہوں العظمت للہ — کونسا قلم تھا جس نے یہ دلنشاں خط ڈالا ہے

ز شرم آنکہ بروئے تو نسبتش کردند — سمن بدستِ صبا خاک در دہاں انداخت
اس شرم سے کہ لوگوں نے اس کو تیرے چہرے سے تشبیہ دیدی — سمن نے صبا کے ہاتھ سے منہ میں خاک ڈالی

بہ بزمگاہِ چمن دوش مست بگذشتم — کہ از دہانِ تو ام غنچہ در گماں انداخت
چمن کی سیر گاہ میں میں شبِ گذشتہ مست ہو کر گذر رہا تھا — کہ غنچہ نے مجھے تیرے منہ کے شبہ میں ڈالدیا

بنفشہ طرۂ مفتولِ خود گرہ میزد — صبا حکایتِ زلفِ تو در میاں انداخت
بنفشہ نے اپنی گوندھی ہوئی زلفوں میں گرہ لگائی تھی — صبا نے تیری زلف کا قصہ درمیان میں چھیڑ دیا

کنوں بآبِ مے لعل خرقہ می شویم — نصیبۂ ازل از خود نمیتواں انداخت
مے لعل کے پانی سے اب میں گدڑی دھو رہا ہوں — ازلی نصیبہ اپنے سے نہیں ہٹایا جا سکتا ہے

نبود رنگِ دو عالم کہ نقشِ الفت بود — زمانہ طرحِ محبت نہ ایں زماں انداخت
دونوں جہانوں کا رنگ بھی نہ تھا کہ محبت کا نقش قائم ہو گیا تھا — زمانہ نے محبت کی بنیاد اب نہیں ڈالی ہے

من از ورع مے و مطرب ندیدمے ہرگز — ہوائے مغبچگانم در ایں و آں انداخت
میں پرہیزگاری کی وجہ سے شراب اور گویئے کو کبھی نہ دیکھتا — مغبچوں کی محبت نے مجھے اِس اور اُس میں مبتلا کر دیا

جہاں بکامِ دل اکنوں شود کہ دورِ زماں — مرا بہ بندگیِ خواجہ زماں انداخت
دنیا دل کے مقصد کے مطابق اب ہوگی اس لئے کہ دورِ زمانہ نے — مجھے خواجۂ زماں کی بندگی میں لگا دیا ہے

مگر گشایشِ حافظ دریں خرابی بود
شاید حافظ کی سہولت اس خرابی میں تھی

کہ قسمتِ ازلش در رۂ مغاں انداخت
اس لئے کہ ازلی قسمت نے اس کو مغبچوں کی شراب میں مبتلا کر دیا ہے

دل سراپردۂ محبتِ اوست — دیدہ آئینہ دارِ طلعتِ اوست
دل، اس کی محبت کا خیمہ ہے — آنکھ، اس کے چہرے کی آئینہ دار ہے

منکہ سر در نیاورم بدو کون — گردنم زیرِ بارِ منتِ اوست
میں جو کہ دونوں جہاں کے سامنے سر نہیں جھکاتا — میری گردن اس کے احسان کی زیرِ بار ہے

تو و طوبےٰ و ما و قامتِ یار — فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست
تو ہے اور طوبیٰ، ہیں ہم، اور دوست کا قد — ہر انسان کی فکر اس کی ہمت کے اندازے کے مطابق ہے

دورِ مجنوں گذشت و نوبتِ ماست — ہر کسے پنجروزہ نوبتِ اوست
مجنوں کا دور گذر گیا اب ہمارا دور ہے۔ — ہر شخص کا کچھ دن کے لیے دور ہے

ا۔ تیری نگاہوں کا فتنہ نرگس سے بہت بڑھا ہوا ہے۔
۲۔ قد کو خط سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
۳۔ سمن ایک سفید خوشبودار پھول ہے۔ جس سے معشوق کے چہرے کو تشبیہ دیجاتی ہے۔
۴۔ تو وہ اپنے سونے پر بہت شرمندہ ہوئی۔
۵۔ یعنی دل اس کی محبت گاہ ہے۔
۶۔ زاہد طوبیٰ پر عاشق ہے میں قدِ یار پر۔
۷۔ اب ہم مجنونِ دوراں ہیں۔

من کہ باشم درآں حرم کہ صبا — پردہ دارِ حریمِ حرمتِ اوست
اُس حرم میں میں کون ہوتا ہوں؟ اس لئے کہ صبا — اس کی حرمت کے حریم کی پردہ دار ہے

مُلکتِ عاشقی، و گنجِ طرب — ہرچہ دارم زیُمنِ ہمتِ اوست
عاشقی کا ملک، اور مستی کا خزانہ — جو کچھ میرے پاس ہے اس کی توجہ کی برکت سے ہے

من و دل گر فنا شویم چہ باک — غرض اندر میاں سلامتِ اوست
میں اور دل، اگر فنا ہو جائیں تو کیا پروا ہے — مقصود تو درمیان میں، اس کی سلامتی ہے

بے خیالش مباد منظرِ چشم — زانکہ ایں گوشہ خاص دولتِ اوست
خدا کرے، نگاہ کا منظر، اس کے خیال بدون نہ ہو — اس لئے کہ یہ گوشہ خاص اس کی دولت ہے

گر منِ[1] آلودہ دامنم چہ عجب — ہمہ عالم گواہِ عصمتِ اوست
اگر میں آلودہ دامن ہوں، تو کیا تعجب ہے — اس کی پاکدامنی کا سارا عالم گواہ ہے

ہر گلِ[2] نو کہ شد چمن آرائے — اثرِ رنگ و بوئے صحبتِ اوست
ہر وہ نیا پھول، جو چمن آرا بنا — اس کی صحبت کے رنگ و بو کا اثر ہے

فقرِ ظاہر مبیں کہ حافظ را
ظاہری فقر کو نہ دیکھ، حافظ کا سینہ تو
سینہ گنجینۂ محبتِ اوست
اس کی محبت کا خزانہ ہے

دارم امیدِ عاطفتے از جنابِ دوست — کردم خیانتے و امیدم بعفوِ اوست
دوست کے دربار سے، مہربانی کا امیدوار ہوں — میں نے خیانت کی ہے، اور میری امید اس کے عفو سے وابستہ ہے

دانم کہ بگذرد ز سرِ جرمِ من کہ اُو — گرچہ پری وش ست ولیکن فرشتہ خوست
مجھے معلوم ہے کہ وہ کسی دن میرے جرم سے درگذر کرے گا — اس لیے کہ وہ اگرچہ پری جیسا ہے لیکن فرشتہ خصلت ہے

بے گفتگوئے زلفِ تو دل را ہمی برد — با روئے دلکشِ تو کرا روئے گفتگوست
بدوں بات چیت کے تیری زلف دل کو لئے جاتی ہے — تیرے دلکش چہرے کے سامنے بات کرنے کو کس کا مُنہ ہے

عمریست تا ز زلفِ تو بوئے شنیدہ ایم — زاں بوئے در مشامِ دلِ ما ہنوز بوست
ایک زمانہ گذرا جب ہم نے تیری زلف کی خوشبو سونگھی تھی — ہمارے دل کی قوتِ شامہ میں اس سے اب تک خوشبو ہے

ہیچ[3] است آں دہاں کہ نہ بینم ازو نشاں — موئیست آں میاں و ندانم کہ آں چہ موست
وہ مُنہ کچھ بھی نہیں ہے اس لئے کہ میں نے اس کا کوئی نشان نہ دیکھا — وہ کمر ایک بال ہے لیکن مجھے معلوم نہیں وہ کس قسم کا بال ہے

دارم عجب ز نقشِ خیالش کہ چوں نرفت — از دیدہ ام کہ دمبدمش کارِ شست و شوست
مجھے اس کے نقشِ خیالی پر تعجب ہے کہ وہ کیوں نہ مٹا — میری آنکھوں سے کہ ان کا کام ہر وقت دھونا اور صاف کرنا ہے

چنداں گریستم کہ ہر آنکس کہ بر گذشت — از دیدہ ام[4] چو دید رواں گفت اینچہ جوست
میں اس قدر رویا، کہ جو شخص بھی گذرا — جب مری آنکھ کو جاری دیکھا تو بولا یہ کونسی نہر ہے؟

ما سر چو گوئے بر سرِ کوئے تو باختیم — واقف نشد کسے کہ چہ گویست و اینچہ کوست
ہم نے تیرے کوچہ پر گیند کی طرح سر کو ہار دیا — لیکن کوئی نہ سمجھا کہ یہ کیا گیند ہے اور یہ کونسا کوچہ ہے

[1] میری آلودہ دامنی سے اس کا کیا بگڑتا ہے۔
[2] چمن کے پھولوں میں رنگ و بو اس کی محبت سے پیدا ہوئے ہیں۔
[3] معشوق کے مُنہ کو معدوم قرار دیا جاتا ہے اور کمر کو بال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
[4] میری آنکھوں پر نہر کا شبہ ہوتا ہے۔

حافظ بد است حالِ پریشان تو و لے
اے حافظ تیرا پریشان حال برا ہے لیکن

بر یادِ زلفِ یار پریشانیت نکوست
یار کی زلف کی یاد میں تیری پریشانی بہتر ہے

در دیرِ مغاں آمد یارم قدح در دست
آتش پرستوں کے میخانہ میں میرا دوست ہاتھ میں پیالہ لئے آیا

مست از مے و میخواراں از نرگسِ مستش مست
وہ شراب سے مست تھا اور شرابی اس کی مست نرگس سے مست تھے

از نعلِ سمندِ او شکلِ مہِ نو پیدا[۱]
اس کے گھوڑے کے نعل سے پہلی رات کے چاند کی شکل نمودار تھی

وز قدِ بلندِ او بالائے صنوبر پست
اور اس کے بلند قد کے مقابلہ میں صنوبر کا قد پست تھا

آخر[۲] زچہ گویم ہست از خود خبرم چوں نیست
میں کس طرح سے کہوں کہ وہ ہے جبکہ مجھے اپنی خبر نہیں

از بہرِ چہ گویم نیست با او نظرم چوں ہست
میں کس لئے کہوں کہ وہ نہیں ہے جبکہ اس پر میری نظر ہے

چوں شمع وجودِ من شب تا بسحر خود را
میرا وجود شمع کی طرح، اپنے آپ کو رات سے صبح تک

بیسوخت چو پروانہ تا روز بپا ننشست
پروانے کی طرح دن نکلنے تک جلاتا رہا اور پیر کے بل نہ بیٹھا

شمعِ دلِ دمسازاں بنشست چو او برخاست
جب وہ اٹھا تو گویا عاشقوں کے دل کی شمع بجھی

افغاں ز نظر بازاں برخاست چو او بنشست
نظر بازوں کی فریاد بلند ہوئی، جب وہ بیٹھا

گر غالیہ[۳] خوشبو شد در گیسوئے او آویخت
اگر غالیہ خوشبو بنی، تو اس کے گیسوے وابستہ ہوئی

ور وسمہ کماں کش شد با ابروئے او پیوست
اگر وسمہ کمان کش بنا تو اس کے ابروے وابستہ ہوا

باز آی کہ باز آید عمرِ شدۂ حافظ
تو پھر آجا تا کہ حافظ کی گئی عمر لوٹ آئے

ہر چند کہ ناید باز تیرے کہ بشد از شست
اگرچہ کمان سے نکلا ہوا تیر، کبھی واپس نہیں لوٹتا ہے

دریں[۴] زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست
اس زمانہ میں اگر کوئی دوست، خرابی سے خالی ہے

صراحیِ مئے ناب و سفینۂ غزل ست
وہ خالص شراب کی صراحی اور غزل کی کتاب ہے

جریدہ[۵] رو کہ گذرگاہِ عافیت تنگ ست
تنہا چل اس لئے کہ عافیت کا راستہ تنگ ہے

پیالہ گیر کہ عمرِ عزیز بے بدل ست
پیالہ تھام لے اس لئے کہ پیاری عمر بے بدل ہے

نہ من[۶] ز بے عملی در جہاں ملولم و بس
زمانہ میں میں ہی صرف بے عملی سے رنجیدہ نہیں ہوں

ملالتِ علماء ہم ز علمِ بے عمل ست
علماء کو بھی علمِ بے عمل کا رنج ہے

بچشمِ عقل ببیں در جہانِ پُر آشوب
پر فتنہ زمانہ کو، عقل کی آنکھ سے دیکھ

جہان و کارِ جہاں بے ثبات و بے محل ست
دنیا، اور دنیا کا کام ناپائیدار اور بے محل ہے

دلم[۷] امیدِ فراواں ز وصلِ روئے تو داشت
میرا دل تیرے چہرے کے وصال کی بہت زیادہ امید رکھتا تھا

ولے اجل بہ رہِ عمر رہزنِ امل ست
لیکن عمر کے راستہ میں موت امید کی رہزن ہے

ز قسمتِ[۸] ازلی چہرۂ سیہ بختاں
سیاہ نصیب والوں کا چہرہ جو ازلی قسمت کی بناء پر ہے

بشست و شوئی نگردد سفید و ایں مثل ست
دھونے دھلانے سے سفید نہیں بنتا ہے اور یہ کہاوت ہے

---

[۱] گھوڑے کا نعل بشکلِ ہلال ہوتا ہے۔
[۲] نہ میں اس کی موجودگی بتا سکتا ہوں اس لئے کہ میں اپنے سے بے خبر ہوں نہ اس کی عدم موجودگی کیونکہ وہ میری نظروں میں سمایا ہے۔
[۳] غالیہ ایک مرکب خوشبو ہے وسمہ سے ابروؤں کا نشان بنایا جاتا تھا۔
[۴] مخلص دوست صراحی اور شاعری کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔
[۵] اس دنیا میں گوشۂ تنہائی میں ہی عافیت ہے۔
[۶] میں بے عمل ہوں تو علماء باوجود علم کے بے عمل ہیں۔
[۷] انسان زندگی میں اپنی تمنائیں پوری نہیں کر سکتا ہے۔
[۸] جو ازل سے بدبخت ہے وہ کبھی سعادتمند نہیں بن سکتا۔

[۱] بگیر طرّۂ مہ طلعتے و قصّہ مخواں
کسی چاند جیسے چہرے والے کی زلف پکڑ لے اور یہ قصے نہ پڑھ
کہ سعد و نحس ز تاثیرِ زہرہ و زحل ست
کہ نیک بختی اور بد بختی زہرہ اور زحل کی تاثیر سے ہے

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
جو بنیاد بھی تو دیکھتا ہے وہ نقصان پذیر ہے
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل ست
لیکن محبت کی بنیاد، جو خلل سے خالی ہے

بہیچ دور نخواہند یافت ہشیارش
کسی زمانہ میں بھی اس کو ہوش میں نہ پائیں گے
چنیں کہ حافظِ ما مستِ بادۂ ازل ست
اس لئے کہ ہمارا حافظ، ازلی شراب سے مست ہے

دل و دینم شد و دلبر بملامت برخاست
میرا دل اور دین تو گیا اور معشوق ملامت پر آمادہ ہوا
گفت با ما منشیں کز تو سلامت برخاست
بولا ہمارے ساتھ نہ بیٹھ اس لئے کہ تجھ سے سلامتی جاتی رہی ہے

[۲] کہ شنیدی کہ دریں بزم دمے خوش بنشست
کس کے بارے میں تونے سنا ہے جو کہ اس بزم میں تھوڑی دیر کیلئے
کہ نہ در آخرِ صحبت بہ ندامت برخاست
آرام سے بیٹھا ہو کہ آخر صحبت میں ندامت لیکر نہ اٹھا ہو؟

[۳] شمع گر زاں لبِ خنداں بزباں لافے زد
شمع نے اگر اس ہنستے ہونٹ پر زبان سے لاف زنی کی
پیشِ عشاقِ تو شبہا بغرامت برخاست
تو تیرے عاشقوں کے سامنے راتوں سزا میں کھڑی رہی

[۴] در چمن بادِ بہاری ز کنارِ گل و سرو
چمن میں موسم بہار کی ہوا گل اور سرو کی آغوش سے
بہوا داریِ آں عارض و قامت برخاست
اس رخسار اور قد کی محبت میں اٹھ کھڑی ہوئی

مست بگذشتی و از خلوتیانِ ملکوت
تو مست ہو کر گذرا اور عالم ملکوت کے خلوت نشینوں کی جانب سے
بتماشائے تو آشوبِ قیامت برخاست
ترے دیدار کے لیے قیامت کا شور بر پا ہوا

[۵] پیشِ رفتارِ تو پا بر نگرفت از خجلت
تیری رفتار کے آگے شرمندگی سے ایک قدم نہ اٹھا سکا
سروِ سرکش کہ بنازِ قد و قامت برخاست
وہ سرکش سرو جو قد و قامت کے ناز سے اٹھا تھا

حافظ ایں خرقہ بیندار مگر جاں ببری
حافظ یہ گدڑی اتار پھینک، شاید جان بچالے
کآتش از خرمنِ سالوس و کرامت برخاست
اس لئے کہ مکر اور کرامت کے خرمن سے آگ بھڑک اٹھی ہے

دیدی کہ یار جز سرِ جور و ستم نداشت
تونے دیکھا کہ یار نے ظلم و ستم کے علاوہ کوئی خیال نہ کیا
بشکست عہدِ ما و از و ہیچ غم نداشت
ہمارے عہد کو توڑ ڈالا اور اس کو اس کا کوئی غم نہ ہوا

[۶] یارب مگیرش ارچہ دلِ چوں کبوترم
اے خدا اس سے مواخذہ نہ کر اگرچہ اس نے میرے کبوتر جیسے دل کو
افگند و کشت و حرمتِ صیدِ حرم نداشت
پچھاڑا اور مار ڈالا اور حرم کے شکار کا کوئی احترام نہ کیا

[۷] برمن جفا ز بختِ بد آمد و گرنہ یار
مجھ پر مقدر سے ظلم ہوا، ورنہ دوست
حاشا کہ رسمِ جور و طریقِ ستم نداشت
یقیناً ظلم کی عادت اور ستم کا طریقہ انہیں رکھتا تھا

[۸] دل ایں ہمہ جفا کہ بخواری کشید از و
دل تمام جفاؤں کے ساتھ کہ جو اس نے اس کی جانب سے ذلت کیساتھ برداشت کیں
ہر جا کہ رفت ہیچکسش محترم نداشت
جس جگہ بھی گیا، کسی نے اس کی عزت نہ کی

[۱] جو وقت بھی ملجائے لطف و عیش سے گذار دینا چاہیے۔
[۲] بزمِ عشق میں راحت کم اور تکلیف زیادہ ہے۔
[۳] یعنی شمع نے چونکہ لاف زنی کی اسی لئے رات بھر کھڑی رہی۔
[۴] بادِ بہاری اسی کے عشق میں ماری ماری پھرتی ہے۔
[۵] سرو ترے قد کو دیکھ کر اس قدر شرمندہ ہے کہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔
[۶] دل کو حرم کا کبوتر قرار دیا ہے، حرم کے جانور کو مارنا سخت گناہ ہے۔
[۷] اپنی مظلومیت کا سبب مقدر کو قرار دیا ہے تاکہ محبوب کی بے گناہی ثابت ہو سکے
[۸] چونکہ محبوب نے دل کو ذلیل کیا اب سب اس کو ذلیل کرتے ہیں۔

ساقی بیار بادہ و با مدعی بگو
ساقی شراب لے آ، اور مدعی سے کہدے
انکارِ[1] ما مکن کہ چنیں جامِ جم نداشت
ہم پر نکیر نہ کر اس لئے کہ اس کے پاس ایسا جام جمشید نہیں ہے

ہر رہروے کہ رہ بحریمِ درش نبرد
ہر وہ سالک جس نے اس دروازے کے حریم کیجانب راستہ طے نہ کیا
مسکیں بُرید وادی و رہ در حرم نداشت
اس بیچارے نے جنگل طے کئے، اور حرم میں نہ پہونچا

خوش[2] وقت رندِ مست کہ دنیا و آخرت
وہ مست رند خوش وقت ہے جس نے دنیا اور آخرت کو
بر باد داد و ہیچ غم از بیش و کم نداشت
برباد کر دیا، اور کمی و بیشی کا غم نہ کیا

حافظ ببر تو گوئے فصاحت کہ مدعی
اے حافظ تو فصاحت کی بازی جیت لے اس لئے کہ مدعی
ہیچش ہنر نبود و خبر نیز ہم نداشت
کے پاس کوئی ہنر نہیں، اور اس کو کچھ خبر نہیں ہے

دیدمش دوش کہ سرمست و خراماں میرفت
میں نے اس کو کل دیکھا کہ مستی میں خراماں خراماں جا رہا تھا
جامِ مے بر کف و در مجلسِ رنداں میرفت
ہتھیلی پر شراب کا جام تھا اور رندوں کی مجلس میں جا رہا تھا

ہمچو جاں از برم آں سروِ خراماں میرفت
وہ خرام ناز سے چلنے والا سرو میری بغل سے جان کیطرح جا رہا تھا
متنفر شدہ از بندہ گریزاں میرفت
خادم سے، متنفر ہو کر بھاگا جا رہا تھا

چوں[3] ہمی گفتمش اے مونسِ دیرینہ من
جب میں نے اس سے کہا اے میرے پرانے غمخوار
سخت میگفت و دل آزردہ پریشاں میرفت
تو اس نے سختی سے جواب دیا اور پریشان دل ہو کر جا رہا تھا

نقشِ خوارزم[4] و خیالِ لبِ جیحوں می بست
خوارزم کا نقشہ اور جیحوں کے کنارے کا خیال باندھتا تھا
با ہزاراں گلہ از مُلکِ سلیماں میرفت
ہزاروں شکووں کے ساتھ سلیمان کے ملک سے جا رہا تھا

می شد آنکس کہ چو او جانِ سخن کس نشناخت
وہ شخص جا رہا تھا جس کی طرح بات کی روح کو کسی نے نہ پہچانا
من ہمیدیدم و از کالبدم جاں میرفت
میں یہ دیکھتا تھا اور میرے جسم سے جان جا رہی تھی

گفتم اکنوں سخنِ خوش کہ بگوید با ما
میں نے کہا اب پیاری پیاری باتیں ہم سے کون کہے گا؟
کآں[5] شکر لہجۂ خوشگوئے سخنداں میرفت
اس لئے کہ وہ شیریں لہجہ والا، خوش گو، سخنداں جا رہا تھا

لابہ بسیار نمودم کہ مرو سود نداشت
میں نے بہت خوشامد کی کہ نہ جا کوئی فائدہ نہ ہوا
زانکہ کار از نظرِ رحمتِ سلطاں میرفت
اس لیے کہ کام بادشاہ کی نظرِ رحمت سے گذرا جا رہا تھا

بادشاہا ز کرم از سرِ جرمش بگذر
اے بادشاہ کرم کر کے اس کی خطا معاف کر دے
چہ کند سوختہ از غایتِ حرماں میرفت
وہ سوختہ کیا کرے انتہائی ناکوسی سے جا رہا تھا

چوں بشد آں صنم از دیدۂ حافظ غائب
جب وہ صنم، حافظ کی آنکھ سے غائب ہوا
اشک ہموارہ ز رخسار بداماں میرفت
آنسو، برابر رخسار سے دامن کی طرف جا رہے تھے

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست
روزہ ختم ہوا اور عید آئی اور دلوں میں اٹھان پیدا ہوا
مے بمیخانہ بجوش آمد و میباید خواست
شراب شراب خانوں میں جوش میں آگئی اور مانگنی چاہیے

[1] چونکہ ہمارا پیالہ جام جم ہے لہذا ہم پر کائنات کے راز کھلتے ہیں جو مدعی پر نہیں کھلتے ہیں۔
[2] اصل توحید یہی ہے کہ محبوب کی خاطر دونوں عالم سے بے نیاز ہو جائے۔
[3] یعنی میں نے اس سے محبت کا اظہار کیا تو اور بگڑ گیا۔
[4] خوارزم ایک شہر کا نام ہے، جیحوں مشہور دریا ہے ملکِ سلیمان سے مراد شیراز ہے۔
[5] یعنی میرا محبوب ہی میرا سخن شناس تھا۔

نوبتِ زہد فروشانِ گراں جاں بگذشت
سخت جان زہد فروشوں کی باری گئی
وقتِ شادی و طرب کردنِ رنداں برخاست
رندوں کی خوشی، اور مستی کا وقت آگیا

چہ ملامت بود آں راکہ چوما بادہ خورد
جو ہماری طرح شراب پیے، اس کو کیا ملامت ہوسکتی ہے
ایں نہ عیب ست برِ عاشق رند و نہ خطاست
یہ بات عاشقِ رند پر نہ عیب ہے نہ اس کی غلطی ہے

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود
وہ شراب نوشی، جس میں کوئی ریاکاری نہ ہو
بہتر از زہد فروشی کہ درو رُو و ریاست
اس زہد نمائی سے بہتر ہے جس میں دکھاوا اور ریاکاری ہے

ما نہ مردانِ ریائیم و حریفانِ نفاق
ہم نہ ریاکار ہیں، نہ نفاق پسند
آنکہ او عالمِ سرست بدیں حال گواست
جو راز دل کو جانتا ہے، وہ اس حال پر گواہ ہے

فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نکنیم
ہم خدا کا فرض ادا کرتے ہیں، اور کسی کے ساتھ برائی نہیں کرتے
وآنچہ گویند روا نیست بگوئیم رواست
اور جس کو وہ ناجائز کہتے ہیں ہم جائز کہتے ہیں

چہ شود گر من و تو چند قدح بادہ خوریم
کیا ہو جائے گا اگر میں اور تو مل کر چند پیالے پی لیں گے
بادہ از خونِ رزانست نہ از خونِ شماست
شراب انگوروں کا خون ہے، تمہارا خون تو نہیں ہے

ایں نہ عیب ست کزیں عیب خلل خواہد بود
یہ کوئی ایسا عیب نہیں ہے، جس سے کوئی خرابی ہوگی
ور بود عیب چہ شد مردمِ بے عیب کجاست
اور اگر عیب بھی ہے تو کیا ہوا، بے عیب انسان کہاں ہیں

بادہ می نوش و میازار تو کس را حافظ
اے حافظ! تو شراب پی لے اور کسی کو نہ ستا
زانکہ آزردنِ مردم ہمگی عینِ خطاست
اس لئے کہ انسانوں کو ستانا ہی عین غلطی ہے

حافظ از عشق خط و خالِ تو سرگردان ست
حافظ، تیرے خط و خال کے عشق میں سرگرداں ہے
ہمچو پرکار و لے نقطۂ دل پا بر جاست
پرکار کی طرح، لیکن دل کا نقطہ ایک جگہ ہے

روضۂ خلدِ بریں خلوتِ درویشان است
درویشوں کی خلوت، خلد بریں کا باغیچہ ہے
مایۂ محتشمی خدمتِ درویشان است
درویشوں کی خدمت، عزت کا سرمایہ ہے

کنجِ عزلت کہ طلسماتِ عجائب دارد
گوشہ تنہائی، جو عجائبات کے طلسم رکھتا ہے
فتحِ آں در نظرِ ہمتِ درویشان است
اس کی کشادگی، درویشوں کی توجہ کی نظر میں ہے

قصرِ فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت
جنت کا وہ محل، جس کی دربانی کے لئے رضوان پہونچا
منظرے از چمنِ نزہتِ درویشان است
درویشوں کی سیر کے چمن کا، ایک منظر ہے

آنچہ زر میشود از پرتوِ آں قلبِ سیاہ
جس کے سایہ سے سیاہ دل ہونا بن جاتا ہے
کیمیائیست کہ در صحبتِ درویشان است
ایک ایسی کیمیا ہے، جو درویشوں کی صحبت میں ہے

وآنکہ پیشش بنہد تاجِ تکبر خورشید
جس کے سامنے سورج، تکبر کا تاج اتار پھینکے
کبریائیست کہ در حشمتِ درویشان است
وہ ایسی بڑائی ہے، جو درویشوں کی دولت میں ہے

دولتے راکہ نباشد غم از آسیبِ زوال
وہ دولت، جس کو زوال کے خطرہ کا غم نہ ہو
بے تکلف بشنو دولتِ درویشان است
بے تکلف سن لے وہ درویشوں کی دولت ہے

---

۱ رندوں کی عید آگئی، زاہد وں کا رمضان گذر گیا۔
۲ ہمارا ظاہر و باطن یکساں ہے لہٰذا ہم منافق نہیں ہیں۔
۳ ہم خدا کی اطاعت اور زاہدانِ خشک کی مخالفت کرتے ہیں۔
۴ حرام تو انسان کا خون پینا ہے نہ کہ انگور کا خون پینا۔
۵ اگرچہ حافظ آوارہ گرد ہے لیکن دل تجھ سے ہی وابستہ ہے۔
۶ فقرا کی خدمت سے بڑائی حاصل ہوتی ہے۔
۷ اولیاء اللہ کی توجہ سے رازہائے سربستہ کھلتے ہیں۔
۸ فقرا کی سیرگاہ ذات وصفات ہیں جو جنت سے اعلیٰ ہیں۔

خسرواں قبلۂ حاجاتِ جہانند ولے
بادشاہ، جہاں کے قبلۂ حاجات ہیں لیکن
سببش بندگیِ حضرتِ درویشان است
اس کا سبب درویشوں کے دربار کی غلامی ہے

روئے مقصود کہ شاہانِ جہاں می طلبند
جس مقصود کے چہرے کے دنیا کے بادشاہ طالب ہیں
مظہرش آئنۂ طلعتِ درویشان است
اس کا مظہر، درویشوں کے چہرے کا آئینہ ہے

اے توانگر مفروش ایں ہمہ نخوت کہ ترا
اے مالدار تکبر کی رونمائی نہ کر، اس لیے کہ تیری
سروری در کنفِ ہمتِ درویشان است
سرداری، درویشوں کی توجہ کے پہلو میں ہے

گنجِ قاروں کہ فرو میرود از قہر ہنوز
قارون کا خزانہ جواب تک قہر کی وجہ سے دھنس رہا ہے
خواندہ باشی تو کہ از غیرتِ درویشان است
تو نے پڑھا ہوگا کہ درویشوں کی غیرت کی وجہ سے ہے

بندۂ آصفِ عہدیم کہ در سلطنتش
ہم اس آصفِ زمانہ کا غلام ہیں، کہ جس کے دورِ حکومت میں
صورتِ خواجگی و سیرتِ درویشان است
خواجگی کی صورت اور درویشوں کی سیرت ہے

اے دل ار آبِ حیاتِ ابدی میطلبی
اے دل! اگر تو ہمیشگی کا آبِ حیات چاہتا ہے
منبعش خاکِ درِ خلوتِ درویشان است
تو اس کا چشمہ، درویشوں کی خلوت کے در کی خاک ہے

از کراں تا بکراں لشکرِ ظلمت اگر
اگر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ظلم کا لشکر ہے
از ازل تا بہ ابد فرصتِ درویشان است
تو ازل سے ابد تک، درویشوں کو فرصت حاصل ہے

حافظ اینجا بادب باش کہ سلطان و ملک
حافظ! اس جگہ ادب سے رہ اس لئے کہ بادشاہ اور فرشتے
ہمہ در بندگیِ حضرتِ درویشان است
سب کے سب درویشوں کے دربار کی غلامی میں ہیں

روزگاریست کہ سودائے بتاں دینِ من ست
ایک عرصہ گذرا کہ بتوں کا عشق میرا دین ہے
غمِ ایں کار نشاطِ دلِ غمگینِ من ست
اس کام کا غم، غمگیں دل کی خوشی ہے

دیدنِ روئے ترا دیدۂ جاں می باید
تیرا چہرہ دیکھنے کے لئے، جان کی آنکھ چاہیے
ویں کجا مرتبۂ چشمِ جہاں بینِ من ست
اور میری دنیا دیکھنے والی آنکھ کا یہ مرتبہ کہاں ہے؟

تا مرا عشقِ تو تعلیمِ سخن گفتن کرد
جب سے تیرے عشق نے، مجھے بات کرنی سکھائی ہے
خلق را وردِ زباں مدحت و تحسینِ من ست
میری تعریف، اور تحسین مخلوق کی وردِ زباں ہے

دولتِ فقر خدایا بمن ارزانی دار
اے خدا! مجھے فقر کی دولت عنایت فرما دے
کیں کرامت سببِ حشمت و تمکینِ من ست
اس لیے کہ یہ عزت میری دولت، اور وقار کا سبب ہے

واعظِ شحنہ شناس ایں عظمت گو مفروش
کوتوال کے واقف، واعظ سے کہدو کہ اس بڑائی پر غرور نہ کرے
زانکہ منزلگہِ سلطاں دلِ مسکینِ من ست
اس لیے کہ میرا مسکین دل بادشاہ کی منزل ہے

رسمِ عاشق کشی و شیوۂ شہر آشوبی
عاشق کو قتل کرنے کی رسم اور شہر کو فتنہ میں مبتلا کرنے کی عادت
کارِ آں شوخِ سیہ چردۂ شیرینِ من ست
میرے میٹھے، ملیح شوخ کا کارنامہ ہے

از کہ دریاگری آموخت خیالِ تو مگر
تیرے خیال نے دریاگری کس سے سیکھی ہے شاید
رہنمائیش شدہ ایں اشکِ چو پرویں من ست
میرے یہ آنسو جو پروین کی طرح ہیں اس کے رہنما بنے ہوں

۱ بادشاہ سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں لیکن ان کی دولت درویشوں کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

۲ مشہور ہے کہ قارون کا خزانہ حضرت موسیٰ کی بدعا سے آج تک دھنستا چلا جارہا ہے۔

۳ آصف ابن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر کا نام ہے لیکن یہاں عماد بن محمود مراد ہے

۴ انسان کو آبِ حیات درویشوں کی درگاہ سے ملتا ہے

۵ غم عشق ہی میرے دل کی خوشی ہے۔

۶ محبوب کا تصور مجھ میں آنسوؤں کے دریا پیدا کردیتا ہے، آنسوؤں کو گلستان سے تشبیہ دیجاتی ہے۔

یارب ایں کعبۂ مقصود زیارتگہ کیست
اے خدا! یہ کعبۂ مقصود کس کی زیارت گاہ ہے؟

کہ مغیلانِ طریقش گل و نسرینِ من ست
کہ اس کے راستہ کے کیکر میرے لئے گل و نسرین ہیں

یارِ ما باش کہ زیبِ فلک و زینتِ دہر
اے ہمارے محبوب، ٹھہر اسلئے کہ فلک کی زیب و زمانہ کی زینت

از مہِ روئے تو و از اشکِ چو پروینِ من ست
تیرے چہرے کے چاند اور میرے پروین جیسے آنسوؤں سے ہے

حافظ از حشمتِ پرویز دگر قصہ مخواں
اے حافظ! پرویز کے دبدبہ کے مزید قصے نہ بیان کر

کہ لبش جرعہ کشِ خسروِ شیرینِ من ست
اس لئے کہ اس کے ہونٹ میرے شیریں خسرو سے گھونٹ حاصل کرنے والے ہیں

روئے[1] تو کس ندید و ہزارت رقیب ہست
تیرا چہرہ کسی نے نہیں دیکھا اور تیرے ہزاروں رقیب ہیں

در غنچۂ ہنوز و صدت عندلیب ہست
تو ابھی غنچہ ہی میں ہے اور تیری سیکڑوں بلبلیں ہیں

گر آمدم بکوئے تو چنداں غریب نیست
اگر میں تیرے کوچہ میں آ گیا ہوں تو کوئی نادر بات نہیں ہے

چوں من دریں دیار ہزاراں غریب ہست
مجھ جیسے اس وطن میں، ہزاروں پردیسی ہیں

ہر[2] چند دورم از تو کہ دور از تو کس مباد
ہر چند کہ میں تجھ سے دور ہوں (خدا کرے تجھ سے کوئی دور نہ ہو)

لیکن امیدِ وصلِ توام عنقریب ہست
لیکن تیرے وصل کی امید مجھے قریب ہے

در عشق[3] خانقاہ و خرابات شرط نیست
عشق کے بارے میں خانقاہ اور شراب خانہ کی شرط نہیں ہے

ہر جا کہ ہست پرتوِ روئے حبیب ہست
جو بھی جگہ ہے وہاں معشوق کے چہرے کا پرتو ہے

آنجا[4] کہ کارِ صومعہ را جلوہ میدہند
جس جگہ عبادت خانہ کے کام کو رونق دیتے ہیں

ناقوس و دیر و راہب و نامِ صلیب ہست
ناقوس، اور بتخانہ، اور راہب، اور صلیب کا نام ہے

عاشق[5] کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
کون ہے جو عاشق ہوا ہو اور یار نے اس کے حال پر نظر نہ کی ہو؟

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست
ارے صاحب! درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب موجود ہے

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
یہ حافظ کی ساری فریاد آخر بکواس نہیں ہے

ہم قصۂ غریب و حدیثے عجیب ہست
نادر قصہ، اور ایک عجیب بات بھی ہے

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی نگاہ نہیں ہے جو تیرے چہرے کے پرتو سے روشن نہیں ہے

منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی بینائی نہیں ہے جس پر تیرے در کی خاک کا احسان نہیں ہے

ناظرِ روئے[6] تو صاحب نظرانند و لے
تیرے چہرے کے دیکھنے والے تو صاحب نظر ہی ہیں لیکن

سرِ گیسوئے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست
کوئی ایسا سر نہیں ہے جس میں تیرے گیسو کا خیال نہیں ہے

اشکِ[7] غمازِ من ار سرخ برآمد چہ عجب
اگر میرا چغلخور آنسو سرخ ہو کر نکلا ہے تو کیا تعجب ہے

خجل از کردۂ خود پردہ درے نیست کہ نیست
کوئی پردہ چاک کرنے والا ایسا نہیں ہے جو اپنے کار نادرست شرمندہ نہیں ہے

کمرِ کیں[8] بمنِ خستہ چہ بندی کہ زہر
مجھ خستہ پر کینہ کی کمر کیوں کستا ہے؟ اس لئے کہ محبت کا

بر میانِ دل و جانم کمرے نیست کہ نیست
کوئی پٹکا ایسا نہیں ہے جو میرے دل اور جان کی کمر میں بندھا ہوا نہیں ہے

---

[1] یعنی میرے محبوب کے سینکڑوں نادیدہ عاشق ہیں۔
[2] ظاہری دوری کے باوجود وصل کی توقع ہے۔
[3] عاشقِ حقیقی خانقاہ اور خرابات میں محبوب ہی کا جلوہ دیکھتا ہے۔
[4] یعنی یہ چیزیں تو برائے نام ہیں ورنہ حقیقتاً روئے حبیب جلوہ نما ہے۔
[5] اگر حقیقی عشق ہوتا ہے تو محبوب کی نظرِ کرم ہو ہی جاتی ہے
[6] یعنی مشاہدہ تو ہر شخص کو حاصل نہیں لیکن عشق سب میں موجود ہے۔
[7] میرے خونی آنسو میرے عشق کے چغلخور ہیں اس پردہ دری پر شرمندگی سے سرخ ہیں۔
[8] لہٰذا مجھ جیسے مجبورِ عشق پر ظلم مناسب نہیں ہے۔

تا بدامنؔ نہ نشیند زنسیمت گردے
تاکہ تیرے دامن پر نسیم کی وجہ سے کوئی گرد اڑ کر نہ آ بیٹھے

سیلِ اشک از نظرم بر گذرے نیست کہ نیست
کوئی راستہ ایسا نہیں ہے جس پر میری آنکھوں کا سیلِ اشک نہیں ہے

تا دم آزشامِ سرِ زلفِ تو ہر جا نزند
تیری زلف کی سیاہی کے عشق کا قصہ تاکہ ہر جگہ نہ پھیلا دے

باصبا گفت و شنیدم سحرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی صبح نہیں ہے جس میں صبا کے ساتھ میری گفت و شنید نہیں ہے

من ازیں طالعِ شوریدہ برنجم ورنہ
میں اس پریشان نصیبہ سے رنجیدہ ہوں ورنہ

بہرہ منداز سرِ کویت دگرے نیست کہ نیست
کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے، جو تیرے کوچے سے بہرہ مند نہیں ہے

از خیالِ لبِ نوشینِ تو اے چشمۂ نوش
اے چشمۂ حیات! تیرے شیریں ہونٹوں کے خیال سے

غرقِ آبِ عرق اکنوں شکرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی شکر نہیں ہے، جو پسینہ میں ڈوبی ہوئی نہیں ہے

آبِ چشمم کہ بر و منتِ خاکِ درِ تست
میرے آنسو جن پر تیرے در کی خاک کا احسان ہے

زیرِ صد منتِ او خاکِ درے نیست کہ نیست
کسی دروازے کی خاک ایسی نہیں ہے جس پر اُنکے سو احسان نہیں ہیں

از وجودم قدرے نام و نشاں نیست کہ ہست
میرے وجود کا صرف اس قدر نام و نشاں ہے، کہ وہ ہے

ورنہ از ضعف درآنجا اثرے نیست کہ نیست
ورنہ کمزوری کا کوئی ایسا اثر نہیں ہے جو اس میں نہیں ہے

شیر در بادیۂ عشقِ تو روباہ شود
تیرے عشق کے جنگل میں شیر بھی لومڑی بنجاتا ہے

آہ ازیں راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست
آہ! ایسے راستہ پر، کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے، جو اس میں نہیں ہے

نہ منِ دل شدہ از دستِ تو خونیں جگرم
میں تباہ دل ہی تیرے ہاتھ سے زخمی جگر نہیں ہوں

از غمِ عشقِ تو پر خوں جگرے نیست کہ نیست
کوئی ایسا جگر نہیں ہے، جو تیرے عشق کے غم سے زخمی نہیں ہے

از سرِ کوئے تو رفتن نتوانم گامے
میں ایک قدم بھی تیرے کوچے سے نہیں جا سکتا ہوں

ورنہ اندر دلِ بیدل سفرے نیست کہ نیست
ورنہ بے دل کے دل میں کوئی ایسا سفر نہیں ہے، جو نہیں ہے

تو خود اے شعلۂ رخشندہ چہ داری در سر
اے روشن شعلے خود تیرے سر میں کیا خیال ہے؟

کہ کباب از حرکاتت جگرے نیست کہ نیست
کوئی ایسا جگر نہیں ہے، جو تیری حرکات سے کباب نہیں ہے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
مصلحت نہیں ہے، کہ راز پردے سے باہر آئے

ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست
ورنہ ایسی خبر کوئی نہیں ہے، جو رندوں کی مجلس میں نہیں ہے

نازکاں را سفرِ عشق حرامست حرام
نازکوں کے لئے عشق کا سفر یقیناً حرام ہے

کہ بہر گام دریں رہ خطرے نیست کہ نیست
اس لئے کہ ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے جو اس راستہ میں ہر قدم پر نہیں ہے

بجز ایں نکتہ کہ حافظ ز تو ناخوشنودست
اس نکتہ کے علاوہ کہ حافظ تجھ سے ناراض ہے

در سراپائے وجودت ہنرے نیست کہ نیست
ایسا کوئی ہنر نہیں ہے، جو تیرے پورے وجود میں نہیں ہے

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست
تیرا آشیانہ، میری آنکھ کے منظر کا سائبان ہے

کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست
کرم فرما! اور نیچے آجا کہ گھر تیرا ہی گھر ہے

بلطفِ خال و خط از عارفاں ربودی دل
تل اور خط کی پاکیزگی کی وجہ سے تو عارفوں کا دل اچک لے گیا

لطیفہائے عجب زیرِ دام و دانۂ تست
تیرے دانہ، اور جال کے نیچے عجب لطیفے ہیں

---

۱ تاکہ تیرا دامن غبار آلود نہو میں ہر راستہ پر آنسوؤں سے چھڑکاؤ کرتا ہوں۔
۲ نسیم سے میں ہر صبح کو لڑتا ہوں تاکہ وہ تیرے عشق کا چرچا نہ کرے۔
۳ میرے سوا سب تجھ سے فیض یاب ہیں
۴ جو تیرے لبوں میں شیرینی ہے اُسکے آگے شکر بھی شرمندہ ہے۔
۵ راہِ عشق میں دنیا بھر کے خطرات ہیں۔
۶ ہزاروں سفر درپیش ہیں لیکن تیرے کوچے ایک قدم نہیں اٹھا سکتا ہوں۔
۷ رند مرتبۂ راز سے واقف ہیں لیکن بیان کرنا مصلحت کے منافی سمجھتے ہیں۔
۸ میری نگاہیں تیرے آشیانہ پر جمی ہیں۔
۹ خط کو جال اور تل کو دانہ قرار دیا ہے۔

دلت بوصلِ گُل اے بُلبلِ چمن خوش باد
اے چمن کی بُلبل! پھول کے وصل سے تیرا دل خوش رہے

کہ در چمن ہمہ گلبانگِ عاشقانۂ تست
اس لیے کہ چمن میں سب تیری ہی عاشقانہ صدائیں ہیں

علاجِ ضعفِ دلِ ما بلب حوالت کن
ہمارے دل کی کمزوری کا علاج اپنے ہونٹوں کے حوالے کر دے

کہ آں مُفرحِ یاقوت در خزانۂ تست
اس لئے کہ تیرے خزانہ میں یہ مفرح یاقوتی ہے

بہ تن مُقصّرم از دولتِ ملازمتت
میں ہم نشینی کی دولت سے جسمانی طور پر کوتاہ ہوں

ولے خلاصۂ جاں خاکِ آستانۂ تست
لیکن جان کا خلاصہ تیری چوکھٹ کی خاک ہے

چہ جائے من کہ بلرزد سپہرِ شعبدہ باز
میں کیا ہوں، شعبدہ باز آسمان بھی لرزتا ہے؟

ازیں حیل کہ در انبانۂ بہانۂ تست
ان حیلوں سے جو تیرے بہانہ کی تھیلی میں ہیں

من آں نیم کہ دہم نقدِ دل بہر شوخے
میں وہ نہیں ہوں جو ہر شوخ کو دل کا نذرانہ دیدے

درِ خزانہ بمہرِ تو و نشانۂ تست
خزانے کے دروازے پر تیری مہر اور نشان ہے

توخود چہ لعبتی اے شہسوارِ شیریں کار
اے میٹھے کارناموں والے شہسوار! تو خود کیا گڑیا ہے؟

کہ توسنے چو فلک رامِ تازیانۂ تست
کہ آسماں جیسا سرکش گھوڑا تیرے کوڑے کے تابع ہے

سرودِ مجلست اکنوں فلک برقص آرد
اب تیری مجلس کا گانا آسمان کو وجد میں لا رہا ہے

کہ شعرِ حافظِ شیریں سخن ترانۂ تست
اس لیے کہ شیریں سخن، حافظ کا شعر تیرا گانا ہے

رسیدہ ام بمقامے کہ لامکاں آنجاست
میں اس مقام پر پہونچ گیا ہوں، جہاں لامکاں ہے

نہ نامِ روئے زمین و نہ آسماں آنجاست
اس جگہ نہ زمین کا نام ہے، نہ آسمان ہے

دو دیدہ باز مکن در رُوش و لب مکشا
اس کے چہرے پر دونوں آنکھیں نہ کھول، دونوں ہونٹ نہ کھول

نہ تابِ دیدن و نے طاقتِ بیاں آنجاست
اُس جگہ نہ دیکھنے کی طاقت ہے، نہ بیان کرنے کی طاقت

بوادیے کہ گذشتم نہ جائے چون و چرا ست
جس وادی سے میں گذرا، چوں وچرا کی جگہ نہیں ہے

نہ صورت ست و نہ شکل و نہ جسم و جاں آنجاست
وہاں نہ صورت ہے نہ شکل، نہ جسم ہے اور نہ جان

چرا تو عاشقِ آں گل نمی شوی بُلبل
اے بُلبل! تو اس پھول کی عاشق کیوں نہیں ہوتی ہے؟

کہ نے بہار کند گاہ و نے خزاں آنجاست
جو ایسا نہیں ہے کہ کبھی بہار پر آتا ہو اور نہ وہاں خزاں ہے

وبالِ کشتنِ فرہاد بر سرش زآنست
اس کے سر پر فرہاد کو مار ڈالنے کا اس لیے وبال ہے

کہ در مقامِ تعشق نہ امتحاں آنجاست
کہ مقامِ تعشق میں یہاں تک کا امتحان نہیں ہے

خطا ست کلمۂ منصور در رہِ وحدت
وحدت کے راستہ میں منصور کا کلمہ غلطی ہے

چہ گونہ صوتِ لب و جنبشِ زباں آنجاست
ہونٹ کی آواز اور زبان کی جنبش وہاں کس طرح ہو سکتی ہے؟

بگردِ خانۂ محبوب خود مرو حافظ
اے حافظ اپنے محبوب کے گھر کے گرد نہ جا

کہ نیم شب شد و بیدار پاسباں آنجاست
اس لئے کہ آدھی رات ہوگئی ہے اور وہاں چوکیدار بیدار ہے

۱۔ مفرح یاقوتی ایک مرکب دوا ہے جو ضعفِ قلب کے لئے مفید ہے
۲۔ تیرے پاس ایسے حیلے بہانے ہیں جن سے آسمان بھی لرزتا ہے۔
۳۔ محبوب کی زمین و آسمان پر حکومت ہے۔
۴۔ یعنی گل سدا بہار ہے ایسا نہیں ہے کہ جو کبھی کبھی بہار پر آتا ہو۔
۵۔ عاشق کا امتحان تو لیا جاتا ہے لیکن جان نہیں لی جاتی ہے۔
۶۔ جبکہ منصور کی آواز تھی اور جنبشِ زبان بھی تو ان کا انا الحق کہنا غلط تھا۔

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
ظاہر پرست زاہد ہمارے حال سے واقف نہیں ہے
در حقِ ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست
ہمارے بارے میں جو کچھ بھی کہے، ناخوشی کا موقع نہیں ہے

در طریقت ہر چہ پیشِ سالک آید خیرِ اوست
طریقت میں سالک کو جو بھی پیش آئے، وہ بہتر ہی ہے
در صراطِ المستقیم اے دل کسے گمراہ نیست
اے دل، سیدھے راستے پر کوئی گمراہ نہیں ہے

تا چہ بازی رُخ نماید بیدقے خواہیم راند
دیکھئے بازی کیا رُخ دکھائے، ہم پیادہ بڑھاتے رہینگے
عرصۂ شطرنجِ رنداں را مجالِ شاہ نیست
رندوں کی شطرنج کے میدان میں شاہ کی گنجائش نہیں ہے

اینچہ استغناست یارب وینچہ قادر حاکم ست
اے خدا، کیسی بے نیازی ہے، اور یہ کیا منصف حاکم ہے
کایں ہمہ زخمِ نہان ست و مجالِ آہ نیست
کہ یہ سب چھپے زخم ہیں اور آہ کرنے کی مجال نہیں ہے

چیست ایں سقفِ بلندِ سادۂ بسیار نقش
یہ سادہ، بہت نقشین، بلند چھت کیا ہے
زیں معمّا ہیچ دانا در جہاں آگاہ نیست
دنیا میں کوئی عقلمند اس معمّہ سے واقف نہیں ہے

صاحبِ دیوانِ ما گوئیا نمیداند حساب
ہمارا حاکم، گویا، حساب ہی نہیں جانتا ہے
کاندریں طغرا نشانِ حسبۃً للہ نیست
اس لیے کہ اس فرمان میں حسبۃً للہ کی مدہی نہیں ہے

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
جو چاہے اس کو کہو آجا، جو چاہے اس کو کہہ دو جا
گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست
اس دربار میں گیر و دار اور ڈیوڑھی بان اور دربان نہیں ہے

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز بے اندامِ ماست
جو کچھ ہے وہ ہمارے ناموافق غیر مناسب قد کی وجہ سے ہے
ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست
ورنہ تیرا خلعت کسی کے قد پر چھوٹی نہیں ہے

بر درِ میخانہ رفتن کارِ یکرنگاں بود
میخانہ کے دروازے پر جانا، مخلصوں کا کام ہے
خود فروشاں را بکوئے میفروشاں راہ نیست
متکبروں کے لیے مے فروشوں کے کوچہ میں راستہ نہیں ہے

بندۂ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم ست
میں ایسے خراباتی پیر کا غلام ہوں جس کی مہربانی دائمی ہے
ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست
ورنہ زاہد اور شیخ کی مہربانی کبھی ہے کبھی نہیں ہے

حافظ ار بر صدر ننشیند ز عالی ہمتی ست
حافظ اگر صدر جگہ پر نہیں بیٹھتا ہے، عالی ہمتی کی وجہ سے ہے
عاشقِ دُردی کش اندر بندِ مال و جاہ نیست
تلچھٹ پینے والا عاشق مال اور مرتبہ کی قید میں نہیں ہے

زلفت ہزار دل بیکے تارِ مو بہ بست
تیری زلف نے ہزاروں دل ایک بال کے تارے باندھ دیئے
راہِ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست
ہزاروں چارہ گروں کا چاروں طرف سے راستہ روک دیا

تا عاشقاں ببوئے نسیمش دہند جاں
تاکہ عاشق اُس کی نسیم کی خوشبو پر، جان دیدیں
بکشود نافہ و درِ ہر آرزو بہ بست
اس نے نافہ کھولدیا، اور ہر آرزو کا دروازہ بند کردیا

شیدا از آں شدم کہ نگارم چو ماہِ نو
میں تو اس پر دیوانہ بن گیا کہ میرے محبوب نے پہلی رات کے چاند جیسی
ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رُو بہ بست
ابرو دکھایا، اور جلوہ گری کی، اور منہ چھپالیا

ساقی بچند رنگ مے اندر پیالہ ریخت
ساقی نے چند رنگ کی شراب پیالے میں ڈالی
ایں نقشہا نگر کہ چہ خوش در کدو بہ بست
ان نقشوں کو دیکھو، کدو میں کس قدر حسین بنائے ہیں

۱ جبکہ وہ حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہے تو کچھ بھی کہے اس پر کیا شکوہ ہے۔
۲ بیذق شطرنج کی ایک زد کا نام ہے جس کو پیادہ بھی کہتے ہیں یہاں مراد وجود ہے۔
۳ عالم کی حقیقت سے سب ناواقف ہیں۔
۴ حساب میں حسبۃً للہ کی مدد غرباء اور فقراء کے لئے ہوتی ہے۔
۵ محبوب ہر شے سے بے نیاز ہے۔
۶ میں ایسے پیر کا مرید ہوں جس کا فیض ہر وقت ہے۔
۷ محبوب کی زلف کے ہر بال میں ہزاروں دل پھنسے ہوئے ہیں۔
۸ نسیم کے ذریعہ خوشبو سنگھادی اور پھر تمنا پوری کرنے کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑا۔
۹ محبوب کا جھکاؤ اور بچاؤ عاشق کے لئے مزید کشش کا سبب ہوتا ہے۔

یاربؑ چہ سحر کرد صراحی کہ خونِ خم
اے خدا صراحی نے کیا جادو کیا ہے کہ مٹکے کے خون کو

با نغمہائے قُلقلش اندر گلو ببست
اپنے قُلقل کے نغموں کے ساتھ گلے میں بند کر دیا

دانا چو دید بازیِ ایں چرخ حقہ باز
عقلمند انسان نے جب اس بازی گر آسمان کی بازی دیکھی

ہنگامہ باز چید و درِ گفتگو ببست
ہنگامہ ختم کر دیا، اور بات چیت کا دروازہ بند کر دیا

مُطربؑ چہ نغمہ ساخت کہ در پردۂ سماع
مُطرب نے کیسا نغمہ شروع کیا کہ سماع کے پردے میں

براہلِ وجد و حال درِ ہائے وہو ببست
وجد اور حال والوں میں ہائے وہو کا دروازہ بند کر دیا

گفتم کہ حسنِ چہرۂ او را صفت کنم
میں نے کہا تھا کہ اس کے چہرے کے حسن کی خوبی بیان کروں

او روئے خود نمود و درِ گفتگو ببست
اس نے اپنا چہرہ دکھا دیا اور بات کا دروازہ بند کر دیا

حافظ ہر آنکہ عشق نورزید و وصل خواست
اے حافظ جس نے عشق اختیار نہ کیا اور وصل چاہا

احرامِ طوفِ کعبۂ دل بے وضو ببست
اس نے دِل کے کعبہ کے طواف کا احرام بے وضو باندھا

زلف آشفتہ و خوی کردہ و خنداں لب و مست
زلفیں بکھرے، پسینہ میں تر، مسکراتے ہونٹ اور مست

پیرہن چاک و غزلخواں و صراحی در دست
گریباں کھلا ہوا اور غزل پڑھتے ہوئے اور ہاتھ میں صراحی لئے

نرگسش عربدہ جوی و لبش افسوس کناں
اس کی آنکھیں جنگجو اور اس کے ہونٹ افسوس کرتے ہوئے

نیم شب مست ببالینِ من آمد بنشست
آدھی رات کو مستی میں میرے سرہانے آ بیٹھا

سر فراگوشِ من آورد و بہ آوازِ حزیں
سر کو میرے کانوں کے پاس لایا اور رنجیدہ آواز سے

گفتؑ کاے عاشقِ شوریدۂ من خوابت ہست
بولا، اے میرے مجنوں عاشق! تو سویا ہے

عاشقےؑ را کہ چنیں بادۂ شبگیر دہند
جس عاشق کو اس طرح کی ساری رات مست کر دینے والی شراب پلائیں

کافرِ عشق بود گر نبود بادہ پرست
وہ عشق کا کافر ہوگا اگر بادہ پرست نہ ہو

برو اے زاہد و بر دُردکشاں خردہ مگیر
اے زاہد! جا، اور تلچھٹ پینے والوں پر عیب نہ لگا

کہ ندادند جز ایں تحفہ بما روزِ الست
اس لئے کہ ازل میں اس تحفہ کے سوا ہمیں کچھ نہیں دیا ہے

آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدیم
جو اس نے ہمارے پیمانے میں بھرا وہ ہم نے پیا

اگر از خمرِ بہشت ست و گر از بادۂ مست
خواہ بہشت کی شراب ہو، یا مست شراب

خندۂ جامِ مے و زلفِ گرہگیرِ نگار
شراب کے پیالہ کی ہنسی اور معشوق کی پُرشکن زلف نے

اے بسا توبہ کہ چوں توبۂ حافظ بشکست
حافظ کی توبہ جیسی بہت سی توبائیں توڑ ڈالی ہیں

زگریہ مردمِ چشمم نشستہ در خون ست
میری آنکھ کی پتلیاں رونے کی وجہ سے خون میں ڈوبی ہیں

ببیں کہ در طلبت حالِ مردماں چون ست
دیکھ، تیری طلب میں انسانوں کا کیا حال ہے

بیادِ لعلِ لبؑ و چشمِ مستِ میگونت
تیرے لب کے لعل، اور شراب جیسی مست آنکھ کی یاد میں

زجامِ غم مے لعلے کہ میخورم خون ست
غم کے جام سے جو لعل جیسی شراب پی رہا ہوں خون ہے

---

۱ عاشق آشنائے راز ہوتا ہے، لیکن پھر دم بخود ہوتا ہے۔
۲ مُطرب نے ایسا نغمہ چھیڑ دیا کہ سب دم بخود ہو گئے۔
۳ محبوب کا چہرہ دیکھنے کے بعد تعریف کرنا امکان سے باہر ہو گیا۔
۴ بلا درد عشق و وصال کی تمنا لاحاصل کام ہے۔
۵ یعنی معشوق نے اس حالت میں آ کر آدھی رات میں مجھ سے یہ کہا۔
۶ جس عاشق کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہو اگر وہ بادہ پرست نہیں ہے تو کافر ہے۔
۷ تیری یاد میں خون کے گھونٹ پی رہا ہوں۔

زمشرقِ سرِ کوئی آفتابِ طلعتِ تو
تیرے چہرہ کا آفتاب، کوچہ کی مشرق سے
اگر طلوع کند طالعم ہمایون ست
اگر طلوع کرآئے، تو میرا مبارک نصیب ہے

حکایتِ لبِ شیریں کلامِ فرہاد ست
لبِ شیریں کا قصہ، فرہاد کی بات ہے
شکنجِ طرّۂ لیلیٰ مقامِ مجنون ست
لیلیٰ کی زلف کا پیچ، مجنوں کا مقام ہے

دلم بجوکہ قدت ہمچو سروِ دلجوی ست
میری دلجوئی کرو، کیونکہ تیرا قد دلجو سرو کی طرح ہے
سخن بگوکہ کلامت لطیف و موزون ست
بات کرو، کیونکہ تیری بات موزوں اور پاکیزہ ہے

زدورِ بادہ بجاں راحتے رساں ساقی
اے ساقی! شراب کے دور سے جان کو راحت پہونچا
کہ رنجِ خاطرم از جورِ دورِ گردون ست
اس لئے کہ آسمان کی گردش کے ظلم سے مری طبیعت رنجیدہ ہے

ازآں زماں کہ زدستم برفت یارِ عزیز
اس وقت سے جب کہ پیارا دوست میرے ہاتھ سے گیا ہے
کنارِ دیدۂ من ہمچو رودِ جیحون ست
میری آنکھ کا گوشہ، جیحون دریا کی طرح ہے

چگونہ شاد شود اندرونِ غمگینم
میرا رنجیدہ باطن، کس طرح خوش ہو
باختیار کہ از اختیار بیرون ست
اس اختیار سے، جو اختیار سے باہر ہے

زبیخودی طلبِ یار میکند حافظ
حافظ، بیخودی سے یار کی طلب کرتا ہے
چو مُفلسے کہ طلبگارِ گنجِ قارون ست
اس مُفلس کی طرح، جو قارون کے خزانہ کا طالب ہے

زآں یارِ دلنوازم شکریست باشکایت
مجھے اس دلنواز دوست سے شکریہ کے ساتھ شکایت ہے
گر نکتہ دانِ عشقی خوش بشنو ایں حکایت
اگر تو عشق کا نکتہ داں ہے تو اس قصہ کو اچھی طرح سن لے

بے مُزد بود و منّت ہر خدمتے کہ کردیم
میں نے جو خدمت کی وہ بدوں مزدوری اور احسان کے تھی
یارب مباد کس را مخدومِ بے عنایت
اے خدا! کسی کا مخدوم بے عنایت نہ ہو

رندانِ تشنہ لب را آبے نمیدہد کس
پیاسے ہونٹوں والے رندوں کو کوئی پانی نہیں دیتا ہے
گویا ولی شناساں رفتند ازیں ولایت
گویا اس دنیا سے ولی کو پہچاننے والے چلے گئے

در زلفِ چوں کمندش اے دل مپیچ کانجا
اے دل! اس کی کمند جیسی زلف میں نہ لپٹ اس لئے کہ اس جگہ
سرہا بریدہ بینی بے جرم و بے جنایت
بدوں کسی جرم اور خطا کے تو بہت سے سر کٹے ہوئے دیکھے گا

ایں راہ را نہایت صورت کجا تواں بست
اس راستہ کی انتہا کی کیا صورت ہوسکتی ہے
کش صد ہزار منزل بیش ست در بدایت
اس لئے کہ اس کے شروع میں لاکھوں منزلیں درپیش ہیں

چشمت بغمزہ ما را خوں خورد و می پسندی
تیری نگاہوں نے ناز و انداز سے ہمارا خون پی لیا اور یہ تجھے پسند ہے
جاناں روا نباشد خوں ریز را حمایت
اے پیارے! خوں ریز کی حمایت جائز نہیں ہوتی ہے

ہر چند بُردی آبم رُو از درت نتابم
ہر چند کہ تو نے مری آبرو ختم کر دی لیکن تیرے در سے منہ نہ موڑونگا
جور از حبیب خوشتر کز مدّعی رعایت
رقیب کی رعایت سے، دوست کا ظلم بہتر ہے

اے آفتابِ خوباں میسوزد اندرونم
اے حسینوں کے آفتاب! میرا باطن بھڑک رہا ہے
یکساعتم بگنجاں در سایۂ عنایت
گھڑی بھر کے لئے مہربانی کے سایہ میں پناہ دیدے

---

۱ عشق کے اعلیٰ مقام پر پہونچکر معشوق کا مستحق بنا جاسکتا ہے
۲ غمِ عشق کو شراب کی مستی کے ذریعہ آسان کیا جاسکتا ہے۔
۳ یعنی جب سے فراق میں مبتلا ہوا ہوں برابر رو رہا ہوں۔
۴ عاشقِ مہجور کا خوش ہونا اختیار سے باہر ہے
۵ میں محبوب کا شکر گذار بھی ہوں اور شاکی بھی ہوں۔
۶ میری ہر خدمت گذاری بدون کسی لالچ کے ہے لیکن مخدوم کو تو پھر بھی مہربانی کرنی چاہیے۔
۷ ہم تشنہ لب رند ، ولی ہیں۔
۸ راہِ عشق میں ہزاروں منزلیں طے کرنیکے بعد بھی ابتدائے راہ ہوتی ہے۔
۹ دوست کا ظلم دشمن کے کرم سے بہتر ہے۔

در ایں شبِ سیاہم گم گشتہ راہِ مقصود — از گوشہ بروں[1] آ اے کوکبِ ہدایت
اس اندھیری رات میں میری راہِ مقصود گم ہو گئی ہے — اے ہدایت کے ستارے، گوشے سے باہر نکل آ

از ہر طرف کہ رفتم جز وحشتم نیفزود — زنہار ازیں بیاباں ویں راہِ بے نہایت
میں جس طرف بھی گیا میری وحشت کے سوا کچھ نہ بڑھا — اس جنگل، اور اس بے انتہا راستے سے خدا کی پناہ

عشقت رسد بفریاد[2] گر خود بسانِ حافظ
عشق تیری فریاد کو پہونچے گا، اگر تو حافظ کی طرح

قرآن ز بر بخوانی با چاردہ روایت
چودہ قرأت کے ساتھ قرآن حفظ پڑھے گا

سرِ ارادتِ[3] ما و آستانِ حضرتِ دوست — کہ ہر چہ بر سرِ ما میرود ارادتِ اوست
دوست کے دربار کی چوکھٹ ہے، اور ہمارا عقیدتمند سر — اس لیے کہ جو کچھ ہمارے سر پر بیت رہی ہے، اسی کے ارادے ہے

نظیرِ دوست ندیدم[4] اگرچہ از مہ و مہر — نہادم آئنہ ہا در مقابلِ رخِ دوست
میں نے دوست کی مانند نہ دیکھا، اگرچہ چاند اور سورج کا آئینہ میں نے دوست کے رخ کے بالمقابل رکھا

نثارِ روئے تو ہر برگِ گل کہ در چمن ست — فدائے قدِ تو ہر سروبن کہ بر لبِ جوست
ہر پھول کی پتی جو بھی چمن میں ہے تیرے چہرے پر نثار ہے — جو بھی نہر کے کنارے سرو ہے، وہ تیرے قد پر قربان ہے

مگر تو شانہ زدی زلفِ عنبر افشاں را — کہ باد[5] غالیہ سا گشت و خاک عنبر بوست
شاید تو نے عنبر چھڑکنے والی زلف میں کنگھی کی ہے — اس لیے کہ ہوا غالیہ گھسنے والی اور خاک عنبر کی سی خوشبو کی ہو گئی ہے

رخِ تو در نظر آمد مراد خواہم یافت — چرا کہ حالِ نکو در قفائے فالِ نکوست
تیرا چہرہ نظر آیا ہے، مراد بھی حاصل کر لوں گا — اس لیے کہ اچھی فال کے بعد اچھی حالت ہوتی ہے

صبا ز حالِ دلِ تنگِ ما چہ شرح دہد — کہ چوں شکنجِ ورقہائے غنچہ تو بر توست
ہمارے تنگ دل کی حالت کی صبا کیا شرح کرے — جو غنچہ کی پتیوں کی شکنوں کی طرح تہ بہ تہ ہے

نہ من[6] سبو کش ایں دیرِ زہد سوزم و بس — بسا سرا کہ دریں آستانہ سنگ و سبوست
اس زہد کے جلانیوالے میخانہ کا میں ہی خدمت گذار نہیں ہوں — بہت سے سر ہیں جو اس آستانہ پر سنگ و سبو بنے ہیں

زبانِ[7] ناطقہ در وصفِ حسنِ او لال ست — چہ جائے کلکِ بریدہ زبانِ بیہدہ گوست
اس کے حسن کے بیان میں ناطقہ کی زبان گنگ ہے — زبان کٹے بیہودہ گو قلم کے لئے کیا موقع ہے

نہ ایں[8] زماں دلِ حافظ در آتشِ طلب ست
صرف اس زمانہ میں ہی حافظ کا دل طلب کی آگ میں نہیں ہے

کہ داغدارِ ازل ہمچو لالہ خودروست
وہ تو خودرو لالہ کی طرح، ازل سے داغدار ہے

سینہ ام ز آتشِ دل در غمِ جانانہ بسوخت — آتشے بود دریں خانہ کہ کاشانہ بسوخت
معشوق کے غم میں دل کی آگ سے میرا سینہ جل گیا — اس گھر میں ایسی آگ تھی جس نے پورا گھر جلا دیا

تنم از واسطۂ دوریِ دلبر بگداخت — جانم از آتشِ ہجرِ رخِ جانانہ بسوخت
دلبر کی دوری کی وجہ سے، میرا جسم گھل گیا — محبوب کے رخ کے فراق کی آگ سے میری جان جل گئی

[1] تاکہ میں راستہ دیکھ سکوں۔
[2] اگر حافظ کی طرح تو بھی چودہ قراءتوں کا ماہر ہو جائے گا تو عشق خود تیری مدد کرے گا۔
[3] یعنی ہمیں مقامِ رضا حاصل ہے۔
[4] آئینہ میں بھی دوست کی نظیر نہ پیدا ہوئی۔
[5] ہوا اور خاک تیری زلفوں سے خوشبودار بنی ہیں۔
[6] اس شراب خانے مجھ جیسے سینکڑوں مست ہیں۔
[7] اس کا حسن احاطۂ تحریر و بیان سے باہر ہے۔
[8] یعنی دل کی آگ سے پورا جسم جل گیا ہے۔

ہر کہ زنجیر سر زلفِ پری روئے تو دید
جس نے تیرے پری جیسے چہرہ کی زلف کی زنجیر کو دیکھ لیا

شد پریشان و دلش بر منِ دیوانہ بسوخت
وہ پریشان ہوگیا، اور اس کا دل، مجھ دیوانہ پر جلا

سوزِ دل بیں کہ زبس آتشِ اشکم دلِ شمع
دل کی گرمی کو دیکھ، کہ میرے آنسوؤں کی گرمی نے شمع کے دل کو

دوش بر من ز سرِ مہر چو پروانہ بسوخت
شب گذشتہ، مجھ پر مہربانی سے پروانہ کی طرح جلادیا

چوں پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست
جو توبہ میں نے کی اس سے میرا دل پیالہ کی طرح شکستہ ہوگیا

چوں صراحی جگرم بے مے و پیمانہ بسوخت
میرا جگر شراب اور پیمانہ کے بدوں صراحی کی طرح جل گیا

ماجرا کم کن و باز آ کہ مرا مردمِ چشم
گفتگو کم کر، اور واپس آجا اس لئے کہ میری آنکھوں کی پتلی نے

خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت
خرقہ سر سے اتار دیا ہے اور شکرانہ میں جلادیا ہے

آشنائے نہ غریب ست کہ دلسوزِ من ست
وہ آشنا اجنبی نہیں ہے جو میرا دل جلانے والا ہے

چوں من از خویش برفتم دلِ بیگانہ بسوخت
جب میں اپنے سے گیا، تو غیر کا بھی دل جل گیا

خرقۂ زہدِ مرا آبِ خرابات ببرد
میرے زہد کی گدڑی کو، شراب خانہ کا پانی بہالے گیا

خانۂ عقلِ مرا آتشِ خمخانہ بسوخت
میری عقل کے خانہ کو، شراب خانہ کی آگ نے جلادیا

ترکِ افسانہ بگو حافظ و مے نوش دمے
اے حافظ! افسانہ گوئی چھوڑ، اور تھوڑی دیر شراب پی

کہ نخفتیم شب و شمع بافسانہ بسوخت
اس لئے کہ ہم تمام شب نہ سوئے اور شمع افسانہ میں جل گئی

ساقیا آمدنِ عید مبارک بادت
اے ساقی! عید کی آمد تجھے مبارک ہو

واں مواعید کہ کردی نرود از یادت
اور جو وعدے تو نے کیے ہیں تیرے ذہن سے نہ نکلیں

در شگفتم کہ دریں مدتِ ایامِ فراق
میں تعجب میں ہوں کہ فراق کے اس زمانہ کی مدت میں

برگرفتی ز حریفاں دل و دل میدادت
تو نے دوستوں سے دل ہٹالیا اور تیرے دل کو گوارا ہوا

برساں بندگیِ دخترِ رز گو بدر آی
انگور کی بیٹی کا سلام پہونچادے اور کہدے باہر آجا

کہ دم ہمتِ ما کرد ز قید آزادت
اس لیے کہ ہماری توجہ کی پھونک نے تجھے قید سے آزاد کیا ہے

شادیِ مجلسیاں در قدم و مقدمِ تست
مجلس والوں کی خوشی تیرے قدم اور تشریف آوری میں ہے

جائے غم باد ہر آں دل کہ نخواہد شادت
خدا کرے وہ دل، غم کی جگہ بنے جو تیری خوشی نہ چاہے

چشمِ بد دور کزیں تفرقہ خوش باز آورد
چشم بد دور کہ اس تفرقہ سے تجھے اچھا واپس لے آیا

طالعِ نامور و دولتِ مادر زادت
نامور نصیبہ، اور تیری مادر زاد دولت

شکر ایزد کہ ازیں بادِ خزاں رخنہ نیافت
خدا کا شکر ہے کہ اس خزاں کی ہوا سے خراب نہ ہوا

بوستانِ سمن و سرو و گل و شمشادت
تیرے سرو گل، شمشاد اور سمن کا باغ

حافظ از دست مدہ صحبتِ آں کشتیِ نوح
اے حافظ! اس کشتی نوح کی صحبت نہ چھوڑ

ورنہ طوفانِ حوادث ببرد بنیادت
ورنہ حوادث کے طوفان، تیری جڑ اکھاڑ دیں گے

---

۱ جس نے تیری زلفیں دیکھ لیں وہ پریشان ہوگیا اور مجھ دیوانہ پر اس کا دل کڑھنے لگا۔

۲ شمع کا گداز میرے دل کی گرمی کی وجہ سے ہے۔

۳ عشق کے معاملہ میں میری آنکھ میں حیا نہیں ہے لہٰذا نصیحت بے سود ہے۔

۴ عشق کے معاملہ میں جو ہمدرد ہے وہ بیگانہ نہیں ہے میرا عشق تو اس درجہ پر ہے کہ بیگانے بھی رحم کھانے لگے ہیں۔

۵ اب نہ میں زاہد ہوں نہ صاحب عقل۔

۶ وہ وعدے جو عید کے دن گلے ملنے کے کیے تھے۔

۷ ایام فراق میں معشوق کا دل عاشق کو تڑپانے پر کیسے راضی ہوا۔

۸ یعنی معشوق سے شراب کا سلام کہدو تاکہ وہ مجلس میں قدم رنجہ فرمائے۔

۹ معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح بادشاہ کے بارے میں کسی اختلاف کے بعد پھر لوگوں میں اتفاق ہوا ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

۱۰ کشتی نوح سے مراد مرشد ہے یعنی اس سے جدائی تباہی کا باعث ہے۔

ساقی بیار بادہ کہ ماہِ صیام رفت
اے ساقی، شراب لا کہ روزوں کا مہینہ گیا
دردہ قدح کہ موسمِ ناموس و نام رفت
پیالہ دے، اس لئے کہ نام و ناموس کا مہینہ گیا

وقتِ[1] عزیز رفت بیا تا قضا کنیم
پیارا وقت گذر گیا، آ ہم تلافی کرلیں
عمرے کہ بے حضورِ صراحی و جام رفت
اس عمر کی جو صراحی اور جام کی موجودگی کے بدوں گذر گئی

در تابِ[2] توبہ چند تواں سوخت ہمچو عود
تیری تپش میں، اگر کی طرح کب تک جلا جا سکتا ہے؟
مے دہ کہ عمر در سرِ سودائے خام رفت
شراب لا اس لئے کہ عمر بیہودہ خیالات میں ختم ہوگئی

مستم کن آں چناں کہ ندانم ز بیخودی
مجھے ایسا مست کردے کہ بیخودی کی وجہ سے میں یہ نہ جان سکوں
در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت
کہ خیال کے میدان میں، کون آیا کون، گیا

بر بوئے[3] آنکہ جرعۂ جامے بما رسد
اس توقع پر کہ جام کا ایک گھونٹ ہم تک پہونچے
در مصطبہ دعائے تو ہر صبح و شام رفت
شراب خانہ میں ہر صبح و شام تیرے لئے دعا ہوئی

دل راکہ مردہ بود حیاتے ز نو رسید
جو دل مردہ تھا اس کو از سرِ نو زندگی حاصل ہوگئی
تا بوئے از نسیمِ میش در مشام رفت
جب سے اس کی شراب کی ہوا کی خوشبو ناک میں گئی ہے

زاہد غرور[4] داشت سلامت نبرد راہ
زاہد کو تکبر تھا، سلامتی سے راستہ طے نہ کر سکا
رند از رہِ نیاز بدار السّلام رفت
رند، عاجزی سے جنّت میں پہونچ گیا

زاہد[5] تو دان و خلوتِ تنہائی و نیاز
زاہد تو جانے اور تنہائی کی گوشہ نشینی اور عاجزی
عشّاق را حوالہ بعیشِ مدام رفت
عاشقوں کو تو دائمی عیش سے سابقہ پڑا ہے

نقدِ[6] دلے کہ بود مرا صرفِ بادہ شد
جو میرا نقدِ دل تھا، شراب میں خرچ ہوگیا
قلبِ سیاہ بود از آں در حرام رفت
کالا، کھوٹا تھا، اسی وجہ سے حرام میں گیا

دیگر[7] مکن نصیحتِ حافظ کہ رہ نیافت
حافظ کو پھر نصیحت نہ کرنا اس لئے کہ راہ یاب نہیں ہوا
گم گشتۂ کہ بادۂ عشقش بکام رفت
وہ گم گشتہ، جس کے حلق میں عشق کی شراب پہونچ گئی ہے

ساقیم[8] خضر ست و مے آبِ حیات
میرا ساقی خضر ہے، اور شراب آبِ حیات ہے
توبہ از مے چوں کنم ہیہات ہات
ہائے افسوس! میں شراب سے کس طرح توبہ کروں، لا

بادۂ[9] تلخ از لبِ شیریں لباں
شیریں ہونٹ والوں کے ہونٹ سے، تلخ شراب
در حلاوت می برد آب از نبات
مٹھاس میں، مصری کو شرمندہ کرتی ہے

چوں[10] دمِ عیسےٰ نسیمِ او ز لطف
اس کی ہوا پاکیزگی کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی پھونک کی طرح
مردۂ صد سالہ را بخشد حیات
سو سالہ مردے کو، زندگی بخشتی ہے

جز بآبِ آتشیں یعنی شراب
آتشیں پانی، یعنی شراب کے سوا
حل نمیگردد مرا ایں مشکلات
میری، یہ مشکلات حل نہ ہوں گی

روزیِ[11] ما بیں کہ از دیوانِ عشق
ہماری روزی کو دیکھو کہ عشق کے دفتر سے
جز مئے ہجراں نشد مارا برات
ہجر کی شراب کے علاوہ ہمیں دستاویز نہ ملی

[1] رمضان میں شراب کے دور کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کریں۔
[2] شراب ہی سے خیالات میں پختگی آئے گی۔
[3] ایک گھونٹ کی تمنا میں صبح و شام دعاؤں میں گذاری۔
[4] زاہد کا غرور تباہی کا سبب بنا اور رند کا عجز اس کو جنت میں لے گیا۔
[5] نیاز اور خلوت نشینی زاہد کا حصہ ہے، عشاق کی قسمت میں عیش لکھا ہے
[6] چونکہ نقدِ دل کھوٹا تھا اگر شراب میں صرف ہوگیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔
[7] جو عشق کا گم گشتہ راہ ہے اس کو نصیحت سیدھے راستے پر نہیں لا سکتی ہے۔
[8] جب ساقی خضر ہو اور شراب آبِ حیات ہو تو توبہ ممکن نہیں ہے۔
[9] معشوق کے ہاتھ سے تلخ شراب مصری سے بھی زیادہ شیریں ہے۔
[10] حضرت مسیح تو اسی مردے کو زندہ کرتے تھے جو فی الحال مرا ہو معشوق سو سالہ مرے کو زندہ کر دیتا ہے۔
[11] برات اس تحریر کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ خزانے سے روپے حاصل ہوتے ہیں یعنی ہمیں ہجر حاصل کرنیکا حکم نامہ ملا

شاد باد اَرواحِ آں رندے کہ اُو — بر سرِ کوئے مُغاں یابد وفات
اس رند کی روح، خوش رہے جو مُغبچوں کے کوچہ میں، وفات پا جائے

حاصلِ عمرِ تو حافظ در جہاں
اے حافظ! دنیا میں تیری زندگی کا حاصل

بادۂ صافی ست باقی تُرّہات
صاف شراب ہے، باقی بیہودگی ہے

ساقی[1] بیا کہ یار زِ رُخ پردہ بر گرفت — کارِ چراغِ خلوتیاں باز در گرفت
اے ساقی! آجا اس لیے کہ یار نے رخ سے پردہ ہٹا لیا ہے — خلوت نشینوں کے کام کے چراغ نے دوبارہ روشنی حاصل کر لی ہے

آں شمع سر گرفتہ دگر چہرہ بر فروخت — واں[2] پیرِ سالخوردہ جوانی زِ سر گرفت
اُس بجھی ہوئی شمع نے، دوبارہ چہرہ روشن کر لیا ہے — اس پرانے بوڑھے نے ازسرِ نو جوانی حاصل کر لی ہے

آں عشوہ دادِ عشق کہ مُفتی زِ رہ برفت — واں لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت
عشق نے وہ ناز دکھایا کہ مُفتی راستہ سے بھٹک گیا — دوست نے ایسی مہربانی کی کہ دشمن کنارہ کش ہو گیا

زنہار ازیں عبارتِ شیرین و دلفریب — گوئی[3] کہ پستۂ تو سخن در شکر گرفت
اس شیریں اور دلفریب عبارت سے خدا کی پناہ — گویا کہ تیرے مُنہ نے بات شکر میں لپیٹی ہے

بارِ غمے کہ خاطرِ ما خستہ کردہ بود — عیسیٰ دمے خدا بفرستاد و بر گرفت
جس غم کے بوجھ نے ہمارے دل کو خستہ کر دیا تھا — خدا نے ایک عیسیٰ دم کو بھیج دیا اور اس نے اس کو ہٹا دیا

ہر سرو[4] قد کہ بر مہ و خور حسن میفروخت — چوں تو در آمدی پئے کارِ دگر گرفت
ہر وہ سرو قد، جو چاند اور سورج پر حسن جتاتا تھا — جب تو آیا، تو اس نے دوسرا کام شروع کر دیا

زیں قصہ ہفت گنبدِ افلاک پر صداست — کوتہ نظر ببیں کہ سخن مختصر گرفت
اس قصہ سے، آسمان کے ساتوں گنبد گونج رہے ہیں — کوتاہ نظر کو دیکھ! کہ اس نے مختصر بات سمجھ لی

حافظ[5] تو ایں دعا زکہ آموختی کہ یار
حافظ، تو نے یہ دعا کس سے سیکھی کہ یار نے

تعویذ کرد شعرِ ترا و بزر گرفت
تیرے اشعار کو تعویذ بنایا اور سونے میں مڑھا

شگفتہ[6] شد گُلِ حمرا و گشت بُلبل مست — صلائے سرخوشی اے عاشقانِ بادہ پرست
سرخ پھول کھل گیا، اور بُلبل مست ہو گئی — اے بادہ پرست عاشقو! مستی کی صدا بلند کرو

اساسِ توبہ کہ در محکمی چو سنگ نمود — ببیں[7] کہ جامِ زجاجی چگونہ اش بشکست
توبہ کی بنیاد، جو مضبوطی میں پتھر جیسی نظر آتی تھی — دیکھو! کانچ کے جام نے اس کو کس طرح توڑ ڈالا

بیار[8] بادہ کہ دربارگاہِ استغنا — چہ پاسبان و چہ سلطان چہ ہوشیار و چہ مست
شراب لا، اس لئے کہ بے نیازی کے دربار میں — کیا پاسباں اور کیا بادشاہ اور کیا ہوشیار اور کیا مست

ازیں[9] رباطِ دو در چوں ضرورتست رحیل — رواقِ طاقِ معیشت چہ سر بلند و چہ پست
اس دو در کی سرائے سے، جب جانا ضروری ہے — زندگی کے محراب کا چھجہ کیا بلند، اور کیا پست

---

1. محبوب جلوہ گر ہے، جس سے عاشقوں کا دل روشن ہے شراب کا دور چلے۔
2. معشوق کے دیدار سے بوڑھے دل جوان ہو گئے ہیں۔
3. معشوق کے مُنہ کو پستے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔
4. ہر وہ معشوق جو سرو قد تھا اور اس کا حسن شمس و قمر کو شرمندہ کرتا تھا تیرے سامنے ہیچ ہو گیا۔
5. تعویذ پر سونے کا پترا مڑھوایا جاتا تھا۔
6. موسمِ بہار آ گیا بادہ پرستوں کے لئے مستی کی صدا ہے۔
7. پتھر جیسی توبہ شیشے کے پیمانہ سے ٹوٹ گئی۔
8. بے نیاز کے دربار میں سب یکساں ہیں۔
9. دنیا کو دو در کی سرائے قرار دیا ہے، ایک آنے کا دروازہ ایک جانے کا۔

مقامِ عیش میسّر نمی شود بے رنج
عیش کا مقام بدون محنت حاصل نہیں ہوتا ہے
بلیٰ بحکم بلا بستہ اند روزِ اَلَست
الست کے دن عشق کے حکم سے بلیٰ کا عہد کیا ہے

بہ ہست و نیست مرنجاں ضمیر و خوش میباش
دل کو ہست اور نیست سے رنجیدہ نہ کرو اور خوش رہ
کہ نیست ہست سرانجامِ ہر کمال کہ ہست
اس لیے کہ جو کمال ہے، اس کا انجام نیست ہے

شکوہِ آصفی و اسپِ باد و منطقِ طیر
آصف کا دبدبہ اور ہوا کا گھوڑا اور پرندوں کی گفتگو
بباد رفت و ازآں خواجہ ہیچ طَرف نہ بست
سب برباد ہوئے اور مالک کو اُن سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا

ببال و پرِ مرو از رہ کہ تیر پرتابے
بال اور پر کی وجہ سے راستے سے نہ بھٹک اِس لئے کہ پرکشش تیر نے
ہوا گرفت زمانے و لے بخاک نشست
تھوڑی دیر کے لیے ہوا پکڑی لیکن زمین پر آ بیٹھا

زبانِ کلکِ تو حافظ چہ شکرِ آں گوید
اے حافظ تیرے قلم کی نوک اس کا کیا شکریہ ادا کر سکتی ہے؟
کہ تحفۂ سخنش می برند دست بدست
کہ اُس کی بات کے تحفہ کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں

شربتے از لبِ لعلش نچشیدیم و برفت
اُس کے لعل جیسے ہونٹ سے ہم نے شربت نہ چکھا اور وہ چلا گیا
روئے مہ پیکرِ او سیر ندیدیم و برفت
اس کے چاند جیسے جسم والے چہرے کو جی بھر کر نہ دیکھا اور وہ چلا گیا

گوئی از صحبتِ ما نیک بہ تنگ آمدہ بود
گویا ہماری صحبت سے سخت تنگ آگیا تھا
بار بر بست و بگردش نرسیدیم و برفت
اُس نے ساماں باندھا اور ہم اُسکے قریب بھی نہ پہنچے اور وہ چلا گیا

بس کہ ما فاتحہ و حرزِ یمانی خواندیم
ہم نے بہت اُلحمد اور دعائے حرزِ یمانی پڑھی
وز پیش سورۂ اخلاص دمیدیم و برفت
اور اس کے پیچھے، قل ہو اللہ پڑھکر دم کی اور وہ چلا گیا

سرِ فرمانِ خطم گفت مکش تا نروم
اس نے کہا میرے خط کے حکم سے سرکشی نہ کر کہ میں نہ جاؤں
ما سرِ خویش زخطش نکشیدیم و برفت
ہم نے اس کے حکم سے سرتابی نہ کی اور وہ چلا گیا

عشوہ میداد کہ از کوئے ارادت نروم
فریب دیرہا تھا کہ تیرے مقصد کے کوچہ سے میں نہ جاؤں گا
دیدی آخر کہ چساں عشوہ خریدیم و برفت
تو نے دیکھا ہم نے آخر کیسا دھوکا کھایا اور وہ چلا گیا

شد چماں در چمنِ حسن و لطافت لیکن
وہ حسن اور پاکیزگی کے چمن میں ٹہلا لیکن
در گلستانِ وصالش نچمیدیم و برفت
ہم اس کے وصال کے چمن میں نہ ٹہلے اور وہ چلا گیا

گفت از خود ببُرد ہر کہ وصالم طلبد
وہ بولا جو ہمارا وصال طلب کرے وہ اپنے سے جدا ہو
ما بامیدِ وے از خویش بُریدیم و برفت
ہم اس کی اُمید پر اپنے سے جدا ہوئے اور وہ چلا گیا

صورتِ او بلطافت اثرِ صنعِ خداست
اس کی صورت پاکیزگی میں خدا کی صنعت کا نشاں ہے
ما بروئیش نظرے سیر ندیدیم و برفت
ہم نے اس کے چہرہ کو جی بھر کر نہ دیکھا، اور وہ چلا گیا

گلے از باغِ وصالش کہ مرا روزی بود
اس کے وصال کے باغ کا پھول جو ہمارا حصہ تھا
آہ دردا و دریغا نشنیدیم و برفت
ہائے درد اور افسوس ہم نے نہ سونگھا، اور وہ چلا گیا

ہمچو حافظ ہمہ شب نالہ و افغاں کردیم
ہم نے حافظ کی طرح تمام رات نالہ اور فریاد کی
کاے دریغا بوداعش نرسیدیم و برفت
ہائے افسوس ہم اس کو رخصت کرنے نہ پہنچے اور وہ چلا گیا

۱؎ ازل میں حضرت حق نے دریافت کیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) سب نے جواب میں بلیٰ کہا تھا یعنی کیوں نہیں۔
۲؎ دنیا کی ہر شے فانی ہے، تو فانی کی فکر میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔
۳؎ آصف بن برخیا، حضرت سلیمان کے وزیر تھے اسپِ باد سے تختِ سلیمانی مراد ہے جو ہوا کے دوش پر چلتا تھا "منطق الطیر" پرندوں کی گفتگو جو حضرت سلیمان سمجھ لیتے تھے۔
۴؎ وہ ہم سے اس قدر تنگ دل ہوا کہ ہم اس کو رخصت کرنے بھی نہ پہنچ پائے کہ وہ چلا گیا۔
۵؎ حرزِ یمانی اور دعائے سیفی وہ دعا کہلاتی ہے جو آنحضرت صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن بھیجتے وقت سکھائی تھی۔
۶؎ معشوق نے کہنا ماننے کی شرط پر ٹھہرنے کا وعدہ کیا ہم نے کہنا مانا لیکن اس نے وعدہ پورا نہ کیا۔
۷؎ ہم معشوق کے ہر فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔
۸؎ معشوق نے خود فراموشی پر وصل کا وعدہ کیا لیکن پورا نہ کیا۔

شنیدہ ام سخنے خوش کہ پیرِ کنعاں گفت
میں نے وہ اچھی بات سُنی، جو پیرِ کنعاں نے کہی
فراقِ یار نہ آں میکند کہ بتواں گفت
یار کا فراق وہ کچھ نہیں کرتا ہے، جو کہا جا سکے

حدیثِ ہولِ قیامت کہ گفت واعظِ شہر
قیامت کی خوفناکی کا قصہ، جو واعظِ شہر نے بیان کیا
کنایتے ست کہ از روزگارِ ہجراں گفت
وہ ایک کنایہ ہے جو اس نے ہجر کے زمانہ کا بیان کیا

نشانِ یارِ سفر کردہ از کہ پرسم باز
سفر کئے ہوئے دوست کا پتہ آخر کس سے پوچھوں!
کہ ہر چہ گفت بریدِ صبا پریشاں گفت
اس لئے کہ صبا کے قاصد نے جو کچھ کہا بہکا بہکا کہا

فغاں کہ آں مہِ نامہرباںِ دشمن دوست
فریاد ہے اس لئے کہ اس، دشمن کے دوست، نامہربان چاند نے
بترکِ صحبتِ یاران خود چہ آساں گفت
اپنے دوستوں کی صحبت چھوڑ دینے کو کس قدر آساں بتایا!

غمِ کہن بمئے سال خوردہ دفع کنید
پرانے غم کو پرانی شراب سے دور کرو
کہ تخمِ خوشدلی اینست پیرِ دہقاں گفت
اس لئے کہ پیرِ دہقاں نے بتایا ہے کہ خوشدلی کا بیج یہی ہے

منم و مقامِ رضا بعد ازیں و شکرِ رقیب
اس کے بعد میں ہوں اور مقامِ رضا اور رقیب کا شکریہ
کہ دل بدردِ تو خو کرد و ترکِ درماں گفت
اسلئے کہ دل نے تیرے درد کی عادت ڈال لی اور علاج نہ کرنے کی ٹھان لی

گرہ بباد مزن گرچہ بر مراد وزد
ہوا میں گرہ نہ لگا اگرچہ وہ مقصد کے مطابق چلے!
کہ ایں سخن بمثل باد با سلیماں گفت
اس لئے کہ یہ بات مثال کے طور پر ہوا نے سلیمان سے کہی ہے

مزن بچون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
چون وچرا نہ کر اس لیے کہ بانصیب انسان نے
قبول کرد بجاں ہر سخن کہ جاناں گفت
ہر وہ بات مان لی ہے، جو معشوق نے اس سے کہی ہے

بعشوہ کہ سپہرت دہد ز راہ مرو
اس فریب سے جو تجھے آسمان دے راستے سے نہ ہٹ
ترا کہ گفت کہ ایں زالِ ترکِ دستاں گفت
تجھ سے کس نے کہہ دیا ہے کہ اس بوڑھیا نے مکاری چھوڑ دینے کو کہا ہے

بیار بادہ بخور زانکہ پیرِ میکدہ دوش
دوست کے ساتھ شراب پی کہ شب گذشتہ میکدہ کے پیر نے
لبے حدیثِ غفور و رحیم و رحماں گفت
غفور، رحیم اور رحمان کی بہت باتیں سنائی ہیں

کہ گفت حافظ از اندیشۂ تو آمد باز
کس نے کہا، کہ حافظ تیرے خیال سے باز آگیا!
من ایں نگفتہ ام آنکس کہ گفت بہتاں گفت
میں نے یہ نہیں کہا ہے، جس نے کہا، جھوٹ کہا

صحنِ بستاں ذوق بخش و صحبتِ یاراں خوش ست
باغ کا صحن ذوق پیدا کرنے والا اور دوستوں کی صحبت اچھی ہے
وقتِ گل خوش باد کز وے وقتِ میخواراں خوش ست
خدا کرے پھول کا زمانہ خوش رہے، اس کی وجہ سے شرابیوں کا زمانہ اچھا ہے

از صبا ہر دم مشامِ جانِ ما خوش میشود
ہماری جان کی قوتِ شامہ صبا کی وجہ سے ہر وقت خوش رہتی ہے
آرے آرے طیبِ انفاسِ ہواداراں خوش ست
ہاں ہاں عاشقوں کے سانسوں کی پاکیزگی بہت خوب ہے

ناکشودہ گل نقاب آہنگِ رحلت ساز کرد
جبتک پھول نے نقاب کھولا کوچ کے ارادے نے موافقت کر دی
نالہ کن بلبل کہ گلبانگِ دلِ افگاراں خوش ست
اے بلبل نالہ کر اس لئے کہ زخمی دلوں کا شور اچھا ہوتا ہے

مرغِ شبخواں را بشارت باد کاندر راہِ عشق
رات کو چہکنے والے پرندے کے لئے خوشخبری ہو اس لئے کہ عشق کے راستے میں
دوست را با نالۂ شبہائے بیداراں خوش ست
شب بیداروں کے نالوں سے دوست خوش ہے

۱ پیرِ کنعاں سے حضرت یعقوبؑ مراد ہیں جو اپنے بیٹے یوسفؑ کے فراق میں مبتلا ہوئے تھے۔
۲ قیامت کی ہولناکیاں فراق کی ہولناکی سے بہت کم ہیں۔
۳ صبا نے کچھ احوال بتائے لیکن وہ بھی پورے نہ تھے۔
۴ پرانے غم کو پرانی شراب ہی دور کر سکتی ہے۔
۵ راضی برضا ہو جائیں گے اور کوئی شکوہ زبان پر نہ لائیں گے۔
۶ محبوب کے حکم پر چون وچرا کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔
۷ زال سے مراد بوڑھی دنیا ہے یعنی یہ بہرحال مکار ہے۔
۸ پیرِ میکدہ نے اللہ کی مغفرت کی باتیں سنائی ہیں اسکی رحمت کے بھروسہ پر پی لینا چاہیے
۹ موسمِ گل اور صحنِ چمن اور دوست کی صحبت میخواری کی دعوت دیتی ہے۔
۱۰ مذامت انسان کیلئے غمناک آواز خوشگوار ہوتی ہے۔
۱۱ مرغِ شبخواں وہ پرندہ جو رات کو چہکے۔

گرچہ در بازارِ دہر از خوشدلی جز نام نیست
اگرچہ زمانہ کے بازار میں خوش دلی برائے نام ہے

شیوۂ رندی و خوش باشیِ عیاران خوش ست
رندی کا طریقہ اور عیاروں کی خوشباشی بہت اچھی ہے

از زبانِ[1] سوسن ایں آوازہ ام آمد بگوش
سوسن کی زبان سے یہ آواز میرے کان میں پڑی

کاندریں دیرِ کہن کارِ سبکباراں خوش ست
اس پرانے بتخانہ میں، ہلکوں کا کام اچھا ہے

حافظا ترکِ جہاں گفتن طریقِ خوشدلیست
اے حافظ! ترکِ دنیا خوشدلی کا راستہ ہے

تا نہ پنداری کہ احوالِ جہانداراں خوش ست
یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ دنیا داروں کے احوال اچھے ہیں

صبا اگر گذرے افتدت بکشورِ دوست
اے صبا! اگر تیرا دوست کے علاقہ سے گذر ہو جائے

بیار نفحۂ از گیسوئے معنبرِ دوست
تو دوست کے عنبر جیسی خوشبو والے گیسو سے مہکے آنا

بجانِ[2] او کہ بشکرانہ جاں بر افشانم
اس کی جان کی قسم شکرانہ میں جان چھڑک دوں گا

اگر بسوئے من آری پیامے از برِ دوست
اگر میرے پاس دوست کی جانب سے تو کوئی پیام لے آئے گی

وگر[3] چنانچہ در آں حضرتت نباشد بار
اور اگر کسی طرح تجھے اس کے دربار میں باریابی نہ ہو تو

برائے دیدہ بیاور غبارے از درِ دوست
دوست کے در سے، آنکھ کے لئے غبار لے آنا

من[4] گدا و تمنائے وصلِ او ہیہات
میں گدا، اور اس کے وصل کی تمنا! افسوس

مگر بخواب ببینم جمال و منظرِ دوست
شاید دوست کا حسن، اور منظر خواب میں دیکھ لوں

دلِ[5] صنوبریم ہمچو بید لرزان ست
میرا صنوبری دل، بید کی طرح لرزاں ہے

ز حسرتِ قد و بالائے چوں صنوبرِ دوست
دوست کے صنوبر جیسے قد و قامت کی حسرت میں

اگرچہ دوست بچیزے نمیخرد ما را
اگرچہ دوست، ہمیں کسی چیز کے بدلے بھی نہیں خریدتا ہے

بعالمے نفروشیم موئے از سرِ دوست
ہم پوری دنیا کے بدلے میں بھی، دوست کے سر کا ایک بال نہ بیچیں گے

چہ[6] عذر ہا ز سگِ کوئے تو توانم خواست
تیرے کوچہ کے کتے سے، میں کیا عذر خواہی کر سکوں گا؟

اگر شبے بتوانیم بود بر درِ دوست
اگر کسی شب کو، ہم دوست کے دروازہ پر رہ سکیں گے

چہ باشد ار شود از قیدِ غم دلش آزاد
کیا ہوگا اگر غم کی قید سے اس کا دل آزاد ہو جائے گا؟

چو ہست حافظِ مسکیں غلام و چاکرِ دوست
جبکہ عاجز حافظ، دوست کا غلام اور نوکر ہے

صبحدم مرغ چمن با گلِ نوخاستہ گفت
بلبل نے صبح کے وقت، ایک نئے کھلے ہوئے پھول سے کہا

ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت
ناز کم کر اس لئے کہ اس باغ میں تجھ جیسے بہت سے کھلے ہیں

گل بخندید کہ از راست نرنجیم و لے
پھول ہنسا کہ سچی بات سے ہم رنجیدہ نہیں ہوتے ہیں لیکن

ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نگفت
کسی عاشق نے معشوق کو سخت بات نہیں کہی

گر طمع داری ازاں جامِ مرصع مے لعل
اگر اس جڑاؤ جام سے لعل جیسی شراب پینے کی تجھے تمنا ہے

دُر و یاقوت بنوکِ مژہ ات باید سفت
تو تجھے پلکوں کی نوک سے موتی اور یاقوت پرونے چاہئیں

---

[1] سوسن ایک درخت ہے جس پر نیلگوں پھول آتا ہے شعراء نے اس کے زبان مانی ہے۔
[2] اگر صبا اس کا پیام لے آئیگی تو اس پر جان قربان کر دوں گا۔
[3] اگر صبا کا اس تک گذر نہ ہو تو اس کے در کی خاک لے آئے۔
[4] میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ بیداری میں وصال ہو کاش خواب میں ہی دیدار ہو جائے۔
[5] صنوبر کے درخت میں گرہیں ہوتی ہیں، جن کو دل سے تشبیہ دیجاتی ہے۔
[6] کوچہ محبوب میں پہونچ گیا تو کوچہ کے کتے سے کیا عذر خواہی کروں گا۔
[7] بلبل نے غنچہ سے کہا تیری عمر ناپائیدار ہے اس قدر تکبر نہ کر غنچہ نے جواب دیا تو نے بات سچی کہی لیکن معشوق سے تلخ کلامی نہیں کی جاتی ہے۔
[8] وصال اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ آنسو بہائے جائیں۔

تا ابد[1] بوئے محبّت بمشامش نرسد
اُس شخص کی ناک میں قیامت تک محبّت کی خوشبو نہ پہونچے گی
ہر کہ خاکِ درِ میخانہ برخسارہ نرُفت
جس نے میخانہ کی خاک، رخسارے سے صاف کی

در گلستانِ ارم دوش چو از لطف ہوا
جب گذشتہ رات جنّت کے باغ میں، ہوا کی پاکیزگی سے
زلفِ سنبل ز نسیم سحری می آشفت
نسیمِ سحری کی وجہ سے سنبل کی زلف بکھر رہی تھی

گفتم اے مسندِ جم جامِ جہاں بینت کو
میں نے کہا اے جمشید کی مسند! تیرا جامِ جہاں نما کہاں ہے؟
گفت افسوس کہ آں دولتِ بیدار بخفت
اس نے کہا افسوس، وہ جاگتی دولت سو گئی

سخن[2] عشق نہ آنست کہ آید بزباں
عشق کی بات وہ نہیں ہے، جو زبان پر آئے
ساقیا مے دہ و کوتاہ کن ایں گفت و شنفت
اے ساقی شراب دے، اور اس گفت و شنید کو ختم کر

اشکِ حافظ خرد و صبر بدریا انداخت
حافظ کے آنسوؤں نے صبر اور عقل کو دریا میں پھینک دیا

چہ کند سوزِ غمِ عشق نیارست نہفت
کیا کرے، عشق کے غم کی سوزش کو چھپا نہ سکا

صوفی[3] از پرتوِ مے رازِ نہانی دانست
صوفی نے شراب کے پرتو سے پوشیدہ راز کو جان لیا
گوہرِ ہر کس ازیں لعل توانی دانست
تو اس لعل سے ہر شخص کا جوہر جان سکتا ہے

شرحِ مجموعۂ گل مُرغِ سحر داند و بس
پھول کے مجموعے کی شرح، صرف بلبل جانتی ہے
کہ نہ ہر کو ورقے خواند و معانی دانست
اس لیے کہ ایسا نہیں ہے کہ جس نے ایک ورق پڑھا معنی جان لئے

عرضہ[4] کردم دو جہاں بر دلِ کار افتادہ
میں نے آزمودہ کار دل پر، دونوں جہان پیش کئے
بجز از عشقِ تو باقی ہمہ فانی دانست
اس نے تیرے عشق کے سوا، سب کو فانی جانا

آں[5] شد اکنوں کہ ز افواہِ عوام اندیشم
اب وہ بات گئی کہ میں عوام کی زبان سے اندیشہ کروں
مُحتسب نیز ازیں عیشِ نہانی دانست
اس چھپے عیش کو، مُحتسب بھی جان گیا

دلبر[6] آسایشِ ما مصلحتِ وقت ندید
معشوق نے ہمارے آرام کو مصلحتِ وقت نہ خیال کیا
ورنہ از جانبِ ما دل نگرانی دانست
ورنہ وہ ہماری جانب سے، دلی توجہ کو جان گیا

سنگ و گل[7] را کند از یُمنِ نظر لعل و عقیق
نگاہ کی برکت سے پتھر، اور مٹی کو لعل اور عقیق کر دیتا ہے
ہر کہ قدرِ نفسِ بادِ یمانی دانست
ہر وہ شخص، جو یمنی ہوا کے سانس کی قدر کو جان گیا

اے[8] کہ از دفترِ عقل آیتِ عشق آموزی
اے وہ شخص، جو عقل کی کتاب سے عشق کی آیت کو سیکھتا ہے
ترسم ایں نکتہ بتحقیق ندانی دانست
مجھے ڈر ہے تو اس نکتہ کو تحقیق سے نہ جان سکے

مے بیاور کہ ننازد بگُلِ باغِ جہاں
شراب لا اس لیے کہ دنیا کے باغ کے پھول پر وہ شخص ناز نہیں کرتا ہے
ہر کہ غارتگری بادِ خزانی دانست
جو خزاں کی ہوا کی، غارتگری جان گیا

حافظ ایں گوہرِ منظوم کہ از طبع انگیخت
حافظ نے اس منظوم گوہر کو، جس کو اس نے طبیعت سے نکالا ہے

اثرِ تربیتِ آصفِ ثانی دانست
آصفِ ثانی کی تربیت کا اثر، جانا

---

۱ جب تک میخانہ میں ذلّت نہ اختیار کیجائے عشق حاصل نہیں ہوتاہے۔
۲ عشق کی باتیں زبان پر نہیں لائی جاتیں۔
۳ شراب نوشی کے بعد طبیعت کا اصل جوہر سامنے آجاتا ہے۔
۴ تجربہ کار انسان عشق کے سوا سب چیز کو فانی سمجھتا ہے۔
۵ بات عوام کے ہاتھ آئی اور مُحتسب تک پہونچ گئی۔
۶ وصال کو خلافِ مصلحت سمجھا ورنہ ہمارے عشق کو وہ جان گیا تھا۔
۷ حدیث شریف میں ہے "میں رحمان کے سانس یمن کی جانب سے محسوس کرتا ہوں" "نفسِ بادِ یمانی" سے مراد اولیاء اللہ ہیں یعنی جو اولیاء اللہ کی قدر کریگا وہ کیمیا نظر بن جائے گا۔
۸ عقل اور عشق دو علیحدہ چیزیں ہیں ایک کو دوسرے سے نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

صبح[1] دولت طلوعِ طلعتِ اوست — شامِ ظلمت نشانِ ظلمتِ اوست
خوش نصیبی کی صبح، اس کے چہرے کا طلوع ہونا ہے — تاریکی کی شام، اس کی تاریکی کا نشان ہے

مہر[2] از خوانِ او نوالہ رساں — ماہِ نو خم زبہرِ خدمتِ اوست
سورج، اسی کے دسترخوان سے نوالہ پہونچانے والا ہے — نیا چاند، اس کی خدمت کے لئے جھکا ہوا ہے

از قدش پائے سرو ماندہ بہ گل — لالہ را داغِ دل بفرقتِ اوست
سرو کا پیر اس کے قد کی وجہ سے مٹی میں پھنسا ہے — لالہ کا داغ، اس کے فراق کی وجہ سے ہے

رنگ[3] و بوئے گل از رخش بہ چمن — نالۂ بلبل از محبتِ اوست
چمن میں پھول کا رنگ اور بو اس کے رخ کی وجہ سے ہے — بلبل کا نالہ اس کی محبت کی وجہ سے ہے

سوسنِ[4] دہ زباں خموش بہ باغ — لال ماندہ زصنعِ قدرتِ اوست
دس زبانوں والی سوسن، باغ میں خاموش — گونگی اسکی قدرت کی بناوٹ کی وجہ سے ہے

فقر[5] اگر رنجِ محنت ست اَمّا — گنجِ عزت بکنجِ عزلتِ اوست
فقر، اگرچہ محنت کی تکلیف ہے لیکن — عزت کا خزانہ، اس کے تنہائی کے گوشہ میں ہے

بدوا جانبِ طبیب مرو — صحتِ عاجل از طبابتِ اوست
دوا کے لئے، طبیب کی جانب نہ جا — فوری صحت، اس کی طبابت سے ہے

در طریقِ سلوک سالک را — ہرچہ پیش آید از ارادتِ اوست
سالک کو، سلوک کے راستہ میں — جو پیش آئے، اس کے ارادے سے ہے

قمری و عندلیب و حافظ نیست
قمری، اور عندلیب، اور حافظ ہی نہیں

ہمہ گویا بذکرِ مدحتِ اوست
سب اس کی تعریف کے، ذکر میں گویا ہیں

عیبِ[6] رنداں مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت — کہ گناہِ دگرے بر تو نخواہند نوشت
اے پاکیزہ فطرت، زاہد! رندوں پر عیب نہ لگا — اس لئے کہ دوسرے کا گناہ ترے نام پر نہ لکھیں گے

من[7] اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش — ہر کسے آں دِرَوَد عاقبتِ کار کہ کشت
میں خواہ نیک ہوں، خواہ بد تو جا، اپنا کام کر — ہر شخص آخر میں وہ کاٹے گا، جو اس نے بویا ہے

ہمہ[8] کس طالبِ یارند چہ ہشیار و چہ مست — ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت
سب لوگ دوست کے طالب ہیں خواہ وہ ہشیار ہوں خواہ مست — ہر جگہ عشق خانہ ہے خواہ مسجد ہو، خواہ مندر

سرِ[9] تسلیمِ من و خاکِ درِ میکدہ ہا — مدعی گر نہ کند فہمِ سخن گو سر و خشت
شراب خانوں کی خاک ہے اور میرا سرِ تسلیم — مدعی اگر بات نہ سمجھے تو کہدو سر ہے اور پتھر ہے

نااُمیدم[10] مکن از سابقۂ روزِ ازل — تو چہ دانی کہ پسِ پردہ کہ خوب است و کہ زشت
روزِ ازل کے گذرے ہوئے معاملہ سے مجھے ناامید نہ کر — تجھے کیا معلوم پردے کے پیچھے کون اچھا ہے کون برا ہے!

نہ من[11] از خانۂ تقویٰ بدر افتادم و بس — پدرم نیز بہشتِ ابد از دست بہشت
میں ہی صرف تقوے کے گھر سے باہر نکل کر نہیں آپڑا ہوں — میرے باپ نے بھی دائمی بہشت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا

[1] اس کی رخ نمائی طلوعِ صبح ہے اس کے ظلم سے شامِ ظلمت ہے

[2] پھلوں کا پکنا اور غلے کی پیداوار سورج کی تاثیر سے ہے۔ ابتدائی راتوں کا چاند خمیدہ کمر ہوتا ہے۔

[3] پھولوں نے اس کے رخ سے حسن حاصل کیا ہے۔

[4] سوسن اس کے حسن کو دیکھ کر خاموش ہے۔

[5] فقر کے گوشہ میں عزت کا خزانہ ہے

[6] رندوں کا گناہ زاہد کے ذمہ نہ لکھا جائے گا۔

[7] زاہد اپنے کیے کا پھل پائے گا اور رند اپنے کیے کا۔

[8] عاشقِ حقیقی کو ہر جگہ معشوق کا ہی جلوہ نظر آتا ہے۔

[9] میں نے تو شراب خانہ کے در کی خاک پر سر رکھ دیا ہے اگر کوئی نہ سمجھے تو اپنا سر پھوڑ لے۔

[10] زاہد کو میرے انجام کی خبر نہیں تو مجھے کیوں مایوس کرتا ہے۔

[11] میں ہی خطاوار نہیں ہوں یہ تو نسلی بات ہے*

* حضرت آدم بھی جنت سے نکلے تھے۔

برعمل[1] تکیہ مکن خواجہ کہ در روزِ ازل
اے صاحب! عمل پر بھروسہ نہ کر اس لئے کہ روزِ ازل میں
تو چہ دانی قلمِ صنع بنامت چہ نوشت
تجھے کیا معلوم قدرت کے قلم نے تیرے نام کیا لکھا ہے

گر نہادت[2] ہمہ اینست زہے پاک نہاد
اگر تیری تمام طبیعت یہی ہے تو کیا خوب پاک طبیعت ہے
ور سرشتت ہمہ اینست زہے پاک سرشت
اور اگر تیری ساری فطرت یہی ہے تو کیا خوب پاک فطرت ہے

باغ فردوس لطیف ست ولیکن زنہار
جنت کا باغ پاکیزہ ہے، لیکن خبردار!
تو غنیمت شمر ایں سایۂ بید و لبِ کشت
تو بید کے اس سایہ کو اور کھیتی کے کنارے کو غنیمت شمار کر

حافظا روزِ اجل گر بکف آری جامے
اے حافظ موت کے دن اگر تو ہاتھ میں پیالہ لے آیا
یکسر از کوئے خرابات برندت بہ بہشت
تجھے فوراً شراب خانہ سے بہشت میں لیجائیں گے

غمش[3] تا در دلم ماوا گرفتہ است
اس کے غم نے جب سے میرے دل میں ٹھکانا کیا ہے
سرم چوں زلفِ او سودا گرفتہ است
میرے سر نے اس کی زلف کی طرح سودا اختیار کر لیا ہے

لبِ[4] چوں آتشش آبِ حیات ست
اس کے آگ جیسے ہونٹ، آبِ حیات ہیں
ازاں آب آتشے در ما گرفتہ است
اس پانی سے، ہم میں آگ لگی ہے

ہمائے[5] ہمتم عمریست کز جاں
ایک عمر گزری ہے، کہ میری ہمت کے ہما نے جان سے
ہوائے آں قدِ بالا گرفتہ است
اس بلند قد کی محبت اختیار کر لی ہے

شدم[6] عاشق ببالائے بلندش
اس کے بلند قد پر، میں عاشق ہو گیا ہوں
کہ کارِ عاشقاں بالا گرفتہ است
اس لئے کہ عاشقوں کے کام نے رونق اختیار کر لی ہے

چو ما در سایۂ الطافِ اوئیم
جب ہم اسی کی مہربانیوں کے سایہ میں ہیں
چرا او سایہ از ما وا گرفتہ است
تو اس نے، ہم سے سایہ کیوں اٹھا لیا ہے؟

نسیمِ[7] صبح عنبر بوست امروز
آج صبح کی ہوا عنبری ہے
مگر یارم رہِ صحرا گرفتہ است
شاید میرے دوست نے جنگل کا راستہ اختیار کیا ہے

دوائے غم بجز مے نیست عاشق
غم کی دوا شراب کے علاوہ نہیں ہے، عاشق نے
ازاں رو ساغرِ صہبا گرفتہ است
اسی لئے، شراب کا ساغر تھام لیا ہے

ز دریائے دو چشمِ گوہرِ اشک
آنسوؤں کے گوہر نے میری دونوں آنکھوں کے دریا سے
جہاں در لُو لُو لالا گرفتہ است
دنیا کو چمکدار، موتیوں سے گھیر لیا ہے

حدیثِ[8] حافظ اے سروِ سمن بو
اے چمیلی کی خوشبو والے سرو! حافظ کی بات نے
بوصفِ قدِ تو بالا گرفتہ است
تیرے قد کی تعریف کی وجہ سے بلندی حاصل کر لی ہے

کنوں[9] کہ در کفِ گل جامِ بادۂ صاف ست
اب جبکہ پھول کے ہاتھ میں صاف شراب کا پیالہ ہے
بصد ہزار زباں بلبلش در اوصاف ست
لاکھ زبانوں سے بلبل! اس کی تعریفوں میں ہے

---

[1] بخشش کا معاملہ رحمتِ خداوندی پر موقوف ہے عمل پر غرور نہ کرنا چاہیے۔

[2] یہ شعر مقدمی پر طنز ہے۔

[3] اس کے غم کی وجہ سے میرا دل اس کی زلف کی طرح پریشان ہے۔

[4] ہونٹ سرخی میں آگ کی طرح ہیں لیکن ان میں آبِ حیات ہے۔

[5] اس کا عشق بمنزلہ ہما کے ہے جس سے ہمیں شہنشاہی حاصل ہے۔

[6] چونکہ عاشقوں کا مرتبہ اونچا ہے اسی وجہ سے اس کے بلند قد کے عاشق ہیں۔

[7] نسیمِ سحری میں عنبر کی خوشبو اسی وجہ سے ہے کہ معشوق گذرا ہے۔

[8] حافظ کے کلام کی بلندی اسی وجہ سے ہے کہ وہ تیرے بلند قد کی تعریف کرتا ہے۔

[9] موسمِ بہار میں بلبل اس لیے چہکتی ہے کہ پھول جام بکف ہے۔

بخواہ دفتر اشعار و رُو بصحرا کن
اشعار کا دفتر لے لے، اور جنگل کا رخ کر

چہ وقتِ مدرسہ و بحثِ کشف و کشاف ست
مدرسہ اور تحقیق، و کشاف کی بحث کا کیا وقت ہے،

فقیہِ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد
مدرسہ کا فقیہ، کل مست تھا، اور اس نے فتویٰ دیدیا

کہ مے حرام ولے بہ ز مالِ وقاف ست
کہ شراب حرام ہے، لیکن اوقاف کے مال سے تو بہتر ہے

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
تلچھٹ اور صاف کے فیصلہ کا تجھے حق نہیں، خاموش رہ،

کہ ہرچہ ساقیِ ما ریخت عینِ الطاف ست
اس لیے کہ ہمارے ساقی نے جو کچھ ڈالدیا ہے، اسکی عین مہربانی ہے

ببرز خلق و ز عنقا قیاسِ کار بگیر
لوگوں سے علیحدہ ہو جا، اور کام کو عنقا پر قیاس کرلے

کہ صیتِ گوشہ نشیناں ز قاف تا قاف ست
کہ گوشہ نشینوں کا آوازہ، قاف سے قاف تک ہے

حدیثِ مدعیان و خیالِ ہمکاراں
ڈینگیں مارنے والوں کی بات، اور اپنے کام میں لگے ہوؤں کا خیال

ہماں حکایتِ زردوز و بوریاباف ست
وہی زردوز اور بوریا بننے والے کا قصہ ہے

خموش حافظ و ایں نکتہ ہائے چوں زرِ سرخ
اے حافظ چپ رہ، اور ان نکتوں کو جو سُرخ سونے کی طرح ہیں

نگاہدار کہ قلابِ شہر صراف ست
محفوظ رکھ، اس لئے کہ شہر کا دغاباز صراف ہے

کس نیست کہ افتادۂ آں زلفِ دوتا نیست
کوئی نہیں ہے جو اس دولڑی زلف میں پھنسا ہوا نہیں ہے

در رہگذرے نیست کہ دامے ز بلا نیست
کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس میں مصیبت کا جال نہیں ہے

روئے تو مگر آئینۂ لطفِ الٰہی ست
تیرا چہرہ، شاید لطف الٰہی کا آئینہ ہے

حقا کہ چنیں ست و دریں روئے و ریا نیست
یقیناً ایسا ہی ہے، اور اس میں کوئی رو رعایت نہیں ہے

زاہد ز ہدم توبہ ز روئے تو زہے روی
زاہد، مجھے تیرے چہرے سے توبہ کراتا ہے، کیا مُنہ ہے

ہیچش ز خدا شرم و ز روئے تو حیا نیست
اس کو خدا سے ذرا بھی شرم، اور تیرے چہرے سے حیا نہیں ہے

نرگس طلبد شیوۂ چشمِ تو زہے چشم
نرگس تیری آنکھ کا طریقہ چاہتی ہے، کیا آنکھ ہے

مسکیں خبرش از سر و در دیدہ حیا نیست
بیچاری کو راز کی خبر نہیں ہے، اور آنکھ میں شرم نہیں ہے

از بہرِ خدا زلف میارائے کہ ما را
خدا کے لیے، زلف نہ سنوار کہ ہمارے لئے

شب نیست کہ صد عربدہ با بادِ صبا نیست
کوئی ایسی رات نہیں ہے جس میں بادِ صبا سے سو لڑائیاں نہیں ہیں

باز آئی کہ بے روئے تو اے شمعِ دل افروز
اے دل کو روشن کرنیوالی شمع پھر آجا اس لئے کہ تیرے چہرے بدون

در بزمِ حریفاں اثرِ نور و ضیا نیست
دوستوں کی مجلس میں نور، اور روشنی کا نشان بھی نہیں ہے

اے شمعِ سحر گریہ بحالِ من و خود کن
اے صبح کی شمع! اپنے، اور میرے حال پر گریہ کر

کیں سوزِ نہانی کہ مرا ہست ترا نیست
اس لیے کہ جو چھپی جلن مجھ میں ہے، تجھ میں نہیں ہے

دی میشد و گفتم صنما عہد بجا آر
کل وہ چلا، اور میں نے کہا اے صنم! عہد پورا کر

گفتا غلطے خواجہ دریں عہد وفا نیست
وہ بولا اے خواجا غلط ہے اس زمانہ میں وفا نہیں ہے

تیمارِ غریباں سببِ ذکرِ جمیل ست
پردیسیوں کی خاطر تواضع اچھی شہرت کا سبب ہے

جاناں مگر ایں قاعدہ در شہرِ شما نیست
جاناں شاید تمہارے شہر میں، یہ قاعدہ نہیں ہے

---

۱ لطف اندوزی کا وقت ہے بحث و تحقیق کا وقت نہیں ہے۔ کشاف زمخشری کی مشہور تفسیر ہے۔
۲ خود تو شراب میں مست ہے اور اوقاف کے مال کو خورد برد کر رہا ہے اور شراب کی حرمت کا فتویٰ دے رہا ہے۔
۳ انسان اپنی اچھائی برائی کو نہیں سمجھ سکتا ہے
۴ یہ خیال تھا کہ کوہ قاف دنیا کے گرد گھوما ہوا ہے، ز قاف تا قاف کے معنی وہی ہیں جواز مشرق تا مغرب کے ہیں یعنی عنقا کی شہرت اور قدر اسی وجہ سے ہے کہ وہ آبادیوں سے دور ہے۔
۵ مدعیوں کے کلام اور ہمارے خیالات میں وہی نسبت ہے جو زردوز اور بوریاباف میں ہے۔
۶ جبکہ شہر کا دغاباز صراف بنا بیٹھا ہے تو اس کو سونا دینا بیوقوفی ہے۔
۷ زاہد کا توبہ کو کہنا بے شرمی اور بے حیائی پر مبنی ہے۔
۸ نرگس کا معشوق کی آنکھوں کی ریس کرنا بے حیائی ہے
۹ چونکہ بادِ صبا زلف کو پریشان کرتی ہے۔

چوں چشمِ تو دل می برد از گوشہ نشیناں
جبکہ تیری آنکھ، گوشہ نشینوں کا دل چھین لے جاتی ہے

دنبالِ تو بودن گنہ از جانبِ ما نیست
تو تیرے پیچھے لگنا، ہمارا گناہ نہیں ہے

گر پیرِ مغاں مرشدِ ما شد چہ تفاوت
اگر ہمارا پیر پیرِ مغاں ہو گیا، تو کیا فرق پڑا

در ہیچ سرے نیست کہ سرّے ز خدا نیست
کوئی ایسا سر نہیں ہے، جس میں خدائی راز نہیں ہے

گفتن برِ خورشید کہ من چشمۂ نورم
خورشید کے سامنے یہ کہنا، کہ میں نور کا چشمہ ہوں

دانند بزرگاں کہ سزاوارِ سُہا نیست
بزرگ جانتے ہیں کہ سہا کے لئے مناسب نہیں ہے

عاشق چہ کند گر نخورد تیرِ ملامت
اگر ملامت کا تیر نہ کھائے، تو عاشق کیا کرے

با ہیچ دلاور سپرِ تیرِ قضا نیست
قضا کے تیر کی ڈھال کسی بہادر کے پاس نہیں ہے

در صومعۂ زاہد و در خلوتِ عابد
زاہد کے صومعہ میں اور عبادت گذار کی خلوت میں

جز گوشۂ ابروئے تو محرابِ دعا نیست
تیرے ابرو کے گوشہ کے سوا دعا کی کوئی محراب نہیں ہے

اے چنگ فرو بردہ بخونِ دلِ حافظ
اے حافظ کے دل کے خون میں پنجہ گھسائے ہوئے!

فکرت مگر از عزّتِ قرآن و خدا نیست
شاید تجھے خدا کے قرآن کی عزّت کی فکر نہیں ہے

کنوں کہ میدمد از بوستاں نسیمِ بہشت
اب، جبکہ باغ سے بہشت کی ہوا آ رہی ہے

من و شرابِ فرح بخش و یارِ حور سرشت
میں ہوں اور فرحت بخش شراب ہے اور حور طبیعت دوست

چمن حکایتِ اُردی بہشت میگوید
چمن اردی بہشت (مہینہ) کا قصہ بیان کر رہا ہے

نہ عاقل ست کہ نسیہ خرید و نقد بہشت
وہ عقلمند نہیں ہے جس نے ادھار پسند کیا اور نقد کو چھوڑ دیا

بمے عمارتِ دل کن کہ ایں جہانِ خراب
شراب سے دل کی تعمیر کر، کیونکہ یہ ویران دنیا

در آں سرست کہ از خاکِ ما بسازد خشت
اس خیال میں ہے کہ ہماری مٹی سے اینٹیں بنائے

وفا مجوی ز دشمن کہ پرتوے نہ دہد
دشمن سے وفا نہ تلاش کر اس لیے کہ روشنی نہیں دیتی ہے

چو شمعِ صومعہ افروزی از چراغِ کنشت
جبکہ تو عبادت خانہ کی شمع کو بتخانے کے چراغ سے روشن کرے

مکن بنامہ سیاہی ملامتِ منِ مست
اعمالنامہ کی سیاہی پر مجھ دیوانہ کو ملامت نہ کر

کہ آگہ است کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت
کون باخبر ہے کہ تقدیر نے اس کے مقدر میں کیا لکھا ہے؟

گدا چرا نزند لافِ سلطنت امروز
آج فقیر، سلطنت کی ڈینگیں کیوں نہ مارے

کہ خیمہ سایۂ ابر است و بزمگہ لبِ کشت
جبکہ ابر کا سایہ خیمہ ہے اور کھیتی کا کنارا مجلس ہے

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
حافظ کے جنازے سے، قدم نہ روک

کہ گرچہ غرقِ گناہ ست میرود بہ بہشت
اس لئے کہ اگرچہ گناہ میں ڈوبا ہے بہشت میں جا رہا ہے

گُل در بر و مے در کف و معشوقہ بکام ست
پھول بغل میں اور شراب ہاتھ میں اور معشوقہ منشا کے مطابق ہے

سلطانِ جہانم بچنیں روز غلام ست
ایسے دن میں دنیا کا بادشاہ بھی، میرا غلام ہے

۱؎ ہمارا گناہ نہیں ہے بلکہ تیری آنکھوں کا قصور ہے۔
۲؎ میرے معشوق کے سامنے حسن کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسا کہ سُہا ستارے کا دعویٰ سورج کے مقابلہ میں۔
۳؎ دعا مانگنے کی محراب صرف تیری ابروؤں کی محراب ہے۔
۴؎ حافظ قرآن کی تو عزّت کیجاتی ہے۔
۵؎ جبکہ چمن میں اُردی بہشت کا ظہور ہے اور وہ موجود ہے تو اب آخرت کی جنّت کے خیال سے اس کو چھوڑنا بیوقوفی ہے۔
۶؎ جب انسان مر کر مٹی میں ملجاتا ہے تو اس مٹی کی اینٹیں پاتھ لیجاتی ہیں۔
۷؎ دشمن سے وفا کی اُمید ایسا ہی ہے جیسے عبادت خانہ کی شمع بتخانہ کے چراغ سے روشن کیجائے۔
۸؎ آزاد انسان کے لئے ابر کا سایہ اور کھیت کا کنارہ سلطنت سے کم نہیں ہے۔

گو شمع[1] میارید دریں بزم کہ امشب
کہدو اس مجلس میں شمع نہ لاؤ اس لئے کہ آج کی رات
در مجلسِ ما ماہِ رخِ دوست تمام ست
ہماری مجلس میں دوست کے رُخ کا مکمل چاند ہے

در مذہبِ ما بادہ حلال ست[2] ولیکن
ہمارے مذہب میں شراب حلال ہے لیکن
بے روئے تو اے سروِ گل اندام حرام ست
اے پھول جیسے جسم والے سرو تیرے چہرے کے بدون حرام ہے

گوشم ہمہ بر قولِ نے و نغمۂ چنگ است
میرا کان پوری طرح بانسری کی آواز اور ستار کے گانے پر ہے
چشمم ہمہ بر لعلِ لب و گردشِ جام ست
میری آنکھیں پورے طور پر لعل جیسے ہونٹ اور جام کی گردش پر ہیں

در مجلسِ[3] ما عطر میامیز کہ جاں را
ہماری مجلس میں عطر نہ چھڑک اس لئے کہ جان کے لئے
ہر لحظہ ز گیسوئے تو خوشبوئے مشام ست
ہر لحظہ تیرے گیسو سے دماغ معطر ہے

از چاشنیِ[4] قند مگو ہیچ و ز شکر
قند، اور شکر کی شیرینی کی کچھ بات نہ کر
زاں رو کہ مرا با لبِ شیرینِ تو کام ست
اس لیے کہ میرا مقصد تیرے شیریں ہونٹ سے ہے

تا گنجِ غمت در دلِ ویرانہ مقیم ست
جب سے ویرانہ دل میں، تیرے غم کا خزانہ مقیم ہے
پیوستہ مرا کنجِ خرابات مقام ست
ہمیشہ، خرابات کا گوشہ، میرا مقام ہے

از ننگ[5] چہ گوئی کہ مرا نام ز ننگ ست
ذلت کی بات کیا کہتا ہے میری شہرت ہی ذلت سے ہے
وز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام ست
شہرت کے بارے میں کیا پوچھتا ہے شہرت سے ہی میری ذلت ہے

میخوارہ[6] و سرگشتہ و رندیم و نظر باز
ہم شراب خوار اور سرپھرے اور رند اور نظر باز ہیں
وانکس کہ چو ما نیست دریں شہر کدام ست
جو ہم جیسا نہیں ہے، وہ اس شہر میں کون ہے؟

با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز
محتسب سے میرا عیب نہ بیان کرو اس لئے کہ وہ بھی
پیوستہ چو ما در طلبِ عیشِ مدام ست
ہمیشہ ہماری طرح دائمی عیش کی طلب میں ہے

حافظ منشیں بے مے و معشوقہ زمانے
اے حافظ تھوڑی دیر کے لئے بھی بدوں شراب اور معشوق کے نہ بیٹھ
کایامِ گل و یاسمن و عیدِ صیام ست
کیونکہ پھول، اور یاسمین، اور روزوں کی عید کا زمانہ ہے

گر دست[7] زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت
اگر تیری مشکیں زلف کے ہاتھ سے غلطی ہوئی، ہوئی
ور ز ہندوئے شما بر ما جفائے رفت رفت
اگر تمہارے تل سے ہم پر ظلم ہوا، ہوا

برقِ عشق ار خرمنِ پشمینہ پوشے سوخت سوخت
اگر عشق کی بجلی نے کمبلی پوش کا کھلیان جلا دیا، جلا دیا
جورِ شاہِ کامراں گر بر گدائے رفت رفت
اگر ایک گدا پر، فتح یاب بادشاہ کا ظلم ہوا، ہوا

گر دلے از غمزۂ دلدار بارے برد برد
اگر کسی دل نے دلدار کی ادا سے تکلیف اٹھائی، اٹھائی
درمیانِ جان و جاناں ماجرائے رفت رفت
اگر جان اور جاناں میں کچھ قصہ ہوا، ہوا

در طریقت[8] رنجشِ خاطر نباشد مے بیار
طریقت میں رنجشِ خاطر نہیں ہوتی، شراب لا
ہر کدورت را کہ بینی چوں صفائے رفت رفت
جس کدورت کو تو دیکھے جب صفائی ہوئی وہ دور ہو گئی

عشقبازی[9] را تحمل باید اے دل پایدار
اے دل، عشقبازی کے لیے پختہ بردباری چاہیے
گر بلائے بود بود و گر خطائے رفت رفت
اگر کوئی مصیبت تھی، تھی اگر کوئی خطا ہوئی، ہوئی

[1] دوست کے رخ کے ہوتے ہوئے شمع کی ضرورت نہیں ہے۔
[2] جب معشوق سامنے نہ ہو تو بادہ نوشی بیکار ہے۔
[3] معشوق کی وجہ سے مجلس معطر ہے عطر کی ضرورت نہیں ہے۔
[4] لبِ معشوق کی شیرینی درکار ہے نہ کہ قند اور شکر کی۔
[5] میرا ننگ سے نام ہے اور نام سے میری ننگ ہے۔
[6] تمام شہر اور محتسب ہماری طرح ہیں۔
[7] زلف کی غلطی اور تل کے ظلم کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔
[8] صفائی ہو جانے کے بعد کدورت ختم ہو جانی چاہیے۔
[9] عشق میں مصیبت اور ظلم کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔

از نخن چیناں ملالتہا پدید آید و لے
نکتہ چینوں کی وجہ سے رنج ظاہر ہوتے ہیں، لیکن

چوں میانِ ہمنشیناں ماجرائے رفت رفت
جب ہم نشینوں میں بات ختم ہوئی، ختم ہوئی

عیبِ حافظ گو مکن زاہد کہ رفت از خانقاہ
زاہد سے کہدو، حافظ پر عیب نہ لگا کہ وہ خانقاہ سے چلا گیا

پائے آزاداں چہ بندی گر بجائے رفت رفت
آزاد لوگوں کا پیر تو کیا باندھتا ہے اگر کسی جگہ چلا گیا، چلا گیا

لعلِ سیراب بخوں تشنہ لبِ یارِ من ست
سیراب لعل، خون کا پیاسا، میرے یار کا ہونٹ ہے

از پئے دیدنِ او دادنِ جاں کارِ من ست
اس کے دیکھنے کی خاطر، جان دیدینا میرا کام ہے

شرم ز آں چشمِ سیہ بادش و مژگانِ دراز
ان کالی آنکھوں اور لمبی پلکوں سے اس کو شرم آنی چاہیے

ہر کہ دل بردنِ او دید و در انکارِ من ست
جس نے اسکے اچانک دل لینے کو بھی دیکھا اور مجھ پر انکار کرتا ہے

سارباں رخت بدروازہ مبر کاں سرِ کوہ
اے ساربان دروازہ پر سامان نہ لیجا اس لئے کہ اس پہاڑ کے سر پر

شاہراہیست کہ منزلگہِ دلدارِ من ست
وہ شاہراہ ہے جو میرے دلدار کی قیام گاہ ہے

بندۂ طالعِ خویشم کہ دریں قحطِ وفا
میں تو اپنے نصیب کا غلام ہوں کہ اس وفا کے قحط میں

عشقِ آں لولیِ سرمست خریدارِ من ست
اس شوخ سرمست کا عشق میرا خریدار ہے

طبلۂ عطرِ گل و درجِ عبیر افشانش
گلاب کی ڈبیہ اور اسکا عبیر چھڑکنے والا ڈبہ

فیضِ یک شمہ ز بوئے خوشِ عطارِ من ست
میرے عطار کی، عمدہ خوشبو کا تھوڑا سا فیض ہے

باغباں ہمچو نسیم ز درِ خویش مراں
اے باغباں! مجھے نسیم کی طرح اپنے دروازہ سے نہ بھگا

کآبِ گلزارِ تو از اشکِ چو گلنارِ من ست
اس لیے کہ تیرے گلستاں کی رونق میرے گل انار جیسے آنسوؤں سے ہے

شربتِ قند و گلاب از لبِ یارم فرمود
میرے لئے معشوق کے ہونٹ کا شربتِ قند و گلاب تجویز کیا ہے

نرگسِ او کہ طبیبِ دلِ بیمارِ من ست
اس کی آنکھ نے جو میرے بیمار دل کا طبیب ہے

آنکہ در طرزِ غزل نکتہ بہ حافظ آموخت
جس نے غزل کی طرز میں حافظ کو نکتہ سکھایا ہے

یارِ شیریں سخنِ نادرہ گفتارِ من ست
وہ میرا نادر گفتار، میٹھی گفتگو والا یار ہے

مطلب طاعت و پیمانِ درست از منِ مست
مجھ مست سے، صحیح اطاعت، اور عہد نہ چاہ

کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روزِ الست
میں الست کے دن سے شراب نوشی میں مشہور ہوں

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
میں نے اسی وقت سے جب سے کہ عشق کے چشمہ سے وضو کیا

چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست
ہر موجود پر، چار تکبیریں پڑھ دی ہیں

مے بدہ تا دہمت آگہی از سرِ قضا
شراب دے تاکہ تجھے قضائے خداوندی کا راز بتا دوں

کہ بروئے کہ شدم عاشق و بر بوئے کہ مست
کہ میں کس کے چہرے پر عاشق ہوا ہوں اور کس کی خوشبو سے مست ہوں

کمرِ کوہ کم ست از کمرِ مور اینجا
اس جگہ، پہاڑ کی کمر چیونٹی کی کمر سے کم ہے

نا امید از درِ رحمت مشو اے بادہ پرست
اے بادہ پرست رحمت کے دروازے سے نا امید نہ ہو

ا۔ دوستوں کا گلا شکوہ ختم ہو جانا چاہیے۔
۲۔ جو دلبری کو دیکھ رہا ہے، اور مجھ پر طعنہ زنی کرتا ہے اسکو ان آنکھوں سے شرم آنی چاہیے۔
۳۔ میری خوش نصیبی ہے کہ اس جیسے معشوق کا عشق میرا خریدار بنا ہے۔
۴۔ چونکہ گلزار کی رونق میرے آنسوؤں سے ہے اس لئے مجھے نہ نکال۔
۵۔ اسکی آنکھ نے جو کہ میری طبیب ہے میرے مرض کا علاج اس کے ہونٹ کے شربت و گلقند سے تجویز کیا ہے۔
۶۔ جب سے میں نے عشق اختیار کیا ہے ہر چیز کے جنازہ کی نماز پڑھ دی ہے یعنی تمام دنیا سے بے تعلق ہو گیا ہوں۔
۷۔ رحمت حق کے سامنے پہاڑ جیسا گناہ بھی بے حقیقت ہے۔

جاں فدائے دہنت باد کہ در باغِ نظر
تیرے منہ پر جان قربان ہو۱ اس لیے کہ نگاہ کے باغ میں
چمن آرائے جہاں خوشتر ازیں غنچہ نہ بست
دنیا کے چمن کے سنوارنے والے نے اس سے بہتر غنچہ نہیں بنایا

بجز آں نرگسِ مستانہ کہ چشمش مرساد
اس مستانہ نرگس کے علاوہ خدا کرے اس کو نظر نہ لگے
زیر ایں طارمِ فیروزہ کسے خوش نہ نشست
اس نیلے بالا خانہ کے نیچے، کوئی آرام سے نہیں بیٹھا

حافظ از دولتِ عشقِ تو سلیمانی یافت
تیرے عشق کی دولت سے، حافظ نے سلیمانی پائی
یعنی[۱] از وصلِ تو اش نیست بجز باد بدست
یعنی تیرے وصل سے اس کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں ہے

مرحبا اے پیکِ مشتاقاں بدہ پیغامِ دوست
خوش آمدید اے عاشقوں کے قاصد دوست کا پیغام دے
تا کنم جاں از سرِ رغبت فدائے نامِ دوست
تاکہ میں رغبت سے دوست کے نام پر جان قربان کر دوں

والہ و شیداست دائم ہمچو بلبل در قفس
ہمیشہ دیوانہ، اور عاشق ہے قفس میں بلبل کی طرح
طوطی[۲] طبعم ز شوقِ شکر و بادامِ دوست
میری طبیعت کی طوطی دوست کے بادام اور شکر کے شوق میں

زلفِ[۳] او دام است و خالش دانۂ آں دام و من
اس کی زلف جال ہے اور اس جال کا دانہ اس کا تل ہے اور میں
بر امیدِ دانہ افتادم اندر دامِ دوست
دانہ کی امید میں، دوست کے جال میں پھنس گیا ہوں

سر ز مستی بر نگیرد تا بہ صبحِ روزِ حشر
حشر کے دن کی صبح تک مستی سے سر نہیں اٹھا سکتا
ہر کہ چوں من در ازل یک جرعہ خورد از جامِ دوست
ہر وہ شخص جس نے میری طرح ازل میں دوست کے جام سے ایک گھونٹ پی لیا

من[۴] نوشتم نامہ از شرحِ حالِ خود و لے
میں نے اپنی حالت کی تفصیل کا ایک خط لکھا ہے لیکن
دردِ سر باشد نمودن بیش ازیں ابرامِ دوست
اس سے زیادہ اصرار کرنا دوست کے لئے دردِ سر ہوگا

میلِ[۵] من سوئے وصال و قصدِ او سوئے فراق
میرا میلان وصال کی طرف ہے اور اس کا ارادہ فراق کی جانب ہے
ترکِ کامِ خود گرفتم تا بر آید کامِ دوست
میں نے اپنے مقصد کو چھوڑ دیا ہے تاکہ دوست کا مقصد پورا ہو جائے

گر بدستم افتد در دیدہ ہمچوں توتیا
اگر موقع مل جائے تو آنکھ میں توتیا کی طرح لگا لوں
خاکِ راہے کاں مشرف گردد از اقدامِ دوست
اس راستہ کی خاک کو جو دوست کے قدموں سے مشرف ہوئی ہے

حافظ اندر درد و غم میسوز و با درماں مساز
اے حافظ! درد اور غم میں جلتا رہ، اور علاج نہ کر
زانکہ درمانے ندارد درد بے درمانِ دوست
اس لئے کہ دوست کے لاعلاج درد کا کوئی علاج نہیں ہے

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہِ من ست
میں ہوں کہ شراب خانہ کا گوشہ، میری خانقاہ ہے
دعائے پیرِ مغاں وردِ صبحگاہِ من ست
پیرِ مغاں کو دعا دینا، میرا صبح کا وظیفہ ہے

گرم[۶] ترانہ و چنگ و صبوح نیست چہ باک
اگر میرے پاس گانا اور ستار اور صبح کی شراب نہیں ہے تو کیا پروا ہے
نوائے من بسحر آہ عذر خواہِ من ست
میری آواز صبح کے وقت میری عذر خواہ آہ ہے

ز[۷] پادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ
خدا کا شکر ہے کہ میں بادشاہ اور فقیر سے بے نیاز ہوں
گدائے خاکِ درِ دوست پادشاہِ من ست
دوست کے دروازے کی خاک کا فقیر میرا بادشاہ ہے

---

۱ حضرت سلیمان کا ہوا پر قبضہ تھا اسی طرح میرے ہاتھ میں ہوا ہے۔

۲ طوطی کو شکر اور بادام کھلائے جاتے ہیں۔

۳ زلف کو جال اور تل کو اس جال کا دانہ قرار دیا ہے۔

۴ میں نے صرف اپنی حالت لکھدی ہے۔ بدعی پر اصرار مناسب نہیں ہے۔

۵ معشوق کی خواہش پر اپنی خواہش قربان کر دینا عینِ کمال ہے۔

۶ یعنی اگر حال و قال میسر نہیں ہے تو نیم صبح کی آہیں کافی ہیں۔

۷ دنیاوی لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ حالت موجبِ حمد ہے۔

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصالِ شماست
مسجد و میخانہ سے میرا مقصود، تمہارا وصال ہے
جز ایں خیال ندارم خدا گواہِ من ست
اس کے سوا میرا کوئی خیال نہیں ہے، خدا میرا گواہ ہے

مرا گدائے تو بودن ز سلطنت خوشتر
میرے لیے تیرا فقیر ہونا، سلطنت سے زیادہ اچھا ہے
کہ ذُلِّ جور و جفائے تو عزّ و جاہِ من ست
اس لئے کہ تیرے ظلم اور جفا کی ذلت میری عزت اور جاہ ہے

مگر بہ تیغِ اجل خیمہ بر کنم ورنہ
شاید موت کی تلوار سے خیمہ اٹھالوں، ورنہ
رمیدن از درِ دولت نہ رسم و راہِ من ست[1]
درِ دولت سے بھاگنا، میری رسم و راہ نہیں ہے

ازاں زماں کہ بر آں آستاں نہادم رُوی
جب سے میں نے اس آستانہ پر منہ رکھا ہے
فرازِ مسندِ خورشید تکیہ گاہِ من ست[2]
خورشید کی مسند کی بلندی، میری تکیہ گاہ ہے

کلاہِ دولتِ خسرو کجا بچشم آید
خسرو کی دولت کی ٹوپی، میری نگاہ میں کیا آسکتی ہے؟
کہ خاکِ کوئے شما عزّتِ کلاہِ من ست
جبکہ تمہارے کوچہ کی خاک، میری ٹوپی کی عزت ہے

گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ
اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من ست[3]
تو ادب کا طریقہ اختیار کر، اور کہہ دے خطا میری ہے

ماہم ایں ہفتہ شد از شہر و بچشمم سالیست[4]
میرا چاند اسی ہفتہ شہر سے رخصت ہوا ہے، اور میری نگاہ میں ایک سال ہے
حالِ ہجراں تو چہ دانی کہ چہ مشکل حالیست
ہجر کے حال کو تو کیا جانے، کہ کس قدر مشکل حال ہے

مردمِ دیدہ ز لطفِ رخِ او در رخِ او[5]
رخسار کی پاکیزگی کی وجہ سے اس کے رخسار میں آنکھ کی پتلی نے
عکسِ خود دید و گماں کرد کہ مشکیں خالیست
اپنا عکس دیکھ لیا، اور یہ سمجھ لیا کہ کالا تل ہے

ای انگشت نمائی بکرم در ہمہ شہر
اے وہ! کہ تو تمام شہر میں سخاوت میں مشہور ہے
وہ کہ در کارِ غریباں عجبت اہمالیست
واہ، غریبوں کے کام میں تیری عجب سستی ہے

میچکد شیر ہنوز از لبِ ہمچوں شکرش[6]
اس کے شکر جیسے ہونٹ سے اب تک دودھ ٹپکتا ہے
گرچہ در عشوہ گری ہر مژہ اش قتّالیست
اگرچہ وہ دھوکا دینے میں ہے، اس کی ہر پلک قاتل ہے

بعد ازینم نبود شائبہ در جوہرِ فرد[7]
اس کے بعد جزو لایتجزیٰ میں مجھے کوئی شک نہ ہوگا
کہ دہانِ تو دریں نکتہ خوش استدلالیست
کہ تیرا منہ، اس معاملہ میں بہترین استدلال ہے

مژدہ دادند کہ بر ما گذرے خواہی کرد
لوگوں نے خوشخبری دی ہے کہ تو ہمارے پاس سے ہوکر گذرے گا
نیتِ خیر مگرداں کہ مبارک فالیست
بہتر نیت، کو نہ بدل کہ اچھی فال ہے

کوہِ اندوہِ فراقت بچہ حیلت بکشد
تیرے فراق کا پہاڑ، کس طور پر کھینچے
حافظِ خستہ کہ از نالہ تنش چوں نالیست
کمزور حافظ کہ آہ و زاری کی وجہ سے اس کا بدن ریشے کی طرح ہے

۹
ما از خیالِ تو چہ پروائے شراب ست[8]
تیرے خیال کی وجہ سے اب ہمیں شراب کی کیا پروا ہے؟
خم گو سرِ خود گیر کہ خمخانہ خراب است
مٹکے سے کہہ دو اپنا راستہ لے کہ شراب خانہ برباد ہے

ا۔ درِ دولت سے مر کر ہی ہٹوں گا۔
۲۔ جب سے تمہارے آستانہ پر سر دھرا ہے مجھے انتہائی بلندی حاصل ہوگئی ہے۔
۳۔ حافظ کا یہ شعر جبر و قدر کے مسئلہ میں بہت اونچا شعر ہے یعنی اگرچہ ہم اپنے اختیار سے گناہ بھی نہیں کرتے ہیں لیکن ادب کا تقاضہ ہے کہ گناہوں کو اپنی طرف منسوب کریں۔
۴۔ فراق کا ایک ہفتہ سال کی برابر ہے۔
۵۔ معشوق کا رخ اسقدر شفاف ہے کہ آئینہ کی طرح اسمیں دیکھنے والے کی پتلی نظر آجاتی ہے جس پر یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ معشوق کے رُخ کا تل ہے۔
۶۔ یعنی معشوق کم سن ہے۔
۷۔ جوہر فرد یعنی وہ ذرہ جو تقسیم نہ ہوسکے حکماء میں بحث ہے کہ کوئی جزو ایسا ہوسکتا ہے کہ جس کی تقسیم نہ ہوسکے یا نہیں ہوسکتا بعض حکماء کہتے ہیں کہ ایسا جزو موجود ہے جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی حافظ صاحب کہتے ہیں میرے معشوق کا منہ اس قدر چھوٹا ہے کہ اسکی تقسیم نہیں ہوسکتی ہے لہٰذا اسکا منہ ان لوگوں کیلئے بہترین دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ایسا جزو موجود ہے جو نا قابلِ تسلیم ہے۔ ۸ نال اس ریشے کو کہا جاتا ہے جو بانس کی اندر کی نال میں پیدا ہوتا ہے۔ ۹ یعنی اب ہم معشوق کے تصور سے مست ہیں شراب کی ضرورت نہیں ہے۔

گر خمرِ بہشت ست بریزید کہ بے دوست
خواہ بہشت کی شراب ہے بہادو اس لئے کہ دوست بدوں

ہر شربتِ عذبم کہ دہی عینِ عذاب ست
مجھے جو بھی میٹھا شربت تو دے، عین عذاب ہے

افسوس کہ شد دلبر و در دیدۂ گریاں[1]
افسوس! کہ دلبر چلا گیا، اور روتی آنکھوں میں

تحریرِ خیالِ خطِ او نقش بر آب ست
اُس کے خط کے خیال کی تحریر، پانی پر نقش ہے

بیدار شو اے دیدہ کہ ایمن نتواں بود
اے آنکھ ہوشیار ہو جا اس لئے کہ مطمئن نہیں ہوا جا سکتا

زیں سیلِ دمادم کہ دریں منزلِ خواب ست
اس مسلسل بہاؤ سے جو اس خواب گاہ میں ہے

معشوقہ عیاں میگذرد بر تو و لیکن
تیرے سامنے سے معشوقہ کھلم کھلا گذر رہی ہے لیکن

اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقاب ست
غیر چونکہ دیکھ رہے ہیں اس لئے نقاب باندھے ہوئے ہے

گل[2] بر رخِ رنگینِ تو تا لطفِ عرق دید
پھول نے جب سے تیرے رنگین رُخ پر پسینہ کی لطافت دیکھی ہے

در آتشِ رشک از غمِ دل غرقِ گلاب ست
رشک کی آگ میں دل کے غم سے عرقِ گلاب میں غرق ہے

در بزمِ دل از روئے تو صد شمع برافروخت
دل کی محفل میں تیرے رُخ سے سینکڑوں شمعیں روشن ہو گئیں

ویں طرفہ کہ بر روئے تو صد گونہ حجاب ست
اور یہ تعجب ہے کہ تیرے رخ پر سو طرح کے پردے ہیں

سبز ست[3] در و دشت بیا تا نگذاریم
دروازہ اور جنگل سبز ہے، آ، تاکہ نہ ہٹائیں

دست از سرِ آبے کہ جہاں جملہ سراب ست
ہاتھ، پانی کے کنارے سے کہ تمام دنیا سراب ہے

در کنجِ دماغم[4] مطلب جائے نصیحت
میرے دماغ کے گوشہ میں نصیحت کی جگہ، تلاش نہ کر

کایں حجرہ پر از زمزمۂ چنگ و رباب ست
اس لئے کہ یہ حجرہ چنگ اور رباب کے نغمے سے پُر ہے

راہِ تو چہ[5] راہ ست کہ از غایتِ تعظیم
تیرا راستہ بھی کیا راستہ ہے کہ انتہائی بڑائی کی وجہ سے

دریائے محیطِ فلکش ہمچو حباب ست
آسمان کا دریائے محیط اس کے لئے بلبلے جیسا ہے

بے روئے دل آرائے تو اے شمعِ دل افروز
دل کو آرائش دینے والے تیرے چہرے کے بغیر اے دل کو روشن کرنے والی شمع

دل رقص کناں بر سرِ آتش چو کباب ست
آگ پر کباب کی طرح، دل رقص کرنے والا ہے

حافظ چہ[6] شد ار عاشق و رند ست و نظر باز
کیا ہوا! اگر حافظ، عاشق، اور رند اور نظر باز ہے

بس طورِ عجب لازمِ ایامِ شباب ست
بہت سے عجیب طریقے جوانی کے زمانے کا لازمہ ہیں

ما را ز آرزوئے تو پروائے خواب نیست
ہمیں تیری تمنا کی وجہ سے نیند کی پرواہ نہیں ہے

بے روئے دلفریبِ تو بودن ثواب نیست
تیرے دلفریب چہرے کے بدون رہنا ثواب نہیں ہے

در دورِ[7] چشمِ مستِ تو ہشیار کس ندید
تیری مست آنکھ کے دور میں کسی کو ہوشیار نہ دیکھا

کو دیدہ کز تصورِ چشمت بخواب نیست
وہ آنکھ کونسی ہے جو تیری آنکھ کے تصور سے نیند میں نہیں ہے

در ہر کہ بنگری بغمے از تو مبتلا ست
تو جس کو بھی دیکھے تیرے کسی غم میں مبتلا ہے

یک دل ندیدہ ام کہ ز عشقت خراب نیست
میں نے ایک دل بھی نہیں دیکھا جو تیرے عشق میں تباہ نہیں ہے

ہر[8] کو بدستِ عشقِ تو شد کشتہ بر درت
ہر وہ جو تیرے در پر، عشق کے ہاتھوں مارا گیا

او را در آں جناب سوال و جواب نیست
اُس دربار میں اس سے کوئی سوال و جواب نہیں ہے

[1] معشوق کے چلے جانے کے بعد اس کی تصویر اس پانی پر قائم ہے جو ہماری آنکھوں سے جاری ہے۔
[2] تیرے رخ پر پسینے کی بوندیں دیکھ کر گلاب شرما جاتا ہے۔
[3] در و دشت سرسبز ہے اور پانی کا کنارہ ہے۔ اس پُر لطف مقام کو نہ چھوڑنا چاہئے۔
[4] جس سر میں چنگ و رباب کا نغمہ سمایا ہو وہاں نصیحت کیسے کارگر ہو سکتی ہے
[5] تیری راہ کی تعظیم کے لئے آسمان جھکا ہوا ہے۔
[6] جوانی میں یہ باتیں ہوتی ہی ہیں۔
[7] چشمِ مست کے تصور سے سب مدہوش ہیں۔
[8] شہیدِ عشق بلا حساب کتاب جنت میں جائیگا۔

حافظ چو زر بہ بوتہ در اُفتاد و تاب یافت
حافظ سونے کی طرح کٹھالی میں پڑا، اور تپا
عاشق نباشد آنکہ چو زر او بتاب نیست
وہ عاشق نہیں ہوسکتا، جو سونے کی طرح نہ تپا ہو

مدامم مست میدارد نسیم جعدِ گیسویت
تیرے گیسو کے گھنگھریالے بالوں کی خوشبو، مجھے ہمیشہ مست رکھتی ہے
خرابم میکند ہر دم فریبِ چشمِ جادویت
تیرے جادو کی آنکھ کا فریب، مجھے ہر دم تباہ کرتا ہے

پس از چندیں شکیبائی شبے یارب تواں دیدن
کس قدر صبر کے بعد، اے خدا کسی رات کو دیکھا جاسکے گا
کہ شمعِ دیدہ افروزیم در محرابِ ابرویت
کہ ہم اپنی آنکھوں کی شمع تیرے ابرو کی محراب میں روشن کریں

سوادِ لوحِ بینش را عزیز از بہرِ آں دارم[1]
میں روشنائی کی تختی کی سیاہی کو اس وجہ سے پیار رکھتا ہوں
کہ جاں را نسخۂ باشد ز نقشِ خالِ ہندویت
تاکہ تیرے سیاہ تل کے نقش سے جان کے لئے ایک نسخہ ہو

تو گر خواہی[2] کہ جاویداں جہاں یکسر بیارائی
اگر تو چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو ہمیشہ کے لیے سجادے
صبا را گو کہ بردارد زمانے برقع از رویت
تو صبا کو کہہ دے کہ تھوڑی دیر کیلئے تیرے چہرے سے برقع اٹھالے

وگر رسمِ[3] فنا خواہی کہ از عالم براندازی
اگر تو موت کے رواج کو دنیا سے ختم کرنا چاہتا ہے
بیفشاں زلف تا ریزد ہزاراں جاں ز ہر مویت
زلف کو جھٹک دے تاکہ وہ تیرے ہر بال سے ہزاروں جانیں بکھیر دے

من و بادِ صبا[4] مسکین دو سرگردان و بیحاصل
میں اور بادِ صبا، مسکین، اور حیران، اور بے نتیجہ ہیں
من از افسونِ چشمت مست و او از بوئے گیسویت
میں تیری آنکھ کے جادو سے مست، اور وہ تیرے گیسو کی خوشبو سے مست ہے

من از لطفِ[5] صبا دارم سپاسِ نکہتِ جاناں
میں صبا کی مہربانی سے معشوق کی خوشبو کا شکر گذار ہوں
وگرنہ کے گذر بودے سحرگاہاں ازیں سویت
ورنہ صبح کے وقت اس جانب تیرا کب گذر ہوتا

سوادِ دیدہ[6] ہر وقتے بخونِ دل ہمی دیدم
میں آنکھ کی سیاہی کو ہر وقت دل کے خون میں دیکھتا تھا
عزیزش دارم ایں ساعت بیادِ خالِ ہندویت
اب اس کو تیرے سیاہ تل کی یاد کی وجہ سے پیارا رکھتا ہوں

زہے ہمت کہ حافظ رفت از دنیا و از عقبیٰ
کیا خوب ہمت ہے کہ حافظ دنیا، اور عقبیٰ سے گذر گیا
نیاید ہیچ در چشمش بجز خاکِ سرِ کویت
اس کی آنکھ میں بجز تیرے کوچہ کی خاک کے کچھ نہیں سماتا

مردمِ دیدۂ ما جز برخت ناظر نیست
ہماری آنکھ کی پتلی تیرے چہرے کے سوا دیکھنے والی نہیں ہے
دلِ سرگشتۂ ما غیر ترا ذاکر نیست
ہمارا دیوانہ دل تیرے سوا کسی کو یاد کرنے والا نہیں ہے

اشکم احرامِ طوافِ حرمت می بندد
میرے آنسو تیرے حرم کا طواف کرنے کے لئے احرام باندھتے ہیں
گرچہ از خونِ دلِ ریش دمے طاہر[7] نیست
اگرچہ وہ زخمی دل کے خون کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے بھی پاک نہیں ہے

بستۂ دامِ قفس باد چو مرغِ وحشی
خدا کرے وحشی پرندے کی طرح پنجرے کے جال میں پھنسا ہے
طائرِ سدرہ[8] اگر در طلبت سائر نیست
سدرہ کا پرندہ اگر وہ تیری طلب میں گھومنے والا نہیں ہے

عاشقِ مفلس اگر قلبِ دلش کرد نثار[9]
مفلس عاشق نے اگر اپنا کھوٹا دل نچھاور کردیا ہے
مکنش عیب کہ بر نقدِ رواں قادر نیست
تو اسے عیب نہ لگا اس لئے کہ وہ چالو نقد پر قادر نہیں ہے

[1] آنکھ کی پتلی میں چونکہ تیری تصویر ہے اس لئے وہ مجھے پیاری ہے۔
[2] محبوب کی رونمائی دنیا کی ابدی آرائش کا سبب ہے۔
[3] محبوب کی زلف میں اس قدر جانیں ہیں کہ اگر ان کو دنیا میں بکھیر دیا جائے تو پھر دنیا کا فنا ہونا ممکن نہ رہے۔
[4] میں معشوق کی آنکھوں سے مست ہوں اور بادِ صبا اس کی زلف کی خوشبو سے۔
[5] صبا کا احسان ہے کہ اس کی خوشبو مجھ تک پہونچا دیتی ہے۔
[6] آنکھ کی پتلی سے مجھے دشمنی تھی لیکن چونکہ اس میں تیرے تل کی مشابہت ہے اس لئے اب محبت پیدا ہوگئی ہے۔
[7] حالانکہ احرام پاکی کی حالت میں باندھا جاتا ہے۔
[8] یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام۔
[9] عاشق کے پاس کھوٹا دل ہی تھا وہ اس نے نثار کردیا۔

عاقبت دست بر آں سروِ بلندش برسد
انجام کار اس کے بلند سرو پر اس شخص کا ہاتھ پہونچ جائیگا

ہر کرا در طلبت ہمّتِ او قاصر نیست
تیری طلب میں جس کی ہمت کوتاہ نہیں ہے

از رواں بخشیِ عیسیٰ نزنم پیشِ تو دم[۱]
میں تیرے سامنے حضرت عیسیٰ کے جان بخشنے کی بات نہیں کر سکتا

زانکہ در روح فزائی چو دمت قادر نیست
اس لیے کہ وہ روح کے بڑھانے میں تیرے دم کی طرح قادر نہیں ہے

منکہ از آتشِ سودائے تو آہے نزنم
میں جو کہ تیرے عشق کی آگ سے آہ بھی نہیں کرتا ہوں

کے تواں گفت کہ بر داغِ دلم صابر نیست
مجھے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دل کے داغ پر صابر نہیں ہے؟

روزِ اوّل کہ سرِ زلفِ تو دیدم گفتم[۲]
پہلے دن ہی جبکہ میں نے تیری زلف کا سرا دیکھا تو میں نے کہہ دیا

کہ پریشانیِ ایں سلسلہ را آخر نیست
کہ اس سلسلہ کی پریشانی کی انتہا نہیں ہے

سرِ پیوندِ تو تنہا نہ دلِ حافظ راست
تجھ سے تعلق کا خیال، صرف حافظ کے دل کو ہی نہیں ہے

کیست آں کش سرِ پیوندِ تو در خاطر نیست
وہ کون ہے جس کی طبیعت میں تجھ سے تعلق کا خیال نہیں ہے؟

مدّتے شد کہ آتشِ سودائے او در جانِ ماست
ایک زمانہ گذرا کہ اس کے عشق کی آگ ہماری جان میں لگی ہے

ویں تمنا[۳] بیں کہ دائم در دلِ ویرانِ ماست
اور اس تمنا کو دیکھ جو ہمیشہ ہمارے ویران دل میں ہے

مردمِ چشمم بخونابِ جگر غرقند زاں[۴]
میری آنکھ کی پتلیاں جگر کے خالص خون میں اس لئے ڈوبی ہوئی ہیں

چشمۂ مہرِ رخش در سینۂ نالانِ ماست
کہ اس کے رخ کے آفتاب کا چشمہ میرے نالاں سینے میں ہے

آبِ حیواں قطرہ از لعلِ ہمچوں شکرش[۵]
آبِ حیات اس کے شکر جیسے ہونٹ کا ایک قطرہ ہے

قرصِ خور عکسے ز روئے آں مہِ تابانِ ماست
آفتاب کی ٹکیا، ہمارے اس روشن چاند کے چہرے کا عکس ہے

تا نفختُ فیہِ من رُوحی شنیدم شد یقیں[۶]
جب سے میں نے نفخت فیہ من روحی سنا ہے یقین ہو گیا ہے

بر من ایں معنی کہ ما زانِ وِیَم و اُو زانِ ماست
مجھے اس معنی کا کہ ہم اس کے ہیں، وہ ہمارا ہے

ہر دلے را اطلاعے نیست بر اسرارِ غیب[۷]
غیب کے رازوں کی، ہر دل کو خبر نہیں ہے

محرمِ ایں سرِّ معنی دارِ علوی جانِ ماست
اس آسمانی بامعنی راز کا محرم، ہماری جان ہے

چند گوئی اے مذکّر شرحِ دیں خاموش باش
اے واعظ! دین کی شرح کب تک کرے گا چپ رہ

دینِ ما در ہر دو عالم صحبتِ جانانِ ماست
دونوں جہاں میں ہمارا دین ہمارے معشوق کی صحبت ہے

حافظا تا روزِ آخر شکرِ ایں نعمت گزار
اے حافظ! قیامت تک اس نعمت کا شکر ادا کر

کاں صنم از روزِ اوّل[۸] دارو و درمانِ ماست
کہ وہ صنم پہلے روز سے، ہمارے درد کی دوا اور علاج ہے

میرِ من خوش میروی کاندر سراپا میرمت[۹]
میرے سردار! تو کس قدر اچھا چلتا ہے کہ تیرے سراپا پر میں مرتا ہوں

ترکِ من خوش میخرامی پیشِ بالا میرمت
میرے محبوب! تو کیا اچھا ٹہلتا ہے تیرے قد پر میں مرتا ہوں۔

گفتہ بودی کے بمیری پیشِ من ایں تعجیل چیست
تو نے کہا تھا میرے سامنے تو کب مرے گا یہ جلدی کیسی ہے

خوش تقاضا میکنی پیشِ تقاضا میرمت
تو کس قدر پیارا تقاضہ کرتا ہے تیرے تقاضے پر میں مرتا ہوں

---

۱ حضرت عیسیٰ میں مردوں کو زندہ کرنے کی ایسی طاقت نہ تھی جیسی معشوق میں ہے۔
۲ زلف کے عاشق کی پریشانی لاانتہا ہے۔
۳ ویرانے کو سب چھوڑ دیتے ہیں لیکن تمنا ویران دل کو نہیں چھوڑتی ہے۔
۴ چونکہ اس کے رخ کا آفتاب ہمارے سینے میں ہے اس لئے جگر سے خونی پانی بشکل آنسو ٹپکتا ہے۔
۵ آبِ حیات اس کے ہونٹوں کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور آفتاب اُس کے رُخ سے روشنی حاصل کر رہا ہے۔
۶ "نفخت فیہ من روحی" یعنی ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی ہے۔
۷ میرا محبوب غیب کے بھیدوں سے واقف ہے۔
۸ ہم ازل سے اس پر عاشق ہیں۔
۹ تیرا تقاضہ اس قدر حسین ہے کہ میں اس پر قربان ہو جاؤں۔

عاشقِ مہجورِ مخمورم بُتِ ساقی کجاست
میں مجور عاشق خمار میں ہوں، ساقی بُت کہاں ہے؟
گو خراماں شو کہ پیشِ قدِ رعنا میر مت
کہدو ٹہلیں، میں تیرے حسین قد پر مرتا ہوں

اے کہ عمرے شد کہ تا بیمارم از مژگانِ تو
اے وہ کہ ایک زمانہ گزر گیا ہے میں تیری پلکوں کا بیمار ہوں
تو نگاہے کن کہ پیشِ چشمِ شہلا[۱] میر مت
تو ایک نگاہ ڈالدے کہ تیری نرگسی آنکھ پر میں مرتا ہوں

گفتۂ لعلِ مَنَت ہم درد بخشد ہم شفا
تو نے کہا میرا ہونٹ تیرے لئے درد پیدا کرنیوالا بھی ہے اور شفا دینے والا بھی
گاہ پیشِ درد و گہ پیشِ مداوا میر مت
میں کبھی درد پر، اور کبھی دوا پر مرتا ہوں

خوش خراماں میروی چشمِ بد از روئے تو دور
تو کس قدر اچھا ٹہلتا ہے، نظر بد تیرے چہرے سے دور ہے
دارم اندر سر خیالِ آنکہ در پا میر مت
میرے سر میں یہ خیال ہے کہ تیرے قدموں پر میں مرجاؤں

گرچہ[۲] جائے حافظ اندر خلوتِ وصلِ تو نیست
اگرچہ حافظ کی جگہ تیرے وصل کی خلوت میں نہیں ہے

اے ہمہ جائے تو خوش پیشِ تو ہر جا میر مت
اے وہ کہ تیری ساری جگہیں اچھی ہیں تیرے سامنے ہر جگہ مرتا ہوں

نمیدانم[۳] دلِ بلبل ز عشقِ روئے گل چونست
مجھے معلوم نہیں، کہ بلبل کے دل کا، چہرۂ گل کے عشق سے کیا حال ہے
دلے در غنچہ می بینم بپیکانہاش در خون ست
غنچہ کے دل کو میں دیکھتا ہوں، کہ اس کے تیروں سے خون میں ہے

عجب[۴] باشد کہ بلبل را قرار و صبر کم گردد
تعجب کی بات ہوگی کہ بلبل کا قرار اور صبر کم ہو
ریاحیں را چو ہر ساعت جمال و حسن افزونست
جبکہ پھولوں کا ہر گھڑی جمال اور حسن بڑھ رہا ہے

نظر کن بر گلِ رعنا کہ شکلِ او چہ افتادہ
حسین پھول کو دیکھ، کہ اس کی شکل کیسی ہے
چہ جرمِ[۵] بلبلِ شیدا اگر بیچارہ مفتونست
عاشق بلبل کی کیا خطا ہے، اگر بیچارا دیوانہ ہوگیا ہے

چو از پردہ بروں آمد گل آنگہ بلبلِ مسکیں
جب پھول پردے سے باہر آگیا اس وقت مسکین بلبل
اگر در پردہ مینالد دلش از پردہ بیرونست
اگر در پردہ نالہ کر رہا ہے تو اس کا دل قابو سے باہر ہے

اگر مستی کند بلبل دریں موسم روا باشد
اگر اس موسم میں، بلبل مستی کرتا ہے تو درست ہے
کہ[۶] بر ہر شاخ از گلہا ہزاراں جامِ میگونست
اس لیے کہ ہر شاخ پر پھولوں کے ہزاروں شرابی جام ہیں

دریں موسم کہ بوئے عیش از عالم نمی آید
اس موسم میں کہ دنیا سے عیش کی بو نہیں آرہی ہے
تو خود دانی نگارینا کہ حالِ عاشقاں چونست
اے معشوق تو خود جانتا ہے عاشقوں کا کیا حال ہے؟

زمانِ عشرت و شادی کہ میجستی بجاں حافظ
عشرت اور خوشی کا وہ زمانہ جو اے حافظ تو دل سے ڈھونڈتا ہے
غنیمت داں کنوں عشرت کہ وقتِ عیش اکنونست
اب کی عشرت کو غنیمت جان اس لئے کہ عیش کا وقت اب ہے

ہر آں خجستہ نظر کز پئے سعادت رفت
ہر وہ مبارک نظر، جو سعادت کے درپے ہوا
بکنجِ میکدہ و خانۂ[۷] ارادت رفت
وہ شرابخانہ کے گوشہ میں اور ارادتمندی کے گھر میں پہونچا

ز[۸] رطلِ دُرد کشاں کشف کرد سالکِ راہ
راہ کے سالک نے تلچھٹ پینے والوں کے پیمانہ سے کھول لیے
رموزِ غیب کہ در عالمِ شہادت رفت
غیب کے وہ راز، جو دنیا میں پہونچے

---

۱ نرگس کی ایک خاص قسم ہے۔
۲ یعنی قرب کا اعلیٰ مقام تو حاصل نہیں ہے پھر بھی وہ مقام حاصل ہے جس پر ہم قربان ہو جائیں۔
۳ عاشق کے دل کا تو حال معلوم نہیں لیکن محبوب اُس کی آہوں سے متاثر ہے۔
۴ بے قراری اور بے صبری کے جب اسباب موجود ہیں تو بیقراری کیسے کم ہوسکتی ہے۔
۵ اِس حسن کے ہوتے ہوئے بُلبل عشق میں معذور ہے۔
۶ موسم کی خوشگواری کی وجہ سے ہر پھول جام بکف ہے۔
۷ جس کو سعادت حاصل ہے وہ میکدہ میں پہونچکر پیرِ مُغاں سے ارادت پیدا کریگا۔
۸ تلچھٹ نوش پر غیب کے راز کھلتے ہیں۔

بیا و معرفتِ من شنو کہ در سخنم
آ، اور مجھ سے معرفت کی باتیں سن اس لئے کہ میرے کلام میں

ز فیضِ روحِ قدس نکتۂ سعادت رفت
جبرئیلؑ کے فیض سے سعادت کا نکتہ پیدا ہو گیا

مجوز[1] طالعِ مولودِ من بجز رندی
میری پیدائش کے ستارے سے، رندی کے سوا کچھ نہ ڈھونڈ

کہ ایں معاملہ با کوکبِ ولادت رفت
اس لئے کہ یہ معاملہ پیدائش کے ستارے سے ہی ہوا ہے

ز بامداد بدستِ دگر بر آمدہ
صبح سے تو دوسرے طریقہ پر نمودار ہوا ہے

وظیفۂ مئے دوشیں مگر ز یادت رفت
شاید گزشتہ رات کی شراب کی عبادت تو بھول گیا

مگر[2] بمعجزہ کوشد طبیبِ عیسیٰ دم
شاید معجزے کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کے سے سانس والا طبیب کوشش کرے

چرا کہ کارِ منِ خستہ از عیادت رفت
اس لیے کہ مجھ خستہ کا کام مزاج پرسی کی حد سے گذر گیا

هزار[3] شکر کہ حافظ ز راہِ میکدہ دوش
ہزار شکر ہے کہ حافظ، کل رات شراب خانہ کے راستہ سے

بکنجِ زاویۂ طاعت و عبادت رفت
فرمانبرداری، اور عبادت کی خانقاہ کے گوشہ میں پہنچ گیا

یارب[4] آں شمعِ شب افروز ز کاشانۂ کیست
اے خدا وہ شمع کس گھرانہ سے رات کو روشن کرنے والی ہے؟

جانِ ما سوخت بپرسید کہ جانانۂ کیست
اس نے ہماری جان کو جلا دیا دریافت کرو کہ کس کا معشوق بنا ہے؟

حالیا[5] خانہ برانداز دل و دینِ من ست
اب تو وہ میرے دل اور دین کو برباد کرنے والا ہے

تا ہم آغوش کہ میباشد و ہمخانۂ کیست
انجام کار وہ کس کا ہم آغوش ہوگا اور کس کا ہم خانہ ہے؟

بادۂ[6] لعلِ لبش کز لبِ ما دور مباد
اُسکے لعل جیسے ہونٹ کی شراب جو خدا کرے ہمارے ہونٹوں سے دور نہ ہو

راحِ روحِ کہ و پیمانِ دہِ پیمانۂ کیست
کس کی روح کیلئے راحت اور کس کے پیمانہ سے عہد کرنیوالی ہے؟

دولتِ[7] صحبتِ آں شمعِ سعادت پرتو
اس سعادت کے سایہ والی شمع کی صحبت کی دولت

باز پرسید خدا را کہ بپروانۂ کیست
خدا کے لیے پھر پوچھو، کس کے پروانہ کو حاصل ہے؟

میدہد ہر کسش افسونے و معلوم نشد
اس پر ہر شخص ایک منتر پڑھتا ہے، اور یہ معلوم نہ ہوا

کہ دلِ نازکِ او مائلِ افسانۂ کیست
کہ اس کا نازک دل، کس کے قصہ کی طرف مائل ہے؟

یارب آں شاہ وشِ ماہ رخِ زہرہ جبیں
اے خدا وہ شاہ جیسا، چاند جیسے رخ اور زہرہ جیسی پیشانی والا

دُرِ یکتائے کہ و گوہرِ یکدانۂ کیست
کس کا دُرِ یکتا اور کس کا گوہرِ یکدانہ ہے؟

آں[8] مئے لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب
وہ لعل جیسی شراب جس نے بدون پیے مجھے خراب کر دیا

ہمنشینِ کہ و ہم کاسہ و پیمانۂ کیست
کس کی ہمنشین، اور کس کی ہم پیالہ و پیمانہ ہے؟

گفتم[9] آہ از دلِ دیوانۂ حافظ بے تو
میں نے کہا، حافظ کے دیوانے دل سے تیرے بدون آہ ہے

زیرِ لب خندہ زناں گفت کہ دیوانۂ کیست
زیرِ لب ہنستے ہوئے بولا کس کا دیوانہ ہے؟

یارب[10] سببے ساز کہ یارم بسلامت
اے خدا! ایسا سبب پیدا کر دے کہ میرا یار سلامتی سے

باز آید و برہاندم از چنگِ ملامت
واپس آجائے، اور مجھے ملامت کے چنگل سے چھڑا دے

---

[1] جو میرا پیدائشی ستارہ ہے رندی اس کے اثرات ہیں۔
[2] میری زندگی عیسوی معجزے سے ہی اب قائم رہ سکتی ہے
[3] حافظ کی شراب نوشی راہِ ہدایت کا سبب بنی
[4] معلوم نہیں کہ معشوق کس گھر کی شمعِ محفل ہے جان تو ہماری جل رہی ہے معلوم نہیں معشوق کس کا بنا ہوا ہے۔
[5] آج تو ہمارے لئے تباہ کن بنا ہے معلوم نہیں کل وہ کس کی بغل میں اور کس کے گھر میں ہوگا۔
[6] اس کے ہونٹوں کی شراب نہ معلوم کس کی روح کی راحت اور کسکے پیمانہ سے وابستہ ہے۔
[7] اس شمع کی صحبت نہ معلوم کس پروانہ کو حاصل ہے۔
[8] وہ معشوق جس سے میں لطف اندوز نہیں نہ معلوم کس کا ہم پیالہ ہے۔
[9] یعنی گویا ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حافظ کس کا دیوانہ ہے۔
[10] فراق میں لوگ مجھے ملامت کر رہے ہیں خدا کرے معشوق لوٹ آئے۔

خاکِ رہِ آں یار سفر کردہ بیارید
اُس سفر میں گئے ہوئے یار کے راستہ کی گرد لے آؤ
تا چشم[1] جہاں بیں کنمش جائے اقامت
تاکہ اس کی اقامت گاہ، جہاں بیں آنکھ کو بنا دوں

فریاد کہ از شش[2] جہتم راہ ببستند
فریاد ہے کہ شش جہت سے میرا راستہ روک دیا ہے
آں خال و خط و زلف و رخ و عارض و قامت
اُس تِل، خط، زلف، چہرے، رخسار اور قد نے

امروز کہ در دستِ توام مرحمتے کن
آج جب کہ میں تیرے قبضہ میں ہوں، رحم کر
فردا کہ شوم خاک چہ سود اشکِ ندامت
کل جب میں خاک ہو جاؤں گا تو ندامت کے آنسوؤں سے کیا فائدہ؟

اے آنکہ[3] بتقریر و بیاں دم زنی از عشق
اے وہ جو تقریر و بیان کے ذریعہ عشق کا دعویٰ کرتا ہے
ما با تو نداریم سخن خیر و سلامت
ہماری تیری، بات نہیں، خیر سلامت

درویش[4] مکن نالہ ز شمشیرِ احبّا
اے فقیر! دوستوں کی تلوار کا شکوہ نہ کر
کایں طائفہ از کشتہ ستانند غرامت
یہ لوگ، تو مقتول سے تاوان وصول کرتے ہیں

در خرقہ زن آتش کہ خمِ ابروئے ساقی
گدڑی میں آگ لگا دے اس لیے کہ ساقی کے ابروں کے خم
بر می شکند گوشۂ محرابِ امامت
امامت کے محراب کا گوشہ اکھاڑ رہے ہیں

حاشا[6] کہ من از جور و جفائے تو بنالم
خدا بچائے کہ میں تیرے جور و جفا سے نالاں ہوں
بیدادِ لطیفاں ہمہ لطف ست و کرامت
پاکیزہ لوگوں کا ظلم، سب مہربانی اور بخشش ہے

کوتہ نکند بحثِ سرِ زلفِ تو حافظ
حافظ تیرے زلف کے قصّہ کی بحث کو مختصر نہیں کرتا ہے
پیوستہ شد ایں سلسلہ تا روزِ قیامت
یہ سلسلہ، تو قیامت کے دن سے پیوستہ ہے

ردیفِ ثاءِ مثلّثہ

الغیاث اے مایۂ جاں الغیاث
فریاد ہے، اے جان کے سرمایہ! فریاد ہے
کفرِ[7] زلفت بُرد ایماں الغیاث
تیری زلف کا کفر ایمان لے گیا، فریاد ہے

ما ہمی[8] لیسیم لب از تشنگی
ہم پیاس سے، ہونٹ چاٹ رہے ہیں
در لبانت آبِ حیواں الغیاث
تیرے ہونٹوں میں آبِ حیات ہے، فریاد ہے

وہ کجا شد شربتِ دیدارِ تو
ہائے! تیرے دیدار کا شربت کہاں چلا گیا؟
میکُشد تلخیٔ ہجراں الغیاث
ہجر کی تلخی مارے ڈالتی ہے، فریاد ہے

ما ز گریہ غرق در خوں گشتہ ایم
ہم رونے کی وجہ سے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں
لعلِ[9] تو پیوستہ خنداں الغیاث
تیرے ہونٹ مسلسل مسکرا رہے ہیں، فریاد ہے

غمزۂ شوخِ تو از راہِ اجل
تیری شوخ ادا، موت کے راستہ سے
میزند در دیدہ پیکاں الغیاث
چھپا کر تیر چلا رہی ہے، فریاد ہے

---

[1] یعنی اپنی جہاں بیں آنکھوں کا سرمہ بنالوں
[2] معشوق کی چھ چیزوں کے حسن نے مجھے شش جہت سے گھیر لیا ہے۔
[3] جو شخص عشق کی خواہ مخواہ ڈینگیں مارتا ہے اس سے ہماری صاحب سلامت نہیں ہے۔
[4] دوستوں کے مظالم کا شکوہ ہے کہ یہ قتل بھی کرتے ہیں پھر مقتول سے ہی تاوان مانگتے ہیں۔
[6] محبوب سے کوئی شکوہ شکایت نہیں اس لئے کہ اس کا تو کرم ہی کرم ہے
[7] زلف کی سیاہی کو کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
[8] محبوب کے پاس آبِ حیات ہے اور ہم پیاس سے ہونٹ چوس رہے ہیں۔
[9] لعل یعنی ہونٹ۔

از خدنگِ ناوکِ مژگانِ تو
تیری پلکوں کے تیر اور نیزے سے
زخمہا افتادہ در جاں الغیاث
جان میں زخم پڑ گئے ہیں، فریاد ہے

چوں دو زلفت کرد سرگرداں مرا
تیری دو زلفوں کی طرح، مجھے پریشان کر دیا
گردشِ گردونِ گرداں الغیاث
چکر کھانے والے آسمان کی گردش نے، فریاد ہے

ہمچو گوی از زخمِ چوگانِ فلک
آسمان کے بلّے کی چوٹ سے، گیند کی طرح
ہر طرف گشتیم غلطاں الغیاث
ہم ہر طرف لڑھک رہے ہیں، فریاد ہے

ہیچش زلفِ تو در جانم فتاد
تیری زلفوں کا پھندا میری جان میں پڑ گیا ہے
رشتۂ تن گشت پیچاں الغیاث
بدن کا دھاگا اُلجھ گیا ہے، فریاد ہے

چشمِ بیمارت مرا بیمار کرد
تیری بیمار آنکھوں نے، مجھے بیمار کر دیا
جز لبانت نیست درماں الغیاث
تیرے ہونٹوں کے سوا علاج نہیں ہے، فریاد ہے

باطنابِ زلف حافظ را بکش
حافظ کو، زلف کی رسّی کے ذریعہ، کھینچ لے
ماندہ در چاہِ زنخداں الغیاث
جو ٹھوڑی کے کنوئیں میں گر پڑا ہے، فریاد ہے

بازم ہوائے آں گُلِ رعناست الغیاث
مجھے پھر اس حسین پھول کی خواہش ہے، فریاد ہے
دیگر دلم رمیدہ و شیداست الغیاث
میرا دل پھر شیدا اور دیوانہ ہے، فریاد ہے

آں دل کہ کنجِ عافیتے برگزیدہ بود
وہ دل، جس نے عافیت کا گوشہ اختیار کر لیا تھا
ایں دم بعزمِ درد و بلاہاست الغیاث
اس وقت درد اور مصیبت کی ٹھانے ہوئے ہے، فریاد ہے

صوفی کہ جامِ صاف دمادم ہمیکشید
وہ صوفی، جو صاف جام برابر چڑھا رہا تھا
حیرانِ کوئے او شدہ رسواست الغیاث
اس کے کوچہ میں حیران ہو کر رسوا ہے، فریاد ہے

عارف کہ غرق بود بناموسِ ننگ و نام
وہ عارف جو ننگ و نام کے ناموس میں ڈوبا ہوا تھا
افتادہ در ملامت و سوداست الغیاث
وہ ملامت، اور جنون میں پھنسا ہے، فریاد ہے

از جانِ زارِ حافظ و سرگشتگانِ شوق
حافظ کی لاغر جان، اور شوق کے دیوانوں کی جانب سے
فریاد و شور و ولولہ برخاست الغیاث
فریاد، اور شور، اور ولولہ اٹھا ہے، فریاد ہے

دردِ ما را نیست درماں الغیاث
ہمارے درد کا علاج نہیں ہے، فریاد ہے
ہجرِ ما را نیست پایاں الغیاث
ہمارے ہجر کی انتہا نہیں ہے، فریاد ہے

دین و دل بردند و قصدِ جاں کنند
دین اور دل توڑ لے گئے، اور جان کا ارادہ کر رہے ہیں
الغیاث از جورِ خوباں الغیاث
فریاد ہے، حسینوں کے ظلم سے، فریاد ہے

در بہائے بوسۂ جانے طلب
ایک بوسہ کی قیمت میں، جان طلب
میکنند ایں دلستاناں الغیاث
کرتے ہیں، یہ دل لے لینے والے، فریاد ہے

۱ ابرو کو کمان اور پلکوں کو تیر قرار دیا۔
۲ زلف کو پریشان قرار دیا جاتا ہے۔
۳ جسم کو دھاگا قرار دیا ہے۔
۴ ٹھوڑی کے گڑھے کو کنواں اور زلف کو رسّی قرار دیا ہے۔
۵ عشق کا ارادہ درد و بلا کا ارادہ ہے۔
۶ عارف جو عشق سے پہلے ننگ و نام کی فکر میں پڑا تھا اب عشق و ملامت میں پھنسا ہے۔
۷ ہمارا درد لا دوا ہے، اور ہجر لا انتہا ہے۔
۸ حسینوں نے دین اور دل تو لوٹ لیا اب ہماری جان کی فکر میں لگے ہیں۔
۹ ایک بوسہ کی قیمت میں جان مانگتے ہیں۔

خونِ ما خوردند ایں کافر دلاں — اے مسلماناں چہ درماں الغیاث

یہ کافر دل، ہمارا خون پی گئے — اے مسلمانو! کیا علاج ہے، فریاد ہے

دادِ مسکیناں بدہ اے روزِ وصل[1] — از شبِ یلدائے ہجراں الغیاث

اے وصل کے دن، مسکینوں کی فریادرسی کر — ہجر کی تاریک رات سے، فریاد ہے

ہر زمانم دردِ دیگر میرسد — زیں حریفاں بر دل و جاں الغیاث

مجھے ہر آن، نیا درد پہنچتا ہے — ان دوستوں سے دل، اور جان پر، فریاد ہے

ہمچو حافظ روز و شب بے خویشتن

حافظ کی طرح، دن رات بے خود

گشتہ ام سوزاں و گریاں الغیاث

سوزاں، اور گریاں بنا ہوں، فریاد ہے

ردیفِ جیمِ عربی

آتش[2] اندر آبِ افسردہ ست یا مے در زجاج — یا درخشاں درمیانِ چشمۂ حیواں سراج

ٹھٹھرے ہوئے پانی میں آگ ہے، یا شیشہ میں شراب — یا آبِ حیات کے چشمہ کے درمیان، روشن چراغ ہے

از کفِ آزادگاں غائب مدار[3] آں جام را — کاہلِ دل را کارِ عشرت زاں ہمیگیرد رواج

اس جام کو آزادوں کی ہتھیلی سے جدا نہ رکھ — اس لیے کہ اہلِ دل کے عیش کا کام اسی سے رواج پکڑتا ہے

ساقیا دردِہ ز بہرِ اہلِ روح و اہلِ دل — آنچناں راحے کہ با جاں ہست آں را امتزاج

اے ساقی! اہلِ روح، اور اہلِ دل کے لئے دے — وہ شراب، جس کا جان کے ساتھ میل ہے

من چنیں ز آغازِ فطرت عاشق و مست آمدم — بر ہمیں رہ تا بوقتِ[4] اندراج

میں ابتدائے پیدائش سے ایسا ہی عاشق اور مست ہوں — دفن کے وقت تک اس راستہ سے منہ نہ موڑوں گا

بر فگن[5] برقع ز رخ کز نازکی مانی بداں — تازہ گل کز وے رباید بادِ شبگیری رواج

رخ سے برقع ہٹا دے اس لئے کہ نزاکت کیوجہ سے تو مانند — اُس تازہ پھول کے ہے جس کی رونق رات کی ہوا اڑا دیتی ہے

احتیاجِ من بوصلِ خویشتن دانستۂ — دوستاں را دستگیری کن بوقتِ احتیاج

تونے اپنے وصل سے متعلق میری ضرورت جان لی ہے — ضرورت کے وقت، دوستوں کی دستگیری کر

عاشقانِ[6] کوئے جاناں با گدائی سرخوش اند — اینچنیں شہ را کجا باشد نظر بر تخت و تاج

محبوب کے کوچہ کے عاشق گدائی پر خوش ہیں — ایسے بادشاہ کی نظر، تخت و تاج پر کب پڑتی ہے

بشنو ایں نکتہ تو از حافظ کہ باشد سود مند

یہ نکتہ تو حافظ سے سن لے مفید ہوگا

بادہ نوش و خیر کن کیں بہ ز مالِ میر حاج

شراب پی، اور بھلائی کر یہ امیر الحاج کے مال سے بہتر ہے

[1] شبِ ہجر کی تکلیف پر وصل کے روز سے فریاد طلب کی ہے۔

[2] شراب کو آتش سے، اور شیشے کے جام کو، جمے ہوئے پانی سے، تشبیہ دی ہے دوسرے مصرع میں شراب کو، چراغ اور جام کو چشمۂ آبِ حیات قرار دیا ہے۔

[3] آں جام سے مراد شیشے کا جام ہے جس کا ذکر پہلے شعر میں کیا ہے کام کا رواج پانا یعنی پُررونق ہونا۔

[4] وقتِ اندراج یعنی قبر میں داخل ہونے کا وقت۔

[5] یعنی اس قدر نازک چہرہ ہے کہ نقاب کو بھی برداشت نہیں کرتا۔

[6] جو معشوق کے کوچہ کی گدائی میں مست ہے اس کو تاجِ شاہی کی کیا پرواہ ہے۔

سزد کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج
تو اس کے لائق ہے کہ تمام دلبروں سے خراج وصول کرے
چرا کہ بر سرِ خوبانِ عالمی چوں تاج
اس لیے کہ تو تمام حسینوں کے سر پر تاج کی طرح ہے

دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطا و ختن
تیری دو شوخ آنکھوں نے خطا، اور ختن کو تہ و بالا کر دیا
بچین زلفِ تو ماچین و ہند دادہ خراج
تیری زلفوں کی شکن کو ماچین اور ہندوستان نے خراج ادا کیا ہے

بیاضِ روئے تو روشن چو عارضِ خورشید
تیرے چہرے کی سفیدی آفتاب کے رخ کی طرح روشن ہے
سوادِ زلفِ تو تاریکتر ز ظلمتِ داج
تیری زلف کی سیاہی اندھیری رات کی سیاہی سے زیادہ سیاہ ہے

لبِ تو خضر و دہانِ تو آبِ حیوان ست
تیرا ہونٹ خضر، اور تیرا منہ آبِ حیات ہے
قدِ تو سرو و میانِ تو موی و گردن عاج
تیرا قد سرو، اور تیری کمر بال، اور گردن ہاتھی دانت ہے

ازیں مرض بحقیقت کجا شفا یابم
میں اس مرض سے حقیقتاً کہاں شفا پا سکتا ہوں
کہ از تو درد دلِ من نمیرسد بعلاج
جبکہ تجھسے میرے دل کے درد کا علاج نہیں ہوتا ہے

دہانِ تنگِ تو دادہ بآبِ خضر بقا
تیرے تنگ منہ نے آبِ حیات کو بقا عنایت کی ہے
لبِ چو قندِ تو بُرد از نباتِ مصر رواج
تیرے قند جیسے ہونٹ نے مصری کی رونق ختم کر دی

چرا ہمی شکنی جانِ من ز سنگ دلی
جانِ من، سنگدلی سے کیوں توڑتا ہے؟
دلِ ضعیف کہ ہست او بنازکی چو زجاج
اس ضعیف دل کو جو نزاکت میں کانچ کی طرح ہے

فتادہ در دلِ حافظ ہوائے چوں تو شہے
تجھ جیسے شاہ کی محبت حافظ کے دل میں پیدا ہوئی ہے
کمینہ بندۂ خاکِ درِ تو بودے کاج
کاش! کہ وہ تیرے دروازے کی خاک کا ادنیٰ غلام ہوتا

ردلیفِ جیمِ فارسی

از منِ سوختہ آں یار نمیپرسد ہیچ
مجھ جلے ہوئے کے بارے میں وہ یار کچھ نہیں پوچھتا ہے
خبرے زیں دلِ افگار نمیپرسد ہیچ
وہ اس زخمی دل کی کوئی خبر معلوم نہیں کرتا ہے

او طبیبِ من و من خستہ و بیمارِ غمش
وہ میرا طبیب ہے، اور میں اس کے غم میں خستہ اور بیمار ہوں
چہ طبیبیست کہ بیمار نمیپرسد ہیچ
کیسا طبیب ہے کہ بیمار کو کچھ نہیں پوچھتا ہے

دی طبیبے بسرم آمد و احوالم دید
کل ایک طبیب میرے سرہانے آیا اور میرے احوال دیکھے
گفت چونست ترا یار نمیپرسد ہیچ
بولا کیا ہوا ہے، یار تجھے کچھ نہیں پوچھتا ہے

گفتمش بختِ من و طالع شوریدۂ من
میں نے اس سے کہا میں اپنے نصیب اور منحوس مقدر کو
خفتہ می بینم و بیدار نمیپرسد ہیچ
سویا ہوا دیکھ رہا ہوں، اور بیدار کچھ نہیں پوچھتا ہے

جانم از فرقتِ رویش بلب آمد صد بار
اُس کے چہرے کے فراق سے میری جان سو بار ہونٹوں پر آئی
کہ ازیں دل شدہ آں یار نمیپرسد ہیچ
کیونکہ اس گم شدہ دل کے بارے میں وہ یار کچھ نہیں پوچھتا ہے

ا جبکہ تو سب حسینوں کا سرتاج ہے تو سب سے خراج وصول کر۔
۲ خطا اور ختن اور ماچین ملکوں کے نام ہیں۔
۳ لب کو خضر اور منہ کو آبِ حیات اور قد کو سرو اور کمر کو بال اور گردن کو ہاتھی دانت سے تشبیہ دی ہے
۴ مرض کا علاج صرف محبوب کے پاس ہے جب وہ علاج نہیں کرتا ہے تو شفا کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔
۵ خضر کو دائمی زندگی تیرے منہ کے آبِ حیات سے حاصل ہوئی ہے۔ مصر کی بنی ہوئی مصری مشہور ہے
۶ معشوق کے دل کو پتھر اور اپنے دل کو آبگینہ قرار دیا ہے۔
۷ حالانکہ طبیب کا کام بیمار پرسی ہے۔
۸ یعنی میں جس کا دل گم ہو گیا ہے۔

دوش در خواب چو من ماہِ رُخِ او دیدم
شبِ گذشتہ خواب میں جب میں نے اُس کے رُخ کے چاند کو دیکھا
گفت کہ گاہ ترا یار نمیپرسد ہیچ
وہ بولا کبھی کبھی وہ یار، تجھے کچھ نہیں پوچھتا ہے

اے طبیبِ ازلی یک نظرے کن مارا
اے ازلی طبیب! ایک نظر ہم پر ڈال دے
حافظِ سوختہ را یار نمیپرسد ہیچ
سوختہ حافظ کو، یار کچھ نہیں پوچھتا ہے

ردیفِ حائے حطی

اگر بمذہبِ تو خونِ عاشق ست مباح
اگر تیرے مذہب میں عاشق کا خون بہانا جائز ہے
صلاحِ ما ہمہ آنست کاں ترا ست صلاح[1]
تو ہماری بھی وہی صلاح ہے جو تیری صلاح ہے

سوادِ موئے تو تفسیرِ جاعل الظلمات
تیرے بالوں کی سیاہی جاعل الظلمات کی تفسیر ہے
بیاضِ روئے تو تبیانِ فالق الاصباح[2]
تیرے چہرے کی سفیدی فالق الاصباح کی تشریح ہے

ز دیدہ ام شدہ صد چشمہ در کنار رواں
میری آنکھوں سے بغل میں سو چشمے جاری ہوگئے ہیں
کہ خود شنا بکند درمیانِ آں ملاح[3]
کہ خود ملاح ان میں تیرتا ہے

لبِ چو آبِ حیاتِ تو ہست قوتِ روح
تیرا آبِ حیات جیسا ہونٹ روح کی طاقت ہے
وجودِ خاکیِ ما را ازوست قوتِ رواح
ہمارے خاکی وجود کو اس سے شام کی روزی حاصل ہوتی ہے

ز چنگِ زلف کمندت کسے نیافت خلاص
تیری زلف کی کمند کے چنگل سے کسی نے خلاصی نہیں پائی
نہ از کمانچۂ ابرو و تیرِ غمزہ نجاح[4]
نہ ابرو کے کمانچہ، اور ادا کے تیر سے کسی کا بچاؤ ہوا ہے

بیا کہ خونِ دلِ خویشتن بحل کردم[5]
آجا، میں نے اپنے دل کا خون معاف کر دیا ہے
اگر بمذہبِ تو خونِ عاشق ست مباح
اگر تیرے مذہب میں، عاشق کا خون حلال ہے

نداد لعلِ لبش بوسۂ بصد تلبیس
سو چالاکیوں سے بھی اس کے لعل جیسے ہونٹ نے ایک بوسہ نہیں دیا
نیافت کامِ دلِ من ازو بصد الحاح[6]
سو مرتبہ اصرار کے بعد بھی، میرے دل نے اس سے مقصد حاصل نہیں کیا

صلاح و توبہ و تقویٰ ز ما مجو زاہد
اے زاہد! ہم سے نیکی، اور تقویٰ، اور توبہ نہ طلب کر
ز رند و عاشق و مجنوں کسے نجست صلاح
رند، عاشق اور مجنوں سے کوئی نیکی کا طالب نہیں ہوا ہے

پیالہ چیست کہ بر یادِ تو کشیم مدام
پیالہ کیا ہے جو ہمیشہ ہم تیری یاد پر پڑھ جائیں
وَنَحْنُ نَشْرَبُ شُرْبًا كَذَالِكَ الْأَقْدَاحُ[7]
اور ہم تو ایسے پیالے، خوب پیتے ہیں

دعائے جانِ تو ورد زبانِ حافظ باد
تیری جان کی دعا، حافظ کی زبان کا وظیفہ رہے
مدام تاکہ بود گردشِ مسا و صباح[8]
ہمیشہ، جب تک بھی شام اور صبح کی گردش رہے

---

1. ہم تو راضی برضائے یار ہیں۔
2. جاعل الظلمات، یعنی وہ خدا تاریکیوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔ فالق الاصباح یعنی وہ خدا صبح کو نمودار کرنیوالا ہے۔
3. آں ملاح سے مراد محبوب ہے۔
4. زلف کو کمند ابرو کو کمان اور ادا کو تیر قرار دیا ہے۔
5. بحل کردن معاف کر دینا، یعنی میں تجھ سے اپنے خون کا عوض نہ لونگا۔
6. انتہائی اصرار اور مکر سے بھی اس کا ایک بوسہ نہ لے سکا۔
7. اس کی یاد پر ایک پیالہ نہیں بلکہ بہت سے پیالے پیئے۔
8. یعنی قیامت تک۔

ببیں[1] ہلالِ محرم بخواہ ساغرِ راح ۔ کہ ماہِ امن و امانست و سالِ صلح و صلاح
محرم کا چاند دیکھ، شراب کا ساغر مانگ ۔ اس لیے کہ امن اور امان کا مہینہ ہے اور صلح اور نیکی کا سال ہے

عزیز دار زمانِ وصال[2] راکآں دم ۔ مقابلِ شبِ قدرست و روزِ استفتاح
وصال کے زمانے کو عزیز رکھ، اس لیے کہ وہ وقت ۔ شب قدر اور کامیابی کے دن کے بالمقابل ہے

نزاع بر سرِ دنیائے دوں کسے نکند ۔ با آشتی برائے نورِ دیدہ گوئے فلاح
کمینی دنیا کے معاملہ میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا ہے ۔ اے نور چشم! کامیابی کی گیند صلح سے نکال لے جا

دلا تو فارغی از کارِ خویش و[3] میترسم ۔ کہ کس درت نکشاید چو گم کنی مفتاح
اے دل تو اپنے کام سے بے فکر ہے اور مجھے ڈر ہے ۔ کہ جب تو کنجی گم کر دے تو کوئی تیرا دروازہ نہ کھولے گا

بیار بادہ کہ روزش[4] بخیر خواہد بود ۔ ہر آنکہ جامِ صبوحش نہد چراغِ صباح
شراب دے، اس لیے کہ اس شخص کا دن خیریت سے گزرے گا ۔ صبح کا چراغ، جس کا صبح کا جام تیار کرے گا

کدام[5] طاعتِ شایستہ آید از من مست ۔ کہ رنگِ صبح ندانم ز فالقِ الاصباح
مجھ مست سے کونسی مہذب عبادت ہو سکتی ہے؟ ۔ جبکہ میں صبح کے پیدا کرنے والے کی جانب سے صبح کا رنگ نہیں جانتا ہوں

زمانِ شاہِ شجاع ست و دورِ حکمت شرع ۔ براحت اے دل و جاں کوش در مسا و صباح
شاہ شجاع کا زمانہ ہے اور شرع کی دانائی کا دور ہے ۔ اے جان اور دل! صبح اور شام راحت کی کوشش کر

بوئے صبح چو حافظ شبے بروز آور
صبح کی تمنا میں حافظ کی طرح رات کو دن بنا دے

کہ بشگفد گلِ عیشت ز شعلۂ مصباح
تاکہ چراغ کے شعلہ سے تیرے عیش کا پھول کھلے

ردیفِ خائے معجمہ

دلِ من[6] در ہوائے روئے فرخ ۔ شدہ آشفتہ ہمچو موئے فرخ
فرخ کے چہرے کی محبت میں میرا دل ۔ فرخ کی بالوں کی طرح پریشان ہے

بجز ہندوئے زلفش ہیچکس نیست ۔ کہ برخوردار شد از روئے فرخ
اس کی زلف کے حبشی کے سوا کوئی نہیں ہے ۔ جو فرخ کے چہرے سے نفع اندوز ہوا ہو

سیاہِ[7] نیک بخت ست آنکہ دائم ۔ بود ہمراز و ہمزانوئے فرخ
کالا نیک بخت ہی ہے، جو کہ ہمیشہ ۔ فرخ کا ہمراز اور مصاحب رہتا ہے

شود چوں بیدِ لرزاں سروِ آزاد ۔ اگر بیند قدِ دلجوئے فرخ
آزاد سرو لرزنے والے بید کی طرح ہو جائے ۔ اگر فرخ کا دلپسند قد دیکھ لے

بدہ ساقی شرابِ ارغوانی ۔ بیادِ نرگسِ جادوئے فرخ
اے ساقی! سرخ شراب پلا ۔ فرخ کی جادو کی آنکھ کی یاد میں

---

[1] ماہِ محرم ان چار مہینوں میں سے ہے جن میں قتال حرام ہے

[2] وصال کا زمانہ شبِ قدر اور کامیابی کے دن سے بھی زیادہ افضل ہے۔

[3] جو شخص خود اپنی فکر نہیں کرتا کوئی دوسرا بھی اس کی مدد نہیں کرتا ہے۔

[4] جو شخص صبوحی پی لے گا اس کا سارا دن خیریت سے گزرے گا۔

[5] ہم تو ایسے مست سے ہیں کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ صبح کس رنگ میں نمودار ہو گی تو ہم سے اس کی شان کے مطابق کیا عبادت ادا ہو سکتی ہے

[6] فرخ حافظ کے محبوب کا نام ہے، زلف کو پریشان قرار دیا جاتا ہے

[7] سیاہ سے مراد زلف ہے یعنی وہ زلف ہی اس کے رخ سے لطف اندوز ہے اور وہی اسکی مصاحب اور ہمراز ہے۔

دوتا شد قامتم ہمچوں کمانے
میرا قد کمان کی طرح دوہرا ہوگیا ہے
زغم پیوستہ چوں ابروئے فرخ
اس غم کی وجہ سے جو فرخ کی ابروؤں کی طرح پیوستہ ہے

نسیم مشکِ تاتاری خجل کرد
تاتار کے مشک کی ہوا کو شرمندہ کر دیا
شمیمِ موئے عنبر بوئے فرخ
فرخ کے عنبریں بالوں کی خوشبو نے

اگر میلِ دلِ ہر کس بجائے ست
اگر ہر انسان کے دل کا جھکاؤ ایک طرف کو ہے
بود میلِ دلِ من سوئے فرخ
میرے دل کا جھکاؤ فرخ کی جانب ہوگا

غلامِ خاطرِ آنم کہ باشد
میں ایک شخص کی طبیعت کا غلام ہوں، جو ہو
چو حافظ چاکرِ ہندوئے فرخ
حافظ کی طرح، فرخ کی زلفوں کا خادم

ردیفِ دالِ مہملہ

ابرِ آذاری برآمد بادِ نوروزی وزید
آذار کا ابر آگیا اور نوروز کی ہوا چل پڑی
دورِ مے میخواہم و مطرب کہ میگوید رسید
میں شراب کا دور اور ایسا گویا چاہتا ہوں جو گائے کہ دور آگیا

شاہداں در جلوہ و من شرمسارِ کیسہ ام
معشوق جلوے میں ہیں اور میں تھیلی سے شرمندہ ہوں
اے فلک ایں شرمساری تا بکے باید کشید
اے آسمان! یہ شرمندگی کب تک اٹھائی جائے گی

قحطِ جود ست آبروئے خود نمی باید فروخت
سخاوت کا قحط ہے، اپنی آبرو فروخت نہ کرنی چاہیے
بادہ و گل از بہائے خرقہ می باید خرید
شراب اور پھول گدڑی کی قیمت سے خرید لینے چاہئیں

غالباً خواہد کشود از دولتم کارے کہ دوش
میری خوش قسمتی سے غالباً معاملہ حل ہو جائے گا، اس لئے کہ شب گزشتہ
من ہمیکردم دعا و صبحِ آمیں میدمید
میں دعا کر رہا تھا اور آمین کی صبح نمودار ہو رہی تھی

بالبی و صد ہزاراں خندہ گل آمد بباغ
پھول مسکراہٹ اور ہزاروں قہقہوں کے ساتھ باغ میں آگیا
از کریمے گوئیا از گوشۂ بوئے شنید
گویا کسی سخی کی کسی کونے سے اس نے خوشبو سونگھ لی

دامنے گر چاک شد در عالمِ رندی چہ باک
رندی کی حالت میں اگر دامن چاک ہو گیا ہے تو کیا پرواہ ہے
جامۂ در نیکنامی نیز می باید درید
ایک لباس نیکنامی میں بھی، چاک کرنا چاہیے

ایں لطائف کز لبِ لعلِ تو من گفتم کہ گفت
یہ لطائف جو میں نے تیرے لبِ لعل کے بیان کئے ہیں کس نے بیان کئے
واں تطاول کز سرِ زلفِ تو من دیدم کہ دید
اور وہ دست درازیاں جو تیری زلف کی میں نے برداشت کیں کس نے کی ہیں

عدلِ سلطاں گر نپرسد حالِ مظلومانِ عشق
عشق کے مظلوموں کا حال اگر بادشاہ کا انصاف دریافت نہیں کرتا ہے
گوشہ گیراں راز آسائش طمع باید برید
تو گوشہ نشینوں کو عافیت کا لالچ، ختم کر دینا چاہیے

تیرِ عاشق کش ندانم بر دلِ حافظ کہ زد
عاشق کو مار ڈالنے والا تیر نہ معلوم حافظ کے دل پر کس نے مارا ہے
ایں قدر دانم کہ از شعرِ ترش خوں میچکید
میں اس قدر جانتا ہوں کہ اس کے تازہ شعروں سے خون ٹپک رہا تھا

۱؎ معشوق کی دونوں ابروؤں کو ملا ہوا ظاہر کیا جاتا ہے۔
۲؎ معشوق کی خوشبو سے تاتاری مشک کی خوشبو بھی شرمندہ ہے۔
۳؎ آذار بہار کا ایک مہینہ ہے نوروز موسم بہار کا پہلا دن ہے، اسی دن جمشید تخت نشین ہوا تھا۔
۴؎ چونکہ میرے پاس نچھاور کرنے کو کچھ نہیں ہے لہذا میں شرمندہ ہوں۔
۵؎ لبی، وہ مسکراہٹ جو ہونٹوں پر ہو۔

اگر آں[1] طائرِ قدسی ز درم باز آید
اگر وہ پاک پرندہ میرے دروازہ سے لوٹ آئے

عمرِ بگذشتہ بہ پیرانہ سرم باز آید
میرے بڑھاپے میں گذشتہ عمر لوٹ آئے

دارم[2] اُمید بداں اشکِ چو باراں کہ مگر
ان بارش جیسے آنسوؤں سے مجھے امید ہے کہ شاید

برقِ دولت کہ برفت از نظرم باز آید
خوش قسمتی کی بجلی جو میری نگاہوں سے گذر گئی ہے لوٹ آئے

آنکہ پیشش بنہد تاجِ تکبر خورشید
وہ جس کے سامنے سورج تکبر کا تاج اتار کر رکھ دیتا ہے

بادشاہی بکنم گر بسرم باز آید
میں بادشاہی کروں، اگر وہ میرے پاس لوٹ آئے

گر نثارِ[3] قدمِ یارِ گرامی نہ کنم
اگر معزز دوست کے پیروں پر بچھا ورنہ کروں

جوہرِ جاں بچہ کارِ دگرم باز آید
جان کا گوہر، پھر میرے کس کام آئے

آنکہ تاجِ سرِ من خاکِ کفِ پائش بود
جس کے تلوے کی خاک میرے سر کا تاج تھی

از خدا می طلبم تا بسرم باز آید
خدا سے چاہتا ہوں، وہ میرے پاس لوٹ آئے

کوس[4] نو دولتی از بامِ سعادت بزنم
نئی دولت کا نقارہ، نیک بختی کے بالا خانہ پر بجوادوں

گر بہ بینم کہ مہِ نو سفرم باز آید
اگر میں دیکھوں، کہ میرا چاند سفر سے لوٹ آیا ہے

خواہم[5] اندر عقبش رفت چو یارانِ عزیز
پیارے دوستوں کی طرح میں بھی اس کے پیچھے جاؤں گا

شخصم ار باز نیاید خبرم باز آید
اگر میرا وجود لوٹ کر نہ آئے گا، میری خبر تو لوٹے گی

مانعش غلغلِ چنگست و شکر خوابِ صبوح
اس کے لیے ستار کی آواز اور صبح کی میٹھی نیند مانع ہے

ورنہ گر بشنود آہِ سحرم باز آید
ورنہ اگر وہ میری صبح کی آہ سن لے تو لوٹ آئے

آرزومندِ رُخِ شاہِ چو ماہم حافظ
اے حافظ! میں اپنے چاند جیسے شاہ کے رُخ کا آرزومند ہوں

ہمتے[6] تا بسلامت ز درم باز آید
توجہ کیجیے، تاکہ سلامتی کے ساتھ میرے دروازے سے لوٹ آئے

از دیدہ خونِ دل ہمہ بر روئے ما رود
دل کا تمام خون، آنکھوں سے ہمارے چہرے پر بہتا ہے

بر[7] روئے ما ز دیدہ ندانم چہا رود
ہمارے چہرے پر آنکھوں کی وجہ سے نہ معلوم کیا گذرے؟

ما در[8] درونِ سینہ ہوائے نہفتہ ایم
ہم نے سینہ میں، ایک عشق چھپایا ہے

بر باد اگر رود سرِ ما زاں ہوا رود
اگر ہمارا سر برباد ہوگا، اسی عشق سے برباد ہوگا

بر خاکِ راہِ یار نہادیم روئے خویش
ہم نے اپنا چہرہ، یار کے راستہ کی خاک پر دھر دیا ہے

بر روئے ما رواست اگر آشنا رود
اگر دوست، ہمارے چہرے پر چلے تو درست ہے

سیلے[9] ست آبِ دیدہ و بر ہر کہ بگذرد
آنکھوں کے آنسو ایک بہاؤ ہیں، جس شخص پر سے بھی گذرے

گر خود دلش ز سنگ بود ہم ز جا رود
خواہ اس کا دل پتھر کا بھی ہو جگہ سے ہلجائے گا

ما را[10] بآبِ دیدہ شب و روز ماجراست
آنکھ کے آنسوؤں سے، ہمارا دن رات جھگڑا ہے

زیں رہگذر کہ بر سرِ کویش چرا رود
اس راستے سے جو اس کے کوچہ کے سرے پر ہے کیوں بہ کر جاتے ہیں

خورشیدِ خاوری کند از رشک جامہ چاک
مشرق کا سورج بھی رشک سے جامہ چاک کر دے

گر ماہِ مہر پرورِ من در قبا رود
اگر میرا محبت پرور چاند، قبا پہن کر چلے

---

[1] طائرِ قدسی سے مراد معشوق ہے یعنی اگر وہ لوٹ آئے تو میں ازسرِ نوجوان ہو جاؤں۔

[2] برق سے مراد معشوق ہے بارش کے ساتھ بجلی کوندتی ہی ہے۔

[3] جو جان معشوقوں کے قدموں پر نچھاور نہ کی جا سکے وہ بیکار ہے۔

[4] یعنی معشوق کے واپس آجانے پر مجھے ازسرِ نو دولت ہاتھ آجائے گی۔

[5] جس طرح میرے اور دوستوں نے جان گنوائی ہے میں بھی معشوق کے پیچھے جان گنوا دونگا

[6] ہمت سے مراد باطنی توجہ ہوتی ہے۔

[7] یعنی آنکھوں کی بدولت چہرے کو نہ معلوم کیا کیا مصیبتیں بھگتنی پڑیں گی۔

[8] سینہ کی چھپی ہوئی محبت ہمیں برباد کر کے چھوڑے گی۔

[9] بہاؤ سے پتھر اپنی جگہ سے ہلجاتے ہیں۔

[10] یعنی مجھے اپنے آنسوؤں سے رشک ہو گیا ہے کہ وہ بہہ کر معشوق کے کوچہ کی طرف کیوں جاتے ہیں۔

حافظ بکوئے میکدہ دائم بصدقِ دل
حافظ صدق دل سے، شراب خانہ کے کوچہ کی طرف
چوں صوفیاں بصفّہ دار الصّفا رود
اس طرح جاتا ہے، جیسے صوفیاء دار الصفا کے چبوترے کی طرف

از سرِ کوئے تو ہر کو بملالت برود
جو شخص تیرے کوچہ سے رنجیدہ ہو کر جاتا ہے
نرود کارش و آخر بخجالت برود
اس کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور انجام کار شرمندہ ہو کر جاتا ہے

سالک از نورِ ہدایت طلبد راہ بدوست
سالک، ہدایت کے نور سے دوست کے راستہ کو تلاش کرتا ہے
کہ بجائے نرسد گر بضلالت برود
اس لیے کہ وہ کسی جگہ بھی نہیں پہونچ سکتا ہے اگر گمراہی سے چلے

کردہ آخر عمر از مے و معشوق بگیر
تو نے عمر ختم کر دی، شراب اور معشوق حاصل کر
حیف اوقات کہ یکسر ببطالت برود
ان اوقات پر افسوس ہے جو بالکل باطل میں گذریں

اے دلیلِ دلِ گم گشتہ خدارا مددے
اے گم شدہ دل کے راہنما خدا کے لئے مدد کر
کہ غریب ار نبرد رہ بدلالت برود
اس لیے کہ مسافر اگر صحیح راستہ پر نہیں چلتا ہے تو راہنمائی سے چل پڑتا ہے

حکمِ مستوری و مستی ہمہ بر خاتمہ است
تقویٰ، اور مستی کا فیصلہ خاتمہ پر ہے
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود
کوئی نہیں جانتا ہے، کہ آخر میں کس حالت پر چلے گا

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطفِ خدا
جس قافلہ کا راہنما، خدا کی مہربانی ہو
بتجمل بنشیند بجلالت برود
خوبصورتی سے مقیم ہوتا ہے دبدبہ کے ساتھ چلتا ہے

حافظ از چشمۂ حکمت بکف آور جامے
اے حافظ دانائی کے چشمہ سے جام بھر لے
بو کہ از لوحِ دلت نقشِ جہالت برود
ہو سکتا ہے کہ تیرے دل کی تختی سے نادانی کا نقش جاتا رہے

آں کس کہ بدست جام دارد
وہ شخص، جو ہاتھ میں جام رکھتا ہے
سلطانیِ جم مدام دارد
ہمیشہ، جمشید کی سلطنت رکھتا ہے

آبے کہ خضر حیات ازو یافت
وہ پانی، جس سے خضر نے زندگی حاصل کی
در میکدہ جو کہ جام دارد
شراب خانہ میں تلاش کر کیونکہ وہ پیمانہ اپنے اندر رکھتا ہے

سر رشتۂ جم بجام بگذار
جمشید کا سررشتہ، جام کے حوالے کر دے
کایں رشتہ ازو نظام دارد
اس لیے کہ اس کا رشتہ اسی سے تعلق رکھتا ہے

بیروں ز لبِ تو ساقیا نیست
اے ساقی! تیرے ہونٹ سے باہر نہیں ہے
در دور کسے کہ کام دارد
زمانہ میں کوئی ایسا شخص، جو مقصد رکھتا ہو

ما و مے و زاہدان و تقویٰ
ہم ہیں اور شراب، زاہد ہیں اور پرہیزگاری
تا یار سرِ کدام دارد
دیکھو! دوست کس کا خیال رکھتا ہے

بر سینۂ ریشِ دردمنداں
دردمندوں کے، زخمی سینہ پر
لعلت نمکے تمام دارد
ترا ہونٹ، تمام تر نمک رکھتا ہے

ا؎ صفّہ اُس چبوترے کو کہتے ہیں جس پر سائبان ہو، دار الصفا یعنی صفائی کا گھر مراد مسجد ہے۔
۲؎ معشوق کے کوچہ سے تنگدل ہو کر لوٹنے والا محروم اور شرمندہ ہوتا ہے۔
۳؎ بے شراب و معشوق عمر رائگاں ہے۔
۴؎ نیکی اور بدی کا مدار آخر حالت پر ہے اور کس کو معلوم ہے کہ کس کا آخر کس حالت پر ہے۔
۵؎ سلطانی جم سے جمشید کی سلطنت مراد ہے۔
۶؎ جمشید نے کا تعلق جام سے ہی ہے۔

نرگس ہمہ شیوہائے مستی — از چشمِ خوشِ تو وام دارد
نرگس مستی کے تمام طریقے — تیری حسین آنکھ سے قرض لئے ہوئے ہے

ذکرِ رخ و زلفِ تو دلم را[1] — وردیست کہ صبح و شام دارد
میرے دل کے لئے تیرے رخ، اور زلف کا ذکر — ایک وظیفہ ہے، جو وہ صبح و شام پڑھتا ہے

در چاہِ ذقن چو حافظ اے جاں[2]
اے جان! ٹھوڑی کے کنوئیں میں حافظ جیسے

حسنِ تو دو صد غلام دارد
تیرا حسن، دو سَو غلام رکھتا ہے

آنکہ از سنبلِ او غالیہ[3] تابے دارد — باز با دلشدگاں ناز و عتابے دارد
وہ جس کی زلف سے غالیہ غیرت کھاتی ہے — پھر دل گم کئے ہوؤں سے، ناز و عتاب کرتا ہے

از سرِ کشتۂ خود میگذرد ہمچوں باد — چہ تواں کرد کہ عمرست و شتابے دارد
وہ، اپنے مقتول کے پاس سے ہوا کی طرح گزر جاتا ہے — کیا کیا جائے، کہ وہ زندگی ہے، اور جلدی کرتا ہے

ماہِ خورشید نمائش ز پسِ پردۂ زلف[4] — آفتابیست کہ در پیش سحابے دارد
اس کا خورشید نما چاند زلف کے پردے کے پیچھے — ایک آفتاب ہے، جو سامنے ابر رکھتا ہے

آبِ حیواں[5] اگر اینست کہ دارد لبِ یار — روشن ست اینکہ خضر بہرہ سرابے دارد
اگر آبِ حیات یہ ہے جو معشوق کا ہونٹ رکھتا ہے — تو یہ بات واضح ہے کہ خضر سراب کا حصہ رکھتا ہے

چشمِ من کردہ بہر گوشہ رواں سیلِ سرشک — تا سہی سروِ ترا تازہ بآبے دارد
میری آنکھوں نے ہر گوشہ میں آنسوؤں کا سیلاب بکھیرا ہے — تاکہ تیرے بلند سرو کو، پانی سے تازہ رکھے

غمزۂ شوخ تو خونم بخطا میریزد[6] — فرصتش باد کہ خوش رائے صوابے دارد
تیری شوخ ادا، میرا خون ناحق بہا رہی ہے — اس کو موقع میسر آئے، کہ بہتر صحیح رائے رکھتی ہے

چشمِ مخمورِ تو دارد ز دلم قصدِ جگر — ترکِ مستت[7] مگر میلِ کبابے دارد
تیری نشیلی آنکھ دل سے ہٹ کر میرے جگر کا ارادہ کرتی ہے — تیرا مست ترک شاید کباب کی طرف میلان رکھتا ہے

جانِ بیمار مرا نیست ز تو روئے سوال[8] — اے خوش آں خستہ کہ از دوست جوابے دارد
ہماری بیمار جان میں تجھ سے سوال کی ہمت نہیں ہے — وہ زخمی خوش قسمت ہے جس کو دوست سے جواب ملے

کے کند سوئے دلِ خستۂ حافظ نظرے
حافظ کے زخمی دل کی طرف، کب نظر کرتی ہے

چشمِ مستت کہ بہر گوشہ خرابے دارد
تیری مست آنکھ، جو ہر جانب ایک مدہوش رکھتی ہے

اگر نہ بادۂ غمِ دل ز یادِ ما ببرد — نہیبِ حادثہ بنیادِ ما ز جا ببرد
اگر شراب دل کے غم کو ہماری یاد سے نہ بھلائے — تو واقعہ کا خوف، ہماری جڑ اکھاڑ دے

وگرنہ عقل[9] بمستی فرو کشد لنگر — چگونہ کشتی ازیں ورطۂ بلا ببرد
اور اگر عقل مستی کا لنگر نہ ڈالے — اس تباہی کے بھنور سے کشتی کس طرح پار لگائے

---

[1] میرا صبح و شام کا وظیفہ تیری زلف و رخ کا ذکر ہے۔
[2] معشوق کے چاہِ ذقن میں حافظ جیسے سینکڑوں غلام قیدی ہیں۔
[3] غالیہ ایک مرکب خوشبو ہے یعنی غالیہ خوشبو اس کی خوشبو سے کم ہے۔
[4] بکھری ہوئی زلفوں کے پیچھے اس کا رخ بدلی کا چاند ہے۔
[5] یعنی خضر کو آبحیات نہیں ملی بلکہ کسی ریتے پر پانی کا دھوکا کھایا ہے۔
[6] اگرچہ میرا خون ناحق ہے لیکن میں اپنے مارے جانے پر راضی ہوں۔
[7] ترک مست سے مراد مست آنکھیں ہیں۔
[8] ہمیں تو معشوق سے بات کرنیکی ہمت نہیں ہے وہ خوش قسمت ہیں جنکو بات کرنیکا موقع ملے
[9] عقل عشق ہی کی مدد سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔

طبیبِ عشق منم بادہ خور کہ ایں معجون
میں عشق کا طبیب ہوں، شراب پی، اس لیے کہ یہ معجون

فراغت آرد و اندیشۂ بلا ببرد
بے فکری پیدا کرتی ہے اور مصیبت کے اندیشہ کو دفع کرتی ہے

دلِ ضعیفم از آں میکشد بطرفِ چمن
میرا کمزور دل اس سبب سے چمن کی طرف کھینچتا ہے

کہ جاں ز مرگ بدلدارئ صبا ببرد
تاکہ صبا کی دلداری کی وجہ سے، موت سے جان بچائے

گذار بر ظلمات ست خضرِ راہے جو
تاریکیوں پر سے گذر ہے، راستہ کا کوئی خضر ڈھونڈ لے

مباد کآتشِ محرومی آبِ ما ببرد
ایسا نہ ہو کہ محرومی کی آگ، ہماری آبرو خراب کر دے

فغاں کہ با ہمہ کس نردِ کینہ باخت فلک
فریاد ہے، آسماں نے ہر شخص کے ساتھ کینے کی گوٹ چلی

کسے نبود کہ دستے ازیں دغا ببرد
کوئی نہ تھا، جو اس دغا سے بچے

بسوخت حافظ و کس حالِ او بیار نگفت
حافظ جل گیا، اور کسی نے یار سے اس کا حال نہ کہا

مگر نسیم پیامے خدائے را ببرد
شاید نسیم، ازراہِ خدا، پیغام لے جائے

اگر روم[1] ز پیش فتنہا بر انگیزد
اگر میں اس کے سامنے سے ہٹتا ہوں، تو فتنے اٹھاتا ہے

ور از طلب بنشینم بکینہ بر خیزد
اور اگر جستجو چھوڑ دوں، کینہ وری کرتا ہے

وگر براہگذرے یکدم از وفاداری
اور اگر تھوڑی دیر کے لئے وفاداری کی وجہ سے رستہ پر

چو گرد در رہش افتم چو باد بگریزد
اُس کے رستہ میں گرد کی طرح پڑتا ہوں، ہوا کی طرح بھاگتا ہے

چو گویمش کہ چرا با کساں بیامیزی
میں جب اس کو کہتا ہوں، تو لوگوں سے کیوں ملتا جلتا ہے؟

چناں[2] کند کہ سرشکم بخوں بیامیزد
ایسا کر دیتا ہے کہ میرے آنسوؤں کو خون میں ملا دیتا ہے

وگر کنم طلبِ نیم بوسہ صد افسوس
اور اگر میں آدھا بوسہ بھی مانگتا ہوں، صد افسوس!

ز حقّہ[3] دہنش چوں شکر فرو ریزد
اپنے منہ کی ڈبیہ سے، شکر جیسی گراتا ہے

من آں[4] فریب کہ در نرگسِ تو می بینم
وہ فریب، جو میں تیری آنکھ میں دیکھتا ہوں

بس آبروئے کہ بر خاکِ رہ فرو ریزد
بہت سی آبروئیں ہیں، جن کو وہ راستہ کی خاک میں ملاتا ہے

فراز و شیبِ بیابانِ عشق دامِ بلاست
عشق کے جنگل کا اتار چڑھاؤ، مصیبت کا جال ہے

کجاست شیر دلے کز بلا نہ پرہیزد
کوئی ایسا شیر دل کہاں ہے جو مصیبت سے نہ بچے

تو عمر[5] خواہ و صبوری کہ چرخِ شعبدہ باز
تو زندگی اور صبر چاہ، اس لیے کہ شعبدہ باز آسمان

ہزار بازی ازیں طرفہ تر بر انگیزد
اس سے بھی زیادہ عجیب، ہزار بازیاں دکھاتا ہے

بر آستانۂ تسلیم سر بنہ حافظ
اے حافظ! تسلیم کی چوکھٹ پر سر دھر دے

کہ گر ستیزہ کنی روزگار بستیزد
اس لیے کہ اگر تو جھگڑے گا، تو زمانہ جھگڑے گا

آں کیست کز روئے کرم با من وفاداری کند
وہ کون ہے، جو از روئے کرم مجھ سے وفاداری کرے

بر جائے بدکارے چو من یکدم نکوکاری کند
مجھ جیسے بدکار کے ساتھ، تھوڑی سی بھلائی کرے

[1] یہ محبوب ہر حالت میں ستاتا ہے۔
[2] یعنی خون کے آنسو رولاتا ہے۔
[3] یعنی بُرا بھلا کہتا ہے جو میرے لئے ایسا ہی میٹھا ہے جیسی شکر۔
[4] محبوب کی آنکھ سے فریب کھا کر بہت سے بے آبرو ہوئے ہیں۔
[5] زمانہ کے فریب برداشت کرنیکے لئے بڑی عمر اور بہت سا صبر درکار ہے۔

اوّل[1] بہ بانگِ نای و نے گوید بمن پیغامِ او
پہلے نفیری اور بانسری کی آواز کے ذریعہ مجھے اسکا پیام دے

وانگہ بیک پیمانہ مے بامن ہواداری کند
پھر شراب کے ایک پیمانہ کی، مجھ پر عنایت کرے

دلبر کہ جاں فرسود ازو کامِ دلم نکشود ازو
وہ دلبر جس سے جان گھل گئی اور اس سے میرے دل کا مقصد پورا نہ ہوا

نومید نتواں بود ازو باشد کہ دلداری کند
اس سے نا امید نہ ہونا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ دلداری کرے

گفتم گرہ نکشودہ ام زاں طرّہ تا من بودہ ام
میں نے کہا میں جب سے ہوں اس زلف کی میں نے گرہ نہیں کھولی ہے

گفتا منش فرمودہ ام تا با تو طرّاری کند
وہ بولا میں نے اس سے کہدیا ہے کہ تیرے ساتھ شوخی کرے

پشمینہ[2] پوشِ تندخو کز عشق نشنیدست بو
وہ کمبل پوش، بدمزاج، جس نے عشق کی بو بھی نہیں سونگھی ہے

از مستیش رمزے بگو تا ترکِ ہشیاری کند
اس سے مستی کی ایک بات کہدو تاکہ ہوشیاری کو چھوڑدے

چوں من گدائے بے نشاں مشکل بود یارِ فلاں
مجھ جیسے گمنام فقیر کا اس کا دوست ہونا مشکل ہے

سلطاں کجا عیشِ نہاں با رندِ بازاری کند
بادشاہ بازاری رند کے ساتھ کب چھپا عیش کرتا ہے

زاں طرّۂ پُرپیچ و خم سہلست اگر بینم ستم
اگر اس پُرپیچ و خم زلف سے میں ظلم دیکھوں تو آسان ہے

از بند و زنجیرش چہ غم آنکس کہ عیّاری کند
بیڑی اور زنجیر کا اُس کو کیا غم ہے جو آوارگی کرتا ہے

شد لشکرِ غم بے عدد از بخت میخواہم مدد
غم کا لشکر اَن گنت ہو گیا ہے، میں نصیبہ کی مدد چاہتا ہو

تا فخرِ دیں عبد الصّمد باشد کہ غمخواری کند
ہوسکتا ہے کہ دین کا فخر، عبد الصمد غمخواری کرے

با چشمِ پُرنیرنگِ او حافظ مکن آہنگِ او
اس کی پر فریب آنکھوں کے ہوتے ہوئے حافظ اس کا قصد نہ کر

کاں طرّۂ شبرنگِ او بسیار مکّاری کند
اس کے لئے اس کا رات جیسا طرّہ بہت مکّاری کرتا ہے

اے پستہ[3] تو خندہ زدہ بر دہانِ قند
اے وہ کہ تیرے پستہ نے شکر کے منہ کی ہنسی اڑائی ہے

مشتاقم از برائے خدا یک شکر بخند
میں مشتاق ہوں، خدا کے لئے ذرا مسکرا دے

جائے کہ یارِ ما بشکر خندہ دم زند
جس جگہ، ہمارا دوست مسکرائے

اے پستہ کیستی تو خدا را دگر مخند
اے پستے! تو کون ہوتا ہے، خدا کے لیے پھر نہ مسکرا

خواہی کہ برنخیزدت از دیدہ رودِ[4] خوں
اگر تو چاہتا ہے کہ تیری آنکھ سے خون کی ندی نہ بہے

دل در ہوائے صحبتِ رودِ کساں مبند
لوگوں کے لڑکوں کی صحبت سے دل وابستہ نہ کر

گہ طرّہ می نمائی و گہ طعنہ میزنی
تو کبھی زلف دکھاتا ہے اور کبھی طعنہ زنی کرتا ہے

ما نیستیم معتقدِ مردِ خود پسند
ہم خودپسند انسان کے معتقد نہیں ہیں

طوبیٰ[5] ز قامتِ تو نیارد کہ دم زند
طوبیٰ تیرے قد کے سامنے دم نہیں مار سکتا ہے

زیں قصّہ بگذرم کہ سخن میشود بلند
میں اس قصہ کو ختم کرتا ہوں اس لیے کہ بات طول پکڑ رہی ہے

ز آشفتگیِ حالِ من آگاہ کے شود
میری حالت کی پریشانی سے کب آگاہ ہوسکتا ہے

آں را کہ دل نگشت گرفتارِ ایں کمند
وہ جس کا دل اس پھندے میں نہ پھنسا ہو

بازارِ شوق گرم شد آں شمع رُخ کجاست
شوق کا بازار گرم ہو گیا ہے، وہ شمع جیسے رخ والا کہاں ہے

تا جانِ خود بر آتشِ رُویش کنم سپند[6]
تاکہ میں اپنی جان کو اس کے رخ کی آگ پر کالا دانہ بنا دوں

---

[1] وفاداری کی یہ صورت ہے کہ پہلے مجلس سجائے پھر پیمانہ کا دور چلائے۔

[2] یعنی زاہد خشک سے اس کی ایک ادا کا ذکر کردو ہوش گم ہوجائیں گے۔

[3] محبوب کے منہ کو پستہ قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی محبوب کے منہ کی شیرینی شکر پر خندہ زن ہے

[4] "رود" پہلے مصرع میں نہر کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں لڑکے کے معنی میں ہے

[5] طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے یعنی طوبیٰ اس کے قد کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

[6] سپند کالا دانہ جس کو نظربد کے رفع کرنے کے لیے آگ پر جلایا جاتا ہے۔

حافظ تو ترک غمزۂ خوباں نمیکنی
اے حافظ! تو حسینوں کی ادا کو نہیں چھوڑتا ہے

دانی کجاست جائے تو خوارزم[1] یا خجند
تو جانتا ہے کہ تیری جگہ کہاں ہے خوارزم یا خجند؟

اگر ز کوئے تو بوئے بمن رساند باد
اگر ہوا تیرے کوچہ کی خوشبو، مجھ تک پہونچا دے

بمژدہ جانِ جہاں را بباد خواہم داد
جہان کی جان کو، خوشخبری میں لٹا دوں گا

اگرچہ گرد برانگیختی ز ہستیِ[2] من
اگرچہ تونے، میری ہستی کی خاک اڑادی

غبارے از منِ خاکی بدامنت مفتاد
مجھ خاکی کا غبار، تیرے دامن پر نہ پڑے

تو تا بروئے من اے نورِ دیدہ در بستی
اے نورِ چشم! جب سے تونے میرے اوپر دروازہ بند کر دیا ہے

دگر جہاں درِ شادی بروئے من نکشاد
پھر زمانے نے میرے اوپر خوشی کا دروازہ نہیں کھولا

خیالِ روئے تو ام دیدہ میکند پرخوں
تیرے چہرے کا خیال میری آنکھوں کو پرخوں کر دیتا ہے

ہوائے زلفِ تو ام عمر میدہد برباد
تیری زلف کی محبت، میری عمر کو برباد کرتی ہے

نہ در برابرِ چشمی نہ غائب[3] از نظری
تو نہ آنکھوں کے سامنے ہے، نہ آنکھوں سے اوجھل ہے

نہ یاد میکنی از من نہ میروی از یاد
تو نہ مجھے یاد کرتا ہے، نہ میری یاد سے نکلتا ہے

بجائے طعنہ اگر تیغ می زند دشمن
طعنہ کی بجائے، اگر دشمن تلوار مارے

ز دوست دست نداریم ہرچہ باداباد
ہم دوست سے دست کش نہ ہوں گے، جو ہونا ہے ہو

ز دستِ عشقِ[4] تو جاں را نمی برد حافظ
تیرے عشق کے ہاتھ سے، حافظ جان نہیں بچا رہا ہے

کہ جاں ز محنتِ شیریں نمی برد فرہاد
اس لئے کہ شیریں کی مشقت سے فرہاد جان نہیں بچاتا

آنانکہ[5] خاک را بنظر کیمیا کنند
جو خاک کو، نظر سے کیمیا کر دیتے ہیں

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
کاش! ایک گوشۂ چشم ہماری طرف کر دیں

دردم[6] نہفتہ بہ ز طبیبانِ مدعی
ڈینگیں مارنے والے طبیبوں سے میرا درد پوشیدہ رہنا بہتر ہے

باشد کہ از خزانۂ غیبم دوا کنند
ہو سکتا ہے کہ وہ غیب کے خزانے سے میری دوا کریں

معشوق[7] چوں نقاب ز رخ برنمیکشد
جبکہ معشوق، چہرے سے نقاب نہیں اٹھاتا ہے

ہر کس حکایتے بہ تصور چرا کنند
سب لوگ خیال سے، کیوں باتیں بناتے ہیں؟

چوں[8] حسنِ عاقبت نہ برندی و زاہدیست
جبکہ انجام کی خوبی، رندی اور تقوے سے نہیں ہے

آں بہ کہ کارِ خود بعنایت رہا کنند
یہی بہتر ہے کہ اپنا معاملہ مہربانی پر چھوڑ دیں

بےمعرفت مباش کہ در من یزید[9] عشق
معرفت کے بدون نہ رہ اس لئے کہ عشق کے بازار میں

اہلِ نظر معاملہ با آشنا کنند
اہلِ نظر، جانکاروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں

بگذر ز کوئے میکدہ تا زمرۂ حضور
شراب خانہ کے کوچہ پر سے گذر تاکہ درباری گروہ

اوقاتِ خود ز بہرِ تو صرفِ دعا کنند
اپنے اوقات، تیرے لئے دعا میں صرف کرے

---

١ خوارزم اور خجند کے معشوق ستانے میں مشہور تھے۔

٢ اگرچہ معشوق نے ہمیں برباد کر دیا ہے لیکن ہم اس کی معمولی تکلیف بھی گوارہ نہیں کرتے ہیں۔

٣ سامنے نہیں ہے لیکن اس کی تصویر ہروقت آنکھوں میں سمائی ہے۔

٤ جس طرح فرہاد نے کوہکنی کرتے ہوئے شیریں پر جان دیدی اسی طرح حافظ بھی جان دیدیگا۔

٥ محبوب کی ایک نگاہ عاشق کے جسم کی خاک کو سونا بنا دیتی ہے۔

٦ میں ان مدعیانِ طب سے اپنا مرض چھپانا چاہتا ہوں تاکہ کارکنانِ قضا غیب سے میرا علاج کردیں۔

٧ معشوق کو بن دیکھے، ہر آدمی اپنے خیال کے مطابق اسکی خوبیاں ذکر کر رہا ہے۔

٨ حسن خاتمہ محض رحمت خداوندی پر منحصر ہے۔

٩ "من یزید" نیلام کو کہتے ہیں۔ بازار کے معنے میں بھی آتا ہے یعنی بازارِ عشق میں انہی لوگوں کا سودا بنتا ہے جو محبوب سے کچھ آشنائی رکھتے ہیں۔

پیراہنے[1] کہ آید ازو بوئے یوسفم
جس لباس سے، مجھے یوسف کی بو آرہی ہے
ترسم برادرانِ غیورش قبا کنند
مجھے ڈر ہے کہ اس کے غیور بھائی اس کو چاک کردیں گے

جائے[2] درونِ پردہ بسے فتنہ میرود
اب پردے کے اندر بہت سے فتنے پیدا ہو رہے ہیں
تا آں زماں کہ پردہ برافتد چہا کنند
دیکھو! جبکہ پردہ اٹھ جائے گا، کیا کریں گے؟

گر سنگ ازیں حدیث بنالد عجب مدار
اگر اس قصے سے، پتھر رو پڑے تو تعجب نہ کر
صاحبدلاں حکایتِ دلِ خوش ادا کنند
صاحبِ دل، دل کا قصہ اچھی طرح بیان کرتے ہیں

پنہاں ز حاسداں بخودم خواں کہ مُنعماں
حاسدوں سے چھپا کر، مجھے بلالے کیونکہ سخی
خیرِ نہاں برائے رضائے خدا کنند
خدا کی رضامندی کے لئے، چھپی بھلائی کرتے ہیں

مے[3] خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب
شراب پی، اس لیے کہ سو گناہ غیروں سے چھپ کر
بہتر ز طاعتے کہ بروی و ریا کنند
اس عبادت سے بہتر ہیں جو دکھاوے اور ریاکاری سے کریں

حافظ مدام وصل میسّر نمی شود
اے حافظ! وصل ہمیشہ میسّر نہیں آتا ہے
شاہاں کم التفات بحالِ گدا کنند
بادشاہ، فقیر کی طرف کم توجہ کرتے ہیں

آنرا[4] کہ جامِ بادۂ صہباش میدہند
وہ، جس کو صہبا شراب کا جام دیتے ہیں
میداں کہ در حریم حرم جاش میدہند
سمجھ لے کہ حرم کے احاطہ میں اسکو جگہ دیتے ہیں

صوفی مباش منکرِ رنداں کہ سرِ عشق
اے صوفی! رندوں کا منکر نہ بن اس لیے کہ عشق کا راز
روزِ ازل بمردمِ قلاّش میدہند
ازل میں بے ننگ و نام، انسانوں کو دیتے ہیں

ساقی[5] بیار بادۂ گلرنگ و مشکبو
اے ساقی گلاب جیسے رنگ والی اور مشک کی خوشبو والی شراب لا
کارباب عقل زحمتِ اوباش میدہند
عقل والے، رندوں کو ستاتے ہیں

از لذّت[6] حیات ندارد تمتّعے
زندگی کی لذت سے اس کو کوئی نفع نہیں
امروز ہر کہ وعدہ بفرداش میدہند
آج، جس سے کل کا وعدہ کرتے ہیں

مطرب بساز پردۂ[7] عشّاقِ بینوا
اے مطرب! بینوا عشّاق کے پردے کو چھیڑ
کانرا کہ بینواست نواہاش میدہند
اس لیے کہ جو بے سروساماں ہے اس کو سامان دیتے ہیں

خوش باش حافظا کہ حریفانِ دُردنوش
اے حافظ! خوش رہ اس لئے کہ تلچھٹ پینے والے دوست
جامِ طرب بعاشقِ خوشباش میدہند
مستی کا جام خوش باش عاشق کو دیتے ہیں

حافظ نہ[8] ترکِ جنّتِ فردوس میکند
کیا حافظ جنّت فردوس کو ترک نہ کردے گا؟
گر در حریم وصلِ تو ماواش میدہند
اگر تیرے وصل کے حریم میں، اس کو ٹھکانا دیدیں گے

آنکہ[9] رخسارِ ترا رنگِ گُل و نسریں داد
جس نے تیرے رخسار کو گل، اور نسرین کا رنگ دیا ہے
صبر و آرام تواند بمن مسکیں داد
مجھ مسکین کو وہ صبر، اور آرام بھی دے سکتا ہے

[1] مجھے ڈر ہے مجھ سے پیراہن یوسفی نہ لے لیا جائے اور غیور بھائی اسکو چاک نہ کر ڈالیں۔
[2] جب کہ معشوق پس پردہ ہے تو اتنے فتنے ہیں اگر پردہ سے باہر آگیا تو معلوم کیا ہوگا۔
[3] چھپی بدکاری، ریاکاری کی عبادت سے بہتر ہے۔
[4] مقرّبوں کو ہی جام دیا جاتا ہے۔
[5] شراب کی مستی ہی ان تکالیف سے نجات دے سکتی ہے۔
[6] جنت کے وعدہ پر دنیا کی لذت چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔
[7] پردۂ عشاق ساز کے ایک خاص پردہ کا نام ہے۔
[8] یعنی حافظ کو اگر وصل کے حریم میں جگہ ملجائے تو وہ یقیناً جنت الفردوس کو خیرباد کہدے گا۔
[9] یعنی جس خدا نے تجھے حسن دیا ہے مجھے وہ صبر بھی دے سکتا ہے۔

وانگہ گیسوئے ترا رسمِ تطاول آموخت
جس نے تیری زلف کو ظلم کا طریقہ سکھایا ہے
ہم تواند کرمش دادِ منِ غمگیں داد
اس کا کرم مجھ غمگین کیسا تھ انصاف بھی کر سکتا ہے

منؔ ہماں روز زفرہاد طمع ببریدم
میں تو اسی روز، فرہاد سے مایوس ہو گیا تھا
کہ عنانِ دلِ شیدا بکفِ شیریں داد
جب اس نے دیوانہ دل کی باگ شیریں کے ہاتھ میں دیدی تھی

گنجِ زر گر نبود گنجِ قناعت باقیست
اگر سونے کا خزانہ نہیں تو صبر کا خزانہ باقی ہے
آنکہ آںؔ داد بشاہاں بگدایاں ایں داد
جس نے بادشاہوں کو وہ دیا ہے فقیروں کو یہ دیا ہے

خوش عروسیست جہاں از رہِ صورت لیکن
دنیا بظاہر ایک بہترین دلہن ہے، لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمرِ خودش کابیں داد
جو اس سے جڑا اس نے اپنی عمر مہر میں دیدی ہے

بعد ازیں دستِ من و دامنِ آں سروِ بلند
اس کے بعد میرا ہاتھ ہوگا، اور اس بلند سرو کا دامن
خاصہ اکنوں کہ صبا مژدۂ فرورؔدیں داد
خاص طور پر اب جبکہ صبا نے فروردیں کی خوشخبری دیدی ہے

درغم و غصۂ دوراں دلِ حافظ خوں شد
زمانہ پر غم و غصہ میں، حافظ کا دل خون ہو گیا ہے
از فراقِ رخت اے خواجہ قوام الدیں داد
تیرے رخ کے فراق سے اے خواجہ قوام الدین فریاد ہے

اگر خدائےؔ کسے را بہ ہر گناہ بگیرد
اگر خدا کسی کو، ہر گناہ پر پکڑے
زمیں بہ نالہ برآید زمانہ آہ بگیرد
زمین رو پڑے، زمانہ آہیں کرنے لگے

گنہ بروئے زمیں میکنی و ہیچ نترسی
تو روئے زمین پر گناہ کرتا ہے، اور بالکل نہیں ڈرتا ہے
کہ ماہؔ بر فلک از شومیٔ گناہ بگیرد
کہ آسمان پر چاند، گناہ کی بدبختی سے متاثر ہوتا ہے

شبے زشرمِ گنہ آنچناں بسجدہ بگریم
کسی رات کو گناہ کی شرم سے، سجدہ میں ایسا روؤں گا
کہ سجدہ گاہِ من آں شب ہمہ گیاہ بگیرد
کہ اس رات کو میری سجدہ گاہ میں گھاس اگ آئیگی

برابرستؔ کہ و کوہ پیشِ حضرتِ سلطاں
حضرت بادشاہ کے سامنے تنکا، اور پہاڑ یکساں ہے
گہے بکوہ نگیرد گہے بہ کاہ بگیرد
کبھی پہاڑ کے بدلے میں نہیں پکڑتا ہے کبھی تنکے کے بدلے میں پکڑتا ہے

گہِ وداع بگریم بداں مثابہ کہ یارم
رخصت کرتے وقت ایسا روؤں گا، کہ میرا دوست
بہ ہر زمیں کہ رود آبِ دیدہ راہ بگیرد
جس سرزمین پر جائے گا، آنسو راستہ روک دیں گے

تو پاکدامنی از بد کجا شود کہ نماید
تو پاکدامن ہے، برا کہاں سے ہو جائیگا کہ وہ دکھائیں
گناہہائے تو فردا کہ دادخواہ بگیرد
کل کو تیرے گناہ، کہ داد چاہنے والا مواخذہ کرے

چو شاہ قصدِ دلِ بیدلاں نماید حافظ
اے حافظ! جب بادشاہ بے دلوں کے دل کا ارادہ کرے
کراست زہرہ و یارا کہ پیشِ شاہ بگیرد
کس کو یہ طاقت ہے، کہ اس کا راستہ روکے

آں یار کزو خانۂ ما جائے پری بود
وہ یار، جس کی وجہ سے ہمارا گھر پری خانہ تھا
سرتا بقدم چوں پری از عیب بری بود
وہ، سر سے پیر تک پری کی طرح عیب سے بری تھا

ا۔ جس روز فرہاد شیریں پر عاشق ہوا تھا ہم تو اسی دن اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے
۲۔ خدا نے بادشاہوں کو اگر سونے کے خزانے دیئے ہیں تو فقیروں کو صبر کے خزانے عطا کئے ہیں۔
۳۔ فروردین، موسم بہار کا مہینہ۔
۴۔ قرآن پاک میں ہے "اگر خدا لوگوں کو ان کے گناہوں کے بدلے پکڑنے لگے تو روئے زمین پر چلنے والا باقی نہ رہے"
۵۔ انسان کے گناہ سے پوری کائنات متاثر ہوتی ہے۔
۶۔ چھوٹے بڑے گناہ خدا کے دربار میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے وہ چھوٹے گناہ پر مواخذہ کر سکتا ہے بڑے گناہ کو معاف کر سکتا ہے۔
۷۔ قیامت میں محبوب پاک صاف ثابت ہوگا اور اس سے کوئی مواخذہ نہ ہو سکے گا۔

دیوان حافظ

دل گفت[1] فروکش کنم ایں شہر بوئیش — بیچارہ ندانست کہ یارش سفری بود
اس کی خوشبو کی وجہ سے دل نے کہا اس شہر میں مقیم رہونگا — وہ بیچارہ، یہ نہ سمجھا کہ اس کا دوست مسافر تھا

تنہا نہ ز رازِ دلِ من پردہ برافتاد — تا بود فلک شیوۂ او پردہ دری بود
صرف میرا ہی رازِ دل، پردے سے باہر نہیں آیا — آسمان جب سے بھی ہے اُس کی عادت پردہ دری تھی

منظورِ[2] خردمندِ من آں ماہ کہ اورا — در حسنِ ادب شیوۂ صاحب نظری بود
میرا منظورِ نظر، عقلمند وہ چاند ہے کہ اس کے لئے — حسن ادب میں صاحبِ نظر ہونیکی صفت حاصل تھی

از چنگِ منش اخترِ بد مہر بدر کرد — آرے چکنم آفتِ دورِ قمری بود
دشمن ستارے نے اس کو میرے قبضہ سے نکال دیا — ہاں کیا کروں! دورِ قمری کی مصیبت تھی

عذرے[3] بنہ ایدل کہ تو درویشی و اورا — در مملکتِ حسن سرِ تاجوری بود
اے دل! اس کا عذر قبول کر اس لیے کہ تو فقیر ہے اور اس کے لئے — حسن کی سلطنت میں، بادشاہی کا خیال تھا

خوش[4] بود لبِ آب و گل و سبزہ ولیکن — افسوس کہ آں گنجِ رواں رہگذری بود
دریا کا کنارہ، اور پھول، اور سبزہ اچھا تھا لیکن — افسوس! کہ وہ خزانہ، چلتا پھرتا تھا

خود را بکشد بلبل ازیں غصہ کہ گل را — با بادِ صبا وقتِ سحر جلوہ گری بود
اس غصہ سے بلبل اپنے آپ کو فنا کرتی ہے کہ پھول کی — بادِ صبا کے ساتھ، صبح کو جلوہ گری تھی

اوقاتِ خوش آں بود کہ با دوست بسر شد — باقی ہمہ بیحاصلی و بیخبری بود
وہ وقت اچھے تھے، جو دوست کے ساتھ میسر ہوئے — باقی سب بے نتیجہ، اور جہالت تھی

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
نیک بختی کا ہر وہ خزانہ، جو خدا نے حافظ کو دیا
از یمنِ دعائے شب و وردِ سحری بود
وہ رات کی دعا، اور صبح کے وظیفہ کی برکت سے تھا

اگر بہ بادۂ رنگیں دلم کشد شاید — کہ بوئے خیر ز زہدِ ریا نمی آید
اگر رنگیں شراب کی طرف میرا دل کھنچتا ہے تو مناسب ہے — اس لیے کہ ریاکاری کے زہد سے خیر کی بو نہیں آتی ہے

جہانیاں ہمہ گر منعِ من کنند ز عشق — من آں کنم کہ خداوندگار فرماید
اگر دنیا والے سب، مجھے عشق سے روکتے ہیں — تو میں وہ کرتا ہوں، جو خدا فرماتا ہے

طمع ز فیض و کرامت مبر کہ خلقِ کریم — گنہ ببخشد و بر عاشقاں ببخشاید
فیض اور بخشش کی امید ختم نہ کر اس لیے کہ سخی اخلاق — گناہ بخشدیتا ہے اور عاشقوں کو معاف کر دیتا ہے

مقیمِ حلقۂ ذکر ست دل بہ آں امید — کہ حلقۂ ز سرِ زلفِ یار بکشاید
دل، ذکر کے حلقہ میں اس اُمید پر مقیم ہے — کہ یار کی زلف کا کوئی حلقہ کھولے

ترا کہ حسن خدا دادہ است و حجلۂ بخت — چہ حاجتست کہ مشاطہ ات بیاراید
جبکہ تجھے خدا نے حسن دیا ہے اور نصیبہ کا چھپر کھٹ — کیا ضرورت ہے، کہ تجھے نائن سنوارے؟

نخواہد ایں چمن از سرو و لالہ خالی ماند — یکے ہمیرود و دیگرے ہمی آید
یہ چمن، سرو اور لالہ سے خالی نہ رہیگا — ایک جارہا ہے، دوسرا آرہا ہے

[1] معشوق کی خوشبو کی وجہ سے دل شہر میں مقیم ہوا اور یہ نہ سمجھا کہ معشوق ایک جگہ ٹھہرنے والا نہیں ہے۔
[2] میرا معشوق عقلمند اور صاحب نظر ہے وہ اچھے بُرے کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ حقیقی عاشق کون ہے اور بوالہوس کون ہے۔
[3] چونکہ شاہ گدا سے محبت نہیں کرسکتا لہٰذا معشوق معذور ہے۔
[4] گنجِ رواں قارون کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کا نام ہے۔
[5] ریاکاری کے زہد میں چونکہ کوئی بھلائی نہیں ہے اس لئے میرا دل بادۂ رنگیں کی طرف مائل ہے۔
[6] حسن کے ہوتے ہوئے بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔
[7] یعنی دنیا حسینوں سے خالی نہ رہیگی۔

جمیلہ الیست عروسِ جہاں ولے ہشدار کہ ایں مخدّرہ در عقدِ کس نمی آید

دنیا کی دلہن، خوبصورت ہے لیکن سمجھ لے کہ یہ پردہ نشین کبھی کے نکاح میں نہیں آتی ہے

بلا بہ گفتمش اے ماہرو چہ باشد اگر بیک شکر ز تو دلخستۂ بیاساید

میں نے اس سے خوشامد سے کہا اے ماہرو کیا ہو جائیگا اگر تیری تھوڑی سی مسکراہٹ سے کوئی دل شکستہ آرام پائے

بخندہ گفت کہ حافظ خدائے را مپسند

اس نے ہنس کر کہا اے حافظ خدا کے لئے نہ چاہ

کہ بوسۂ تو رخِ ماہ را بیالاید

کیونکہ تیرا بوسہ لینا چاند کے رخ کو گندہ کر دے گا

بآبِ روشنِ مے عارفے طہارت کرد علی الصّباح کہ میخانہ را زیارت کرد

عارف نے شراب کے صاف پانی سے پاکی حاصل کی صبح صبح، جبکہ میخانہ کی زیارت کی

ہمیں کہ ساغرِ زرّینِ خور نہاں کردند ہلالِ ابروئے ساقی بمے اشارت کرد

جیسے ہی انہوں نے خورشید کا زریں ساغر چھپایا ساقی کے ابرو کے چاند نے شراب کا اشارہ کیا

خوشا نماز و نیازِ کسے کہ از سرِ درد بآبِ دیدہ و خونِ جگر طہارت کرد

اس شخص کی عاجزی اور نماز بہترین ہے جس نے درد سے آنکھوں کے پانی اور جگر کے خون سے وضو کیا

بہائے بادہ چوں لعل چیست جوہرِ عقل بیا کہ سود کسے برد کایں تجارت کرد

لعل جیسی شراب کی قیمت کیا ہے، عقل کا گوہر آ جا، نفع اسی نے کمایا جس نے یہ تجارت کی

بیا بمیکدہ و وضعِ قرب و جاہم بیں اگرچہ چشم بما واعظ از حقارت کرد

شراب خانے میں آ، اور ہمارے قرب اور جاہ کی وضع دیکھ اگرچہ واعظ نے، ہمیں حقارت سے دیکھا

نشانِ مہر و محبت ز جانِ عاشق جوی اگرچہ خانۂ دل محنتِ تو غارت کرد

مہر اور محبت کا نشان، عاشق کی جان میں تلاش کر اگرچہ دل کا گھر، تیری تکلیف نے غارت کر دیا

دلم ز حلقۂ زلفش بجاں خرید آشوب چہ سود دیدہ ندانم کہ ایں تجارت کرد

میرے دل نے اس کی زلف کے حلقے سے جان کے عوض فتنہ خریدا میں نہیں جانتا ہوں کیا فائدہ دیکھا کہ یہ سودا کر بیٹھا

اگر امامِ جماعت بخواندش امروز

اگر آج، اس کو جماعت کا امام بلائے

خبر دہید کہ حافظ بمے طہارت کرد

تو خبر دیدینا کہ حافظ نے شراب سے وضو کر لیا

بسرِّ جامِ جم آنگہ نظر توانی کرد کہ خاکِ میکدہ کحلِ بصر توانی کرد

جامِ جمشید کے راز کو تو اس وقت دیکھ سکتا ہے جبکہ میکدہ کی خاک کو تو آنکھ کا سرمہ بنا سکے

گدائیِ درِ میخانہ طرفہ اکسیر یست گر ایں عمل بکنی خاک زر توانی کرد

میخانہ کے دروازے کی گدائی، عجیب اکسیر ہے اگر تو یہ عمل کرے، تو خاک کو سونا بنا سکتا ہے

مباش بے مے و مطرب بزیرِ چرخِ کبود کز یں ترانہ غم از دل بدر توانی کرد

نیل فام چرخ کے نیچے، بدون شراب اور مطرب نہ رہ اس لئے کہ تو اس ترانہ سے غم کو دل سے نکال سکتا ہے

---

۱ لابہ، خوشامد یعنی میں نے خوشامد نہ کہا کہ ذرا مسکرا دے

۲ سورج غروب ہو جانے کے بعد عموماً شراب کا دور چلتا ہے۔

۳ شراب کی مستی میں انسان عقل کھو بیٹھتا ہے۔

۴ ہماری عزت میکدہ میں ہے اگرچہ واعظ ہمیں حقیر سمجھتا ہے

۵ اگرچہ دل تباہ ہو گیا ہے لیکن محبت کے نشانات موجود ہیں۔

۶ حافظ مست ہے اس حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۷ آسمان کے مصائب کو شراب ہی دفع کیا جا سکتا ہے۔

بعزمِ مرحلۂ عشق پیش نہ قدمے
عشق کے سفر کے ارادہ سے قدم آگے بڑھا
کہ سود ہا بری ار ایں سفر توانی کرد
اگر تو یہ سفر کر سکے گا، فائدہ اٹھا لے گا

بیا کہ چارۂ ذوقِ حضور و نظمِ امور[1]
آ جا حاضری کے ذوق اور معاملات کے انتظام کی تدبیر
بہ فیض بخشیِ اہلِ نظر توانی کرد
تو اہلِ نظر کی فیض بخشی سے کر سکے گا

گلِ مرادِ تو آنگہ نقاب بکشاید
تیری مراد کا پھول، اس وقت کھلے گا
کہ خدمتش چو نسیمِ سحر[2] توانی کرد
جبکہ نسیمِ سحر کی طرح، تو اس کی خدمت کر سکے گا

تو کز سرائے طبیعت نمیروی بیروں[3]
تو جبکہ مزاج کے کوچہ سے، باہر نہیں نکلتا ہے
کجا بکوئے حقیقت گذر توانی کرد
حقیقت کے کوچہ تک کہاں پہنچ سکے گا؟

جمالِ یار[4] ندارد نقاب و پردہ ولے
یار کا حسن، پردہ اور نقاب نہیں رکھتا ہے لیکن
غبارِ رہ بنشاں تا نظر توانی کرد
راستہ کا غبار بٹھا، تاکہ تو دیکھ سکے

دلا ز نورِ ریاضت گر آگہی یابی
اے دل! اگر تو ریاضت کے نور سے باخبر ہو جائے گا
چو شمع[5] خندہ زناں ترکِ سر توانی کرد
شمع کی طرح ہنستے ہوئے، سر سے دست بردار ہو سکے گا

ولے تو تا لبِ معشوق و جامِ مے خواہی
لیکن جب تک تو معشوق کا ہونٹ اور شراب کا جام چاہتا ہے
طمع مدار کہ کارِ دگر توانی کرد
اس کا لالچ نہ کر کہ تو کوئی دوسرا کام کر سکے گا

گر ایں نصیحتِ شاہانہ بشنوی حافظ
اے حافظ! اگر تو یہ شاہانہ نصیحت سن لے گا
بشاہراہِ طریقت گذر توانی کرد
طریقت کی شاہراہ پر، گذر سکے گا

بیا کہ ترکِ فلک خوانِ روزہ غارت کرد
آ جا کہ آسمان کے ڈاکو نے روزہ کے خوان پر لوٹ مچا دی ہے
ہلالِ عید[6] بدورِ قدح اشارت کرد
عید کے چاند نے پیالے کے دور کا اشارہ کر دیا ہے

ثوابِ روزہ و حجِ قبول آنکس برد
روزہ کا ثواب اور حج کی مقبولیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے
کہ خاکِ میکدۂ عشق را زیارت کرد
جس نے عشق کے میکدہ کی زیارت کی ہے

مقامِ اصلیِ ما گوشۂ خرابا تست
ہمارا اصلی مقام، شراب خانہ کا گوشہ ہے
خدا[7]ش خیر دہاد آنکہ ایں عمارت کرد
خدا اس کا بھلا کرے جس نے یہ تعمیر کیا ہے

نماز در خمِ آں ابروانِ محرابی
ان محرابی ابروؤں کے خم میں، نماز
کسے کند کہ بخونِ جگر طہارت کرد
وہ شخص پڑھ سکتا ہے، جس نے خونِ جگر سے وضو کیا ہے

امامِ شہر کہ سجادہ میکشید بدوش
شہر کا امام جس نے جائے نماز کاندھے پر ڈالی تھی
بخونِ دخترِ رز جامہ را قصارت کرد
انگور کی بیٹی کے خون سے اس نے کپڑے دھوئے ہیں

فغاں کہ نرگسِ جماشِ شیخِ شہر[8] امروز
فریاد ہے کہ آج شہر کے شیخ کی مکار آنکھ نے
نظر بدُردکشاں از سرِ حقارت کرد
تلچھٹ پینے والوں کو، حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے

بروئے یار نظر کن ز دیدہ منت دار
دوست کے چہرے پر نظر کر، آنکھ کے بارے میں شکر گذار ہو
کہ کارِ دیدہ[9] ہمہ از سرِ بصارت کرد
اللہ نے آنکھ کا سب کام، دیکھنے کے لئے ہی کیا ہے

[1] ذوقِ حضوری یعنی شاہدِ حق کا ذوق، نظمِ امور یعنی دنیاداری کا انتظام یہ دونوں اہلِ نظر کے فیض سے حاصل ہوتے ہیں۔
[2] صبح کی نسیم پھول کی خدمت گذاری کرتی ہے تب وہ کھلتا ہے۔
[3] جو خواہشاتِ نفس میں لگا ہے اس کو حقیقت حاصل نہیں ہوتی ہے۔
[4] جمالِ یار تو بے پردہ ہے لیکن غبارِ راہ دیکھنے میں حائل ہے
[5] شمع مسکراتے ہوئے اپنا سر فنا کر دیتی ہے
[6] لہٰذا اب شراب کے دور چلنا چاہیے۔
[7] جس نے شراب خانہ آباد کیا ہے خدا اس کو جزائے خیر دے اس نے ہمارا گھر آباد کر دیا ہے۔
[8] چونکہ یہ شیخ کا ظلم ہے لہٰذا اس سے فریاد ہے۔
[9] خدا نے آنکھ اسی لئے پیدا کی ہے کہ اس سے محبوب کے حسن کا نظارہ کیا جائے۔

حدیثِ عشق ز حافظ شنو نہ از واعظ
عشق کا قصہ، حافظ سے سن، نہ کر واعظ سے

اگرچہ[1] صنعتِ بسیار در عبارت کرد
اگرچہ اس نے عبارت میں بہت کاریگری کی ہے

بلبلے[2] خونِ جگر خورد و گلے حاصل کرد
ایک بلبل نے خونِ جگر پیا اور ایک پھول حاصل کر لیا

بادِ غیرت بصدش حال پریشاں دل کرد
غیرت کی ہوا نے، اس کو سو طریقوں سے پریشان دل بنا دیا

طوطئے[3] را بہوائے شکرے دل خوش بود
شکر کی محبت سے اک طوطی کا دل خوش تھا

ناگہش سیلِ فنا نقشِ امل باطل کرد
موت کے بہاؤ نے اچانک اس کی امید کے نقش کو مٹا دیا

قرۃ العینِ من آں میوۂ دل یادش باد
وہ دل کا میوہ، میری آنکھ کی ٹھنڈک اس کو یاد رہے

کہ خود آساں بشد و کارِ مرا مشکل کرد
کہ خود تو آسانی سے چلا گیا، اور میرا کام مشکل بنا دیا

ساربان بارِ من افتاد خدا را مددے
اے شتربان میرا بوجھ گر پڑا ہے، خدا کے لئے مدد کر دے

کہ امیدِ کرمم ہمرہِ ایں محمل کرد
اس لیے کہ کرم کی امید نے، مجھے اس کجاوہ کے ساتھ کیا ہے

روئے[4] خاکی و نمِ چشمِ مرا خوار مدار
میرے خاک آلود چہرے، اور آنکھ کی نمی کو ذلیل نہ کر

چرخِ فیروزہ طربخانہ ازیں کہگل کرد
نیلے آسمان نے طربخانہ کو، اسی سے کہگل کیا ہے

آہ و فریاد کہ از چشمِ حسودِ مہ و مہر
آہ و فریاد ہے کہ چاند، اور سورج کی حسد کی نظر سے

در لحد ماہِ کماں ابروئے من منزل کرد
میرے کمان جیسے ابرو والے چاند نے قبر میں پڑاؤ کر لیا ہے

نزدی شاہرخ و فوت شد امکاں حافظ
تو نے شہرخ کی چال نہ چلی اور اے حافظ موقع جاتا رہا

چہ کنم بازیِ ایّام مرا غافل کرد
کیا کروں زمانے کی بازی نے، مجھے غافل بنا دیا

بخت از دہانِ یار نشانم نمی دہد
نصیبہ معشوق کے منہ کا مجھے پتہ نہیں دیتا ہے

دولت خبر ز رازِ نہانم نمی دہد
دولت، چھپے راز کی مجھے خبر نہیں دیتی ہے

از بہر بوسۂ زلبش جاں ہمی دہم
اس کے ہونٹ کے بوسہ کے عوض میں جان دیتا ہوں

اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد
وہ مجھ سے اس کو نہیں لیتا ہے، اور وہ مجھے نہیں دیتا ہے

مُردم زانتظار و دریں پردہ راہ نیست
میں انتظار میں مرا، اور اس پردہ میں راستہ نہیں ہے

یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد
یا ہے، اور پردہ دار مجھے اس کا پتہ نہیں دیتا ہے

شکر بصبر دست دہد عاقبت ولے
صبر سے انجام کار وصالِ یار نصیب ہوتا ہے لیکن

بد عہدیِ زمانہ امانم نمی دہد
زمانہ کی بد عہدی، مجھے امن نہیں دیتی ہے

زلفش کشید بادِ صبا چرخِ سفلہ بیں
بادِ صبا نے اس کی زلف کو کھینچا، کمینہ آسمان کو دیکھو

کانجا مجال بادِ وزانم نمی دہد
مجھے اس جگہ، چلتی ہوا کی جگہ نہیں دیتا ہے

چندانکہ بر کنار چو پرکار میروم
کنارے پر، پرکار کی طرح جس قدر بھی میں چلتا ہوں

دوراں چو نقطہ رہ بمیانم نمی دہد
زمانہ نقطہ کی طرح، مجھے درمیان کا موقع نہیں دیتا ہے

[1] بہت مقفّٰی مسجع عبارت بول رہا ہے۔
[2] یہ مرثیہ ہے جو حافظ نے اپنے کسی لڑکے کے مرنے پر کہا ہے، گُل سے مراد وہی لڑکا ہے اور مُبلبل سے مراد، خود حافظ ہے۔
[3] طوطی سے حافظ اور شکر سے مراد لڑکا ہے۔
[4] ہمارے چہرے کی خاک کو آنسوؤں سے گوندھ کر زمانے نے اپنے محفل خانہ کو لیپا ہے
[5] رازِ نہاں سے مراد معشوق کا منہ ہے
[6] ایں، سے مراد جان، آں، سے مراد بوسہ ہے۔
[7] شکر سے مراد وصلِ یار ہے۔
[8] بادِ صبا کو زلف سے کھیلنے کا موقع دیا ہے عاشق کا وہاں گذر بھی نہیں ہے۔
[9] پرکار کا درمیانی نقطہ پرسکون ہے اور پرکار کا سرا چکر کاٹتا ہے یعنی حیران ہے۔

جاں میدہم برائے یکے بوسہ از لبش
میں اس کے لب کے ایک بوسے کے لئے جان دیتا ہوں
جاں می بردرواں وزبانم نمیدہد
وہ فوراً جان لے لیتا ہے اور مجھے زبان نہیں دیتا ہے

گفتم روم بخواب کہ بینم جمالِ یار
میں نے سوچا تھا، سو جاؤں تاکہ یار کا جمال دیکھوں
حافظ ز آہ و نالہ امانم نمیدہد
حافظ، آہ و نالے سے مجھے امن نہیں دیتا ہے

بود آیا کہ درِ میکدہا بکشایند
کیا ایسا ہوگا کہ میکدوں کے دروازے کھولیں گے
گرہ از کارِ فروبستۂ ما بکشایند
ہمارے بندھے ہوئے معاملہ کی گرہ کھولیں گے

اگر از بہرِ دلِ زاہدِ خودبیں بستند
اگر انھوں نے متکبر زاہد کے لیے، دروازہ بند کر دیا ہے
دل قوی دار کہ از بہرِ خدا بکشایند
تو دل مضبوط رکھو، اس لئے کہ خدا کے لئے کھولدیں گے

درِ میخانہ ببستند خدایا مپسند
انھوں نے میخانہ کا دروازہ بند کر دیا ہے، اے خدا پسند نفرما!
کہ درِ خانۂ تزویر و ریا بکشایند
کہ وہ مکّاری اور ریاکاری کے گھر کا دروازہ کھولیں

گیسوئے چنگ ببرّید بمرگِ مےِ ناب
خالص شراب کی موت پر چنگ کے گیسو تراش دو
تا ہمہ مُغبچگاں زلفِ دوتا بکشایند
تاکہ سب بچّے، دوہری زلفیں کھول دیں

بصفائے دلِ رندانِ صبوحی زدگاں
صبح کی شراب کے ماروں، رندوں کے دل کی صفائی کی وجہ سے
بس درِ بستہ بمفتاحِ دعا بکشایند
بہت سے بند کئے ہوئے دروازے دعا کی کنجی سے کھولدینگے

نامۂ تعزیتِ دخترِ رز بنویسید
انگور کی بیٹی کا، یہ تعزیت نامہ لکھو
تا حریفاں ہمہ خوں از مژہ ہا بکشایند
تاکہ سب دوست، پلکوں سے خون گرائیں

حافظ ایں خرقۂ پشمینہ بہ بینی فردا
اے حافظ! اس کمبل کی گدڑی کو تو کل کو دیکھے گا
کہ چہ زنّار ز زیرش بجفا بکشایند
کہ کتنے زنّار، اس کے نیچے سے زبردستی کھولیں گے

بعد ازیں دستِ من و دامنِ آں سرو بلند
اس کے بعد میرا ہاتھ ہوگا، اور اُس بلند سرو کا دامن
کہ ببالائے چماں از بن و بیخم برکند
جس نے خرامِ ناز سے چلنے والے قد کے ذریعہ مجھے جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے

حاجتِ مُطرب و مے نیست تو برقع بکشا
مُطرب اور شراب کی ضرورت نہیں ہے تو برقع اٹھا دے
کہ برقص آوردم آتشِ رویت چو سپند
تاکہ تیرے چہرے کی آگ مجھے کالے دانے کی طرح نچا دے

ہیچ روئے نشود آئینۂ چہرۂ بخت
کوئی چہرہ نصیبے کے چہرہ کا آئینہ نہیں ہو سکتا
مگر آں روئے کہ مالند برآں سُمِ سمند
مگر وہ چہرہ، جس کو اس گھوڑے کے سم پر مل دیں

گفتم اسرارِ غمت ہرچہ بود گو می باش
میں نے کہا تیرے غم کے راز جو بھی ہوں کہدے کہ ہوا کریں
صبر ازیں بیش ندارم چہ کنم تا کے و چند
اس سے زیادہ میں صبر نہیں کر سکتا، کیا کروں، کب تک کروں

مکش آں آہوئے مشکینِ مرا اے صیّاد
اے صیّاد! میرے اس مشک والے ہرن کو نہ مار
شرم از آں چشمِ سیہ دار و مبندش بکمند
اُن کالی آنکھوں سے شرم کر، اور اُسکو پھندے میں نہ پھانس

۱؎ خواب میں یار کا حسن دیکھنا چاہتا ہوں لیکن حافظ کا آہ و نالہ سونے نہیں دیتا ہے۔
۲؎ میخانہ کا دروازہ زاہد کے لیے بند ہے تیرے لئے خدا واسطے کھول دیں گے۔
۳؎ شراب کی مخالفت پر چنگ کے تار توڑ ڈالو تاکہ مُغبچے سوگ میں اپنی زلفیں کٹوا ڈالیں۔
۴؎ شراب کی بندش گویا اسکی موت ہے اس سلسلہ میں تعزیت نامہ لکھو تاکہ دوست خون کے آنسو روئیں۔
۵؎ ریاکاری کی گدڑی کے نیچے شرک اور کفر کے سینکڑوں زنار بندھے ہیں جو قیامت میں جبراً کھول کر دکھائے جائیں گے۔
۶؎ کالے دانہ کو جب آگ پر ڈالا جاتا ہے تو وہ خوب تڑختا اور ناچتا ہے۔
۷؎ نصیبہ کا چہرہ جب منور ہوگا جبکہ اس کو معشوق کے گھوڑے کے سُم سے رگڑا جائیگا۔

مَنِ[1] خاکی کہ ازیں در نتوانم برخاست
میں خاکی جو اس در سے اٹھ بھی نہیں سکتا
از کجا بوسہ زنم برلبِ آں قصرِ بلند
اس بلند محل کے ہونٹ کو کہاں سے بوسہ لوں؟

جز بزلفِ تو ندارد دلِ عاشق میلے
عاشق کا دل تیری زلف کے سوا کوئی خواہش نہیں رکھتا ہے
آہ ازیں دل کہ بصد بند نمیگیرد پند
اس دل پر آہ ہے کہ سو قیدوں سے بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا ہے

شب و روز بدُعا عاشقِ بیدل گوید
بیدل عاشق دن رات تیرے لئے دعائیں کہتا ہے
کہ مبیناد سہی قامتت از دہر گزند
کہ خدا کرے تیرے بلند قد کو زمانہ کی گزند نہ پہونچے

تو غزلہائے تر و دلکشِ حافظ بشنو
تو حافظ کی تازہ اور دلکش غزلیں سُن
گر کمالیش بود شعر بگوید بخجند
اگر اُس کو کوئی کمال ہوگا، وہ خجند میں شعر کہے گا

باز مستاں دل ازاں گیسوئے مُشکیں حافظ
اے حافظ! اُس مشکیں زلف سے دل واپس نہ لے
زانکہ دیوانہ ہماں بہ کہ بماند در بند
اس لئے کہ دیوانہ وہی اچھا ہے جو قید میں رہے

بُتے[2] دارم کہ گرد گُل ز سنبل سایباں دارد
میرا ایک ایسا بُت ہے جس کے پھول کے گرد سنبل کا سائبان ہے
بہارِ عارضش خطے بخونِ ارغواں دارد
اس کے رخسار کی بہار کے پاس ارغواں کے خون کا خط ہے

غبارِ[3] خط بپوشانید خورشیدِ رخش یارب
اس کے خط کے غبار نے اسکے رخ کے سورج کو نہیں چھپایا اے خدا!
حیاتِ جاوِدانش دہ کہ حسنِ جاوداں دارد
اسکو ہمیشگی کی زندگی عطا فرما کیونکہ اس کا حسن ہمیشہ رہنے والا ہے

چو عاشق می شدم گفتم کہ بُردم گوہرِ مقصود
جب میں عاشق ہوا تو سمجھا کہ گوہرِ مقصود حاصل کر لیا
ندانستم کہ ایں دریا چہ موجِ بیکراں دارد
میں نے نہ جانا کہ یہ دریا کس قدر بے پایاں موجیں رکھتا ہے

چو[4] در رویت بخندد گُل مشو در دامش اے بلبل
اے بلبل! اگر پھول تیرے سامنے ہنسے تو اس کے جال میں نہ پھنس
کہ بر گُل اعتمادے نیست گو حسنِ جہاں دارد
اس لیے کہ پھول پر کوئی بھروسہ نہیں ہے اگرچہ وہ جہان کا حسن رکھتا ہے

خدارا دادِ من بستاں ازو اے شحنۂ مجلس
اے داروغۂ محفل! خدا کے لئے میرا اس سے انصاف کرا
کہ مے با دیگراں خوردست و بامن سرگراں دارد
کہ اس نے دوسروں کے ساتھ شراب پی ہے اور مجھ سے بیزاری کرتا ہے

امیدم[5] را رواں گرداں اگر امیدِ آں داری
اگر تجھے اس کی امید ہے تو میری امید پوری کر دے
قدت آئینِ سروِ ناز و لعلت لطفِ جاں دارد
تیرا قد سروِ ناز کا طریقہ اور تیرا لعل جان کا لطف رکھتا ہے

چو دامِ طرّہ افشاند بگردِ خاطرِ عاشق
جب وہ زلف کے جال کو عاشق کے دل کی گرد سے جھاڑتا ہے
بغمّازِ صبا گوید کہ رازِ من نہاں دارد
صبا کے چغلخور سے کہتا ہے کہ میرا راز پوشیدہ رکھے

ز خوفِ ہجرم ایمن کن اگر امیدِ آں داری
مجھے ہجر کے خوف سے مطمئن کر دے اگر تجھے اس کی امید ہے
کہ از چشمِ بد اندیشاں خدایت در اماں دارد
بد اندیشوں کی نظر سے خدا تجھے محفوظ رکھے

چہ افتاد ست دریں رہ کہ ہر سلطانِ[6] معنی را
اس راستہ پر کیا پڑا ہے کہ حقیقت کے ہر بادشاہ کو
دریں درگاہ می بینم کہ سر بر آستاں دارد
میں اس درگاہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ چوکھٹ پر سر رکھتا ہے

بفتراک ار ہمی بندی خدارا زود صیدم کن
اگر تو فتراک سے باندھتا ہے تو خدا کے لئے مجھے جلد شکار کرلے
کہ آفتہاست در تاخیر و طالب را زیاں دارد
اس لیے کہ دیر کرنے میں آفتیں ہیں، اور طلبگار کا نقصان ہے

[1] جبکہ اٹھ کر کھڑا ہونے کی بھی طاقت نہیں ہے تو محبوب کے بلند قد کے ہوتے ہوئے اس کے رخ تک پہونچنا مشکل ہے۔

[2] گُل سے مراد رخسار اور سنبل سے مراد زلفیں ہیں۔ خط بخونِ کسے داشتن کے معنی ہیں کسی کو قتل کرنے کی دلیل رکھنا یعنی چونکہ اس کا رخسار ارغواں سے بھی حسین ہے لہٰذا اس کو حق ہے کہ وہ ارغوان کو قتل کردے۔

[3] اس کے رخسار پر خط آجانے سے بھی اسکے حسن میں کمی نہیں آئی لہٰذا اس کا حسن ہمیشہ رہنے والا ہے۔

[4] گُل کے مسکرانے سے بلبل کو دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔

[5] اگر تو میری امید پوری کرنے کی توقع رکھتا ہے تو میری امید پوری کردے۔ اسکی زلفوں میں عاشقوں کے غبار آلود دل پھنسے ہیں جب انکی گرد وہ جھاڑتا ہے تو صبا سے کہتا ہے کہ خوشبو نہ پھیلائے۔

[6] سلطانِ معنی سے حقیقت شناس مُراد ہے۔

زسرو قدِ دلجویت مکن محروم چشمم را
میری آنکھوں کو اپنے دلپسند قد کے سرو سے محروم نہ کر
بدیں سرچشمہ اش بنشاں کہ خوش آبے رواں دارد
اُس کو اس چشمہ پر گاڑ دے کیونکہ بہت اچھا جاری پانی رکھتا ہے

زچشمت جاں نشاید برد کز ہر سو ہمی بینم
تیری آنکھوں سے جان نہ بچائی جا سکے گی اس لئے کہ میں ہر جانب دیکھتا ہوں
کمیں از گوشہ کردست و تیر اندر کماں دارد
کہ گوشہ میں گھات لگائی ہے اور کمان پر تیر چڑھایا ہے

بیفشاں جرعہ بر خاک و حالِ اہلِ شوکت بیں
ایک گھونٹ زمین پر لنڈھا دے اور اہلِ دبدبہ کی حالت پر غور کر
کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد
اس لیے کہ وہ اس میں جمشید اور کیخسرو کی ہزاروں داستانیں رکھتی ہے

چہ عذر از بختِ خود گویم کہ آں عیّارِ شہر آشوب
میں اپنے نصیبہ کی طرف سے کیا معذرت کروں کہ اس شہر کو فتنے میں مبتلا کر دینے والے مکّار نے
بتلخی کُشت حافظ را و شکّر در دہاں دارد
حافظ کو تلخ کلامی سے مار ڈالا اور مُنہ میں شکر رکھتا ہے

بہ حسن و خلق و وفا کس بیارِ ما نرسد
حسن، خلق اور وفا میں کوئی ہمارے یار کو نہیں پہونچتا ہے
ترا دریں سخن انکارِ کارِ ما نرسد
تجھے بھی اس بات میں ہمارے کام کے انکار کا حق نہیں پہونچتا ہے

اگرچہ حسن فروشاں بجلوہ آمدہ اند
اگرچہ حسن فروش جلوے میں آ گئے ہیں
کسے بحسن و لطافت بیارِ ما نرسد
کوئی حسن اور پاکیزگی میں، ہمارے یار کو نہیں پہونچتا ہے

بحقِ صحبتِ دیریں کہ ہیچ محرمِ راز
دیرینہ صحبت کے حق کی قسم کہ کوئی راز دار
بیارِ یکجہت، حق گزارِ ما نرسد
ہمارے یار، حق گزار، یکسو کو نہیں پہونچتا ہے

ہزار نقد ببازارِ کائنات آرند
کائنات کے بازار میں، ہزاروں سکّے لائے ہیں
یکے بسکّہ صاحب عیارِ ما نرسد
ہمارے خالص سونے والے سکّے کو ایک نہیں پہونچتا ہے

دریغ قافلۂ عمر آنچناں رفتند
افسوس کہ عمر کے قافلے اس طرح چلے گئے
کہ گردِ شاں بہوائے دیارِ ما نرسد
کہ ان کی گرد بھی، ہمارے ملک کی ہوا تک نہیں پہونچتی ہے

ہزار نقش بر آید ز کلکِ صنع و یکے
کاریگری کے قلم سے ہزاروں نقش بنتے ہیں اور ایک بھی
بدلپذیریِ نقشِ نگارِ ما نرسد
ہمارے محبوب کے نقش کی دلپذیری کو، نہیں پہونچتا ہے

دلا ز طعنِ حسوداں مرنج و ایمن باش
اے دل، حاسدوں کے طعنے سے رنجیدہ نہ ہو اور مطمئن رہ
کہ بد بخاطرِ امیدوارِ ما نرسد
اس لئے کہ ہماری امیدوار طبیعت میں کوئی برائی نہیں پہونچتی ہے

چناں بزی کہ اگر خاکِ رہ شوی کس را
اس طرح زندہ رہ کہ اگر تو راستہ کی خاک بن جائے کسی کو
غبارِ خاطرے از رہگذارِ ما نرسد
ہمارے راستے سے کوئی تکلیف نہ پہونچے

بسوخت حافظ و ترسم کہ شرحِ قصّۂ او
حافظ جل گیا، اور میں ڈرتا ہوں کہ اس کے قصّے کی تفصیل
بسمعِ بادشہِ کامگارِ ما نرسد
ہمارے کامیاب بادشاہ کے کانوں تک نہ پہونچے

بیا کہ رایتِ منصور پادشاہ رسید
آ کہ منصور بادشاہ کا جھنڈا آ گیا ہے
نویدِ فتح و بشارت بمہر و ماہ رسید
فتح کا پیام، اور خوشخبری سورج اور چاند تک پہونچ گئی ہے

۱ سرو کے نشوونما کے لئے پانی کی ضرورت ہے وہ میری آنکھوں میں موجود ہے۔
۲ قاعدہ ہے کہ شراب پینے سے قبل تھوڑی سی زمین پر گرائی جاتی ہے۔ یعنی جمشید و کیخسرو اسی خاک میں پنہاں ہیں۔
۳ یہ غزل نعت نبی صلعم میں ہے یار سے مراد آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔
۴ دیگر انبیاء کو وہ مرتبہ حاصل نہیں ہے جو آنحضورؐ صلعم کو حاصل ہے۔
۵ دیگر انبیاء کا سکہ ایسا رائج نہیں ہوا جیسا کہ آنحضورؐ کا۔
۶ قافلۂ عمر سے مراد حضورؐ کی صفات ہیں۔
۷ حاسدوں کی طعنہ زنی سے ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا ہے۔
۸ انسان کو گردِ راہ بنجانا چاہیے اور وہ بھی اس طور پر کہ چلنے والوں کو اس گرد سے کوئی تکلیف نہ پہونچے۔
۹ ایک زمانہ میں شاہ یحیٰی شیراز پر قابض ہو گیا تھا، منصور نے شیراز پر حملہ کیا اور شاہ یحیٰی کو قتل کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ منصور خواجہ حافظ کا قدردان تھا اس فتح کی خوشی میں خواجہ صاحب نے یہ قصیدہ لکھا ہے۔

جمالِ بخت ز روئے ظفر نقاب انداخت
نصیبہ کے حسن نے کامیابی کے چہرے سے نقاب اٹھا پھینکا

کمالِ عدل بفریادِ داد خواہ رسید
مکمل انصاف، فریادی کی فریاد کو پہونچ گیا ہے

سپہرِ دورِ خوش اکنوں زند کہ ماہ آمد
آسمان کا دور اب بہتر ہوگا، کہ چاند نکل آیا ہے

جہاں بکامِ دل اکنوں رسد کہ شاہ رسید
دنیا دل کے مدعا کو اب پہونچے گی جبکہ شاہ پہونچ گیا ہے

ز قاطعانِ طریق ایں زماں شوند ایمن[۱]
ڈاکوؤں سے اب مطمئن ہوں گے

قوافلِ دل و دانش کہ مردِ راہ رسید
دل، اور عقل کے قافلے، کیونکہ مردِ راہ پہونچ گیا ہے

عزیزِ مصر برغمِ برادرانِ غیور[۲]
مصر کا عزیز، حاسد بھائیوں کی ذلت کے ساتھ

ز قعرِ چاہ بر آمد باوجِ ماہ رسید
کنوئیں کی گہرائی سے نکل آیا اور چاند کی بلندی پر پہونچ گیا ہے

کجاست[۳] صوفیِ دجال چشمِ ملحد شکل
کہاں ہے دجال کی آنکھ، اور ملحد کی شکل والا صوفی

بگو بسوز کہ مہدیِ دیں پناہ رسید
کہدو کہ جل مرے کہ دین کی پناہ، مہدی پہونچ گیا ہے

صبا بگو کہ چہا بر سرم دریں غمِ عشق
صبا بتادے کہ اس عشق کے غم میں میرے سر پر کیا گیا؟

ز آتشِ دلِ سوزان و برقِ آہ رسید
جلتے دل کی آگ، اور آہ کی بجلی سے گذرا ہے

زشوقِ روئے تو جاناں بریں اسیرِ فراق
جاناں تیرے چہرے کے عشق سے اس فراق کے قیدی پر

ہماں رسید کز آتش ببرگِ کاہ رسید
وہی پہونچا ہے جو آگ سے گھاس کے تنکے کو پہونچا ہے

مرو[۴] بخواب کہ حافظ ببارگاہِ قبول
نہ سو، اس لیے کہ حافظ مقبولیت کی بارگاہ میں

ز وردِ نیم شب و درسِ صبحگاہ رسید
آدھی رات کے وظیفہ اور صبح کے وقت کے درس سے پہونچ گیا ہے

بنفشہ[۵] دوش بگل گفت و خوش نشانے داد
بنفشہ نے کل رات کو پھول سے کہا اور اچھا پتہ بتایا

کہ تابِ من بجہاں طرۂ فلانے داد
کہ فلاں کی زلف نے مجھے دنیا میں بل دیا ہے

دلم کہ مخزنِ اسرار بود دستِ قضا
میرا دل جو رازوں کا خزانہ تھا تقدیر کے ہاتھ نے

درش ببست و کلیدش بدلستانے داد[۶]
اس کا دروازہ بند کر دیا اور اس کی کنجی ایک محبوب کے ہاتھ میں دیدی ہے

شکستہ وار بدرگاہت آمدم کہ طبیب
شکستہ ہو کر تیرے دربار میں آیا ہوں اس لئے کہ طبیب نے

بمومیائیِ[۷] لطفِ توام نشانے داد
تیری مہربانی کی مومیائی کا، مجھے پتہ بتایا ہے

برو معالجۂ خود کن اے نصیحت گوئی[۸]
اے ناصح! جا، اپنا علاج کر

شراب و شاہد و ساقی کرا زیانے داد
شراب اور معشوق، اور ساقی نے کس کو نقصان دیا ہے؟

تنش درست و دلش شاد باد و خاطر خوش
اس کا جسم تندرست اور اس کا دل خوش اور اس کے مزاج اچھے رہیں

کہ دستِ داد و دہش دادِ ناتوانے داد
جس کے داد و دہش کے ہاتھ نے، کسی کمزور کی مدد کی ہے

گذشت بر منِ مسکین و با رقیباں گفت
مجھ مسکین کے پاس سے گذرا، اور رقیبوں سے بولا

دریغ عاشقِ مسکینِ من چہ جانے داد
افسوس میرے مسکین عاشق نے کیسی جان دیدی ہے

خزینۂ دلِ حافظ ز گوہرِ اسرار[۹]
حافظ کے دل کے خزانہ نے رازوں کے جواہر کا

بہ یمنِ عشقِ تو سرمایۂ جہانے داد
تیرے عشق کی برکت سے، ایک زمانہ کا سرمایہ دیدیا ہے

---

۱ دل اور دانش کے قافلے اب ڈاکوؤں سے امن میں ہیں۔
۲ بادشاہ کو یوسف اور مخالفوں کو برادرانِ یوسف قرار دیا ہے۔
۳ دجال کی ایک آنکھ میں پھولا ہوگا اور روایات میں ہے کہ اس کو امام مہدی قتل کریں گے۔
۴ حافظ کو کامیابی شب بیداری سے ہوئی ہے تو بھی شب بیداری کرے۔
۵ بنفشہ اکی زلف کو دیکھ کر رشک میں پیچ و تاب کھا رہی ہے
۶ اب میں رازِ عشق کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہوں۔
۷ مومیائی ایک دوا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے میں اکسیر ہے۔
۸ نصیحت گر پاگل ہے اس کو اپنا علاج کرانا چاہئے۔
۹ دنیا میں جہاں کہیں گوہرِ اسرار ہیں وہ حافظ کا عطیہ ہیں۔

بُرید بادِ صبا دوشم آگہی آورد
بادِ صبا کے قاصد نے، کل مجھے خبر دی ہے

کہ روزِ[1] محنت و غم رو بکوتہی آورد
کہ محنت اور غم کے دن نے کمی کی طرف رخ کیا ہے

بمُطربانِ صبوحی دہیم جامۂ پاک
ہم پاک لباس صبح کے گویّوں کو دیں گے

بدیں نوید کہ بادِ سحر گہی آورد
اس خوشخبری پر جو صبح کے وقت کی ہوا لائی ہے

نسیمِ زلفِ تو شد خضرِ راہم اندر عشق
عشق کے بارے میں تیری زلف کی خوشبو ہماری خضرِ راہ ہوئی ہے

زہے رفیق کہ بختم بہمرہی آورد
کیا عمدہ ساتھی ہے جس کو نصیبہ نے ساتھ کیا ہے

بیا بیا کہ طہورِ بہشت را رضواں
آجا، آجا اس لیے کہ رضواں بہشت کی پاکیزہ شراب

در[2] ینجہاں زبرائے دلِ رہی آورد
اس دنیا میں ایک غلام کے دل کی خاطر لایا ہے

بخیرِ خاطرِ ما کوشش کا ایں کلاہِ نمد
ہماری طبیعت کی بھلائی کے لیے کوشش کر اس لئے کہ یہ نمدی ٹوپی

بسے شکست کہ بر افسرِ شہی آورد
شاہی تاج پر بہت سی شکستیں لائی ہے

چہ آہہا کہ رسید از دلم بخرگہِ ماہ
کتنی آہیں ہیں کہ میرے دل سے چاند کے خیمہ تک پہونچی ہیں

چو یادِ عارضِ آں ماہِ خرگہی آورد
جب اس نے خیمہ کے چاند کے رخسار کو یاد کیا ہے

رساند رایتِ منصور[6] بر فلک حافظ
حافظ نے منصور کے جھنڈے کو آسمان پر پہونچا دیا ہے

چو التجا بجنابِ شہنشہی آورد
جبکہ اس نے شہنشاہی دربار میں التجا کی ہے

بکوئے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود
اے خدا صبح میکدہ کے کوچہ میں کیا مشغلہ تھا؟

کہ جوشِ شاہد و ساقی و شمع و مشعلہ بود
کہ معشوق، اور ساقی، اور شمع اور مشعل کا جوش تھا

حدیثِ[3] عشق کہ از حرف و صوت مستغنیست
عشق کی بات جو حرف اور آواز سے مستغنی ہے

بنالۂ دف و نے در خروش و ولولہ بود
دف اور بانسری کے نالے سے خروش اور ولولہ میں تھی

مباحثے[4] کہ در آں حلقۂ جنوں میرفت
وہ بحثیں، جو اس دیوانگی کی مجلس میں ہوئیں

ورائے مدرسہ و قیل و قال و مسئلہ بود
مدرسہ اور قیل و قال اور مسئلہ سے آگے کی تھیں

دل از کرشمۂ ساقی بشکر بود و لے
ساقی کے اشارۂ چشم کا دل پر شکر گذار تھا لیکن

ز نا مساعدتِ بختش اندکے گلہ بود
نصیبہ کی ناموافقت سے اس کو تھوڑا سا شکوہ تھا

قیاس کردم آں چشمِ جادوانۂ مست
ان جادو بھری مست آنکھوں کا میں نے اندازہ کیا

ہزار[5] ساحرِ چوں سامریش در گلہ بود
سامری جیسے ہزار جادوگر، ان کے شاکی تھے

بگفتمش بلبم بوسۂ حوالت کن
میں نے اس سے کہا مجھے ہونٹ کا ایک بوسہ عنایت کر

بخندہ گفت کیت با من ایں معاملہ بود
ہنس کر بولا تیرا مجھ سے یہ معاملہ کب تھا؟

ز اخترم نظرِ سعد در رہست کہ دوش
میرے ستارے کو سعد پر نظر درپیش ہے اس لیے کل شب

میانِ ماہ و رخِ یارِ من مقابلہ بود
چاند اور میرے یار کے رخ میں مقابلہ تھا

کرشمۂ کہ بکرد آں دو چشمِ شہر آشوب
شہر کو فتنہ میں ڈالنے والی اُن دو آنکھوں کے اشارہ پر

زخیلِ دل شدگانش ہزار گلہ بود
دل دیئے ہوئے، مجمع میں سے ہزاروں شکوے میں تھے

[1] اب غم و رنج کی کیفیت کم ہوگی اور رنج و غم کا دن چھوٹا ہو جائے گا۔
[2] رہی یعنی غلام یعنی حافظ کے لئے رضواں جنت سے شراب لایا ہے
[3] عشق کی کہانی کے بیان کے لئے الفاظ اور حروف کی ضرورت نہیں ہے۔
[4] یعنی معرفت کے مباحث علماء ظاہر کی فہم سے بالاتر ہیں۔
[5] کیونکہ وہ اس کی جادوگری کے مقابلہ میں عاجز تھے۔
[6] منصور نے شاہ شجاع کے لڑکے زین العابدین کو شکست دیکر شیراز کی بادشاہت حاصل کی تھی یہ بھی حافظ کا ممدوح ہے۔

دہانِ یار کہ درمانِ دردِ حافظ داشت
مجبوب کا وہ منہ، جو حافظ کے درد کا علاج رکھتا تھا

فغاں کہ وقتِ مروّت چہ تنگ حوصلہ بود
فریاد ہے، مروّت کے وقت کس قدر تنگ حوصلہ تھا

بوئے خوشِ تو ہر کہ زبادِ صبا شنید
تیری خوشبو جس نے بھی بادِ صبا سے سونگھی

از یارِ آشنا سخنِ آشنا شنید
اس نے، جانے پہچانے دوست کی جانی پہچانی بات سنی

اینش[2] سزا نبود دلِ حق گزارِ من
میرے شکر گزار دل کی یہ سزا نہ تھی

کز غمگسارِ خود سخنِ ناسزا شنید
کہ اس نے، اپنے غمگسار سے نامناسب بات سنی

اے شاہِ حسن چشم بحالِ گدا فگن
اے حسن کے بادشاہ! فقیر کی حالت پر نظر کر

کیں گوش بس[3] حکایتِ شاہ و گدا شنید
اس لیے کہ ان کانوں نے بادشاہ اور فقیر کے بہت قصے سنے

خوش میکنم ببادۂ مشکیں مشامِ جاں
میں مشکیں شراب سے جان کے دماغ کو خوش کرتا ہوں

کز دلق پوشِ صومعہ بوئے ریا شنید
اس لیے کہ عبادت خانہ کے گدڑی پہننے والے سے اس نے ریا کی بو سونگھی ہے

سرِ خدا کہ عارفِ سالک بکس نگفت
خدا کا راز جو عارف، سالک نے کسی سے نہیں کہا

در حیرتم[4] کہ بادہ فروش از کجا شنید
مجھے تعجب ہے، کہ مے فروش نے کہاں سے سنا

ما بادہ زیرِ خرقہ نہ امروز می خوریم
ہم گدڑی میں چھپا کر، آج ہی شراب نہیں پی رہے ہیں

صد بار پیرِ میکدہ ایں ماجرا شنید
میکدے کے شیخ نے، سو بار یہ قصہ سنا ہے

یارب کجاست محرمِ رازے کہ یکزماں
اے خدا! ایسا ہم راز کہاں ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے

دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید
دل اسکی تفصیل کرے کہ کیا دیکھا، اور کیا کیا سنا

ما مے[5] ببانگِ چنگ نہ امروز می کشیم
ہم چنگ کی آواز پر شراب آج ہی نہیں پی رہے ہیں

بس دیر شد کہ گنبدِ چرخ ایں صدا شنید
بہت زمانہ ہو گیا ہے، کہ آسمان کے گنبد نے یہ آواز سنی ہے

ساقی بیا کہ عشق ندامی کند بلند
ساقی! آجا کہ عشق پکار رہا ہے

آنکس کہ گفت قصۂ ما ہم زما شنید[6]
جس نے ہمارا قصہ بیان کیا ہے، اس نے ہمیں سے سنا ہے

پندِ حکیم عینِ صواب ست و محضِ خیر
دانا کی نصیحت بالکل درست، اور خالص بھلائی ہے

فرخندہ بخت آنکہ بسمعِ رضا شنید
مبارک نصیب وہ ہے، جس نے رضامندی کے کان سے سنی

نشنید ہر چہ گفتم و بگذشت ویں عجب[7]
جو میں نے کہا اس نے نہ سنا، اور چلا گیا، اور یہ عجیب بات ہے

سلطاں شنیدہ ام کہ حدیثِ گدا شنید
میں نے تو سنا ہے، کہ بادشاہ نے فقیر کی بات سنی ہے

محروم اگر شدم ز سرِ کوئے او چہ شد
اگر میں اس کے کوچے سے محروم رہا ہوں تو کیا ہوا

از گلشنِ زمانہ کہ بوئے وفا شنید[8]
زمانہ کے گلشن سے کس نے وفا کی خوشبو سونگھی ہے

ہر شام ماجرائے من و دل شمال گفت
شمالی ہوا نے ہر شام کو میرا اور دل کا قصہ بیان کیا ہے

ہر صبح گفتگوئے من و او صبا شنید
ہر صبح کو صبا نے، میرا، اور اس کا قصہ سنا ہے

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس
اے حافظ! تیرا وظیفہ بس دعا دینا ہے

در بندِ آں مباش کہ نشنید یا شنید
اس فکر میں نہ پڑ، کہ اس نے سنا یا نہیں سنا

---

۱ معشوق کا منہ اس قدر تنگ ثابت ہوا کہ مروّت کی ایک بات بھی اس سے نہ نکلی۔

۲ معشوق کو تو غمگسار ہونا چاہیے نہ کہ وہ دل دکھانے والی بات کرے۔

۳ بہت سے قصے مشہور ہیں کہ شاہوں نے گداؤں پر کرم کیا ہے۔

۴ ظاہر ہے کہ کسی ے نوش سے ہی سنا ہوگا۔

۵ ہم آج کے علی الاعلان ے نوش نہیں ہیں، عرصہ سے یہ طریقہ جاری ہے۔

۶ عشق کا قصہ وہی بیان کر سکتا ہے جو خود مبتلا ہوا ہو۔

۷ میری بدقسمتی کہ اس نے میری ایک نہ سنی حالانکہ وہ بادشاہ ہے اور میں فقیر ہوں۔

۸ یہی اخلاص کا آخری مرتبہ ہے۔

بر[1] سر آنم کہ گر زدست برآید
اس خیال میں ہوں کہ اگر ممکن ہو سکے
دست بکارے زنم کہ غصّہ سرآید
ایسے کام میں ہاتھ ڈالوں جس سے رنج ختم ہو جائے

منظرِ دل نیست جائے صحبتِ اغیار
دل کا منظر، غیروں کی صحبت کی جگہ نہیں ہے
دیو[2] چو بیروں رود فرشتہ درآید
شیطان جب باہر نکل جاتا ہے تب فرشتہ اندر آتا ہے

صحبتِ حکّام ظلمتِ شبِ یلداست
حکام کی صحبت تاریک رات کا اندھیرا ہے
نور زخورشید خواہ بو کہ برآید
نور آفتاب سے مانگ، ہو سکتا ہے کہ وہ حاصل ہو جائے

بر[3] درِ اربابِ بیمروّتِ دنیا
بے مروّت دنیا داروں کے دروازے پر
چند نشینی کہ خواجہ کے بدرآید
کب تک بیٹھا رہے گا کہ خواجہ کب باہر نکلتا ہے؟

بگذر[4] ازیں روزگارِ تلخ تراز زہر
زہر سے زیادہ کڑوے زمانہ سے گذر جا
بارِ دگر روزگارِ چوں شکر آید
پھر شکر جیسا، زمانہ آئے گا

صالح و طالح متاعِ خویش نمودند
نیک، اور بد نے اپنی پونجی دکھائی
تاکہ قبول افتد و چہ در نظر آید
دیکھو کونسی قبول ہوتی ہے اور کیا منظور ہوتا ہے

بلبلِ[5] عاشق تو عمر خواہ کہ آخر
عاشق، بلبل تو عمر چاہ، کیونکہ بالآخر
باغ شود سبز و سرخ گُل بدرآید
باغ سبز ہوگا، اور سرخ پھول کھل جائے گا

صبر[6] و ظفر ہر دو دوستانِ قدیمند
صبر، اور کامیابی دو پرانے ساتھی ہیں
بر اثرِ صبر نوبتِ ظفر آید
صبر کے نتیجہ میں، کامیابی کی باری آتی ہے

بہتر[7] ازآں نیست درمقامِ توکّل
توکّل کے مقام میں اس سے بہتر نہیں ہے کہ
صبر کنم تاکہ عمرِ شاں بسر آید
میں صبر کروں تاکہ اُن کا وقت ختم ہو جائے

ترکِ[8] گدائی مکن کہ گنج بیابی
فقیری نہ چھوڑ، کہ تو خزانہ پاتے گا
از نظرِ رہروے کہ در نظر آید
کسی راہرو کی نظر سے، جو نظر آئے گا

غفلتِ حافظ دریں سراچہ عجب نیست
اس سرائے میں حافظ کی غفلت تعجب خیز نہیں ہے
ہر کہ بمیخانہ رفت بیخبر آید
جو میخانہ میں گیا، مدہوش آیا ہے

بازم مہِ رخسارِ کسے درنظر آمد
کسی کے رخسار کا چاند، مجھے پھر نظر آیا
مہرے بدل از طلعتِ آں ماہ درآمد
اس چاند کے چہرے سے، دل میں سورج اتر آیا

بازایں[9] دلِ سودا زدہ ام گشت ہوائی
میرا پاگل دل، پھر بے اختیار ہو گیا
وز کارِ خود و بارِ خود ایں بار برآمد
اس بار، اپنے کار و بار سے بیگانہ ہو گیا

یکبار[10] نظر بر خمِ ابروش فگندم
اس کے ابرو کے خم پر میں نے ایک بار نظر ڈالی
صد تیرِ بلا برمن ازآں یک نظر آمد
اس ایک نظر سے، مصیبت کے سو تیر مجھ پر آگئے

ایں طرفہ کہ امروز بدیدم مہِ رویش
یہ عجیب بات ہے کہ آج میں نے اس کے چہرے کے چاند کو دیکھا
از روزِ دگر درنظرم خوبتر آمد
تو، اور دنوں سے مجھے زیادہ حسین نظر آیا

[1] کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جس سے غم و غصّہ ختم ہو جائے
[2] دیو سے مراد غیر اور فرشتہ سے مراد دوست ہے۔
[3] دنیا داروں کے دروازے پر بیٹھ کر ان کا انتظار نہ کرنا چاہیے۔
[4] دنیا طلبی نہ رہے تو دنیا خود شیریں بنکر آتی ہے۔
[5] انسان صبر کرتا ہے تو مقصد حاصل ہو کر رہتا ہے۔
[6] صبر کے نتیجہ میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔
[7] مصائب کا ایک وقت ہے توکل یہی ہے کہ اُس وقفہ میں ان مصائب پر صبر کیا جائے۔
[8] انسان طالب ہوتا ہے تو راہبر مل ہی جاتا ہے۔
[9] دل پھر بے اختیار ہو گیا ہے اور اپنا سارا کاروبار چھوڑ بیٹھا ہے
[10] خمِ ابرو کو کمان قرار دیا جاتا ہے اسی لئے اس کے پیدا کردہ مصائب کو تیر قرار دیا ہے۔

حافظ طلبِ وصل بسے کرد و بہ آخر
حافظ نے وصل کی بہت طلب کی، اور بالآخر

از دستِ غمِ ہجرِ تو از پائے درآمد
تیرے ہجر کے غم سے گر پڑا

پیرانہ سرم عشقِ جوانے بسر افتاد[1]
میرے بڑھاپے میں ایک جوان کا عشق سر پڑ گیا

واں راز کہ در دل بنہفتم بدر افتاد
جو راز میں نے دل میں چھپایا، وہ ظاہر ہو گیا

از راہِ نظر مرغِ دلم گشت ہوا گیر
میرا مرغِ دل نظر کی راہ سے فضا میں اُڑ گیا

اے دیدہ نظر کن کہ بدامِ کہ درافتاد
اے آنکھ! دیکھ کہ کس کے جال میں پھنسا ہے؟

دردا کہ ازاں آہوئے مشکینِ سیہ چشم
ہائے افسوس کہ اُس مشکیں، سیاہ چشم ہرن کی وجہ سے

چوں نافہ[2] بسے خونِ دلم در جگر افتاد
نافہ کی طرح میرے دل کا بہت سا خون جگر میں جمع ہو گیا ہے

بارِ غمِ[3] او عرضہ بہر کس کہ نمودند
اس کے غم کا بوجھ انہوں نے جس کسی پر بھی پیش کیا

عاجز شد و ایں قرعہ بنامِ بشر افتاد
وہ عاجز آ گیا، اور یہ قرعہ انسان کے نام پر پڑا

از رہگذرِ[4] خاکِ سرِ کوئے شما بود
تمہارے کوچہ کے راستے کی خاک سے تھا

ہر نافہ کہ در دستِ نسیمِ سحر افتاد
ہر وہ نافہ، جو صبح کی نسیم کے ہاتھ پڑا

مژگانِ تو تا تیغِ جہانگیر برآورد
جب تیری پلکوں نے جہان کو فتح کرنے والی تلوار سونتی

بس کشتۂ[5] دل زندہ کہ بر یکدگر افتاد
بہت سے شہید جن کے دل زندہ تھے ایک دوسرے پر گر پڑے

ایں بادہ کہ پرورد کہ خمارِ خرابات
یہ شراب کس نے تیار کی ہے کہ شراب خانہ کا کلال

از بوئے بہشتیش ز خود بیخبر افتاد
اس کی بہشتی خوشبو کی وجہ سے اپنے سے بے خبر ہو گیا

بس[6] تجربہ کردیم دریں دارِ مکافات
اس بدلہ کی دنیا میں، ہم نے بہت تجربہ کیا ہے

با دُرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد
جو تلچھٹ پینے والوں سے لڑا، وہ گرا

گر جاں بدہد سنگِ سیہ لعل نگردد
اگر کالا پتھر جان بھی دیدے تو لعل نہیں ہو سکتا

با طینتِ اصلی چہ کند بد گہر افتاد
اصلی طبیعت کے مقابلہ میں بد گہر طبیعت والا کیا کرے؟

فریاد[7] کہ از زیرکیِ مرغِ سخن سنج
فریاد ہے کہ بات کو تولنے والا پرندہ عقلمندی کی وجہ سے

بیدانہ زدش راہ و بدامِ خطر افتاد
اس نے اسیر بغیر دانہ کے ہی ڈاکہ ڈال دیا اور وہ خطرے کے جال میں پھنس گیا

حافظ کہ سرِ زلفِ بُتاں دست کشش بود
وہ حافظ کہ بُتوں کی زلف کا خیال، جس کا ہاتھ کھینچتا تھا

بس طرفہ حریفیست کش اکنوں بسر افتاد[8]
بہت عجیب محبوب ہے جو اب اس کے سر پڑا ہے

پیش[9] از نیست بیش ازیں غمخواریِ عُشّاق بود
اس سے پہلے عاشقوں کے ساتھ تیری اس سے زیادہ غمخواری تھی

مہر ورزیِ تو با ما شہرۂ آفاق بود
ہمارے ساتھ تیرا محبت کا برتاؤ دنیا میں مشہور تھا

یاد باد آں صحبتِ شبہا کہ با زلفِ توام
راتوں کی وہ صحبت یاد رہے کہ میری، تیری زلف کے ساتھ

بحثِ سرِّ عشق و ذکرِ حلقۂ عُشّاق بود
عشق کے راز کی بحث اور عاشقوں کے حلقہ کا ذکر تھا

[1] بڑھاپے میں جوان کا عشق ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں رسوا ہوں۔
[2] نافہ، ہرن کا خون ہے جو شکم کے ایک حصہ میں جمع ہو جاتا ہے
[3] بارِ غم سے ہر چیز گھبرا گئی اور وہ انسان کے سر پڑ گیا۔
[4] نافہ نے خوشبو معشوق کے راستہ کی خاک سے حاصل کی ہے۔
[5] کشتگانِ عشق کے دل کو زندہ قرار دیا جاتا ہے۔
[6] دُرد کشوں سے برسرِ پیکار ہونیوالا برباد ہو جاتا ہے۔
[7] مرغِ سخن سنج کے لیے اسکی عقل اور زیادہ باعثِ مصیبت بن گئی۔
[8] حافظ حسینوں میں پھنسا تھا لیکن اب کے بڑے محبوب سے اُس کا پالا پڑا ہے۔
[9] محبوب پہلے تو بہت زیادہ غمخوار اور ہمدرد تھا لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔

حسنِ[1] مہرویانِ مجلس گرچہ دل می برد و دیں
محفل کے حسینوں کا حسن اگرچہ دل' اور دین لے جا رہا تھا
عشقِ ما بر لطفِ طبع و خوبیِ اخلاق بود
ہمارا عشق طبیعت کی لطافت' اور اخلاق کی خوبی پر تھا

از دمِ[2] صبحِ ازل تا آخرِ شامِ ابد
ازل کی صبح کے وقت سے' ابد کی شام تک
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود
دوستی' اور محبت ایک عہد' اور ایک میثاق پر تھی

سایۂ[3] معشوق اگر افتاد بر عاشق چہ شد
معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑ گیا تو کیا ہوا
ما باو محتاج بودیم او بما مشتاق بود
ہم اس کے محتاج تھے' وہ ہمارا مشتاق تھا

پیش[4] ازیں کیں سقفِ سبز و طاقِ مینا بر کشید
اس سے پہلے کہ یہ سبز چھت' اور منقش طاق بنایا
منظرِ چشمِ مرا ابروئے جاناں طاق بود
میری آنکھ کا منظر، معشوق کے ابرو کا طاق تھا

رشتۂ تسبیح اگر بگسست معذورم بدار
تسبیح کا ڈورا اگر ٹوٹ گیا' تو مجھے معذور رکھ
دستم اندر ساعدِ ساقیِ سیمیں ساق بود
میرا ہاتھ' چاندی جیسی پنڈلی والے ساقی کے کلائی میں تھا

بر درِ[5] شاہم گدائے نکتۂ در کار کرد
بادشاہ کے دروازے پر ایک فقیر نے' ایک نکتہ میرے کام کا کہا
گفت بر ہر خواں کہ بنشستم خدا رزاق بود
اس نے کہا میں جس دستر خوان پر بھی بیٹھا خدا رزاق تھا

در شبِ[6] قدر ار صبوحی کردہ ام عیبم مکن
اگر میں نے شبِ قدر میں صبح کی شراب پی ہے' تو مجھ پر عیب نہ لگا
سرخوش آمد یار و جامے بر کنارِ طاق بود
یار مست ہو کر آیا' اور جام طاق کے کنارے پر تھا

شعرِ حافظ در زمانِ آدم اندر باغِ خلد
بہشت کے باغ میں' آدم کے زمانہ میں حافظ کے اشعار
دولتِ نسرین و گل را زینتِ اوراق بود
نسرین' اور گل کی دولت کے لیے اوراق کی زینت تھے

تا ز[7] میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود
جب تک شرابخانہ اور شراب کا نام و نشان' باقی رہے گا
سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود
ہمارا سر' پیرِ مغاں کے راستہ کی خاک بنا رہے گا

حلقۂ پیرِ مغانم ز ازل در گوش ست
میں ازل سے پیرِ مغاں کا' حلقہ بگوش ہوں
ما ہمانیم[8] کہ بودیم و ہماں خواہد بود
ہم وہی ہیں' جو تھے' اور اسی طرح رہیگا

بر سرِ تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ
جب تو ہماری قبر کے سرہانے سے گذرے دعا مانگ
کہ زیارتگہِ رندانِ جہاں خواہد بود
اس لیے کہ وہ دنیا کے رندوں کی زیارت گاہ رہے گی

بر زمینے[9] کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
جس زمین پر' تیرا نقشِ قدم ہوگا
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
وہ سالوں صاحبِ نظر لوگوں کی' سجدہ گاہ رہے گی

بروائے زاہدِ خود بیں کہ ز چشمِ من و تو
اے متکبر زاہد چلا جا اس لئے کہ میری' اور تیری آنکھ سے
رازِ ایں پردہ نہانست و نہاں خواہد بود
اس پردہ کا راز پوشیدہ ہے' اور پوشیدہ رہے گا

اے کہ وقتے نکشیدست دلت جانبِ ما
اے وہ کہ جس کا دل ہماری طرف کسی وقت بھی نہیں کھنچا ہے
تا قیامت دلِ ما بر تو کشاں خواہد بود
ہمارا دل قیامت تک' تیری طرف کھنچا رہے گا

ترکِ عاشق کُش من مست بروں رفت امروز
میرا عاشق کُش معشوق' آج مست ہو کر باہر نکل گیا
تا کرا خونِ دل امروز رواں خواہد بود
دیکھو آج کس کے دل کا خوں جاری ہوگا

---

[1] ہم محبوب کے حسنِ باطنی کے عاشق ہیں۔
[2] ہماری محبت استوار اور پائدار ہے۔
[3] ہم معشوق کے محتاج ہیں اور معشوق کو بھی ہم سے تعلق ہے وہ ہمارا مشتاق ہے۔
[4] عالم کے وجود میں آنے سے پہلے سے ہم معشوق کے شیدائی ہیں۔
[5] فقیر اگر شاہی دستر خوان پر بھی ہے تو اس کو خدا ہی کو رزاق سمجھنا چاہیے۔
[6] لہٰذا اس شراب پینے میں میں معذور تھا
[7] یعنی ہماری وضعداری میں کوئی فرق نہ آئیگا۔
[8] ہم وہی ہیں جو ازل میں تھے اور ابد تک وہی رہیں گے۔
[9] تیرا نشانِ قدم صاحبِ نظر لوگوں کی سجدہ گاہ ہے۔

عیب[1] مستاں مکن اے خواجہ کزیں کہنہ رباط
اے خواجہ مستوں پر عیب نہ لگا اس لیے کہ اس پرانی سرائے سے

کس ندانست کہ رحلت بچساں خواہد بود
کوئی نہیں جانتا ہے، کہ کس طرح کوچ ہوگا

چشمم آں دم کہ زشوقِ تو نہد سر بلحد
میری آنکھ، جب سے تیرے شوق میں لحد میں سر دھرے گی

تادمِ صبحِ قیامت نگراں خواہد بود
قیامت کی صبح تک، دیکھتی رہے گی

بختِ[2] حافظ گر ازینگونہ مدد خواہد کرد
حافظ کا نصیب، اگر اس طور پر مدد کرے گا

زلفِ معشوقہ بدستِ دگراں خواہد بود
تو معشوقہ کی زلف، دوسروں کے ہاتھ میں ہوگی

ترسم کہ اشک درغمِ ما پردہ در شود
مجھے خوف ہے کہ آنسو ہمارے رنج کی پردہ دری کردیں گے

ویں رازِ سر بمہر بعالم سمر شود
اور یہ سربستہ راز، دنیا میں قصہ بن جائے گا

گویند[3] سنگ لعل شود در مقامِ صبر
کہتے ہیں، صبر کے مقام میں پتھر لعل بنجاتا ہے

آرے شود ولیک بخونِ جگر شود
ہاں، ہو جاتا ہے لیکن جگر کے خون سے ہوتا ہے

خواہم شدن بمیکدہ گریان و داد خواہ
روتا ہوا اور داد چاہتا ہوا شراب خانہ میں جانا چاہتا ہوں

کز دستِ غم خلاصِ دل آنجا مگر شود
شاید غم کے ہاتھ سے وہاں دل چھٹکارا پاجائے

ایں[4] سرکشی کہ در سرِ سروِ بلندِ تست
یہ سرکشی جو تیرے بلند سرو کے سر میں ہے

کے با تو دستِ کوتہِ ما در کمر شود
ہمارا کوتاہ ہاتھ، کب تیری کمر میں ہوسکتا ہے

ایں قصرِ سلطنت کہ تواش ماہِ منظری
یہ سلطنت کا محل جس کا تو ماہِ منظر بنا ہوا ہے

سرہا بر آستانۂ او خاکِ در شود
بہت سے سر اس کی چوکھٹ پر، در کی خاک ہوں گے

از ہر کنار تیرِ دعا کردہ ام رواں
ہر جانب سے، میں نے دعا کے تیر روانہ کئے ہیں

باشد کزیں میانہ یکے کارگر شود
ہوسکتا ہے، کہ ان میں سے کوئی کارگر ہوجائے

از کیمیائے[5] مہرِ تو زر گشت روئے من
تیری محبت کی کیمیا کی وجہ سے میرا چہرہ سونا بن گیا ہے

آرے بیُمنِ ہمّتِ تو خاک زر شود
ہاں تیری توجہ کی برکت سے خاک سونا بنجاتی ہے

اے دل حدیثِ ما برِ دلدار عرضہ کن
اے دل! ہمارا قصہ دلدار کو سنا دے

لیکن چناں مکن کہ صبا را خبر شود
لیکن ایسا نہ کر، کہ صبا کو خبر ہوجائے

روزے[6] اگر غمے رسدت تنگدل مباش
اگر کسی دن تجھے غم پہونچے، تنگدل نہ ہو

رو شکر کن مبادکہ از بد بتر شود
جا، شکر کر ایسا نہ ہو کہ بد سے بدتر ہوجائے

اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت
اے دل! صابر رہ، اور غم نہ کر کہ بالآخر

از شام صبح گردد و از شب سحر شود
شام سے صبح، اور رات سے سحر ہو جاتی ہے

در تنگنائے[7] حیرتم از نخوتِ رقیب
رقیب کے تکبر کی وجہ سے میں حیرت کے تنگنائے میں ہوں

یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود
اے خدا! ایسا نہ ہو کہ گدا صاحبِ اعتبار بنے

بس[8] نکتہ غیرِ حُسن بباید کہ تا کسے
حُسن کے علاوہ، اور نکتہ بھی چاہیے تاکہ کوئی

مقبولِ طبعِ مردمِ صاحب نظر شود
کسی صاحبِ نظر کی طبیعت کو پسند آئے

---

[1] مدار اس کیفیت پر ہے جو کسی انسان پہ مرتے وقت طاری ہوتی ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ اس وقت کس کی کیا حالت رہتی ہے۔

[2] اگر حافظ کی یہی بدبختی ہے تو اس کا معشوق دوسروں کے قبضے میں ہوگا۔

[3] جب تک انسان خونِ جگر نہیں پیتا ہے اور مقصد کے حصول میں انتہائی کوشش نہیں کرتا ہے وہ سنگ سے لعل نہیں بنتا ہے۔

[4] معشوق کے قد کی بلندی کیوجہ سے ہمارا ہاتھ اس کی کمر تک نہیں پہنچتا ہے

[5] محبوب کی توجہ سے ہماری قدر و منزلت بڑھ گئی ہے۔

[6] انسان کو ہر حالت میں شکر گزار ہونا چاہئے ورنہ اس سے بدتر حال میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے

[7] چونکہ رقیب ایک کمینہ انسان تھا محبوب کی عنایت کیوجہ سے تکبر میں مبتلا ہے۔

[8] مقبولیت کے لئے محض حسنِ ظاہری کافی نہیں ہے حسنِ باطنی کی بھی ضرورت ہے۔

مُہرِ تو در دروُنم و عشقِ تو در سرم
تیری محبت میرے اندر ہے اور تیرا عشق میرے سر میں ہے
باشیر در دروں شد و باجاں بدر شود
جو دودھ کے ساتھ اندر گیا ہے اور جان کے ساتھ باہر آئیگا

اے مردمانِ دیدہ مگریید بعد ازیں
اے آنکھ کی پتلیو! اس کے بعد نہ رونا
پائے خیالِ دوست مبادا کہ تر شود
ایسا نہ ہو کہ خیال کا پیر تر ہو جائے

ایدل چو نافۂ سرِ زلفش بدستِ تست
اے دل! اس کی زلف کے سرے کا نافہ تیرے ہاتھ میں ہے
دم در کش ارنہ بادِ صبا را خبر شود
سانس کھینچ لے ورنہ بادِ صبا کو خبر ہو جائے گی

حافظ سر از لحد بدر آرد بپای بوس
حافظ، پیر چومنے کے لئے لحد سے سر نکالے گا
گر خاکِ او بپائے شما پے سپر شود
اگر اس کی خاک، آپ کے پیر سے پائمال ہو گی

تنت بنازِ طبیباں نیاز مند مباد
خدا کرے تیرا جسم، طبیبوں کے ناز کا نیاز مند نہ بنے
وجودِ نازکت آزردۂ گزند مباد
تیرا نازک وجود، کسی مصیبت سے آزردہ نہ ہو

سلامتِ ہمہ آفاق در سلامتِ تست
تمام دنیا کی سلامتی، تیری سلامتی میں ہے
بہیچ عارضہ شخصِ تو درد مند مباد
تیرا جسم، کسی بیماری سے درد مند نہ ہو

دریں چمن چو درآید خزاں بیغمائی
اس چمن میں، جب خزاں لوٹ مار کے لئے آئے
رہش بسروِ سہی قامتِ بلند مباد
خدا کرے اس کا راستہ، بلند قد کے بلند سرو کی طرف نہ ہو

درآں بساط کہ حُسنِ تو جلوہ اندازد
جس بساط پر، تیرا حسن جلوہ گر ہو
مجالِ طعنۂ بدبین بد پسند مباد
بدبیں، بدپسند کے لیے اس میں طعنہ کی گنجائش نہ ہو

جمالِ صورت و معنیٰ ز یُمنِ ہمّتِ تست
صورت، اور معنیٰ کا حسن، تیری توجہ کی برکت سے ہے
کہ ظاہرت دژم و باطنت نژند مباد
خدا کرے، تیرا ظاہر افسردہ، اور تیرا باطن غمگین نہ ہو

ہر آنکہ روئے چو ماہت بچشمِ بد بیند
جو شخص تیرے چاند جیسے چہرے کو بری نگاہ سے دیکھے
بر آتشِ تو بجز چشمِ او سپند مباد
بجز اس کی آنکھ کے، تیری آگ پر کوئی کالا دانہ نہ ہو

شفا ز گفتۂ شکر فشانِ حافظ جوی
حافظ کے شکر بکھیرنے والے کلام سے شفا حاصل کر
کہ حاجتت بعلاجِ گلاب و قند مباد
تاکہ تجھے گلقند کے علاج کی ضرورت نہ رہے

تُرکِ من چوں جعدِ مُشکیں گردِ کاکل بشکند
میرا محبوب جب مشکیں گھنگر والے بال، زلف کے چاروں طرف بکھیرتا ہے
لالہ را دل خوں شود بازارِ سنبل بشکند
لالہ کا دل خون ہو جاتا ہے، سنبل کا بازار ٹھنڈا پڑ جاتا ہے

در خراماں سروِ گلنارش کند میلِ چمن
اگر اس کا گلنار والا سرو، ٹہلتا ہوا چمن کی طرف جاتا ہے
سرو را از پا در اندازد دلِ گل بشکند
سرو کو گرا دیتا ہے، پھول کے دل کو توڑ ڈالتا ہے

تا خیالِ ابروئے جاناں ز چشمم دور شد
محبوب کے ابرو کا خیال جب سے میری آنکھوں سے دور ہوا ہے
اندریں رہ سیلہا باشد کہ صد پُل بشکند
اس راستے میں بہت سے سیلاب ہوں گے جو سو پلوں کو توڑتے ہیں

۱ـ تیرا عشق و محبت ہماری گھٹی میں پڑا ہے، مر کر ہی نکلے گا۔
۲ـ دوست کی آمد تو دشوار ہے اس کا خیال آتا جاتا ہے اندیشہ ہے کہ رونے سے اس کے پیر تر نہ ہو جائیں۔
۳ـ حافظ کی قبر پر اگر تو آ گیا تو قدم بوسی کے لئے حافظ زندہ ہو جائے گا۔
۴ـ معشوق کی سلامتی میں تمام دنیا کی سلامتی مُضمر ہے۔
۵ـ چونکہ دنیا میں ظاہری اور باطنی رونق محبوب سے ہے لہٰذا اس کا ظاہر و باطن پُر رونق رہے۔
۶ـ آگ پر کالا دانہ چٹختا ہے یعنی دشمن کی پتلی کا وہ حشر ہو جو کالے دانے کا آگ پر ہوتا ہے۔
۷ـ محبوب کے بالوں اور زلفوں کے سنوارنے پر لالہ غیرت سے زخمی دل بنتا ہے اور سنبل کا بازار ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

چوں نسیمِ صبحگاہی پردۂ گُل بر درد
جب صبح کی ہوا پھول کے پردے کو چاک کرتی ہے

خارِ غم اندر دلِ مجروحِ بُلبل بشکند
بُلبل کے مجروح دل میں غم کا کانٹا توڑتی ہے

حافظا ایں سرِّ وحدت راز دستِ خود مدہ[1]
اے حافظ وحدت کے اس راز کو ہاتھ سے نہ دینا

تا خیالِ زہد و تقویٰ را توکل بشکند
تاکہ زہد، اور تقوے کے خیال کو توکل توڑ ڈالے

جاں بے جمالِ جاناں میلِ جہاں ندارد[2]
معشوق کے حسن بغیر طبیعت دنیا کا میلان نہیں کرتی ہے

ہر کس کہ ایں ندارد حقا کہ آں ندارد
جو شخص یہ نہیں رکھتا ہے، یقیناً وہ نہیں رکھتا ہے

با ہیچکس[3] نشانے زاں دلستاں ندیدم
اس معشوق کا پتہ میں نے کسی کے پاس نہیں دیکھا

یا من خبر ندارم یا او نشاں ندارد
یا تو مجھے ہی خبر نہیں ہے یا اس کا نشان نہیں ہے

ہر شبنمے[4] دریں رہ صد موجِ آتشیں ست
اس راستہ میں ہر شبنم آگ کی سو موجیں ہیں

دردا کہ ایں معمّا شرح و بیاں ندارد
ہائے افسوس اس معمّہ کی کوئی شرح اور بیان نہیں ہے

سر منزلِ قناعت نتواں ز دست دادن
قناعت کا سر منزل ہاتھ سے نہیں دیا جا سکتا ہے

اے[5] سارباں فروکش کایں رہ کراں ندارد
اے ساربان ٹھہر جا، اس راستہ کا کنارہ نہیں ہے

چنگِ[6] خمیدہ قامت میخواندت بعشرت
کبڑی، چنگ تجھ کو عیش و عشرت کی دعوت دیتی ہے

بشنو کہ پندِ پیراں ہیچت زیاں ندارد
سُن لے اس لیے کہ بزرگوں کی نصیحت میں تیرا نقصان نہیں ہوتا ہے

گر خود رقیب شمع ست احوال ازو بپوشاں
اگر شمع خود رقیب ہے اُس سے احوال پوشیدہ رکھ

کاں شوخِ سر بریدہ بندِ زباں ندارد
اس لئے کہ سرکٹی، شریر، زبان کو بند نہیں رکھتی ہے

ذوقے[7] چناں ندارد بے دوست زندگانی
ایسا ذوق محبوب کے بغیر زندگی نہیں رکھتا

بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد
زندگی محبوب کے بغیر ایسا ذوق نہیں رکھتی

احوالِ گنجِ قاروں کایام داد بر باد
قاروں کے خزانہ کے احوال جس کو زمانہ نے برباد کر دیا

در گوشِ گل فرو خواں تا زر نہاں ندارد[8]
پھول کے کان میں چپکے سے کہدے تاکہ وہ زر کو نہ چھپائے

آں را کہ خواندی استاد گر بنگری بہ تحقیق
جس کو تونے استاد کہا ہے اگر تحقیق سے دیکھے گا

صنعتگر[9] ست اما طبعِ رواں ندارد
ایک کاریگر ہے لیکن رواں طبیعت نہیں رکھتا ہے

اے[10] دل طریقِ رندی از محتسب بیاموز
اے دل! رندی کا طریقہ محتسب سے سیکھ لے

مست ست و در حقِ او کس ایں گماں ندارد
وہ مست ہے لیکن اسکے بارہ میں ایسا گمان نہیں کرتا ہے

کس در جہاں ندارد یک بندہ چو حافظ
حافظ جیسا غلام دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے

زیرا کہ چوں تو شاہے کس در جہاں ندارد
اس لئے کہ تجھ جیسا بادشاہ دنیا میں کوئی نہیں رکھتا ہے

جہاں[11] بر ابروئے عید از ہلال وسمہ کشید
دنیا نے عید کی ابرو پر چاند کا وسمہ لگایا ہے

ہلالِ عید بر ابروئے یار باید دید
عید کے چاند کو معشوق کے ابرو میں دیکھنا چاہیے

[1] جب تک زہد و تقوے کی خود بینی کو توکل پاش پاش نہ کر دے اس وقت تک کیسوئی کو ہاتھ سے نہ دینا۔
[2] اگر دنیا بے جمال یار ہے تو دنیا کی ہمیں کوئی خواہش نہیں ہے جسکو جمالِ یار میسر نہیں اسکو جان میسر نہیں ہے۔
[3] میرا محبوب بے نشان، و بے پتہ ہے۔
[4] راہِ عشق کی شبنم بھی آگ کی موج ہے۔ اور اس معمہ کی آج تک کسی سے شرح نہیں ہوئی ہے۔
[5] حرص و تمنا کے راستہ کی انتہا نہیں ہے۔
[6] کبڑی چنگ کو بوڑھا قرار دیا ہے اور اس کی پکار کو بڈھے کی نصیحت۔
[7] مصرع اول و ثانی میں مضمون مکرر ہے
[8] پھول کے زیرے کو زر کہا جاتا ہے۔ پھول کو چاہیے کہ قارون کے خزانہ کے احوال سے عبرت حاصل کرے۔
[9] یعنی ایک خاص وزن پر اشعار کو ڈھال دیتا ہے لیکن طبیعت میں روانی نہیں ہے
[10] اس طور پر رندی کرنی چاہیے کہ کسی کو بدگمانی نہو۔
[11] عید کو چاند سے رونق حاصل ہوئی لیکن اصل عید معشوق کی ابرو کے ہلال میں پوشیدہ ہے۔

شکستہ گشت چو پشتِ ہلال قامتِ من[۱]
نئے چاند کی پشت کی طرح، میرا قد جھک گیا ہے
کمانِ ابروئے یارم کہ بارِ وسمہ کشید
میرے یار کا کمان کا ابرو، وسمہ کا بار کب برداشت کر سکتا ہے

مپوش روی و مشو در ہم از تفرّجِ حسن[۲]
چہرہ نہ چھپا، اور حسن کی تفریح سے ناراض نہ ہو
کہ خواند خطِ تو بر روی وانْ یکادُ دمید
اس لئے کہ تیرے خط نے چہرہ پر وانْ یکاد پڑھ کر پھونک دیا ہے

مگر نسیم تنت صبح در چمن بگذشت
شاید تیرے جسم کی ہوا، صبح کو چمن میں گذر گئی
کہ گل ببوئے خوشت ہمچو صبح جامہ درید
اس لیے کہ پھول نے تیری خوشبو کی وجہ سے صبح کی طرح لباس چاک کر دیا ہے

بیا کہ با تو بگویم غمِ ملالتِ دل
تو آجا، تاکہ تجھ سے دل کا غم کہہ لوں
چراکہ بے تو ندارم مجالِ گفت و شنید
اس لئے کہ تیرے بدون، کہنے سننے کی طاقت نہیں ہے

نبود[۳] چنگ و رباب و گل و نبید کہ بود
چنگ اور رباب اور پھول، اور نبیذ نہ تھے، کہ
گِلِ وجودِ من آغشتہ شراب و نبید
میرے وجود کی مٹی شراب اور نبیذ سے آلودہ تھی

بہائے وصلِ تو گر جاں بود خریدارم
تیرے وصل کی قیمت اگر جان ہو تب بھی میں خریدار ہوں
کہ جنسِ خوب مبصّر بہر چہ دید خرید
اسلیے کہ مبصّر اچھی جنس کو ہر اس چیز کے عوض خرید لیتا ہے جو اس کے پاس ہے

مریز[۴] آبِ سرشکم کہ بے تو دور از تو
میرے آنسو کی آبروریزی نہ کر کیونکہ تیرے بغیر تجھ سے دور
چو باد میشد و در خاکِ راہ می غلطید
ہوا کی طرح ہو گیا، اور خاک میں لوٹتا رہا

چو ماہِ روئے تو در زیرِ زلف میدیدم
میں نے جب تیرے چہرے کا چاند زلف کے نیچے دیکھا
شبم بروئے تو روشن چو روز میگردید
تیرے چہرے کی وجہ سے میری رات دن کی مانند روشن ہو گئی تھی

بلب رسید مرا جان و بر نیامد کام
میری جان ہونٹوں پر آ گئی، اور مقصد پورا نہ ہوا
بسر رسید[۵] امید و طلب بسر نرسید
امید ختم ہو گئی، اور طلب ختم نہ ہوئی

زانقلابِ[۶] زمانہ طمع مدار کہ چرخ
زمانے کے انقلاب سے امید نہ کر اس لئے کہ آسمان
چو صبح بر رخِ عالم ازیں صفت خندید
صبح کی طرح، عالم کے رُخ پر ایسے ہی ہنستا ہے

دلم ز زلفِ تو شوریدہ بود میدانم
میرا دل، تیری زلف کی وجہ سے دیوانہ تھا، مجھے معلوم ہے
کہ پیشِ روئے تو[۷] بر خود چو برق میخندید
اس لئے کہ تیرے چہرے کے سامنے اپنے اوپر بجلی کی طرح ہنستا تھا

زشوقِ لعلِ تو حافظ نوشت شعرے چند
تیرے لعل کے شوق میں، حافظ نے چند اشعار لکھ دیے
بخواں تو نظمش و در گوش کش چو مروارید
تو اس کی نظم کو پڑھ، اور موتی کی طرح کان میں ڈال لے

جمالت آفتابِ ہر نظر باد
تیرا حسن، ہر نظر کے لئے آفتاب ہو
زخوبی روئے خوبت خوب تر باد
تیرا حسین چہرہ، حسن میں زیادہ حسین ہو

ہمائے اوجِ شاہیں شہپرت را
باز جیسے شہپر والے تیری بلندی کے ہُما کے
دلِ شاہانِ عالم زیرِ پر باد
پروں کے نیچے، دنیا کے بادشاہوں کے دل ہوں

دلے کو بستۂ زلفت نباشد
وہ دل، جو تیری زلف سے وابستہ نہ ہو
ہمیشہ غرقۂ خونِ جگر باد
ہمیشہ خونِ جگر میں ڈوبا ہوا ہو

---

[۱] معشوق کا ابرو دیکھ کر بوجھ سے کرخمیدہ ہے۔

[۲] لوگ اگر حسن سے دل خوش کریں اور دیکھیں تو منہ نہ چھپا اس لئے کہ تیرے خط نے آیت اِن یکادُ الّذین کفروا الآیتہ پڑھ کر دم کر دی ہے اب نظر کا اندیشہ نہیں ہے۔

[۳] یہ چیزیں عالم وجود میں بھی نہ آئی تھیں کہ میرے وجود کی مٹی اُن سے گوندھی گئی تھی۔

[۴] آنسو جبکہ تیرے اوپر نثار ہیں ان کی آبروریزی نہ کر۔

[۵] تمام مایوسیوں کے باوجود سلسلۂ طلب جاری ہے۔

[۶] زمانہ کے انقلاب سے کوئی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ آسمان کا طور طریق نہ بدلے گا۔

[۷] تاکہ دوسرے حسینوں کے چہروں سے بڑھ جائے۔

بتا چوں غمزہ ات ناوک کشاید — دلِ مجروحِ من پیشش سپر باد
اے بت! جب تیری ادا، تیر چلائے — خدا کرے، میرا زخمی دل اُس کی سپر ہو

چو لعلِ شکّرینت بوسہ بخشد — مذاقِ جانِ من زو پر شکر باد
جب تیرا شکّر جیسا ہونٹ بوسہ دے — میری جان کا مزا اس سے میٹھا ہو

مرا از تست ہر دم تازہ عشقے — ترا ہر ساعتے حسنِ دگر باد
میرا، تجھ سے ہر دم تازہ عشق ہے — تجھے، ہر گھڑی نیا حسن ملے

کسے کو کشتۂ رویت نباشد — چو زلفت درہم و زیر و زبر باد
جو، مجھے تیرے چہرے کا شہید نہ ہو — وہ تیری زلف کی طرح پریشان، اور زیر و زبر ہو

بجاں مشتاقِ روئے تست حافظ
حافظ، جان سے تیرے چہرے کا مشتاق ہے
ترا بر حالِ مشتاقاں نظر باد
خدا کرے، عاشقوں کے حال پر تیری نظر ہو

چو رویت مہر و مہ تاباں نباشد[2] — چو قدت سرو در بستاں نباشد
چاند، اور سورج تیرے چہرے کی طرح روشن نہ ہوگا — باغ میں سرو، تیرے قد کی طرح نہ ہوگا

چو لعل و لؤلؤت در دلفروزی[3] — دُرِ دریا و لعلِ کاں نباشد
دلفروزی میں تیرے لعل، اور موتی کی طرح — دریا کا موتی، اور کان کا لعل نہ ہوگا

میانِ خطِ سبزت لعلِ نوشیں — عجب گر چشمۂ حیواں نباشد
تیرے سبز خط کے درمیان، شیریں ہونٹ — تعجب ہے، اگر چشمۂ حیات نہ ہوگا

چو فندق[5] پستہ اش خندد بحالم — چرا بادامِ من گریاں نباشد
اس کا پستہ، فندق کی طرح میرے حال پر مسکرا رہا ہے — میرا بادام، رونے والا کیوں نہ ہوگا

سوادِ[6] کفرِ زلفِ او کہ دل را — بروئے تو از آں ایماں نباشد
اُس کی زلف، کفر کی ایسی سیاہی ہے کہ دل کو — تیرے چہرے کی قسم، اس سے ایمان حاصل نہ ہوگا

بتو نسبت نباشد، ہیچ تن را — نہ تن باللہ کہ مثلت جاں نباشد
کسی جسم کو، تجھ سے کوئی نسبت نہ ہوگی — خدا کی قسم جسم ہی نہیں، تیری طرح کوئی جان بھی نہ ہوگی

اگرچہ ہست شیریں شعرِ حافظ
اگرچہ، حافظ کے شعر میٹھے ہیں
چو لعلِ خسروِ خوباں نباشد
حسینوں کے بادشاہ کے ہونٹ کی طرح نہ ہوں گے

چو[7] آفتابِ مے از مشرقِ پیالہ برآید — ز باغِ عارضِ ساقی ہزار لالہ برآید
جب پیالے کے مشرق سے شراب کا آفتاب نکلتا ہے — ساقی کے رخسار کے باغ سے ہزاروں لالے پیدا ہوتے ہیں

نسیم[8] در سرِ گل بشکند کلالۂ سنبل — چو در میانِ چمن بوئے آں کلالہ برآید
نسیم پھول کے سر پر سنبل کی زلف کو دے مارتی ہے — جب اس زلف کی خوشبو، چمن میں آنکلتی ہے

---

[1] تاکہ جو تیر چلے اس پر آ کر لگے۔
[2] تیرے چہرے کی طرح چاند سورج روشن نہیں ہے تیرے قد کے مقابلہ میں سرو ہیچ ہے۔
[3] لعل سے مراد ہونٹ اور لؤلؤ سے مراد دانت ہیں۔
[4] خط بھی سیاہ ہے اور آبِ حیات بھی سیاہیوں میں ہے۔
[5] فندق ایک سُرخ پھل ہے انگلیوں کو اس سے تشبیہ دیجاتی ہے۔ پستہ سے مراد مُنہ اور بادام سے مراد آنکھیں ہیں۔
[6] اس کی زلف میں کفر کی سیاہی ہے جس سے دل کو نورِ ایمان میسّر نہیں آسکتا ہے۔
[7] شراب پی کر معشوق کے حسن میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔
[8] اس کے گھنگرالو بالوں اور انکی خوشبو سے گل اور سنبل شرمندہ ہے۔

حکایتِ شبِ ہجراں نہ آں شکایتِ حالست
شبِ ہجر کا قصہ حال کی ایسی شکایت نہیں ہے
کرشمۂ زبیانش بصد رسالہ برآید
کہ اس کے بیان کا تھوڑا سا حصہ بھی ہو رسالوں میں آسکے

زگرد خوانِ نگونِ فلک مدارِ توقع
اوندھے آسمان کے گول دستر خوان سے، توقع نہ رکھ
کہ بے ملالتِ صد غصہ یک نوالہ برآید
کہ سو غصوں کے رنج کے بدون تجھے ایک نوالہ بھی مل سکے

گرت چو نوح نبی صبر ہست در غمِ طوفاں
غم کے طوفاں میں اگر تجھے نوحؑ نبی کی طرح صبر حاصل ہے
بلا بگردد و کامِ ہزار سالہ برآید
مصیبت ٹل جائیگی اور ہزار سالہ مقصد پورا ہو جائے گا

بسعیِ خود نتواں برد پے بگوہرِ مقصود
گوہرِ مقصود کا اپنی کوشش سے پتہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے
خیال باشد کایں کار بے حوالہ برآید
یہ محض خیال ہوگا کہ یہ کام تقدیر کے حوالے کے بغیر ہو جائے گا

نسیمِ وصلِ تو گر بگذرد بتُربتِ حافظ
اگر تیرے وصل کی ہوا حافظ کی قبر پر سے گذرے
زخاکِ کالبدش صد ہزار نالہ برآید
اس کے جسم کی خاک سے ہزاروں نالے پیدا ہوں گے

چو باد عزمِ سرِ کوئے یار خواہم کرد
ہوا کی طرح، یار کے کوچے کا ارادہ کروں گا
نفس ببوئے خوشش مشکبار خواہم کرد
سانس کو اس کی خوشبو سے مشکبار کروں گا

ہر آبروئے کہ اندوختم زدانش و دیں
عقل، اور دین کی جو آبرو میں نے جمع کی ہے
نثارِ خاکِ رہِ آں نگار خواہم کرد
اس معشوق کے راستہ کی خاک پر قربان کروں گا

بہرزہ بے مے و معشوق عمر میگذرد
بغیر شراب، اور معشوق عمر بیکار گذر رہی ہے
لبطالتم بس ازامروز کار خواہم کرد
میری بیکاری بہت ہوئی، آج سے کام میں لگوں گا

صبا کجاست کہ ایں جانِ خوں گرفتہ چو گل
صبا کہاں ہے، پھول کی طرح خون میں نہائی ہوئی اس جان کو
فدائے نکہتِ گیسوئے یار خواہم کرد
یار کے گیسو کی خوشبو پر، قربان کروں گا

چو شمع صبحدمم شد زمہر او روشن
اس کی محبت کی وجہ سے مجھ پر یہ واضح ہو گیا ہے کہ صبح کی شمع کی طرح
کہ عمر در سرِ ایں کاروبار خواہم کرد
عمر اس کاروبار میں، ختم کر دوں گا

بیادِ چشمِ تو خود را خراب خواہم ساخت
تیری آنکھ کی یاد میں، اپنے آپ کو تباہ کر لوں گا
بنائے عہدِ قدیم استوار خواہم کرد
قدیم عہد کی بنیاد کو، مضبوط بناؤں گا

نفاق و زرق نبخشد صفائے دل حافظ
حافظ! نفاق، اور جھوٹ، دل کو صفائی نہیں بخشتے
طریقِ رندی و عشق اختیار خواہم کرد
رندی، اور عشق کا طریقہ اختیار کروں گا

چہ مستی ست ندانم کہ رو بما آورد
مجھے معلوم نہیں، کیسی مستی ہے جو ہم میں رونما ہوئی ہے؟
کہ بود ساقی و ایں بادہ از کجا آورد
ساقی کون تھا، اور یہ شراب کہاں سے لایا ہے؟

دلا چو غنچہ شکایت زبختِ بستہ مکن
اے دل! غنچہ کی طرح بند نصیبہ کی شکایت نہ کر
کہ بادِ صبح نسیم گرہ کشا آورد
اس لیے کہ صبح کی ہوا، گرہ کھولنے والی نسیم لائی ہے

۱ حضرت نوحؑ کو طوفان پر صبر کرنے پر کامیابی حاصل ہوئی۔
۲ کوئی کام بدون تقدیر ہونا ممکن نہیں ہے۔
۳ ہوا بھی معشوق کے کوچے سے مشکبار ہو کر آتی ہے میں بھی اپنے سانس کو مشکبار بناؤں گا۔
۴ معشوق اور شراب بدوں عمر بیکار ہے آج سے عمر کو کارآمد بناؤں گا۔
۵ اس کی محبت نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ صبح کی شمع کی طرح اپنی عمر کو اسی عشق میں ختم کر دوں گا۔
۶ نہ معلوم کون ساقی تھا اور یہ شراب کہاں سے لایا کہ عجب مستی پیدا ہو رہی ہے۔
۷ بند نصیبہ کو محبوب کی خوشبو اس طرح کھلا دیگی جیسے بادِ صبح غنچہ کو کھلا دیتی ہے۔

رسیدنِ گُل و نسریں بخیر و خوبی باد
گل و نسریں کی آمد بخیریت و عافیت ہو

بنفشہ شاد و خوش آمد سمن صفا آورد
بنفشہ شاد اور خوش ہو کر آئی، سمن صفائی لایا ہے

علاجِ ضعفِ دلِ ما کرشمۂ ساقی ست
ہمارے دل کے ضعف کا علاج، ساقی کی ادا ہے

بر آر سر کہ طبیب آمد و دوا آورد
سر اٹھا کہ طبیب آیا، اور دوا لایا ہے

صبا بخوشخبری ہُدہُدِ سلیمان ست
صباؔ، خوشخبری میں، سلیمانؑ کا ہُدہُد ہے

کہ مژدۂ طرب از گُلشن سبا آورد
کیونکہ مستی کی خوشخبری، سبا کے گلشن سے لایا

چہ راہ میزند ایں مطربِ مقام شناس
مقام کو پہچاننے والا مطرب کیا راستہ اختیار کر رہا ہے

کہ در میانِ غزل قولِ آشنا آورد
کہ غزل کے درمیان، دوست کی بات لایا ہے

تو نیز بادہ بچنگ آر و راہِ صحرا گیر
تو بھی شراب! اور چنگ ہاتھ میں لے اور جنگل کا راستہ لے

کہ مُرغِ نغمہ سرا سازِ خوش نوا آورد
اس لیے کہ گانے والا پرندہ، اچھی آواز کا ساز لایا ہے

مریدِ پیرِ مُغانم زمن مرنج اے شیخ
میں پیرِ مغاں کا مرید ہوں اے شیخ! مجھ سے رنجیدہ نہ ہو

چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد
اس لیے کہ تو نے وعدہ کیا، اور اس نے پورا کر دیا

بہ تنگ چشمیِ آں تُرکِ لشکری نازم
مجھے اس لشکری معشوق کی تنگ چشمی پر ناز ہے

کہ حملہ بر منِ مسکین یک قبا آورد
کہ مجھ جیسے مسکین، ایک قبا والے پر حملہ کیا ہے

فلک غلامیِ حافظ کنوں لطوع کند
آسمان، اب حافظ کی غلامی خوشی سے کرتا ہے

کہ التجا بہ درِ دولتِ شما آورد
کیونکہ، وہ تمہارے درِ دولت پر التجا لایا ہے

چو دست بر سرِ زلفش زنم بتاب رود
میں جب اس کی زلف پر ہاتھ مارتا ہوں، بل کھا جاتا ہے

ور آشتی طلبم بر سرِ عتاب رود
اور اگر میں صلح چاہتا ہوں تو غصہ کرتا ہے

چو ماہِ نو رہِ نظارگانِ بیچارہ
نئے چاند کی طرح، بیچارے دیکھنے والوں کا راستہ

زند بگوشۂ ابروی و در نقاب رود
گوشۂ ابرو سے مارتا ہے، اور نقاب میں چھپ جاتا ہے

طریقِ عشق پر آشوب و فتنہ است اے دل
اے دل، عشق کا راستہ پُر آشوب اور پُر فتن ہے

بیفتد آنکہ دریں راہ باشتاب رود
گر پڑتا ہے، جو اس راستہ میں تیز چلتا ہے

گدائیِ درِ جاناں بسلطنت مفروش
معشوق کے دروازہ کی گدائی کو سلطنت کے بدلے میں نہ بیچ

کسے ز سایۂ ایں در بآفتاب رود
اس دروازہ کے سایہ سے دھوپ میں کون جاتا ہے؟

حُباب را چو فتد بادِ نخوت اندر سر
بُلبلے کے سر میں، جب تکبر کی ہوا بھرتی ہے

کلاہ داریش اندر سرِ سراب رود
اس کی تاج داری ریت میں غائب ہو جاتی ہے

شبِ شراب خرابم کند بہ بیداری
وہ بیداری میں میری شراب نوشی کی رات خراب کرتا ہے

وگر بروز حکایت کنم بخواب رود
اگر اس سے دن میں بات کرتا ہوں سونے لگتا ہے

مرا تو عہد شکن خواندہ و می ترسم
تو نے مجھے وعدہ شکن بتایا، اور مجھے ڈر ہے

کہ با تو روزِ قیامت ہمیں خطاب رود
کہ قیامت میں، تیرا یہی خطاب ہوگا

ا۔ صبا جو یار کا پیغام لا رہی ہے وہ ہمارے لئے ایسی ہی خوش کن ہے جیسا کہ ہُدہُد حضرت سلیمان کے لئے خوش کن ثابت ہوئی تھی۔ سبا سے مُراد کوچۂ محبوب ہے۔
۲۔ غزل کے درمیان معشوق کے اقوال لاکر مُطرب اور تڑپا دیتا ہے، بڑا موقع شناس ہے۔
۳۔ موسم بہار ہے پرند مُطرب بنے ہوئے ہیں۔
۴۔ شیخ نے تو جنتی شراب اور حور کا وعدہ کیا پیرِ مغاں نے معشوق اور شراب فوراً عنایت کر دی۔
۵۔ زیادہ سختی سے قابو میں آتا ہے نہ نرمی ہی سے۔
۶۔ گوشۂ ابرو کے اشارے سے راستہ روک دیتا ہے اور پھر منہ چھپا کر گذر جاتا ہے۔
۷۔ گدائی بمنزلہ سایہ کے ہے اور سلطنت بمنزلہ دھوپ کے۔
۸۔ بُلبلہ اپنے تکبر کی وجہ سے فنا ہو جاتا ہے۔
۹۔ بہر صورت میری رفتار کے خلاف چلتا ہے۔
۱۰۔ معشوق کو قیامت میں عہد شکن کہکر پکارا جائے گا۔

دلا چو پیر شدی حسن و نازکی مفروش
اے دل جب تو بوڑھا ہو گیا ہے حسن اور نزاکت کی باتیں نہ کر

کہ ایں معاملہ با عالم شباب رود
اس لیے کہ یہ بات، جوانی میں چلتی ہے

سوادِ نامۂ موئے سیاہ چوں شد طے[1]
کالے بالوں کی سیاہ کتاب جب طے ہو گئی

بیاض کم نشود ور صد انتخاب رود
سفیدی کم نہیں ہو سکتی ہے اگرچہ سو مرتبہ چھٹائی ہو

توخود حجابِ خودی حافظ ازمیاں برخیز
اے حافظ تو خود اپنا پردہ ہے درمیان سے اٹھ جا

خوشا کسے کہ دریں راہ بے حجاب رود
وہی بہتر ہے، جو اس راستہ میں بے پردہ چلے

حسب حالے ننوشتیم و شد ایامے چند
کافی زمانہ گذر گیا، اور ہم نے احوال نہ لکھے

قاصدے کو کہ فرستم بتو پیغامے چند
قاصد کہاں ہے کہ تجھے چند پیغام بھیجوں

ما بداں[2] مقصدِ عالی نتوانیم رسید
ہم اس بلند مقصد تک نہیں پہونچ سکتے

ہم مگر پیش نہد لطفِ شما گامے چند
ہاں! شاید آپ کی مہربانی چند قدم آگے رکھے

چوں مے از خم بسبو رفت و گل افگند نقاب
جب شراب مٹکے سے صراحی میں آگئی اور پھول نے نقاب اتار ڈالا

فرصتِ عیش[3] نگہدار و بزن جامے چند
عیش کا موقع دیکھ، اور چند جام اڑائے

قندِ آمیختہ با گل نہ علاجِ دلِ ماست
گلاب ملی قند، ہمارے دل کا علاج نہیں ہے

بوسہ چند بیامیز بدشنامے چند
چند بوسے، چند گالیوں کے ساتھ ملا دے

اے گدایانِ خرابات خدا یارِ شماست
اے شراب خانہ کے فقیرو! خدا تمہارا مددگار ہے

چشمِ انعام ندارید ز انعامے[4] چند
جانوروں سے، انعام کی کچھ امید نہ رکھو

زاہد از کوچۂ رنداں بسلامت بگذر
اے زاہد رندوں کے کوچہ سے سلامتی سے گذر جا

تا خرابت نکند صحبتِ بدنامے چند
تاکہ چند بدناموں کی صحبت، تجھے خراب نہ کردے

عیبِ مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
تو نے شراب کی تمام برائیاں ذکر کیں! اس کی خوبیاں بھی بتا

نفیِ حکمت[5] مکن از بہرِ دلِ عامے چند
چند عوام کے دل کی خاطر، حکمت کا انکار نہ کر

پیرِ میخانہ چہ خوش گفت بدُردی کشِ خویش
میخانے کے پیر نے اپنے تلچھٹ پینے والے سے کیا عمدہ بات کہی

کہ مگو حالِ دلِ سوختہ با خامے چند
کہ جلے دل کا حال، چند کچوں سے نہ کہہ

حافظ از تابِ رخِ مہر فروغ تو بسوخت
سورج کو روشنی دینے والے تیرے رخ کی گرمی سے حافظ جل گیا

کامگارا نظرے کن سوئے ناکامے چند
اے بامراد! کچھ نامرادوں پر بھی نظر ڈالدے

حسنِ تو ہمیشہ در فزوں باد
تیرا حسن، ہمیشہ بڑھاؤ پر رہے

رویت[6] ہمہ سال لالہ گوں باد
تیرا چہرہ، پورے سال لالہ کی طرح رہے

اندر سرِ من ہوائے عشقت
میرے سر میں، تیرے عشق کی خواہش

ہر روز[7] کہ ہست در فزوں باد
جتنے دن باقی ہیں، بڑھاؤ پر ہے

---

[1] بڑھاپے کے بال نوچنے سے جوانی نہیں آسکتی ہے۔
[2] وصال تک اپنی کوشش سے نہیں پہونچا جاسکتا جب تک محبوب کی عنایت شاملِ حال نہ ہو۔
[3] یعنی بہار کا وقت ہے عیش کر۔
[4] دنیادار بمنزلہ چوپایوں کے ہیں ان سے انعام کی توقع نہ رکھ۔
[5] شراب بھی خدا کی پیدا کردہ چیز ہے اس میں کوئی نہ کوئی خوبی تو ضرور ہے اللہ کا کام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا ہے۔
[6] یعنی تیرا چہرہ لالہ کی طرح تروتازہ رہے
[7] عشق میں اضافہ ہوتا رہے۔

قدِّ ہمہ دلبرانِ عالم
تمام عالم کے حسینوں کا قد
در خدمتِ قامتت نگوں باد
تیرے قد کے حضور میں، نیچا رہے

ہر سروِ[1] کہ در چمن بر آید
چمن میں، جو سرو بھی پیدا ہو
پیشِ الفِ قدت چونوں باد
تیرے قد کے الف کے سامنے، نون کی طرح رہے

چشمے کہ نہ فتنۂ تو باشد
وہ آنکھ، جو تیرے فتنہ میں مبتلا نہ ہو
از گوہرِ اشک غرقِ خوں باد
آنسو کے گوہر سے، خون میں غرق رہے

ہر جا کہ دلیست در غمِ تو
جس جگہ، کوئی دل ہے تیرے غم میں
بے صبر و قرار و بے سکوں باد
بے صبر و قرار، اور بے سکون رہے

چشمِ[2] تو ز بہرِ دلربائی
تیری آنکھ، دلربائی کے لئے
در کردنِ سحر ذوفنوں باد
جادو کرنے میں، فنکار رہے

ہر کس[3] کہ بہ ہجرِ تو نسازد
جو شخص، تیرے فراق سے نباہ نہ کرے
از حلقۂ وصلِ تو بروں باد
تیرے وصل کے حلقہ سے، باہر رہے

لعلِ تو کہ ہست جانِ حافظ
تیرا وہ ہونٹ، جو حافظ کی جان ہے
دور از لبِ ہر خسیس دوں باد
ہر کمینے کے ہونٹ سے دور رہے

خسروا گوئے فلک در خمِ چوگانِ تو باد
اے بادشاہ! آسمان کی گیند، تیرے بلّے کے خم میں ہو
ساحتِ کون و مکاں عرصۂ میدانِ تو باد
کون و مکاں کا میدان، تیرے میدان کی زمین ہو

ہمہ[4] آفاق گرفت و ہمہ اطراف کشاد
تمام جہان کو گرفت میں لے لیا اور تمام اطراف کو فتح کر لیا
صیتِ خلقِ تو کہ پیوستہ نگہبانِ تو باد
تیرے اخلاق کی شہرت نے، جو ہمیشہ تیرا نگہبان ہو

زلفِ[5] خاتونِ ظفر شیفتۂ پرچمِ تست
بی بی فتح کی زلف، تیرے پرچم کی عاشق ہے
دیدۂ فتح ابد عاشقِ جولانِ تو باد
ابدی فتحمندی کی آنکھ، تیری رفتار کی عاشق ہو

ایکہ[6] انشائے عطارد صفتِ شوکتِ تست
اے وہ کہ عطارد کی انشاپردازی تیرے دبدبہ کی تعریف کی وجہ سے ہے
عقلِ کل چاکرِ طغرا کشِ[7] دیوانِ تو باد
عقلِ کل، تیرے دفتر کے طغرا کش کی نوکر ہو

طیرۂ[8] جلوۂ طوبیٰ قدِ دلجوئے تو شد
تیرا دلجو قد، طوبیٰ کے جلوے کے لئے خفّت بن گیا ہے
غیرتِ خلدِ بریں ساحتِ ایوانِ تو باد
تیرے قلعہ کا میدان، خلد بریں کی غیرت ہو

نہ بہ تنہا حیوانات و نباتات و جماد
صرف حیوانات، اور نباتات اور جمادات ہی نہیں
ہر چہ در عالمِ امر[9] ست بفرمانِ تو باد
جو بھی عالمِ امر میں ہے، تیرے حکم میں ہو

حافظِ خستہ باخلاص ثنا خوانِ تو شد
عاجز حافظ، خلوص سے تیرا ثنا خواں ہو گیا ہے
لطفِ عامِ تو شفا بخشِ ثنا خوانِ تو باد
تیرا عام لطف، تیرے ثنا خواں کو شفا بخشنے والا ہو

---

۱ قدِ معشوق کو الف سے سیدھائی میں تشبیہ دیجاتی ہے۔ سرو کے نون بننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھک جائے۔
۲ معشوق کی آنکھ کو جادوگر قرار دیا جاتا ہے
۳ وصل اسی کو میسّر آئے جو جدائی پر صبر کرے
۴ یعنی تیرے اخلاق کی شہرت تمام عالم میں ہے۔
۵ کامیابی تیرے پرچم پر فریفتہ ہے فتحمندی بھی تیری عاشق ہو جائے
۶ عطارد ستارہ کو آسمان کا منشی قرار دیا گیا ہے یعنی عطارد کا کام تیری خوبیاں لکھنا ہے۔
۷ طغرا کش، میر منشی جو بادشاہ کی جانب سے احکام لکھ کر صادر کرتا ہے
۸ معشوق کے قد کو دیکھ کر شجرۂ طوبیٰ غیرت میں پڑ جاتا ہے۔
۹ عالمِ امر وہ کائنات ہے جو لفظ کُن امرِ خداوندی سے وجود میں آئی ہے۔

خوش[1] ست خلوت اگر یار یارِ من باشد
تنہائی اچھی ہے، اگر دوست، میرا دوست ہو
نہ من بسوزم و او شمعِ انجمن باشد
نہ یہ کہ میں جلوں، اور وہ محفل کی شمع ہو

من[2] آں نگینِ سلیماں بہیچ نستانم
میں سلیماں کے اس نگ کو، کسی چیز کے بدلے میں بھی نہ لوں
کہ گاہ گاہ در و دستِ اہرمن باشد
جس میں کبھی کبھی، شیطان کا ہاتھ ہو

روا مدار خدایا کہ در حریمِ وصال
اے خدا! اس کو جائز نہ رکھ کہ وصال کے احاطہ میں
رقیب محرم و حرماں نصیبِ من باشد
رقیب تو رازدار ہو، اور محرومی میرا حصہ ہو

ہمای[3] گو مفگن سایۂ شرف ہرگز
ہُما سے کہہ دو کہ وہ شرافت کا سایہ ہرگز نہ ڈالے
در آں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد
اُس دیار پر، جہاں طوطی چیل سے کم ہو

بیانِ شوق چہ حاجت کہ حالِ آتشِ دل
شوق کے بیان کی کیا ضرورت ہے، اس لئے کہ دل کی آگ کا حال
تواں شناخت ز سوز یکہ در سخن باشد
اُس سوز سے پہچانا جا سکتا ہے، جو گفتگو میں ہو

ہوائے[4] کوئے تو از سر نمی رود مارا
تیرے کوچہ کی محبت، ہمارے سر سے نہیں نکلتی ہے
غریب را دلِ آوارہ در وطن باشد
مسافر کا آوارہ دل، وطن میں ہوتا ہے

بسانِ سوسن اگر دہ زباں شود حافظ
سوسن کی طرح اگر حافظ، دس زبانوں والا ہو جائے
چو غنچہ پیشِ تواش مُہر بر دہن باشد
تیرے سامنے، غنچہ کی طرح اس کے منہ پر مہر ہوگی

خوش[5] آمد گل و زآں خوشتر نباشد
عمدہ موسم بہار آیا اور اس سے بہتر کوئی بات نہ ہوگی
کہ در دستت بجز ساغر نباشد
کہ تیرے ہاتھ میں ساغر کے سوا کچھ نہ ہو

زمانِ[6] خوشدلی دریاب دریاب
خوشدلی کے زمانہ کو، حاصل کر، حاصل کر
کہ دائم در صدف گوہر نباشد
اس لیے کہ، سیپی میں گوہر ہمیشہ نہیں ہوتا

غنیمت داں و مے خور در گلستاں
غنیمت جان، اور باغ میں شراب پی
کہ گل تا ہفتۂ دیگر نباشد
کہ پھول دوسرے ہفتہ تک، نہ ہوگا

عجب[7] راہیست راہِ عشق کانجا
عشق کی راہ بھی، عجب راہ ہے کہ اُس جگہ
کسے سر بر کند کش سر نباشد
وہی سربلند کرتا ہے جس کا سر نہیں ہوتا

بشوی[8] اوراق اگر ہمدرسِ مائی
اگر تو ہمارا ہم سبق ہے، تو ورق دھو دے
کہ علمِ عشق در دفتر نباشد
اس لئے کہ عشق کا علم، کتاب میں نہیں ہوتا

زمن بنیوش و دل در شاہدے بند
مجھ سے سن، اور ایسے معشوق سے دل لگا
کہ حسنش بستۂ زیور نباشد
جس کا حُسن، زیور سے وابستہ نہ ہو

بیا اے شیخ در خمخانۂ ما
اے شیخ! ہمارے شراب خانہ میں آ
شرابے خور کہ در کوثر نباشد
ایسی شراب پی، جو کوثر میں نہ ہو

ایا[9] پُر لعل کردہ جامِ زریں
اے وہ! جس نے زریں جام لعل سے پر کیا ہوا ہے
ببخشا بر کسے کش زر نباشد
اس کو دیدے، جس کے پاس زر نہ ہو

[1] یار کے ساتھ تنہائی بہت اچھی ہے نہ کہ عاشق تنہا ہو اور معشوق دوسروں کے ساتھ۔
[2] اہرمن شیطان کو کہتے ہیں یہاں مراد رقیب ہے اور نگینِ سلیمان سے مراد معشوق ہے۔
[3] جس وطن میں طوطی کی قدر نہ ہو اور چیل کو لوگ اچھا سمجھیں اس پر کبھی ہما کا سایہ نہ ہو۔
[4] جس طرح سے مسافر کا دل وطن میں پڑا رہتا ہے اُسی طرح کوچۂ معشوق کی محبت ہمارے سر میں ہے۔
[5] موسم بہار میں شراب نوشی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔
[6] صدف سے مراد زمانہ اور گوہر سے مراد خوشدلی ہے۔
[7] راہِ عشق میں سربلندی اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اپنا سر دیدے۔
[8] درسِ عشق مصحفِ معشوق سے حاصل کیا جاتا ہے۔
[9] مالداروں کو غریبوں کو داد و دہش کرنی چاہیئے۔

شرابِ بے خمارم بخش ساقی — کہ با او ہیچ دردِ سر نباشد
اے ساقی! مجھے ایسی بے خمار شراب دے — جس کے ساتھ، کوئی دردِ سر نہ ہو

بنام ایزد بتِ سیمیں تنم ہست — کہ در بتخانۂ آذر نباشد
اللہ اکبر، میرا چاندی جیسے جسم والا بت ایسا ہے — کہ آذر کے بتخانہ میں، نہ ہوگا

من از جاں بندۂ سلطاں اویسم — اگرچہ یادش از چاکر نباشد
میں دل سے، سلطان اویس کا غلام ہوں — اگرچہ اس کو، غلام کی یاد نہ ہو

بتاجِ عالم آرایش کہ خورشید — چنیں زیبندۂ افسر نباشد
اس کے عالم آرا تاج کی قسم، کہ آفتاب — اس طرح کی زینت دینے والا تاج، نہ ہوگا

کسے گیرد خطا در نظمِ حافظ
حافظ کی نظم میں وہی، عیب نکالے گا
کہ ہیچش لطف در گوہر نباشد
جس کی طبیعت میں، ذرا بھی لطافت نہ ہوگی

خستگاں را چو طلب باشد و قوت نبود — گر تو بیداد کنی شرطِ مروت نبود
درماندوں میں جب طلب ہو، اور طاقت نہ ہو — اگر تو ان پر ظلم کرے، تو مروت نہ ہوگی

ما جفا از تو ندیدیم و تو ہم نپسندی — آنچہ در مذہبِ اربابِ فتوت نبود
ہم نے تیرے ظلم کو مناسب نہیں سمجھا اور تو بھی پسند نہ کریگا — اس بات کو، جو شرافت والوں کے مذہب میں نہ ہوگی

تا کہ افسوں نکند جادوئے چشمِ تو مدام — نور در سوختنِ شمعِ محبت نبود
جب تک مستقل طور پر تیری آنکھ کا جادو منتر نہ کرے — محبت کی شمع کے جلنے میں نور، نہ ہوگا

چوں چنیں نیک زسر رشتۂ خود بیخبرم — آں مبادا کہ مددگاریِ فرصت نبود
جبکہ میں بہت زیادہ، اپنے انجام سے بے خبر ہوں — ایسا نہ ہو، کہ فرصت کی مدد، نہ ہو

ہر کرا آئنہ صافی نشد از زنگِ ہوا — دیدہ اش قابلِ رخسارۂ حکمت نبود
ہر وہ شخص، جس کا ہوس کے زنگ سے آئینہ صاف نہ ہوا — اس کی آنکھ حکمت کے رخسار کے قابل، نہ ہوگی

خیرہ آں دیدہ کہ آبش نبرد گریۂ عشق — تیرہ آں دل کہ درو نورِ مودّت نبود
وہ آنکھ بیکار ہے جس کی آبرو عشق کے گریہ نے ختم نہ کی ہو — وہ دل تاریک ہے، جس میں محبت کا نور نہ ہو

چوں طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست — نبود خیر در آں خانہ کہ عصمت نبود
جب پاکی نہ ہو، کعبہ، اور بتخانہ ایک ہے — اس گھر میں بھلائی نہیں ہے جس میں پاکدامنی نہ ہو

دولت از مرغِ ہمایوں طلب و سایۂ او — زانکہ با زاغ و زغن شہپرِ دولت نبود
دولت، بابرکت پرندہ اور اس کے سایہ سے چاہ — اس لئے کہ کوے، اور چیل میں دولت کا شہپر نہیں ہوتا ہے

گر مدد خواستم از پیرِ مغاں عیب مکن — شیخِ ما گفت کہ در صومعہ ہمت نبود
اگر میں نے پیرِ مغاں سے مدد چاہی، تو عیب نہ لگا — ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ عبادت خانہ میں باطنی توجہ نہیں ہوتی

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلسِ شاہ — ہر کرا نیست ادب لائقِ صحبت نبود
اے حافظ علم و ادب اختیار کر اس لئے کہ بادشاہ کی مجلس میں — جس میں ادب نہیں ہے، وہ صحبت کے لائق نہیں

۱۔ بنام ایزد تعجب کے موقع پر استعمال کر لیا جاتا ہے۔ آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد یا چچا کا نام ہے جو مشہور بت تراش تھے۔
۲۔ سلطان احمد بن اویس، حافظ کے ممدوح کا نام ہے جو بغداد کا بادشاہ تھا اور خواجہ کا معتقد، اس نے کئی بار خواجہ کو بغداد کی دعوت دی لیکن خواجہ نہ جا سکے۔
۳۔ اس کے تاج کے سامنے سورج ہیچ ہے۔
۴۔ عاشق اپنی استطاعت کے مطابق جب کام کر رہا ہے تو اس پر ظلم انسانیت کے خلاف ہے۔
۵۔ عاشق کے دل میں جو شمعِ محبت روشن ہے جب تک معشوق کا فیض اس میں شامل نہ ہو وہ پر نور نہیں بن سکتی۔
۶۔ جب تک انسان دل کے زنگ کو صاف نہ کرلے وہ تجلیات کے مشاہدہ کے قابل نہیں ہوتا ہے۔
۷۔ جب دل پاک نہ ہو تو بتخانہ اور کعبہ میں فرق نہیں۔
۸۔ جب عبادت خانے روحانیت سے خالی ہیں تو پیرِ مغاں کی فرمانبرداری عیب نہیں ہے۔

خوشا دلے[1] کہ مدام از پئے نظر نرود
وہ دل خوب ہے، جو ہمیشہ نظر کے پیچھے نہ دوڑے

بہ ہر درش کہ بخوانند بے خبر نرود
جس دروازے پر اس کو بلائیں، بے خبر ہو کر نہ جائے

طمع[2] در آں لبِ شیریں نکردنم اولیٰ ست
میں ان شیریں ہونٹوں کا، لالچ نہ کرنا بہتر ہے

ولے چگونہ مگس از پئے شکر نرود
لیکن، مکھی شکر پر کیسے نہ جائے

منِ گدا ہوسِ سرو قامتے دارم
میں فقیر، ایک ایسے سرو قامت کی ہوس کرتا ہوں

کہ دست در کمرش جز بہ سیم و زر نرود
جس کی کمر میں ہاتھ، بجز سونے چاندی کے نہ جائے

سوادِ[3] دیدۂ غم دیدہ ام مشو اے اشک
اے آنسو میری غم دیدہ آنکھ کی سیاہی نہ دھو

کہ نقشِ خالِ ویم ہرگز از نظر نرود
اس لئے کہ اس کے تل کا نقش، ہرگز میری نظر سے نہ جائیگا

تو کز[4] مکارمِ اخلاق عالمِ دگری
تو اخلاق کی شرافتوں کی وجہ سے، ایک دوسری ہی دنیا ہے

وفائے عہدِ من از خاطرت بدر نرود
میری وعدہ وفائی تیری طبیعت سے نہیں نکل سکتی ہے

بہ تاجِ[5] ہُدہُدم از رہ مبر کہ بازِ سفید
ہُدہُد کے تاج کے ذریعہ، مجھے راستہ سے نہ بہکا اس لئے کہ سفید باز

زکبر از پئے ہر صیدِ مختصر نرود
تکبر کی وجہ سے ہر مختصر شکار کے پیچھے نہیں جاتا ہے

دلا مباش چنیں ہرزہ گرد و ہرجائی
اے دل! ایسا آوارہ گرد، اور ہرجائی نہ بن

کہ ہیچ کار ز پیشت بدیں ہنر نرود
اس لیے کہ تیرا کوئی کام، اس ہنر سے پورا نہیں ہو سکتا ہے

سیاہ نامہ تر از خود کسے نمی بینم
میں اپنے سے زیادہ سیاہ نامۂ اعمال والا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں

چگونہ چوں قلمم دودِ[6] دل بسر نرود
قلم کی طرح دل کا دھواں کس طرح مرے سر تک نہ پہنچے

زمن چو بادِ صبا بوئے خود دریغ مدار
مجھ سے بادِ صبا کی طرح اپنی خوشبو نہ روک

چرا کہ بے سرِ زلفِ تو ام بسر نرود
اس لیے کہ تیری زلف بدون، میری بسر نہیں ہوتی ہے

بپوش[7] دامنِ عفوے بزلتِ منِ مست
مجھ مست کی لغزش پر، معافی کا دامن ڈھانپ دے

کہ آبروئے شریعت بدیں قدر نرود
اس لیے کہ شریعت کی آبرو اس مقدار سے نہیں چلی جائیگی

بیار بادہ و اوّل بدستِ حافظ دہ
شراب لا، اور پہلے حافظ کے ہاتھ میں دے

بشرطِ آنکہ ز مجلس سخن بدر نرود
اس شرط پر، کہ بات مجلس سے باہر نہ جائے

دلبر برفت و دل شدگاں را خبر نکرد
دلبر چلا گیا، اور دل گئے ہوؤں کو خبر نہ کی

یادِ[8] حریفِ شہر و رفیقِ سفر نکرد
شہر کے دوست، اور سفر کے ساتھی کی یاد نہ کی

یا بختِ من طریقِ محبّت فرو گذاشت
یا تو میرے نصیبے نے محبّت کے راستہ کو چھوڑ دیا

یا او بشاہراہِ حقیقت گذر نکرد
یا اس نے حقیقت کی، شاہراہ پر گذر نہ کی

من[9] ایستادہ تا کنمش جاں فدا چو شمع
میں کھڑا رہا تاکہ شمع کی طرح اس پر جان قربان کردوں

او خود گذر بمن چو نسیمِ سحر نکرد
وہ خود، صبح کی نسیم کی طرح میرے پاس سے نہ گذرا

گفتم مگر بگریہ دلش مہرباں کنم
میں سمجھا شاید روتے سے اس کے دل کو مہربان کرلوں

در سنگِ[10] خارہ قطرۂ باراں اثر نکرد
سنگِ خارہ میں، بارش کے قطرہ نے اثر نہ کیا

---

1. سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت ہی نہیں ہوتی ہے لہٰذا باخبر ہو کر دیکھ بھال سے کام کرنا چاہیے۔
2. میری اور لبِ معشوق کی مثال شہد اور مکھی کی ہے، مکھی شہد سے کیسے جدا ہو سکتی ہے۔
3. آنکھ کی پتلی کو معشوق کے رخسار کا تل قرار دیا ہے۔
4. تیرے اخلاقِ کریمانہ کا تقاضہ ہے کہ تو میری وفاداری کو فراموش نہیں کر سکتا ہے۔
5. تاجِ ہُدہُد سے مراد معمولی قسم کا شکار ہے
6. دودِ دل کی وجہ سے میرے کارنامے سیاہ ہیں اور وہ میرے قلم کی روشنائی کی طرح ختم ہونے والا نہیں ہے
7. میں تو اس قدر حقیر ہوں کہ میری بداعمالی سے شریعت پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا ہے۔
8. جبکہ ہم شہر میں اس کے ساتھ تھے سفر میں بھی اس کے ساتھی بنے رہتے۔
9. ہم انتظار میں کھڑے ہوئے شمع کی مانند اپنی جان گھلاتے رہے۔
10. سنگِ خارا ایک مشہور پتھر ہے جو بہت سخت ہوتا ہے یہاں مراد معشوق کا دل ہے۔

ہر کس کہ دید روئے تو بوسید چشمِ من
جس نے تیرا چہرہ دیکھا، میری آنکھوں کو چوم لیا
کارے کہ کرد دیدۂ من بے نظر نکرد
اس لیے کہ جو کام میری آنکھ نے کیا ہے وہ بے دیکھے نہیں کیا ہے

در حیرتم کہ بہرِ چہ شد ہمدمِ رقیب
میں حیران ہوں کہ وہ رقیب کے ساتھ کس وجہ سے ہو گیا؟
خر مہرہ ہیچکس چو قرینِ گہر نکرد
جبکہ کسی نے کوڑی کو گوہر کا ساتھی نہیں بنایا

مُرغِ دل ارچہ بال و پرش غم بسوختہ است
اگرچہ غم نے مرغِ دل کے بال، اور پر جلا دیئے ہیں
سودائے خامِ عاشقی از سر بدر نکرد
عشق کے ناقص جنون کو سر سے نہیں نکالا ہے

کلکِ زباں بریدۂ حافظ در انجمن
حافظ کے زبان کٹے قلم نے، انجمن میں
باکس نگفت رازِ تو تا ترکِ سر نکرد
تیرا راز کسی سے نہیں کہا، جبتک کہ سر جدا نہیں ہو گیا

دل از من برد و رُو از من نہاں کرد
میرا دل لے گیا، اور مجھ سے منہ چھپا لیا
خدارا با کہ ایں بازی تواں کرد
ہائے خدا! یہ کھیل کس سے کھیلا جا سکتا ہے؟

شبِ تنہائیم در قصدِ جاں بود
ہجر کی رات، میری جان کے درپے تھی
خیالش لطفہائے بیکراں کرد
اس کے خیال نے بے انتہا مہربانیاں کیں

چرا چوں لالہ خونیں دل نباشم
میں لالہ کی طرح، خونی دل کیوں نہ ہوں؟
کہ با من نرگسِ او سرگراں کرد
اس لیے کہ اس کی آنکھ نے، مجھ پر غصہ کیا

صبا گر چارہ داری وقت وقت است
اے صبا اگر تیرے پاس علاج ہے تو یہی وقت ہے
کہ دردِ اشتیاقم قصدِ جاں کرد
اس لیے کہ عشق کے درد نے میری جان کا ارادہ کیا ہے

کرا گویم کہ با ایں دردِ جانسوز
میں کس سے کہوں کہ اس جانسوز درد کے ہوتے ہوئے
طبیبم قصدِ جانِ ناتواں کرد
میرے طبیب نے ہی، کمزور جان لینے کا ارادہ کر لیا ہے

بدانساں سوخت چوں شمعم کہ برمن
اُس نے مجھے شمع کی مانند، اس طرح جلایا، کہ مجھ پر
صراحی گریہ و بربط فغاں کرد
صراحی روئی، اور بربط نے فریاد کی

میانِ مہرباناں کے تواں گفت
دوستوں میں کب بیان کیا جا سکتا ہے
کہ یارِ من چنیں گفت و چناں کرد
کہ میرے دوست نے ایسا کہا، اور ویسا کیا

عدو با جانِ حافظ آں نکردے
حافظ کی جان کے ساتھ، دشمن بھی وہ نہ کرتا
کہ تیرِ چشمِ آں ابرو کماں کرد
جو اس کمان جیسے ابرو والے کی آنکھ کے تیر نے کیا

دِلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند
اے دل جل، کہ تیرا جلنا بہت سے کام کرے گا
دعائے نیم شبی دفعِ صد بلا بکند
آدھی رات والی دعا، سو بلاؤں کو دفع کرتی ہے

عتابِ یارِ پریچہرہ عاشقانہ بکش
پری جیسے چہرے والے یار کے غصہ کو، عاشقانہ انداز پر برداشت کر
کہ یک کرشمہ تلافیِ صد جفا بکند
اسلیے کہ ایک ادا، سو ظلموں کی تلافی کر دیتی ہے

۱۔ تیرا رُخ دیکھ کر سب اس بات کے قائل ہو گئے کہ میری آنکھوں کا گریہ بے محل نہیں ہے۔
۲۔ محبوب بمنزلہ گوہر اور رقیب بمنزلہ کوڑی کے ہے دونوں کا جوڑ بے محل ہے۔
۳۔ حافظ کے قلم نے رازِ عشق جب ظاہر کیا جبکہ اس کا سر قلم ہو گیا۔
۴۔ اگر محبوب کا تصور مہربانی نہ کرتا تو شبِ ہجر جان لے لیتی۔
۵۔ محبوب کی نگاہِ کرم نہ رہی تو دل خون کیوں نہ ہو۔
۶۔ صبا! معشوق کا زندگی عطا کرنے والا پیغام لا، ورنہ جان گئی۔
۷۔ جو میرا طبیب ہے وہی قاتل ہے۔
۸۔ دشمن تو قتل ہی کرتا نگاہ نے نیم بسمل بنا دیا۔
۹۔ جب دل میں سوز پیدا ہوتا ہے دعا میں اثر ہوتا ہے۔

زملک[1] تا ملکوتش حجاب برگیرند
ملک سے ملکوت تک پردے اٹھا دیتے ہیں
ہر آنکہ خدمتِ جامِ جہاں نما بکند
اس شخص کے لئے جو جامِ جہاں نما کی خدمت کرتا ہے

طبیبِ عشق مسیحا دمست و مشفق لیک
عشق کا طبیب، مسیحا جیسے دم والا، اور مہربان ہے لیکن
چو درد در تو نہ بیند کرا دوا بکند
جب تجھ میں درد نہ دیکھے تو دوا کس کی کرے؟

تو با خدائے[2] خود انداز کار و دل خوش دار
تو کام اپنے خدا کے سپرد کر، اور دل خوش رکھ
کہ رحم اگر نکند مدعی خدا بکند
کیونکہ اگر رقیب رحم نہ کرے گا، تو خدا کرے گا

زبختِ خفتہ ملولم بود کہ بیدارے
میں اپنے سوئے نصیبے سے رنجیدہ ہوں، ہو سکتا ہے کہ کوئی بیدار
بوقتِ فاتحۂ صبح یک دعا بکند
صبح کے ابتدائی وقت میں، ایک دعا کردے

بسوخت حافظ و بوئے ززلفِ یار نبرد
حافظ جل گیا اور محبوب کی زلف کی خوشبو اس کو حاصل نہ ہوئی
مگر دلالتِ[3] ایں دولتش صبا بکند
شاید اس دولت کی طرف صبا اُسکی رہبری کردے

دیدی اے دل کہ غمِ یار دگربار چہ کرد
اے دل تونے دیکھا کہ دوست کے غم نے پھر کیا کیا؟
چوں بشد دلبر و با یارِ وفادار چہ کرد
دوست کیسا چلا گیا، اور وفادار یار کے ساتھ کیا کیا؟

آہ[4] ازاں نرگسِ جادو کہ چہ بازی انگیخت
آہ! اُس جادوگر نرگس پر کہ اس نے کیا بازی کھیلی
وائے ازاں مست کہ با مردمِ ہشیار چہ کرد
ہائے اس مست پر کہ اس نے ہوشمندوں کے ساتھ کیا کیا؟

اشکِ[5] من رنگِ شفق یافت زبے مہری یار
یار کی بیوفائی سے میرے آنسوؤں میں شفق کا رنگ پیدا ہوگیا
طالعِ بے شفقت بیں کہ دریں کار چہ کرد
بے شفقت نصیبے کو دیکھو، کہ اس نے اس معاملہ میں کیا کیا؟

ساقیا[6] جامِ میم دہ کہ نگارندۂ غیب
اے ساقی مجھے شراب کا جام دے اس لیے کہ غیب کے لکھنے والے نے
نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
یہ معلوم نہیں کہ رازوں کے پردے میں کیا کیا؟

آنکہ بر نقش زد ایں دائرۂ مینائی
جس نے، اس جڑاؤ دائرہ کو بنایا
کس ندانست کہ در گردشِ پرکار چہ کرد
کسی کو معلوم نہیں، کہ اس نے پرکار کی گردش میں کیا کیا؟

برقے از پردۂ لیلے بدرخشید سحر
لیلےٰ کے پردہ سے صبح کی ایک بجلی کوندی
وہ کہ با خرمنِ مجنونِ دل افگار چہ کرد
واہ، واہ! اس نے زخمی دل مجنوں کے کھلیان کا کیا کیا؟

برقِ عشق آتشِ غم در دلِ حافظ زد و سوخت
عشق کی بجلی نے حافظ کے دل میں آگ لگا دی اور وہ جل گیا
یارِ دیرینہ بہ بینید کہ با یار چہ کرد
دیکھو! پرانے دوست نے، دوست کے ساتھ کیا کیا؟

دست در حلقۂ آں زلفِ دوتا نتواں کرد
اُس دو لڑی زلف کے حلقہ میں، ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا
تکیہ بر عہدِ تو و بادِ صبا نتواں کرد
تیرے عہد اور بادِ صبا پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا

آنچہ[7] سعی ست من اندر طلبت بنمودم
جو کچھ کوشش ممکن ہے، میں نے تیری طلب میں کی
ایں قدر ہست کہ تغییرِ قضا نتواں کرد
ہاں یہ ضرور ہے کہ تقدیر کو نہیں بدلا جا سکتا

[1] جام سے وابستگی دنیا سے لیکر عالمِ بالا تک کے راز کھول دیتی ہے۔
[2] خدا پر اگر بھروسہ ہوتا ہے تو خدا مدد کرتا ہے۔
[3] صبا محبوب کی زلف کی خوشبو لے آئے۔
[4] نرگس جادو یعنی جادو بھری آنکھ جو خود مست تھی اس نے ہوش والوں کو مدہوش کردیا۔
[5] اب میں خونی آنسو رو رہا ہوں۔
[6] شاید مستی رازوں کو کھول دے۔
[7] انسان اپنی سعی کوشش کرے نتیجہ کو تقدیر کے حوالے کردے۔

دامنِ[1] دوست بصد خونِ دل افتاد بدست
دل کے سو خون کر کے دوست کا دامن ہاتھ میں آیا

بفسونیکہ کند خصم رہا نتواں کرد
مخالف جو منتر کر رہا ہے اُس سے وہ نہیں چھوڑا جا سکتا

عارضش[2] را بمثل ماہِ فلک نتواں خواند
اس کے رخسار کو آسماں کے چاند سے مثال نہیں دیجا سکتی

نسبتِ دوست بہر بے سر و پا نتواں کرد
دوست کی نسبت ہر بے سروپا سے نہیں کی جا سکتی

سروِ بالائے من آں دم کہ در آید بسماع
میرا بلند سرو، جب وجد میں آتا ہے

چہ محل جامۂ[3] جاں را کہ قبا نتواں کرد
کیا موقع ہے کہ جان کے کرتے کو چوغہ نہ کیا جا سکے؟

مشکلِ[4] عشق کہ در حوصلۂ دانشِ ماست
عشق کی مشکل جو ہماری عقل کے حوصلہ میں ہے

حلِّ ایں نکتہ بدیں فکرِ خطا نتواں کرد
اس نکتہ کا حل اُس غلط فکر سے نہیں کیا جا سکتا

غیرتم[5] کشت کہ محبوبِ جہانی لیکن
مجھے اس غیرت نے مار ڈالا کہ تو دنیا بھر کا محبوب ہے لیکن

روز و شب عربدہ با خلقِ خدا نتواں کرد
دن رات خلقِ خدا سے لڑائی نہیں کی جا سکتی

من[6] چہ گویم کہ ترا نازکیِ طبعِ لطیف
میں کیا کہوں کہ تیری پاکیزہ طبیعت کی نزاکت

تا بحدّیست کہ آہستہ دعا نتواں کرد
اس حد تک ہے کہ آہستہ بھی نہیں پکارا جا سکتا

نظرِ[7] پاک تواں در رخِ جاناں دیدن
محبوب کے رُخ کو پاک، نظر دیکھ سکتی ہے

کہ در آئینہ نظر جز بصفا نتواں کرد
اس لیے کہ آئینہ میں صفائی بدون نظر نہیں کیجا سکتی

بجز ابروئے تو محرابِ دلِ حافظ نیست
حافظ کے دل کی محراب تیرے ابرو کے سوا نہیں ہے

طاعتِ غیرِ تو در مذہبِ ما نتواں کرد
ہمارے مذہب میں تیرے غیر کی اطاعت نہیں کیجا سکتی

دانی[8] کہ چنگ و عود چہ تقریر میکنند
تجھے معلوم ہے چنگ اور سارنگی کیا تقریر کرتی ہے؟

پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر[9] میکنند
شراب چھپکر پیو، کیونکہ کافر ٹھہراتے ہیں

ناموسِ[10] عشق و رونقِ عشّاق میبرند
عشق کی عزت اور عاشقوں کی رونق چھین رہے ہیں

عیبِ جوان و سرزنشِ پیر میکنند
جوان کو عیب دار اور بوڑھے کو سرزنش کرتے ہیں

جز[11] قلبِ تیرہ ہیچ نشد حاصل و ہنوز
تاریک دل کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا اور اب بھی

باطل دریں خیال کہ اکسیر میکنند
اس باطل خیال میں ہیں کہ اکسیر بناتے ہیں

گویند[12] رمزِ عشق مگوئید و مشنوید
کہتے ہیں، عشق کے راز نہ بتاؤ، نہ سنو

مشکل حکایتیست کہ تقریر میکنند
بہت مشکل بات ہے، جس کی تقریر کرتے ہیں

تشویشِ[13] وقتِ پیرِ مغاں میدہند باز
پیرِ مغاں کے وقت کو پھر پریشان کرتے ہیں

ایں سالکاں نگر کہ چہ با پیر میکنند
ان سالکوں کو دیکھو! پیر کے ساتھ کیا کرتے ہیں

صد[14] ملکِ دل بہ نیم نظر میتواں خرید
دل کے سو ملک آدھی نظر میں خریدے جا سکتے ہیں

خوباں دریں معاملہ تقصیر میکنند
حسین اس معاملہ میں، کوتاہی کرتے ہیں

ما از برونِ در شدہ مغرورِ صد فریب
ہم پردے کے باہر، سو فریبوں کے دھوکے میں ہیں

تا خود درونِ پردہ چہ تقریر میکنند
نہ معلوم وہ پردے کے اندر کیا تقریر کرتے ہیں!

---

1. جو دامن ہزاروں کوششوں سے حاصل ہوا ہے رقیب کے منتروں سے ہاتھ سے نہیں چھوٹیگا۔
2. معشوق کے رخ کو چاند سے تشبیہ دینا بے محل ہے وہ بے سروپا ہے۔
3. کرتے کو قبا بنانا یعنی اس کو چاک کر ڈالنا۔
4. عشق کی مشکلات کو عقل کے زور پر حل نہیں کیا جا سکتا ہے۔
5. جبکہ تمام خدا کی مخلوق عاشق ہے تو سب سے کہاں تک جھگڑا کیا جائے۔
6. نزاکتِ طبع زور سے بولنے کو بھی برداشت نہیں کرتی تو پھر ... کیسے کیجائے۔
7. نظر کو پاک کر کے ہی محبوب کے رخ پر نظر ڈالی جاتی ہے۔
8. دوسرا مصرع چنگ اور عود کی تقریر کا بیان ہے۔
9. یعنی زاہدانِ خشک۔
10. یہ زاہدانِ خشک عشق اور عشاق کی بے آبروئی کرتے ہیں ہر قسم کے عاشقوں کے درپے آزار ہیں۔
11. ان زاہدوں کا قلب سیاہ ہے اور اپنے عمل کو بہتر سمجھ رہے ہیں۔
12. عشق کی باتیں کرنے سے روکتے ہیں کیسی مشکل بات ہے۔
13. یہ زاہد بزرگوں کے اوقات گندہ کرتے ہیں۔
14. معشوق سب کو ایک نیم نگاہ کے بدلے خرید سکتا ہے۔

قومے بجدّ و جہد گرفتند وصلِ دوست
کچھ لوگوں نے دوست کا وصل کوشش سے حاصل کرلیا

قومے دگر حوالہ بتقدیر میکنند
دوسرے لوگ تقدیر کے حوالے کرتے ہیں

فی الجملہ اعتماد مکن بر ثباتِ دہر
زمانہ کے ٹکاؤ پر، بالکل بھروسہ نہ کر

کایں کارخانہ الیست کہ تغیر میکنند
اس لیے کہ یہ ایسا کارخانہ ہے جس کو الٹ پلٹ کرتے ہیں

مے خور[1] کہ شیخ و حافظ و مُفتی و محتسب
شراب پی اس لیے کہ شیخ، اور حافظ، اور مُفتی اور محتسب

چوں نیک بنگری ہمہ تزویر میکنند
جب تو غور سے دیکھے، سب فریب کرتے ہیں

در نظر بازیِ ما بیخبراں حیرانند
بے خبر لوگ، ہماری نظر بازی میں حیران ہیں

من چنینم[2] کہ نمودم دگر ایشاں دانند
میں تو ایسا ہی ہوں جیسا میں نے ظاہر کیا، دوسرے وہ جانیں

عاقلاں نقطۂ پرکارِ وجودند ولے
عقلمند، وجود کی پرکار کا نقطہ ہیں لیکن

عشق داند کہ دریں دائرہ سرگردانند
عشق کو معلوم ہے کہ اس دائرے میں چکر کاٹ رہے ہیں

وصفِ[3] رخسارۂ خورشید ز خفّاش مپرس
خورشید کے رخسار کی خوبی، چمگادڑ سے نہ پوچھ

کہ دریں آئنہ صاحب نظراں حیرانند
اس لیے کہ اس معاملہ میں صاحب نظر حیران ہیں

گر شوند[4] آگہ از اندیشۂ ما مُغبچگاں
اگر ہمارے خیال سے مُغبچے آگاہ ہوجائیں

بعد ازیں خرقۂ صوفی بگرو نستانند
اس کے بعد کسی صوفی کی گدڑی گروی نہ رکھیں

لافِ[5] عشق و گلہ از یار زہے لافِ خلاف
عشق کی ڈینگیں اور معشوق کا شکوہ، جھوٹی ڈینگوں کا کیا کہنا

عشقبازان چنیں مستحقِ ہجرانند
ایسے عشقباز، ہجر کے مستحق ہیں

جلوہ گاہِ رخِ او دیدۂ من تنہا نیست
اُس کے رخ کی جلوہ گاہ، صرف میری ہی آنکھیں نہیں ہیں

ماہ و خورشید[6] ہمیں آئینہ میگردانند
چاند، اور سورج بھی اسی آئینہ کو گھمارہے ہیں

مگرم چشمِ سیاہِ تو بیاموز دکار
شاید، تیری ہی سیاہ آنکھ مجھے یہ کام سکھائے

ورنہ[7] مستوری و مستی ہمہ کس نتوانند
ورنہ پرہیزگاری، اور مستی، سب لوگ نہیں کرسکتے

مُفلسانیم[8] و ہوائے مے و مُطرب داریم
ہم مفلس ہیں، اور شراب و مُطرب کی خواہش رکھتے ہیں

آہ اگر خرقۂ پشمیں بگرو نستانند
آہ! اگر اونی گدڑی وہ گروی نہ رکھیں

گر بنزہتگہِ ارواح برد بوئے تو باد
اگر ہوا تیری خوشبو، روحوں کی تفریح گاہ میں پہونچادے

عقل و جاں گوہرِ ہستی بہ نثار افشانند
عقل، اور جان ہستی کا گوہر نچھاور کردیں

عہدِ ما بالبِ شیریں دہناں لبست خدا
خدا نے ہمارا عہد، میٹھا مُنہ رکھنے والوں کے لب کے ساتھ باندھ دیا ہے

ما ہمہ[9] بندہ و ایں قوم خداوندانند
ہم سب غلام ہیں، اور یہ لوگ آقا ہیں

زاہد[10] ار رندیِ حافظ نکند فہم چہ باک
حافظ کی رندی کو اگر زاہد نہیں سمجھتا ہے تو کیا پرواہ ہے؟

دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند
شیطان اُن سے بھاگتا ہے، جو قرآن پڑھتے ہیں

۱۔ جب سب ایک ہی حمام میں ننگے ہیں تو کیوں دریغ کرتا ہے۔
۲۔ ہم تو نظر باز ہیں معلوم دوسرے ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔
۳۔ جبکہ صاحب نظر حیران ہیں چمگادڑ کیا بتا سکے گی۔
۴۔ اگر مُغبچے ہماری حالت سے واقف ہوجائیں تو گدڑی کی کوئی قیمت باقی نہ رہے۔
۵۔ جو عاشق یار کے شکوے کریں وہ ہجر کے مستحق ہیں۔
۶۔ چاند و سورج میں بھی محبوب ہی کے چہرے کا عکس ہے۔
۷۔ در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن
۸۔ گدڑی کو گروی رکھ کر ہی اپنی تمنا پوری کرسکتے تھے۔
۹۔ ہم سب حسینوں کے غلام ہیں اور وہ آقا ہیں۔
۱۰۔ زاہد دیو ہے اور میں قرآن خواں حافظ ہوں۔

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند[1]
شب گذشتہ صبح کے وقت انھوں نے مجھے غم سے نجات دیدی
وندر آں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند
اور اس تاریکی میں انھوں نے مجھے آبِ حیات دیدیا

بیخود از شعشعۂ پرتوِ ذاتم کردند
انھوں نے ذات کے پرتو کے نور سے، مجھے بیخود بنا دیا
بادہ از جامِ تجلّیِ صفاتم دادند
صفاتی تجلّی کے جام سے، مجھے شراب دیدی

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
کیا بابرکت صبح تھی اور کیسا مبارک رات تھی
آں شبِ قدر کہ ایں تازہ براتم دادند
وہ شبِ قدر جس نے مجھے تازہ دستاویز دیدی

چوں من از عشقِ رخش بیخود و حیراں گشتم
جب میں اس کے رُخ کے عشق سے بیخود اور حیران ہوگیا
خبر از واقعۂ لات و مناتم دادند
مجھے لات اور منات کے واقعہ کی خبر دیدی

من اگر کام روا گشتم و خوشدل چہ عجب
میں اگر کامیاب اور خوش دل ہوگیا تو کیا تعجب ہے
مستحق بودم و اینہا بزکاتم دادند
میں مستحق تھا اور یہ چیزیں انھوں نے مجھے خیرات میں دیدیں

بعد ازیں روئے من و آئینۂ حسنِ نگار
اس کے بعد میرا چہرا ہوگا، اور معشوق کے حسن کا آئینہ
کہ در آنجا خبر از جلوۂ ذاتم دادند
اس لیے کہ اس جگہ انھوں نے مجھے ذات کے جلوہ کی خوشخبری دی

ہاتف آں روز بمن مژدۂ ایں دولت داد
غیبی فرشتے نے اس دن، مجھے اس دولت کی خوشخبری دی
کہ بباز ارِ غمت صبر و ثباتم دادند
جبکہ تیرے غم کے بازار میں مجھے صبر اور ٹکاؤ دیدیا

ایں ہمہ قند و شکر کز سخنم می ریزد
یہ سب قند و شکر، جو میرے کلام سے جھڑتی ہے
اجرِ صبریست کز آں شاخِ نباتم دادند
اُس صبر کا بدلہ ہے جو اس شاخِ نبات کے عوض مجھے انھوں نے دیدیا

کیمیائیست عجب بندگیِ پیرِ مغاں
پیرِ مغاں کی غلامی، عجب کیمیا ہے
خاکِ او گشتم و چندیں درجاتم دادند
میں اس کی خاک بنا اور انھوں نے مجھے اس قدر درجے دیدیئے

بحیاتِ ابد آں روز رسانید مرا
ہمیشگی کی زندگی پر اس نے مجھے اس روز پہونچایا
خطِ آزادگی از حسنِ مماتم دادند
جبکہ حسنِ خاتمہ کی آزادی کا خط انھوں نے مجھے دے دیا

عاشق آں دم کہ بدامِ سرِ زلفِ تو فتاد
عاشق، جس وقت تیری زلف کے جال میں پھنسا
گفت کز بندِ غم و غصہ نجاتم دادند
بول اٹھا کہ غم و غصہ کی قید سے انھوں نے، مجھے نجات دیدی

شکرِ شکر بشکرانہ بیفشاں اے دل
اے دل! شکر کی شکر، شکرانے میں نچھاور کر
کہ نگارِ خوشِ شیریں حرکاتم دادند
اسلیے کہ انھوں نے مجھے شیریں حرکات والا اچھا معشوق دیدیا

ہمتِ حافظ و انفاسِ سحر خیزاں بود
حافظ کی باطنی توجہ، اور صبح کو اٹھنے والوں کے سانس تھے
کہ زبندِ غمِ ایام نجاتم دادند
کہ انھوں نے زمانہ کے غم سے، مجھے نجات دے دی

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند
میں نے کل شب دیکھا کہ فرشتوں نے میخانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا
گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
آدم کی مٹی کو گوندھا، اور اس سے پیمانہ بنایا

ساکنانِ حرمِ سرِّ عفافِ ملکوت
عالمِ ملکوت کی پاکدامنی کے راز کے حرم کے رہنے والوں نے
با منِ راہ نشیں بادۂ مستانہ زدند
مجھ، مسافر کو مستانہ شراب دیدی

---

۱ دادند کا فاعل کارکنانِ قضا و قدر کو بنایا جائے۔
۲ تجلّی کے بہت سے اقسام ہیں ایک تجلّی صفاتی ہے یعنی جب تجلّی صفاتی مجھ پر پڑی میں اپنی ذات کو بھول گیا۔
۳ برات اُس شاہی تحریر کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ خزانہ سے روپے حاصل کئے جا سکیں۔
۴ لات، وہ بت تھا جس کو حضرت شعیب کی قوم پوجتی تھی اور منات عرب میں بذیل قبیلہ کا بت تھا یعنی اپنے وجود کو مستقل سمجھنا بُت پرستی ہے۔
۵ یعنی روئے محبوب میں مجھے تجلّی ذاتی کا مشاہدہ ہوا۔
۶ شاخِ نبات، گنّا، مراد محبوب ہے اور ایک خاص معشوقہ کا نام بھی ہے
۷ چونکہ مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا لہٰذا مجھے ابدی زندگی حاصل ہے۔
۸ عشق میں مبتلا ہو کر دنیا کے جھگڑوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔
۹ آدم کی مٹی سے شراب محبت کے لئے جام تیار کیا۔
۱۰ فرشتوں نے انسان کو مستی کی شراب پلادی۔

شکرِ ایزد کہ میانِ من و او صلح فتاد
خدا کا شکر ہے کہ مجھ میں اور اس میں صلح ہو گئی
حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند
حوروں نے ناچتے ہوئے، شکرانہ کا ساغر پیا

جنگِ[1] ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
بہتّر ملتوں کے اختلاف کو، معذور سمجھ
چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند
چونکہ انھوں نے حقیقت نہ دیکھی افسانہ کی راہ چل پڑے

آسمان[2] بارِ امانت نتوانست کشید
آسمان، امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند
مجھ دیوانے کے نام، انھوں نے فال کا قرعہ نکال دیا

نقطۂ[3] عشق دلِ گوشہ نشیناں خوں کرد
عشق کے نقطہ نے گوشہ نشینوں کے دل کو خون کر دیا
ہمچو آں خال کہ بر عارضِ جانانہ زدند
اس تل کی طرح، جو انھوں نے معشوق کے رخسار پر لگا دیا

ما بصد[4] خرمنِ پندار ز رہ چوں نرویم
ہم تکبر کے سو کھلیانوں کے ہوتے ہوئے راستہ سے کیوں نہ بھٹکیں
چوں رہِ آدمِ خاکی بیکے دانہ زدند
جبکہ انہوں نے خاکی آدم کا ایک دانہ کی وجہ سے راستہ بند کر دیا

آتش[5] آں نیست کہ بر شعلۂ او خندد شمع
آگ وہ نہیں ہے جس کے شعلہ پر شمع مسکرائے
آتش آنست کہ در خرمنِ پروانہ زدند
آگ وہ ہے جو انھوں نے پروانہ کے کھلیان میں لگا دی

کس چو حافظ نکشید از رُخِ اندیشہ نقاب
خیال کے رُخ سے حافظ کی طرح، کسی نے نقاب نہیں اٹھایا
تا سرِ زلفِ عروسانِ سخن شانہ زدند
جب سے کلام کی دلہنوں کی زلف میں انھوں نے کنگھی کی ہے

دلِ[6] من بدورِ رویت ز چمن فراغ دارد
تیرے چہرے کے دور میں، میرا دل چمن سے بے نیاز ہے
کہ چو سرو پائے بندست و چو لالہ داغ دارد
کیونکہ سرو کی طرح قیدی ہے، اور لالہ کی طرح داغدار ہے

سرِ ما فرو نیاید بکمانِ ابروئے کس
کسی کی ابرو کی کمان پر، ہمارا سر نہیں جھکتا ہے
کہ درونِ گوشہ گیراں ز جہاں فراغ دارد
اس لیے کہ گوشہ نشینوں کا باطن، دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے

شبِ[7] تیرہ چوں سر آرم رہِ پیچ پیچ زلفت
تاریک رات میں تیری زلف کے پیچ در پیچ راستہ کو کیسے سر کروں
مگر آنکہ شمعِ رویت برہم چراغ دارد
مگر اس طور پر کہ تیرے چہرے کی شمع میرے راستہ پر چراغ رکھے

ز بنفشہ تاب دارم کہ ز زلفِ او زند دم
مجھے بنفشہ پر غصہ ہے کہ وہ اس کی زلف کا دم بھرتی ہے
تو سیاہِ[8] کم بہا بیں کہ چہ در دماغ دارد
تو کم قیمت حبشی کو دیکھ کہ اس کے سر میں کیا سمایا ہے؟

بفروغِ[9] چہرہ زلفت ہمہ شب زند رہِ دل
چہرے کی روشنی ہوتے ہوئے تیری زلف تمام رات دل پر ڈاکہ ڈالتی ہے
چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد
وہ چور کس قدر دلیر ہے، جو ہاتھ میں چراغ لئے ہو

سزد ار[10] چو ابرِ بہمن کہ بریں چمن بگریم
مناسب ہے اگر بہمن کے ابر کی طرح میں اس چمن پر روؤں
طربِ آشیانِ بلبل بنگر کہ زاغ دارد
دیکھو بلبل کے آشیانہ کی مستی کوّے کو حاصل ہے

من و شمعِ صبحگاہی سزد ار بہم بگرییم
میں اور صبح کی شمع مناسب ہوگا اگر دونوں مل کر روئیں
کہ بسوختیم و از ما بتِ ما فراغ دارد
اس لیے کہ ہم تو جل گئے، اور ہمارا معشوق ہم سے بے نیاز ہے

بچمن[11] خرام و بنگر بر تختِ گل کہ لالہ
چمن میں ٹہل اور پھول کے تختہ کے پاس دیکھ کہ لالہ
بہ ندیمِ شاہ ماند کہ بکف ایاغ دارد
شاہ کے مصاحب کی طرح ہے کہ ہاتھ میں پیالہ لیے ہے

[1] جس قدر ملتوں والے ہیں وہ اختلاف میں معذور ہیں چونکہ حقیقت کو نہیں پہونچے لہٰذا باہم مختلف ہیں۔

[2] قرآن پاک میں ہے "ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں پر پیش کیا لیکن انھوں نے اس کے تحمل سے انکار کیا انسان نے اس کا تحمل کر لیا"۔ منِ دیوانہ سے مراد انسان ہے۔

[3] نقطۂ عشق خال۔ محبوب کی طرح عاشقوں کے دل کا خون کر رہا ہے

[4] حضرت آدم گیہوں کے ایک دانہ کی وجہ سے راہ سے بھٹک گئے ہم تو تکبر کے کھلیان لئے پھرتے ہیں پھر بے راہ کیوں نہ ہوں۔

[5] آگ وہ نہیں ہے جو شمع میں ہے آگ وہ ہے جو پروانہ کے دل میں ہے

[6] جبکہ چمن کا سرو قیدی اور لالہ داغدار ہے لہٰذا تیرے چہرے کے ہوتے ہوئے ان سے بے نیازی ہے۔

[7] محبوب کے چہرے کی شمع، اگر راہ بری نہ کرے تو زلف کا پر پیچ راستہ طے نہیں ہو سکتا

[8] کم قیمت حبشی سے مراد بنفشہ ہے۔

[9] زلف ڈاکو ہے اور چہرہ چراغ ہے۔

[10] بہمن برسات کا مہینہ ہے۔ یعنی بلبل کے آشیانے میں کوا آباد ہے۔

[11] لالہ کھلا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ گل کے لیے اس کے ہاتھوں میں پیالے ہیں۔

سرِ درسِ عشق دارد دلِ دردمندِ حافظ
حافظ کا درد مند دل، عشق کے سبق کا خیال رکھتا ہے

کہ نہ خاطرِ تماشا نہ ہوائے باغ دارد
اس لیے کہ نہ سیر کا خیال رکھتا ہے اور نہ باغ کی خواہش

دادگرا فلک ترا جرعہ کشِ پیالہ باد[1]
اے منصف! آسمان تیرے پیالے سے گھونٹ بھرنے والا ہو

دشمنِ دل سیاہِ تو غرقہ بخوں چو لالہ باد
تیرا سیاہ دل دشمن، لالہ کی طرح خون میں ڈوبا ہو

ذروۂ کاخِ رفعتت رُست زفرطِ ارتفاع
تیری بلندی کے محل کا کنگرہ، بہت بلندی کی وجہ سے اونچا ہوا

راہروانِ وہم را راہِ ہزار سالہ باد[2]
وہم کا راستہ چلنے والوں کے لیے ہزار سالہ راہ ہو

زلفِ سیاہِ پرچمت چشم و چراغِ عالم ست
تیرے کالے پرچم کی زلف دنیا کا چشم و چراغ ہے

جانِ نسیمِ دولتت در شکنِ کلالہ باد
تیری دولت کی نسیم کی وجہ سے جان زلف کی شکن میں ہو

اے مہِ برجِ معدلت مقصدِ کل ز آدمی[3]
اے انصاف کے برج کے چاند جو انسانیت کا مقصدِ کل ہے

بادۂ صاف دائمت در قدح و پیالہ باد
تیرے پیالے اور قدح میں ہمیشہ صاف شراب ہو

چوں بہوائے قامتت زہرہ شود ترانہ ساز[4]
جب تیرے قد کے عشق میں زہرہ ترانہ گائے

حاسدت از سماعِ آں ہمدمِ آہ و نالہ باد
تیرا حاسد اس کے سننے سے آہ و نالہ کا ہمدم ہو

زطبقِ سپہر و آں قرصۂ سیم و زر کہ ہست[5]
آسمان کے طبقے اور وہ چاندی سونے کی ٹکیہ جو موجود ہے

از لبِ خوانِ حشمتت سہل تریں نوالہ باد
تیری دولت کے دسترخوان کے کنارے کا آسان ترین نوالہ ہو

دخترِ فکرِ بکرِ من ہمدمِ صحبتِ تو شد
میرے فکر کی باکرہ لڑکی تیری صحبت کی ہمدم ہو گئی

مہرِ چنیں عروس را ہم بکفت حوالہ باد[6]
ایسی دلہن کا، مہر بھی تیرے ہاتھ کے حوالے ہو

حافظِ تو دریں غزل حجتِ بندگی نوشت
تیرے حافظ نے اس غزل میں غلامی کی دستاویز لکھی ہے

لطفِ عبید پرورت شاہدِ ایں قبالہ باد
تیری غلام پرور مہربانی اس دستاویز کی گواہ ہو

دیریست کہ دلدار پیامے نفرستاد
زمانہ گزر گیا کہ دلدار نے کوئی پیغام نہ بھیجا

ننوشت کلامے و سلامے نفرستاد
اس نے نہ کچھ لکھا، نہ سلام بھیجا

صد نامہ فرستادم و آں شاہِ سواراں
میں نے سو خط بھیجے اور اس شاہ سوار نے

پیکے ندوانید و پیامے نفرستاد
کوئی قاصد نہ دوڑایا، اور نہ پیام بھیجا

سوئے منِ وحشی صفتِ عقل رمیدہ
مجھ وحشی صفت، دیوانے کی جانب

آہو روشے کبک خرامے نفرستاد[7]
کوئی آہو روش، کوئی کبک خرام نہ بھیجا

دانست کہ خواہد شدنم مرغِ دل از دست
وہ جان گیا ہے کہ مرغِ دل میرے ہاتھ سے جانا چاہتا ہے

زاں طرۂ چوں سلسلہ دامے نفرستاد
اس زنجیر جیسی زلف کا اس نے جال نہ بھیجا

فریاد کہ آں ساقیِ شکر لبِ سرمست
ہائے! اس شکر جیسے ہونٹ والے سرمست ساقی نے

دانست کہ مخمورم و جامے نفرستاد[8]
جان لیا کہ میں اعضا شکنی میں ہوں اور ایک جام نہ بھیجا

---

[1] یعنی تیرا ممنونِ احسان ہو۔
[2] یعنی وہم و خیال کی زد سے بالاتر ہو۔
[3] یعنی تو آدمیت کا مقصود ہے۔
[4] زہرہ ستارے کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے۔
[5] دنیا و مافیہا تیرے دسترخوان سے حاصل ہو۔
[6] میرے اشعار کا عوض تو اپنے ہاتھ کے شایانِ شان دے۔
[7] آہو رفتار سے معشوق، اور چکور رفتار سے قاصد مراد ہے۔
[8] خمار سے مراد شراب کے اُتار کی کیفیت ہوتی ہے جس میں شرابی بے چینی محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو جلد شراب ملے۔

چندانکہ زدم لافِ کرامات و مقامات — ہیچم خبر از ہیچ مقامے نفرستاد
میں نے کرامات اور مقامات کی بہت ڈینگیں ماریں — اس نے مجھے کسی مقام کی کوئی خبر نہ بھیجی

حافظ بادب باش کہ واخواست نباشد
حافظ ادب سے رہ، کوئی مواخذہ نہیں ہوتا ہے

گر شاہ[1] پیامے بغلامے نفرستاد
اگر بادشاہ نے کوئی پیام کسی غلام کو نہیں بھیجا

دی پیر[2] مے فروش کہ ذکرش بخیر باد — گفتا شراب نوش و غمِ دل ببر زیاد
کل مے فروش پیر نے (اس کا ذکر خیر سے ہو) — فرمایا، شراب پی، اور غمِ دل بھلا دے

گفتم بباد مید ہدم بادہ نام و ننگ — گفتا قبول کن سخن و ہر چہ باد باد
میں نے کہا شراب میری عزت آبرو کو برباد کر دیگی — اس نے کہا بات مان لے، اور جو بھی ہو، ہو

سود[3] و زیانِ مایہ چو خواہد شدن ز دست — از بہرِ ایں معاملہ غمگیں مباش و شاد
ہر مایہ کا نفع نقصان جبکہ ہاتھ سے نکل جائے گا — اس معاملہ کے لئے غمگین اور خوش نہ ہو

بے خار[4] گل نباشد و بے نیش نوش ہم — تدبیر چیست وضعِ جہاں اینچنیں فتاد
کانٹے بدون پھول، اور ڈنک بدون شہد نہیں ہوتا — کیا تدبیر ہے؟ زمانہ کی وضع یہی ہے

پر کن[5] ز بادہ جام دمادم بگوشِ ہوش — بشنو ازو حکایتِ جمشید و کیقباد
شراب سے پے درپے جام پُر کر، ہوش کے کان سے — اُس سے جمشید، اور کیقباد کا قصہ سن

در آرزوئے[6] آنکہ رسد دل براحتے — جاں در درونِ سینہ غمِ عشقِ او نہاد
اس آرزو میں کہ دل کسی راحت تک پہونچ جائے — جان نے سینہ میں اس کے عشق کا غم رکھ لیا ہے

باد[7] ات بدست باشد اگر دل نہی بہیچ — در معرضے کہ تختِ سلیماں رود بباد
اگر تو معمولی چیز سے دل لگائے گا تیرے ہاتھ میں ہوا ہوگی — اس جگہ، جہاں سلیماں کا تخت ہوا پر چلتا ہے

گو نامراد زی[8] کہ بجائے نمیرسد — آنکس کہ بر رخش درِ ہر آرزو کشاد
کہدو، نامراد جیئے اس لیے کہ کسی جگہ نہیں پہونچتا — وہ شخص جس کے رخ پر ہر آرزو کا دروازہ کھل گیا

ہرگز نمی رسد ز مئیش نشۂ وصال — آنرا کہ رہ بمیکدۂ عشق خود نداد
اس کی شراب سے، وصال کا نشہ ہرگز نہیں حاصل ہوتا — جس کو اُس نے، اپنے عشق کے شرابخانہ کا راستہ نہ دیا

حافظ گرت ز پندِ حکیماں ملالت ست
اے حافظ اگر تجھے داناؤں کی نصیحت سے ملال ہے

کوتہ کنیم قصہ کہ عمرت[9] دراز باد
ہم قصہ مختصر کرتے ہیں خدا کرے تیری عمر دراز ہو

دوش در حلقۂ ما قصۂ گیسوئے تو بود — تا دلِ شب سخن از سلسلۂ موئے تو بود
شب گذشتہ، ہمارے حلقہ میں تیرے گیسو کا قصہ تھا — آدھی رات تک تیرے بالوں کے سلسلہ کی بات تھی

دل کہ از ناوکِ مژگانِ تو در خوں میگشت — باز مشتاقِ کمانخانۂ ابروئے تو بود
وہ دل جو کہ تیری پلکوں کے تیر سے زخمی ہوا — پھر تیرے ابرو کے کمان خانہ کا مشتاق تھا

[1] محبوب شاہ ہے اور حافظ غلام۔
[2] پیر نے کہا دل کے غم کو بھلانے کا یہی طریقہ ہے کہ شراب پی، میں نے کہا بدنام ہو جاؤں گا اس نے کہا بات مان لے خواہ کچھ ہی ہو۔
[3] مرنے کے بعد مال کا نقصان نفع قبضے میں نہ رہیگا۔
[4] دنیا میں راحت و غم ملے جلے ہیں۔
[5] شراب پچھلے بڑے شرابیوں کا حال سنائے گی۔
[6] محبوب کا عشق موجب راحت ہے۔
[7] جس دنیا نے سلیمان جیسے صاحب عظمت و جلال ختم کردیے اس سے دل لگانا محرومی ہے۔
[8] شرابی ہمیشہ محروم رہتا ہے۔
[9] اس دعا پر بات ختم کرتا ہوں۔

ہم عفا اللہ زصبا کز تو پیامے آورد
خدا صبا کو بخشے، جو تیری جانب سے ایک پیام لائی

ورنہ در کس نرسیدیم کہ در کوئے تو بود
ورنہ ہماری کبھی ایسے شخص تک رسائی نہ ہوئی جو تیرے کوچہ میں تھا

عالم از شور و شرِ عشق خبر ہیچ نداشت
دنیا کو عشق کے شور و شر کی کچھ خبر نہ تھی

فتنہ انگیزِ جہاں غمزۂ جادوئے تو بود
دنیا میں فتنہ برپا کرنیوالی ہستی تیرے جادو کی ادا تھی

من سرگشتہ ہم از اہلِ سلامت بودم
میں حیران بھی، سلامتی والوں میں سے تھا

دامِ راہم شکنِ طرۂ ہندوئے تو بود
میرے راستہ کا جال، تیری کالی زلف کی شکن تھی

بکشا بندِ قبا تا بکشاید دلِ من
قبا کا بند کھولدے، تاکہ وہ میرا دل کھولے

کہ کشادے کہ مرا بود ز پہلوئے تو بود
اس لیے کہ جو کشادگی مجھے حاصل تھی تیرے ہی پہلو سے تھی

بوفائے تو کہ بر تربتِ حافظ بگذر
تجھے تیری وفا کی قسم، حافظ کی قبر پر سے گذر

کز جہاں میشد و در آرزوئے روئے تو بود
جو دنیا سے جارہا تھا اور تیرے چہرے کا آرزومند تھا

در ازل پرتوِ حسنت ز تجلی دم زد
ازل میں تیرے حسن کے پرتو نے ظہور کا دم بھرا

عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد
عشق پیدا ہوا، اور اس نے سارے عالم میں آگ لگادی

جلوۂ کرد رخش دید ملک عشق نداشت
اس کے رُخ نے ظہور کیا، دیکھا فرشتہ کو عشق نہ ہوا

عینِ آتش شد ازیں غیرت و بر آدم زد
اس غیرت سے بالکل آگ بن گیا، اور آدم میں لگادی

مدعی خواست کہ آید بتماشا گہِ راز
مدعی نے چاہا کہ راز کی تماشا گاہ تک آجائے

دستِ غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد
غیبی ہاتھ آیا، اور نامحرم کے سینہ پر مارا

عقل میخواست کز آں شعلہ چراغ افروزد
عقل نے چاہا کہ اُس شعلہ سے چراغ روشن کرے

برقِ غیرت بدرخشید و جہاں برہم زد
غیرت کی بجلی کوندی، اور جہاں درہم برہم کردیا

جانِ علوی ہوسِ چاہِ زنخدانِ تو داشت
عالم بالا کی جان نے، تیری ٹھوڑی کے کنویں کی تمنا کی

دست در حلقۂ آں زلفِ خم اندر خم زد
ہاتھ، اس پیچ در پیچ، زلف کے حلقہ میں ڈالدیا

دیگراں قرعۂ قسمت ہمہ بر عیش زدند
دوسروں نے قسمت کا قرعہ تمام تر، عیش پر ڈالا

دلِ غم دیدۂ ما بود کہ ہم بر غم زد
ہمارا غم دیدہ دل تھا، کہ اس نے غم پر ڈالدیا

نظرے کرد کہ بیند بجہاں صورتِ خویش
اس نے سوچا، کہ دنیا میں اپنی صورت دیکھے

خیمہ در آب و گلِ مزرعۂ آدم زد
آدم کے کھیت کے پانی، اور مٹی میں خیمہ لگالیا

خواست تا جلوہ کند صورتِ خود را محبوب
محبوب نے چاہا، کہ اپنی صورت کا جلوہ کرے

خیمہ در معرکۂ آب و گلِ آدم زد
آدم کے پانی، اور مٹی کے میدان میں خیمہ لگایا

حافظ آں روز طربنامۂ عشقِ تو نوشت
حافظ نے، تیرے عشق کا مستی نامہ اُس روز لکھا

کہ قلم بر سرِ اسبابِ دلِ خرم زد
کہ خوش دل کے اسباب کے سر پر، قلم پھیر دیا

ا؎ خدا صبا کا بھلا کرے اس نے پیام لادیا ورنہ ہماری کسی ایسے شخص سے ملاقات نہیں ہوئی جو کوچہ محبوب میں ہوکر آیا ہو۔
۲؎ محبوب کا غمزہ شورش کا سبب بنا ورنہ دنیا اس فتنہ سے خالی تھی۔
۳؎ میری راحت تیرے پہلو سے وابستہ ہے جب تو قبا کا بند کھولیگا دل کو راحت پہونچیگی۔
۴؎ ازل میں تیرے حسن کی وجہ سے عشق عالم وجود میں آیا اور تمام دنیا کو اس نے پھونک ڈالا۔
۵؎ فرشتوں میں عشق کا مادہ نہ تھا تو معشوق کو غیرت آئی اور آتش عشق کو انسانوں پر مسلط کردیا۔
۶؎ مدعی اور نامحرم سے جھوٹا عاشق مراد ہے۔
۷؎ عقل بھی عشق حاصل کرنا چاہتی تھی عشق نے تمام جہان کو درہم برہم کردیا تاکہ اس کی مداخلت نہ ہوسکے۔
۸؎ ظاہر ہے کہ کنویں میں اترنے کے لیے رسّی درکار ہے۔
۹؎ دوسروں کا حصہ عیش اور ہمارا حصہ غم ہے۔
۱۰؎ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے گویا کہ اپنی صورت کا خود مشاہدہ کرنا چاہتا تھا لہٰذا آدم کو پیدا فرمایا۔ م

۱۱؎ خوشی کے تمام اسباب کو خیرباد کہکر حافظ نے تیرا مستی نامہ تحریر کیا ہے۔

دوش[۱] می آمد و رخسارہ برافروختہ بود
وہ کل آرہا تھا، اور منہ سرخ کئے ہوئے تھا
تا کجا باز دلِ غمزدۂ سوختہ بود
نہ معلوم، پھر کہاں کسی غمزدہ کے دل کو جلایا تھا

رسم[۲] عاشق کشی و شیوۂ شہر آشوبی
عاشق کشی کی رسم، اور شہر کو فتنے میں مبتلا کرنے کا طریقہ
جامۂ بود کہ بر قامت او دوختہ بود
ایک ایسا لباس تھا، کہ اس کے قد پر سلا تھا

کفرِ[۳] زلفش رہ دیں میزد و آں سنگیں دل
اس کی زلف کا کفر دین کی رہزنی کرتا تھا اور وہ سنگ دل
در رہش مشعلہ از چہرہ برافروختہ بود
اس کے راستہ میں چہرہ کی مشعل روشن کئے ہوئے تھا

دل[۴] بسے خوں بکف آورد ولے دیدہ بریخت
دل نے بہت سا خون جمع کیا لیکن آنکھ نے بہا دیا
اللہ اللہ کہ تلف کرد و کہ اندوختہ بود
اللہ، اللہ کس نے برباد کیا، اور کس نے جمع کیا تھا؟

یار[۵] مفروش بدنیا کہ بسے سود نکرد
دنیا کے بدلے محبوب کو فروخت نہ کر اس لیے کہ بہت فائدہ نہیں اٹھایا
آنکہ یوسف بزرِ ناسرہ بفروختہ بود
اُس نے جس نے یوسف کو کھوٹے سونے کے عوض بیچا تھا

جانِ[۶] عشاق سپندِ رخِ خود میدانست
وہ عاشقوں کی جان کو اپنے رخسار کا کالا دانہ سمجھتا تھا
و آتشِ چہرہ بریں کار برافروختہ بود
اور چہرے کی آگ اسی مقصد کے لئے روشن کئے ہوئے تھا

گرچہ[۷] میگفت کہ زارت بکشم میدیدم
اگرچہ کہتا تھا کہ تجھے بری طرح قتل کروں گا لیکن میں دیکھ رہا تھا
کہ نہانش نظرے با منِ دلسوختہ بود
کہ پوشیدہ طور پر اس کی نگاہ، مجھ دل سوختہ کی طرف تھی

گفت[۸] و خوش گفت برو خرقہ بسوزاں حافظ
اس نے کہا، اور خوب کہا جا حافظ گدڑی پھونک دے
یارب ایں قلب شناسی ز کہ آموختہ بود
اے خدا کھوٹ کی پہچان اس نے کس سے سیکھی تھی؟

دوش آگہی ز یارِ سفر کردہ داد باد
کل صبا نے، سفر میں گئے ہوئے یار کی خبر دی
من نیز دل بباد دہم ہر چہ باد باد
میں بھی دل کو برباد کروں گا، جو کچھ ہونا ہے ہو

درچینِ[۹] طرۂ تو دلِ بے حفاظِ من
میرے بے مروت دل نے، تیری زلف کی شکن میں
ہرگز نگفت مسکنِ مالوف یاد باد
ہرگز نہ کہا، کہ وطن مالوف یاد رہے

دل[۱۰] خوش شدم بیادِ تو ہر گہ کہ در چمن
میں تیری یاد سے خوش دل ہوا جب بھی چمن میں
بندِ قبائے غنچۂ گل می کشاد باد
ہوا نے، پھول کے غنچے کی قبا کے بند کھولے

طرفِ[۱۱] کلاہِ شاہیت آمد بخاطرم
میرے دل میں تیری شاہی ٹوپی کا کنارا آیا
آنجا کہ تاج بر سرِ نرگس نہاد باد
جس جگہ ہوا نے، نرگس کے سر پر تاج دھرا

کارم[۱۲] بداں رسید کہ ہمراہِ خود کنم
میرا معاملہ یہاں تک پہونچ گیا کہ اپنے ہمراہ کروں
ہر شام برقِ لامع و ہر بامداد باد
ہر شام کو چمکتی بجلی، اور ہر صبح کو ہوا

از دست رفتہ بود وجودِ ضعیفِ من
میرا ضعیف وجود، ہاتھ سے جاچکا تھا
صبحم ببوئے وصلِ تو جاں باز داد باد
صبح کے وقت تیرے وصل کی خوشبو سے ہوا نے جان ڈال دی

امروز قدرِ پندِ عزیزاں شناختم
میں نے آج دوستوں کی نصیحت کی قدر پہچانی
یارب روانِ ناصحِ ما از تو شاد باد
خدا کرے ہمارے ناصح کی روح تجھ سے خوش ہو

---

۱ کسی غمزدہ کو جلا کر آرہا تھا اسی لیے اس کا منہ سرخ تھا۔
۲ عاشق کشی اور شہر آشوبی اس پر پھبتی تھی۔
۳ زلف ڈاکہ زنی کرتی ہے اور اس کا رخ اس کو راستہ دکھاتا ہے۔
۴ دل کی کمائی آنکھوں نے لٹائی۔
۵ برادرانِ یوسف نے یوسف کو بیچ کر بڑا نقصان اٹھایا تھا۔
۶ کالے دانہ کو آگ پر جلایا جاتا ہے تاکہ نظر بد نہ لگے۔
۸ گدڑی ریاکاری ہے اس کو جلا کر خالص سونا بنے گا۔
۹ میرا دل ایسا بے مروت نکلا کہ زلفوں میں رہنے لگا اور میرے سینے کو جو اس کا اصلی وطن ہے کبھی یاد نہ کیا۔
۱۰ جب غنچہ پھول بنا اس نے تیری یاد تازہ کردی۔
۱۱ نرگس کے سر پر گل نرگس دیکھ کر محبوب کے تاج شاہی کی یاد تازہ ہوگئی۔
۱۲ برق سے مراد آتش عشق، اور باد سے مراد آہ ہے یعنی میں صبح و شام درد اور آہ میں مبتلا ہوں۔

تاریخِ عیشِ ما شبِ دیدارِ دوست بود | عہدِ شباب و صحبتِ احباب یاد باد
ہمارے عیش کا زمانہ دوست کے دیدار کی رات تھی | جوانی کا زمانہ اور دوستوں کی صحبت یاد رہے

ہر شب ہزار غم بمن آمد ز عشقِ تو | یارب کہ ہر دمم غمِ عشقت زیاد باد
تیرے عشق کی وجہ سے ہر شب کو ہزاروں غم مجھ پر ٹوٹے | خدا کرے میرے ہر سانس میں تیرے عشق کا غم زیادہ ہو

حافظ نہادِ نیکِ تو کامت بر آورد
حافظ! تیری نیک طینت تیرا مقصود پورا کرے گی
جانہا فدائے مردمِ نیکو نہاد باد
خدا کرے نیک طبیعت انسانوں پر، جانیں قربان ہوں

درآں ہوا کہ جز برق اندر طلب نباشد | گر خرمنے بسوزد چندیں عجب نباشد
جس عشق میں برق کے سوا کچھ مطلوب نہ ہو | اگر کوئی کھلیان جل جائے، تو زیادہ تعجب نہ ہوگا

مرغے کہ با غمِ دل شد الفتیش حاصل | بر شاخسارِ عمرش برگِ طرب نباشد
وہ پرندہ جس کو دل کے غم کے ساتھ ایک محبت ہو گئی ہو | اس کی عمر کی شاخ پر، خوشی کا پتّا نہ ہوگا

درکارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست | آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد
عشق کے کارخانہ میں، کفر ضروری ہے | آگ کس کو جلائے گی، اگر ابولہب نہ ہوگا

درکیشِ جانفروشاں فضل و ہنر نزیبد | اینجا نسب نگنجد اینجا حسب نباشد
جانفروشوں کے طریقہ میں، فضل اور ہنر زیب نہیں دیتا ہے | اس جگہ نسب کی گنجائش نہیں، اس جگہ حسب نہ ہوگا

درمحفلے کہ خورشید اندر شمارِ ذرہ است | خود را بزرگ دیدن شرطِ ادب نباشد
جس محفل میں آفتاب ذرّے میں شمار ہے | اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، ادب نہ ہوگا

مے خور کہ عمرِ سرمد گر در جہاں تواں یافت | جز بادۂ بہشتی ہیچش سبب نباشد
شراب پی اگر دنیا میں عمرِ جاوید پائی جا سکتی ہے | تو بہشتی شراب کے سوا اس کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا

حافظ وصالِ جاناں با چوں تو تنگدستے
اے حافظ! محبوب کا وصل تجھ جیسے ایک مفلس کو
روزے شود کہ با او پیوندِ شب نباشد
اس دن حاصل ہوگا، جس میں رات کا جوڑ نہ ہوگا

دلم جز مہرِ مہ رویاں طریقے بر نمیگیرد | زہر در مید ہم پندش و لیکن در نمیگیرد
میرا دل ماہ رویوں کی محبت کے سوا کوئی راستہ اختیار نہیں کرتا ہے | میں ہر طرح اُس کو نصیحت کرتا ہوں لیکن اثر نہیں کرتی ہے

خدا را اے نصیحتگو حدیث از مطرب و مے گو | کہ نقشے در خیالِ ما ازیں خوشتر نمیگیرد
اے ناصح! خدا کے لیے مُطرب اور شراب کی بات کر | اس لیے کہ ہمارے ذہن میں اس سے بہتر کسی چیز کا نقشہ نہیں جمتا

صراحی میکشم پنہاں و مردم دفتر انگارند | عجب گر آتشِ ایں زرق در دفتر نمیگیرد
میں صراحی چھپا کرلے جاتا ہوں اور لوگ کتاب سمجھتے ہیں | تعجب ہوگا اگر اس مکر کی آگ کتاب میں نہ لگے

نصیحت کم کن و مارا بفریادِ دف و نے بخش | کہ غیر از راستی نقشے دریں جوہر نمیگیرد
نصیحت کم کرو اور ہمیں دف اور نے کی فریاد پر عنایت کر | اس لیے کہ اس جوہر میں سچائی کے علاوہ اور کوئی نقش قائم نہیں ہوتا ہے

۱؎ اگر کافرِ عشق نہ ہو تو آگ کس کو جلائیگی یعنی کفرِ عشق کا کارخانہ برباد ہو جائے گا۔
۲؎ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست
۳؎ جس محفل میں ایسے محبوب ہوں کہ سورج بھی ان کے بالمقابل ذرّہ ہے وہاں خودی بہت بے ادبی ہے۔
۴؎ یعنی قیامت کے دن جس کے بعد رات نہ آئیگی
۵؎ جو بات اثر کرے وہی کہنی چاہیے۔
۶؎ اس مکاری سے یہ کتاب جل جانی چاہئے۔

میانِ[1] گریہ میخندم کہ چوں شمع اندریں مجلس
میں رونے کے دوران ہنستا ہوں کہ شمع کی طرح اس مجلس میں
زبانِ آتشینم ہست امّا در نمیگیرد
میری زبان آتشیں ہے، لیکن اثر نہیں کرتی ہے

سرو چشمے بایں خوبی تو گوئی چشم ازو بر گیر
اس حسن کا سر اور آنکھ، تو کہتا ہے اس سے نظر ہٹا لے
برو کایں وعظِ بے معنی مرا در سر نمیگیرد
جا یہ بے معنی وعظ میرے دماغ میں نہیں بیٹھتا ہے

نصیحتگوئے[2] رنداں را کہ با حکمِ خدا جنگ ست
رندوں کو نصیحت کرنیوالا، جس کی خدا کے حکم سے لڑائی ہے
دلش بس تنگ می بینم چرا ساغر نمیگیرد
میں اس کا دل بہت تنگ دیکھتا ہوں وہ ساغر کیوں نہیں اٹھاتا ہے

چہ خوش[3] صیدِ دلم کردی بنازم چشمِ مستت را
میرے دل کو کیسی اچھی طرح تو نے شکار کیا تیری مست آنکھوں پر مجھے ناز ہے
کہ کس آہوئے وحشی را ازیں خوشتر نمیگیرد
اس لیے کہ وحشی ہرن کو کوئی اس سے بہتر طریقہ پر نہیں پکڑ سکتا ہے

سخن در احتیاجِ ما و استغنائے معشوق ست
ہماری ضرورت اور معشوق کی بے نیازی کی بات ہے
چہ سود[4] افسونگری اے دل کہ در دلبر نمیگیرد
اے دل منتر پڑھنے کا کیا فائدہ ہے، جب دلبر میں اثر نہیں کرتا ہے؟

خدا را رحمے اے منعم کہ درویشِ سرِ کویت
اے منعم خدا کے لیے رحم کر کہ اس لیے کہ تیرے کوچہ کا فقیر
درِ دیگر نمیداند رہِ دیگر نمیگیرد
دوسرا دروازہ نہیں جانتا ہے دوسرا راستہ اختیار نہیں کرتا ہے

من از پیرِ مغاں دیدم کراماتِ مردانہ
میں نے پیرِ مغاں کی، مردانہ کرامتیں دیکھیں
کہ ایں[5] دلقِ ریائی را بجامے بر نمیگیرد
کہ اس ریا کی گدڑی کو ایک جام کے بدلے قبول نہیں کرتا ہے

من[6] ایں دلقِ مرقع را بخواہم سوختن روزے
میں اس پیوند لگی گدڑی کو ایک دن پھونک دوں گا
کہ پیرِ میفروشانش بجامے بر نمیگیرد
اس لیے کہ مے فروشوں کا پیر اس کو ایک جام کے بدلے میں نہیں لیتا ہے

من ایں آئینہ را روزے بدست آرم سکندر وار
میں اس آئینہ کو سکندر کی طرح کسی دن حاصل کر لوں گا
اگر میگیرد ایں آتش زمانے در نمیگیرد
اگر یہ آگ قبول کر لیتا ہے، وہ ایک زمانہ تک اس میں اثر نہیں کرتی ہے

بیا اے ساقیِ گلرخ بیاور بادۂ رنگیں
اے گل رخ ساقی! آ، رنگین شراب لا
کہ رنگے در درونِ ما ازیں بہتر نمیگیرد
اس لیے کہ اس سے بہتر کوئی رنگ ہمارے اندر اثر نہیں کرتا ہے

بایں شعرِ تر و شیریں ز شاہنشہ عجب دارم
ان تر اور میٹھے شعروں کے باوجود مجھے بادشاہ پر تعجب ہے
کہ سر تا پائے حافظ را چرا در زر نمیگیرد
کہ حافظ کو سر سے پیر تک سونے میں کیوں نہیں مڑھتا ہے؟

دیدم[7] بخواب خوش کہ بدستم پیالہ بود
میں نے ایک اچھے خواب میں دیکھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا
تعبیر رفت و کار بدولت حوالہ بود
تعبیر پوری ہو گئی اور کام خوش قسمتی کے حوالے تھا

چل[8] سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت
چالیس سال تک ہم نے رنج اور غصہ برداشت کیا اور انجام کار
تدبیرِ ما بدستِ شرابِ دو سالہ بود
ہماری تدبیر، دو سالہ شراب کے ہاتھ میں تھی

آں[9] نافۂ مراد کہ میخواستم ز غیب
میں غیب سے جس نافۂ مشک کی مراد مانگتا تھا
در چینِ زلفِ آں بتِ مشکیں کلالہ بود
وہ اس مشکیں زلف، بت کے گیسو کی شکن میں تھا

از[10] دست بردہ بود وجودم خمارِ عشق
عشق کا خمار، میرے وجود کو ہاتھ سے چھین چکا تھا
دولت مساعد آمد و مے در پیالہ بود
خوش قسمتی مددگار بنی، اور شراب پیالے میں تھی

[1] شمع کے لئے خندہ اور گریہ اور آتشین زبان ثابت کی جاتی ہے لیکن اس کی آتشیں زبان مجلس والوں کو متاثر نہیں کرتی ہے۔ اسی طرح میری فصاحت و بلاغت سے محبوب متاثر نہیں ہوتا ہے۔

[2] جب رندوں کے لئے خدا کی مشیت اور حکم کے مطابق رندی ہے تو ناصح کا روکنا خدائی حکم سے جنگ کرنا ہے۔

[3] دلِ عاشق وحشی ہرن ہے۔

[4] جب محبوب ہم سے بے نیاز ہے اور اس پر کوئی افسوں اثر نہیں کرتا ہے تو افسوں بیکار ہے۔

[5] گدڑی کو شراب کے بدلے قبول نہ کرنا ہی اس کی مردانہ کرامت ہے۔

[6] جبکہ یہ گدڑی اس قدر ہیچ ہے اسکو جلادوں گا۔

[7] خواب میں ہاتھ میں پیالہ دیکھنا خوش قسمتی کی علامت ہے۔

[8] چالیس سالہ رنج کو دو سالہ شراب دور کر دیتی ہے۔

[9] نافۂ مشک چین میں نہیں ہے بلکہ محبوب کی زلف کی شکن میں ہے۔

[10] قسمت نے ساتھ دیا کہ پیالہ میں شراب تھی ورنہ اعضا شکنی سے جان چلی جاتی۔

نالاں و دادخواہ بمیخانہ میروم — کانجا کشادِ کارِ من از آہ و نالہ بود
میں روتے ہوئے، انصاف کے لیے میخانہ میں جاتا ہوں — اس لئے کہ اس جگہ میرے کام کی کشادگی آہ اور نالہ سے ہوئی تھی

خوں میخورم ولیک نہ جائے شکایت ست — روزیِ ما ز خوانِ کرم ایں نوالہ بود
میں خون پیتا ہوں، لیکن شکایت کا موقع نہیں ہے — کرم کے دستر خوان سے، ہماری روزی یہی نوالہ تھی

برطرفِ گلشنم نظر افتاد وقتِ صبح — آں دم کہ کارِ مرغِ چمن آہ و نالہ بود
صبح کے وقت گلشن کے کنارے پر میری نظر پڑی — جبکہ چمن کے پرندہ کا کام، آہ اور نالہ تھا

ہر کو نہ کاشت مہر و ز خوبی گلے نچید — در رہگذارِ باد نگہبانِ لالہ بود
ہر وہ جس نے محبت کا بیج نہ بویا، اور خوبی کا پھول نہ چنا — وہ ہوا کے راستہ میں، لالہ کا نگہبان تھا

آتش فگند در دلِ مرغاں نسیمِ باغ — زاں داغ سر بمہر کہ در جانِ لالہ بود
باغ کی نسیم نے پرندوں کے دل میں آگ لگا دی — اُس سر بمہر داغ سے، جو لالہ کے دل میں تھا

آں شاہِ تند حملہ کہ خورشیدِ شیر گیر — پیشش بروزِ معرکہ کمتر غزالہ بود
وہ سخت حملہ والا بادشاہ کہ شیر گیر آفتاب — لڑائی کے دن، اس کے سامنے ہرن سے کمتر تھا

دیدم کہ شعرِ دلکشِ حافظ بمدحِ شاہ
میں نے دیکھا کہ شاہ کی تعریف میں حافظ کے دلکش شعر

ہر بیت از آں سفینہ بہ از صد رسالہ بود
اس دیوان کا ہر شعر سو رسالوں سے بہتر تھا

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد — بمے بفروش دلقِ ما کزیں بہتر نمی ارزد
تھوڑی دیر بھی غم میں بسر کرنا، تمام دنیا کے بدلے مناسب نہیں — ہماری گدڑی شراب کے عوض بیچ دو کہ اس سے بہتر قیمت کے لائق نہیں ہے

بکوئے مے فروشانش بجامے برنمیگیرند — زہے سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد
مے فروشوں کے کوچہ میں اس کو ایک جام میں بھی نہیں لیتے ہیں — سبحان اللہ تقویٰ کا کیا مصلّےٰ ہے کہ ایک ساغر کے بھی لائق نہیں

شکوہِ تاجِ سلطانی کہ بیمِ جاں درو درج است — کلاہِ دلکش ست اما بدردِ سر نمی ارزد
شاہی تاج کا دبدبہ، جس میں جان کا خوف بھی ہے — دلکش ٹوپی ہے، لیکن دردِ سر کے لائق نہیں

رقیبم سرزنشہا کرد کز ایں باب سر برتاب — چہ افتاد ایں سرِ ما را کہ خاکِ در نمی ارزد
رقیب نے مجھے جھڑکیاں دیں کہ اس در سے سر ہٹا لے — اس ہمارے سر کو کیا ہوا کہ دروازہ کی خاک کے لائق نہیں

ترا آں بہ کہ روئے خود ز مشتاقاں بپوشانی — کہ سودائے جہانداری غمِ لشکر نمی ارزد
تیرے لئے مناسب ہے کہ عاشقوں سے اپنا چہرہ چھپا لے — بادشاہت کا سودا لشکر کے غم کے لایق نہیں

بشو ایں نقشِ دلتنگی کہ در بازارِ یکرنگی — بنعمتہائے گوناگوں مئے احمر نمی ارزد
اس دل تنگی کے نقش کو دھو ڈال اس لیے کہ یکرنگی کے بازار میں — گوناگوں نعمتیں سُرخ شراب کے بدلے کے لایق نہیں

دیار و یار مردم را مقیّد میکنند ورنہ — چہ جائے پارس کایں محنت جہاں یکسر نمی ارزد
وطن اور معشوق انسانوں کو پابند کرتے ہیں ورنہ — فارس تو کیا یہ مصیبت پوری دنیا کے عوض کے لائق نہیں

بس آساں می نمود اول غمِ دریا ببوئے سود — غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد
فائدے کی بو کی وجہ سے ابتداءً دریا کا غم بہت آسان معلوم ہوتا ہے — میں نے غلط کہا اس کی کوئی موج سو گوہر کے لایق نہیں

۱؎ لالہ کا پھول ہوا کے معمولی جھونکے سے جھڑ جاتا ہے تو ہوا کا راستہ روکنا تاکہ لالہ کا پھول نہ جھڑے ناممکن اور بیکار بات ہے۔
۲؎ نسیم نے چل کر لالہ کو کھلایا اور بلبلیں عشق کی آگ میں جلنے لگیں۔
۳؎ خورشید کا تعلق برجِ اسد سے ہے اس لئے خورشید کو شیر گیر قرار دیا ہے۔
۴؎ شاہ کی تعریف کی غزل کا ہر شعر سو رسالوں سے بہتر ہے۔
۵؎ شاہ محمود دکن کے بادشاہ نے حافظ کو بلایا تھا حافظ جب کشتی میں سوار ہو کر چلے بادِ مخالف چل پڑی مجبور ہو کر سفر کا ارادہ ترک کر دیا اور یہ قصیدہ لکھ کر بھیجہ یا پوری دنیا بھی ملے تو بھی تھوڑی دیر کے غم پر راضی نہ ہونا چاہیے، گدڑی شراب میں بک جانے کے لائق ہے۔
۶؎ تقوے کے مصلّے کو ایک ساغر کے بدلے میں بھی نہیں خریدتے ہیں۔
۷؎ تاجِ سلطانی اس قابل نہیں کہ اس کی وجہ سے تھوڑا سا بھی دردِ سر مول لیا جائے۔
۸؎ مشتاقان بمنزلہ لشکر ہیں تجھے ان پر سلطنت حاصل ہے لیکن ان کی فکر اگر دامن گیر ہو تو یہ سلطانی ؎ سکار ہے۔
۹؎ یکرنگی، گوناگوں نعمتوں کی قیمت ایک شراب کی بوتل بھی نہیں لگاتی ہے۔ ۱۰؎ دیار اور یار انسان کو پابند کرتے ہیں ورنہ پابندی کا ایک فارس تو کیا پوری دنیا کے بدلے میں بھی مناسب نہیں ہے۔
۱۱؎ اگر سو گوہر ملیں تو بھی ایک موج کا خطرہ برداشت کرنا مناسب نہیں ہے۔

دیوانِ حافظ مترجم

بروگنجِ قناعت جو بکنجِ عافیت بنشیں
جا، صبر کا خزانہ تلاش کر، عافیت کے گوشہ میں بیٹھ

کہ یکدم تنگدل بودن بہ بحر و بر نمی ارزد
اس لیے کہ تھوڑی دیر کے لئے تنگدل ہونا سمندر اور خشکی کے عوض بھی نہیں

چو حافظ در قناعت کوش و از دنیائے دوں بگذر
حافظ کی طرح قناعت میں کوشش کر اور کمینی دنیا سے گذر جا

کہ یک جو منتِ دوناں بصد من زر نمی ارزد
اس لیے کہ کمینوں کا ایک جو احسان سو من سونے کے لائق نہیں

دوستاں[۱] دخترِ رز توبہ ز مستوری کرد
اے دوستو! انگور کی بیٹی نے پردہ نشینی سے توبہ کی

شد برِ محتسب و کار بدستوری کرد
محتسب کے پاس گئی، اور اجازت سے کام کیا

آمد[۲] از پردہ بہ مجلس عرقش پاک کنید
پردہ سے نکل کر مجلس میں آئی، اس کا پسینہ پوچھو

تا نگویند حریفاں کہ چرا دوری کرد
تاکہ دوست یہ نہ کہیں کہ اس نے دوری کیوں اختیار کی

مژدگانی بدہ اے دل کہ دگر مطربِ عشق
اے دل! انعام دے کہ عشق کے مطرب نے پھر

راہِ مستانہ زد و چارۂ مخموری کرد
مستانہ راہ چلی، اور اعصار شکنی کا علاج کیا

جائے[۳] آنست کہ در عقدِ وصالش گیرند
اسی کا موقع ہے کہ عقدِ نکاح میں لے لیں

دخترِ رز کہ بخم ایں ہمہ مستوری کرد
انگور کی بیٹی جس نے مٹکے میں یہ سب حجاب کیا

نہ[۴] بہفت آب کہ رنگش بصد آتش نرود
ساتوں سمندروں سے نہیں بلکہ سو آگ سے بھی اس کا رنگ نہ جائے گا

آنچہ با خرقۂ زاہد مئے انگوری کرد
جو کچھ کہ انگوری شراب نے زاہد کی گدڑی کے ساتھ کیا ہے

غنچۂ گلبنِ وصلم ز نسیمش بشگفت
میرے وصل کی شاخ کا غنچہ اس کی نسیم سے کھل گیا

مرغِ شبخواں طرب از برگِ گلِ سوری کرد
عندلیب نے، گلِ سوری کی پتی پر مستی کی

حافظ[۵] افتادگی از دست مدہ زانکہ حسود
حافظ! انکسار کو نہ چھوڑ اس لیے کہ حاسد نے

عرض و مال و دل و دیں در سرِ مغروری کرد
آبرو، مال، دل، اور دین غرور کی نذر کر دیا

درختِ[۶] دوستی بنشاں کہ کامِ دل ببار آرد
دوستی کا درخت لگا، کیونکہ دل کا مقصد پھل لاتا ہے

نہالِ دشمنی برکن کہ رنج بیشمار آرد
دشمنی کا پودا اکھاڑ پھینک کیونکہ بیشمار تکلیفیں دیتا ہے

چو[۷] مہمانِ خراباتی بعشرت باش با رنداں
جب تو شرابخانہ کا مہمان ہے رندوں کے ساتھ عیش اڑا

کہ دردِ سر کشی جاناں گرت مستی خمار آرد
اے جاناں اگر مستی نے خمار پیدا کیا، تو تجھے دردِ سر ہو جائے گا

شبِ صحبت غنیمت داں و دادِ خوشدلی بستاں
ملاقات کی رات کو غنیمت سمجھ اور خوشدلی کی داد حاصل کر

بسے گردش کند گردوں بسے لیل و نہار آرد
آسمان بہت گردش کرے گا اور بہت سے رات اور دن لائے گا

عماری[۸] دارِ لیلیٰ را کہ مہر و ماہ در حکم ست
لیلیٰ کا شتربان جس کے قبضہ میں سورج اور چاند ہے

خدایا در دل انداز ش کہ بر مجنوں گذار آرد
اے خدا! اس کے دل میں ڈال دے کہ مجنوں کے پاس سے گزرے

بہارِ عمر خواہ اے دل وگرنہ ایں چمن ہر سال
اے دل! عمر کی بہار چاہ ورنہ یہ چمن ہر سال

چو نسریں صد گل آرد بار و چوں بلبل ہزار آرد
نسریں جیسے سو پھول کھلاتا ہے اور بلبل جیسے ہزاروں پیدا کرتا ہے

---

۱ شراب محتسب کی اجازت سے مٹکے کے پردے سے باہر نکل آئی۔

۲ اس کا پسینہ جلد پوچھو تاکہ دوست یہ نہ کہیں کہ پہلے دور تھی اب قریب آ کر شرما رہی ہے اور پسینہ پسینہ ہو رہی ہے۔

۳ چونکہ مٹکے کے پردے میں چھپی تھی لہذا نکاح کے لائق ہے۔

۴ شراب کے دھبے گدڑی کو ساتوں سمندر کے پانی میں دھونے سے تو در کنار سو بار آگ کی بھٹی سے بھی نہ جائیں گے۔

۵ حاسد کا سب کچھ غرور کی بنا پر تباہ ہوا تو انکساری نہ چھوڑ۔

۶ دوستی سے دل کا مدعا پورا ہوتا ہے دشمنی سے رنج و غم ملتا ہے۔

۷ رندوں کے ساتھ گذار ورنہ نشہ کے خمار سے دردِ سر ہو جائیگا۔

۸ عماری محمل کو کہتے ہیں چونکہ لیلےٰ اونٹ پر بیٹھی ہے جو چاند سورج سے کم نہیں ہے، لہذا شتربان کے حکم میں چاند، سورج کو بتایا گیا ہے۔

خدارا چوں دلِ ریشم قرارے بستہ باز لفت
جبکہ میرے زخمی دل نے تیری زلف سے ایک عہد وابستہ کرلیا ہے تو خدا کیلئے

بفرما لعلِ نوشیں راکہ جاں را برقرار آرد
شیریں لعل کو حکم دیدے کہ جان کو برقرار رکھے

زکار[1] افتادۂ اے دل کہ صد من بارِ غم داری
اے دل تو بیکار ہوگیا ہے، سو من غم کا بوجھ رکھتا ہے

برو یک جرعہ مے درکش کہ در حالت بکار آرد
جا ایک گھونٹ شراب پی لے کہ تجھے فوراً کام کی حالت میں لے آئیگی

دریں[2] باغ ار خدا خواہد دریں پیرانہ سر حافظ
اگر خدا چاہے گا حافظ بڑھاپے میں اسی باغ میں

نشیند بر لبِ جوئے و سروے در کنار آرد
نہر کے کنارے پر بیٹھے گا، اور کسی سرو سے بغل گیر ہوگا

دوش از جنابِ آصف[3] پیکِ بشارت آمد
کل، جنابِ آصف کی طرف سے خوشخبری کا قاصد آیا

کز حضرتِ سلیماں عشرت اشارت آمد
کہ سلیمانؑ کے دربار سے عیش و عشرت کا اشارہ ہوگیا

خاکِ[4] وجودِ مارا از آبِ بادہ گِل کن
ہمارے وجود کی مٹی کو شراب کے پانی سے گوندھ

ویراں سرائے دل را گاہِ عمارت آمد
دل کی ویران سرائے کی تعمیر کا وقت آگیا

ایں[5] شرحِ بے نہایت کز حسنِ یار گفتند
یہ بے انتہا تشریح جو انہوں نے یار کے حسن کی کی ہے

حرفیست کز ہزاراں اندر عبارت آمد
ہزاروں میں سے ایک حرف ہے جو عبارت میں آگیا

عیبم[6] بپوش زنہار اے خرقۂ مے آلود
اے شراب آلود گدڑی دیکھ! میری عیب پوشی کردے

کاں پاکدامن اینجا بہرِ زیارت آمد
اس لیے کہ وہ پاک دامن اس جگہ زیارت کے لئے آگیا

امروز[7] جائے ہر کس پیدا شود ز خوباں
آج حسینوں میں سے، ہر ایک کا مقام کھل جائے گا

کاں ماہِ مجلس آرا اندر صدارت آمد
اس لیے کہ وہ مجلس کو زینت دینے والا چاند صدارت کیلئے آگیا

بر تختِ[8] جم کہ تاجش محرابِ آفتاب ست
جمشید کے تخت پر کہ جس کا تاج آفتاب کی محراب ہے

ہمت نگر کہ مورے با ایں حقارت آمد
ہمت تو دیکھو، کہ ایک چیونٹی باوجود اس حقارت کے آگئی

از چشمِ شوخش اے دل ایمانِ خود نگہدار
اے دل اس کی شوخ آنکھ سے اپنے ایمان کو بچا

کاں جادوئے کماں کش بر عزمِ غارت آمد
اس لیے کہ وہ کمان کھینچنے والا جادو لوٹ مار کے ارادہ سے آگیا

دریاست[9] مجلسِ شہ دریاب وقت و بشناس
بادشاہ کی مجلس دریا ہے، وقت کو غنیمت سمجھ اور پہچان لے

ہاں اے زیاں رسیدہ وقتِ تجارت آمد
ہاں اے نقصان اٹھائے ہوئے تجارت کا وقت آگیا

آلودۂ تو حافظ فیضے ز شاہ درخواہ
اے حافظ! تو آلودہ ہے بادشاہ سے فیض چاہ

کاں عنصرِ سماحت بہرِ طہارت آمد
اس لیے کہ وہ سخاوت کی اصل، پاک کرنے کیلئے آگیا

در نمازم[10] خمِ ابروئے تو چوں یاد آمد
نماز میں جب مجھے تیرے ابرو کا خم یاد آگیا

حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد
ایسی حالت ہوگئی، کہ محراب فریاد کرنے لگی

از من اکنوں طمعِ صبر و دل و ہوش مدار
اب مجھ سے صبر، اور دل و ہوش کی امید نہ رکھ

کاں تحمل کہ تو دیدی ہمہ برباد آمد
اس لئے کہ جو برداشت تو نے دیکھی تھی سب برباد ہوگئی

---

[1] غموں میں مبتلا ہوکر دل بیکار ہو جاتا ہے۔ لہذا شراب کے گھونٹ سے غم دور کرکے دل کو کارآمد بنایا جائے۔
[2] حافظ بڑھاپے میں عیش و عشرت کی زندگی گذارے گا۔
[3] آصف بن برخیا، حضرت سلیمان کے وزیر کا نام ہے۔
[4] دل کی تعمیر کا وقت آگیا ہے لہذا وجود کی مٹی شراب سے گوندھ کر تیار کرو۔
[5] محبوب کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ہزارواں حصہ ہے۔
[6] رند کی عیب پوشی شراب آلود گدڑی ہی کرسکتی ہے۔
[7] مجلس میں ہمارا محبوب صدر نشین ہے اب حسینوں کو اپنا اپنا مرتبہ معلوم ہوجائیگا۔
[8] ہمتِ مردانہ سے دشوار کام آسان ہو جاتے ہیں۔
[9] اب اس دریا سے جسقدر چاہو موتی نکال لو اور اپنا نقصان پورا کرو۔
[10] میری بے تابی کو دیکھ کر محراب آہ و نالہ کرنے لگی۔

باده[1] صافی شد و مرغانِ چمن مست شدند
شراب صاف ہو گئی، اور چمن کے پرند مست ہو گئے
موسمِ عاشقی و کار به بنیاد آمد
عاشقی کا موسم ہے، اور کام مضبوط ہو گیا

بوئے[2] بهبود ز اوضاعِ جهاں میشنوم
میں زمانہ سے بہبودی کی خوشبو سونگھ رہا ہوں
شادی آورد گل و بادِ صبا شاد آمد
پھول خوشی لایا ہے، اور بادِ صبا خوش ہو کر آئی ہے

اے[3] عروسِ هنر از دهر شکایت منمای
اے ہنر کی دلہن! زمانہ کی شکایت نہ کر
حجلهٔ حسن بیارائے که داماد آمد
حسن کا چھپر کھٹ سجا، کہ شوہر آ گیا

بر زلیخا ستم اے یوسفِ مصری مپسند
اے مصری یوسف، زلیخا پر ظلم پسند نہ کر
زانکه از عشق بر و اینهمه بیداد آمد
اس لیے کہ اس پر عشق ہی کی وجہ سے یہ سب ظلم ہوئے

دلفریبانِ[4] نباتی همه زیور بستند
سب نباتی دلفریبوں نے زیور پہن لیا ہے
دلبرِ ماست که با حسنِ خداداد آمد
ہمارا معشوق ہے، کہ خداداد حسن کے ساتھ آیا

زیرِ بارند درختاں که تعلق دارند
جو درخت تعلق رکھتے ہیں، وہ زیرِ بار ہیں
اے خوشا سرو که از بندِ غم آزاد آمد
وہ سرو کیا اچھا ہے، جو غم کی قید سے آزاد ہے

مطرب از گفتهٔ حافظ غزلے نغز بخواں
اے مطرب، حافظ کے کلام میں سے کوئی عمدہ غزل گا
تا بگویم که ز عهدِ طربم یاد آمد
تاکہ میں کہوں، کہ مجھے مستی کا زمانہ یاد آ گیا

دلے[5] که غیب نمایست و جامِ جم دارد
وہ دل جو غیب نما ہے، اور جامِ جمشید رکھتا ہے
ز خاتمے که از و گم شود چه غم دارد
اس انگوٹھی سے، جو اس سے گم ہو جائے کیا غم کرتا ہے؟

بخط و خالِ گدایاں مده خزینهٔ دل
دل کا خزانہ، فقیروں کے خط و خال کو نہ دے
بدستِ شاه وشے ده که محترم دارد
بادشاہ جیسے کے ہاتھ میں دے کہ عزت سے رکھے

نه[6] هر درخت تحمل کند جفائے خزاں
ہر درخت خزاں کے ظلم کو برداشت نہیں کرتا
غلامِ همتِ سروم که ایں قدم دارد
میں سرو کی ہمت کا غلام ہوں، کہ یہ ثابت قدمی رکھتا ہے

رسید[7] موسمِ آں کز طرب چو نرگسِ مست
اس کا موسم آ گیا، کہ خوشی سے مست نرگس کی طرح
نهد بپائے قدح هر که شش درم دارد
پیالے کے قدموں پر ڈال دے، جو بھی چھ درہم رکھے

زر[8] از بهائے مے اکنوں چو گل دریغ مدار
اب پھول کی طرح ہونے کو شراب کی قیمت ادا کرنے سے نہ بچا
که عقلِ کل بصدت عیب متهم دارد
کہ عقلِ کل، تجھے سو عیب سے متہم کرے

ز سرِ غیب کس آگاه نیست قصه مخواں
غیب کے راز سے کوئی باخبر نہیں ہے قصے نہ سنا
کدام محرمِ دل ره دریں حرم دارد
دل کے کون سے محرم کو، اس حرم کا راستہ ملا ہے

دلم[9] که لافِ تجرد زدے کنوں صد شغل
میرا وہ دل جو بے تعلقی کی ڈینگیں مارتا تھا اب سو شغل
ببوئے زلفِ تو با بادِ صبحدم دارد
تیری زلف کی خوشبو کی وجہ سے صبح کی ہوا کے ساتھ رکھتا ہے

مرادِ دل ز که جویم که نیست دلدارے
میں دل کی مراد کس سے چاہوں، کوئی دلدار نہیں ہے
که جلوهٔ نظر و شیوهٔ کرم دارد
جو نگاہ کا جلوہ، اور کرم کی عادت رکھتا ہو

۱ موسمِ بہار آ گیا اب ہر طبیعت عشق اور مستی کی متقاضی ہے۔
۲ موسمِ بہار کی وجہ سے جہان میں چہل پہل ہے۔
۳ اب ہنر کی قدر دانی کا زمانہ آ گیا ہے۔
۴ سب درختوں نے پھولوں کے زیورات پہن لیے ہیں ہمارا معشوق خدادا حسن کی وجہ سے زیور کی آرائش سے بے نیاز ہے۔
۵ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے اثرات سے وہ جن و انس اور حیوانات وغیرہ پر حکومت کرتے تھے۔ جس کو صخرہ نامی دیو چرا کر لے گیا تو وہ پریشان ہو گئے تھے۔
۶ سرو کا درخت موسمِ خزاں سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔
۷ مستی کا موسم آ گیا ہر شخص اپنا سب کچھ شراب نوشی پر خرچ کر ڈالنے کو آمادہ ہے۔
۸ موسمِ بہار میں جب پھول کھلتا ہے تو اس کا زیرہ جھڑتا ہے جس کو زرِ گل کہا جاتا ہے عقلِ کل، عقلِ اوّل اور حضرت جبرئیل کو کہا جاتا ہے۔

۹ عالم سے بے تعلقی محض زبانی دعویٰ تھا اب ہر وقت بادِ صبا سے تعلق ہے۔

زجیبِ خرقۂ حافظ چہ طرف تواں بست
حافظ کے چوغے کے گریباں سے کیا علاقہ رکھا جاسکتا ہے؟

کہ ما صمد طلبیدیم و او صنم دارد
اس لئے کہ ہم نے صمد طلب کیا، اور وہ صنم رکھتا ہے

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
میں طلب سے دست بردار نہوں گا، جب تک کہ مقصد پورا نہ ہو

یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید
یا جان، جاناں تک پہونچے یا جان جسم سے نکل جائے

بکشائے تربتم را بعد از وفات و بنگر
مرنے کے بعد، میری قبر کھول اور دیکھ

کز آتشِ درونم دُود از کفن برآید
کہ میری اندرونی آگ کی وجہ سے کفن سے دھواں نکل رہا ہے

بنمائے رُخ کہ خلقے والہ شوند و حیراں
رُخ دکھادے کہ لوگ دیوانہ اور حیران ہوجائیں

بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید
ہونٹ ہلا، تاکہ مرد و زن فریاد کریں

جاں بر لب ست و حسرت در دل کہ از لبانش
جان ہونٹوں پر ہے اور حسرت دل میں کہ اس کے ہونٹوں سے

نگرفتہ ہیچ کامے جاں از بدن برآید
کوئی مقصد پورا کیے بدون جسم سے جان نکلتی ہے

از حسرتِ دہانت جانم بہ تنگ آمد
تیرے مُنہ کی حسرت سے میری جان تنگ آگئی ہے

خود کامِ تنگدستاں کے زاں دہن برآید
مفلسوں کا مقصد اُس مُنہ سے کب پورا ہوگا

گفتم بخویش کز وے برگیر دل دلم گفت
میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اس سے دل ہٹالے، میرا دل بولا

کارِ کسے ست ایں کو با خویشتن برآید
یہ کام تو اسکا ہے، جس کو اپنے اوپر قابو ہو

ہر یک شکن ز زلفت پنجاہ شست دارد
تیری زلف کی ہر شکن، پچاس حلقے رکھتی ہے

چوں ایں دلِ شکستہ با آں شکن برآید
یہ ٹوٹا ہوا دل اس شکن سے کس طرح نکلے

بر بوئے آنکہ در باغ آید گلے چو رویت
اس امید پر کہ باغ میں تیرے چہرے جیسا کوئی پھول کھلے

آید نسیم و ہردم گردِ چمن برآید
نسیم آتی ہے اور ہر وقت چمن میں چاروں طرف چکر کاٹتی ہے

ہر دم چو بیوفایاں نتواں گرفت یارے
بیوفاؤں کی طرح ہر وقت ایک نیا دوست نہیں بنایا جاسکتا

ماَیم و آستانش تا جاں زتن برآید
ہم ہیں، اور اس کی چوکھٹ جب تک جسم سے جان نکلے

برخیز تا چمن را از قامت و میانت
اُٹھ، تاکہ چمن کے لئے تیرے قد اور کمر سے

ہم سرو در بر آید ہم نارون برآید
سرو بھی بغل میں آئے اور نارون بھی مل جائے

گویند ذکرِ خیرش در خیلِ عشقبازاں
اُس کا ذکرِ خیر عشق بازوں کے گروہ میں کرتے ہیں

ہر جا کہ نامِ حافظ در انجمن برآید
انجمن میں جس جگہ، حافظ کا نام آتا ہے

در ازل ہر کو بفیضِ دولت ارزانی بود
جس کو ازل میں دولت کا فیض عنایت ہوتا ہے

تا ابد جامِ مرادش ہمدمِ جانی بود
ابد تک اُس کی مراد کا جام اس کی جان کا ساتھی ہوتا ہے

من ہماں ساعت کہ از مے خواستم شد توبہ کار
میں نے اسی گھڑی جبکہ میں نے شراب سے توبہ کرنی چاہی تھی

گفتم ایں شاخ ار دہد بارے پشیمانی بود
کہا تھا کہ اگر یہ شاخ کوئی پھل دیگی تو وہ پشیمانی ہوگا

---

۱ جیب گریباں یعنی اس کے دل میں خدا نہیں بلکہ صنم بیٹھا ہے۔
۲ یا تو وصل ہی حاصل ہو یا موت آجائے۔
۳ مرنیکے بعد بھی عشق کی آگ نہیں بجھی۔
۴ محبوب کے وصل بدون جان نکل رہی ہے
۵ اس کے دہن سے لطف اندوز جب ہوتے جبکہ کوئی سرمایہ ہمارے پاس ہوتا۔
۶ شکار کمزور اور جال ایسا سخت تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے
۷ باد صبا معشوق کی جستجو میں باغ کے چکر کاٹ رہی ہے۔
۸ محبوب کا قد سرو ہے، کمر نارون، جو ایک قسم کا انار ہے جس کو گلنار بھی کہتے ہیں۔
۹ حافظ کا نام آتے ہی لوگ اس کو عشقبازوں میں گنتے ہیں۔
۱۰ جس کو ازل میں خوش قسمتی سے فیض حاصل ہو گیا ہے۔ وہ ہمیشہ جام بکف رہیگا۔
۱۱ توبہ کا نتیجہ شرمندگی ہوگی توبہ پر قائم نہ رہا جاسکے گا

خود گرفتم کافگنم سجادہ چوں سوسن بدوش
ہیں نے مانا کہ میں سوسن کی طرح مصلّی کاندھے پر ڈالوں گا
ہمچو گل بر خرقہ رنگ مے مسلمانی بود
کیا گدڑی پر پھول کی طرح کے شراب کے دھبّے مسلمانی ہوں گے

خلوت ما را فروغ از عکس جام بادہ باد
ہماری خلوت کا نور شراب کے جام کے عکس سے رہے
زانکہ کنج اہل دل باید کہ نورانی بود
اس لیے، کہ اہلِ دل کا گوشہ، نورانی ہونا چاہیے

بے چراغ جام در خلوت نمی آرم نشست
میں جام کے چراغ بغیر، خلوت میں نہیں بیٹھ سکتا
وقت گل مستوری مستاں ز نادانی بود
پھول کے موسم میں مستوں کی پرہیزگاری نادانی ہوگی

مجلس انس و بہار و بحث عشق اندر میاں
جنّت، اور بہار کی مجلس، اور اس میں عشق کی بحث
جام مے نگرفتن از جاناں گراں جانی بود
محبوب سے شراب کا جام نہ تھامنا، کاہلی ہوگی

ہمّت عالی طلب جام مرصّع گو مباش
بلند ہمّت کو چاہ، خواہ جڑاؤ جام نہ ہو
رند را آب عنب یاقوت رمّانی بود
رند، کے لیے انگور کا پانی رمّانی یاقوت ہوتا ہے

نیکنامی خواہی اے دل با بداں صحبت مکن
اے دل اگر تو نیکنامی چاہتا ہے بروں کی صحبت اختیار نہ کر
خود پسندی جان من برہان نادانی بود
اے میری جان! تکبّر نادانی کی دلیل ہے

گرچہ بے ساماں نماید کار ما سہلش مبیں
اگرچہ ہمارا کام بے سروساماں نظر آتا ہے اس کو آساں نہ سمجھ
کاندریں کشور گدائی رشک سلطانی بود
اس لیے کہ اس ملک میں فقیری بادشاہت کا رشک ہے

خوش بود خلوت ہم اے صوفی ولیکن گر درو
اے صوفی خلوت بھی اچھی چیز ہے لیکن اگر اس میں
بادہ ریحانی و ساقی مست ریحانی بود
ریحانی شراب! اور ریحانی شراب سے مست ساقی ہو

دی عزیزے گفت حافظ می خورد پنہاں شراب
کل ایک دوست نے کہا، حافظ چھپ کر شراب پیتا ہے
اے عزیز من گنہ آں بہ کہ پنہانی بود
اے میرے عزیز! گناہ وہی اچھا ہے جو چھپ کر ہو

دلم بے جمالت صفائے ندارد
میرا دل، تیرے جمال بغیر کوئی صفائی نہیں رکھتا
چو بیگانہ کآشنائے ندارد
ایسے بیگانہ کی طرح، جو کوئی آشنا نہ رکھتا ہو

متاع دل پاک مشتاق مسکیں
مسکین، عاشق کے پاک دل کی پونجی
ببازار حسنش بہائے ندارد
اس کے حسن کے بازار میں، کوئی قیمت نہیں رکھتی ہے

دلا جام و ساقی گلرخ طلب کن
اے دل! جام اور گل رخ ساقی ڈھونڈ
کہ چوں گل زمانہ بقائے ندارد
اس لیے، کہ پھول کی طرح زمانہ کو بھی بقا نہیں ہے

اگرچہ دلم رفت لیکن غمش نیست
اگرچہ میرا دل چلا گیا، لیکن اس کی کوئی فکر نہیں
بجز آں خم زلف جائے ندارد
اس لیے، کہ اس زلف کے پیچ کے سوا اس کی کوئی جگہ نہیں ہے

ازیں سینۂ تنگ ترسم کہ تیرش
میں اس تنگ سینے سے ڈرتا ہوں کہ اس پہ تیر
رود جائے وانگہ دوائے ندارد
ایسی جگہ جا لگے، کہ پھر اس کی کوئی دوا نہ ہو

ہمہ چیز دارد دلآرام لیکن
محبوب، سب کچھ رکھتا ہے لیکن
دریغا کہ با ما وفائے ندارد
افسوس! کہ ہمارے ساتھ وفا نہیں رکھتا ہے

۱۔ سوسن کے درخت پر جب پھول کھلتے ہیں تو ایسی معلوم ہوتی ہے کہ مصلّی کاندھے پر ڈالے ہوئے ہے۔ یعنی مصلّے کو کاندھے پر ڈالنا بیشک مسلمانی کی علامت ہے لیکن شراب کے دھبّوں کا کیا ہوگا۔
۲۔ خلوت میں جام کے عکس سے ہی نور پیدا کیا جا سکتا ہے۔
۳۔ جب شراب نوشی کے جملہ اسباب مہیا ہیں تو دوست کے ہاتھ سے شراب نہ پینا کاہلی ہے۔
۴۔ سرخ یاقوت کی قسموں میں سے ایک رمّانی کہلاتی ہے۔
۵۔ اگرچہ ہمارے پاس ساز و ساماں نہیں ہے لیکن ہماری فقیری بادشاہوں کے لئے قابلِ رشک ہے۔
۶۔ ریحانی شراب وہ کہلاتی ہے جس میں خوشبودار پھول ملائے گئے ہوں۔
۷۔ جس وقت چاہیں گے معشوق کی زلف میں سے اس کو پا کر لے آئیں گے۔
۸۔ چونکہ میرا سینہ تنگ ہے اس لئے ڈر ہے کہ تیرا تیر ایسی جگہ نہ آ لگے جس کا علاج ہی نہ ہو سکے۔ ۹۔ محبوب میں سب ہی خوبیاں ہیں لیکن وفاداری نہیں ہے۔

چو[1] ماہ است روشن کہ بے مہرِ رویش
چاند کی طرح روشن ہے، کہ اس کے چہرے کے آفتاب کے بدون

دل و جانِ حافظ صفائے ندارد
حافظ کی جان، اور دل کوئی نور نہیں رکھتا ہے

دل شوقِ لبت مُدام دارد — یارب زلبت چہ کام دارد
دل کو، ہمیشہ تیرے لب کا شوق لگا رہتا ہے — اے خدا! تیرے لب سے اس کا کیا مقصد ہے؟

جاں شربتِ مہر و بادۂ شوق — در ساغرِ دل مُدام دارد
جان، محبت کا شربت، اور شوق کی شراب — دل کے ساغر میں ہمیشہ رکھتی ہے

شوریدۂ[2] زلفِ یار دائم — در دامِ بلا مُقام دارد
یار کی زلف کا دیوانہ، ہمیشہ — مصیبت کے جال میں مقام رکھتا ہے

آخر[3] نرسد کہ باز پرسیم — کاں دلبرِ ما چہ نام دارد
کیا ہمیں یہ حق کبھی نہیں پہونچتا، کہ ہم پھر دریافت کریں — کہ ہمارے اُس دلبر کا کیا نام ہے؟

بایار[4] کجا نشیند آں کو — اندیشۂ خاص و عام دارد
دوست کے ساتھ، وہ کہاں بیٹھ سکتا ہے جس کو — خواص، اور عوام کی فکر ہو

خرم دلِ آں کسے کہ صحبت — بایار علی الدّوام دارد
اس کا دل خوش ہے، جو صحبت — دوست کے ساتھ ہمیشہ رکھے

تا صید کند دلے بشوخی — بر[5] گل زبنفشہ دام دارد
تاکہ شوخی سے کسی دل کو شکار بنائے — پھول پر، بنفشہ کا جال رکھتا ہے

حافظ چو دمے خوش ست مجلس
چونکہ تھوڑی دیر کے لئے بھی مجلس جمنا اچھا ہے اسلئے حافظ

اسبابِ طرب تمام دارد
مستی کے تمام سامان تیار رکھتا ہے

دلم[6] زرنجِ فراواں دمے نیا ساید — تنم زاندُہِ دوری ہمی بفرساید
میرا دل بہت زیادہ رنج کی وجہ سے تھوڑی دیر بھی آرام نہیں پاتا — میرا جسم، دوری کے رنج سے گھسا جاتا ہے

بخارِ[7] حسرت اگر پر شود دلِ خرّم — زدیدگاں نمِ بارانِ غم فرود آید
حسرت کے ابخرات اگر بھر جاتے ہیں، اے خوش دل! — تو آنکھوں سے غم کی بارش کی نمی گرتی ہے

زبس غمے کہ بدیدم چناں شدم کہ مرا — نسیم[8] صبح بہ یکدم زجائے برباید
زیادہ غموں کی وجہ سے جو میں نے دیکھے ہیں ایسا ہوگیا ہوں کہ مجھے — صبح کی ہوا ایک دم جگہ سے اڑالے جائے

زمانہ[9] جوید و ہر جا کہ فتنۂ باشد — چو نو عروس بچشمِ منش بیاراید
زمانہ تلاش کرتا ہے اور جس جگہ بھی کوئی فتنہ ہوتا ہے — میری نگاہ میں، دلہن کی طرح اس کو سنوارتا ہے

دو[10] چشم من رخِ من زرد دید نتوانست — ازآں بخونِ دلم دمبدم بیندا ید
میری دو آنکھیں میرے رخ کو زرد نہ دیکھ سکیں — اسی وجہ سے ہر وقت میرے دل کے خون سے لیپتی ہیں

[1] حافظ کا سینہ چاند ہے اور محبوب کا چہرہ سورج چاند میں روشنی سورج سے ہی آتی ہے۔
[2] محبوب کی زلف کا دیوانہ ہمیشہ مصیبت میں ہے۔
[3] ہمیں یہ تو حق ہے کہ ہم محبوب کا نام پوچھ لیں۔
[4] محبوب کی صحبت تو وہی اختیار کرسکتا ہے جو تمام انسانوں سے بے تعلق ہو۔
[5] گل سے چہرہ اور بنفشہ سے زلف مراد ہے۔
[6] دل رنج سے بے چین ہے جسم فراق کے ڈر سے گھل رہا ہے
[7] زمین سے ابخرات اٹھتے ہیں وہی آسمان سے بشکلِ بارش برستے ہیں
[8] اتنا ہلکا ہوگیا ہوں کہ ہوا اڑا لیجائے۔
[9] ہر بلائے کز آسماں آید
گرچہ بردیگرے قضا باشد
بزمیں نارسیدہ می پرسد
خانۂ انوری کجا باشد
[10] میری آنکھیں چونکہ میرے چہرے کو زرد دیکھنا پسند نہیں کرتی ہیں اس لیے خون کے آنسوؤں سے اس کو لیپ دیتی ہیں۔

کہ گر نگہ کنندم روئے زرد بدخواہے
تاکہ اگر کوئی بدخواہ میرا زرد چہرہ دیکھے

بچشم او رخِ من زرد رنگ ننماید
میرا رُخ، اس کی نگاہ کو زرد رنگ نہ دکھائی دے

اگر نہ نالہ کنم گویدم چہ حاجت ماست
اگر میں نہیں روتا ہوں مجھے کہتا ہے ہماری کیا ضرورت ہے؟

وگر بموئیہ سر آیم بہ پیچ و تاب آید
اگر روتا ہوں پیچ و تاب کھاتا ہے

غمیں مباش چو حافظ کہ حیِّ جاویداں
حافظ کی طرح غمگین نہ رہ اس لئے کہ ہمیشہ زندہ رہنے والا

درے نہ بند کند تا دگرے نہ بکشاید
کوئی دروازہ بند نہیں کرتا، جب تک دوسرا نہیں کھولتا ہے

رُو بر رہش نہادم و بر من گذر نکرد
میں نے اس کے راستہ پر چہرہ رکھ دیا اور وہ میرے پاس سے نہ گذرا

صد لطف چشم داشتم و یک نظر نکرد
مجھے سو مہربانیوں کی توقع تھی اس نے ایک بار بھی نہ دیکھا

سیلِ سرشکِ ما ز دلش کیں بدر نبرد
ہمارے آنسوؤں کے سیلاب نے اس کے دل سے کینہ کو نہ نکالا

در سنگِ خارہ قطرۂ باراں اثر نکرد
سنگ خارہ میں، بارش کے قطرے نے تاثر نہ کیا

ماہی و مرغ دوش نخفت از فغانِ من
کل شب میری فریاد سے مچھلیاں، اور پرندے نہ سوئے

واں شوخ دیدہ بیں کہ سر از خواب بر نکرد
اُس شوخ چشم کو دیکھو، کہ نیند سے سر نہ ابھارا

میخواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع
میں چاہتا تھا کہ اُس کے قدموں پر شمع کی طرح جان دیدوں

او خود گذر بمن چو نسیم سحر نکرد
اس نے میرے پاس سے نسیم سحر کی طرح گذر نہ کیا

یارب تو آں جوانِ دلاور نگاہدار
اے خدا تو اس بہادر، جوان کی حفاظت کر

کز تیرِ آہِ گوشہ نشیناں حذر نکرد
جس نے گوشہ نشینوں کی آہ کے تیر سے بچاؤ نہ کیا

جاناں کدام سنگدلِ بے کفایت ست
اے محبوب! کونسا سنگدل، بے سلیقہ ہے

کو پیشِ زخمِ تیغِ تو جاں را سپر نکرد
کہ جس نے تیری تلوار کے زخم کے سامنے جان کو ڈھال نہ بنایا

شوخی نگر کہ مرغِ دلِ بال و پر کباب
شوخی دیکھ، کہ مرغِ دل جس کے بال اور پر کباب ہو چکے ہیں

سودائے خامِ عاشقی از سر بدر نکرد
عاشقی کے خام جنون کو اس نے سر سے نہ نکالا

حافظ حدیثِ عشقِ تو از بسکہ دلکش ست
اے حافظ تیرے عشق کی کہانی بہت زیادہ دلچسپ ہے

نشنید کس کہ از سرِ رغبت ز بر نکرد
کسی ایسے شخص نے نہیں سنی، جس نے رغبت سے یاد نہ کرلی ہو

راہے بزن کہ آہے بر سازِ آں تواں زد
کوئی ساز چھیڑ، جس کے نغمہ پر آہ کھینچا سکے

شعرے بخواں کہ با او رطلِ گراں تواں زد
کوئی شعر پڑھ، جس پر بڑا جھل پیالہ پیا جاسکے

بر آستانِ جاناں گر سر تواں نہادن
اگر معشوق کے در پر سر دھرا جا سکے

گلبانگِ سربلندی بر آسماں تواں زد
سربلندی کا نعرہ آسمان تک پہونچایا جاسکتا ہے

در خانقہ نگنجد اسرارِ عشق و مستی
عشق اور مستی کے راز خانقاہ میں نہیں سما سکتے

جامِ مئے مُغانہ ہم با مُغاں تواں زد
مُغوں کی شراب کا جام مُغوں کے ساتھ ہی پیا جاسکتا ہے

۱۔ آنکھیں چہرے پر خون اس لیے بہا رہی ہیں تاکہ دشمن میری زرد روئی دیکھ کر خوش نہ ہوسکے۔
۲۔ محبوب کے راستہ پر ہم سر دھرے ہوئے تھے، لیکن وہ وہاں سے نہ گذرا۔
۳۔ سیلاب ہر چیز کو دھو ڈالتا ہے لیکن ہمارے آنسوؤں کا سیلاب اس کے کینہ کو نہ دھو سکا۔
۴۔ ہمارے نالہ و فریاد نے حیوانات تک کی نیند حرام کردی لیکن محبوب آرام سے سوتا رہا۔
۵۔ شمع نسیم سحری سے بجھ جاتی ہے، گویا شمع نسیم کے قدموں پر جان دیدیتی ہے۔
۶۔ آہیں اثر کرتی ہیں لیکن وہ پرواہ نہیں کرتا خدا اس کی حفاظت کرے۔
۷۔ نغمہ پر آہیں کرنی چاہئیں
۸۔ محبوب کے آستانہ پر سر دھرنا بڑے فخر کی بات ہے
۹۔ اہل خانقاہ اسرار عشق کو نہیں سمجھ سکتے ہیں ہر کام واقف کاروں کے ساتھ ہونا چاہیے۔

شد رہزنِ سلامت زلفِ تو ویں عجب نیست
تیری زلف سلامتی کی راہزن بن گئی ہے اور یہ تعجب کی بات نہیں

گر راہزن تو باشی صد کارواں تواں زد
اگر راہزن تو ہو تو سو قافلے لوٹے جا سکتے ہیں

گر دولتِ وصالت خواہد درے کشودن[۱]
اگر تیرے وصال کی دولت، دروازہ کھولنا چاہے

سرہا بایں تخیل بر آستاں تواں زد
اس خیال سے بہت سے سر چوکھٹ پر مارے جا سکتے ہیں

قدِ خمیدۂ ما سہلت نماید اما[۲]
ہمارا کبڑا قد، تجھے حقیر نظر آتا ہے لیکن

بر چشمِ دشمنانت تیر از کماں تواں زد
تیرے دشمنوں کی آنکھوں پر کمان سے تیر مارا جا سکتا ہے

از شرم در حجابم ساقی تلطفے کن[۳]
میں شرم کی وجہ سے پردے میں ہوں، ساقی مہربانی کر دے!

باشد کہ بوسہ چند بر آں دہاں تواں زد
ہو سکتا ہے کہ اس منہ کے چند بوسے لیے جا سکیں

بر جویبارِ چشمم گر سایہ افگند دوست[۴]
میری آنکھوں کی نہر پر، اگر دوست سایہ ڈالے

بر خاکِ رہگذارش آبِ رواں تواں زد
اس کے راستہ کی خاک پر چلتا پانی چھڑکا جا سکتا ہے

درویش را نباشد منزل سرائے سلطاں
فقیر کو بادشاہ کی منزل سرائے حاصل نہیں ہوتی ہے

ماییم و کہنہ دلقے کاتش در آں تواں زد[۵]
ہم ہیں اور پرانی گدڑی کہ اس میں آگ لگائی جا سکتی ہے

اہلِ نظر دو عالم در یک نظر ببازند
اہلِ نظر دونوں جہان کو ایک نظر میں ہار دیتے ہیں

عشق ست و داوِ اول بر نقدِ جاں تواں زد
عشق ہے اور پہلی بازی، نقد جان پر لگائی جا سکتی ہے

با عقل[۶] و فہم و دانش دادِ سخن تواں داد
عقل اور سمجھ اور دانش سے سخن کی داد دی جا سکتی ہے

چوں جمع شد معانی گوئے بیاں تواں زد
جب معانی جمع ہو جائیں، بیان کی گیند جیتی جا سکتی ہے

عشق[۷] و شباب و رندی مجموعۂ مراد ست
عشق اور جوانی، اور رندی، تمنا کا مجموعہ ہے

ساقی بیا کہ جامے در ایں زماں تواں زد
اے ساقی آ جا اس زمانہ میں ایک جام پیا جا سکتا ہے

بر عزمِ کامرانی فالے بزن چو دانی
اگر تو جانتا ہے، کامیابی کے ارادہ پر فال نکال

باشد کہ گوئے دولت در ایں میاں تواں زد
ہو سکتا ہے کہ خوش قسمتی کی گیند اس درمیان میں تو جیت لیجائے

حافظ بحقِ قرآں کز زرق و شید باز آ
حافظ تجھے قرآن کے حق کی قسم ہے، مکر اور فریب سے باز آ جا

باشد کہ گوئے عیشے در ایں میاں تواں زد
ہو سکتا ہے کہ عیش کی گیند اس دوران میں جیت لیجائے

روزِ[۸] وصلِ دوستداراں یاد باد
دوستوں کے وصل کا دن، یاد رہے

یاد باد آں روزگاراں یاد باد
یاد رہے، وہ زمانہ یاد رہے

ایں[۹] زماں در کس وفاداری نماند
اس زمانہ میں کسی میں وفاداری نہیں رہی

زاں وفاداراں و یاراں یاد باد
ان وفاداروں، اور یاروں کی یاد رہے

کامم از تلخیِ غم چوں زہر گشت
غم کی تلخی سے، میرا حلق زہر جیسا ہو گیا ہے

بانگِ نوشِ بادہ خواراں یاد باد
شراب نوشوں کے پینے کی آواز، یاد رہے

من کہ در تدبیرِ غم بیچارہ ام
میں، جو غم کی تدبیر سے ناچار ہوں

چارۂ آں غمگساراں یاد باد
ان غمگساروں کی، چارہ سازی یاد رہے

---

۱ اگر یہ معلوم ہو کہ دروازہ کھٹکھٹانے سے کھل جائیگا تو ہاتھوں سے نہیں بلکہ سروں سے کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔

۲ ہمارا کبڑا قد تیرے دشمنوں کے لئے کمان کا حکم رکھتا ہے۔

۳ یہ ہمت مدہوشی میں ہو سکتی ہے، ورنہ شرم آڑے آ رہی ہے۔

۴ اگر اس چشمہ پر اگر سیر کرنا چاہے تو راستہ کے گرد و غبار پر آنسوؤں کا چھڑکاؤ کر دوں تا کہ اسکو غبار سے تکلیف نہ پہونچے

۵ فقیر جس وقت چاہے اپنی گدڑی کو پھونک دے

[illegible]

۶ شعر گوئی عقل و فہم سے تعلق رکھتی ہے، معانی کو جمع کر کے شعر کہا جا سکتا ہے

۷ ان چیزوں کا جمع ہو جانا انسان کی انتہائی تمنا ہے لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۸ تو حافظِ قرآن ہے تجھے قرآن کی قسم مکر چھوڑ دے تاکہ مقصد پورا ہو سکے۔

۱۰ اب تو وصل حاصل نہیں لیکن زمانۂ وصل کی یاد تازہ رہنی چاہیے۔

۱۱ اب تو وفاداری ۔۔۔

[illegible]

گرچہ یاراں فارغند از یادِ من[1]
اگرچہ دوست، میری یاد سے خالی ہیں

از منِ ایشاں را ہزاراں یاد باد
میری جانب سے، اُن کی ہزاروں بار یاد رہے

مبتلا گشتم دریں دامِ بلا
میں اس مصیبت کے جال میں، پھنس گیا ہوں

کوششِ آں حق گذاراں یاد باد
ان حق ادا کرنے والوں کی، کوشش یاد رہے

گرچہ صد رود است در چشمم رواں
اگرچہ میری آنکھوں میں، سو نہریں جاری ہیں

زندہ رودِ[2] باغکاراں یاد باد
باغکاراں کی زندہ رود، یاد رہے

زاں سرِ زلف و رخِ گلفامِ او
اس زلف، اور اس کے پھول جیسے رُخ کی

روز و شب اے گلعذاراں یاد باد
اے معشوقو! دن رات یاد رہنی چاہئے

رازِ[3] حافظ بعد ازیں ناگفتہ بہ
حافظ کا راز، اس کے بعد نہ کہنا بہتر ہے

اے دریغ از رازداراں یاد باد
ہائے افسوس! راز داروں کی یاد رہنی چاہئے

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
خوش خبری پہونچی ہے، کہ غم کا زمانہ نہ رہے گا

چناں[4] نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند
ویسا بھی نہیں رہا، ایسا بھی نہ رہے گا

من[5] ارچہ در نظرِ یار خاکسار شدم
یار کی نظر میں، اگرچہ میں ذلیل ہوگیا ہوں

رقیب نیز چنیں محترم نخواہد ماند
رقیب بھی، اس طرح باعزت نہ رہے گا

چو پردہ دار بشمشیر میزند ہمہ را
پردہ نشیں، جبکہ سب کو تلوار سے مارتا ہے

کسے مقیمِ حریمِ حرم نخواہد ماند
کوئی بھی حرم کے احاطہ میں، مقیم نہ رہے گا

توانگرا دلِ درویشِ خود بدست آور
اے مالدار! اپنے فقیر کا دل ہاتھ میں لے

کہ مخزنِ زر و گنجِ درم نخواہد ماند
سونے کا خزانہ، اور درہم کا خزانہ نہ رہیگا

غنیمتے شمر اے شمع وصلِ پروانہ
اے شمع پروانہ کے وصل کو غنیمت جان

کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند
اس لیے، کہ یہ معاملہ صبح تک نہ رہے گا

سروشِ عالمِ غیبم بشارتے خوش داد
عالم غیب کے فرشتہ نے، مجھے اچھی خوشخبری سنائی

کہ بر درِ کرمش کس دژم نخواہد ماند
کہ اس کے کرم کے دروازہ پر کوئی غمگین نہ رہے گا

بریں رواقِ[9] زبرجد نوشتہ اند بزر
اس زبرجد کے چھجے پر، سونے کے پانی سے لکھا ہے

کہ جز نکوئیِ اہلِ کرم نخواہد ماند
کہ اہلِ کرم کی بھلائی کے سوا کچھ نہ رہے گا

سرودِ مجلسِ جمشید گفتہ اند ایں بود
لوگوں نے کہا ہے، جمشید کی مجلس کا گانا یہ تھا

کہ جامِ بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند
کہ شراب کا پیالہ لا، کیونکہ جمشید نہ رہے گا

چہ[10] جائے شکر و شکایت ز نقشِ نیک و بد ست
اچھے بُرے کے نقش سے شکر و شکایت کا کیا موقع ہے

کہ کس ہمیشہ گرفتارِ غم نخواہد ماند
اس لئے کہ کوئی ہمیشہ غم میں گرفتار نہ رہے گا

ز مہربانیِ جاناں طمع مبر حافظ
اے حافظ محبوب کی مہربانی سے مایوس نہ ہو

کہ نقشِ مہر و نشانِ ستم نخواہد ماند
اس لیے کہ محبت کا نقش، اور ظلم کا نشان نہ رہے گا

[1] دوستوں نے مجھے بھلا دیا لیکن میرے لئے ان کی یاد تازہ رہنی چاہیے۔

[2] زندہ رود اصفہان کی ایک نہر کا نام ہے اس کے کنارے ایک باغ ہے جس کا نام باغکاراں ہے۔

[3] اب رازدار نہیں ہیں کہ ان سے راز کہا جا سکے ~ اقبالؔ کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

[4] چناں سے ایامِ عیش اور چنیں سے ایامِ غم مراد ہیں۔

[5] ہماری چغلیاں کھا کر اس نے ہمیں ذلیل کرایا انجام کار وہ خود بھی ذلیل ہوگا۔

[6] اس میں محبوب کا ہی نقصان ہے۔

[7] فقیروں کو دینا چاہیے ورنہ کل کچھ نہ رہیگا۔

[8] محبوب کے دروازہ سے کوئی رنجیدہ ہوکر واپس نہ ہوگا۔

[9] رواقِ زبرجد سے مراد آسمان ہے۔

[10] یعنی اچھائی پر شکر اور بُرائی پر شکایت کا موقع نہیں اس لیے کہ ان میں سے کسی کا بقا نہیں ہے۔

روشنیِ طلعتِ تو ماہ ندارد
تیرے چہرے کی روشنی، چاند نہیں رکھتا
پیشِ تو گل رونقِ گیاہ ندارد
تیرے بالمقابل پھول گھاس کی رونق نہیں رکھتا

جانبِ دلہا نگاہدار کہ سلطاں
دلوں کی دیکھ بھال رکھ، اس لیے کہ بادشاہ
ملک ندارد اگر سپاہ ندارد
ملک نہیں رکھتا، اگر سپاہی نہیں رکھتا

دیدہ ام آں چشمِ دل سیہ کہ تو داری
میں نے اس سیاہ دل آنکھ کو دیکھا ہے جو تو رکھتا ہے
جانبِ ہیچ آشنا نگاہ ندارد
کسی آشنا کی طرف، نگاہ نہیں کرتی

اے شہِ خوباں بعاشقاں نظرے کن
اے حسینوں کے بادشاہ، عاشقوں پر نظر ڈال
ہیچ شہے چوں تو ایں سپاہ ندارد
تیری طرح، کوئی بادشاہ یہ لشکر نہیں رکھتا

نے من تنہا کشم تطاولِ زلفت
میں تنہا ہی تیری زلف کی دست درازی برداشت نہیں کرتا ہوں
کیست بدل داغِ ایں سیاہ ندارد
کون ہے، جو اُس کالے کا دل میں داغ نہ رکھتا ہو؟

شوخیِ نرگس نگر کہ پیشِ تو بشگفت
نرگس کی شرارت دیکھ، تیرے سامنے کھلی
چشم دریدہ، ادب نگاہ ندارد
بے حیا، ادب کو ملحوظ نہیں رکھتی

رطلِ گرانم دہ اے مُریدِ خرابات
اے شراب خانہ کے معتقد! مجھے بھاری جام دے
شادیِ شیخے کہ خانقاہ ندارد
اس شیخ کی خوشی میں، جو خانقاہ نہیں رکھتا

گو بروو آستیں بخونِ جگر شوی
کہدو کہ چلا جائے، اور خونِ جگر سے آستیں تر کرے
ہر کہ دریں آستانہ راہ ندارد
جو اس چوکھٹ کا راستہ نہیں رکھتا

تا چہ کند بارخِ تو دودِ دلِ من
دیکھیے میرے دل کا دھواں تیرے رُخ کا کیا کرتا ہے
آئنہ دانی کہ تابِ آہ ندارد
تجھے معلوم ہے کہ آئنہ آہ کی تاب نہیں رکھتا

خوں خور و خامش نشیں کہ آں دلِ نازک
خون پیتا رہ اور چپ بیٹھا رہ اس لیے کہ وہ نازک دل
طاقتِ فریادِ داد خواہ ندارد
فریادی کی فریاد، سننے کی طاقت نہیں رکھتا

گوشۂ ابروئے تست منظرِ چشمم
میری آنکھ کا منظر، تیری ابرو کا گوشہ ہے
خوشتر ازیں گوشہ بادشاہ ندارد
بادشاہ بھی اس سے زیادہ، خوبصورت گوشہ نہیں رکھتا

حافظ اگر سجدۂ تو کرد مکن عیب
حافظ نے، اگر تجھے سجدہ کیا عیب نہ لگا
کافرِ عشق اے صنم گناہ ندارد
اے صنم! عشق کے کافر پر کوئی گناہ نہیں ہوتا

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ دمید
خوش خبری آئی، کہ بہار آگئی اور سبزہ اُگ گیا
وظیفہ گر برسد مصرفش گلست و نبید
اگر تنخواہ ملی، تو اس کا مَصرف پھول اور شراب ہے

صفیرِ مُرغ بر آمد بطِ شراب کجاست
پرندوں کا چہچہانا شروع ہوگیا، شراب کی بطخ کہاں ہے؟
فغاں فتاد ز بُلبل نقابِ گل کہ درید
بلبل نے شور کیا، پھول کا نقاب کس نے چاک کر دیا

ز روئے ساقیِ مہوش گلے بچیں امروز
آج، چاند جیسے ساقی کے رخسار سے پھول چن
کہ گردِ عارضِ بستاں خطِ بنفشہ دمید
اس لیے کہ باغ کے رخسار کے گرد، بنفشہ اُگ آئی ہے

۱ محبوب کے چہرے جیسی روشنی چاند کو حاصل نہیں، پھول اُس کے چہرے کے سامنے گھاس سے بھی کم ہے۔
۲ معشوق کی فوج عاشق ہی ہیں اگر ان کو تباہ کرے گا سلطنت برباد ہو جائیگی
۳ عاشقوں کی فوج جو تجھے میسر ہے کسی بادشاہ کو حاصل نہیں ہے۔
۴ تیری زلف کا صرف میں ہی زخمی نہیں ہوں اس کالے نے بہت سوں کے دلوں کو داغ دار بنایا ہے
۵ نرگس کی بے حیائی ہے کہ محبوب کے سامنے کھلتی ہے اس کو تو اس کی آنکھ سے شرم کرنی چاہیے۔
۶ جس شخص کو اس آستانہ کا راستہ نہ ملے تو اس کو خون کے آنسو بہانے چاہئیں۔
۷ محبوب کا رخسار آئینہ جیسا ہے آئینہ کے سامنے آہ کرنے سے وہ دھندلا ہو جاتا ہے۔
شاہد ہر گو کہ خاطر دل لذنازک است
بار گیر نرمی کشد ایں نازک است
۸ کافر عشق کیلئے محبوب کو سجدہ کرنا جائز ہے۔
۹ کہتے ہیں کہ خواجہ قوام، وزیر شاہ شجاع کے یہاں حافظ کا وظیفہ مقرر تھا اُس کے آنے میں دیر ہوگئی تو یہ غزل لکھی اس میں اسکی طرف اشارہ ہے۔
ممید ذال منقوط اور دال

چناں کرشمۂ ساقی دلم ز دست ببرد[1]
ساقی کی ادا میرا دل ہاتھ سے اس طرح چھین لے گئی
کہ با کسے دگرم نیست روئے گفت و شنید
کہ اب کسی کے ساتھ گفت و شنید کا موقع نہیں

من ایں مرقع رنگیں چو گل بخواہم سوخت
میں اس پیوند لگی پھول کی طرح رنگین گدڑی کو جلا دوں گا
کہ پیر بادہ فروشش بجرعۂ نخرید
اس لئے کہ شراب فروش پیر نے اس کو ایک گھونٹ میں نہ خریدا

بکوئے عشق منہ بے دلیلِ راہ قدم[2]
عشق کے کوچہ میں، راہبر بدون قدم نہ رکھ
کہ گم شد آنکہ دریں رہ برہبرے نرسید
اس لئے کہ اس راہ میں جو شخص راہبر تک نہ پہونچا وہ گم گیا

ز میوہ ہائے بہشتی چہ ذوق دریابد
بہشتی میووں سے اس کو کیا ذائقہ ملے گا؟
کسے کہ سیبِ زنخدانِ شاہدے نگزید
جس نے کسی معشوق کی ٹھوڑی کا سیب، نہ کاٹا

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریقِ ادب
رنج کی شکایت نہ کر، اس لیے کہ ادب کے راستہ میں
براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید
وہ شخص کبھی راحت کو نہیں پہونچا جس نے تکلیف نہ اٹھائی

عجائبِ رہِ عشق اے رفیق بسیار است[3]
اے دوست! راہِ عشق کے عجائب بہت ہیں
ز پیشِ آہوئے ایں دشت شیرِ نر برمید
اس جنگل کے ہرن کے سامنے سے نر شیر بھاگ گیا

خدائے را مددے اے دلیلِ راہِ حرم
اے حرم کے راستہ کے رہبر! خدا کے لئے مدد کر
کہ نیست بادیۂ عشق را کرانہ پدید[4]
اس لیے کہ عشق کے جنگل کا کنارہ ظاہر نہیں ہے

گلے نچید ز بستانِ آرزو دلِ من
میرے دل نے آرزو کے باغ سے کوئی پھول نہ چنا
مگر نسیمِ مروت دریں چمن نہ وزید
شاید مروت کی ہوا اس چمن میں نہ چلی

شراب نوش کن و جامِ زر بصوفی دہ[5]
شراب پی، اور سونے کا جام صوفی کو دے
کہ پادشہ ز کرم جرمِ صوفیاں بخشید
اس لیے کہ بادشاہ نے کرم سے صوفیوں کی خطا معاف کر دی

بہار میگذرد مہر گسترا دریاب[6]
بہار گذر رہی ہے، کرم فرما، توجہ کر
کہ رفت موسم و حافظ ہنوز مے نچشید
کہ وقت گذر گیا، اور حافظ نے اب تک شراب نہیں چکھی

روزِ ہجران و شبِ فرقتِ یار آخر شد
ہجر کا دن، اور فرقت کی رات ختم ہو گئی
زدم ایں فال و گذشت اختر و کار آخر شد
میں نے یہ فال نکالی اور ستارہ گذر گیا، اور کام پورا ہو گیا

آں ہمہ ناز و تنعم کہ خزاں مے فرمود[7]
وہ سب ناز، اور عیش جو خزاں کرتی تھی
عاقبت در قدمِ بادِ بہار آخر شد
انجام کار بادِ بہار کی آمد سے ختم ہو گیا

بعد ازیں نور بآفاق دہیم از دلِ خویش[8]
اس کے بعد ہم اپنے دل سے زمانہ کو نور بخشیں گے
کہ بخورشید رسیدیم و غبار آخر شد
اس لیے کہ ہم خورشید تک پہونچ گئے اور غبار ختم ہو گیا

آں پریشانیِ شبہائے دراز و غمِ دل[9]
وہ لمبی راتوں کی پریشانی، اور دل کا غم
ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد
سب محبوب کے گیسو کے سایہ میں ختم ہو گیا

ساقیا عمر دراز و قدحت پر مے باد
اے ساقی! تیری عمر دراز، اور پیالہ شراب سے پُر رہے
کہ بسعیِ تو ام اندوہِ خمار آخر شد
تیری کوشش سے میرا اعضا رشکنی کا غم ختم ہوا

۱۔ ساقی کے عشق میں ایسا مبتلا ہو گیا ہوں کہ کسی دوسرے سے بات چیت کا موقع نہیں ہے۔
۲۔ راہِ عشق بدون راہبر طے نہیں کیجا سکتی ہے۔
۳۔ یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ ہرن سے شیر بھاگ جائے۔
۴۔ عشق کی وادی ناپیدا کنار ہے۔
۵۔ صوفیوں سے خدا کوئی مواخذہ نہ کریگا۔
۶۔ بہار سے مراد جوانی ہے۔
۷۔ خزاں کے مزے ختم ہوئے موسم بہار آ گیا۔
۸۔ ہم محبوب کے نور سے دل منور کریں گے اور دنیا کو بھی پہونچائیں گے، درمیانی غبار ہٹ گیا ہے اور ہم محبوب تک پہونچ گئے ہیں۔
۹۔ شب ہائے دراز زلفِ محبوب کی حریف تھیں زلف نے ان کو شکست دیدی۔

شکرِ ایزد کہ باقبالِ کُلہ گوشۂ گُل
خدا کا شکر ہے کہ پھول کی کج کلاہی کے اقبال سے

نخوتِ بادِ دَے[1] وشوکتِ خار آخر شد
دَے کے مہینہ کی ہوا کا تکبّر اور کانٹے کا دبدبہ ختم ہوا

باوَرم نیست زبدعہدیِ ایام ہنوز[2]
زمانہ کی بدعہدی کی وجہ سے مجھے ابتک یقین نہیں کہ

قصّۂ غصّہ کہ در وصلتِ یار آخر شد
رنج کا قصّہ، یار کے وصل کے بارے میں ختم ہوگیا

صبحِ امّید کہ بُد مُعتکفِ پردۂ غیب
اُمّید کی صبح جو غیب کے پردے میں معتکف تھی

گو بروں آی کہ کارِ شبِ تار آخر شد
اس کو کہدو کہ باہر آجائے، اندھیری رات کا کام ختم ہوگیا

گرچہ آشفتگیِ کارِ من از زلفِ تو بود[3]
اگرچہ میرے کام کی پریشانی تیری زلف کی وجہ سے تھی

حلِّ ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد
اس عقدہ کا حل بھی معشوق کے چہرے سے مکمل ہوگیا

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را
اگرچہ حافظ کو، کوئی گنتی میں نہ لایا

شکر کاں محنتِ بے حدّ و شمار آخر شد
شکر ہے، کہ وہ بے حد حساب مصیبت بھی ختم ہوگئی

زاہدِ خلوت نشیں دوش بمیخانہ شد[4]
گوشہ نشیں زاہد، کل شب، میخانہ میں چلا گیا

از سرِ پیماں گذشت بر سرِ پیمانہ شد
اس نے عہد کو توڑ دیا، اور پیمانہ کے سر ہوگیا

شاہدِ عہدِ شباب آمدہ بودش بخواب
اس کے خواب میں جوانی کے زمانہ کا معشوق، آگیا تھا

باز بہ پیرانہ[5] سر عاشق و دیوانہ شد
پھر بڑھاپے میں، عاشق، اور دیوانہ ہوگیا

مُغبچہ میگذشت راہزنِ عقل و دیں
عقل، اور دین کا رہزن ایک مغبچہ گذر رہا تھا

در پئے آں آشنا از ہمہ بیگانہ شد[6]
اس آشنا کے پیچھے، سب سے بیگانہ ہوگیا

آتشِ رخسارِ گل خرمنِ بُلبل بسوخت
پھول کے رخسار کی آگ نے، بُلبل کا کھلیان جلا دیا

چہرۂ خندانِ[7] شمع آفتِ پروانہ شد
شمع کا مسکراتا چہرہ، پروانہ کی مصیبت بن گیا

گریۂ شام[8] و سحر شکر کہ ضائع نگشت
شکر ہے شام، اور صبح کا رونا ضائع نہ ہوا

قطرۂ بارانِ ما گوہرِ یکدانہ شد
ہماری بارش کا قطرہ دُرِیکتا بن گیا

نرگسِ[9] ساقی بخواند آیتِ افسوں گری
ساقی کی آنکھ نے، منتر کی آیت پڑھ دی

حلقۂ اورادِ ما گردشِ پیمانہ شد
ہمارے وظیفوں کا حلقہ، پیمانہ کی گردش بن گیا

صوفیِ[10] مجلس کہ دی جام و قدح می شکست
مجلس کا صوفی، جو کل جام، اور پیالہ توڑ رہا تھا

دوش بیک جرعۂ مے عاقل و فرزانہ شد
رات ایک گھونٹ شراب سے عقلمند، اور فرزانہ بن گیا

منزلِ حافظ کنوں بارگہِ کبریاست
اب حافظ کا مقام، کبریا کی بارگاہ ہے

دل برِ دلدار رفت جاں برِ جانانہ شد
دل، دلدار کے پاس چلا گیا جان، جانانہ کے پاس چلی گئی

زہے خجستہ زمانے کہ یار باز آید
کیا ہی مبارک زمانہ ہوگا کہ دوست واپس آجائے

بکامِ غمزدگاں غمگسار باز آید
غمزدوں کی منشاء کے مطابق، غمگسار واپس آجائے

---

[1] دَے کا مہینہ سخت جاڑے کا ہوتا ہے اس میں موسم خزاں ہوتا ہے، اس لئے سردی اور خزاں دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

[2] چونکہ زمانہ ناقابل اعتبار ہے باوجود وصل حاصل ہوجانیکے یقین نہیں آتا ہے۔

[3] زلف کی پیدا کردہ پریشانی بھی چہرہ نے زایل کردی۔

[4] زاہد نے توبہ توڑدی اور پیمانہ سے دوستی جوڑلی۔

[5] بڑھاپے میں جوانی کا معشوق خواب میں نظر آگیا اور عشق پیدا ہوگیا۔

[6] وہ زاہد اس مُغبچہ کو دیکھ کر سب کو بھلا بیٹھا۔

[7] شمع کو خنداں بھی قرار دیا جاتا ہے اور گریاں بھی۔

[8] رونا بیکار نہ گیا اس کے قطروں سے دُرِیکتا پیدا ہوگیا۔

[9] آنکھ نے ایسا منتر پڑھا کہ اب ہمارا وظیفہ پیمانہ کی گردش بن گیا۔

[10] صوفی جو بے عقلی کا کام کر رہا تھا ایک گھونٹ میں عقلمند بن گیا۔

بہ پیشِ شاہِ خیالش کشیدم ابلقِ چشم
اس کے خیال کے بادشاہ کے سامنے میں آنکھ کا ابلق گھوڑا لایا
بداں اُمید کہ آں شہسوار باز آید
اس امید پر، کہ وہ شہسوار واپس آجائے

درِ انتظارِ خدنگش ہمی پرد دلِ صید
اس کے تیر کے انتظار میں شکار کا دل اڑا پھر رہا ہے
خیال آنکہ برسمِ شکار باز آید
اس خیال سے کہ شکار کے لئے، وہ لوٹ آئے

مُقیم بر سرِ راہش نشستہ ام چوں گرد
میں گرد کی طرح، اس کے راستہ پر مقیم ہو بیٹھا ہوں
بداں ہوس کہ بداں رہگذار باز آید
اس ہوس میں، کہ اس راستہ سے لوٹ آئے

دلے کہ با سرِ زلفینِ او قرارے داد
وہ دل، جس نے اس کی دو زلفوں کو قول دیدیا ہے
گماں مبر کہ دراں دل قرار باز آید
خیال بھی نہ کر کہ اس دل کو پھر قرار آجائے

اگر نہ در خمِ چوگانِ او رود سرِ من
اگر، اس کے آنچے کے موڑ میں میرا سر نہ جائے
ز سر نگویم و سر خود چہ کار باز آید
سر کے متعلق کیا کہوں، پھر وہ سر خود کس کام آئے

چہ جورہا کہ کشیدند بلبلاں از دے
بلبلوں نے دے کے مہینہ کا کس قدر ظلم برداشت کیا
ببوئے آنکہ دگر نوبہار باز آید
اس امید پر، کہ نوبہار، پھر لوٹ آئے

سرشکِ من نزند موج بر کنار چو بحر
میرے آنسو سمندر کی طرح کنارے پر تھپیڑیں نہ ماریں
اگر میانِ ویم در کنار باز آید
اگر اس کی کمر میری بغل میں پھر آجائے

زنقشبندِ قضا ہست امیدِ آں حافظ
اے حافظ تقدیر کے نقوش بنانے والے سے اسکی امید ہے
کہ چوں حنا بکفم آں نگار باز آید
کہ مہندی کی طرح میری ہتھیلی میں وہ معشوق پھر آجائے

سالہا دل طلبِ جامِ جم از ما میکرد
دل سالوں ہم سے جامِ جم مانگتا رہا
آنچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا میکرد
جو کچھ خود اُس کے پاس تھا، غیر سے مانگتا رہا

گوہرے کز صدفِ کون و مکاں بیروں بود
وہ موتی، جو کون و مکاں کے سیپ سے باہر تھا
طلب از گم شدگانِ لبِ دریا میکرد
دریا کے کنارے کے، گم شدوں سے مانگتا رہا

مشکلِ خویش بر پیرِ مُغاں بردم دوش
میں اپنی مشکل کل شب پیرِ مغاں کے پاس لے گیا
کو بتائیدِ نظر حلِ معما میکرد
کیونکہ وہ نظر کی طاقت سے معمے کو حل کرتا تھا

بیدلے در ہمہ احوال خدا با او بود
ایک بیدل، خدا تمام احوال میں اس کے ساتھ ہے
او نمیدیدش و از دور خدارا میکرد
وہ اس کو نہیں دیکھتا تھا، اور دور سے خدا کہتا تھا

دیدمش خرم و خنداں قدحِ بادہ بدست
میں نے اس کو ہاتھ میں پیالہ لئے خوش، اور ہنستا ہوا دیکھا
واندراں آئینہ صد گونہ تماشا میکرد
اور اس آئینہ میں وہ سینکڑوں چیزیں دیکھ رہا تھا

گفتم ایں جامِ جہاں بیں بتو کے داد حکیم
میں نے کہا یہ جہاں بیں جام خدا نے تجھے کب دیا؟
گفت آں روز کہ ایں گنبدِ مینا میکرد
اس نے کہا، جس دن خدا یہ جڑاؤ گنبد بنا رہا تھا

آں ہمہ شعبدہ ہا عقل کہ میکرد آنجا
وہ تمام شعبدے، جو عقل اُس جگہ کر رہی تھی
سامری پیشِ عصا و یدِ بیضا میکرد
سامری، عصا اور یدِ بیضا کے بالمقابل کر رہا تھا

۱ ابلق، سیاہ و سفید گھوڑے کو کہتے ہیں۔ چونکہ آنکھ میں بھی سیاہی اور سفیدی ہے لہذا اس کو ابلق قرار دیا ہے
۲ پرند کے اڑنے پر شکاری اُس کا پیچھا کرتا ہے۔
۳ اگر میرا سر محبوب کے بلے کی گیند نہ بنا تو پھر بیکار ہے۔
۴ نقشبندِ قضا سے خدا تعالیٰ مراد ہے۔ مہندی ہاتھ پر لگائی جاتی ہے۔
۵ دل خود جام جم ہے۔ سعدی نے کہا ہے
اے ہمی جست ز بیت الحرم و بیت المقدس
یا خودم بود و دلم در پئے پیدا میکرد
۶ اس شعر کا مطلب بھی پہلے شعر سے ملتا جلتا ہے۔
۷ ایک بیدل جس کو خدا نظر نہیں آرہا تھا وہ دور سے خدا کو پکار رہا تھا حالانکہ خدا اس کے ساتھ تھا۔
۸ پیرِ مغاں کے ہاتھ میں پیالہ تھا جس سے اس پر اسرار کھل رہے تھے۔ میں نے اس سے معلوم کیا کہ پیالہ کب سے ہاتھ آیا وہ بولا ازل سے۔
۹ عشق کے بالمقابل عقل کی شعبدہ بازی ایسی ہی ہے جیسے سامری کی حضرت موسیٰ کے بالمقابل۔
۱۰ عصا سے مراد حضرت موسیٰ کی وہ لکڑی ہے جو اژدہے نگل جاتی تھی۔ یدِ بیضا سے مراد حضرت موسیٰ کا وہ ہاتھ ہے جس سے بیمار شفا پاتے تھے۔

گفت[1] آں یار کزو گشت سرِ دار بلند
اس نے کہا وہ دوست جس سے سولی کا سر بلند ہوا

جرمش آں بود کہ اسرار ہویدا میکرد
اس کی خطا یہ تھی کہ راز ظاہر کر رہا تھا

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
جبرئیل کا فیض، اگر پھر مدد کردے

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد
دوسرے بھی وہ کریں، جو مسیحا کر رہا تھا

گفتمش سلسلۂ زلفِ بُتاں دانی چیست
میں نے اس سے کہا تو جانتا ہے معشوق کی زلفوں کا سلسلہ کیا ہے

گفت حافظ گلۂ از شبِ یلدا میکرد
وہ بولا، حافظ تاریک رات کا شکوہ کر رہا تھا

سالہا[2] دفترِ ما در گروِ صہبا بود
ہماری کتاب سالہا سال تک شراب میں گروی تھی

رونقِ میکدہ از درس و دعائے ما بود
میکدہ کی رونق، ہمارے درس اور دعا سے تھی

نیکیِ پیرِ مُغاں بیں کہ چو ما بدمستاں
پیرِ مُغاں کی نیکی دیکھ کہ ہم جیسے بدمستوں نے

ہر چہ کردیم بچشمِ کرمش زیبا بود
جو کچھ کیا اس کی نگاہ کرم میں مناسب تھا

دل[3] چو پرکار بہر سو دورانے میکرد
دل پرکار کی طرح ہر جانب چکر لگا رہا تھا

واندر آں دائرہ سرگشتہ و پابرجا بود
اور اس دائرہ میں حیران، اور پیر اپنی جگہ پر تھا

می شگفتم ز طرب زانکہ چو گل برلبِ جوئے
میں خوشی سے کھلا جا رہا تھا اس لیے کہ پھول کی طرح نہر کے کنارے

بر سرم سایۂ آں سروِ سہی بالا بود
میرے سر پر اس بلند سرو کا سایہ تھا

پیرِ[4] گلرنگِ من اندر حقِ ازرق پوشاں
میرے گلرنگ پیر نے نیلی کمبلی پہننے والوں کے حق میں

رخصتِ بحث ندادار نہ حکایتہا بود
بحث کی اجازت نہ دی ورنہ بہت سے قصے تھے

دفترِ دانشِ ما جملہ بشوئید بمے
ہماری عقل کی پوری کتاب کو شراب سے دھو دو

کہ فلک[5] دیدم و در قصدِ دلِ دانا بود
اس لیے کہ میں نے آسمان کو دیکھا ہے وہ عقلمند کے دل کی گھات میں تھا

مطرب[6] از دردِ محبت غزلے می پرداخت
مطرب محبت کے درد سے ایسی غزل گا رہا تھا

کہ حکیمانِ جہاں را مژہ خوں پالا بود
کہ دنیا کے حکماء کی پلکیں خون سے آلودہ تھیں

از بُتاں[7] آں طلب ار حسن شناسی اے دل
اے دل اگر تو حسن شناس ہے تو معشوقوں سے وہ چاہ

کیں کسے گفت کہ در علمِ نظر دانا بود
اس لیے کہ یہ اس نے کہا ہے جو نظر بازی کے علم میں عقلمند تھا

قلبِ[8] اندودۂ حافظ برِ او خرج نشد
حافظ کا ملمع کیا ہوا سکہ اس کے سامنے نہ چل سکا

کہ معامل بہمہ عیبِ نہاں بینا بود
اس لیے کہ معاملہ کرنے والا تمام پوشیدہ عیبوں کا دیکھنے والا تھا

ساقی[9] حدیثِ سرو و گل و لالہ میرود
اے ساقی سرو اور گل، اور لالہ کی بات ہو رہی ہے

ویں بحث باثلاثۂ غسّالہ میرود
اور یہ بحث تین غسّالہ کے ساتھ ہو رہی ہے

مے دہ کہ نو عروسِ چمن حدِ حسن یافت
شراب دے اس لیے کہ چمن کی نئی دلہن نے کمال درجہ کا حسن پایا ہے

کار ایں زماں ز صنعتِ دلّالہ میرود
اس زمانہ میں، کام دلّالہ کی کاریگری سے چلتا ہے

---

[1] منصور کو اس بنیاد پر سزا ملی کہ وہ اسرار ظاہر کر رہا تھا
[2] ہم سالہا سال شراب خانہ میں مصروفِ عمل رہے اور ہمارا اعمالنامہ رہینِ شراب رہا۔
[3] ہم گو پرِ عزم کا یک دائرہ شریعت مستقیم پائے دیگر سیر خیال و ورطت میکند
[4] نہر کے کنارے سرو کے سایہ میں پھول خوب کھلتا ہے۔
[5] ہم مکاروں کے قصے سنانے پیر نے اجازت نہ دی۔
[6] دلِ دانا کو آسمان ستانے کی فکر میں ہے۔
[7] مطرب نے ایسی پُر درد غزل گائی جس سے تمام حکماء خون کے آنسو رونے لگے۔
[8] معشوق سے حسن ہی طلب کیا جانا چاہیے۔
[9] پیرِ مُغاں چونکہ حقیقت حال سے واقف ہے اس لیے دل کا کھوٹا سکہ نہ چل سکا۔
[10] سلطان غیاث الدین، فرمانروائے بنگال ایک بار بیمار پڑا تیمارداری اور نہلانے کی خدمت تین لونڈیوں کے سپرد ہوئی جن کے نام سرو، گل، لالہ تھے ان خدمات کی بنا پر وہ مقرب بن گئیں حرم میں شکوے شکایت پیدا ہوئے اس پر غیاث الدین نے پہلا مصرع موزوں کیا لیکن دوسرا مصرع نہ لگتا تھا مجبوراً حافظ کو مصرع

شکر[1] شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
ہندوستان کی تمام طوطیاں شکر خور ہو جائیں گی
زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ میرود
اس پارسی قند سے، جو بنگال کو جا رہی ہے

طیِ[2] مکاں ببین و زماں در سلوکِ شعر
شعر کے سلوک میں، طیِ زماں و مکان کو دیکھ
کایں طفلِ یکشبہ رہِ یکسالہ میرود
اس لیے کہ یہ ایک رات کا بچہ، ایک سال کے راستہ پر جاتا ہے

بادِ بہار می وزد از بوستانِ شاہ
بادشاہ کے باغ سے، بہار کی ہوا چلتی ہے
وز ژالہ بادہ در قدحِ لالہ میرود
اور شبنم سے لالہ کے پیالے میں شراب بھرتی ہے

آں چشمِ جادوانۂ عابد فریب بیں
اس جادو بھری، عابد فریب آنکھ کو دیکھ
کش کاروانِ سحر بدنبالہ میرود
جادو کا قافلہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے

خوی کردہ میخرامد و بر عارضِ سمن
پسینہ میں نہایا ہوا ٹہلتا ہے، اور سمن کے رخسار پر
از شرمِ روئے او عرق از ژالہ میرود
اس کے چہرہ کی شرم سے، شبنم کا پسینہ بہتا ہے

ایمن مشو ز عشوۂ دُنیا کہ ایں عجوز
دنیا کی ادا سے مطمئن نہ ہو، اس لیے کہ یہ بڑھیا
مکارہ می نشیند و محتالہ میرود
مکار بنکر بیٹھتی ہے، اور حیلہ گری کرتی چلتی ہے

چوں[3] سامری مباش کہ زر دید از خری
سامری کی طرح نہ بن کہ اس نے گدھے پن سے سونا دیکھا
موسیٰ بہشت و از پے گوسالہ میرود
موسیٰ کو چھوڑا، اور بچھڑے کے پیچھے جاتا ہے

حافظ ز شوقِ مجلسِ سُلطاں غیاثِ دیں
اے حافظ سلطان غیاث الدین کی مجلس کے شوق سے
خامش مشو کہ کارِ تو از نالہ میرود
چپ نہ ہو اس لیے کہ تیرا کام رونے سے چلتا ہے

سروِ چمانِ من چرا میلِ چمن نمیکند
میرا خراماں سرو، چمن کی خواہش کیوں نہیں کرتا؟
ہمدمِ گل نمیشود یادِ سمن نمیکند
پھول کا ساتھی نہیں ہوتا، سمن کی یاد نہیں کرتا؟

تا دلِ ہرزہ گردِ من رفت بچینِ زلفِ او
میرا آوارہ دل جب سے اس کی زلف کی شکن میں گیا ہے
زاں سفرِ دراز خود یادِ وطن نمیکند
اپنے اس دراز سفر سے، وطن کی یاد نہیں کرتا

پیشِ کمانِ ابرویت لابہ ہمی کنم ولے
تیری ابرو کی کمان کے سامنے خوشامد کرتا ہوں لیکن
گوشہ کشیدہ است از آں گوش بمن نمیکند
کھنچی ہوئی ہے، اس لیے میری طرف توجہ نہیں کرتی

چوں[4] ز نسیم میشود زلفِ بنفشہ پر شکن
بنفشہ کی زلف جب نسیم سے پر شکن ہوتی ہے
وہ کہ دلم چہ یاد از آں عہد شکن نمیکند
اُف میرا دل اس عہد شکن کی کیا کیا یاد نہیں کرتا ہے

با ہمہ[5] عطرِ دامنت آیدم از صبا عجب
مجھے صبا پر تعجب آتا ہے، باوجود تیری عطر دامنی کے
کز گذرِ تو خاک را مشکِ ختن نمیکند
کہ تیرے گذرنے سے خاک کو ختن کا مشک نہیں کرتی ہے

ساقیِ[6] سیم ساقِ من گر ہمہ زہر میدہد
چاندی جیسی پنڈلی والا، میرا ساقی اگر پورا زہر دیدے
کیست کہ تن چو جامِ مے جملہ دہن نمیکند
کون ہوگا کہ پورے جسم کو جام مے کی طرح منہ نہیں بناتا ہے

دل[7] بامیدِ وصلِ تو ہمدمِ جاں نمیشود
تیرے وصل کی امید میں، دل جان کا ساتھی نہیں ہوتا
جاں بہوائے کوئے تو فکرِ چمن نمیکند
جان تیرے کوچہ کی خواہش کی وجہ سے چمن کی فکر نہیں کرتی

[1] یعنی میری اس فارسی غزل سے تمام شعرائے ہند محظوظ ہوں گے۔
[2] طیِ زمان و مکاں یعنی زمان و مکان لپیٹ دینا سالکوں میں یہ کمال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ایسی طویل مسافت کو جو میلوں کی ہو اور سالوں میں طے کیجائے معمولی وقت میں طے کر لیتے ہیں طفلِ یکشبہ سے مراد غزل ہے جو حافظ نے ایک رات میں کہی ہے۔
[3] سامری حضرت موسیٰ کے زمانہ کا مشہور شعبدہ باز ہے جس نے حضرت موسیٰ کے طور پر جانے کے بعد سونے کا بچھڑا بنایا اور حضرت موسیٰ سے جدا ہو کر اس کی پرستش کرنے اور کرانے لگا۔
[4] نسیم کی وجہ سے جب بنفشہ کی زلفیں پر شکن بنتی ہیں تو مجھے وہ عہد شکن یاد آتا ہے۔
[5] محبوب کے گذرنے سے اگر صبا خاکِ راہ کو مشک نہ بنائے تو بڑا تعجب ہوگا۔
[6] اگر ساقی زہر بھی پلائے تو میرا جسم دہن بن جائیگا۔
[7] جسم یہاں پڑا ہے اور دل وصل کے شوق میں اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔

دی گلہ[1] ز طرہ اش کردم واز سرِ فسوں
کل میں نے اس کی زلف کی شکایت کی اور اس نے حیلہ کرتے ہوئے

گفت کہ ایں سیاہِ کج گوش بمن نمیکند
کہا یہ کالی ، ٹیڑھی میری بات نہیں سنتی

دستِ کشِ جفا مکن آبِ رخم کہ فیضِ ابر
میرے رخسار کے آنسوؤں کو ظلم سے عاجز نہ کر اس لئے کہ ابر کا فیض

بےمددِ سرشکِ من دُرِّ عدن[2] نمیکند
میرے آنسوؤں کی مدد کے بغیر ، عدن کے موتی نہیں بناتا

لخلخہ[3] سائے شد صبا دامنِ پاکت ازچہ رو
صبا لخلخہ بیز ہو گئی ، تیرا پاک دامن کس وجہ سے

خاکِ بنفشہ زار را مشکِ خُتن نمیکند
بنفشہ کے کھیت کی خاک کو ، ختن کا مشک نہیں بناتا

کشتۂ غمزۂ تو شد حافظِ ناشنیدہ پند
حافظ، نصیحت نہ سننے والا ، تیری ادا کا شہید ہو گیا

تیغ سزاست ہر کرا درکِ سخن نمیکند
جو بات نہیں سمجھتا ، اس کی سزا تلوار ہے

سمن[4] بویاں غبارِ دل چو بنشینند بنشانند
سمن جیسی خوشبو والے جب بیٹھتے ہیں تو دل کا غبار بٹھا دیتے ہیں

پری رویاں قرارِ دل چو بستیزند بستانند
پری جیسے چہرے والے جب ناراض ہوتے ہیں دل کا سکون چھین لیتے ہیں

بفتراکِ[5] بلا جانہا چو بربندند بربندند
مصیبت کے فتراک سے جب جانوں کو باندھتے ہیں خوب باندھتے ہیں

ز زلفِ عنبریں دلہا چو بفشانند بفشانند
جب عنبریں زلف سے دلوں کو جھٹکتے ہیں تو خوب جھٹکتے ہیں

ز چشم لعلِ رمانی چو میبارند میخندند
جب میری آنکھوں سے رمانی لعل جھڑتے ہیں وہ ہنستے ہیں

ز رویم[6] رازِ پنہانی چو می بینند میخوانند
جب میرے چہرے پر پوشیدہ راز دیکھتے ہیں تو پڑھ لیتے ہیں

بعمرے یک نفس با ما چو بنشینند برخیزند
پوری زندگی میں تھوڑی دیر ہمارے ساتھ بیٹھتے ہیں تو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں

نہالِ شوق در خاطر چو بنشینند بنشانند
جب بیٹھتے ہیں تو عشق کا پودا ، دل میں لگا دیتے ہیں

چو منصور[7] از مراد آنانکہ بر دارند بردارند
جو منصور کی طرح، سولی پر ہیں وہ مقصد پورا کر لیتے ہیں

کہ با ایں درد اگر در بندِ درمانند درمانند
اس لیے کہ اس درد کے ہوتے ہوئے جو علاج کی فکر میں ہیں محروم ہیں

سرشکِ گوشہ گیراں را چو دریابند دُر یابند
جب گوشہ نشینوں کے آنسو حاصل کرتے ہیں، موتی پا لیتے ہیں

رُخ از مہرِ سحر خیزاں نگردانند اگر دانند
اگر پہچان جاتے ہیں تو سحر خیزوں کی محبت سے روگردانی نہیں کرتے

بدیں حضرت چو مشتاقاں نیاز آرند ناز آرند
اس دربار میں جب عاشق نیاز پیش کرتے ہیں تو وہ ناز کرتے ہیں

بدیں درگاہ حافظ را چو می رانند میخوانند
اس دربار سے جب حافظ کو بھگا دیتے ہیں، بلا لیتے ہیں

سحرم دولتِ بیدار بہ بالیں آمد
صبح، بیدار بخت، میرے سرہانے آیا

گفت برخیز کہ آں خسروِ شیریں آمد
بولا، اُٹھ وہ شیریں شاہ آ گیا

قدحے درکش و سرخوش بتماشا بخرام
پیالہ پی ، اور مست ہو کر سیر کے لیے ٹہل

تا بہ بینی کہ نگارت بچہ آئیں آمد
تاکہ تو دیکھے کہ تیرا محبوب کس شان سے آیا

مژدگانی بدہ اے خلوتیِ[8] نافہ کشائے
اے نافہ کے مہکانے والے گوشہ نشیں! انعام دے

کہ ز صحرائے خُتن آہوئے مشکیں آمد
اس لیے کہ ختن کے جنگل سے مشک والا ہرن آ گیا

---

[1] زلف کے مظالم سن کر کہنے لگا کہ یہ میرے قبضہ میں بھی نہیں ہے۔

[2] بارش میں جب میرے آنسو ملتے ہیں جب ان سے عدن کے سمندر میں موتی بنتا ہے لہٰذا یہ قابلِ احترام ہیں

[3] لخلخہ چند خوشبوؤں کے مجموعہ سے بنایا جاتا ہے جس کی پوٹلی دماغی تفریح کے لیے سنگھائی جاتی ہے۔ یعنی بادِ صبا نے چمن میں خوشبو مہکا رکھی ہے۔

[4] حسینوں کی ملاقات دل کی کلفتیں دور کر دیتی ہے ان کی ناراضگی بیقرار کر دیتی ہے۔

[5] فتراک اس تھیلے کو کہا جاتا ہے جو زین میں لٹکایا جاتا ہے تاکہ شکار کر کے اس میں رکھ لیا جائے۔

[6] میرے دل کے راز چہرے سے پڑھ لیتے ہیں۔

[7] حسن بن منصور حلاج مشہور صوفی ہیں جو انا الحق کہنے کی پاداش میں سولی پر چڑھا دیے گئے تھے۔

[8] عاشقوں کے آنسوؤں سے ان کو دولت ملتی ہے۔

[9] خلوتی یعنی عاشق، اس کو نافہ کشا اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ گوشۂ تنہائی میں معشوق کی خوشبو سے مشامِ جان کو معطر کرتا رہتا ہے۔

گریۂ آبے بُرخِ سوختگاں باز آورد
جلے ہوؤں کے رُخ پر گریہ نے پھر رونق پیدا کر دی

نالۂ فریادرس عاشقِ مسکیں آمد
نالۂ، مسکین عاشق کا فریاد رس بن کر آیا

مرغِ دل باز ہوادارِ کمان ابرو ئیست
مُرغِ دل اُس کمان جیسی ابرو والے کا، پھر خواہشمند ہے

کہ کمیں صید گہش جان و دل و دیں آمد
جس کی ادنٰی شکار گاہ، جان، اور دل و دین ہیں

در ہوا چند معلق زنی و جلوہ کنی
ہوا میں کب تک قلابازی کھائے گا اور جلوہ دکھائے گا

اے کبوتر نگراں باش کہ شاہیں آمد
اے کبوتر! ہوشیار ہو جا کہ باز آ گیا

ساقیا مے بدہ و غم مخور از دشمن و دوست
اے ساقی شراب دے، اور دشمن و دوست کا غم نہ کر

کہ بکامِ دلِ ما آں بشد و ایں آمد
اس لیے کہ ہماری تمنّا کے موافق وہ گیا اور یہ آیا

شادیِ یارِ پری چہرہ بدہ بادۂ ناب
پری چہرہ یار کی خوشی میں، خالص شراب دے

کہ مئے لعل دوائے دلِ غمگیں آمد
اس لیے، کہ لعل جیسی شراب غمگین دل کی دوا ہے

رسمِ بدعہدیِ ایّام چو دید ابرِ بہار
ابرِ بہار نے جب زمانہ کی بدعہدی کی عادت دیکھی

گریہ اش بر سمن و سنبل و نسریں آمد
اس کو سمن، سنبل، اور نسرین پر رونا آیا

چوں صبا گفتۂ حافظ بشنید از بلبل
جب صبا نے، بلبل سے حافظ کا کہا ہوا سنا

عنبر افشاں بتماشائے ریاحیں آمد
عنبر بکھیرتی ہوئی، پھولوں کی سیر کو آئی

ستارۂ بدرخشید و ماہِ مجلس شد
ایک ستارہ چمکا، اور مجلس کا چاند بن گیا

دلِ رمیدۂ ما را انیس و مونس شد
ہمارے وحشی دل کے لئے انیس اور مونس ہو گیا

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
میرا محبوب، جو نہ مکتب گیا، نہ اس نے لکھنا سیکھا

بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرّس شد
اپنی اداسے سو مدرّسوں کو مسئلہ سکھانے والا ہو گیا

طربِ سرائے محبّت کنوں شود معمور
محبت کی طرب سرائے، اب آباد ہو جائیگی

کہ طاقِ ابروئے یارِ منش مہندس شد
اس لیے کہ میرے یار کے ابرو کا طاق اس کا انجنیئر ہو گیا

ببوئے او دلِ بیمارِ عاشقاں چو صبا
عاشقوں کا بیمار دل اس کی خوشبو کی وجہ سے صبا کی طرح

فدائے عارضِ نسرین و چشمِ نرگس شد
نسرین کے رخسار اور نرگس کی آنکھ پر قربان ہو گیا

بصدرِ مصطبہ ام می نشاند اکنوں یار
یار مجھے اب شراب خانہ کے صدر مقام پر بٹھاتا ہے

گدائے شہر نگہ کن کہ میرِ مجلس شد
دیکھو! شہر کا فقیر، میرِ مجلس ہو گیا

لب از ترشّحِ مے پاک کن برائے خدا
خدا کے لیے شراب کے قطروں سے ہونٹ صاف کرلے

کہ خاطرم بہزاراں گنہ موسوس شد
اس لیے، کہ میری طبیعت میں ہزار گناہوں کے وسوسے آنے لگے

کرشمۂ تو شرابے بعاشقاں پیمود
تیری ادا نے عاشقوں کے لئے وہ شراب ناپی

کہ علم بیخبر افتاد و عقل بیحس شد
کہ علم بے خبر ہو گیا، اور عقل بے حس ہو گئی

خیالِ آبِ خضر بست و جامِ کیخسرو
آبِ حیات کا خیال باندھا اور کیخسرو کے جام کا

بجرعہ نوشیِ سلطان ابوالفوارس شد
ایک گھونٹ پینے سے سلطان، ابوالفوارس بن گیا

۱ عاشق کا چہرہ زرد پڑگیا تھا خونی آنسو رونے سے پھر چہرہ سُرخ ہوگیا گویا کہ نالہ نے مدد کی اور یہ فائدہ پہونچایا۔
۲ کبوتر سے دل اور شاہین سے محبوب مراد ہے
۳ آں سے مراد دشمن اور ایں سے مراد دوست ہے
۴ ابر بہاری کی بارش گویا کہ چمن کی آنے والی تباہی پر رونا ہے۔
۵ حافظ کی یہ غزل مدحت النبی میں ہے ستارہ سے آنحضور مراد ہیں۔
۶ اب چونکہ تعمیر طاقِ ابرو کے نقشہ پر ہوگی لہٰذا پر رونق تعمیر ہوگی۔
۷ نسرین کے رخسار اور نرگس کی آنکھ پر دل اس لیے قربان ہے کہ ان میں محبوب کی شباہت ہے۔
۹ عاشق شراب کو آبحیات اور جام کو جامِ کیخسرو سمجھتے ہیں اور ایک گھونٹ پینے سے شاہ بنجاتے ہیں۔

چو زرِ عزیزِ وجود ست شعرِ من آرے
سونے کی طرح میرے اشعار نادر الوجود ہیں، ہاں
قبولِ دولتیاں کیمیائے ہر مس شد
دولتمندوں کی پسندیدگی، ہر تانبے کی کیمیا بنی

دو چشمت از دل و دیں ہر چہ داشتم بُردند
دل[1] اور دین جو کچھ میرے پاس تھا تیری دونوں آنکھیں لے گئیں
توانگرے کہ بمستاں نشست مُفلس شد
جو مالدار، مستوں کے ساتھ بیٹھا مُفلس ہوا

زراہِ میکدہ یاراں عناں بگردانید
اے یارو! شراب خانہ کے راستے سے باگ موڑ دو
چراکہ حافظ ازیں راہ رفت و مُفلس شد
اس لیے کہ حافظ اس راستے پر چلا، اور مفلس ہوا

ساقی[2] ار بادہ ازیں دست بجام اندازد
ساقی، اگر اس ہاتھ سے جام میں شراب ڈالے گا
عارفاں راہمہ در شُربِ مُدام اندازد
تمام عارفوں کو، مسلسل شراب نوشی میں مبتلا کر دیگا

ور چنیں زیرِ خمِ زلف نہد دانۂ خال
اگر زلف کے پیچ کے نیچے، تِل کا ایسا ہی دانہ رکھے گا
اے بسا مُرغِ خرد راکہ بدام اندازد
تو عقل کے بہت سے پرندوں کو جال میں پھنسا لیا ہے

آں زماں[3] وقتِ مے صبح فروغست کہ شب
صبح کو روشن کرنیوالی شراب پینے کا وہ وقت ہے جبکہ رات
گردِ خرگاہِ افق پردۂ شام اندازد
افق کے خیمہ کے چاروں طرف شام کا پردہ ڈالے

روز در کسبِ ہنر کوش کہ مے خوردن روز
دن میں ہنر حاصل کرنیکی کوشش کر اس لیے کہ دن میں شراب پینا
دل چوں آئنہ در زنگِ ظلام اندازد
آئینہ جیسے دل کو تاریکی کے زنگ میں مبتلا کر دیتا ہے

اے خوشا حالتِ آں مست کہ در پائے حریف
اُس مست کی حالت کیا ہی اچھی ہے جو کہ یار کے قدموں پر
سر و[4] دستار نداند کہ کدام اندازد
یہ نہ سمجھے کہ سر، اور دستار میں سے کس کو ڈالے

زاہد ار بکلہِ گوشۂ خورشید بر آر
اے زاہد خورشید کی کلاہ کے گوشہ کی برابر سر ابھار
بختت ار قرعہ بدیں ماہِ تمام اندازد
اگر تیرا نصیبہ، اس پورے چاند پر قرعہ ڈالدے

زاہدِ خام طمع بر سرِ انکار بماند
ناقص، زاہد، انکار پر قائم رہا
پختہ گردد چو نظر بر مے جام اندازد
پختہ بنجائے، اگر شراب کے جام پر نظر ڈالے

بادہ با مُحتسبِ شہر ننوشی حافظ
اے حافظ شہر کے محتسب کے ساتھ شراب نوشی نہ کرنا
کہ خورد بادہ ات و سنگ بجام اندازد
تیری شراب بھی پی جائے گا، اور جام پر پتھر مارے گا

سحر چوں خسروِ خاور علم بر کوہساراں زد
صبح کو جب مشرق کے بادشاہ نے پہاڑوں پر جھنڈا گاڑا
بدستِ مرحمت یارم درِ امّیدواراں زد
میرے یار نے مہربانی کے ہاتھ سے امیدواروں کا دروازہ کھٹکھٹایا

چو[5] پیشِ صبحِ روشن شد کہ حالِ مہرِ گردوں چیست
جب صبح پر یہ بات کھل گئی کہ آسمان کی محبت کا کیا حال ہے
برآمد خندۂ خوش بر غرورِ کامگاراں زد
نمودار ہوئی، کامیابوں کے غرور پر ایک قہقہہ لگایا

نگارم دوش در مجلس بعزمِ رقص چوں برخاست
کل شب جب میرا محبوب رقص کے ارادے سے مجلس میں کھڑا ہوا
گرہ بکشود از گیسو و بر دلہائے یاراں زد
گیسو کی گرہ کھولی اور دوستوں کے دلوں پر لگا دی

---

[1] مستاں سے مراد، محبوب کی آنکھیں ہیں۔
[2] ساقی اگر اس ادا سے شراب پلاتا رہیگا تو تمام عارف مستقل شرابی بن جائیں گے۔
[illegible]
[3] شراب نوشی کا وقت دن چھپے کا ہے، دن کی شراب نوشی تباہ کر دیتی ہے۔
[4] اتنا بھی ہوش نہ رہے کہ سر کو قربان کرے یا پگڑی کو۔
[5] چونکہ صبح پر یہ بات روشن ہو گئی کہ آسمان کی محبت ناپائیدار ہے لہٰذا اس نے کامیابوں کے غرور پر قہقہہ لگایا۔

منؔ از رنگِ صلاح آندم بخونِ دل بشستم دست
میں نے نیکی کے رنگ سے دل کے خون سے اس وقت ہاتھ دھو
کہ چشم بادہ پیمایش صلا بر ہوشیاراں زد
جبکہ اس کی بادہ پیما آنکھ نے ہوشیاروں پر آوازہ کسا

کدام آہن دلش آموخت ایں آئینِ عیاری
کس، لوہے کے دل والے نے اس کو اس چالاکی کا طریقہ سکھایا ہے
کز اول چون برون آمد رہِ شب زندہ داراں زد
کہ جیسے ہی وہ باہر نکلا شب بیداروں پر اس نے ڈاکہ ڈالا

خیالِ شہسواراں پخت وشد ناگہ دلِ مسکیں
مسکین دل نے شہسواروں کا خیال پکایا، اور روانہ ہوگیا
خداوندا نگہدارش کہ بر قلبِ سواراں زد
اے خدا اس کی حفاظت فرما، سواروں کے بیچ پر حملہ آور ہوا ہے

منشؔ باخرقۂ پشمیں کجا اندر کمند آرم
اونی گدڑی کے ساتھ میں اس کو کیسے کمند میں پھنسا سکتا ہوں؟
زرہ موئے کہ مژگانش رہِ خنجر گذاراں زد
جو بالوں کی زرہ پہنے ہے، جس کی ہر پلک نے خنجر زنوں پر ڈاکہ ڈالا

نظرؔ بر قرعۂ توفیق ویمنِ دولتِ شاہ است
توفیق کے قرعہ، اور بادشاہ کی دولت کی برکت پر نظر ہے
بدہ کامِ دلِ عاشق کہ فالِ نیک بختاراں زد
عاشق کے دل کا مقصد پورا کر کہ اس نے نصیبے والوں کی فال نکالی ہے

شہنشاہِ مظفر فر شجاعِ ملک ودیں منصور
جو مظفر کی شان و شوکت والا، ملک اور دین کا شجاع، منصور ہے
کہ جودِ بیدریغش خندہ بر ابرِ بہاراں زد
جس کی بے روک ٹوک سخاوت نے ابرِ بہاری کی ہنسی اڑائی ہے

ازاں ساعت کہ جامِ مے بدستِ او مشرف شد
جس وقت سے کہ شراب کا جام اس کے ہاتھ سے مشرف ہوا
زمانہ ساغرِ شادی بیادِ میگساراں زد
زمانے نے خوشی کا ساغر، شرابیوں کی یاد پر اڑایا

زشمشیرِ سرافشانش ظفر آں روز بدرخشید
اس کی سروں کو کاٹنے والی تلوار کے ذریعہ فتحمندی اس دن چمکی
کہ چوں خورشیدِ انجم سوز تنہا بر ہزاراں زد
جبکہ ستاروں کو جلا دینے والے آفتاب کی طرح تنہا ہزاروں پر حملہ کیا

تعالی اللہ زہے ذاتے کہ تا از رنگِ ہستی یافت
سبحان اللہ، وہ ذات کیا ہی خوب ہے کہ اس نے جب سے وجود کا رنگ اختیار کیا ہے
صفائے جوہرِ پاکش دم از پرہیزگاراں زد
اس کے پاک جوہر کی صفائی نے پرہیزگاروں میں دم بھرا ہے

درآب و رنگِ رخسارش چو خوں خوردیم جاں دادیم
اس کے رخسار کے آب اور رنگ کی وجہ سے جب ہم نے خون پیا جان دیدی
چو نقشش دست داد اول رقم بر جاں سپاراں زد
جب اس کا نقش ظاہر ہوا ہے سب سے پہلے جاں نثاروں پر خط کھینچ دیا

دوامِ ملک و عمرِ او بخواہ از لطفِ حق حافظ
اے حافظ! حق کی مہربانی سے اس کے ملک اور عمر کی ہمیشگی چاہ
کہ چرخ ایں سکۂ دولت بنامِ شہسواراں زد
اس لیئے کہ آسمان نے اس حکومت کا سکہ شاہ سواروں کے نام پر بنایا ہے

سحر بلبل حکایت با صبا کرد
صبح کو، بلبل نے صبا سے کہا
کہ عشقِ گل بما دیدی چہا کرد
تو نے دیکھا، پھول کے عشق نے ہمارے ساتھ کیا کیا

غلامِ ہمتِ آں نازنینم
میں اس نازنین کی توجہ کا غلام ہوں
کہ کارِ خیر بے روی و ریا کرد
جس نے بے رو، اور ریا کے بدون کارِ خیر کیا

خوشش باد آں نسیمِ صبحگاہی
صبح کے وقت کی نسیم اس کے لیئے مبارک ہو
کہ دردِ شب نشیناں را دوا کرد
جس نے، شب نشینوں کے درد کی دوا کی

من از بیگانگاں ہرگز ننالم
میں بیگانوں کا، ہرگز شاکی نہیں ہوں
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد
اس لیئے کہ میرے ساتھ جو کچھ کیا اس آشنا نے کیا

---

۱ محبوب کی نگاہ نے جب ہوشیاروں پر آوازہ کسا تو میں نے نیکی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔
۲ رات کو جاگنے والوں پر ڈاکہ ڈالنا انتہائی سخت دلی اور چالاکی ہے۔
۳ محبوب شہسوار ہے اس پر حملہ کر کے رام کرنا آسان نہیں ہے۔
۴ میں گدڑی پوش اور وہ ریشمیں زرہ پہنے ہوئے ہے اس کی ہر پلک خنجر ہے
۵ یہاں سے شاہ مظفر شجاع الدین منصور کی تعریف کی طرف گریز کیا ہے۔
۶ جب سورج نکلتا ہے تو سب ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔
۷ ممدوح ہمیشہ سے نیک ہے۔
۸ اس کے کاموں میں ریاکاری کا شائبہ نہیں ہے۔

نقابِ گل کشید از زلفِ سنبل
سنبل کی زلف نے، پھول پر نقاب ڈالدیا
اگر بندِ قبائے غنچہ وا کرد
اگر غنچہ کی قبا کا بند کھولا

ازآں رنگ و رخم خوں در دل انداخت
اُس رنگ اور رُخ سے اس نے میرے دل میں خون ڈال دیا
ازآں گلشن بخارم مبتلا کرد
اس گلشن سے، مجھے کانٹوں میں مبتلا کر دیا

بہر سو بلبلِ بیدل در افغاں
بےدل، بلبل ہر جانب فریادی رہا
تنعّم درمیاں بادِ صبا کرد
بادِ صبا نے بیچ میں، عیش اڑائے

گر از سلطاں طمع کردم خطا بود
اگر میں نے بادشاہ سے توقع لگائی غلط تھی
ور از دلبر وفا جستم جفا کرد
اگر دلبر سے، وفا چاہی اُس نے ظلم کیا

وفا از خواجگانِ شہر با من
شہر کے سرداروں میں سے میرے ساتھ وفا
کمالِ دین و دولت بوالوفا کرد
دینؔ اور دولت کے کمال ابوالوفا نے کی

بشارت بر بکوئے مے فروشاں
مے فروشوں کے کوچہ میں خوشخبری لے جا
کہ حافظ توبہ از زہد و ریا کرد
کہ حافظ نے زہد، اور ریا سے توبہ کرلی

سرِ سودائے تو اندر سرِ ما میگردد
تیری محبت کا خیال ہمارے سر میں چکر لگاتا ہے
تو ببیں در سرِ شوریدہ چہا میگردد
تو دیکھ! پریشان سر میں کیا کچھ گذر رہا ہے

ہر کہ دل در سرِ چوگانِ سرِ زلفِ تو بست
جس نے تیری زلف کے بلّے سے دل وابستہ کردیا
لاجرم گوئے صفت بے سر و پا میگردد
لامحالہ گیند کی طرح بے سر اور پیر کے گھومتا ہے

گرچہ بیداد و جفا میکند ایں دلبرِ من
اگرچہ میرا یہ دلبر، ظلم کرتا ہے
ہمچناں در پئے آں دل بوفا میگردد
دل اسی طرح سے وفا کی امید میں اس کے پیچھے گھومتا ہے

از جفائے فلک و غصۂ دوراں صد بار
آسمان کے ظلم، اور زمانے کے رنج سے سو بار
بر تنم پیرہنِ صبر قبا میگردد
میرے جسم پر، صبر کا کرتہ قبا بن جاتا ہے

در نحیفی و نزاری تنِ بیچارۂ من
کمزوری اور لاغری میں میرا بیچارہ جسم
چوں ہلالیست کہ انگشت نما میگردد
چاند کی طرح ہے، جو انگشت نمائی کے قابل بنجاتا ہے

بلبلِ طبعِ من از فرقتِ گلزارِ رخش
اسکے رُخ کے گلزار کی جدائی کی وجہ سے میری طبیعت کی بلبل
دیر گاہست کہ بے برگ و نوا میگردد
کافی زمانہ ہوگیا ہے کہ بے سرو سامان چکر لگا رہی ہے

بہوادارئیت اے سرو قدِ لالہ عذار
اے سرو قد! لالہ رخسار، تیری محبت میں
بسکہ آشفتہ و سرگشتہ چو ما میگردد
بہت سے حیران اور پریشان ہیں جو ہماری طرح چکر لگا رہے ہیں

دلِ حافظ چو صبا بر سرِ کوئے تو مقیم
حافظ کا دل، صبا کی طرح تیرے کوچہ میں مقیم ہے
دردمند ست و بہ امیدِ دوا میگردد
درد مند ہے اور دوا کی امید میں گھوم رہا ہے

۱ یہ شعر اور اگلا شعر اُس آشنا کے ظلم کا بیان ہے یعنی اگر وہ کبھی بات کرتا ہے تو چہرے پر زلف کا نقاب ڈال لیتا ہے۔
۲ عاشق پریشان ہے دوسرے مزے اڑا رہے ہیں۔
۳ کمال الدین ابوالوفا حافظ کا ممدوح ہے۔
۴ محبوب کا خیال ہمارے سر میں سمایا ہے اور طرح طرح سے ستا رہا ہے۔
۵ جو تیری زلف سے دل وابستہ کرے گا وہ گیند کی طرح بے سر و پا ہو جائے گا۔
۶ یعنی دامنِ صبر چاک ہو جاتا ہے۔
۷ جس طرح پہلی رات کے چاند کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اسی طرح لاغری کی وجہ سے میری طرف اٹھتی ہیں۔

ساقی[1] اندر قدحم باز مئے گلگوں کرد
ساقی نے میرے پیالے میں پھر گلگوں شراب بھر دی

درمئے کہنۂ دیرینۂ ما افیوں کرد
ہماری بہت پرانی شراب میں افیون ملا دی

دیگراں را مئے دیرینہ برابر میداد
دوسروں کو پرانی شراب برابر دے رہا تھا

بمن دل شدہ چوں باز رسید افزوں کرد
جب مجھ دل گم شدہ تک پہونچا تو اس میں اضافہ کر دیا

ایں[2] قدح ہوشِ مرا جملہ بیکبار ببرد
یہ پیالہ، میرے ہوش کو یکبارگی اڑا لے گیا

ایں مے ایں بار مرا پاک ز خود بیروں کرد
اس شراب نے اس بار مجھے اپنے سے بالکل باہر کر دیا

تو مپندار کہ در ساغر و پیمانۂ ما
تو یہ نہ سمجھ، کہ ہمارے ساغر اور پیمانہ میں

بتِ سنگیں دلِ من خونِ جگر اکنوں کرد
میرے پتھر دل محبوب نے خونِ جگر اب ملایا ہے

آنچہ[3] در سینۂ مجروحِ منش دل خوانی
میرے زخمی سینہ میں وہ چیز جسکو تو دل سمجھتا ہے

شورِ عشق ست کہ با خونِ جگر معجوں کرد
وہ عشق کا شور ہے جو خونِ جگر کے ساتھ معجون بنا ہوا ہے

روزِ اول[4] کہ بہ استاد بسپردند مرا
پہلے دن جب انہوں نے مجھے استاد کے سپرد کیا

دیگراں را خرد آموخت مرا مجنوں کرد
اس نے دوسروں کو عقل سکھائی، مجھے مجنوں بنا دیا

دلِ حافظ کہ ز افسونِ لبت ایمن بود
حافظ کا دل، جو تیرے ہونٹ کے منتر سے محفوظ تھا

چشمِ جادوئے تواش بارِ دگر افسوں کرد
تیری جادو کی آنکھ نے اس پر دوبارہ جادو کر دیا

سپیدہ[5] دم کہ صبا بوئے دوستاں گیرد
صبح کی پو پھٹتے وقت جبکہ صبا دوستوں کی خوشبو حاصل کر لیتی ہے

چمن ز لطفِ ہوا نکہتِ جناں گیرد
چمن ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے جنتوں کی خوشبو پا لیتا ہے

نوائے چنگ بدانساں زند صلائے صبوح
چنگ کی آواز، صبوحی شراب کی دعوت اس طور پر دیتی ہے

کہ پیرِ صومعہ راہِ درِ مغاں گیرد
کہ عبادت خانہ کا پیر مغوں کے دروازہ کا راستہ اختیار کرتا ہے

شہِ سپہر[6] چو زریں سپر کشد بر دوش
جب آسمان کا بادشاہ کندھے پر زریں ڈھال دھر لیتا ہے

بہ تیغِ صبح و عمودِ افق جہاں گیرد
صبح کی تلوار اور افق کے گرز سے دنیا پر قبضہ کر لیتا ہے

برغمِ[7] زاغِ سیہ شاہبازِ سدرہ نشیں
سدرہ پر بیٹھنے والا شہباز سیاہ کوے کے منشار کے خلاف

دریں مقرنسِ زنگاری آشیاں گیرد
اس زنگاری بلند قلعہ میں آشیانہ بنا لیتا ہے

بہ بزمگاہِ چمن رو کہ خوش تماشائیست
چمن کی سیر گاہ میں جا، بہترین منظر ہے

کہ لالہ[8] کاسۂ نسرین و ارغواں گیرد
کہ لالہ نسرین، اور ارغواں کا پیالہ اٹھائے ہے

چہ حالتے ست کہ گل در سحر نماید رخ
کیا حالت ہے، کہ پھول صبح کو رونمائی کرتا ہے

چہ آتشے ست کہ در مرغِ صبح خواں گیرد
کیا آگ ہے، جو صبح کو چہکنے والے پرند میں لگتی ہے

چہ پرتو لیست کہ نورِ چراغِ صبح دہد
کیا روشنی ہے، جو صبح کے چراغ کا نور دیتا ہے

چہ شعلہ الیست کہ در شمعِ آسماں گیرد
کیا شعلہ ہے، جو آسمان کی شمع میں لگتا ہے

خیالِ[9] شاہی اگر نیست در سرِ حافظ
اگر حافظ کے سر میں، شاہی کا خیال نہیں ہے

چرا بہ تیغِ سخن عرصۂ جہاں گیرد
تو کیوں کلام کی تلوار سے دنیا کا میدان فتح کرتا ہے

---

۱ شراب کے نشہ کو دوبالا کرنیکے لئے اس میں افیون ملادی جاتی ہے۔
۲ اس پیالے نے مجھے بالکل بیخود اور مدہوش بنادیا۔
۳ مراد لیا ہے عشق اور خونِ جگر کی معجونِ مرکب ہے۔
۴ استادِ ازل نے دوسروں کو عقل اور ہمیں جنون کی تعلیم دی۔
۵ صبا جب دوستوں کی خوشبو لیکر چلتی ہے چمن جنت بن جاتا ہے۔
۶ زریں سپر یعنی سورج۔
۷ زاغِ سیہ سے رات اور شاہباز سے دن مراد ہے۔ مقرنسِ زنگاری نیلے رنگ کا بلند قلعہ یعنی آسمان۔
۸ لالا اپنے ہاتھ میں نسرین اور ارغوان کا ساغر تھامے ہے۔
۹ حافظ اپنے کلام کے ذریعہ دنیا پر بادشاہت کا سکہ جمانا چاہتا ہے۔

شاہداں گر دلبری زیں ساں کنند
معشوق، اگر اس طرح دلبری کریں گے

زاہداں را رخنہ در ایماں کنند
زاہدوں کے ایمان میں، خلل ڈالدیں گے

ہر کجا آں شاخِ نرگس بشگفد
جہاں کہیں، وہ نرگس کی شاخ کھلتی ہے

گلرخانش دیدہ نرگسداں کنند
گلرخ، اپنی آنکھ کو اس کے گئے نرگس دان بناتے ہیں

یارِ ما چوں سازد آہنگِ سماع
میرا یار، جب سماع کا ارادہ کرتا ہے

قدسیاں در عرش دست افشاں کنند
فرشتے عرش پر، رقص کرنے لگتے ہیں

رُخ نماید آفتابِ دولتت
تیری دولت کا آفتاب، طلوع ہوگا

گر چو صبحت آئنہ رخشاں کنند
اگر صبح کی طرح، تیرا آئینہ روشن کردیں

مردمِ چشمم بخوں آغشتہ شد
میری آنکھ کی اپتلی، خون میں آلودہ ہوگئی

از کجا ایں ظلم بر انساں کنند
یہ ظلم انسان پر، کہاں سے کرتے ہیں

عاشقاں را بر سرِ خود حکم نیست
عاشقوں کو اپنے اوپر، اختیار نہیں ہے

ہر چہ فرمانِ تو باشد آں کنند
جو تیرا حکم ہوتا ہے، وہ کرتے ہیں

پیشِ چشمم کمتر ست از قطرۂ
میری نظر میں، ایک قطرے سے بھی کم ہیں

آں حکایتہا کہ از طوفاں کنند
وہ قصے، جو طوفان کے بیان کرتے ہیں

کُن نگاہے از دو چشمت تا رواں
اپنی دونوں آنکھوں سے ایک نظر ڈالدے تاکہ جلد

مرگ را بر بیدلاں آساں کنند
موت کو، بیدلوں پر آسان کردیں

عیدِ رخسارِ تو کو تا عاشقاں
تیرے رخسار کی عید کہاں ہے، تاکہ عاشق

در وفایت جان و دل قرباں کنند
تیری وفاداری میں جان اور دل کو قربان کردیں

ایجوانِ سرو قد گوئے بزن
اے سرو قد، نوجوان! گیند مار

پیش ازاں کز قامتت چوگاں کنند
اس سے پہلے، کہ تیرا قد بلے کی طرح کردیں

خوش برآی از غصہ ایدل کاہلِ راز
اے دل! خوش خوش رنج سے نکل آ، اسلیے کہ راز والے

عیش خوش در بوتۂ ہجراں کنند
فراق کی کٹھالی میں عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں

سرمکش حافظ ز آہِ نیم شب
اے حافظ! آدھی رات کی آہ سے سرتابی نہ کر

تا چو صبحت آئینہ رخشاں کنند
تاکہ صبح کی طرح، تیرے آئینہ کو روشن کردیں

شرابِ بیغش و ساقیِ خوش دو دامِ رہند
خالص شراب اور حسین ساقی، راستہ کے ایسے دو جال ہیں

کہ زیرکانِ جہاں از کمندِ شاں نرہند
کہ دنیا کے عقلمند ان کی کمند سے رہائی نہیں پاتے ہیں

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
میں اگرچہ عاشق اور رند اور مست اور نامہ سیاہ ہوں

ہزار شکر کہ یارانِ شہر بیگنہند
ہزار شکر ہے کہ شہر کے دوست بے گناہ ہیں

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کایں قوم
عشق کے فقیروں کو حقیر نہ سمجھ اس لیے کہ یہ لوگ

شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند
بے پٹکے کے شاہ، اور بے تاج کے بادشاہ ہیں

ا شعر
بزلف گوی کہ آئین دلبری بگذار
بغمزہ گوی کہ قلبِ ستمگری بشکن

۲ میرے معشوق کو دوسرے حسین آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔
۳ عاشق خود بے اختیار اور معشوق کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔
۴ طوفانِ نوح میری نظروں میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔
۵ جوانی میں کوئی کام کرلے بڑھاپا بیکاری کا وقت ہے۔
۶ نیم شبی آہ سے دل کا آئینہ صاف ہوتا ہے۔
۷ یہ زہد کے دعوے داروں پر لطیف طنز ہے۔
۸ شعر
خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

جفانہ شیوۂ درویشی است و راہروی
درویشی، اور سلوک کا شیوہ ظلم نہیں ہے
بیار بادہ کہ ایں سالکاں نہ مردِ رہند
شراب لا، یہ سالک مردِ راہ نہیں ہیں

مکن کہ کوکبۂ دلبری شکستہ شود
ایسا نہ کر، ورنہ دلبری کی شان و شوکت ختم ہو جائیگی
چو چاکراں بگریزند و بندگاں بجہند
جب خادم بھاگ جائیں گے، اور غلام مفرور ہو جائیں گے

غلامِ ہمّتِ دُردی کشانِ یکرنگم
میں یکرنگ، تلچھٹ پینے والوں کی توجہ کا غلام ہوں
نہ آں گروہ کہ ازرق لباس و دل سیہند
نہ کہ اس گروہ کا، جو نیلے لباس والے اور سیاہ دل ہیں

قدم منہ بخرابات جز بشرطِ ادب
ادب کے طریقہ کے بغیر شراب خانہ میں قدم نہ دھر
کہ ساکنانِ درش محرمانِ پادشہند
اس لئے کہ اس کے در کے باشندے بادشاہ کے خواص ہیں

بہوش باش کہ ہنگامِ بادِ استغنا
ہوش میں رہ، کہ بے نیازی کی ہوا کے وقت
ہزار خرمنِ طاعت بہ نیم جو بدہند
اطاعت کے ہزار کھلیانوں کو آدھے جو میں دے بیٹھتے ہیں

جنابِ عشق بلندست ہمّتے حافظ
عشق کی بارگاہ اونچی ہے، حافظ ہمت بلند رکھ
کہ عاشقاں رہِ بے ہمّتاں بخود ندہند
اس لیے کہ عاشق، بے ہمتوں کا راستہ نہیں اپناتے

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
معشوق وہ نہیں ہے جو زلف اور کمر رکھتا ہو
بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد
اس کے چہرے کا غلام بن، جو کوئی آن رکھتا ہو

شیوۂ حور و پری خوب و لطیفست ولے
حور اور پری کا شیوہ، اچھا اور پاکیزہ ہے لیکن
خوبی آنست و لطافت کہ فلانے دارد
خوبی اور لطافت وہ ہے، جو فلاں رکھتا ہے

چشمۂ چشمِ مرا اے گلِ خنداں دریاب
اے ہنستے پھول! میری آنکھ کے چشمہ پر پہونچ
کہ بامیدِ تو خوش آبِ روانے دارد
کیونکہ تیری امید میں بہت اچھا جاری پانی رکھتا ہے

مرغِ زیرک نشود در چمنش نغمہ سرائے
ہوشیار پرند، اس کے چمن میں نہیں گاتا
ہر بہارے کہ بدنبال خزانے دارد
ہر وہ بہار جو اپنے پیچھے ایک خزاں رکھتی ہو

خمِ ابروئے تو در صنعتِ تیر اندازی
تیر اندازی کے ہنر میں، تیرے ابرو کا خم
بستد از دستِ ہر آنکس کہ کمانے دارد
ہر کمان دار کے ہاتھ سے کمان چھین لیتا ہے

گوئے خوبی کہ برد از تو کہ خورشید آنجا
تجھ سے خوبی کی گیند کون جیت سکتا ہے، کیونکہ آفتاب بھی اس جگہ
نہ سوار یست کہ در دست عنانے دارد
ایسا سوار نہیں ہے، جو ہاتھ میں باگ رکھتا ہو

دلنشیں شد سخنم تا تو قبولش کردی
جب سے تو نے اس کو پسند کیا ہے، میرا کلام دلنشیں ہو گیا ہے
آرے آرے سخنِ عشق نشانے دارد
ہاں، ہاں، عشق کی بات ایک اثر رکھتی ہے

در رہِ عشق نشد کس بیقیں محرمِ راز
عشق کے راستہ میں کوئی شخص یقین کے ساتھ محرمِ راز نہیں بنا
ہر کسے بر حسبِ فہم گمانے دارد
ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق ایک گمان رکھتا ہے

باخرابات نشیناں ز کرامات ملاف
خراباتیوں کے سامنے، کرامات کی ڈینگیں نہ مار
ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد
ہر بات ایک مقام، اور ہر نکتہ کوئی موقع رکھتا ہے

۲ جنابِ باری کے استغنار کے وقت ہزاروں سال کی عبادت بھی ہیچ ہے۔

۶ گل اور آب کا جوڑ کیا خوب ہے۔

۷ دنیا کی ہر لذت ناپائیدار ہے اس پر عقلمند زیادہ مسرور نہیں ہوتا ہے

۸ جبکہ سورج بے لگام گھوڑے پر سوار ہے تجھ سے چوگان میں کیسے بازی جیت سکتا ہے۔

۱۰ راہِ عشق کا کسی کو پتہ نہیں چلا، ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق کچھ سمجھتا ہے۔

مردمِ[1] دیدہ تیمّم کند از خاکِ درت
آنکھ کی پتلی، تیرے در کی خاک سے تیمّم کرتی ہے

گرچہ در خانۂ خود آبِ روانے دارد
اگرچہ خود اپنے گھر میں، رواں پانی رکھتی ہے

مدّعی گو برو و نکتہ بحافظ مفروش
مدّعی کو کہدو، چلا جا، اور حافظ کے سامنے نکتہ بازی نہ کر

کلکِ ما نیز زبانے و بیانے دارد
ہمارا قلم بھی کوئی زبان اور کچھ بیان رکھتا ہے

شرابِ[2] و عیشِ نہاں چیست کارِ بے بنیاد
خفیہ شراب نوشی، اور عیش کیا ہے؟ بے بنیاد کام ہے

زدیم در صفِ رنداں و ہرچہ بادا باد
ہم نے اپنے آپ کو رندوں کی صف میں لیجا ڈالا جو ہونا ہے ہو

گرہ[3] ز دل بکشا و ز سپہر یاد مکن
دل کی گرہ کھول، اور آسمان کی یاد نہ کر

کہ فکرِ ہیچ مہندس چنیں گرہ نکشاد
اس لئے کہ کسی نجومی کی فکر نے ایسی گرہ نہیں کھولی

ز[4] انقلابِ زمانہ عجب مدار کہ چرخ
زمانہ کے انقلاب سے تعجب نہ کر، اس لئے کہ آسمان کو

ازیں فسانہ و افسوں ہزار دار دیاد
اس قسم کے ہزاروں افسانے اور منتر یاد ہیں

قدح[5] بشرطِ ادب گیر زانکہ ترکیبش
پیالہ ادب سے تھام، اس لئے کہ اس کی ترکیب

ز کاسۂ سرِ جمشید و بہمن ست و قباد
جمشید، اور بہمن، اور کیقباد کے سر کی کھوپڑی سے ہے

کہ آگہ است کہ جمشید و کے کجا رفتند
کون جانتا ہے کہ جمشید، اور کیقباد کہاں گئے؟

کہ واقف است کہ چوں رفت تختِ جم برباد
کون جانتا ہے کہ سلیمان کا تخت کس طرح برباد گیا ہے؟

ز حسرتِ[6] لبِ شیریں ہنوز می بینم
میں دیکھتا ہوں کہ شیریں کے ہونٹوں کی حسرت میں ابتک

کہ لالہ می دمد از خاکِ تربتِ فرہاد
فرہاد کی قبر کی مٹی سے، لالہ اُگتا ہے

مگر[7] کہ لالہ بدانست بیوفائیِ دہر
شاید لالہ نے زمانے کی بیوفائی کو سمجھ لیا ہے

کہ تا بزاد و بشد جامِ مے ز کف ننہاد
اس لیے کہ جب سے پیدا ہوا اور جب تک مرا ہاتھ سے شراب کا پیالہ نہ دھرا

نمی‌دہند[8] اجازت مرا بسیر و سفر
مجھے سیر اور سفر کی اجازت نہیں دیتے ہیں

نسیمِ خاکِ مصلیٰ و آبِ رکنا باد
مصلیٰ کی خاک کی نسیم، اور رکنا باد کا پانی

بیا بیا کہ زمانے ز مے خراب شویم
آآ، تاکہ تھوڑی دیر کے لئے شراب سے مست ہو جائیں

مگر رسیم بگنجے دریں خراب آباد
شاید اس خراب آباد میں کسی خزانہ تک پہونچ جائیں

بنوش بادۂ صافی بنالۂ دف و چنگ
دف اور چنگ کے تال پر صاف شراب پی

کہ بستہ اند بر ابریشم[9] طرب دل شاد
کہ خوش دل کو، مستی نے ابریشم سے وابستہ کیا ہے

ز دست اگر ننہم جامِ مے مکن عیبم
اگر میں شراب کا جام ہاتھ سے نہ چھوڑوں، مجھ عیب نہ لگا

کہ پاک تر بہ از ینم حریف دست نداد
اس لئے کہ اس سے پاک دوست، کبھی میرے ہاتھ نہیں لگا

رسید[10] در غمِ عشقش بہ حافظ آنچہ رسید
حافظ پر اس کے عشق کے غم میں، جو گزرا، سو گزرا

کہ چشمِ زخمِ زمانہ بعاشقاں مرساد
خدا کرے، زمانہ کی نظرِ بد، عاشقوں کو نہ پہونچائے

---

[1] اگرچہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم درست نہیں لیکن آنکھوں سے خود چشمے جاری ہیں اور وہ محبوب کے در کی خاک سے تیمّم کرتی ہیں۔

[2] خفیہ شراب نوشی بیکار ہے لہٰذا ہم رندوں میں شامل ہو گئے ہیں۔

[3] آسمان کے مظالم فراموش کر دے اور دل میں گرہ نہ ڈال یہ گرہ کسی نجومی سے بھی نہیں کھلی ہے۔

[4] زمانہ ناقابلِ بھروسہ ہے سینکڑوں کو مٹایا ہے جن کے افسانے اُس کو یاد ہیں۔

[5] کاسۂ شراب سینکڑوں بڑے انسانوں کی سر کی مٹی سے بنا ہے، اس کو ادب و احترام سے ہاتھ میں لینا چاہیے۔

[6] فرہاد کی قبر سے لالہ شیریں کے ہونٹوں کے شوق میں اُگ رہا ہے۔

[7] لالہ کا جام بکف ہونا اسی لیے ہے، کہ وہ غمِ دنیا سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔

[8] حافظ کو مصلیٰ اور رکنا باد اس قدر پسند تھے کہ دوسرے ملکوں کی دعوت کو انکی محبت میں ٹھکراتا رہا۔

[9] چنگ میں ریشم کے تار باندھے جاتے تھے

صوفی نہاد دام و سرِ حقّہ باز کرد
صوفی نے جال بچھایا، اور ڈبہ کھولا
بنیادِ مکر با فلکِ حقّہ باز کرد
شعبدہ باز، آسمان کے ساتھ مکر کی بنیاد ڈالی

بازیِ چرخ بشکندش بیضہ در کلاہ
آسمان بے بازی گری کرنا، اس کی مکاری ظاہر کردے گا
زیرا کہ عرضِ شعبدہ با اہلِ راز کرد
اس لیے کہ اس نے شعبدہ، راز دار پر پیش کیا ہے

ساقی بیا کہ شاہدِ رعنائے صوفیاں
اے ساقی آجا، صوفیوں کا چالاک معشوق
دیگر بجلوہ آمد و آغازِ ناز کرد
پھر نمودار ہوا ہے، اور ناز شروع کر دیا ہے

ایں مطرب از کجاست کہ سازِ عراق ساخت
یہ مطرب کہاں کا ہے؟ کہ عراق کا ساز چھیڑا ہے
وآہنگِ بازگشت زراہِ حجاز کرد
اور بازگشت کا ارادہ، حجاز کے راستہ سے کیا ہے

اے دل بیا کہ ما بہ پناہِ خدا رویم
اے دل آجا، تاکہ ہم خدا کی پناہ میں چلیں
زانچہ آستینِ کوتہ و دستِ دراز کرد
ان کارناموں سے جو کوتہ آستین اور دست دراز نے کیے ہیں

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت
تصنع نہ برت، اس لیے کہ جس نے سچی محبت نہیں کی
عشقش بروئے دل درِ محنت فراز کرد
عشق نے اس کے دل پر محنت کا دروازہ کھول دیا ہے

اے کبکِ خوشخرام کہ خوش میروی بناز
اے خوش رفتار چکورا جو ناز سے خوش خوش جا رہی ہے
غرّہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد
دھوکا نہ کھا کہ عبادتگزار کی بلی نے نماز پڑھی ہے

فردا کہ پیشگاہِ حقیقت شود پدید
کل، جبکہ حقیقت کا منظر ظاہر ہوگا
شرمندہ رہروے کہ نظر بر مجاز کرد
وہ مسافر شرمندہ ہوگا، جس نے مجاز پر نظر کی ہے

حافظ مکن ملامتِ رنداں کہ در ازل
اے حافظ رندوں کو ملامت نہ کر اس لئے کہ ازل میں
مارا خدا ز زہد و ریا بے نیاز کرد
ہمیں خدا نے زہد اور ریا سے بے نیاز کر دیا ہے

صوفی ار بادہ باندازہ خورد نوشش باد
اگر صوفی شراب اندازے کے مطابق پیئے تو اس کی نوش جان ہو
ورنہ اندیشۂ ایں کار فراموشش باد
ورنہ اس کام کا خیال بھی اس سے فراموش ہو

آنکہ یک جرعہ مے از دست تواند دادن
جو شخص شراب کا ایک گھونٹ ہاتھ سے دے سکے
دست با شاہدِ مقصود در آغوشش باد
اس کا ہاتھ مقصد کے معشوق سے ہمکنار ہو

کیست آں شاہ سوارِ خوش و خرّم کہ دو کون
وہ خوش و خرم شہسوار کون ہے؟ خدا کرے دونوں جہان
بستہ بندِ قبا و علم دوشش باد
اس کی قبا کے بند اور کندھے کے جھنڈے سے وابستہ ہوں

نرگسِ مست نوازش کنِ مردم دارش
اس کی مست نرگس، نوازش کرنے والی، مردم نواز
خونِ عاشق بخورد گر بقدح نوشش باد
اگر پیالے سے عاشق کا خون پئے تو اس کے لیے نوش جان ہو

چشمم از آئینہ دارانِ خط و خالش گشت
میری آنکھ اس کے خط و خال کے آئینہ داروں میں ہو گئی ہے
لبم از بوسہ ربایانِ لبِ نوشش باد
خدا کرے میرا ہونٹ اس کے شیریں ہونٹ کے بوسہ لینے والوں میں ہو

گرچہ از کبر سخن با منِ درویش نکرد
اگرچہ تکبر کی وجہ سے اس نے مجھ فقیر سے بات نہ کی
جاں فدائے شکریں پستۂ خاموشش باد
اس کے شکر میں پٹے ہوئے خاموش پستہ پر جان قربان ہو

۱؎ مشہور ہے کہ حافظ کے دور میں عماد فقیہ تھے ان کی ایک بلی تھی جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ ان کی کرامت سے ان کی بلی نماز پڑھتی ہے اس دور کا بادشاہ، شاہِ شجاع ان فقیہ کا معتقد تھا۔ حافظ نے اس غزل میں ان پر طنز کیے ہیں جو شاہِ شجاع کو ناگوار گذرے اور حافظ کو طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ حقہ باز بازی گر کا ڈبہ جس میں سے وہ عجیب و غریب چیزیں نکال کر دکھا دیتا ہے۔

۲؎ عراق اور حجاز باجے کے دو پردوں کا نام بھی ہے۔

۳؎ صوفی کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایک خاص انداز سے شراب نوشی کرے ورنہ اس کام کو بھول جائے۔

۴؎ ایک گھونٹ شراب کی بخشش بھی بڑا کارِ خیر ہے۔

۵؎ اس کی آنکھیں اگر عاشق کا خون بھی پئیں تو خدا کرے وہ ان کے لئے شہد بن جائے۔

۶؎ میری آنکھوں میں ہر وقت اس کا تصور ہے خدا کرے ہونٹوں کا بوسہ بھی میسر آجائے۔

شاہِ ترکاں سخنِ مدعیاں می شنود
ترکوں کا بادشاہ، رقیبوں کی بات سنتا ہے

شرم از مظلمۂ خونِ سیاوشش باد
سیاوش کے خون کے ظلم سے اس کو شرم آئے

پیرِ ما گفت خطا بر قلمِ صنع نرفت
ہمارے پیر نے کہا، قدرت کے قلم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے

آفریں بر نظرِ پاکِ خطاپوشش باد
اس کی خطاپوشی، پاک نظر کو شاباش ہو

بغلامیِ تو مشہورِ جہاں شد حافظ
حافظ، تیری غلامی سے دنیا میں مشہور ہوگیا ہے

حلقۂ بندگیِ زلفِ تو در گوشش باد
تیری زلف کی غلامی کا حلقہ، اس کے کان میں رہے

صبا وقتِ سحر بوئے ز زلفِ یار می آورد
صبح کے وقت، صبا یار کی زلف کی خوشبو لا رہی تھی

دلِ شوریدۂ ما را ز نو در کار می آورد
ہمارے دیوانے دل کو، از سرِ نو کام میں لگا رہی تھی

ز رشکِ تارِ زلفِ یار بر بادِ سحر میداد
یار کی زلف کے بال کے رشک میں، صبح ہوا کو دے رہی تھی

صبا ہر نافۂ مشکے کہ از تاتار می آورد
صبا، مشک کا ہر وہ نافہ جو تاتار سے لا رہی تھی

فروغِ ماہ میدیدم ز بامِ قصرِ او روشن
ہم اس کے مکان کے بالاخانہ سے چاند کے فروغ کو روشن دیکھتا تھا

کہ روی از شرمِ آں خورشید بر دیوار می آورد
جس کی شرم کی وجہ سے سورج، دیوار میں منہ چھپا رہا تھا

عفی اللہ چینِ ابرویش اگرچہ ناتوانم کرد
اس کے ابرو کی شکن کو خدا بخشے، اگرچہ اس نے مجھے کمزور بنا دیا ہے

برحمت ہم پیامے بر سرِ بیمار می آورد
رحمت کا ایک پیغام بھی وہی بیمار کے سرہانے لا رہی تھی

سراسر بخششِ جاناں طریقِ لطف و احساں بود
محبوب کی بخشش سراسر لطف اور احسان کا طریقہ تھا

اگر تسبیح میفرمود اگر زنار می آورد
خواہ تسبیح کا حکم فرماتا تھا، خواہ زنار لاتا تھا

من آں شاخِ صنوبر را ز باغِ سینہ بر کندم
میں نے سینہ کے باغ سے اس صنوبر کی شاخ کو اکھاڑ پھینکا

کہ ہر گُل کز غمش بشگفت محنت بار می آورد
اس لئے کہ اس کے غم کا جو پھول کھلا رنج کا پھل لاتا تھا

ز بیمِ غارتِ چشمش دلِ خونیں رہا کردم
اس کی آنکھوں کی غارت گری کے ڈر سے میں نے خون آلود دل کو چھوڑ دیا

ولے میریخت خوں در رہ بدیں ہنجار می آورد
لیکن وہ اس کو اس طریقہ سے لاتا تھا کہ راستہ میں خون ٹپکتا تھا

خوش آں وقت و خوش آں ساعت کہ آں زلف گرہ بندش
وہ وقت اور گھڑی کسقدر اچھی تھی کہ اس کی گرہ بند زلف

بدزدیدے چناں دلہا کہ خصم اقرار می آورد
دلوں کو اس طرح چراتی تھی کہ دشمن بھی اعتراف کر لیتا تھا

بقولِ مطرب و ساقی بروں رفتم گہ و بیگہ
مطرب اور ساقی کے کہنے پر میں وقت بے وقت ایسی جگہ بھی نکل گیا

کزاں راہِ گراں قاصد خبر دشوار می آورد
کہ اس دشوار راستہ سے قاصد بھی مشکل سے خبر لاتا تھا

عجب میداشتم دیشب ز حافظ جام و پیمانہ
کل رات، حافظ کے جام اور پیمانہ پر مجھے تعجب ہو رہا تھا

ولے منعش نمیکردم کہ صوفی وار می آورد
لیکن میں اس کو منع نہ کرتا تھا، کیونکہ وہ صوفیانہ طریقہ پر لاتا تھا

صبا بہ تہنیتِ پیرِ میفروش آمد
مے فروش پیر کو مبارک باد دینے، صبا آئی

کہ موسمِ طرب و عیش و ناز و نوش آمد
کیونکہ مستی، عیش، ناز، اور پینے کا زمانہ آگیا

دیوانِ حافظ مترجم

؎ کاؤس، شاہِ ایران کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا اس کا نام سیاوش رکھا گیا۔ لیکن نجومیوں نے اس کو منحوس قرار دیا، بادشاہ نے اسکو قلعہ سے نکالدیا تو اسکو رستم نے پال لیا جوان ہونے پر کاؤس کو وہ پسند آیا تو کاؤس نے اس کو قلعہ میں بلالیا وہاں اس پر کاؤس کی ایک بیوی عاشق ہوگئی اور اس نے اس کو پھسلانا چاہا لیکن سیاوش کی شرافت آڑے آئی اس پر کاؤس کی بیوی نے انتقام لینے کے لئے سیاوش پر تہمت رکھدی اور وہ کاؤس کی نگاہ میں بھی مجرم ٹھہرا وہ اپنی برأت کے لئے دہکتی آگ میں کود گیا اور صحیح وسالم باہر آگیا لیکن وہ کاؤس سے ناخوش ہوگیا۔ افراسیاب جو کاؤس کا حریف تھا اس نے سیاوش کو بلا بھیجا اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی لیکن وہاں بھی وہ سازش کا شکار ہوگیا اور افراسیاب کے حکم سے بے گناہ قتل کر دیا گیا۔ اب خونِ سیاوش کے معنی بے گناہ قتل کے آنے لگے ہیں۔

؎ ہمارا پیر ہماری غلطیوں کو قلمِ تقدیر کے ماتحت مانتا ہے لہذا درگذر کرتا ہے۔ ؎۲ صبا ملکِ تاتار سے مشک لاتی ہے۔ مگر معشوق کی زلفوں کی خوشبو پر رشک کر کے اس مشک کو بادِ سحر پر پھینک دیتی ہے۔ ؎۳ محبوب کی چینِ ابرو کا ہم پر ظلم بھی ہے اور کرم بھی۔ ؎۵ اس کی زلف کی گرہ

موودار بانی کا مخالفوں کو بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ؎ صبا نے مے فروش کو خوشخبری دیدی ہے کہ اب موسمِ بہار آگیا ہے جو شراب نوشی کا موسم ہے۔

ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ کشا[1]
صبا مسیح کے سانس والی اور ہوا نافہ کھولنے والی ہو گئی

درخت سبز شد و مرغ در خروش آمد
درخت سبز ہو گئے، اور پرندے شور کرنے لگے

تنورِ لالہ چناں بر فروخت بادِ بہار[2]
بادِ بہاری نے لالہ کے تنور کو اس طرح روشن کر دیا

کہ غنچہ غرقِ عرق گشت و گل بجوش آمد
کہ غنچہ پسینے میں ڈوب گیا، اور پھول جوش میں آگیا

بگوشِ ہوش نیوش از من و بعشرت کوش[3]
میری نصیحت ہوش کے کان سے سن لے اور عیش کی کوشش کر

کہ ایں سخن سحر از ہاتفم بگوش آمد
اس لیے کہ یہ بات صبح کے وقت غیبی فرشتے سے میرے کان میں پڑی ہے

ز فکرِ تفرقہ باز آی تا شوی مجموع[4]
تفرقہ کے خیال سے باز آجا تاکہ تو مطمئن ہو جائے

بحکمِ آنکہ چو شد اہرمن سروش آمد
اس لیے کہ جب شیطان گیا فرشتہ آیا

ز مرغِ صبح ندانم کہ سوسنِ آزاد[5]
مجھے معلوم نہیں کہ صبح کے پرندے سے آزاد سوسن نے

چہ گوش کرد کہ بادہ زباں خموش آمد
کیا سن لیا کہ دس زبانوں کے باوجود چپ رہی

چہ جائے صحبتِ نامحرم ست مجلسِ انس[6]
محبت کی مجلس، نامحرم کی صحبت کی جگہ نہیں ہے

سرِ پیالہ بپوشاں کہ خرقہ پوش آمد
پیالہ ڈھانپ، کہ گدڑی پہننے والا آگیا

بگویمت سخن خوش بیا و بادہ بنوش
میں تجھ سے پیاری بات کہتا ہوں آ اور شراب پی

کہ زاہد از برِ ما رفت و بادہ نوش آمد
اس لیے کہ زاہد ہمارے پاس سے گیا اور شراب نوش آگیا

ز خانقاہ بمیخانہ می رود حافظ
حافظ، خانقاہ سے میخانہ کو جاتا ہے۔

مگر ز مستی زہد و ریا بہوش آمد
شاید، زہد اور ریا کی مستی سے ہوش میں آگیا

صورتِ خوبت نگارا خوش بہ آئیں بستہ اند
اے معشوق تیری حسین صورت، بہترین زیبائش سے بنائی ہے

گوئیا نقشِ لبت از جانِ شیریں بستہ اند
گویا تیرے ہونٹ کی صورت، شیریں جان سے بنائی ہے

از برائے مقدمِ خیلِ خیالت مردماں[8]
تیرے خیالات کی جماعت کی پیشوائی کے لیے پتلیوں نے

ز اشکِ رنگیں در دیارِ دیدہ آئیں بستہ اند
رنگین آنسوؤں سے آنکھ کے وطن میں زیبائش کی ہے

کارِ زلفِ تست عطاری و مشک افشانی
عطاری، اور مشک افشانی تیری زلف کا کام ہے

مصلحت را تہمتے بر نافۂ چیں بستہ اند
مصلحتاً چین کے نافہ پر تہمت باندھی ہے

یارب آں رویست و در پیرامنش درہائے گوش[9]
اے خدا وہ ایک چہرہ ہے اور اس کے اطراف میں کان کے موتی

یا بگردِ ماہِ تاباں عقدِ پرویں بستہ اند
یا روشن چاند کے چاروں طرف ثریا کا ہار باندھا ہے

نقش بندانِ خطا از خطِ سبزِ عارضت[10]
خطا کے نقاشوں نے، تیرے رخسار کے سبز خط سے

سائبانِ گردِ عنبر گردِ نسریں بستہ اند
عنبر کی گرد کا سائبان، نسریں کے چاروں طرف باندھا ہے

جملہ وصفِ عشقِ من بود و حسنِ روئے تو[11]
سب میرے عشق، اور تیرے چہرے کے حسن کے وصف ہیں

آں حکایتہا کہ از فرہاد و شیریں بستہ اند
وہ حکایتیں جو شیریں، اور فرہاد کی بنائی ہیں

حافظا محضِ حقیقت گوئی سرِ عشق را
اے حافظ! تو عشق کے راز کا خالص حقیقت گو ہے

غیر ازیں گوئی خیالاتے بہ تخمیں بستہ اند
اس کے علاوہ گویا، اندازے سے کچھ خیالات بندی کی ہے

[1] خوشگوار ہوا مردوں میں جان ڈال رہی ہے۔

[2] بادِ بہاری نے گلِ لالہ کو دہکا دیا ہے۔

[3] بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

[4] تفرقہ شیطانی کام ہے، اطمینانِ خاطر فرشتۂ رحمت کی عطا ہے۔

[5] سوسن کو دس زبانوں والا مانا جاتا ہے، بلبل نے دنیا کی ناپائیداری کی بات اس سے کہدی ہے اسی لئے وہ خاموش ہے۔

[6] زاہد نامحرم ہے اسکے سامنے شراب نوشی نہیں ہوسکتی ہے۔

[7] شعر: اوست [illegible] / اوست فرزانہ کہ فرزانہ زند

[8] تیرے خیالات کی پیشوائی میں ہم آنکھوں سے لعل بنارہے ہیں تاکہ نچھاور کریں۔

[9] روشن چہرہ کے اطراف میں کان کے آویزے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چاند کے گلے میں ثریا کا ہار ہو۔

[10] خطا کے نقاش جب تیری تصویر بناتے ہیں تو گلِ نسریں کے چاروں طرف عنبر کی گرد جاتے ہیں۔ یعنی بجائے رخسار بمنزلہ گلِ نسریں اور سبزۂ خط بمنزلہ گردِ عنبر ہے

[11] شیریں و فرہاد کے قصے درِ اصل ہمارے ہی قصے ہیں۔

طائرِ دولت اگر باز گذارے بکند — یار باز آید و با وصل قرارے بکند

نصیبے کا پرندہ اگر پھر ایک بار گذر کرے — دوست واپس آجائے اور وصل کا اقرار کرے

دیدہ را دستگہِ دُر و گہر گرچہ نماند — بخورد خونے و تدبیر نثارے بکند

آنکھوں کو موتی، اور گوہر پر اگرچہ قدرت نہ رہی — خون پیئے، اور نچھاور کرنے کی تدبیر کرے

شہر خالیست ز عشّاق مگر کز طرفے — مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

عاشقوں سے شہر خالی ہے، شاید ایسا ہو کہ کسی کنارے سے — کوئی مردِ غیب سے برآمد ہو، اور کوئی کام کرے

کس نیارد بر او دم زدن از قصۂ ما — مگرش بادِ صبا گوش گزارے بکند

اس کو ہمارا قصہ سنانے کا کوئی دم نہیں بھر سکتا ہے — شاید بادِ صبا کچھ اس کے گوش گذار کرے

دادہ ام بازِ نظر را بہ تذروے پرواز — باز خواند مگرش بخت و شکارے بکند

میں نے نظر کے باز کو ایک چکور پر اڑایا ہے — شاید اس کو نصیبہ پھر دعوت دے اور وہ ایک شکار کرے

گو کریمے کہ ز بزمِ طربش غمزدۂ — جرعۂ در کشد و دفعِ خمارے بکند

ایسا داتا کہاں ہے، کہ اس کی عیش کی مجلس میں کوئی غمزدہ — ایک گھونٹ پی لے، اور خمار کو دفع کرے

یا وفا یا خبرِ وصلِ تو یا مرگِ رقیب — بازیِ چرخ ازیں یک دو سہ کارے بکند

یا وفا، یا تیرے وصل، یا رقیب کی موت کی خبر — آسمان کی بازی ان ایک دو تین کاموں میں سے کوئی کام کرے

دوش گفتم بکند لعلِ لبش چارۂ دل — ہاتفِ غیب ندا داد کہ آرے بکند

کل شب میں نے کہا اُس کے ہونٹ کا لعل دل کا علاج کرے گا — ہاتفِ غیبی نے کہا، ہاں کرے گا

حافظا گر نروی از درِ او ہم روزے

اے حافظ! اگر تو اُس کے دروازہ سے نہ ٹلے گا وہ بھی کبھی دن

گذرے بر سرت از گوشہ کنارے بکند

کسی گوشہ کے کنارے سے تجھ پر گذرے گا

عکسِ روئے تو چو در آئینۂ جام افتاد — عارف از پرتوِ مے در طمعِ خام افتاد

جب تیرے چہرے کا عکس جام کے آئینہ میں پڑا — عارف شراب کے سایہ سے، غلط فہمی میں پڑ گیا

حسنِ روئے تو بیک جلوہ کہ در آئنہ کرد — ایں ہمہ نقش در آئینۂ اوہام افتاد

تیرے چہرے کے حسن نے ایک جلوہ سے جو اس نے آئینہ میں دکھایا — اوہام کے آئینہ میں، یہ تمام نقش قائم ہو گئے

جلوۂ کرد رخش روزِ ازل زیرِ نقاب — عکسے از پرتوِ آں بر رُخِ افہام افتاد

روزِ ازل میں زیرِ نقاب اس کے رخ نے جلوہ دکھایا — اس کے سایہ کا عکس، عقلوں کے رخ پر پڑ گیا

ایں ہمہ عکسِ مے و نقشِ مخالف کہ نمود — یک فروغِ رُخِ ساقی ست کہ در جام افتاد

یہ سب، شراب والا عکس اور بالمقابل نقش جو ظاہر ہوا — ساقی کے رخ کا ایک جلوہ ہے جو جام میں آیا ہے

غیرتِ عشق زبانِ ہمہ خاصاں ببرید — از کجا سرِّ غمش در دہنِ عام افتاد

عشق کی غیرت نے تمام خواص کی زبان کاٹ دی — عوام کے منہ میں اس کے غم کا راز کہاں سے پڑا؟

ہر دمش با منِ دل سوختہ لطفِ دگر ست — ایں گدا بیں کہ چہ شائستۂ انعام افتاد

مجھ دل جلے پر ہر وقت اس کا ایک نیا کرم ہے — اس فقیر کو دیکھو کہ کیسا انعام کا مستحق بنا ہے

۱؎ آنکھوں میں آنسو تو ختم ہو گئے ہیں اب خونِ جگر کے آنسو تیار کرے تاکہ لعلوں کو نچھاور کر سکے۔

۲؎ عاشقوں سے شہر خالی ہو گیا ہے اب تو غیب سے کوئی آئے گا اور کوئی کارنامہ کر دکھائے گا۔

۳؎ ہمارا پیغام صبا کے علاوہ کوئی اس کے گوش گذار نہیں کر سکتا۔

۴؎ کسی سخی کی مجلس سے کسی کو ایک گھونٹ شراب ملجائے بڑا کام ہے۔

۵؎ معشوق کی وفاداری، یا وصل یا رقیب کی موت کی خبر ان تین کاموں میں سے کوئی کام آسمان کو کرنا چاہیے۔

۶؎ محبوب کے رُخ کے عکس کو جام میں دیکھ کر سالک و عارف یہ سمجھ بیٹھا کہ مجھے محبوب کا مشاہدہ ہو گیا حالانکہ اس نے صرف عکس دیکھا ہے۔

۷؎ عشق نے خواص کو خاموش بنا دیا ہے تو عوام کو کیسے خبر ہو سکتی ہے کہ راز کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔

پاکؔ بیں از نظرِ پاک بمقصود رسید
صاف دیکھنے والا، صاف نظر کی وجہ سے مقصود تک پہونچ گیا
احوَل از چشمِ دو بیں در طمعِ خام افتاد
بھینگا، دو دیکھنے والی آنکھ سے غلط لالچ میں پڑا

زیرِ شمشیرِ غمش رقص کناں باید رفت
اس کے غم کی تلوار کے نیچے، ناچتے ہوئے جانا چاہیے
کانکہ شد کشتۂ او نیک سرانجام افتاد
اس لیے کہ جو اس کا مقتول بنا، نیک انجام ہوا

در خمِ زلفِ تو آویخت دل از چاہِ زنخ
ٹھوڑی کے کنوئیں سے نکل کر دل تیری زلف کے پیچ میں لٹک گیا
آہ کز چاہ بروں آمد و در دام افتاد
آہ! کنوئیں سے نکلا، اور جال میں پھنس گیا

آں شد اے خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی
اے خواجہ یہ بات گئی، کہ تو مجھے پھر عبادت خانہ میں دیکھے
کارِ ما با رُخِ ساقی ولبِ جام افتاد
ہمارا واسطہ ساقی کے رخ، اور جام سے پڑ گیا

من ز مسجد بخرابات نہ خود افتادم
میں مسجد سے خرابات میں، خود نہیں جا پڑا
اینم از روزِ ازل حاصلِ فرجام افتاد
میرا روزِ ازل سے یہی حاصل، اور انجام بنا

چہ کند گر پےِ دوراں نرود چوں پرکار
کیا کرے، اگر پرکار کی طرح زمانے کے پیچھے نہ چلے
ہر کہ در دائرۂ گردشِ ایام افتاد
جو کہ، زمانہ کی گردش کے دائرے میں جا پڑا

منکہ در زمرۂ عشاق برندی علَم
میں جو کہ عاشقوں کی جماعت میں رندِ فاش ہوں
طبلِ پنہاں چہ زنم طشتِ من از بام افتاد
چھپ کر ڈھول کیا بجاؤں میرا طشت بالاخانہ سے گر پڑا

صوفیاں جملہ حریفند و نظر باز و لے
صوفی سب ہی عاشق، اور نظر باز ہیں، لیکن
زیں میاں حافظِ دل سوختہ بدنام افتاد
ان میں حافظ، دل جلا، بد نام ہو گیا

عشقت نہ سرسری ست کہ از سر بدر شود
تیرا عشق سرسری نہیں ہے کہ دماغ سے نکل جائے
مہرت نہ عارضی ست کہ جائے دگر شود
تیری محبت عارضی نہیں ہے کہ دوسری جگہ چلی جائے

عشقِ تو در وجودم و مہرِ تو در دلم
تیرا عشق میرے تن میں ہے، اور تیری محبت میرے دل میں ہے
با شیر در دروں شد و با جاں بدر شود
دودھ کے ساتھ اندر گئی ہے، جان کے ساتھ باہر نکلیگی

دردیست دردِ عشق کہ اندر علاجِ او
دردِ عشق ایسا درد ہے، کہ اس کے علاج میں
ہر چند سعی بیش نمائی بتر شود
تو جس قدر زیادہ کوشش کرے گا بدتر ہو جائے گا

اوّل منم یکے کہ دریں شہر ہر شبے
اس شہر میں سب سے پہلا، میں ہی ایک ہوں کہ ہر رات
فریادِ من بگنبدِ افلاک بر شود
میری فریاد، آسمانوں کے گنبد پر جاتی ہے

ور زانکہ من سرشک فشانم بزندہ رود
اگر ایسا ہو کہ میں زندہ رود میں، اپنے آنسوں بہا دوں
کشتِ عراق جملہ بیکبار تر شود
عراق کی سب کھیتی، ایک دم سے تر ہو جائے

دی در میانِ زلف بدیدم رُخِ نگار
کل میں نے دوست کے چہرے کو زلفوں کے درمیان دیکھا
بر ہیئتے کہ ابر محیطِ قمر شود
اس طرح، جیسے چاند کو ابر گھیرے

گفتم کہ ابتدا کنم از بوسہ گفت نے
میں نے کہا، میں بوسہ سے ابتدا شروع کروں، اس نے کہا نہیں
بگذار تا کہ ماہ ز عقرب بدر شود
رہنے دے، جب تک کہ چاند برجِ عقرب سے نکلے

ا۔ صحیح النظر ہی صحیح دیکھ سکتا ہے، بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں۔
۲۔ دل کنوئیں سے نکلا تو جال میں پھنس گیا۔
۳۔ اب ہم رُخِ ساقی اور جام سے وابستہ ہیں۔ عبادت خانہ میں ہمارا کیا کام ہے۔
۴۔ جو زمانہ کی گردش میں پھنس گیا ہے وہ پرکار کی طرح چکر کاٹے گا۔
۵۔ میں رندوں میں صاحبِ علَم و طبل ہوں۔
۶۔ تیرا عشق و محبت میری گھٹی میں پڑا ہے اب جان کے ساتھ ہی نکل سکتا ہے۔
۷۔ شعر
مریضِ عشق پہ رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی
۸۔ زندہ رود اصفہان کا مشہور دریا ہے، عراق سے عراقِ عجم مراد ہے۔
۹۔ چاند جب برجِ عقرب میں ہوتا ہے تو کسی کام کو شروع کرنا مناسب نہیں ہوتا چاند سے چہرہ اور عقرب سے زلف بھی مراد ہو سکتی ہے۔

ایدل بیادِ لعلش اگر بادہ میخوری — مگذار ہاں کہ مُدّعیاں را خبر شود
اے دل! اس کے لعل کی یاد میں، اگر تو شراب نوشی کرے — ایسا ہرگز نہ کرنا، کہ رقیبوں کو خبر ہو جائے

حافظ سر از لحد بدر آرد بپائے بوس
پیر چومنے کے لئے حافظ لحد سے سر نکال لے گا

گر خاکِ او بپائے شما پے سپر شود
اگر اس کی خاک، آپ کے پیروں سے پامال ہو گی

عشقِ تو نہالِ حیرت آمد — وصلِ تو کمالِ حیرت آمد
تیرا عشق، حیرت کا پودا ثابت ہوا — تیرا وصل، حیرت کا کمال ہوا

بس غرقۂ حالِ وصل کآخر — ہم باسرِ حال حیرت آمد
بہت سے، حالِ وصل میں ڈوبے ہوئے ہیں — پھر بھی، ابتدائے حال سے حیرت آئی

نے وصل بماند و نہ واصل — آں جا کہ خیالِ حیرت آمد
نہ وصل رہیگا، نہ صاحبِ وصال — جہاں، حیرت کا خیال آیا

از ہر طرفے کہ گوش کردم — آوازِ سوالِ حیرت آمد
میں نے، جس طرف بھی کان لگائے — حیرت کے سوال کی، آواز آئی

آں دل بنما کہ در رہِ او — بر چہرہ نہ خالِ حیرت آمد
وہ دل دکھا، کہ اس کے راستہ میں — چہرے پر، حیرت کا تِل نہ لگا ہو

شد مُحترم از کمالِ عزّت — آنجا کہ جلالِ حیرت آمد
کمالِ عزّت کی وجہ سے، با احترام بنا — جس جگہ، حیرت کا جلال پہنچا

سر تا قدمِ وجودِ حافظ
حافظ کا وجود، سر سے پیر تک

در عشق نہالِ حیرت آمد
عشق کے معاملہ میں، حیرت کا پودا بنا

عاشقاں را دردِ دل بسیار میباید کشید — داغِ یار و غصّۂ اغیار می باید کشید
عاشقوں کو بہت کچھ، دردِ دل برداشت کرنا چاہیئے — یار کا داغ، اور رقیبوں کا غصّہ برداشت کرنا چاہیئے

در دلِ شبہائے تار از اشتیاقِ روئے دوست — آہِ سرد و نالہائے زار می باید کشید
اندھیری راتوں میں یار کے چہرے کے عشق میں — سرد آہ، اور عاجزی کے نالے کرنے چاہئیں

دادخواہے گر ہمیخواہد ز سلطاں داد خواہ — انتظارِ بامدادِ پار می باید کشید
اگر کوئی فریادی، بادشاہ سے اپنا انصاف چاہے — پرسوں کی صبح کا انتظار، برداشت کرنا چاہیے

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم ست — نازکی کے راست آید بار می باید کشید
جو بھی عاشق بنا، خواہ دنیا بھر کا نازوں کا پالا ہو — نزاکت کب موافق آئیگی، بار برداشت کرنا چاہیے

از برائے دیدنِ دیدارِ گل یارِ عزیز — خواریِ دہقان و جورِ خار می باید کشید
اے پیارے دوست! پھول کا دیدار کرنے کے لئے — کاشتکار کی ذلّت، اور کانٹے کا ظلم برداشت کرنا چاہیے

۱؎ یہ شعر پہلے قصائد میں گذر چکا ہے۔
۲؎ عشق کا پودا حیرت کے پھل لاتا ہے، وصل اور زیادہ حیرت کا سبب ہے۔
۳؎ مقامِ حیرت میں عاشق سب کچھ گم کر بیٹھتا ہے۔
۴؎ راہِ عشق میں ہر دل پر حیرت طاری ہوتی ہے
۵؎ حافظ کا پورا وجود حیرت کا پودا بنا ہوا ہے
۶؎ عشق کے معاملہ میں نزاکت سے کام نہیں چلتا مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔

حافظا چندیں الم مارا در ایام فراق
اے حافظ! ہمیں فراق کے زمانہ میں کس قدر رنج

برامید وعدۂ دیدار می باید کشید
یار کے دیدار کے وعدے پر برداشت کرنا چاہیے

غلام[1] نرگس مست تو تاجدارانند
تیری مست نرگس کے غلام، تاجدار ہیں

خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند
تیرے لعل کی شراب کے مست، ہوشیار ہیں

ترا[2] حیا و مرا آب دیدہ شد غماز
تیری، حیا اور میرا، آنکھ کا پانی چغلخور بنا

وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند
ورنہ عاشق، اور معشوق راز دار ہیں

بزیر زلف دوتا چوں گذر کنی بنگر
جب تو گزرتا ہے تو دیکھ، کہ دُہری زلف کے نیچے

کہ از یمین و یسارت چہ بیقرارانند
تیرے دائیں بائیں، کس قدر بے قرار ہیں

گذار[3] کن چو صبا بر بنفشہ زار و ببیں
بنفشہ کے کھیت میں، صبا کی طرح گذر، اور دیکھ

کہ از تطاول زلفت چہ سوگوارانند
کہ تیری زلف کی دست درازی سے کتنے غمگین ہیں

رقیب درگذر و بیش ازیں مکن نخوت
اے رقیب! آگے بڑھ، اور اس سے زیادہ تکبر نہ کر

کہ ساکنان در دوست خاکسارانند
اس لیے کہ دوست کے دروازے کے مقیم خاکسار ہوتے ہیں

نصیب[4] ماست بہشت اے خداشناس برو
اے خداشناس! چلا جا، بہشت ہمارا حصہ ہے

کہ مستحق کرامت گناہگارانند
اس لیے کہ بخشش کے مستحق، گنہگار ہیں

نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس
اس رخسار کے پھول پر صرف میں ہی غزل سرا نہیں ہوں

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند
ہر طرف، تیری ہزاروں بلبلیں ہیں

تو دستگیر[5] شوائے خضر پے خجستہ کہ من
اے مبارک قدم خضر! تو دستگیر بن اس لیے کہ میں

پیادہ میروم و ہمرہاں سوارانند
پیدل جا رہا ہوں، اور ساتھی سوار ہیں

بیا[6] بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن
شراب خانہ میں آ، اور چہرہ لال کرلے

مرو بصومعہ کانجا سیاہ کارانند
عبادت خانہ میں نہ جا اس لیے کہ وہاں سیاہ کار ہیں

خلاص حافظ ازآں زلف تابدار مباد
اس پُر پیچ زلف سے خدا کرے حافظ کا چھٹکارا نہ ہو

کہ بستگان کمند تو رستگارانند
اس لیے کہ تیری کمند کے گرفتار، آزاد ہیں

قتل[7] ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود
اس خستہ کا تیری تلوار سے قتل ہونا، مقدر نہ تھا

ورنہ ہیچ از دل بیرحم تو تقصیر نبود
ورنہ تیرے بے رحم دل کی جانب سے، کوئی کمی نہ تھی

یارب[8] آئینۂ حسن تو چہ جوہر دارد
اے خدا! تیرے حسن کا آئینہ کیا جوہر رکھتا ہے؟

کہ در و آہ مرا قوت تاثیر نبود
کہ میری آہ کو، اس میں اثر کرنے کی قوت نہ تھی

سر ز حیرت بدر میکدہ ہا بر کردم
میں نے حیرت سے، میکدے کے دروازے کا رخ کیا

چوں شناسائے تو در صومعہ یک پیر نبود
جبکہ عبادت خانہ میں کوئی پیر تیرا شناسا نہ تھا

---

[1] بادشاہ وہی ہیں جو تیری آنکھ کے غلام ہیں ہوشیار وہی ہیں جو تیری شراب سے مست ہیں۔

[2] شعر
ماجرائے دل نمی گویم بکس
آب چشم ترجمانی میکند

[3] بنفشہ سیاہی مائل ہوتی ہے لہٰذا اس کو سوگوار قرار دیا جاتا ہے

[4] شعر
گناہوں میں جلا زاہد [illegible]
نفرت [illegible] گنہگاروں [illegible]

[5] شعر
[illegible]
[illegible]

[6] شعر
بخمار خانہ [illegible]
[illegible]

[7] تیرے بے رحم دل نے تو قتل کرنے میں کسر نہ اٹھا رکھی لیکن ہم ہی مقدر کے ہیٹے تھے۔

[8] آئینہ پر آہ کرو تو منہ کی بھاپ سے متاثر ہو جاتا ہے لیکن تیرے حسن کے آئینہ پر میری آہوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

من[1] دیوانہ چو زلفِ تو رہا میکردم
مجھ دیوانے نے، جب تیری زلف کو چھوڑا تھا

ہیچ لائق ترم از حلقۂ زنجیر نبود
تو میرے لئے بیڑی کے حلقے سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہ تھی

نازنیں تر ز قدت در چمنِ حسن نرست
حسن کے چمن میں تیرے قد سے زیادہ نازنین کچھ نہ اُگا

خوشتر از نقشِ تو در عالمِ تصویر نبود
عالمِ تصویر میں تیرے نقش سے زیادہ حسین کوئی نہ تھا

تا مگر ہمچو صبا باز بزلفِ تو رسم
شاید صبا کی طرح پھر تیری زلف تک پہونچ جاؤں

کارِ من دوش بجز نالۂ شبگیر نبود
رات، تمام شب رونے کے سوا میرا کچھ کام نہ تھا

آں کشیدم ز تو اے آتشِ ہجراں کہ چو شمع
اے ہجر کی آگ! تیری بدولت میں نے وہ تکلیف سہی کہ شمع کی طرح

جز فنائے خودم از دستِ تو تدبیر نبود
تیرے ہاتھ سے اپنے آپ کو فنا کر لینے کے سوا کوئی تدبیر نہ تھی

آیتے[2] بد ز عذاب اندُہِ حافظ بے تو
حافظ کا غم، تیرے بدوں عذاب کی ایسی آیت تھی

کہ برِ ہیچ کسش حاجتِ تفسیر نبود
کہ کسی کے سامنے، اس کی تفسیر کی ضرورت نہ تھی

قطرۂ اشکے کہ میریزم ز چشمِ تر سفید
تر آنکھ سے آنسو کا جو سفید قطرہ، میں گراتا ہوں

مینماید در شبِ ہجرِ تو چوں اختر سفید
تیرے ہجر کی رات میں تارے کی طرح سفید نظر آتا ہے

سوئے ما مائل نشد ہرگز ہمائے[3] وصلِ او
اس کے وصل کا ہما، ہماری طرف مائل نہ ہوا

استخوانم گرچہ شد از ہجرِ آں دلبر سفید
اگرچہ اس دلبر کے ہجر سے، میری ہڈیاں سفید ہوگئیں ہیں

بسکہ تیرت[4] تا بہ پر بنشست در پہلو مرا
تیرے بہت سے تیر، میرے پہلو میں لگے

چوں کبوتر پر بر آوردیم اما پر سفید
کبوتر کی طرح ہم نے پر نکالے لیکن سفید پر

ساقیا چوں بر لبِ میگوں نہی جامِ شراب
اے ساقی! جب شرابی رنگ کے ہونٹ پر تو شراب کا جام دھرتا ہے

مینماید سُرخ از عکسِ لبت ساغر سفید
تیرے ہونٹ کے عکس سے، سفید ساغر سُرخ نظر آتا ہے

نیست ماہِ نو کہ از بیداد و کیں تُرکِ فلک[5]
یہ ہلال نہیں ہے بلکہ آسمان کے تُرک نے ظلم اور کینہ پروری کیوجہ سے

بر میاں بستہ بخونِ عاشقاں خنجر سفید
عاشقوں کا خون بہانے کے لئے، کمر پر سفید خنجر باندھا ہے

آں لب و دندانِ او حافظ بہنگامِ سخن
اے حافظ! بات کرتے وقت اُس کے وہ ہونٹ اور دانت

حقۂ لعلست گویا پر دُر و گوہر سفید
لعل کی ڈبیہ ہے گویا موتی، اور سفید گوہر سے بھری ہوئی

کلکِ مشکینِ[6] تو روزے کہ ز ما یاد کند
تیرا سیاہ قلم، اگر کسی دن ہمیں یاد کرے

برد اجرِ دو صد بندہ کہ آزاد کند
دو سو غلاموں کا ثواب حاصل کرے جنکو وہ آزاد کرے

قاصدِ حضرتِ سلمٰی کہ سلامت بادا
جنابِ سلمٰی کا قاصد، خدا کرے وہ سلامت رہے

چہ شود گر بسلامے دلِ ما شاد کند
کیا ہو جائے گا اگر ایک سلام سے ہمارے دل کو خوش کرے

یا رب[7] اندر دلِ آں خسروِ شیریں انداز
اے خدا اس شیریں بادشاہ کے دل میں ڈال دے

کہ برحمت گذرے بر سرِ فرہاد کند
کہ وہ رحم کھاکر، فرہاد کے پاس سے گذرے

---

[1] جو دیوانہ تیری زلف سے رہائی حاصل کرے وہ بیڑی کے لائق ہے۔
[2] تیرے فراق میں حافظ کا غم ایک ایسی آیت ہے جو خود واضح تھی۔
[3] ہما کی خوراک پرانی ہڈیاں ہیں۔
[4] مشہور ہے کہ اگر کبوتر کے پر اکھاڑ دیئے جائیں تو پھر ان کی جگہ سفید پر نکلتے ہیں یعنی اس قدر تیر آکر لگے کہ جب ان کو بدن سے نکالا گیا تو ہمارے سفید پر نکل آئے۔
[5] ہلال کو سفید خنجر قرار دیا ہے۔
[6] محبوب اگر ہمیں خط لکھ کر چند حرفوں سے یاد کرے تو اس کو دو سو غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملے۔
[7] ہمارا ممدوح بمنزلہ شیریں کے ہے اور ہم بمنزلہ فرہاد کے۔

حالیا عشوهٔ عشقِ تو ز بنیادم بُرد
اس وقت تو تیرے عشق کے ناز نے میری بنیاد اکھاڑ دی
تا دگر فکرِ حکیمانه چه بنیاد کند
دیکھیے، پھر حکیمانہ فکر کیا بنیاد قایم کرے؟

گوہرِ پاکِ تو از مدحتِ ما مستغنیست
تیرا پاک جوہر، ہماری تعریف سے بے نیاز ہے
فکرِ مشاطه چه با حُسنِ خداداد کند[1]
نائن کی تدبیر، خدا داد حسن میں کیا کرے!

امتحاں کن که بسے گنجِ مرادت بدہند[2]
آزمالے، تیری مراد کے بہت سے خزانے تجھے دیں گے
گر خرابے چو مرا لطفِ تو آباد کند.
اگر مجھ جیسے تباہ کو، تیری مہربانی آباد کرے

شاه را به بود از طاعتِ صد سالهٔ زہد[3]
زہد کی سَو سالہ عبادت سے، بادشاہ کے لئے بہتر ہے
قدرِ یکساعتِ عمرے که در و داد کند
ایک گھڑی کے بقدر عمر، جس میں وہ انصاف کرے

رہ نبردیم بمقصودِ خود اندر شیراز
شیراز میں اپنے مقصد کی طرف، ہمیں راستہ نہ ملا
خرم آں روز که حافظ رہِ بغداد کند[4]
وہ دن مبارک ہے جس دن حافظ بغداد کا راستہ طے کرے

کسیکه حُسنِ رخِ دوست در نظر دارد[5]
جو شخص، دوست کا حسن نگاہ میں رکھتا ہے
محقّق ست که او حاصلِ بصر دارد
یہ بات طے ہے، کہ وہ بینائی کا حاصل رکھتا ہے

چو خامه بر خطِ فرمانِ او سرِ طاعت
اس کے حکم کے خط پر ہم نے تابعداری کا سر قلم کی طرح
فتاده ایم مگر او به تیغ بر دارد
رکھ دیا ہے، بجز اس کے کہ وہ تلوار کے ذریعہ اٹھائے

کسے بوصلِ تو چوں شمع یافت پروانه[6]
تیرے وصل کا پروانہ اُسی کو حاصل ہوا، جو شمع کی طرح
که زیرِ تیغِ تو ہر دم سرِ دگر دارد
تیری تلوار کے نیچے ہر وقت ایک نیا سر دھرے

بپائے بوسِ تو دستِ کسے رسید که او[7]
تیری قدم بوسی اسی کو حاصل ہوئی ہے، جو
چو آستانه بدیں در ہمیشه سر دارد
چوکھٹ کی طرح، اس دروازہ پر ہمیشہ سر دھرے

ز زہدِ خشک ملولم بیار بادهٔ ناب
میں خشک زہد سے رنجیدہ ہوں، خالص شراب لا
که بوئے باده دماغم مدام تر دارد
اس لیے کہ شراب کی خوشبو میرے دماغ کو ہمیشہ تر و تازہ رکھتی ہے

بزد رقیبِ تو روزے بسینه ام تیرے
تیرے نگہبان نے ایک دن میرے سینہ پر ایک تیر مارا!
زبسکه تیرِ غمت سینه بے سپر دارد[8]
یقیناً تیرے غم کا تیر، بے ڈھال کا سینہ رکھتا ہے

کسیکه از رہِ تقویٰ قدم بروں ننہاد
جس شخص نے تقوے کے راستہ سے قدم باہر نہیں رکھا
بعزمِ میکده اکنوں سرِ سفر دارد[9]
شراب خانہ کے ارادہ سے اب سفر کا خیال رکھتا ہے

ز باده ہیچت اگر نیست ایں بس که ترا[10]
اگر شراب سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہوا، کیا تیرے لیے یہ کافی نہیں ہے
دمے ز وسوسهٔ عقل بے خبر دارد
تھوڑی دیر کے لیے عقل کے وسوسے سے بے خبر رکھتی ہے

دلِ شکستهٔ حافظ بخاک خواہد بُرد
حافظ کا شکستہ دل، قبر میں لے جائے گا
چو لاله داغِ ہوائے که بر جگر دارد
لالہ کی طرح، محبت کے اس داغ کو جو جگر پر رکھتا ہے

---

[1] حسن خداداد کے ہوتے ہوئے کسی بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔
[2] میری مراد پوری کرنے سے تیری بہت سی مرادیں پوری ہوں گی۔
[3] بادشاہ کی تھوڑی سی منصفانہ زندگی صد سالہ زاہدانہ زندگی سے بہتر ہے۔
[4] سلطان احمد بن اویس حافظ کا معتقد تھا اور بغداد پہونچنے کی دعوت دیتا تھا۔
[5] خدا نے آنکھ اسی لیے دی ہے کہ اس سے حسنِ دوست کا مشاہدہ کیا جائے۔
[6] پروانہ، شاہی حکم کو بھی کہا جاتا ہے اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔
[7] آستانہ کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ جو آستانہ کی طرح بچھ جائیگا وہی یہ فضیلت حاصل کر سکے گا۔
[8] محبوب کے غم کا تیر سیدھا سینہ پر آ کر لگتا ہے، اُس کے لئے ہر سینہ بے سپر ہے۔
[9] جو ہمیشہ کا متقی مشہور تھا اب میکدہ کا ارادہ کئے ہوئے ہے۔
[10] شراب نوشی سے بھی کس قدر بڑا فائدہ ہے کہ وہ عقل کے وساوس سے چھٹکارا دیتی ہے۔

کے شعرِ تر انگیزد خاطر کہ حزیں باشد
لطیف شعر کب برانگیختہ کر سکتا ہے اس طبیعت کو جو غمگین ہو
یک نکتہ دریں معنی گفتیم و ہمیں باشد
ہم نے اس معاملہ میں ایک نکتہ بیان کیا ہے اور یہی واقعہ ہے

از لعلِ تو گر یابم انگشتریِ زنہار
میں اگر تیرے لعل سے امان کی انگوٹھی حاصل کر لوں
صد ملکِ سلیمانم در زیرِ نگیں باشد
سلیمان کے سو ملک میرے زیرِ نگیں ہوں گے

غمناک نباید بود از طعنِ حسود اے دل
اے دل! حاسد کے طعنہ سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے
شاید کہ چو وا بینی خیرِ تو دریں باشد
اگر تو غور سے دیکھے تو شاید تیری بھلائی اسی میں ہو

ہر کو نکند فہمے زیں کلکِ خیال انگیز
اس خیال انگیز قلم کو جو نہ سمجھے
نقشش بتراش از خود و صورتگرِ چیں باشد
اس کا نقش کاٹ پھینک خواہ وہ چین کا نقاش ہو

جامِ مے و خونِ دل ہر یک بکسے دادند
شراب کا جام اور دل کا خون، ہر ایک کسی ایک کو دیا ہے
در دائرۂ قسمت اوضاع چنیں باشد
تقسیم کے دائرے میں اسی طرح کی صورتیں ہوتی ہیں

در کارِ گلاب و گل حکمِ ازلی ایں بود
عرقِ گلاب اور گلاب کے معاملہ میں ازلی حکم یہ تھا
کاں شاہدِ بازاری وایں پردہ نشیں باشد
کہ وہ بازاری معشوق اور یہ پردہ نشین ہو

آں نیست کہ حافظ را مستی رود از خاطر
یہ بات نہیں کہ حافظ کی طبیعت سے رندی نکل جائے
کایں سابقۂ رندی تا روزِ پسیں باشد
اس لیے کہ یہ رندی کا معاملہ آخری دن تک ہو گا

کنوں کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود
اب جبکہ چمن میں، پھول عدم سے وجود میں آیا
بنفشہ در قدمِ او نہاد سر بسجود
بنفشہ نے اس کے قدم پر، سجدہ میں سر دھرا

بنوش جامِ صبوحی بنالۂ دف و چنگ
دف اور چنگ کی تان پر صبح کی شراب کا جام پی
ببوس غبغبِ ساقی بنغمۂ نے و عود
ساقی کے چاہِ غبغب کو بانسری اور سارنگی کے نغمہ پر چوم

بباغ تازہ کن آئینِ دینِ زردشتی
زردشتی دین کی رسموں کو، باغ میں تازہ کر
کنوں کہ لالہ برافروخت آتشِ نمرود
اب جبکہ لالہ نے نمرود کی آگ روشن کی ہے

ز دستِ شاہدِ سیمیں عذارِ عیسیٰ دم
چاندی جیسے رخسار والے، عیسیٰ جیسے سانس والے معشوق کے ہاتھ سے
شراب نوش و رہا کن حدیثِ عاد و ثمود
شراب پی، اور عاد و ثمود کے قصوں کو چھوڑ

جہاں چو خلدِ بریں شد بدورِ سوسن و گل
سوسن اور گل کے دور میں دنیا بہشت ہو گئی ہے
ولے چہ سود کہ در وے نہ ممکن است خلود
لیکن کیا فائدہ کہ اس میں ہمیشگی ممکن نہیں ہے

شد از فروغِ ریاحیں چو آسماں گلشن
پھولوں کے فروغ سے گلشن آسمان کی طرح ہو گیا ہے
زمینِ اخترِ میمون و طالعِ مسعود
مبارک ستارے اور نیک نصیبہ کی برکت سے

چو گل سوار شود بر ہوا سلیماں وار
جب پھول، سلیمان کی طرح ہوا پر سوار ہوتا ہے
سحر گہ مرغ در آید بنغمۂ داؤد
صبح کے وقت، پرند نغمۂ داؤدی شروع کر دیتے ہیں

بدورِ گل منشیں بے شراب و شاہد و چنگ
پھول کے موسم میں شراب اور معشوق اور چنگ کے بدون نہ بیٹھ
کہ ہمچو دورِ بقا ہفتہ بود معدود
اس لئے کہ زندگی کی طرح ایک ہفتہ بھی، گنا چنا ہے

دیوانِ حافظ مترجم

۱ پاکیزہ شعر اس کو متاثر کرتا ہے جو غمِ دنیا سے فارغ ہو۔
۲ انگشتریِ زنہار وہ انگوٹھی ہوتی ہے جو قتلِ عام کے حکم کے وقت بادشاہ کسی ایسے شخص کو دیدیتا ہے جس کو پناہ دینی ہو، اس انگوٹھی کو دیکھ کر سپاہی اس کے قتل سے رک جاتا ہے۔
۳ ملامت بھی عشق کی زیادتی کا سبب بنتی ہے تو عاشق کا اسی میں فائدہ ہے کہ اسکو ملامت کی جاتی رہے۔
۴ شعر مجھ کو دیا دل کا خون اور تم کو دیا سب کچھ جو شکل نظر آیا
۵ پھول بازار میں بکتا ہے اور محفلوں میں سجایا جاتا ہے، عرقِ گلاب کو صراحی میں گھر میں رکھا جاتا ہے۔
۶ حافظ نے اس غزل میں عمادالدین محمود کا ذکر کیا ہے جو اسحاق کا وزیر تھا جو شاہ شجاع کے دور میں بغاوت کے الزام میں مارا گیا۔ اس غزل میں اس کو آصفِ دوراں کہا ہے۔ بنفشہ عموماً گلاب کے تختوں کے درمیان بھری جاتی ہے اسی لئے اسکو پھول کے لیے سر بسجود قرار دیا ہے۔
۷ زردشت آتش پرستوں کے مذہب کا بانی ہے۔ مجوس اسکی کتاب ژند کو آسمانی کتاب مانتے ہیں۔

۸ نمرود وہ بادشاہ ہے جس نے حضرت ابراہیم کو جلانے کے لئے آگ جلوائی تھی اور حضرت ابراہیم اس دہکتی آگ سے زندہ و سلامت بچ کر نکل آئے تھے۔ ۹ عاد، ہود علیہ السلام کی قوم کا نام ہے، ثمود وہ قوم ہے جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔

یہ دونوں قومیں نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کردی گئی تھیں ۱۰ ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر، چار دن کی بہار ہے دنیا۔ ۱۱ حضرت داؤد جو حضرت سلیمان کے والد تھے نہایت خوش الحان تھے۔

بیار جامِ لبالب بیادِ آصفِ عہد
آصفِ زمانہ کی یاد پر، بھرا ہوا جام لا

وزیرِ مُلکِ سلیماں عمادِ دیں محمود
جو مُلکِ سلیمان کا وزیر عماد الدین محمود ہے

بود کہ مجلسِ حافظ بیُمنِ تربیتش
ہو سکتا ہے کہ اس کی تربیت کی برکت سے حافظ کی مجلس

ہر آنچہ می طلبد جملہ باشدش موجود
جو کچھ چاہتی ہے وہ سب اس کے لئے موجود ہو جائے

کارم[2] ز دورِ چرخ بساماں نمیرسد
آسمان کی گردش سے میرا کام سامان کو نہیں پہونچتا ہے

خوں شد دلم ز درد و بدرماں نمیرسد
میرا دل درد کی وجہ سے خون ہو گیا، اور علاج تک نہیں پہونچتا ہے

چوں خاکِ راہ پست شدم ہمچو باد و باز
میں راستہ کی گرد و باد کی طرح پست ہو گیا، پھر بھی

تا آبِ رو نمیرود و دم ناں نمیرسد
جب تک میری آبرو نہیں جاتی روٹی نہیں پہونچتی ہے

از دستبردِ جورِ زماں اہلِ فضل را
اہلِ کمال کے لئے زمانہ کے ظلم کی دست درازی پر

ایں[3] غصہ بس کہ دست سوئے جاں نمیرسد
یہی رنج کافی ہے کہ جان تک ہاتھ نہیں پہونچتا ہے

سیرم ز جانِ خود بدلِ راستاں ولے
سچوں کے دل کی قسم میرا زندگی سے دل بھر چکا ہے لیکن

بیچارہ را چہ چارہ کہ فرماں نمیرسد
بیچارے کے لئے کیا تدبیر ہے کہ حکم نہیں پہونچتا ہے

تا صد[4] ہزار خار نمی روید از زمیں
جب تک زمین سے لاکھوں کانٹے نہیں اُگتے ہیں

از گلبنے گلے بگلستاں نمیرسد
شاخ سے کوئی پھول بھی، باغ کو نہیں ملتا ہے

یعقوب را دو دیدہ ز حسرت سفید شد
حضرتِ یعقوب کی دونوں آنکھیں حسرت سے سفید ہو گئیں

آوازۂ ز مصر بکنعاں نمیرسد
مصر سے کنعان تک کوئی شہرت نہیں پہونچتی ہے

پے[5] پارۂ نمی کنم از ہیچ اُستخواں
کسی ہڈی سے پٹھے کا ایک ٹکڑا بھی میں نہیں اکھاڑتا ہوں

تا صد ہزار زخم بدنداں نمیرسد
جب تک دانتوں پر ایک لاکھ زخم نہیں لگتے ہیں

از حشمت اہلِ جہل بکیواں رسیدہ اند
جاہل دولت کی وجہ سے ساتویں آسمان پر پہونچے ہیں

جز آہِ اہلِ فضل بکیواں نمیرسد
اہلِ فضل کی آہ کے سوا ساتویں آسمان تک کچھ نہیں پہونچتا ہے

صوفی بشوی زنگِ دلِ خود بآبِ مے
اے صوفی، اپنے دل کے زنگ کو شراب کے پانی سے دھو

زیں شست و شوئے خرقہ غفراں نمیرسد
چوغہ کے دھونے، پچھاڑنے سے مغفرت حاصل نہیں ہوتی ہے

حافظ صبور باش کہ در راہِ عاشقی
اے حافظ صابر بن اس لیے کہ عاشقی کے راستہ میں

ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمیرسد
جس شخص نے جان نہیں دی معشوق تک نہیں پہونچتا ہے

کیانند[6] آں دو کہ مست و خراب میگردند
وہ دو کون ہیں، جو مست اور بیہوش گھوم رہے ہیں

نشستہ پشت برِ آفتاب میگردند
آفتاب کی پشت پر بیٹھے ہوئے گھوم رہے ہیں

دُو تُرک زادہ و خرگہ نشینِ سرمستند
دو ترک زادے، اور خیمہ نشین، مست ہیں

بسانِ ساقی و جامِ شراب میگردند
ساقی، اور شراب کے جام کی طرح گھوم رہے ہیں

[1] صلہ کا بہت لطیف تقاضہ ہے
[2] اس غزل میں حافظ نے زمانہ کی ناقدرشناسی کا شکوہ کیا ہے۔
[3] ناقدری کے باوجود اپنے آپ کو ختم بھی نہیں کر سکتے ہیں۔
[4] لاکھوں خار اُگنے کے بعد کہیں پھول اُگتا ہے زمانہ میں نااہلوں کی کمی نہیں ہے۔
[5] معمولی سی چیز کے لئے بھی ہزاروں مصیبتیں بھرنی پڑتی ہیں۔
[6] ہر شعر میں دو سے محبوب کی دونوں آنکھیں مراد ہیں اور ہر شعر میں ان کی ہی تشبیہات ذکر کی گئی ہیں۔

دو بحر ہنید کہ در عین آب میباشند
دو سمندری ہیں، جو بالکل پانی میں رہتے ہیں
چو آفتاب بجائے خراب میگردند
آفتاب کی طرح، خراب جگہ گھوم رہے ہیں

دو صوفنید کہ در دلق ازرق اند مدام
دو صوفی ہیں، جو ہمیشہ نیلی، گدڑی میں ہیں
درونِ صومعہ مست و خراب میگردند
عبادت خانہ میں مست، اور مدہوش گھوم رہے ہیں

دو دزدِ رہزن و دو ترکِ شوخ عیّارند
دو ڈاکو چور ہیں، دو چالاک شریر ترک ہیں
بگردِ نقدِ[1] گہِ شیخ و شاب میگردند
بوڑھے، اور نوجوان کے خزانہ کے گرد گھوم رہے ہیں

دو شیر گیر چو روباہ خوش فریبانند
دو شیر کو پھانسنے والے، لومڑی کی طرح بہترین چالاکی کرنیوالے
بگاہِ صبح و گہِ ماہتاب میگردند
صبح کیوقت، اور چاندنی کے وقت گھوم رہے ہیں

دو زنگیند کہ ملّاح وار گردِ محیط
دو حبشی ہیں کہ سمندر کے چاروں طرف، ملّاح کی طرح
بسانِ زورقِ سیمیں برآب میگردند
چاندی کی کشتی کی طرح، پانی پر گھوم رہے ہیں

دو نازنینِ بلاجوئے فتنہ انگیزند
دو نازوں کے پالے، بلاجو، فتنہ انگیز ہیں
بقصدِ حافظِ مسکیں شتاب میگردند
مسکین، حافظ کے ارادے سے تیز گھوم رہے ہیں

گر میفروش حاجتِ رنداں روا کند
اگر شراب فروش، رندوں کی حاجت روائی کرے
ایزد گنہ ببخشد و دفع بلا کند
خدا گناہ بخش دیگا، اور مصیبت دفع کردے گا

در کارخانہ[2] کہ رہِ علم و عقل نیست
جس کارخانہ میں علم، اور عقل کا راستہ نہیں ہے
وہمِ ضعیف رائے فضولی چرا کند
کمزور وہم، بے کار رائے کیوں دے؟

مطرب[3] بساز عود کہ کس بے اجل نمرد
مطرب سارنگی پر گا، کہ بے موت کوئی نہیں مرا
واں کو نہ ایں ترانہ سراید خطا کند
اور وہ جو یہ گانا نہیں گاتا، غلطی کرتا ہے

گر رنج پیشت آید و گر راحت اے حکیم
اے سمجھدار! خواہ تجھے رنج پیش آئے یا راحت
نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند
دوسرے کی طرف نسبت نہ کر، اس لیے کہ یہ سب خدا کرتا ہے

ما را کہ دردِ[4] عشق و بلائے خمار ہست
ہمیں، جو عشق کا درد، اور اعضار شکنی کی مصیبت ہے
یا وصلِ دوست یا مے صافی دوا کند
دوست کا وصل یا صاف شراب، اس کی دوا کر سکتی ہے

حقا کہ در زماں برسد مژدۂ اماں
یقیناً، فوراً امن کی خوش خبری پہونچ جائے
گر سالکے بعہدِ امانت وفا کند
اگر کوئی سالک، امانت کے عہد کو پورا کرے

ساقی بجامِ عدل بدہ بادہ تا گدا
اے ساقی! انصاف کے پیمانہ سے شراب دے تاکہ فقیر کو
غیرت نیاورد کہ جہاں پُر بلا کند
غیرت آمادہ نہ کرے کہ وہ دنیا کو مصیبت سے بھر دے

جاں رفت در سرِ مے و حافظ ز غصہ سوخت
شراب کے خیال میں جان چلی گئی اور حافظ رنج سے جل مرا
عیسیٰ دمے کجاست کہ احیائے ما کند
عیسیٰ جیسے سانس والا کہاں ہے، جو ہمیں زندہ کردے؟

[1] نقد گرد سے خزانۂ دل مراد ہے۔
[2] جس کارخانہ میں عقل کی رسائی نہیں ہے وہاں وہم کیا کام کر سکتا ہے۔
[3] شعر
[4] درد عشق کا علاج وصل دوست اور خمار کی دوا شراب ہے۔
[5] فقرا کا مقصد غضب بسا اوقات دنیا کو مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔

گفتم کیم دہان ولبت کامراں کنند
میں نے کہا، تیرا منہ اور ہونٹ مجھے کب کامیاب کریں گے
گفتا بچشم ہر چہ تو گوئی ہماں کنند
اس نے کہا، بسروچشم جو تو کہے گا وہ وہی کریں گے

گفتم[1] خراجِ مصر طلب میکند لبت
میں نے کہا، تیرے ہونٹ مصر کا خراج طلب کرتے ہیں
گفتا دریں معاملہ کمتر زیاں کنند
اس نے کہا، اس معاملہ میں ٹوٹا نہیں دیتے ہیں

گفتم بنقطۂ دہنت خود کہ برد راہ
میں نے کہا، تیرے منہ کے نقطہ سا کس کو راستہ ملا ہے
گفت ایں حکایتیست کہ بانکتہ داں کنند
اس نے کہا، یہ وہ بات ہے جو نکتہ دانوں سے کرتے ہیں

گفتم صنم پرست مشو باصمد نشیں
میں نے کہا بت پرست نہ بن، خدا کا ہم نشیں بن
گفتا[2] بکوئے عشق ہم این و ہم آں کنند
اس نے کہا، عشق کے کوچہ میں یہ بھی، اور وہ بھی کرتے ہیں

گفتم ہوائے میکدہ غم میبرد ز دل
میں نے کہا، شراب خانہ کی محبت دل سے غم کو نکال دیتی ہے
گفتا خوش آں کساں کہ دلے شادماں کنند
اُس نے کہا، وہ کیسے اچھے ہیں، جو کسی دل کو خوش کرتے ہیں

گفتم[3] شراب و خرقہ نہ آئینِ مذہب ست
میں نے کہا، شراب اور گدڑی یہ مذہبی طریقہ نہیں ہے
گفت ایں عمل بمذہب پیرِ مغاں کنند
اس نے کہا یہ کام پیرِ مغاں کے مذہب پر کرتے ہیں

گفتم ز لعلِ نوش لباں پیر را چہ سود
میں نے کہا، شیریں ہونٹ والوں کے تعلق سے بوڑھے کو کیا فائدہ
گفتا ببوسۂ شکرینش جواں کنند
اس نے کہا، میٹھے بوسے سے اس کو جوان کرتے ہیں

گفتم کہ خواجہ کے بسرِ حجلہ میرود
میں نے کہا، کہ خواجہ چھپرکھٹ کے پاس کب جائے گا؟
گفت[4] آں زماں کہ مشتری و مہ قراں کنند
اس نے کہا، اس وقت جب مشتری اور چاند ملیں گے

گفتم دعائے دولتِ تو وردِ حافظ ست
میں نے کہا، تیری دولت کی دعا حافظ کا وظیفہ ہے
گفت ایں دعا ملائکِ ہفت آسماں کنند
اس نے کہا، ساتوں آسمانوں کے فرشتے یہ دعا کرتے ہیں

گر من[5] از باغِ تو یک میوہ بچینم چہ شود
میں اگر تیرے باغ سے ایک میوہ چن لوں تو کیا ہو جائیگا؟
پیش پائے بچراغ تو بہ بینم چہ شود
تیرے چراغ سے، تیرا رستہ دیکھ لوں تو کیا ہو جائیگا؟

یارب اندر کنفِ سایۂ آں سروِ بلند
اے خدا اس بلند سرو کے سایہ کے پہلو میں
گر من سوختہ یکدم بنشینم چہ شود
اگر میں جلا ہوا، تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤں تو کیا ہو جائیگا؟

آخر اے خاتمِ جمشید سلیماں آثار
اے سلیمان آثار والی، جمشید کی انگشتری!
گر فتد عکسِ تو بر لعلِ نگینم چہ شود
اگر تیرا سایہ میرے نگ کے لعل پر پڑ جائے گا تو کیا ہو جائے گا؟

زاہدِ[6] شہر چو مہرِ ملک و شحنہ گزید
شہر کے زاہد نے جبکہ بادشاہ اور کوتوال کی محبت اختیار کر لی
من اگر مہرِ نگارے بگزینم چہ شود
میں اگر ایک معشوق کی محبت اختیار کر لوں تو کیا ہو جائے گا؟

صرف[7] شد عمرِ گرانمایہ بمعشوقہ و مے
قیمتی عمر معشوق، اور شراب میں صرف ہو گئی
تا از آنم چہ بہ پیش آید ازینم چہ شود
دیکھئے! اُس سے مجھے کیا پیش آئے اس سے مجھے کیا ہو؟

عقلم[8] از خانہ بدر رفت و اگر مے اینست
میری عقل گھر سے چلی گئی، اور اگر شراب یہی ہے
دیدم از پیش کہ در خانۂ دینم چہ شود
تو میں پہلے ہی سمجھ گیا کہ میرے دین کے خانہ میں کیا ہوگا؟

---

۱ شعر
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
۲ عشق کے کوچہ میں صنم پرستی اور صمد پرستی دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔
۳ شراب اور گدڑی کا اجتماع جائز نہیں ہے
۴ زہرہ اور مشتری کا یا چاند اور زہرہ کا یا چاند اور مشتری کا ایک برج میں جمع ہو جانا قران السعدین کہلاتا ہے جو کام شروع کرنے کے لئے بہت مبارک وقت خیال کیا جاتا ہے۔
۵ ان باتوں میں تیرا کوئی نقصان نہیں اور میری زندگی ہے۔
۶ جب زاہد بادشاہ اور کوتوال سے محبت کر سکتا ہے تو میرا معشوق سے محبت کرنا کونسی بری بات ہے۔
۷ جوانی معشوق اور شراب میں کٹی دیکھئے بڑھاپا کس حالت میں گزرتا ہے اور انجام کیا ہوتا ہے۔
۸ شراب نے بے عقل تو بنا دیا، بے دین بھی بنا کر چھوڑے گی۔

منکہ در کوئے بتاں منزل و ماوا دارم
میں جو کہ معشوقوں کے کوچے میں منزل اور مقام رکھتا ہوں
گر دہی جائے بفردوس بریںم چہ شود
اگر تو مجھے فردوس بریں میں جگہ دیدے گا، تو کیا ہو جائیگا؟

خواجہ دانست کہ من عاشقم و ہیچ نگفت
آقا نے جان لیا کہ میں عاشق ہوں اور اس نے کچھ نہ کہا
حافظ ار نیز بداند کہ چنینم چہ شود
حافظ بھی اگر جان لیگا، کہ میں ایسا ہوں تو کیا ہو جائیگا؟

گداخت جاں کہ شود کارِ دل تمام و نشد
جان پگھل گئی کہ دل کا کام مکمل ہو اور نہ ہوا
بسوختیم دریں آرزوئے خام و نشد
اس ناقص آرزو میں ہم جل گئے، اور وہ پوری نہ ہوئی

فغاں کہ در طلبِ گنجِ گوہرِ مقصود
فریاد ہے کہ گوہر مقصود کے خزانہ کی تلاش میں
شدم خرابِ جہانے زغم تمام و نشد
مکمل غم سے میں تمام دنیا میں خراب ہوا اور وہ نہ ملا

دریغ و درد کہ در جستجوئے گنجِ حضور[۲]
افسوس اور درد ہے کہ حضوری کے خزانہ کی تلاش میں
بسے شدم بگدائی برِ کرام و نشد
بھیک کے لئے بزرگوں کے پاس بہت گیا اور وہ نہ ملا

بطعنہ گفت[۳] شبے میرِ مجلسِ تو شوم
بطور طعنے کے اس نے کہا کہ کسی رات کو میں تیرا میر مجلس ہونگا
شدم بمجلسِ او کمتریں غلام و نشد
میں اس کی مجلس میں کمترین غلام بن کر گیا، اور یہ نہ ہوا

پیام داد کہ خواہم نشست با رنداں
اس نے پیغام بھیجا کہ میں رندوں کے ساتھ بیٹھوں گا
بشد برندی و دردی کشیم نام و نشد
رندی اور تلچھٹ پینے میں ہم مشہور ہو گیا، اور یہ نہ ہوا

رواست در برِ اگر می طپد کبوترِ دل[۴]
اگر دل کا کبوتر پہلو میں تڑپے تو مناسب ہے
کہ دید در رہِ خود پیچ و تابِ دام و نشد
اس لیے کہ اس نے اپنے راستہ میں جال کے پیچ و تاب کو دیکھا اور نہ ہٹا

بکوئے عشق منہ بے دلیلِ راہ قدم
عشق کے کوچہ میں راہبر بدون قدم نہ رکھ
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد
اس لیے کہ میں نے خود بخود سو اہتمام کئے اور کچھ نہ ہوا

بداں ہوس کہ بمستی ببوسم آں لبِ لعل
اس ہوس میں کہ مستی میں اس لعل جیسے ہونٹ کا بوسہ لونگا
چہ خوں کہ در دلم افتاد ہمچو جام و نشد
جام کی طرح دل میں کس قدر خون ہوا، اور وہ نہ ہوا

ہزار حیلہ برانگیخت حافظ از سرِ مہر
محبت میں، حافظ نے ہزاروں حیلے کئے
بداں ہوس کہ شود آں حریف رام و نشد
اس ہوس میں کہ وہ یار قابو میں آجائیگا، اور نہ ہوا

گل بے رخِ یار خوش نباشد[۵]
یار کے رخ کے بدوں پھول، اچھا معلوم نہیں ہوتا
بے بادہ بہار خوش نباشد
بغیر شراب کے بہار، اچھی نہیں معلوم ہوتی

طرفِ چمن و ہوائے بستاں
چمن کا کنارہ، اور باغ کی ہوا
بے لالہ عذار خوش نباشد
لالہ رخسار کے بدوں، اچھی معلوم نہیں ہوتی

رقصیدنِ سرو و حالتِ گل
سرو کا رقص کرنا، اور پھول کا حال کھیلنا
بے صوتِ ہزار خوش نباشد
بلبل کی چہک کے بدون، اچھا معلوم نہیں ہوتا

۱۔ جبکہ دنیا میں حسینوں کے کوچہ میں قیام ہا آخرت میں بھی حوروں کی بستی میں جگہ ملنی چاہیے۔
۲۔ بہت سے سخیوں کے پاس گیا کہ وہ محبوب کے دربار کی حاضری عنایت کردیں لیکن محروم رہا۔
۳۔ اس نے طنزاً کہا تھا ہم نے پھر بھی اس کو صحیح مانا، مجلس کی غلامی کی لیکن وہ جلوہ افروز نہ ہوا۔
۴۔ خوب تڑپے، خود کردہ را علاجے نیست۔
۵۔ شعر
عہد کردیم کہ بے دوست بصحرا نرویم
بے تماشاگہ سرو و چمنش تا نرویم

باغ و گل و مُل خوشست لیکن
باغ، پھول اور شراب اچھی چیزیں ہیں، لیکن

بے صحبتِ یار خوش نباشد
دوست کی صحبت کے بدوں، اچھی معلوم نہیں ہوتیں

ہر نقش کہ دستِ عقل بندد
عقل کا ہاتھ، جو نقش بھی بنائے

بے نقشِ نگار خوش نباشد
معشوق کے نقش کے بدون، اچھا معلوم نہیں ہوتا

با یارِ شکر لبِ گُل اندام
شکر لب، پھول جیسے جسم والے، دوست کے ساتھ

بے بوس و کنار خوش نباشد
بوسہ، اور بغلگیر ہونے کے علاوہ کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا

جاں نقدِ محقّرست حافظ
اے حافظ! جان حقیر سا نقد ہے

از بہرِ نثار خوش نباشد
نچھاور کرنے کے لیے، اچھی معلوم نہیں ہوتی

گفتم غمِ تو دارم گفتا غمت سر آید[1]
میں نے کہا مجھے تیرا غم ہے، اس نے کہا تیرا غم ختم ہو جائے گا

گفتم کہ ماہِ من شو گفتا اگر بر آید
میں نے کہا میرا چاند بنجا، اس نے کہا، اگر ہو سکا

گفتم ز مہر ورزاں رسمِ وفا بیاموز[2]
میں نے کہا، محبت کرنے والوں سے وفاداری سیکھ لے

گفتا ز ماہ رویاں ایں کار کمتر آید
اس نے کہا چاند جیسے چہرے والوں سے یہ کام کم ہوتا ہے

گفتم کہ بوئے زلفت گمراہِ عالمم کرد
میں نے کہا، تیری زلف کی خوشبو نے مجھے دنیا بھر کا گمراہ بنا دیا

گفتا کہ بندگی کن ہم اوت رہبر آید[3]
اس نے کہا، غلامی کر، وہی تیری رہبر بن جائے گی

گفتم دلِ رحیمت کے عزمِ صلح دارد[4]
میں نے کہا، تیرا مہربان دل کب تک صلح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے

گفتا مگوی با کس تا وقتِ آں بر آید
اس نے کہا، جفا برداشت کر تاکہ اس کا وقت آئے

گفتم کہ بر خیالت راہِ نظر ببندم[5]
میں نے کہا، تیرے خیال پر نظر کا راستہ بند کر دوں گا

گفتا کہ شبروست ایں از راہِ دیگر آید
اس نے کہا، یہ تو چور ہے، دوسرے راستے سے آ جائے گا

گفتم خوش آں ہوائے کز باغِ خلد خیزد
میں نے کہا، وہ ہوا کس قدر بھلی ہے جو جنّت کے باغ سے چلے

گفتا خنک نسیمے کز کوئے دلبر آید
اس نے کہا، وہ نسیم ٹھنڈی ہے جو معشوق کے کوچہ سے آئے

گفتم کہ نوشِ لعلت مارا بآرزو کشت
میں نے کہا، تیرے ہونٹ کی شیرینی نے ہمیں آرزو میں مار ڈالا

گفتا تو بندگی کن کاں بندہ پرور آید
اس نے کہا، تو بندگی کر، کیونکہ وہی بندہ پرور بنے گی

گفتم زمانِ عشرت دیدی کہ چوں سر آمد
میں نے کہا، تو نے دیکھا عیش کا زمانہ کیا ختم ہو گیا

گفتا خموش حافظ کایں غصہ ہم سر آید
اس نے کہا، اے حافظ خاموش، یہ رنج بھی ختم ہو جائے گا

گوہرِ مخزنِ اسرار ہمانست کہ بود
اسرار کے خزانے کا موتی وہی ہے جو تھا

حُقّۂ مہر بداں مُہر و نشانست کہ بود
محبت کی ڈبیہ اسی مہر اور نشان کے ساتھ ہے جو تھی

از صبا پرس کہ مارا ہمہ شب تا دمِ صبح
صبا سے دریافت کر لے کہ ہمارے لئے پوری رات صبح تک

بوئے زلفِ تو ہماں مونسِ جانست کہ بود
تیری زلف کی خوشبو اسی طرح جان کی مونس رہی جیسے کہ تھی

[1] وصل کی امید دلائی۔
[2] عاشقوں سے وفاداری کرنا سیکھ لے۔
[3] زلف ہی ہدایت کا سبب بن جائیگی۔
[4] جب بھی صلح کا وقت ہوگا صلح ہو جائے گی۔
[5] تیرا خیال آنکھوں کے راستہ سے دل میں جاتا ہے اس کا یہ راستہ بند کر دونگا۔
[6] شعر
[illegible]
[illegible]
[7] ازل سے جو دل تھا وہی ہے، اس میں جس طرح محبت بھری ہوئی تھی اسی طرح بھری ہے۔
[8] صبا گواہ ہے کہ ہماری محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔

طالبِ لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
لعل اور گوہر کا کوئی طلبگار نہیں ہے ورنہ سورج
ہمچناں در عملِ معدن و کانست کہ بود
معدن اور کان کے کام میں اسی طرح لگا ہے جیسا کہ تھا

رنگِ خون دلِ ما را کہ نہاں کرد خطت
ہمارے دل کے خون کا رنگ، جسے تیرے خط نے پوشیدہ کردیا
ہمچناں از لبِ لعلِ تو عیانست کہ بود
تیرے لعل جیسے ہونٹ سے اسی طرح ظاہر ہے جیسا کہ تھا

عاشقاں محرمِ اسرارِ امانت باشند
عاشق تو، امانت کے رازوں کے محرم ہوتے ہیں
لاجرم چشمِ گہربار ہمانست کہ بود
لیکن آنکھ تو، آنسو بہانے والی وہی ہے جو تھی

کشتۂ غمزۂ خود را بزیارت می آی
تو اپنی ادا کے شہید کی زیارت کو آ
زانکہ بیچارہ ہماں دل نگرانست کہ بود
اس لیے کہ بیچارہ دل، اسی طرح منتظر ہے جیسا کہ تھا

زلفِ ہندوئے تو گفتم کہ دگر رہ نزند
میں نے سمجھا کہ تیری کافر زلف پھر ڈاکہ نہ ڈالے گی
سالہا رفت و بداں سیرت و شانست کہ بود
سالوں گذر گئے، اور اسی عادت اور شان سے ہے، کہ تھی

حافظا باز نما قصۂ خونابۂ چشم
اے حافظ! آنکھوں کے خون بہانے کا معاملہ پھر دکھا
کہ دریں چشمہ ہماں آب روانست کہ بود
اس لیے کہ اس چشمہ میں وہی پانی جاری ہے، جو تھا

گفتم کہ خطا کردی و تدبیر نہ ایں بود
میں نے کہا، تو نے غلطی کی، اور تدبیر یہ نہ تھی
گفتا چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود
اس نے کہا، کیا کیا جائے تقدیر ایسے ہی تھی

گفتم کہ خدا داد مرادت بوصالش
میں نے کہا، خدا نے اُسکے وصال کیلئے تیری مراد پوری کردی
گفتا کہ مرادم بوصالش نہ ہمیں بود
اس نے کہا، اس کے وصال سے میری مراد صرف یہی نہیں تھی

گفتم کہ قرینِ بدت افگند بدیں روز
میں نے کہا، برے کس برے ساتھی نے تجھے یہ دن دکھایا ہے
گفتا کہ مرا بختِ بدِ خویش قریں بود
اس نے کہا، میرا برا نصیبہ ہی برا ساتھی تھا

گفتم ز من اے ماہ چرا مہر بریدی
میں نے کہا، اے چاند! مجھ سے محبت کیوں توڑلی
گفتا کہ فلک با منِ بد مہر بکیں بود
اس نے کہا، مجھ نامہربان سے آسمان کو کینہ تھا

گفتم کہ بسے جامِ طرب خوردی ازیں پیش
میں نے کہا، اس سے پہلے تو تو نے مستی کے بہت سے جام پئے ہیں
گفتا کہ شفا در قدحِ بازپسیں بود
اس نے کہا، شفا، آخری پیالے میں تھی

گفتم کہ تو اے عمر چرا زود برفتی
میں نے کہا، اے عمر! تو اس قدر جلدی کیوں گذر گئی
گفتا کہ فلانے چکنم عمر ہمیں بود
اس نے کہا، اے فلانے میں کیا کروں، عمر ہی اتنی تھی

گفتم کہ بسے خطِ جفا بر تو کشیدند
میں نے کہا، انھوں نے تیرے اوپر ظلم کے بہت سے خط کھینچے
گفتا ہمہ آں بود کہ بر لوحِ جبیں بود
اس نے کہا، سب کچھ وہ تھا جو پیشانی کی تختی پر تھا

گفتم کہ نہ وقتِ سفرت بود چنیں زود
میں نے کہا، اس قدر جلد تیرے سفر کا وقت نہ تھا
گفتا کہ مگر مصلحتِ وقت چنیں بود
اس نے کہا، لیکن وقت کی مصلحت یہی تھی

گفتم کہ ز حافظ بچہ علت شدہ دور
میں نے کہا، تو حافظ سے کیوں دور ہوگیا؟
گفتا کہ ہمہ وقت مرادا عیہ ایں بود
اس نے کہا، یہ میری ہمیشہ کی خواہش تھی

۱؎ لعل اور گوہر کے طلبگار ختم ہوگئے ورنہ سورج تو کانوں میں برابر لعل وگوہر بنا رہا ہے۔
۲؎ محبوب کے رخسار اور ہونٹ عاشق کے دل کے خون سے رنگین تھے خط نکل آنے سے رخسار کا رنگ تو چھپ گیا ہونٹوں کی وہی سرخی باقی ہے۔
۳؎ عاشق تو رازِ عشق کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن آنکھ آنسو بہاکر راز افشا کردیتی ہے۔
۴؎ شعر [illegible]
۵؎ برابر راہ زنی کررہی ہے۔
۶؎ آنکھیں بدستور خونباری کررہی ہیں۔
۷؎ اس غزل میں گویا ایک عاشق مرتے وقت خود اپنی جان سے سوال وجواب کررہا ہے۔

گرچہ بر واعظِ شہر ایں سخن آساں نشود — تا ریا ورزد و سالوس مسلماں نشود
خواہ شہر کے واعظ کے لئے یہ بات آسان نہ ہو — جب تک ریا، اور مکاری کرے گا مسلمان نہ ہوگا

رندی آموز و کرم کن کہ نہ چنداں ہنر ست — حیوانے کہ ننوشد مے و انساں نشود
رندی سیکھو، اور بخشش کر اس لئے کہ کوئی ہنر نہیں ہے — اس جانور کے لئے جو شراب نہ پیے اور انسان نہ بنے

گوہرِ پاک بباید کہ شود قابلِ فیض — ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجاں نشود
فیض کے قابل ہونے کے لئے، پاک جوہر چاہیے — ورنہ ہر پتھر اور مٹی، موتی، اور مونگا نہیں بنتا

اسمِ اعظم بکند کارِ خود اے دل خوش باش — کہ بہ تلبیس و حیل دیو مسلماں نشود
اے دل خوش رہ، اسم اعظم اپنا کام کرتا ہے — اس لئے کہ مکاری اور حیلہ بازی سے شیطان مسلمان نہیں بنتا

دردمندیکہ کند دردِ نہاں پیشِ طبیب — دردِ او بے سببے قابلِ درماں نشود
وہ مریض، جو اپنا مرض طبیب کے سامنے چھپائے — اس کا درد، بیشک علاج کے قابل نہیں ہوتا

عشق می ورزم و امید کہ ایں فنِ شریف — چوں ہنرہائے دگر موجبِ حرماں نشود
میں عشق اختیار کرتا ہوں، اور یہ امید ہے کہ یہ شریف فن — دوسرے ہنروں کی طرح، محرومی کا سبب نہ ہوگا

دوش میگفت کہ فردا بدہم کامِ دلت — سببے ساز خدایا کہ پشیماں نشود
وہ کل رات کہہ رہا تھا کہ کل کو تیرے دل کا مقصد پورا کردوں گا — اے خدا! ایسا سبب پیدا کر دے، کہ وہ شرمندہ نہ ہو

حسنِ خلقے ز خدا می طلبم خوئے ترا — تا دگر خاطرِ ما از تو پریشاں نشود
میں خدا سے تیری عادت کے لیے، حسنِ خلق طلب کرتا ہوں — تاکہ پھر تجھ سے ہماری طبیعت پریشان نہ ہو

ہر کہ در پیشِ بتاں از سرِ جاں میلرزد — بے تکلف تنِ او لائقِ قرباں نشود
جو معشوقوں کے سامنے، جان جانے کے خیال سے کانپتا ہے — بیشک اس کا جسم، قربان ہونے کے لائق نہیں ہوتا

ذرہ را تا نبود ہمتِ عالی حافظ
اے حافظ! جب تک ذرہ بلند ہمت نہ ہو

طالبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں نشود
روشن آفتاب کے چشمہ کا طالب نہیں ہوتا

گرچہ از غمزہ بتم زخمے بدل کاری کند — گاہ گاہ از مرہم باشد کہ دلداری کند
اگرچہ میرا محبوب، غمزہ سے دل پہ کاری زخم لگاتا ہے — ہو سکتا ہے کہ کبھی کبھی مرہم سے میری دلداری کرے

گر نباشد از مئے لعلِ تو بوئے در مشام — عاشقاں را دیدہ دائم کارِ خماری کند
اگر تیرے ہونٹ کی شراب کی بو دماغ میں نہ ہو — عاشقوں کی آنکھ، ہمیشہ خماری کا کام کرے

زاہدے را ذوق گر ہمچو منے حاصل شود — مست می آید ہمہ توبہ ز ہشیاری کند
اگر زاہد کو، مجھ جیسوں کا ذوق حاصل ہو جائے — شراب سے مست ہو جائے اور ہوشیاری سے بالکل توبہ کرے

ہم ستانم دادِ مے ہم میکنم مستانہ رقص — ساقیا آں مطربم امروز اگر یاری کند
شراب نوشی کی بھی داد حاصل کروں اور مستانہ رقص بھی کروں — اے ساقی! اگر وہ مطرب آج میری مدد کرے

تا خورد از دستِ تو جامِ صبوحی یک صباح — اہلِ تقویٰ ہر شبے تا صبح بیداری کند
تاکہ کسی صبح کو تیرے ہاتھ سے صبوحی کا جام پی لے — متقی، ہر رات کو صبح تک بیداری کرتا ہے

ا۔ واعظ شہر کے لیے اگرچہ یہ آسان بات نہیں ہے لیکن وہ مسلمان جب ہی بنے گا جب مکاری چھوڑ دے گا۔
۲۔ شراب نوشی بدون انسان کجا نور ہے۔
۳۔ اگر طبیعت میں صلاحیت نہیں ہے تو فیض حاصل نہیں ہو سکتا ہر پتھر موتی اور مونگا نہیں بن سکتا ہے۔
۴۔ اسمِ اعظم "اللہ" کا وردِ لا محالہ اثر کرتا ہے۔
۵۔ اور ہنر تو محرومی کا سبب ہی ہے، یہ ہنر کام دے گا۔

شعر

۶۔ محبوب میں اور خوبیاں تو ہیں دعا ہے کہ حسنِ خلق بھی حاصل ہو جائے تاکہ ہم مصیبت سے نجات پائیں۔
۷۔ ذرہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔
۸۔ محبوب زخم لگاتا ہے۔ اسی سے مرہم کی بھی امید ہے
۹۔ خمار، شراب کو پیالوں میں ڈالتا ہے۔ کارِ خماری جرعہ ریزی یعنی آنکھیں آنسو گراتی رہیں گی۔
۱۰۔ شب بیداری کی وجہ یہ ہے کہ صبح کی شراب ہاتھ آجائے۔

حافظِ مسکیں غریبک کز پئے او شد خراب
حافظ، مسکین، ادنیٰ غریب جو اس کے پیچھے ویران ہو گیا

گر رسیدے ساقیا از بادہ معماری کند
اگر ساقی آجائے تو شراب کے ذریعہ آباد کرے

گر زلفِ پریشانت در دستِ صبا افتد
اگر تیری بکھری ہوئی زلف، صبا کے ہاتھ پڑ جائے

ہر جا کہ دلے باشد بر بادِ ہوا افتد
جہاں کہیں کوئی دل ہو، ہوا میں برباد ہو جائے

ما کشتیِ صبرِ خود در بحرِ غم افگندیم
ہم نے اپنے صبر کی کشتی غم کے سمندر میں ڈال دی

تا آخر ازیں طوفاں ہر تختہ کجا افتد
دیکھیے! اس طوفان سے ہر تختہ کہاں پہونچے؟

ہر کس بہ تمنائے فال از رُخِ او گیرد[1]
ہر شخص، تمنا میں اُس کے رُخ سے فال نکالتا ہے

بر تختۂ فیروزی تا قرعہ کرا افتد
دیکھیے، کامیابی کے تختے پر کس کا قرعہ پڑے؟

آں بادہ کہ دلہا را از غم دہد آزادی
وہ شراب، جو دلوں کو غم سے آزادی دیتی ہے

پر خونِ جگر گردد چوں دور بما افتد
جب ہماری باری آتی ہے، جگر کے خون سے پر ہوتی ہے

گر زلفِ سیاہت[2] را من مشکِ ختن گفتم
اگر میں نے تیری سیاہ زلف کو ختن کا مشک کہہ دیا

در تاب مشو جاناں در گفتہ خطا افتد
تو اے جاناں! غصہ نہ کر، کہنے میں غلطی ہو جاتی ہے

حالِ دلِ حافظ شد از دستِ غمِ ہجرت
تیرے ہجر کے غم کے ہاتھوں، حافظ کے دل کا حال ایسا ہو گیا ہے

چوں عاشقِ سرگرداں کز دوست جدا افتد
جیسا کہ وہ حیران عاشق، جو دوست سے جدا ہو جائے

مرا[3] بہ رندی و عشق آں فضول عیب کند
مجھ پر رندی اور عشق کا وہی فضول شخص عیب لگاتا ہے

کہ اعتراض بر اسرارِ علمِ غیب کند
جو علمِ غیب کے رازوں پر اعتراض کرتا ہے

کمالِ[4] صدق و محبت ببیں نہ نقصِ گناہ
سچائی اور محبت کے کمال کو دیکھ، نہ کہ گناہ کے عیب کو

کہ ہر کہ بے ہنر افتد نظر بعیب کند
اس لیے کہ جو بے ہنر ہوتا ہے اس کی نظر عیب پر پڑتی ہے

چناں بزد رہِ اسلام غمزۂ ساقی
ساقی کی ادا نے اسلام پر ایسا ڈاکہ مارا

کہ اجتناب ز صہبا مگر صہیب[5] کند
کہ اب شاید، صہیبؓ ہی شراب سے بچ سکے

ز عطرِ حورِ بہشت آں زماں برآید بوئے
بہشت کی حور کے عطر سے اسی وقت خوشبو آئے گی

کہ خاکِ میکدۂ ما عبیرِ جیب کند
جبکہ ہمارے شراب خانہ کی خاک کو گریبان کی خوشبو بنائے

کلیدِ[6] گنجِ سعادت قبولِ اہلِ دل ست
سعادت کے خزانہ کی کنجی، اہلِ دل کے یہاں مقبول ہونا ہے

مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند
ایسا نہ ہو کہ اس نکتہ میں کوئی، شک اور شبہ کرے

شبانِ[7] وادیِ ایمن گہے رسد بمراد
وادئ ایمن کا گڈریا اس وقت مراد کو پہونچتا ہے

کہ چند سال بجاں خدمتِ شعیب کند
جبکہ چند سال دل سے، شعیب کی خدمت کرے

ز دیدہ خوں بچکاند فسانۂ حافظ
حافظ کا قصہ، آنکھوں سے خون ٹپکا دیتا ہے

چو یادِ عہدِ شباب و زمانِ شیب کند
جب وہ جوانی کے وقت، اور بڑھاپے کے زمانہ کی یاد دلاتا ہے

---

[1] ہر شخص اُسکے رخ کی تمنا میں فال نکال رہا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ قرعہ کس کے نام کا نکلے۔

[2] زلف کو مشکِ ختن کہنا بھی زلف کی توہین ہے

[3] ہمیں رند بنانے میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی لہٰذا ہماری رندی پر عیب لگانا مناسب نہیں ہے۔

[4] ہنر پر نگاہ ہونی چاہیے عیب بینی بے ہنروں کا کام ہے۔

[5] حضرتِ صہیبؓ کا تقویٰ صحابہ میں ضرب المثل تھا۔

[6] اہلِ دل میں مقبول ہونا سعادت مندی کی دلیل ہے۔

[7] حضرتِ موسیٰؑ نے حضرتِ شعیب کی آٹھ سال بکریاں چرائیں جب کہیں وادئ ایمن میں ان کو تجلیات کا مشاہدہ ہوا۔

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید
کہ ز انفاسِ خوشش بوئے کسے می آید
اے دل خوشخبری ہو کہ اک مسیحا جیسے سانس والا آتا ہے
اس لیے کہ اُس کے بہترین سانسوں سے کسی کی خوشبو آرہی ہے

از غم و درد مکن نالہ و فریاد کہ دوش
زدہ ام فالے و فریاد رسے می آید
غم اور درد سے نالہ اور فریاد نہ کر اس لیے کہ کل رات
میں نے فال نکالی ہے اور ایک فریاد رس آرہا ہے

ز آتشِ[1] وادیِ ایمن نہ منم خرم و بس
موسیٰ اینجا بامیدِ قبسے می آید
وادیٔ ایمن کی آگ سے صرف میں ہی خوش نہیں ہوں
موسیٰ بھی اس جگہ، چنگاری کی اُمید میں آتا ہے

ہیچکس[2] نیست کہ در کوئے تو اش کارے نیست
ہر کس اینجا بامیدِ ہوسے می آید
کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا تیرے کوچہ میں کوئی کام نہ ہو
اس جگہ ہر شخص ایک ہوس کی اُمید میں آتا ہے

کس[3] ندانست کہ منزلگہِ معشوق کجاست
اینقدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید
کوئی نہیں جانتا کہ معشوق کی منزل کہاں ہے؟
بس اتنا ہے، کہ گھنٹے کی آواز آتی ہے

جرعہ[4] دہ کہ بمیخانۂ اربابِ کرم
ہر حریفے ز پئے ملتمسے می آید
ایک گھونٹ دے، اس لیے کہ سخیوں کے شراب خانہ میں
ہر دوست، ایک آرزو لے کر آتا ہے

خبرِ[5] بلبل ایں باغ مپرسید کہ من
نالۂ می شنوم کز قفسے می آید
اس باغ کے بلبل کی بات نہ پوچھو اس لیے کہ میں
ایک نالہ سن رہا ہوں، جو ایک پنجرے سے آتا ہے

دوست[6] را گر سر پرسیدنِ بیمارِ غم ست
گو بیا خوش کہ ہنوزش نفسے می آید
اگر دوست کو، غم کے بیمار کو، پوچھنے آنے کا خیال ہے
تو کہدو خوشی سے آجائے اس لیے کہ ابھی اس کا سانس چل رہا ہے

یار دارد سرِ صیدِ دلِ حافظ یاراں
شاہبازے بشکارِ مگسے می آید
اے دوستو! محبوب کو حافظ کے دل کے شکار کرنے کا خیال ہے
ایک شہباز ایک مکھی کے شکار کے لئے آتا ہے

مطربِ[7] عشق عجب ساز و نوائے دارد
نقش ہر پردہ کہ زد راہ بجائے دارد
عشق کا مطرب، عجب ساز اور آواز رکھتا ہے
جس پردے کے نقش کو بجاتا ہے ایک خاص مقام کی طرف جاتا ہے

عالم از نالۂ عشاق مبادا خالی
کہ خوش آہنگ و فرح بخش نوائے دارد
خدا کرے عاشقوں کے نالے سے دنیا خالی نہ ہو
کیونکہ وہ عمدہ آواز اور تفریح دینے والی لے رکھتا ہے

پیرِ دُردی کشِ ما گرچہ ندارد زر و زور
خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد
ہمارا تلچھٹ پینے والا پیر، اگرچہ زر اور زور نہیں رکھتا ہے
لیکن اچھا عطا بخش، اور خطا پوش خدا رکھتا ہے

از[8] عدالت نبود دور گرش پرسد حال
پادشاہے کہ بہ ہمسایہ گدائے دارد
اُس کے انصاف سے بعید نہ ہوگا، اگر حال پوچھ لے
وہ بادشاہ، جو پڑوس میں ایک فقیر رکھتا ہے

محترم[10] دار دلم کایں مگس قند پرست
تا ہوا خواہِ تو شد فرِ ہمائے دارد
میرے دل کو محترم رکھ، اس لیے کہ یہ میٹھے کی عاشق مکھی
جب سے تیری ہوا خواہ ہوئی ہے ہُما کی شان رکھتی ہے

اشکِ خونیں بطبیباں بنمودم گفتند
دردِ[11] عشق ست و جگر سوز دوائے دارد
میں نے خونی آنسو طبیبوں کو دکھائے تو انہوں نے کہا
عشق کا درد ہے جس کی دوا جگر کو جلانے والی ہے

[1] وادیٔ ایمن میں جب حضرتِ موسیٰ کو روشنی نظر آئی وہ اسکو آگ سمجھ کر اس میں سے چنگاری لینے کے لیے گئے تب ان پر حقیقت کھلی کہ یہ آگ نہیں ہے خدا کی تجلی ہے۔

[2] تیرے کوچہ کی ہوس میں ہر شخص مبتلا ہے۔

[3] قافلہ کے اونٹوں کی گردنوں میں گھنٹیاں باندھ دی جاتی تھیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قافلہ جا رہا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ محبوب کا قافلہ کہاں پہونچے گا ہم بھی گھنٹیوں کی آواز پر قافلہ کی سمت چلے جا رہے ہیں۔

[4] اربابِ کرم کی محفل میں ہر شخص متمنی بنکر آتا ہے۔

[5] وہی بے چاری ہے جو قفس میں بند ہے۔

[6] اب بھی بیمار پرسی کا موقع ہے۔

[7] ماہر مطرب ہے کہ جس پردے پر ہاتھ مارتا ہے ایک خاص نغمہ پیدا ہوتا ہے۔

[8] شعر [illegible]

[9] بادشاہ کا ہمسایہ فقیر کو پوچھنا عین انصاف ہے

[10] چونکہ دل میں تیری محبت ہے لہٰذا وہ قابلِ احترام بن گیا ہے

[11] اس درد کی دوا سے جگر جل جائے گا لہٰذا دوا نہ کرنا بہتر ہے۔

ستم از غمزہ میاموز کہ در مذہبِ عشق
غمزہ سے ظلم کرنا نہ سیکھ، اس لیے کہ عشق کے مذہب میں
ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد
ہر عمل ایک اجر اور ہر کام ایک بدلہ رکھتا ہے

نغز گفت آں بتِ ترسا پسرِ بادہ فروش
اُس آتش پرست معشوق، شراب فروش کے لڑکے نے عمدہ بات کہی
شادیِ روئے کسے جو کہ صفائے دارد
کسی ایسے شخص کے چہرے کی خوشی تلاش کر جو صفائی رکھتا ہے

خسروا حافظِ درگاہ نشیں فاتحہ خواند
اے بادشاہ! درگاہ نشیں، حافظ نے فاتحہ پڑھی
وز زبانِ تو تمنائے دعائے دارد
اور تیری زبان سے، دعا کی تمنا رکھتا ہے

من و انکارِ شراب ایں چہ حکایت باشد[1]
میں، اور شراب کا انکار، یہ کیا قصہ ہوگا؟
غالباً ایں قدرم عقل کفایت باشد
شاید اس قدر عقل، میرے لئے کافی ہوگی

منکہ شبہا رہِ تقویٰ زدہ ام با دف و چنگ[2]
میں، جس نے دف اور چنگ کے ساتھ راتوں تقوے پر ڈاکے ڈالے ہیں
ایں زماں سر برہ آرم چہ حکایت باشد
اب اگر میں سر راستہ پر لاؤں کیا بات ہوگی؟

زاہد ار راہ برندی نبرد معذور است[3]
زاہد، اگر رندی کے راستہ پر نہ چلے، معذور ہے
عشق کاریست کہ موقوفِ ہدایت باشد
عشق ایسا کام ہے، جو ہدایت پر موقوف ہے

تا بغایت رہِ میخانہ نمیدانستم[4]
میں تو اب تک، شراب خانہ کا راستہ نہیں جانتا تھا
ورنہ مستوریِ ما تا بچہ غایت باشد
ورنہ ہماری پرہیزگاری، کس حد تک ہوگی

بندۂ پیرِ مغانم کہ ز جہلم برہاند
میں پیرِ مغاں کا غلام ہوں کیونکہ اُس نے مجھے جہل سے چھڑا دیا
پیرِ ما ہر چہ کند عینِ رعایت باشد
ہمارا پیر جو کچھ کرے، عین مناسب ہوگا

زاہد و عُجب و نماز و من و مستی و نیاز[5]
زاہد ہے، اور تکبر، اور نماز، اور میں ہوں اور مستی اور عاجزی
تا خود او را ز میاں با کہ عنایت باشد
دیکھیے! اس کی خود کس پر مہربانی ہو

دوش ازیں غصہ نخفتم کہ حکیمے میگفت[6]
کل شب میں اس رنج سے نہ سویا کہ ایک سمجھ دار کہتا تھا
حافظ ار بادہ خورد جائے شکایت باشد
حافظ اگر شراب پیے گا، شکایت کا موقع ہوگا

مسلماناں مرا وقتے دلے بود[7]
اے مسلمانو! میرا بھی کسی وقت ایسا دل تھا
کہ با وے گفتمے گر مشکلے بود
اگر کوئی مشکل پیش آتی تھی، تو میں اُس سے کہتا تھا

دلے ہمدرد و یارے مصلحت بیں
ایک ہمدرد دل، اور ایک مصلحت بیں دوست
کہ استظہارِ ہر اہلِ دلے بود
جو، ہر صاحبِ دل کی پشت پناہ تھا

بگردابے چو می افتادم از غم
جب میں غم کے، کسی بھنور میں پھنستا تھا
بتدبیرش امیدِ ساحلے بود
اُس کی تدبیر سے کسی ساحل کی اُمید ہوتی تھی

زمن ضائع شد اندر کوئے جاناں[8]
وہ دل، مجھ سے معشوق کے کوچہ میں گم ہوگیا
چہ دامنگیر یارب منزلے بود
اے خدا! کیسی دامنگیر منزل تھی

[1] کہ میں شراب کا انکار نہ کروں۔
[2] شعر:
عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے
[3] چونکہ اس کو رہبری حاصل نہیں ہوئی لہذا وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا ہے۔
[4] چونکہ میخانہ کے راستہ سے ناواقف ہیں اس لئے ہم متقی بنے ہوئے ہیں۔
[5] ظاہر ہے کہ خدا کو نیاز مندی ہی پسند ہے۔
[6] چونکہ سمجھ دار ہو کر ناسمجھی کی بات کر رہا تھا لہذا مجھے بڑا دکھ ہوا
[7] غزل کا مضمون مسلسل ہے اپنے دل کی کیفیات کو ظاہر کیا ہے۔
[8] ایسا دل جس سے سب کچھ توقعات تھیں محبوب کے کوچہ میں گم ہوگیا، یہ کوچہ بڑا دامنگیر ثابت ہوا۔

بحالِ ایں پریشاں رحمت آرید
اس پریشان کی حالت پر رحم کرو
کہ وقتے کاردانِ کاملے بود
اس لیے کہ ایک وقت وہ ایک مکمل واقف کار تھا

منِ آشفتہ را در ہر بلائے
مجھ پریشاں کے لیے، ہر مصیبت میں
رفیقِ کاروانِ قابلے بود
قافلہ کا، ایک قابل رفیق تھا

مرا تا عشق تعلیمِ سخن کرد
مجھے، جب سے عشق نے بات کرنی سکھائی
حدیثم نکتۂ ہر محفلے بود
میری بات، ہر محفل کا نکتہ تھی

ہنر[1] بے عیبِ حرماں بود لیکن
ہنر محرومی کے عیب سے خالی تھا، لیکن
زمن محروم تر کے سائلے بود
مجھ سے زیادہ محروم، کب کوئی بھکاری تھا

سرشکم در طلب دُرہا فشانید
طلب میں، میرے آنسوؤں نے موتی بکھیرے
ولے از وصلِ او بیجا صلے بود
لیکن، اس کے وصل سے محروم تھے

مگو[2] دیگر کہ حافظ نکتہ دانست
پھر نہ کہنا، کہ حافظ نکتہ داں ہے
کہ ما دیدیم مُحکم غافلے بود
اس لئے، ہم نے دیکھ لیا بچا غافل تھا

معاشراں[3] زحریفِ شبانہ یاد آرید
اے ساتھیو! رات کے دوست کو یاد کرو
حقوقِ بندگیٔ مخلصانہ یاد آرید
مخلصانہ غلامی کے حقوق کو، یاد رکھو

چو در میانِ مراد آورید دستِ امّید
جب مراد کی کر میں، امید کا ہاتھ ڈالو
زعہدِ صحبتِ ما در میانہ یاد آرید
اس وقت، ہماری دوستی کا زمانہ یاد رکھو

چو عکسِ بادہ کند جلوہ در رخِ ساقی
جب شراب کا عکس، ساقی کے رُخ میں رونما ہو
ززہدِ[4] من بسرود و ترانہ یاد آرید
گانے اور ترانے کے ساتھ میرے زہد کو بھی یاد رکھو

بوقتِ[5] سرخوشی از آہ و نالۂ عشّاق
مستی کے وقت، عاشقوں کی آہ، اور نالہ کو
بصوتِ نغمۂ چنگ و چغانہ یاد آرید
چنگ، اور چغانہ کے نغمہ کی آواز پر یاد رکھو

نمی[6] خورید زمانے غمِ وفاداراں
تم تھوڑی دیر کے لئے بھی وفاداروں کا غم نہیں کھاتے
زبیوفائیٔ دورِ زمانہ یاد آرید
دورِ زمانہ کی، بے وفائی کو یاد رکھو

سمندِ[7] دولت اگرچند سرکش ست ولے
دولت کا گھوڑا، اگرچہ تیز، اور سرکش ہے، لیکن
زہمرہاں بسرِ تازیانہ یاد آرید
کوڑے کے وقت، ساتھیوں کو بھی یاد رکھو

بوقتِ[8] مرحمت اے ساکنانِ صدر جلال
اے بزرگی کے صدر نشینو! مرحمت کے وقت
زروئے حافظ و آں آستانہ یاد آرید
حافظ کے چہرے، اور اس آستانے کو یاد رکھو

منِ و صلاح و سلامت کس ایں گماں نبرد
میں اور نیکی اور سلامتی، یہ گمان کوئی نہیں کرتا
کہ کس برند خرابات ظنّ آں نبرد
اس لیے کہ شراب خانہ کے رند کے بارے میں اس کا گمان کوئی نہیں کرتا

---

[1] یہ بھی درست ہے کہ ہنر کی قدر ہوتی ہے۔ لیکن میں ہر حال محروم رہا۔

[2] شعر: [illegible]

[3] شعر: چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی / بیاد آر محبان بادپیما را

[4] تا کہ تمہاری یاد میرے زہد کو بھی ختم کردے اور رندی میسر آجائے۔

[5] عیش کے وقت عاشقوں کی آہ اور نالہ کو یاد رکھو۔

[6] زمانے کی بیوفائی سے ڈرنا چاہیے اور وفاداروں کے غم میں شرکت کرنی چاہیے۔

[7] تم دولت کے گھوڑے پر سوار ہو لیکن پیادہ پا ساتھیوں کو یاد رکھو۔

[8] ہم نے بھی اس آستانہ پر پیشانی رگڑی ہے جب رحم کرنے کا وقت آئے تو ہمیں یاد رکھنا

شعر: [illegible]

من ایں مُرقّعِ پشمینہ بہرِ آں دارم
میں نے اُون کی یہ گدڑی، اس لیے اختیار کی ہے
کہ زیرِ خرقہ کشم مے کس ایں گماں نبرد
کہ گدڑی میں چھپا کر، میں شراب لیجاتا ہوں، کوئی یہ گمان نہ کرے

مباش غرّہ بعلم و عمل فقیہِ زماں
اے فقیہِ زمانہ! علم اور عمل پر غرور نہ کر
کہ ہیچکس ز قضائے خدائے جاں نبرد
اس لئے کہ کوئی شخص، خدا کی تقدیر سے جان نہیں بچا سکتا ہے

مشو فریفتۂ رنگ و بو قدح درکش
رنگ، اور بو پر فریفتہ نہ ہو اور پیالہ پی
کہ زنگِ غمِ ز دلت جز مےِ مُغاں نبرد
اس لئے کہ تیرے دل کے غم کے زنگ کو پیرِ مُغاں کی شراب کے علاوہ اور کوئی چیز صاف نہیں کر سکتی

اگرچہ دیدہ بوَد پاسبانِ تو اے گل
اے پھول! اگرچہ آنکھ تیری نگہبان ہو
بہوش باش کہ نقدِ تو پاسباں نبرد
ہوش رکھ، کہ تیری نقدی نگہبان ہی نہ لیجائے

منِ ضعیف چگونہ غمِ تو بر دارم
میں کمزور کس طرح تیرا غم برداشت کروں
کہ بارِ ہجرِ تو ایں جانِ ناتواں نبرد
کہ تیرے ہجر کا بوجھ، یہ کمزور جان برداشت نہیں کرتی

سخن بنزدِ سخنداں ادا مکن حافظ
اے حافظ! سخنداں کے سامنے بات نہ کر
کہ تحفہ کس دُر و گوہر بہ بحر و کاں نبرد
اس لئے کہ موتی اور گوہر کا تحفہ، سمندر اور کان کے پاس کوئی نہیں لیجاتا ہے

مرا مے دگر بارہ از دست بُرد
مجھے، شراب نے دوبارہ بیخود بنا دیا
بمن باز آورد مے دست بُرد
مجھ پر، شراب نے دوبارہ غلبہ حاصل کر لیا

ہزار آفریں بر مےِ سُرخ باد
سُرخ شراب کو، ہزار بار شاباش ہو
کہ از روئے ما رنگِ زردی ببرد
اس لیے کہ ہمارے چہرے سے زرد رنگ کو لے گئی

بنازیم دستے کہ انگور چید
ہمیں اس ہاتھ پر ناز ہے، جس نے انگور چنا
مریزاد پائے کہ در ہم فشرد
خدا کرے، وہ پاؤں نہ گرے جس نے نچوڑا

بروزاہدا خُردہ بر من مگیر
اے زاہد! جا، مجھ پر عیب نہ لگا
کہ کارِ خدائی نہ کاریست خرد
خدائی کا کام، معمولی کام نہیں ہے

مرا از ازل عشق شد سرنوشت
ازل سے، عشق میری تقدیر بنا
قضائے نبشتہ نشاید سترد
لکھی ہوئی تقدیر، مٹائی نہیں جا سکتی ہے

مزن دم ز حکمت کہ در وقتِ مرگ
حکمت کی ڈینگیں نہ مار، اس لئے کہ مرتے وقت
ارسطو دہد جاں چو بیچارہ کُرد
ارسطو، بیچارہ کُردی کی طرح جان دے دیتا ہے

مکن رنجِ بیہودہ خُرسند باش
بیکار رنج نہ کر، خوش رہ
قناعت کن ار نیست اطلس بہ برد
اگر اطلس نہیں ہے، چادر پر صبر کر

چناں زندگانی کن اندر جہاں
دنیا میں، اس طرح زندگی بسر کر
کہ چوں مُردہ باشی نگویند مرد
کہ جب تو مرے، لوگ یہ نہ کہیں کہ مر گیا

شود مستِ وحدت ز جامِ الست
الست کے جام سے توحید کا مست ہو جائیگا
ہر آں کو چو حافظ مے صاف خورد
جس کسی نے حافظ کی طرح صاف شراب پی لی

ے یہ مصرع اور اگلے شعر کا مصرعۂ ثانی، شاہنامۂ فردوسی کا شعر ہے جس پر حافظ نے تضمین کی ہے۔

۱ شعر [illegible]

۲ نجات کے معاملہ میں محض علم وعمل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے ۳ آنکھیں انسان کی پاسبان بھی ہیں اور یہی تباہی کا سبب بھی ہیں۔ شعر [illegible]

۴ جس ہاتھ نے شراب بنانے کے لئے انگور توڑے وہ ہمارے لئے باعث ناز ہے۔ جس پیر نے شراب بنائی اُس کے ہم دعا گو ہیں۔
۵ اللہ کی حکمتیں زاہد نہیں سمجھتا۔ ہمیں رند کسی مصلحت کی بنا پر ہی بنایا ہے۔
۶ کُرد، کردستانی کو کہا جاتا ہے جو عموماً ناخواندہ ہوتے تھے۔ یعنی مرتے وقت کُردی اور ارسطو حکیم کی یکساں حالت ہے۔
۷ مرنے کے بعد تیرا نام زندہ رہنا چاہیے۔
۸ الست سے وہی عہد مراد ہے جو ازل میں اللہ نے روحوں سے اپنی ربوبیت پر لیا ہے۔

مرا مہرِ سیہ چشماں ز دل بیروں نخواہد شد
سیاہ آنکھوں والوں کی محبت میرے دل سے نہ نکلیگی

قضائے آسمانست ایں و دیگرگوں نخواہد شد
یہ آسمانی فیصلہ ہے، اور یہ نہ بدلے گا

مرا روزِ ازل کارے بجز رندی نفرمودند
میرے لیے ازل میں رندی کے سوا کوئی حکم نہیں فرمایا

ہر آں قسمت کہ آنجا شد کم و افزوں نخواہد شد
جو تقدیر وہاں بن چکی ہے، کم اور زیادہ نہ ہوگی

مجالِ[1] من ہمیں باشد کہ پنہاں مہرِ او ورزم
میری طاقت میں تو یہی ہے کہ پوشیدہ طور پر اس کی محبت اختیار کروں

کنار و بوس و آغوشش چگویم چوں نخواہد شد
پہلو، اور بوسہ اور اسکو بغل میں لینے کے بارے میں کیا کہوں جبکہ یہ ہوگا ہی نہیں

شرابِ لعل و جائے امن و یارِ مہرباں ساقی
سرخ شراب، اطمینان کی جگہ، اور مہربان دوست، ساقی

دلا کے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد
اے دل! تیرا کام کب بنے گا اگر اب بھی نہ ہوگا

بیا تا در صفِ[2] رنداں بہ بانگِ چنگ مے نوشیم
آ، تاکہ رندوں کی صف میں چنگ کی دھن پر ہم شراب پئیں

کہ سازِ شرع زیں افسانہ بے قانوں نخواہد شد
اس لیے کہ شریعت کا ساز اس قصہ سے بے قانون نہ ہوگا

شبے مجنوں بلیلیٰ گفت کاے محبوبِ بے ہمتا
ایک رات مجنوں نے لیلیٰ سے کہا، اے بے مثال محبوب

ترا عاشق[3] شود پیدا و لے مجنوں نخواہد شد
تجھے عاشق مل جائے گا، لیکن وہ مجنوں نہ ہوگا

رقیب آزارہا فرمود و جائے آشتی نگذاشت
رقیب نے بہت سی تکلیفیں پہونچائیں، اور صلح کی گنجائش نہ چھوڑی

مگر آہِ سحر[4] خیزاں سوئے گردوں نخواہد شد
شاید سحر خیزوں کی آہ آسمان کی طرف نہ جائے گی

بیا[5] تا در مے صافیت رازِ دہر بنمایم
آ، تاکہ تجھے صاف شراب میں زمانے کے راز دکھاؤں

کہ کارِ عشق ازیں افسانہ بے افسوں نخواہد شد
اس لیے کہ عشق کا کام اس بے جادو کے قصہ سے نہ ہوگا

مشو اے دیدہ نقشِ غم ز لوحِ سینۂ حافظ
اے آنکھ! غم کا نقش حافظ کے سینہ کی تختی سے نہ دھو

کہ زخمِ تیرِ دلدارست و رنگِ خوں نخواہد شد
اسلیے کہ یہ محبوب کے تیر کا زخم ہے، اور خون کا رنگ نہ جائیگا

معاشراں[6] گرہ از زلفِ یار باز کنید
ساتھیو! یار کی زلف سے گرہ کھولدو

شبے خوش ست بایں قصہ اش دراز کنید
اچھی رات ہے اس کو اس قصے سے دراز کر دو

حضورِ[7] مجلسِ انس ست و دوستاں جمعند
محبت کی مجلس کی حاضری ہے، اور دوست جمع ہیں

و ان یکاد بخوانید و در فراز کنید
وان یکاد پڑھو، اور دروازہ بند کر دو

رباب و چنگ بہ بانگِ بلند میگویند
رباب، اور چنگ بلند آواز سے کہتے ہیں

کہ گوشِ ہوش بہ پیغامِ اہلِ راز کنید
کہ اہلِ راز کے پیغام کی طرف ہوش کے کانوں کو متوجہ کرو

ہر آں[8] کسے کہ دریں حلقہ نیست زندہ بعشق
جو شخص اس حلقہ میں عشق کے ذریعہ زندہ نہیں ہے

برو چو مردہ بفتوائے من نماز کنید
اس پر میرے فتوے سے مردے کی طرح نماز پڑھ دو

میانِ عاشق و معشوق فرق بسیارست
عاشق، اور معشوق میں بہت بڑا فرق ہے

چو یار ناز نماید شما نیاز کنید
جب دوست ناز کرے، تم عاجزی کرو

بجانِ[9] دوست کہ غم پردۂ شما ندرد
دوست کی جان کی قسم، غم تمہارا پردہ چاک نہ کریگا

گر اعتماد بر الطافِ کارساز کنید
اگر کارساز کی مہربانیوں پر بھروسہ کروگے

---

۱ ہمارے اختیار میں تو یہی ہے کہ اس سے محبت کرتے رہیں بوسہ وکنار جب ہمارے قبضہ کی بات نہیں ہے تو اس کی کیا بات کریں۔
۲ ہماری شراب نوشی سے شریعت کا نظام درہم برہم نہ ہوگا۔
۳ عاشق تو ملجائیں گے لیکن مجھ جیسا دیوانہ عاشق نہ ملے گا۔
۴ آہیں آسمان تک نہیں پہونچتی ہیں کہ رقیب کو پاداش ملے۔
۵ عشق کا کام شراب سے چلے گا دنیاوی باتوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔
۶ محبوب کی گرہ کشائی میں شب بیداری کرو
۷ وان یکاد الذین کفروا۔ الآیۃ۔ نظر بد کو دفع کرنے کے لیے پڑھا جاتا ہے یعنی یہ آیت پڑھ لو تاکہ اس مجمع کو نظر نہ لگ جائے۔
۸ جس نے عشق کے ذریعہ زندگی حاصل نہیں کی وہ مردہ ہے۔
۹ خدا کی مہربانیوں پر نظر رکھو غم تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

نخستْ موعظۂ پیرِ مے فروش اینست ـ کہ از معاشرِ ناجنس احتراز کنید

مے فروش پیر کی سب سے پہلی نصیحت یہ ہے ـ کہ ناجنس، ساتھی سے بچو

اگر طلب کند انعامے از شما حافظ

اگر حافظ، تم سے انعام طلب کرے

حوالتش بلبِ یارِ دل نواز کنید

اس کو دلنواز، یار کے ہونٹ کے حوالے کردو

مرا بوصلِ تو گر زانکہ دسترس باشد ـ دگر ز طالعِ خویشم چہ مُلتمس باشد

مجھے، اگر تیرے وصل پر دسترس ہو ـ پھر مجھے اپنے نصیبہ سے اور کیا درکار ہوگا؟

اگر بہر دو جہاں یک نفس زنم با دوست ـ مرا ز ہر دو جہاں حاصل آں نفس باشد

اگر دونوں جہانوں میں تھوڑی دیر کیلئے بھی دوست کے ساتھ سانس لوں ـ میرے لیے دونوں جہان کا ماحصل وہی سانس ہوگا

بر آستانِ تو غوغائے عاشقاں چہ عجب ـ کہ ہر کجا شکرستاں بود مگس باشد

تیری چوکھٹ پر عاشقوں کا شور کیا تعجب کی بات ہے ـ اس لیے کہ جہاں کہیں شکرستان ہوگا مکھیاں ہوں گی

رہِ خلاص کجا باشد آں غریقے را ـ کہ سیلِ محنتِ عشقش زپیش و پس باشد

اس ڈوبنے والے کے لیے بچاؤ کا راستہ کہاں ہوگا؟ ـ جس کے آگے پیچھے عشق کی تکلیف کا بہاؤ ہو

چہ حاجت ست بشمشیر قتلِ عاشق را ـ کہ نیم جانِ مرا یک کرشمہ بس باشد

عاشق کے قتل کے لئے تلوار کی کب ضرورت ہے؟ ـ اس لئے کہ میری آدھی جان کے لیے ایک ادا کافی ہے

ہزار بار شود آشنا و دیگر بار ـ مرا ببیند و گوید کہ ایں چہ کس باشد

ہزار بار جان پہچان والا ہوتا ہے، اور پھر ـ مجھے دیکھتا ہے، اور کہتا ہے یہ کون ہوگا؟

ازیں سبب کہ مرا دستِ بخت کوتاہ ست ـ بکیم بسر و بلندِ تو دسترس باشد

چونکہ، میرے نصیبہ کا ہاتھ کوتاہ ہے ـ تیرے بلند سرو پر، مجھے کب قدرت ہوسکتی ہے؟

خوش ست بادۂ رنگین و صحبتِ جاناں

رنگین شراب، اور معشوق کی صحبت اچھی چیز ہے

مدام حافظِ بیدل دریں ہوس باشد

بیدل حافظ، ہمیشہ اس ہوس میں ہوگا

میزنم ہر نفس از دستِ فراقت فریاد ـ آہ اگر نالۂ زارم نرساند بتو باد

تیرے فراق کے ہاتھ سے، میں ہر وقت فریاد کرتا ہوں ـ اگر ہوا، میرا نالۂ زار تجھ تک نہ پہونچائے تو افسوس ہے

چہ کنم گر نہ کنم نالہ و فریاد و فغاں ـ کز فراقِ تو چنانم کہ بداندیش مباد

کیا کروں، اگر نالہ و فغاں، اور فریاد نہ کروں ـ اس لیے کہ تیرے فراق میں ایسا ہوں کہ دشمن بھی نہ ہو

روز و شب غصہ و خوں میخورم و چوں نخورم ـ چوں ز دیدارِ تو دورم بچہ باشم دلشاد

دن رات رنج اور خون کھاتا ہوں، اور کیسے نہ کھاؤں ـ جبکہ تیرے دیدار سے دور ہوں، خوش دل کیسے رہوں؟

تا تواز چشمِ منِ سوختہ دل دور شدی ـ اے بسا چشمۂ خونیں کہ دل از دیدہ کشاد

جب سے تو، مجھ دل جلے کی آنکھ سے دور ہوا ہے ـ بہت خونی چشمے ہیں جو دل نے آنکھوں سے بہائے ہیں

---

۱ ناجنس کی صحبت سے بچنا چاہیے۔

۲ اس کے لئے بوسہ کا انعام کافی ہوگا۔

۳ اگر وصل میسّر آجائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا تمنا ہوسکتی ہے۔

۴ دوست کے ساتھ تھوڑا سا وقت گذار لینا میرے لیے دو جہان کا خلاصہ ہے۔

۵ شعر [illegible]

۶ میرے قتل کے لئے معشوق کی ایک ادا کافی ہے۔

۷ ہر بار تجاہلِ عارفانہ برتتا ہے۔

۸ جن مصائب میں مبتلا ہوں خدا دشمن کو بھی مبتلا نہ کرے۔

۹ تیرے بدون دل نے آنکھوں کے راستے خونی چشمے بہ نکلے ہیں۔

ازبنِ ہر مژہ صد قطرۂ خوں بیش چکید
ہر پلک کی جڑ سے سو سے زیادہ خون کے قطرے ٹپکے

چوں برآورد دل از دستِ فراقت فریاد
جبکہ دل نے، تیرے فراق کے ہاتھ سے فریاد کی

حافظِ دل شدہ مستغرقِ یادت شب و روز
بے دل حافظ دن رات تیری یاد میں ڈوبا ہوا ہے

تو ازیں بندۂ دلخستہ بکلّی آزاد
تو اس دل خستہ، غلام سے بالکل آزاد ہے

مژدہ[۱] ایدل کہ دگر بادِ صبا باز آمد
اے دل خوشخبری ہو کہ بادِ صبا پھر آئی

ہُدہُدِ خوش خبر از طرفِ سبا باز آمد
خوش خبر، ہد ہد، سبا کی طرف سے پھر آیا

برکش اے مُرغِ سحر نغمۂ داؤدی را
اے صبح کے پرندے! نغمۂ داؤدی شروع کر

کہ سلیمانِ گل از طرفِ ہوا باز آمد
کیونکہ پھول کا سلیمان، ہوا کی طرف سے پھر آیا

لالہ بوئے مَے نوشیں بشنید از دمِ صبح
صبح کے سانس سے لالے نے خوش ذائقہ شراب کی خوشبو سونگھی

داغ دل بود بامید دوا باز آمد
اس کا دل داغ دار تھا، دوا کی امید میں پھر آیا

عارفے[۲] کو کہ کند فہم زبانِ سوسن
ایسا عارف کہاں ہے، جو سوسن کی زبان سمجھے؟

تا بگوید کہ چرا رفت و چرا باز آمد
اور یہ تجھے بتائے کہ کیوں گئی، اور کیوں پھر آئی؟

مردمی کرد و کرم بختِ خدا دادہ من
میرے خدا داد نصیبہ نے شرافت اور کرم کیا

کاں بتِ سنگدل از راہِ وفا باز آمد
کہ وہ سنگدل بت ہوفا کے طریقہ پر لوٹ آیا

جانِ[۳] من از پئے ایں قافلہ بس آہ کشید
میری جان نے، اس قافلہ کے پیچھے بہت آہیں بھریں

تا بگوشِ دلم آوازِ درا باز آمد
یہاں تک کہ میرے دل کے کان میں گھنٹہ کی آواز پھر آگئی

گرچہ ما عہد شکستیم وگنہ حافظ کرد
اگرچہ ہم نے عہد شکنی کی، اور حافظ نے گناہ کیا

لطفِ او بیں کہ بصلح از درِ ما باز آمد
اس کی مہربانی دیکھ کہ صلح کے لیے ہمارے دروازے پر پھر آگیا

نفس[۴] برآمد و کام از تو بر نمی آید
سانس نکل گیا اور تجھ سے مقصد پورا نہیں ہوتا ہے

فغاں کہ بختِ من از خواب بر نمی آید
فریاد ہے کہ میرا نصیبہ نیند سے بیدار نہیں ہوتا ہے

مگر[۵] بروئے دل آرائے یارِ من ورنہ
شاید میرے یار دل آرا کے چہرے سے ہو جائے ورنہ

بہیچ گونہ دگر کار بر نمی آید
کسی دوسرے طریقہ پر، کام نہیں نکلتا ہے

دریں خیال بسر شد دریغ عمرِ عزیز
افسوس ہماری عمرِ عزیز اس خیال میں ختم ہوگئی

بلائے زلفِ سیاہت بسر نمی آید
تیری کالی زلف کی مصیبت ختم نہیں ہوتی ہے

چناں بحسرتِ خاکِ درِ تو می میرم
تیرے در کی خاک کی حسرت میں اس طرح سے مر رہا ہوں

کہ آبِ زندگیم در نظر نمی آید
کہ آبِ حیات، میری نظر میں نہیں آتا ہے

بسے[۶] حکایتِ دل ہست با نسیمِ سحر
صبح کی ہوا سے کہنے کے بہت سے دل کے قصے ہیں

ولے بہ بختِ من امشب سحر نمی آید
لیکن میرے نصیبہ سے آج کی رات صبح نہیں ہوتی ہے

---

[۱] سبا بلقیس کے ملک کا نام ہے حضرت سلیمان کو ہد ہد نے وہاں کی خبریں لاکر دی تھیں

[۲] سوسن کو دس زبانوں والا مانا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پھول کی دس پنکھڑیاں بصورتِ زبان ہوتی ہیں یعنی سوسن سے دریافت کرے کہ تو کیوں گئی تھی اور پھر کیوں آئی ہے۔

[۳] قافلہ کی آواز سننے کے لیے میں آہیں بھرتا ہوا پیچھے پیچھے جارہا تھا چنانچہ آواز سن لی۔

[۴] جان نکل گئی اور مقصد پورا نہ ہوا۔

[۵] محبوب کا چہرہ عقدہ کشائی کرے گا ورنہ کام بنتا نظر نہیں آتا۔

[۶] ہم ہجر کی رات کی باتیں نسیم سحر سے کرنا چاہتے ہیں لیکن آج رات صبح ہی نہیں ہو رہی ہے۔

قدِ بلندِ ترا تا بَبر نمے گیرم
جب تک تیرے بلند قد کو بغل میں نہیں لیتا ہوں
درختِ بختِ مرادم ببر نمی آید
میری مراد کے نصیب کا درخت پھل نہیں دیتا ہے

مُقیمِ زلفِ تو شد دل کہ خوش ہوائے داشت
دل تیری زلف میں مُقیم ہوگیا اس لیے کہ اسکی ہوا خوب تھی
وزآں غریبِ بلاکش خبر نمی آید
اور اس مصیبت زدہ پردیسی کی خبر نہیں آتی ہے

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
زندگی اور مال کو ہم نے دوست پر قربان نہ کیا افسوس ہے!
کہ کارِ عشق زما ایں قدر نمی آید
کہ ہم سے عشق کا اتنا سا کارنامہ نہیں ہوتا ہے

ہمیشہ تیرِ سحر گاہِ من خطا نشدے
میرا صبح کے وقت کا تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا
کنوں چہ شد کہ یکے کار گر نمی آید
اب کیا ہوا کہ ایک بھی کارگر نہیں ہوتا ہے؟

زِ شستِ صدق کشادم ہزار تیرِ دعا
میں نے سچائی کی شست سے دعا کے ہزار تیر چلائے
ازآں میانہ یکے کار گر نمی آید
ان میں سے ایک بھی کارگر نہیں ہوتا ہے

کمینہ شرطِ وفا ترکِ سر بود حافظ
اے حافظ وفا کی معمولی شرط، سر کو چھوڑ دینا ہے
برو اگر زتو ایں کار بر نمی آید
چلا جا، اگر تجھ سے یہ کام نہیں ہوتا ہے

زبسکہ شد دلِ حافظ رمیدہ از ہمہ کس
حافظ کا دل سب لوگوں سے بہت زیادہ بیزار ہوگیا ہے
کنوں زحلقۂ زلفت بدر نمی آید
جو اب تیری زلف کے حلقے سے باہر نہیں آتا ہے

نقدہا را بود آیا کہ عیارے گیرند
کیا اچھا ہو کہ نقدوں کو پرکھیں
تا ہمہ صومعہ داراں پئے کارے گیرند
تاکہ سب عبادت خانہ والے کسی کام میں لگ جائیں

مصلحت دیدِ من آنست کہ یاراں ہمہ کار
میری رائے میں تو مناسب یہ ہے، کہ دوست سب کام
بگذارند و خمِ طرّۂ یارے گیرند
چھوڑ دیں، اور دوست کے حلقۂ زلف کو پکڑ لیں

خوش گرفتند حریفاں سرِ زلفِ ساقی
دوستوں نے مست ساقی کی زلف کو اچھی طرح پکڑ لیا ہے
گر فلک شاں بگذارد کہ قرارے گیرند
اگر آسمان ان کو موقع دے، کہ اُنھیں سکون ملے

یارب ایں بچۂ ترکاں چہ دلیرند بخوں
اے خدا! یہ ترک بچے خون بہانے میں کس قدر دلیر ہیں
کہ بہ تیرِ مژہ ہر لحظہ شکارے گیرند
کہ ہر دم پلکوں کے تیر سے ایک شکار کرتے ہیں

رقص بر شعرِ تر و نالۂ نے خوش باشد
پاکیزہ شعر اور بانسری کے نالہ کی دُھن پر رقص اچھا ہوتا ہے
خاصہ رقصے کہ درو دستِ نگارے گیرند
خاص طور پر وہ رقص جس میں کسی حسین کا ہاتھ پکڑ لیں

قوّتِ بازوئے پرہیز بخوباں مفروش
حسینوں کے سامنے پرہیزگاری کی قوّتِ بازو کی ڈینگیں نہ مار
کہ دریں خیل حصارے بسوارے گیرند
اس لیے کہ اس لشکر میں ایک قلعہ ایک سوار کے ذریعے فتح کر لیتے ہیں

زاغ چوں شرم ندارد کہ نہد پا بر گل
جب کوّا اس میں نہیں شرماتا، کہ پھول پر پاؤں دھرے
بلبلاں را سزد ار دامنِ خارے گیرند
تو بلبلوں کے لئے مناسب ہے کہ کانٹے کا دامن تھام لیں

تا کنند اہلِ نظر خاکِ رہت کحلِ بصر
تاکہ اہلِ نظر تیرے راستے کی خاک کو آنکھ کا سرمہ بنالیں
عمرہا شد کہ سرِ راہگذارے گیرند
عمریں گذر گئی ہیں کہ وہ ایک راستے پر بیٹھے ہوئے ہیں

۱ جب تک تو بغلگیر نہ ہوگا میرا نصیبہ بارآور نہ ہوگا۔
۲ افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی عمر اور دولت دوست پر نثار نہ کر سکیں۔
۳ میری صبح کی دعائیں ضرور مقبول ہوتی تھیں لیکن اب کوئی دعا مقبول نہیں ہوتی ہے
۴ سر بار نا تو عشق کی ادنیٰ شرط ہے اگر عاشق یہ نہ کر سکے تو اس کو یہ راستہ چھوڑ دینا چاہیے۔
۵ اگر اعمال کی پرکھ ہونے لگے تو پھر عبادت گذار اپنے ریا کے کام کو چھوڑ کر کسی سچائی کے کام میں لگیں۔
۶ میری رائے میں یہی مناسب ہے کہ سب کام چھوڑ کر معشوق کی زلف میں لگا جائے۔
۷ حسینوں کے جمرمٹ میں تقوے کی ڈینگیں مارنا مناسب نہیں ان کا ایک سوار تقوے کے مضبوط سے مضبوط قلعے کو فتح کر لیتا ہے۔
۸ جب نا اہلوں کا عروج ہے تو اہلِ کمال کو گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیے۔

حافظ ابنائے زمانہ غمِ مسکیناں نیست
حافظ زمانے والوں کو، مسکینوں کی فکر نہیں ہے

زاں میاں گر بتواں بہ کہ کنارے گیرند
اگر ہو سکے تو یہ بہتر ہے، کہ وہ ان سے کنارہ کشی کریں

نہ[1] ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند
ایسا نہیں ہے کہ جس نے چہرہ سنوار لیا وہ دلبری جانتا ہے — نہ ہر وہ شخص جو آئینہ بنائے، سکندری جانتا ہے

نہ ہر کہ طرفِ کلہ کج نہاد و تند نشست — کلاہ داری و آئینِ سروری داند
ایسا نہیں ہے کہ جس نے ٹوپی کا کنارہ ٹیڑھا کر لیا اور اکڑ کر بیٹھ گیا — بادشاہی، اور سرداری کا طریقہ جانتا ہے

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست — نہ[2] ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
اس جگہ ہزاروں نکتے، بال سے بھی زیادہ باریک ہیں — یہ نہیں ہے کہ جس نے سر منڈا لیا وہ قلندری جانتا ہے

در آبِ دیدۂ خود غرقہ ام چہ چارہ کنم — کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند
میں اپنی آنکھوں کے پانی میں ڈوبا ہوا ہوں کیا کروں؟ — اس لیے کہ سمندر میں ہر شخص تیراکی نہیں جانتا ہے

غلامِ ہمتِ آں رندِ عافیت سوزم — کہ در گدا صفتی کیمیا گری داند
میں اُس عافیت سوز رند کی توجہ کا غلام ہوں — جو گدائی میں کیمیا گری جانتا ہے

سوادِ[3] نقطۂ بینش ز خالِ تست مرا — کہ قدرِ گوہرِ یکدانہ گوہری داند
میری بینائی کے نقطہ کی سیاہی تیرے تل سے ہے — اس لیے کہ دُرِ یکتا کی قدر، جوہری جانتا ہے

بباختم دلِ دیوانہ و ندانستم — کہ آدمی بچہ، شیوۂ پری داند
میں نے دیوانہ دل، ہار دیا، اور میں نہ سمجھا — کہ ایک آدمی زادہ، پری کا طور طریقہ جانتا ہے

بقد و چہرہ ہر آنکس کہ شاہِ خوباں شد — جہاں بگیرد اگر دادگستری داند
ہر وہ شخص جو چہرے اور قد میں حسینوں کا بادشاہ بن گیا — وہ دنیا پر قبضہ کر لے اگر انصاف کرنا جانے

وفائے[4] عہد نکو باشد ار بیاموزی — وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند
اگر تو سیکھے، تو وفاداری بہتر بات ہے — ورنہ جس کو بھی تو دیکھے، ستمگری جانتا ہے

تو بندگی[5] چو گدایاں بشرطِ مزد مکن — کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند
تو بھکاریوں کی طرح غلامی اجرت کے لیے نہ کر — اس لیے کہ آقا خود بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے

زشعرِ دلکشِ حافظ کسے شود آگاہ
حافظ کے دلکش اشعار سے وہ شخص واقف ہو سکتا ہے

کہ لطفِ طبع و سخن گفتنِ دری[6] داند
جو طبیعت کی پاکیزگی، اور فارسی میں شعر گوئی جانتا ہے

نیست در شہر نگارے کہ دلِ ما ببرد — بختم[7] ار یار شود رختم ازینجا ببرد
شہر میں کوئی ایسا معشوق نہیں ہے کہ ہمارا دل لیجائے — میرا نصیبہ اگر دوست ہو یہاں سے میرا سامان لیجائے

کو حریفے خوش و سرمست کہ پیشِ کرمش — عاشقِ سوختہ دل نامِ تمنا ببرد
ایسا خوش اور سرمست دوست کون ہے کہ اسکے کرم کے سامنے — دل جلا عاشق، تمنا کا نام لے

---

۱ بناؤ سنگھار سے ہر شخص معشوق نہیں بن سکتا۔ مشہور ہے کہ سکندر کے پاس آئینہ تھا جس کے ذریعہ اس کو اپنی ساری مملکت کے احوال معلوم ہوتے رہتے تھے۔

۲ محض سر منڈا لینے سے انسان قلندر نہیں بنجاتا ہے۔

۳ آنکھوں کی پُتلی کی سیاہی محبوب کے تل سے حاصل ہوئی ہے، تیرا تل دُرِ یکتا ہے جس کی خوبی کو میں جانتا ہوں۔

۴ ظلم و ستم کرنا تو ہر شخص جانتا ہے وفاداری سیکھنے کی چیز ہے۔

۵ اجرت کی نیت سے عبادت گداگری ہے

۶ فارسی زبان کی سات قسموں میں سے ایک قسم کا نام دری ہے جو سب سے زیادہ فصیح سمجھی جاتی ہے۔

۷ ممکن ہے کسی دوسرے شہر میں جانے سے کوئی دلبر ملجائے۔

درخیال ایں ہمہ لعبت بہوس میبازم — بوکہ صاحب نظرے نام تماشا ببرد
ہم خیال میں یہ تمام کھیل اس امید پر کھیل رہا ہوں — ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب نظر دیکھنے کا نام لے

راہِ عشق ارچہ کمیں گاہِ کمانداران ست — ہر کہ دانستہ رود صرفہ ز اعدا ببرد
عشق کا راستہ اگرچہ تیر اندازوں کی گھات کی جگہ ہے — جو سمجھ بوجھ کر چلتا ہے، دشمنوں سے بازی لیجاتا ہے

سحر با معجزہ پہلو نزند دل خوش دار — سامری کیست کہ دست از یدِ بیضا ببرد
جادو معجزے کی برابری نہیں کر سکتا، دل خوش رکھ — سامری کون ہے؟ جو ید بیضا سے بازی جیت سکے؟

جامِ مینائیِ مے سدِّ رہِ تنگدلیست — منہ از دست کہ سیلِ غمت از جا ببرد
شراب کا مینائی جام، غم کے راستہ کے لئے روک ہے — ہاتھ سے نہ رکھ، ورنہ غم کا بہاؤ تجھے بہالے جائے گا

باغبانا ز خزاں بے خبرت مے بینم — آہ از آں روز کہ بادت گلِ رعنا ببرد
اے باغباں! تجھ کو خزاں سے بے خبر دیکھ رہا ہوں — اس دن پر افسوس ہے کہ ہوا تیرے حسین پھول کو اڑا لیجائیگی

رہزنِ دہر نخفتست مشو ایمن ازو — اگر امروز نبردست کہ فردا ببرد
زمانہ کا ڈاکو، سویا ہوا نہیں ہے اس سے مطمئن نہ ہو — اگرچہ آج نہیں لے گیا ہے کہ کل لے جائے گا

بانگِ گاوے چو صدا باز دہد عشوہ مخر — کے سہا عکس ز خورشیدِ مصفا ببرد
بیل کی آواز، اگر بلند ہو، دھوکا نہ کھا — سُہا، روشن آفتاب کا نور کب بجھا سکتا ہے؟

علم و فضلے کہ بچل سال دلم جمع آورد — ترسم آں نرگسِ مستانہ بیکجا ببرد
وہ علم و فضل جو چالیس سال میں میرے دل نے جمع کیا — مجھے ڈر ہے کہ وہ مستانہ آنکھ ایک دم سے لیجائے

حافظ ار جاں طلبد نرگسِ مستانۂ او
اے حافظ اس کی مستانہ آنکھ اگر جان طلب کرے
خانہ از غیر بپرداز و بہل تا ببرد
گھر کو دوسرے سے خالی کر دے اور چھوڑ تاکہ لیجائے

نفسِ بادِ صبا مشک فشاں خواہد شد — عالمِ پیر دگر بارہ جواں خواہد شد
بادِ صبا کا جھونکا، مشک چھڑکنے والا ہو جائے گا — بوڑھا عالم، دوبارہ جوان ہو جائے گا

ارغواں جامِ عقیقی بسمن خواہد داد — چشمِ نرگس بشقائق نگراں خواہد شد
ارغواں، عقیقی جام سمن کو دے گا — نرگس کی آنکھ گلِ لالہ کو دیکھنے والی ہو جائے گی

گل عزیز ست غنیمت شمریدش صحبت — کہ بباغ آمد ازیں راہ و ازاں خواہد شد
پھول پیارا ہے، اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو — اس لئے کہ اس راستہ سے باغ میں آیا ہے اور اس راستے سے چلا جائیگا

زیں تطاول کہ کشید از غمِ ہجراں بلبل — تا سراپردۂ گل نعرہ زناں خواہد شد
اس ظلم سے جو بلبل نے ہجر کے غم سے برداشت کیا — پھول کے خیمہ تک نعرے لگاتی چلی جائے گی

ایدل ار عشرتِ امروز بفردا فگنی — مایۂ نقدِ بقا را کہ ضماں خواہد شد
اے دل! اگر تو آج کے عیش کو کل پر ڈالے گا — بقا کی نقدی کے سرمایہ کا کون ضامن بنے گا

ماہِ شعباں مدہ از دست قدح کایں خورشید — از نظر تا شبِ عیدِ رمضاں خواہد شد
شعبان کے مہینہ میں پیالہ ہاتھ سے نہ دے اسلئے کہ یہ آفتاب — رمضان کی عید کی رات تک نگاہوں سے غائب ہو جائیگا

ے خیال آفرینی اس لئے کر رہا ہوں کہ شاید کوئی صاحب نظر اس کو دیکھے۔
ے سامری وہی شخص ہے جس نے جادو کا بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو اسکی پوجا میں لگا دیا تھا۔
ید بیضا سے حضرت موسیٰ کا وہ ہاتھ مراد ہے جو روشن ہو جاتا تھا، اور بیماروں کو شفا بخشتا تھا۔
ے شراب غموں کو دل تک نہیں جانے دیتی ہے، اگر پیالہ چھوڑ دیا غم برباد کر دیں گے۔
ے زاہدوں کو معلوم نہیں ہے کہ ایک دن ان کا کُل وجود تباہ ہو جائے گا
ے سامری کا بنایا ہوا بچھڑا جو جادو کے زور سے بولتا تھا حضرت موسیٰ کے معجزے کے مقابلہ میں بے حقیقت ہے
سُہا ستارہ آفتاب کو بے رونق نہیں بنا سکتا ہے۔
ے گھر کو غیروں سے بالکل خالی کر دو تاکہ لوٹنے میں آسانی ہو۔
ے موسم بہار کی آمد ہے
ے ارغواں سرخ جام یعنی پھول سمن کو پیش کریگا نرگس کھلیگی اور گُلِ لالہ کو دیکھیگی۔
ے بلبل بہت پیار کرے ...

[illegible]

مطربا مجلسِ انس ست غزلخوان وسرود
اے مطرب، محبت کی مجلس ہے غزل پڑھ، اور گا

چند گوئی کہ چنین ست وچناں خواہد شد
کب تک کہے گا کہ ایسا ہے، اور ویسا ہوگا

گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مکن
اگر میں مسجد سے شراب خانہ میں چلا گیا عیب نہ لگا

مجلسِ وعظ دراز ست وزماں خواہد شد
وعظ کی مجلس دراز ہے اور وقت ختم ہو جائے گا

حافظ از بہرِ تو آمد سوئے اقلیمِ وجود
حافظ تیری وجہ سے وجود کی دنیا میں آیا ہے

قدمے نہ بوداعش کہ رواں خواہد شد
اس کو رخصت کرنے کے لیے قدم دھرو روانہ ہو جائے گا

نقدِ صوفی نہ ہمہ صافی وبیغش باشد
صوفی کا نقد سب صاف اور بے کھوٹ نہیں ہوگا

اے بسا خرقہ کہ مستوجبِ آتش باشد
بہت سی گدڑیاں ہیں جو آگ کے قابل ہوں گی

صوفیِ ما کہ ز وردِ سحری مست شدے
ہمارا صوفی، جو صبح کے وظیفہ سے مست ہوتا تھا

شامگاہش نگراں باش کہ سرخوش باشد
اس کو شام کے وقت دیکھ کر نشے میں ہوگا

خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں
کیا اچھا ہو، اگر تجربہ کی کسوٹی درمیان میں آئے

تا سیہ روی شود ہر کہ دروغش باشد
تاکہ جس کسی میں بھی کھوٹ ہو وہ روسیاہ ہو جائے

نازپروردِ تنعّم نبرد راہ بدوست
عیش کا ناز پروردہ، دوست تک نہیں پہونچ سکتا

عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد
عاشقی، بلاکش رندوں کا طریقہ ہوتا ہے

خطِ ساقی گر ازیں گونہ زند نقش برآب
ساقی کا خط اگر اسی طرح پانی پر نقش کھینچے گا

اے بسا رخ کہ بخونابہ منقّش باشد
بہت سے چہرے ہیں جو خون سے نقشین ہوں گے

غمِ دنیائے دنی چند خوری بادہ بخور
کمینی دنیا کا غم کب تک کھائے گا، شراب پی

حیف باشد دلِ دانا کہ مشوّش باشد
افسوس ہوگا، اگر سمجھدار کا دل پریشان ہو

دلق وسجادۂ حافظ ببرد بادہ فروش
حافظ کی گدڑی، اور مصلّٰی شراب فروش لیجائے گا

گر شراب از کفِ آں ساقیِ مہوش باشد
اگر اس چاند جیسے، ساقی کے ہاتھ سے شراب ہوگی

نسبتِ رویت اگر با ماہ وپرویں کردہ اند
اگر تیرے چہرے کو چاند، اور ثریا سے نسبت دی ہے

صورتِ نادیدہ تشبیہے بتخمیں کردہ اند
بدون صورت دیکھے، اندازے سے تشبیہ دی ہے

شمّۂ از داستانِ عشقِ شور انگیزِ ماست
ہمارے شور انگیز، عشق کی داستان کا تھوڑا سا حصہ ہیں

ایں حکایتہا کہ از فرہاد وشیریں کردہ اند
یہ قصے جو فرہاد اور شیریں کے بیان کے گئے ہیں

نکہتِ جاں بخش دارد خاکِ کوئے گلرخاں
پھول جیسے رخسار والوں کے کوچہ کی خاک جاں بخش خوشبو رکھتی ہے

عارفاں آنجا مشامِ عشق مشکیں کردہ اند
عارفوں نے اس جگہ سے عشق کا دماغ معطر کیا ہے

خاکیاں بے بہرہ اند از جرعۂ کاس الکرام
خاک نشیں، سخیوں کے پیالے کے گھونٹ سے محروم ہیں

ایں تطاول بیں کہ با عشّاقِ مسکیں کردہ اند
اس ظلم کو دیکھو، جو مسکین عاشقوں کے ساتھ کیا ہے

۱؎ شراب نوشی کا وقت نکل جائے گا۔
۲؎ صوفی کی گدڑی اکو آگ میں لیجائے گی۔
۳؎ ہمارا صوفی جو صبح کھپورے سے مست رہتا تھا اب شام کی شراب سے مست ہے۔
۴؎ دنیا میں اگر تجربہ کی کسوٹی ہوتی تو دنیا میں جھوٹے روسیاہ ہوتے۔
۵؎ اگر شراب میں ساقی کا رخسار نظر آتا رہا تو بہت سے خون کے آنسو روئیں گے
۶؎ عقلمند کو دنیا کے غموں سے تشویش میں نہ پڑنا چاہیے
۷؎ حافظ کی جائے نماز اور گدڑی گروی پڑ جائیگی
۸؎ جن لوگوں نے محبوب کے چہرے کو چاند اور ثریا سے تشبیہ دی ہے وہ بغیر دیکھے دی ہے ورنہ وہ ایسے محبوب کی توہین نہ کرتے۔
۹؎ فرہاد اور شیریں کے قصے ہمارے عشق کی تھوڑی سی داستان ہے۔
۱۰؎ خاک نشیں یعنی عاشق محروم ہیں۔

شہپرِ زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست
چیل اور کوے کا شہپر شکار اور قید کے لائق نہیں ہے

کایں کرامت ہمرہِ شہباز و شاہیں کردہ اند
انہوں نے یہ اعزاز شہباز اور شاہین سا کیا ہے

ساقیا مے دہ کہ با حکمِ ازل تدبیر نیست
اے ساقی! شراب دے، ازلی حکم کے مقابلہ کی کوئی تدبیر نہیں ہے

قابلِ تغییر نبود آنچہ تعیین کردہ اند
جو انہوں نے متعین کیا ہے بدلنے کے قابل نہیں ہے

از خرد بیگانہ شو چوں جانش اندر بر بکش
عقل سے بیگانہ بن، جان کی طرح بغل میں دبالے

دخترِ رز را کہ نقدِ عقل کابیں کردہ اند
اُس انگور کی بیٹی کو، جس کا مہر نقد عقل مقرر کیا ہے

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
رندوں کے مٹی کے پیالے کو ذلت سے نہ دیکھو

کایں حریفاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند
اس لیے کہ ان دوستوں نے جہاں بیں جام کی خدمت کی ہے

تیرِ مژگانِ دراز و غمزۂ جادو نکرد
لمبی پلکوں کے تیر، اور ادا کے جادو نے نہ کیا

آنچہ آں زلفِ دراز و خالِ مشکیں کردہ اند
وہ جو اس دراز زلف، اور کالے تل نے کیا ہے

یک شکر انعامِ ما بود و لبت رخصت نداد
ہمارا انعام تھوڑی سی شکر تھی، اور تیرے ہونٹ نے اجازت نہ دی

ہم تو انصافش بدہ شیریں لباں ایں کردہ اند
تو ہی اس کا انصاف کر، شیریں ہونٹ والوں نے یہ کیا ہے

شاہداں از آتشِ رخسارِ رنگیں دمبدم
معشوقوں نے رنگین رخسار کی آگ سے ہر لحظہ

زاہداں را رخنہا اندر دل و دیں کردہ اند
زاہدوں کے دل اور دین میں شگاف ڈالدئے ہیں

شعرِ حافظ را کہ یکسر مدحِ احسانِ شماست
حافظ کے اشعار کو جو سراسر تمہارے احسان کی تعریف ہیں

ہر کجا بشنیدہ انداز لطف تحسیں کردہ اند
جہاں بھی انہوں نے سنا ہے، لطافت کی تعریف کی ہے

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند
یہ واعظ جو کہ محراب اور منبر پر جلوہ گری کرتے ہیں

چوں بخلوت میروند آں کارِ دیگر میکنند
جب تنہائی میں جاتے ہیں، وہ دوسرا کام کرتے ہیں

مشکلے دارم ز دانشمندِ مجلس باز پرس
مجھے ایک مشکل درپیش ہے مجلس کے عقلمند سے دریافت کر

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند
توبہ کا حکم دینے والے، خود توبہ کم کیوں کرتے ہیں

گوئیا باور نمیدارند روزِ داوری
گویا! انہیں انصاف کے دن کا یقین نہیں ہے

کاینہمہ قلب و دغل در کارِ داور میکنند
اس لیے کہ یہ سب کھوٹ اور فریب خدا کے معاملہ میں کرتے ہیں

یا رب ایں نودولتاں را بر خرِ خودشاں نشاں
اے خدا! ان نو دولتوں کو ان کے گدھے پر بٹھا

کاینہمہ ناز از غلام ترک و استر میکنند
اس لیے کہ یہ سب ناز، ترک غلام اور خچر کی وجہ کرتے ہیں

بندۂ پیرِ خراباتم کہ درویشانِ او
میں شراب خانہ کے ایسے پیر کا غلام ہوں کہ اس کے فقیر

گنج را از بے نیازی خاک بر سر میکنند
بے نیازی کی وجہ سے خزانے کے سر پر خاک ڈالتے ہیں

اے گدائے خانقہ باز آ کہ در دیرِ مغاں
اے خانقاہ کے بھکاری! آجا اسلیے کہ آتش پرستوں کے آتش کدوں میں

مید ہند آبے و دلہا را توانگر میکنند
ایک پانی پلاتے ہیں، اور دلوں کو مالدار بنا دیتے ہیں

حسنِ بے پایانِ او چندانکہ عاشق میکشد
اس کا بے انتہا حسن، جس قدر عاشقوں کو قتل کرتا ہے

زمرۂ دیگر بعشق از غیب سر بر میکنند
دوسری جماعت، عشق میں غیب سے سر ابھارتی ہے

۱ باز اور شاہین کو قید و بند میں رکھا جاتا ہے معمولی جانور کو کون پکڑتا ہے۔
۲ شراب انسان کی عقل لے لیتی ہے۔
۳ حافظ کا بہت ہی مشہور شعر ہے یعنی علماء ظاہر محراب و منبر پر تو وعظ گوئی کرتے ہیں لیکن خلوت میں جاکر خلاف شریعت کام کرتے ہیں۔
۴ یہ علماء دوسروں کو توبہ کرنے کے لئے تلقین کرتے ہیں لیکن خود ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی ہے۔
۵ انہیں قیامت کا یقین نہیں ہے ورنہ خدا کے کاموں میں دغل و فصل نہ کرتے
۶ نودولت وہ لوگ ہیں جو معمولی حالت سے ایکدم مالدار بنجاتے ہیں یعنی ان کو پھر گدھے کی سواری نصیب ہو یہ اپنے غلاموں اور خچر کی وجہ سے اکڑتے ہیں۔
۷ اکثر عبادت گذار اپنی عبادت کا عوض جنت چاہتے ہیں یہ گداگری ہے ورنہ عبادت کا اخلاص یہ ہے کہ عبادت میں نہ جنت کا لالچ ہو نہ دوزخ کا خوف بلکہ عبادت سے مقصود محض ذات خداوندی ہو۔
۸ وہ جس قدر عاشقوں کو قتل کرتا ہے اس سے زیادہ عاشق پیدا ہو جاتے ہیں۔

خانہ[1] خالی کن دلا تا منزلِ جاناں شود
اے دل گھر کو خالی کرلے تاکہ وہ معشوق کی منزل بنے

کیں ہوسناکاں دل و جاں جائے دیگر میکنند
اس لیے کہ یہ بوالہوس دل اور جان کو دوسرے کی جگہ بناتے ہیں

آہ آہ از دستِ صرافانِ گوہر ناشناس
گوہر کو نہ پہچاننے والے صرافوں کے ہاتھ سے فریاد ہے

ہر زماں خرمہرہ را با دُر برابر میکنند
ہر وقت کوڑی کو، موتی کے برابر کرتے ہیں

بر درِ میخانۂ عشق اے مَلک تسبیح گوی
اے فرشتے! عشق کے شرابخانہ کے دروازہ پر تسبیح پڑھ

کاندر آنجا طینتِ آدم مخمّر میکنند
اس لیے کہ اس جگہ آدم کی مٹی کو شراب سے گوندتے ہیں

صبحدم از عرش می آمد خروشِ باز گفت
صبح کے وقت عرش سے گفتگو کا یہ شور آرہا تھا

قدسیاں گوئی کہ شعرِ حافظ از بر میکنند
گویا عرش والے حافظ کے اشعار یاد کرتے ہیں

ہرکہ[2] شد محرمِ دل در حرمِ یار بماند
جو شخص دل کا رازدار بنا وہ یار کے حرم میں رہا

وآنکہ ایں کار ندانست دراں کار بماند
جس نے یہ کام نہ جانا، اُس کام سے عاجز رہا

اگر از[3] پردہ بروں شد دلِ من عیب مکن
اگر میرا دل، پردہ سے باہر آگیا تو عیب نہ لگا

شکرِ ایزد کہ نہ در پردۂ پندار بماند
خدا کا شکر ہے، وہ غرور کے پردہ میں نہ رہا

صوفیاں[4] واستدند از گرومے ہمہ رخت
صوفیوں نے تمام سامان شراب کی گروی سے چھڑا لیا

خرقۂ ماست کہ در خانۂ خمّار بماند
ہماری گدڑی ہے کہ شراب فروش کے گھر میں پڑی رہ گئی

خرقہ پوشاں[5] ہمگی مست گذشتند و گذشت
گدڑی پہننے والے سب مست گذرے اور ختم ہوا

قصۂ ماست کہ در ہر سر بازار بماند
ہمارا قصہ ہے، کہ ہر بازار میں موجود رہ گیا

داشتم[6] دلقے و صد عیبِ مرا میپوشید
میرے پاس ایک گدڑی تھی اور میرے سو عیب چھپاتی تھی

خرقہ رہنِ مے و مُطرب شد و زنّار بماند
گدڑی شراب اور مطرب میں گروی ہوگئی اور زنار رہ گیا

از صدائے سخنِ عشق ندیدم خوشتر
میں نے عشق کی بات کی صدا سے زیادہ بہتر نہ دیکھا

یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند
کسی یادگار کو جو اس گھومنے والے گنبد میں باقی رہی

ہر مے[7] لعل کز آں جامِ بلوریں ستدم
ہر وہ سرخ شراب جو میں نے اس بلوری جام سے حاصل کی

آبِ حسرت شد و در چشمِ گہُربار بماند
وہ حسرت کا پانی بن گئی اور موتی برسانے والی آنکھ میں ٹھہری

جز دلم کو ز ازل تا بابد عاشقِ اوست
میرے دل کے سوا کون ہے جو ازل سے ابد تک اس کا عاشق ہے

جاوداں کس نشنیدم کہ دریں کار بماند
میں نے کسی کے بارے میں نہیں سنا جو ہمیشہ اس کام میں رہا ہو

گشت[8] بیمار کہ چوں چشمِ تو گردد نرگس
نرگس بیمار بنی تاکہ تیری آنکھ کی طرح ہو جائے

شیوۂ او نشدش حاصل و بیمار بماند
اس کا طور طریق اس کو حاصل نہ ہوا اور بیمار رہ گئی

بر جمالِ تو چناں صورتِ چیں حیراں شد
چینی تصویر تیرے حسن پر ایسی حیران ہو گئی

کہ حدیثش ہمہ جا بر در و دیوار بماند
کہ اس کا قصہ، سب جگہ در و دیوار پر رہ گیا

بتماشاگہِ زلفش دلِ حافظ روزے
اس کی زلف کی تماشا گاہ میں حافظ کا دل ایک دن

شد کہ باز آید و جاوید گرفتار بماند
گیا، کہ وہ لوٹ آئے گا، اور ہمیشہ کے لئے گرفتار ہو گیا

۱؎ دل جب غیر سے خالی ہوتا ہے تب وہ محبوب کی منزل بنتا ہے۔

۲؎ حدیث شریف میں آیا ہے جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا۔

۳؎ اگر میں مستوری سے مستی میں آگیا تو کوئی خرابی نہیں، مستوری پندار کا پردہ تھی۔

۴؎ دوسرے صوفی کچے شرابی تھے جو سامان شراب کے بدلے گروی رکھا تھا اُس کو چھڑا لائے۔

۵؎ پہلے عشاق فنا ہوئے اور ان کے قصے بھی ختم ہوئے لیکن بعد از مرگ ہمارے چرچے ہیں۔

۶؎ میری گدڑی زنار کو چھپائے ہوئے تھی جب وہ شراب میں گروی ہوگئی زنار نظر آنے لگا۔

۷؎ جو شراب پیتا ہوں وہ مزید شراب کی حسرت میں آنسو بنجاتی ہے۔

۸؎ نرگس نے تیری آنکھ کی رِیس کی تیری آنکھ کی سی ادائیں تو اس کو حاصل نہ ہوئیں، بیماری حاصل ہوگئی۔

ہر آں کو خاطرِ مجموع و یارِ نازنیں دارد
جو شخص اطمینانِ قلب اور نازنیں دوست رکھتا ہے
سعادت ہمدمِ او گشت و دولت ہمنشیں دارد
سعادت اُس کی ساتھی ہوئی اور وہ دولت کو ساتھ رکھتا ہے

جنابِ عشق را درگہ بسے بالاتر از عقل ست
جنابِ عشق کی درگاہ، عقل سے بہت بلند ہے
کسے آں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد
وہ شخص اس چوکھٹ کو بوسہ دیتا ہے جو جان کو آستین میں رکھتا ہے

بخواری منگر اے مُنعم ضعیفان و فقیراں را
اے دولت مند ضعیفوں اور فقیروں کو ذلت سے نہ دیکھ
کہ صدرِ مسندِ عزت فقیرِ رہ نشیں دارد
اس لیے کہ عزت کی مسند کا صدر مقام راہ نشیں فقیر رکھتا ہے

دہانِ تنگِ شیرینش مگر مُہرِ سلیمان ست
اس کا تنگ شیریں دہانہ، شاید سلیمان کی انگوٹھی ہے
کہ نقشِ خاتمِ لعلش جہاں زیرِ نگیں دارد
اس لیے کہ اس کے ہونٹ کی انگشتری کا نقش دنیا کو زیرِ حکم رکھتا ہے

چو بر روئے زمیں باشی توانائی غنیمت داں
جب تک تو زمین کے اوپر ہے، طاقت کو غنیمت سمجھ
کہ دوراں ناتوانیہا بسے زیرِ زمیں دارد
اس لیے کہ زمانہ زمین کے نیچے بہت سی کمزوریاں رکھتا ہے

بلا گردانِ جان و دل دعائے مُستمنداں ست
حاجتمندوں کی دعا دل اور جان کی مصیبت کو ٹالنے والی ہے
کہ بیند خیر از آں خرمن کہ ننگ از خوشہ چیں دارد
اس کھلیان سے کون بھلائی دیکھ سکتا ہے جس کو خوشہ چیں سے ذلت محسوس ہوتی ہے

صبا از عشقِ من رمزے بگو با آں شہِ خوباں
اے صبا میرے عشق کی رمز، اس شاہِ خوباں کو سنا دے
کہ صد جمشید و کیخسرو غلامِ کمتریں دارد
جو سو جمشید اور کیخسرو، کمترین غلام رکھتا ہے

لبِ لعل و خطِ مشکیں چو آنش ہست و اینش نیز
لب لعل اور مشکیں خط جبکہ اس کے پاس وہ بھی ہے اور یہ بھی
بنازم دلبرِ خود را کہ حسنش آں و ایں دارد
مجھے اپنے دلبر پر ناز ہے کہ اس کا حسن وہ اور یہ رکھتا ہے

اگر گوید نمیخواہم چو حافظ بندۂ مُفلس
اگر وہ کہے کہ میں حافظ جیسا مفلس غلام نہیں چاہتا ہوں
بگوئیدش کہ سلطانی گدائے رہ نشیں دارد
تو اس سے کہدو کہ راہ نشیں فقیر، بادشاہت رکھتا ہے

ہر آنکہ جانبِ اہلِ وفا نگہ دارد
ہر وہ شخص جو وفاداروں کا خیال رکھتا ہے
خداش در ہمہ حال از بلا نگہ دارد
اس کو خدا تمام حالتوں میں بلا سے محفوظ رکھتا ہے

گرت ہواست کہ معشوق نگسلد پیوند
اگر تجھے خواہش ہے کہ معشوق جوڑ نہ توڑے
نگاہدار سرِ رشتہ تا نگہ دارد
تعلقات کا خیال رکھ، تاکہ وہ خیال رکھے

حدیثِ دوست نگویم مگر بحضرتِ دوست
میں دوست کی باتیں دوست کے سوا کسی سے نہیں کہتا ہوں
کہ آشنا سخنِ آشنا نگہ دارد
اس لیے کہ دوست، دوست کی بات محفوظ رکھتا ہے

سر و زر و دل و جانم فدائے آں محبوب
میرا سر اور مال اور دل اور جان اس محبوب پر قربان ہے
کہ حقِ صحبت مہر و وفا نگہ دارد
جو محبت اور وفا کی صحبت کے حق کا خیال رکھتا ہے

دلا معاش چناں کن کہ گر بلغزد پائے
اے دل اس طرح زندگی گذار کہ اگر پیر پھسلے
فرشتہ ات بدو دستِ دعا نگہ دارد
تو دعا کے دو ہاتھوں سے فرشتہ تجھے بچائے

نگہ نداشت دلِ ما و جائے رنجش نیست
اس نے ہمارے دل کا خیال نہ کیا، اور رنج کا موقع نہیں ہے
ز دستِ بندہ چہ خیزد خدا نگہ دارد
بندہ کے ہاتھ کا کیا اٹھتا ہے، خدا حفاظت کرتا ہے

١ جان در آستیں دارد یعنی سر ہتھیلی پر دھرے ہو۔
٢ شعر ٣ جس کھلیان میں فرد تندوں کا حصہ نہ ہو وہ بھلائی کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔
٤ سینکڑوں جمشید اور کیخسرو اُس کے کمترین غلاموں میں شامل ہیں۔
٥ میرے محبوب کے ہونٹ لعل جیسے ہیں اور اس کے رخسار پر مشکی خط ہے۔
٦ یعنی حافظ اگرچہ بظاہر گدا ہے لیکن حقیقتاً بادشاہ ہے۔
٧ جو اپنے وفاداروں کو نوازتا ہے خدا اُس کو نوازتا ہے۔
٨ عاشق کی باتوں کا معشوق ہی رازدار ہو سکتا ہے۔
٩ انسان ایسی زندگی گذارے کہ اس کی لغزش کے وقت فرشتے اس کے لئے دست بدعا ہو جائیں۔

صبا در آں سرِ زلف ار دلِ مرا بینی
اے صبا اگر تو میرے دل کو اس زلف میں دیکھے

زروئے لطف بگویش کہ جانگہ دارد
نرمی سے اُس سے کہنا کہ جگہ کو نگاہ میں رکھے

غبارِ راہگذارت کجاست تا حافظ
تیرے راستہ کا غبار، کہاں ہے تاکہ حافظ

بیادگارِ نسیم صبا نگہ دارد
صبا کی نسیم کی یادگار میں، اس کو محفوظ رکھے

ہمائے اوجِ سعادت بدامِ ما افتد
سعادت مندی کی بلندی کا ہما ہمارے جال میں آجائے

اگر ترا گذرے بر مقامِ ما افتد
اگر تیرا گذر، ہماری جگہ پر سے ہو جائے

حُبابؔ وار براندازم از نشاط کلاہ
خوشی سے بلبلے کی طرح میرے ٹوپی اتار پھینکوں

اگر ز روئے تو عکسے بجامِ ما افتد
اگر تیرے چہرے کا عکس، ہمارے جام میں پڑ جائے

بؔبارگاہِ تو چوں باد را نباشد راہ
جبکہ تیری بارگاہ میں، ہوا کا بھی گذر نہیں ہوتا

کے اتفاقِ مجالِ سلامِ ما افتد
تو ہمارے سلام کا کیا موقع ہے؟

چو جاں فدائے لبت شد خیال می بستم
جب جان تیرے ہونٹوں پر قربان ہو گئی تو میں نے سوچا

کہ قطرۂ ز زلالت بکامِ ما افتد
تیرے نیر پانی کا قطرہ ہمارے حلق میں پڑ جائے

خیالِؔ زلفِ تو گفتا کہ جاں وسیلہ مساز
تیری زلف کے خیال نے کہا کہ جان کو وسیلہ نہ بنا

کزیں شکار فراواں بدامِ ما افتد
اس لئے کہ اس طرح کے شکار بہت سے ہمارے جال میں پھنستے ہیں

ملوکؔ را چو رہِ خاک بوسِ ایں در نیست
جب بادشاہوں کو بھی اس در کی خاک کے بوسہ کا موقع نہیں ہے

کے التفاتِ جوابِ سلامِ ما افتد
ہمارے سلام کے جواب کی طرف توجہ کب ہو سکتی ہے

بنا اُمیدی ازیں در مرو بزن فالے
اس در سے ناامیدی سے نہ جا، فال نکال

بود کہ قرعۂ دولت بنامِ ما افتد
ہو سکتا ہے کہ دولت کا قرعہ ہمارے نام نکلے

شبے کہ ماہِ مراد از افق طلوع کند
جس رات کو، مقصد کا چاند افق سے نکلے

بود کہ پرتوِ نورے ببامِ ما افتد
ہو سکتا ہے کہ کسی نور کا سایہ ہمارے بالا خانہ پر پڑے

ز خاکِ کوئے تو ہر گہ کہ دم زند حافظ
جس گھڑی حافظ تیرے کوچے کی مٹی کا ذکر کرتا ہے

نسیمِ گلشنِ جاں در مشامِ ما افتد
جان کے باغ کی ہوا، ہمارے دماغ میں آتی ہے

ہر کرا با خطِ سبزت سرِ سودا باشد
جس کو تیرے سبز خط کا عشق ہو

پاے ازیں دائرہ بیروں ننہد تا باشد
اس دائرے سے قدم باہر نہ رکھے گا جب تک زندہ رہے گا

در قیامت کہ سر از خاکِ لحد بر گیرم
قیامت میں، جب قبر کی خاک سے سر اٹھاؤں گا

داغِ سودائے توام سرِّ سویدا باشد
تیرے عشق کا داغ، میرے دل کے سیاہ نقطہ کا راز ہوگا

ظلِّ ممدودِ خمِ زلفِ توام بر سرباد
تیری زلف کے خم کا دراز سایہ، میرے سر پر ہو

کاندریں سایہ قرارِ دلِ شیدا باشد
اس لئے کہ اس سایہ میں عاشق دل کو سکون ہوتا ہے

۱؎ یعنی زلف یار کے آداب کا خیال رکھے اور میرے سینہ کا بھی خیال رکھے جو اس کا اصل وطن تھا۔

۲؎ بلبلے کو اگر قریب سے دیکھا جائے تو اس میں دیکھنے والے کی صورت کا عکس نظر آتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ دیکھنے والے کے سانس سے بیٹھ جاتا ہے۔ بلبلے کا ٹوپی اُتار پھینکنا یعنی اس کا بیٹھ جانا۔

۳؎ جب ہوا کا بھی گذر نہیں ہے تو ہم جاکر کس طرح اس کو سلام کر سکتے ہیں۔

۴؎ زلف کے نزدیک ہماری جان بے وقعت ہے ایسی سینکڑوں جانیں اس جال میں پھنسی ہوئی ہیں۔

۵؎ جبکہ اسکے در کی خاکبوسی بادشاہوں کو میسر نہیں تو ہمارے سلام کی طرف وہ کیا توجہ دے گا۔

۶؎ جو معشوق کے رخسار کے خط پر عاشق ہو اور تے دم تک اسکے عشق میں مبتلا رہے گا۔

۷؎ سویدا خون کے اُس کالے نقطہ کو کہا جاتا ہے جو دل کے درمیان میں ہوتا ہے اور اسکی بہ زندگی کا مدار ہے یعنی مہ میرا سویدا در اصل محبوب کے عشق کا داغ ہے۔

چوں دلِ من دمے از پردہ بروں آی و درآی
میرے دل کی طرح تھوڑی دیر کے لئے پردے سے نکل اور آجا

کہ دِگر بارہ ملاقات نہ پیدا باشد
اس لیے کہ دوبارہ ملاقات نہ ہوگی

تا کے اے دُرِ گرانمایہ روا خواہی داشت
اے قیمتی موتی! تو کب تک جائز رکھے گا

کز غمت دیدۂ مردم ہمہ دریا باشد
کہ تیرے غم میں، لوگوں کی آنکھیں پورا دریا ہوں

از بنِ ہر مژہ ام آب روانست بیا
میری ہر پلک کی جڑ سے، پانی جاری ہے، آجا

اگرت میلِ لبِ جوی و تماشا باشد
اگر تجھے نہر کے کنارے، اور سیر کی خواہش ہو

چشمت از ناز بہ حافظ نکند میل آرے
تیری آنکھیں ناز کی وجہ سے حافظ کی طرف مائل نہیں ہوتی ہیں ہاں

سرِگرانی صفتِ نرگسِ شہلا باشد[1]
تکبر، نرگسِ شہلا کی خاصیت ہوتی ہے

ہرگزم مہرِ تو از لوحِ دل و جاں نرود
تیری محبت میرے دل اور جان کی تختی سے کبھی نہ نکلے گی

ہرگز از یادِ من آں سروِ خراماں نرود
وہ ناز سے چلنے والا سرو، کبھی میری یاد سے نہ جائے گا

آں چناں مہرِ تو ام در دل و جاں جائے گرفت
تیری محبت نے میرے دل اور جان میں اس طرح جگہ کرلی ہے

کہ گرم سر برود مہرِ تو از جاں نرود
اگر میرا سر بھی چلا جائے گا تیری محبت جان سے نہ جائے گی

از دماغِ منِ سرگشتہ خیالِ رُخِ دوست
مجھ پریشان کے دماغ سے دوست کے رخ کا خیال

بجفائے فلک و غصۂ دوراں نرود
آسمان کے ظلم سے اور زمانہ کے غم کی وجہ سے نہ نکلے گا

آنچہ از بارِ غمت در دلِ مسکینِ منست
تیرے غم کا بوجھ، جو میرے مسکین دل پر ہے

برود دل ز من و از دلِ من آں نرود
دل مجھ سے جاتا رہے گا اور میرے دل سے وہ نہ نکلے گا

در ازل بست دلم با سرِ زلفت پیوند
میرے دل نے ازل میں تیری زلف سے جوڑ لگایا ہے

تا ابد سر نکشد و ز سرِ پیماں نرود
ابد تک سر نہ موڑے گا اور عہد سے نہ ہٹے گا

گر رود از پئے خوباں دلِ من معذورست
میرا دل اگر حسینوں کے پیچھے جاتا ہے معذور ہے

درد[2] دارد چہ کند گر پئے درماں نرود
وہ درد میں مبتلا ہے کیا کرے اگر علاج کے پیچھے نہ جائے

ہر کہ خواہد کہ چو حافظ نشود سرگرداں
جو چاہے، کہ حافظ کی طرح حیران نہ ہو

دل بخوباں ندہد در پئے ایناں نرود
حسینوں کو دل نہ دے، ان کے پیچھے نہ پھرے

ہوسِ[3] بادِ بہارم بسوئے صحرا بُرد
موسم بہار کی ہوا کی ہوس، مجھے بیابان کی طرف لے گئی

باد بوئے تو بیاورد و قرار از ما بُرد
ہوا تیری خوشبو لائی، اور ہمارا سکون لے گئی

ہر کجا بود دلے چشمِ تو بُرد از راہش
جہاں کہیں بھی کوئی دل تھا تیری آنکھ نے اس کو راستے سے بھلا دیا

نہ[4] دلِ خستۂ بیمارِ مرا تنہا بُرد
تنہا میرے خستہ، بیمار دل کو ہی نہیں لے گئی

جام[5] مے دی ز لبت دم ز رواں بخشی زد
شراب کے جام نے تیرے ہونٹوں کی وجہ سے کل جان بخشی کا دعوے کیا

آبرو از لبِ جاں بخش رواں بخشا بُرد
جاں بخش، روح بخش، ہونٹوں کی آبرو لے گیا

[1] چونکہ محبوب کی آنکھیں نرگسِ شہلا ہیں لہٰذا ان میں بھی نرگس کا سا تکبر ہے۔
[2] درد دل کی دوا محبوب کے پاس ہے اور ہر مریض دوا کے پیچھے دوڑتا ہے۔
[3] میں بادِ بہاری کے شوق میں صحرا کی جانب گیا بادِ بہاری سے مجھے تیری خوشبو آئی جس نے بے قرار کردیا۔
[4] تیری آنکھ کا صرف میں ہی شیدا نہیں ہوں بلکہ ہر دل اس شوق میں مبتلا ہے۔
[5] جامِ شراب تیرے ہونٹوں سے وابستہ ہوا تو اس کو یہ دعوے پیدا ہوگیا ہے کہ وہ زندگی بخشنے والا ہے حالانکہ اس کے بالمقابل دوسرے حسینوں کے زندگی بخشنے والے ہونٹوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہی۔

راہِ ما غمزۂ آں ترکِ کماں ابرو زد
اس کماں جیسے ابرو والے، معشوق کی ادا نے ہم پر ڈاکہ ڈالا

رختِ ما ہندوئے آں سروِ سہی[1] بالا بُرد
اُس سرو سہی جیسے قد والے کا ہندو، ہمارا سامان لوٹ لے گیا

دلِ[2] سنگین ترا اشکِ من آورد براہ
تیرے پتھر جیسے دل کو میرے آنسو راہ پر لے آئے

سنگ را سیل تواند بَرہ در یا بُرد
بہاؤ، پتھر کو دریا میں بہا لیجا سکتا ہے

آمد و گرم بہ بُرد آبِ رخم اشکِ چو سیم[3]
چاندی جیسے آنسو نکلے اور میرے چہرے کی رونق کو لوٹ لے گئے

زر بزر داد کسے کآمد و ایں کالا بُرد
جو آیا اور اس سامان کو لے گیا اس نے سونے پر سونا دیا

دوش دستِ طلبم سلسلۂ شوقِ تو بست
کل میری طلب کے ہاتھ نے تیرے شوق کا سلسلہ باندھا

پائے خیلِ خردم لشکرِ غم از جا بُرد
غم کے لشکر نے میری عقل کے لشکر کے پاؤں اکھاڑ دیئے

بحثِ بُلبل بر حافظ مکن از خوش سخنی
خوش کلامی میں حافظ کے پاس بُلبل کی بحث نہ چھیڑ

پیشِ[4] طوطی نتواں صوتِ ہزار آوا برد
طوطی کے سامنے، بلبل کی آواز کی کچھ نہیں چلتی ہے

ہر کہ او یک سرِ مو پندِ مرا گوش کند
جو شخص بال برابر بھی، میری نصیحت مان لے

ہمچو من حلقۂ گیسوئے تو در گوش کند
میری طرح، تیرے گیسو کا حلقہ بگوش ہو جائے

گر بہ بیند دہنِ تنگِ تو معصوم دلے[5]
اگر کوئی معصوم دل والا تیرا تنگ منہ دیکھ لے

بادہ بر یادِ لبت ہمچو شکر نوش کند
تیرے ہونٹوں کی یاد پر، شراب کو شکر کی طرح پیئے

دوش بر دوش بدوشِ تو رسید ست دلم
کل رات میرا دل تیرے پاس دوش بدوش پہونچا ہے

خواہد امروز کہ جاں در سرِ آں دوش کند
آج اس کی خواہش ہے کہ کل رات کے خیال میں جان گنوائے

در چمن سوئے گل و نرگس و سوسن بگذر
چمن میں پھول، اور نرگس، اور سوسن کی جانب گذر

تا زبانِ ہمہ را حسنِ تو خاموش کند
تاکہ تیرا حسن سب کی زبان کو خاموش کر دے

زاں سبب پیچ و خم و تاب دہد گیسو را
اس سبب سے وہ گیسو کو پیچ و خم اور بل دیرہا ہے

تا کہ او قیدِ دلِ عاشقِ مدہوش کند
تاکہ وہ مدہوش عاشق کے دل کو قید کر دے

گرچہ صد عرضہ کند حافظِ مسکیں ز فراق
اگرچہ مسکین حافظ، فراق کے بارے میں سو عرضیاں دیتا ہے

چوں بہ بیند رُخِ تو جملہ فراموش کند[6]
جب تیرا چہرہ دیکھ لیتا ہے سب کو بھول جاتا ہے

یاد باد آنکہ نہانت نظرے با ما بود
یاد رہے کہ در پردہ ہم پر تیری نظر تھی

رقمِ مہرِ تو بر چہرۂ ما پیدا بود
تیری محبت کی علامت، ہمارے چہرے پر نمایاں تھی

یاد باد آنکہ چو چشمت بعتابم می کُشت
یاد رہے کہ جب تیری آنکھیں غصہ سے مجھے مارتی تھیں

معجزِ عیسویت در لبِ شکر خا بود
تو تیرے میٹھے ہونٹ میں عیسوی معجزہ تھا

یاد باد آنکہ مہِ من چو کُلہ بشکستے
یاد رہے کہ میرا چاند جب ٹیڑھی ٹوپی اوڑھتا تھا

در رکابش مہِ نو پیکِ جہاں پیما بود[7]
تو اس کی رکاب میں نیا چاند، جہاں پیما قاصد ہوتا تھا

---

[1] سرو سہی وہ سرو کہلاتا ہے جس کی جڑ سے دو سیدھی شاخیں نکلتی ہیں۔
[2] میرے رونے سے تیرا دل میری طرف مائل ہو گیا بیشک سیلاب پتھروں کو دریا میں بہا لیجاتا ہے۔
[3] چاندی جیسے آنسوؤں نے میرے رخسار کی سرخی کو لوٹ لیا لیکن اس سے میری رونق کم نہیں بلکہ "نورٌ علیٰ نور" ہو گئی۔
[4] میری مثال طوطی کی سی ہے جس کے مقابلہ میں بلبل ہیچ ہے۔
[5] معصوم دل والا بھی تیرا منہ دیکھ کر تیرے ہونٹوں کی یاد میں شراب شکر کی طرح پینے لگے۔
[6] محبوب کو دیکھ کر سارے شکوے بھول جاتا ہوں۔
[7] اس شعر میں محبوب کی رکاب کو پہلی رات کے چاند سے تشبیہ دی ہے۔

یاد باد آنکہ رخت شمعِ طرب می افروخت
یاد رہے، کہ جب تیرا رخسار مستی کی شمع روشن کرتا تھا
ویں دلِ سوختہ پروانۂ بے پروا بود
اور یہ جلا ہوا دل، اس کا بے پروا پروانہ تھا

یاد باد آنکہ چو یاقوت قدح خندہ زدے
یاد رہے، کہ جب یاقوت جیسا پیالہ مسکراتا تھا
درمیانِ من و لعلِ تو حکایتہا بود
مجھ میں، اور تیرے ہونٹ میں حکایتیں ہوتی تھیں

یاد باد آنکہ در آں بزمگہِ خُلق و ادب
یاد رہے، کہ اس اخلاق، اور ادب کی محفل میں
آنکہ او خندۂ مستانہ زدے صہبا بود
جو مستانہ قہقہہ لگاتی تھی، وہ شراب تھی

یاد باد آنکہ صبوحی زدہ در مجلسِ اُنس
یاد رہے کہ صبح کی شراب پی کر محبت کی مجلس میں
جز من و یار نبودیم و خدا با ما بود
میرے اور دوست کے سوا کوئی نہ ہوتا تھا اور خدا ہمارے ساتھ تھا

یاد باد آنکہ خرابات نشیں بودم و مست
یاد رہے، کہ میں مست اور خرابات نشیں تھا
آنچہ[1] در مجلسم امروز کم است آنجا بود
جو آج میری مجلس میں کم ہے، وہ اس جگہ تھی

یاد باد آنکہ باصلاحِ شما میشد راست
یاد رہے، کہ تمہاری اصلاح سے درست ہوتی تھی
نظمِ ہر گوہرِ نا سفتہ کہ حافظ را بود
ہر بے دھنا بندھے ہوئے موتیوں کی نظم جو حافظ کی تھی

یاد[2] باد آنکہ سرِ کوئے توام منزل بود
یاد رہے کہ تیرے کوچہ میں میرا پڑاؤ تھا
دیدہ را روشنی از خاکِ درت حاصل بود
تیرے در کی خاک سے آنکھ کو روشنی حاصل تھی

راست[3] چوں سوسن و گل از اثرِ صحبتِ پاک
بالکل سوسن، اور گل کی طرح پاک صحبت کے اثر سے
بر زباں بود مرا آنچہ ترا در دل بود
میری زبان پر وہ تھا، جو تیرے دل میں تھا

دل[4] چو از پیرِ خرد نقدِ معانی میجست
عقل کے بڑھے سے دل جب نقدِ معانی ڈھونڈتا تھا
عشق میگفت بشرح آنکہ بر و مشکل بود
عشق، تفصیل سے وہ بتا دیتا تھا جو اس پر مشکل تھا

آہ ازیں جور و تظلم کہ دریں دامگہ است
اس ظلم اور زیادتی پر آہ ہے، جو اس قید خانہ میں ہے
وائے زاں عیش و تنعّم کہ در آں منزل بود
ہائے! وہ عیش، اور ناز و نعمت جو اُس منزل میں تھا

در دلم بود کہ بے دوست نباشم ہرگز
میرے دل میں تھا، کہ دوست کے بغیر ہرگز نہ رہوں گا
چہ تواں گفت کہ سعیِ من و دل باطل بود
کیا کہا جائے کہ میری، اور دل کی کوشش غلط تھی

دوش[5] بر یادِ حریفاں بخرابات شدم
کل دوستوں کی یاد میں، شراب خانہ میں گیا
خُمِ مے دیدم و خوں در دل و پا در گِل بود
شراب کا مٹکا دیکھا خون دل میں، اور پاؤں مٹی میں تھا

بس بگشتم کہ بپرسم سببِ دردِ فراق
بہت گھوما کہ فراق کے درد کا سبب دریافت کروں
مُفتیِ عقل دریں مسئلہ لایعقل بود
عقل کا مُفتی، اس مسئلہ میں بے عقل تھا

راستی خاتمِ فیروزۂ بو اسحاقی[6]
درست ہے، اسحاقی فیروزہ کی انگوٹھی
خوش درخشید و لے دولتِ مستعجل بود
اچھی چمکتی تھی، لیکن ناپائیدار دولت تھی

دیدی[7] آں قہقہۂ کبکِ خراماں حافظ
اے حافظ! تو نے اکڑ کر چلنے والے کبک کے اس قہقہہ کو دیکھا؟
کہ ز سرپنجۂ شاہینِ قضا غافل بود
جو قضا کے شاہین کے پنجے سے غافل تھی

[1] آج وہ شراب میسر نہیں ہے۔
[2] یہ غزل ابو اسحاق کے مرثیہ میں لکھی گئی ہے سلطان ابو سعید کے بعد شیراز اور فارس کے دیگر ممالک کا امیر شیخ ابو اسحاق بادشاہ بن گیا تھا، اُس نے تھوڑے ہی زمانہ سلطنت کی تھی کہ امیر مبارز الدین کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا یہ خواجہ صاحب کا مربّی اور ممدوح تھا۔
[3] پھول کو دل اور سوسن کو زبان قرار دیا ہے یعنی جس طرح جو پھول میں ہے وہی سوسن میں ہے۔ اسی طرح میں تیرے دل کا ترجمان تھا۔
[4] جس نکتہ کا حل عقل نہیں کر سکتی ہے اُس کو عشق حل کر دیتا ہے۔
[5] مے نوشوں کی یاد میں ہم جنہیں اُداسی تھی خُم کے دل میں خون تھا یعنی اس میں سرخ شراب بھری تھی۔
[6] بو اسحاقی فیروزہ کی ایک کان کا نام ہے۔ جو نیشاپور میں ہے اور ابو اسحاق کی طرف منسوب ہے اس شعر میں ابو اسحاق کی سلطنت کے بہت جلد ختم ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔
[7] کبکِ خراماں سے ابو اسحاق [illegible]

یاریؔ اندر کس نمی بینم یاراں را چہ شد
ہم کسی میں دوستی نہیں دیکھ رہے ہیں، دوستوں کو کیا ہوا؟

دوستی کو آخر آمد دوستداراں را چہ شد
دوستی گویا ختم ہو گئی، دوستوں کو کیا ہوا؟

آبِ حیواں تیرہ گوں شد خضرِ فرخ پے کجاست
آبِ حیات گدلا ہو گیا، مبارک قدم خضر کہاں ہے؟

خوں چکید از شاخِ گل بادِ بہاراں را چہ شد
پھول کی شاخ سے خون ٹپک پڑا، موسمِ بہار کی ہوا کو کیا ہوا؟

صد ہزاراں گل شگفت و بانگِ مرغے بر نخاست
لاکھوں پھول کھلے، اور کسی پرند کی آواز نہ نکلی

عندلیباں را چہ پیش آمد ہزاراں را چہ شد
عندلیبوں کو کیا پیش آیا، بلبلوں کو کیا ہوا؟

لعلےؔ از کانِ مروّت بر نیامد سالہاست
سالوں گذر گئے، مروّت کی کان سے کوئی لعل نہ نکلا

تابشِ خورشید و سعیِ باد و باراں را چہ شد
آفتاب کی گرمی، اور ہوا اور بارش کی کوشش کو کیا ہوا!

زہرہؔ سازِ خود نمیگیرد مگر عودش بسوخت
زہرہ اپنا ساز نہیں تھامتی ہے، شاید اس کی سارنگی جل گئی ہے

کس ندارد شوقِ مستی میگساراں را چہ شد
مستی کا کسی کو شوق نہیں ہے، شرابیوں کو کیا ہوا؟

کسؔ نمیگوید کہ یارے داشت حقِ دوستی
کوئی نہیں کہتا ہے کہ کوئی دوست دوستی کا حق رکھتا تھا

حق شناساں را چہ حال افتاد و یاراں را چہ شد
حق کے پہچاننے والوں کو کیا حال ہوا، دوستوں کو کیا ہوا؟

گوئے توفیق و کرامت درمیاں افگندہ اند
توفیق، اور بندگی کی گیند، درمیان میں ڈالے ہوئے ہیں

کس بمیداں در نمی آرد سواراں را چہ شد
کوئی میدان کا رخ نہیں کرتا ہے، سواروں کو کیا ہوا؟

حافظ اسرارِ الٰہی کس نمیداند خموش
اے حافظ! چپ رہ، خدائی بھید کوئی نہیں جانتا ہے

از کہ می پرسی کہ دورِ روزگاراں را چہ شد
کس سے پوچھتا ہے کہ زمانوں کے دور کو کیا ہوا؟

یکدو جامم دی سحر گہ اتّفاق افتادہ بود
کل صبح، مجھے دو ایک جام پینے کا اتفاق ہوا تھا

وز لبِ ساقی شرابم در مذاق افتادہ بود
ساقی کے ہونٹ سے، میرے منہ میں شراب پڑی تھی

از سرِ مستی دگر با شاہدِ عہدِ شباب
مستی کی وجہ سے جوانی کے زمانہ کے معشوق سے دوبارہ

رجعتے میخواستم لیکن طلاق افتادہ بود
رجعت کرنا چاہتا تھا، لیکن طلاق واقع ہو چکی تھی

نقشؔ می بستم کہ گیرم بوسہ زاں چشمِ مست
میں نے نقشہ جمایا تھا کہ اس مست آنکھ کا بوسہ لوں گا

طاقت و صبر از خمِ ابروش طاق افتادہ بود
طاقت اور صبر اس کے ابرو کے خم کی وجہ سے جواب دے چکا تھا

ساقیا جامم دمادم دہ کہ در سیرِ طریق
اے ساقی! پے در پے جام دے اس لیے کہ طریقت کے سفر میں

ہر کہ عاشق وش نیامد در نفاق افتادہ بود
جس نے عاشقانہ طرز نہ اختیار کیا، نفاق میں مبتلا تھا

اے مُعبّر مژدہ فرما کہ دوشم آفتاب
اے تعبیر دینے والے کوئی خوشخبری دے، کہ کل رات سورج

در شکر خوابِ صبوحی ہم وثاق افتادہ بود
میری صبح کی میٹھی نیند میں ہم منزل تھا

در مقاماتِ طریقت ہر کجا کردیم سیر
طریقت کے مقامات میں، جہاں کہیں ہم نے سیر کی

عافیتؔ را با نظر بازی فراق افتادہ بود
آرام، اور نظر بازی میں جدائی تھی

گر نبودے شاہ یحییٰ نصرۃ الدین از کرم
اللہ کے کرم سے، اگر شاہ یحییٰ نصرت الدین نہ ہوتا

کارِ ملک و دیں ز نظم و اتّفاق افتادہ بود
ملک، اور دین کا کام، انتظام اور اتفاق سے گرا ہوا تھا

۱؎ خواجہ صاحب نے اس غزل میں اپنے ہم عصروں کی بے مروّتی کا شکوہ کیا ہے۔

۲؎ کان میں لعل سورج کی شعاعوں اور آب و ہوا سے بنتا ہے۔ یعنی عرصہ گذر گیا اور کوئی مروّت والا انسان پیدا نہیں ہوا۔

۳؎ زہرہ ستارے کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے

۴؎ کوئی کسی کی دوستی کے حق کا قائل نہیں ہے

۵؎ میں مستی سے اپنے جوانی کے زمانہ کو لوٹانا چاہتا تھا لیکن معلوم ہوا کہ اس معشوق پر اس قسم کی طلاق پڑ چکی ہے جس کے بعد رجعت ممکن نہیں ہے یعنی جوانی لوٹ کر نہیں آ سکتی ہے۔

۶؎ سوچا تھا کہ اس کی آنکھوں کا بوسہ لوں گا لیکن ناطاقتی نے اجازت نہ دی۔

۷؎ صبح کے وقت خواب میں دیکھا کہ گھر میں سورج آیا ہوا ہے یقیناً اس کی تعبیر یہ ہے کہ معشوق آئے گا۔

۸؎ نظر بازی کے ساتھ راحت اور آرام جمع نہیں ہو سکتا ہے۔

۹؎ امیر تیمور نے شیراز فتح کرنے کے بعد شاہ یحییٰ نصرت الدین کو اس کا حاکم بنا دیا تھا جو بہت ہر دل عزیز شخص تھا۔

حافظ آں ساعت کہ ایں نظمِ پریشاں می نوشت
حافظ، جس وقت یہ پریشان نظم لکھ رہا تھا
طائرِ فکرش بدامِ اشتیاق افتادہ بود
اس کے فکر کا پرندہ عشق کے جال میں پھنسا ہوا تھا

یاد باد آنکہ زما وقتِ سفر یاد نکرد
یاد رہے، کہ سفر کے وقت ہمیں یاد نہ کیا
بوداعے دلِ غمدیدۂ ما شاد نکرد
ہمارے غمگین دل کو رخصت کرکے خوش نہ کیا

آں جوانمرد کہ میزد رقمِ خیر و قبول
اس نوجوان نے جو خیر اور قبولیت کا نشان قائم کرتا تھا
بندۂ پیر ندانم زچہ آزاد نکرد
بوڑھے غلام کو نہ معلوم کس وجہ سے آزاد نہ کیا

دل بہ امید صدائے کہ مگر در تو رسد
دل نے ایسی آواز کی امید پر کہ شاید تجھ میں اثر کر جائے
نالہا کرد دریں کوہ کہ فرہاد نکرد
اس پہاڑ میں، ایسے نالے کئے، جو فرہاد نے نہ کئے

ہر شبے جامہ بخونابہ بشویم کہ فلک
ہر رات کو خالص خون سے کپڑے دھوتا ہوں، اس لیے کہ آسمان نے
رہنمونیم بپائے علمِ داد نکرد
انصاف کے جھنڈے کے نیچے تک میری رہنمائی نہ کی

سایہ تا باز گرفتی زچمن مرغِ سحر
جب سے چمن سے تو نے اپنا سایہ ہٹا لیا، صبح کے پرندے نے
آشیاں در شکنِ طرۂ شمشاد نکرد
شمشاد کی زلف کی شکن میں، گھونسلا نہیں بنایا

شاید ار پیکِ صبا از تو بیاموزد کار
مناسب ہوگا، اگر صبا کا قاصد تجھ سے کام سیکھے
زانکہ چالاکتر ازیں حرکتِ باد نکرد
اس لیے، کہ اس سے ہوا بھی تیز نہ چلی

کلکِ مشاطۂ صنعش نکشد نقشِ مراد
خدائی سنگارگری کی نائن کا قلم، اس کی مراد کا نقش نہیں بناتا
ہر کہ اقرار بدیں حسنِ خداداد نکرد
جس نے اس خداداد حسن کا اقرار نہ کیا

مطربا پردہ بگرداں و بزن راہِ عراق
اے مطرب، پردہ بدل اور نغمۂ عراق کو چھیڑ
کہ ازیں راہ بشد یار و زما یاد نکرد
اس لیے، کہ معشوق اسی راستے سے چلا گیا اور ہمیں یاد نہ کیا

ازغزلہائے عراقیست سرودِ حافظ
حافظ کا گانا، عراقی غزلوں سے ہے
کہ شنید ایں رہِ دلسوز کہ فریاد نکرد
یہ دل سوز نغمہ کس نے سنا، کہ فریاد نہ کی

یارم چوں قدح بدست گیرد
جب میرا محبوب، پیالہ ہاتھ میں تھام لیتا ہے
بازارِ بتاں شکست گیرد
معشوقوں کا بازار، شکست کھا جاتا ہے

در بحر فتادہ ام چو ماہی
میں مچھلی کی طرح، دریا میں گرا ہوا ہوں
تا یار مرا بشست گیرد
تاکہ، مجھ کو محبوب کانٹے سے پکڑے

در پاش فتادہ ام بزاری
میں عاجزی سے، اس کے قدموں میں گرا ہوا ہوں
آیا بود آنکہ دست گیرد
کیا یہ ہو سکے گا، کہ وہ ہاتھ پکڑ لے

ہر کس کہ بدید چشمِ او گفت
جس نے بھی اس کی آنکھ دیکھی، وہ بولا
کو محتسبے کہ مست گیرد
محتسب کہاں ہے، جو مست کو گرفتار کرے

ا۔ معشوق بجائے کام کرنے میں مست ہو رہے لیکن مجھ بوڑھے غلام کو آزاد نہ کیا جو بڑا کارِ خیر ہے۔
۲۔ علمِ داد: بادشاہ عموماً ایک جھنڈا گاڑ دیتے تھے تاکہ فریادی اس کے نیچے جمع ہو جائیں اور پھر ان کا انصاف کر دیا جائے۔
۳۔ اتنی تیز رفتاری ہوا میں بھی نہیں ہے جس تیزی سے معشوق چلا گیا، تو صبا کو اس کی شاگردی کرنی چاہیے۔
۴۔ عراق: موسیقی کے ایک پردے کا نام ہے جس پر عموماً عشقیہ گانے گائے جاتے ہیں۔
غزلہائے عراقی وہ غزلیں کہلائیں گی جن میں عشقیہ مضمون ہو۔
۵۔ شراب نوشی کے بعد اس کے حسن میں ایسا اضافہ ہو جاتا ہے کہ دوسرے حسین ماند پڑ جاتے ہیں۔
۶۔ اس کی آنکھیں اس قدر مست ہیں کہ محتسب کو انہیں گرفتار کر لینا چاہیے۔

خُرّم دلِ آنکہ ہمچو حافظ
حافظ کی طرح، اس کا دل خوش ہے جو

جامے زمئے الَستْ گیرد
اَلَسْت کی شراب سے ایک جام بھرلے

ردیفِ ذالِ معجمہ

اے ذوقِ شہدِ لعلِ تو در کامِ من لذیذ
اے دوکہ تیرے ہونٹ کے شہد کا مزا، میرے حلق میں لذیذ ہے

حلوائے قند گرسنہ را در دہن لذیذ
قند کا حلوہ، بھوکے کے منہ میں لذیذ ہوتا ہے

دندانِ[1] یار در دہنِ تنگ خوش نمود
تنگ مُنہ میں، محبوب کے دانت بھلے معلوم ہوتے ہیں

در کامِ حُقّہ دانۂ دُرِّ عدن لذیذ
ڈبیہ کے مُنہ میں عدن کے موتی بھلے ہیں

شہد[2] و شکر ہر آنچہ بباز ارِ عالم ست
شہد اور شکر، جو کچھ بھی دنیا کے بازار میں ہے

شیریں از وست در دہنم ایں سخن لذیذ
اس کی وجہ سے شیریں ہے، میرے مُنہ میں یہ لذیذ بات ہے

حظّے رسد بعنبرِ زلفت دماغ را
تیری زلف کے عنبر سے، دماغ کو ایک حصہ ملتا ہے

باشد بمغز نفحۂ مشکِ ختن لذیذ
ختن کے مشک کی مہک، دماغ کو لذیذ معلوم ہوتی ہے

مارا[3] بباغِ دیدہ زاشکِ سفید و سُرخ
ہماری آنکھ کے باغ میں سفید، اور سُرخ آنسوؤں سے

حظّے ست چوں بباغ گُل و یاسمن لذیذ
وہ لطف حاصل ہے جیسے باغ میں گلاب اور یاسمن کے پھول لذیذ ہیں

گر خلق را بکام بود لذّت از بہی
اگر دنیا والوں کے تالو کو بہی سے لذت حاصل ہوتی ہے

بیمارِ عشق را شدہ سیبِ ذقن لذیذ
عشق کے بیمار کے لیے، ٹھوڑی کا سیب لذیذ بنگیا ہے

عشقِ رخت بخاطرِ حافظ ز جملہ بہ
حافظ کی طبیعت میں تیرے رخسار کا عشق سب سے بہتر ہے

در مغزِ بُلبل از ہمہ بوئے چمن لذیذ
بُلبل کے دماغ میں چمن کی خوشبو سب سے زیادہ لذیذ ہے

اے گفتگوئے لعلِ تو در کامِ جاں لذیذ
اے کہ تیرے ہونٹوں کی بات، جان کے تالو میں لذیذ ہے

ذکرِ لبت چو طعمِ شکر در دہاں لذیذ
تیرے ہونٹوں کا ذکر، شکر کے ذائقہ کی طرح مُنہ میں لذیذ ہے

دندانِ[4] تست قطرۂ شیر و شکر لبت
تیرے دانت دودھ کا قطرہ، اور تیرے ہونٹ شکر ہیں

در کامہاست شیر و شکر ہر آں لذیذ
دودھ، اور شکر حلقوں میں اس وجہ سے لذیذ ہے

خونِ دل و کبابِ جگر ہر دو بہر تست
دل کا خون، اور جگر کے کباب دونوں تیرے لئے ہیں

باشد بہم کباب و مئے ارغواں لذیذ
کباب، اور ارغوانی شراب اکٹھے لذیذ ہوتے ہیں

گفتم حدیثِ لطفِ تو آمد سخن لطیف
میں نے تیری عنایتوں کا ذکر کیا، تو بات پُر لطف ہوگئی

کردم بیانِ وصفِ لبت شد بیاں لذیذ
میں نے تیرے ہونٹوں کی تعریف کی تو بیان لذیذ ہوگیا

دل[5] ناوکِ تو خواست کہ باشد ہمائے را
دل نے تیرے تیر کی خواہش کی اس لیے کہ ہُما کے لئے

نسبت بطعمہائے دگر استخواں لذیذ
دوسرے کھانوں کی بہ نسبت، ہڈی مزیدار ہوتی ہے

---

[1] دانتوں کو عدن کے موتیوں سے تشبیہ دی ہے۔

[2] محبوب کے حسن کی تعریفیں میرے لئے شہد و شکر سے بھی زیادہ شیریں ہیں۔

[3] ہم اس کے ہجر میں سفید اور سرخ آنسو بہا رہے ہیں اور ان کی سفیدی اور سُرخی مگر ایسا منظر پیش کر رہی ہے جیسا کہ گلاب اور یاسمن کے باغ میں ہوتا ہے۔

[4] دانت دودھ کے قطرے کی طرح ہیں اور ہونٹ شکر کی طرح۔

[5] دل ہما ہے اور محبوب کا تیر ہڈی، دل نے محبوب کے تیر کی خواہش کی یعنی ہما ہڈی کا خواستگار رہا۔

اُورا زبسکہ چاشنیِ حسنِ دلبری ست

اُس کو بچونکہ دلبری کے حسن کی بے حد چاشنی حاصل ہے

پیوستہ حرفِ اوگذرد برزباں لذیذ

تو اس کی باتیں ہمیشہ زبان کو لذیذ معلوم ہوتی ہیں

حافظ بسے زشیرۂ جاں پخت حلوۂ

حافظ نے جان کے شیرے سے، اکثر حلوا پکایا

در آرزوئے آں لب و نامد چناں لذیذ

اس ہونٹ کی تمنا میں، اور ایسا لذیذ نہ نکلا

بنویس[1] دلا بیار کاغذ

اے دل! لکھ! کاغذ لا

بفرست باں نگار کاغذ

اس محبوب کو خط بھیج

اے[2] بادِ صبا بر باں شوخ

اے بادِ صبا! اس شوخ کے پاس لیجا

از عاشقِ بے قرار کاغذ

بے قرار، عاشق کی جانب سے پیغام

ہر گز نہ نویسد اُو جوابے

وہ ہرگز جواب نہیں لکھے گا

بنویسم اگر ہزار کاغذ

اگرچہ میں، ہزار خط لکھوں

تا نامِ تو نقش شد بر و ماند

جب سے تیرا نام اس پر نقش ہوا، باقی رہا

بر صفحۂ روزگار کاغذ

صفحۂ روزگار پر کاغذ

بنویس ز روئے مہربانی

مہربانی کرکے لکھ

بر حافظِ دل فگار کاغذ

خستہ دل، حافظ کو خط

ردیفِ رائے مہملہ

الا اے طوطیِ[3] گویائے اسرار

اے اسرار بیان کرنے والی طوطی!

مبادا از شکر خالیت منقار

خدا کرے تیری چونچ، شکر سے خالی نہ ہو

سرت سبز و دلت خوش باد جاوید

تو سرسبز، اور تیرا دل ہمیشہ خوش رہے

کہ خوش نقشے نمودی از خطِ یار

اس لیے کہ تو نے یار کے خط کا اچھا نقش قائم کیا ہے

سخن سربستہ گفتی با حریفاں

تو نے دوستوں سے پوشیدہ بات کہی

خدارا زیں معما پردہ بردار

خدا کے لیے، اس معمہ پر سے پردہ اٹھا

بروئے[4] ما زن از ساغر گلابے

ساغر سے، ہمارے منہ پر کچھ گلاب چھڑک

کہ خواب آلودہ ایم اے بختِ بیدار

اس لیے، کہ اے بیدار بخت! ہم سوئے ہوئے ہیں

چہ رہ بود اینکہ زد در پردہ مُطرب

مُطرب نے پردہ پر جو گایا، وہ کیا گانا تھا!

کہ میرقصند باہم مست و ہشیار

کہ مست اور ہوشیار مگر رقص کر رہے ہیں

ازیں افیوں کہ ساقی در مے افگند

اس افیون سے، جو ساقی نے شراب میں ملائی

حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

دوستوں کا نہ سر رہے گا، نہ پگڑی

---

[1] کاغذ لاکر محبوب کو خط لکھو۔

[2] اے صبا ہمارا پیغام معشوق کو پہنچا۔

[3] طوطی کی داستان دراصل محبوب کے خط کا مضمون ہے۔

[4] بیدار کرنے کے لئے منہ پر پانی چھڑک دیا جاتا ہے۔

خرد[1] ہر چند نقدِ کائنات است
عقل اگرچہ کائنات کی دولت ہے

چہ سنجد پیشِ عشقِ کیمیا کار
کیمیا ساز، عشق کے سامنے اس کا کیا وزن ہے؟

سکندر[2] را نمی بخشند آبے
سکندر کو، پانی نہیں دیتے ہیں

بزور و زر میسّر نیست ایں کار
یہ کام زور، اور زر سے حاصل نہیں ہوتا ہے

بیا وُ حالِ اہلِ درد بشنو
آ، اور درد مندوں کا حال سُن

بلفظِ اندک و معنیٔ بسیار
کم الفاظ، اور زیادہ معنیٰ کے ساتھ

بمستوراں مگو اسرارِ مستی
مستی کے راز، عبادت گذاروں کو نہ بتا

حدیثِ جاں مپرس از نقشِ دیوار
دیوار کی تصویر سے، جان کی بات دریافت نہ کر

بُتِ چینی عدوِ دین و مال ست
چینی بُت، دین، اور مال کا دشمن ہے

خداوندا دل و دینم نگہ دار
اے خدا میرے دین، اور دل کی حفاظت کر

خداوندی بجائے بندگاں کرد
غلاموں کے ساتھ، آقائی کا معاملہ کیا

خداوندا از آفاتش نگہ دار
اے خدا! اُس کو مصیبتوں سے بچا

بیُمنِ[3] دولتِ منصور شاہی
منصور شاہی، حکومت کی برکت سے

عَلَم شد حافظ اندر نظمِ اشعار
اشعار کے نظم کرنے میں، حافظ مشہور ہوگیا

اے بادِ مُشک بو بگذر سوئے آں نگار
اے مشک جیسی خوشبو والی ہوا اس محبوب کے پاس سے گذر

بکشا گرہ ز زلفش و بوئے بمن بیار
اس کی زلف کی گرہ کھول، اور میرے پاس بھی خوشبو لا

با او بگو کہ اے مہِ نا مہربانِ من
اس سے کہہ دے کہ اے میرے بے رحم چاند!

باز آ کہ عاشقانِ تو مردند ز انتظار
آجا اس لیے کہ تیرے عاشق انتظار میں مر رہے ہیں

دل[4] دادہ ایم و مہرِ تو از جاں خریدہ ایم
ہم نے دل دیا ہے، اور تیری محبت جان کے بدلے خریدی ہے

بر ما جفا و جورِ فراقت روا مدار
اپنے فراق کے ظلم، اور ستم کو ہم پر روا نہ رکھ

کردی[5] چو روزگار فراموش بندہ را
زمانہ کی طرح، تو نے غلام کو بھلا دیا

زنہار عرضِ یارِ وفادار گوش دار
وفادار دوست کی گذارش ضرور سُن لے

ایدل بساز با غمِ ہجران و صبر کن
اے دل! ہجر کے ساتھ نباہ کر، اور صبر کر

اے دیدہ در فراقش ازیں بیش خوں مبار
اے آنکھ! اُس کے فراق میں اس سے زیادہ خون نہ برسا

آرے[6] خیالِ دوست ز پیشِ نظر مشوی
ہاں دوست کے تصور کو، نظر کے سامنے سے نہ ہٹا

چوں بر وصالِ یار نداریم اختیار
جبکہ ہمیں دوست کے، وصال پر اختیار نہیں ہے

حافظ تو[7] تا بکے غمِ مالِ جہاں خوری
اے حافظ! تو کب تک دنیا کی دولت کا غم کھائیگا؟

بسیار غم مخور کہ جہاں نیست پائدار
زیادہ غم نہ کھا، اس لئے کہ دنیا پائدار نہیں ہے

---

[1] عقل اگرچہ کائنات کی دولت ہے لیکن عشق کے مقابلہ میں ہیچ ہے

[2] شعر
تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

[3] منصور شاہ کا بادشاہ ہے جو شاہ یحییٰ کو قتل کرنے کے بعد بادشاہ بنا تھا، خواجہ کا بڑا محسن تھا۔

[4] سچے عاشقوں پر ظلم کرنا مناسب نہیں ہے۔

[5] تو بھی زمانہ کی طرح بے وفائی کر رہا ہے۔

[6] یار کے وصل پر تو قابو نہیں ہے اس کا تصور ہی کر لیا جائے۔

[7] ناپائیدار دنیا کے غم میں نہ پڑنا چاہیے۔

اے بردہ گوئے حسن زخوبانِ روزگار
اے وہ جو کہ حسن کی گیند دنیا کے حسینوں سے جیت لے گیا

قدت براستی چو سہی سروِ جویبار
تیرا قد سیدھائی میں، نہر کے سروِ سہی کی طرح ہے

الحق وجودِ نقش ونشانِ دہانِ تو
صحیح بات یہ ہے کہ تیرے منہ کے نقش ونشان کا وجود

موہوم نقطہ ایست نہ پنہاں نہ آشکار
ایک ایسا موہوم نقطہ ہے جو نہ پوشیدہ ہے، نہ ظاہر

دادیم دل بدستِ خط وزلف وخال تو
ہم نے تیرے خط اور زلف اور تل کے ہاتھ میں دل دیدیا ہے

از دستِ ہر سہ تا چہ کشد ایں دلِ فگار
دیکھئے تینوں کے ہاتھوں سے یہ زخمی دل کیا مصیبت اٹھائے

بادا ہزار دشمن اگر یار با من ست
اگر دوست میرے ساتھ ہو، ہزار دشمن ہوا کریں

دانم مصاف را و نترسم زکار زار
میں لڑائی کو جانتا ہوں اور جنگ سے نہیں ڈرتا ہوں

عشقت چو در سرا چۂ دل خانہ گیر شد
جب سے تیرا عشق دل کی سرائے میں مقیم ہوا ہے

زیں در اگر بدر شوم آیم باضطرار
اس دروازے سے اگر باہر نکلتا ہوں مجبوراً واپس لوٹتا ہوں

گر سرو پیشِ قدِ تو سر میکشد مرنج
اگر تیرے قد کے بالمقابل سرو سرکشی کرے تو رنجیدہ نہ ہو

عقلِ طویل را نبود ہیچ اعتبار
لمبے کی عقل کا، کوئی بھروسہ نہیں ہوتا ہے

منصوبہ ہوائے تو حافظ کنوں چو باخت
اب جبکہ حافظ نے تیری محبت کی بازی لگائی ہے

در ششدرِ غمت دلش افتاد مہرہ وار
گوٹ کی طرح تیرے غم کے ششدر میں اس کا دل پھنس گیا

اے خرم از فروغِ رخت لالہ زارِ عمر
اے وہ کہ تیرے رخ کے نور سے، عمر کا لالہ زار سرسبز ہے

باز آکہ ریخت بے گلِ رویت بہارِ عمر
لوٹ آ کہ تیرے رخ کے پھول کے بدون زندگی کی بہار ضائع ہوگئی

از دیدہ گر سرشک چو باراں رود رواست
اگر آنکھ سے آنسو بارش کی طرح بہیں تو مناسب ہے

کاندر غمت چو برق بشد روزگارِ عمر
اس لیے کہ تیرے غم میں زندگی کا زمانہ برق کی طرح ختم ہوگیا

بے عمر زندہ ام من و زیں بس عجب مدار
میں بدون عمر کے زندہ ہوں اور اس پر زیادہ تعجب نہ کر

روزِ فراق را کہ نہد در شمارِ عمر
ہجر کے زمانہ کو، عمر میں کون گنتا ہے؟

اندیشہ از محیطِ فنا نیست ہر کرا
اس کو فنا کے دریا سے، ہرگز ڈر نہیں ہے

بر نقطۂ دہانِ تو باشد مدارِ عمر
جس کی عمر کا مدار، تیرے منہ کے نقطہ پر ہو

در ہر طرف ز خیلِ حوادث کمیں گہ است
حوادث کے لشکر کی ہر جانب گھات کی جگہ ہے

زاں رو عناں گستہ دواند سوارِ عمر
اسی لیے زندگی کا سوار باگ چھوڑے ہوئے دوڑ رہا ہے

ایں یک دو دم کہ دولتِ دیدار ممکن ست
ان دو ایک سانسوں میں جبکہ دیدار کی دولت ممکن ہے

دریاب کارِ دل کہ نہ پیداست کارِ عمر
دل کا مقصد پورا کرلے، اس لئے کہ عمر کا معاملہ واضح نہیں ہے

تا کے مے صبوح و شکر خوابِ صبح دم
صبح کی شراب اور صبح کی میٹھی نیند کب تک؟

بیدار گرد ہاں کہ نماند اعتبارِ عمر
ہاں، بیدار ہوجا، اس لیے کہ عمر کا بھروسہ نہیں رہا

دی در گذار بود و نظر سوئے ما نکرد
کل جا رہا تھا اور اس نے ہماری طرف نظر نہ کی

بیچارہ دل کہ ہیچ ندید از گذارِ عمر
دل بیچارہ ہے کہ عمر گذارنے سے اس نے کوئی فائدہ نہ دیکھا

۱۔ سروِ عموماً نہر کے کنارے لگایا جاتا ہے۔
۲۔ معشوق کے منہ کو نہ موجود کہا جاسکتا ہے نہ معدوم۔
۳۔ دل تین چیزوں کے پھندے میں پھنسا ہے دیکھئے اس پر کیا گذرتی ہے۔
۴۔ سرو دراز قد ہے اور دراز قد والے عموماً احمق ہوتے ہیں لہٰذا اسکی سرکشی سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے۔
۵۔ ششدر شطرنج کی بازی میں وہ مقام ہوتا ہے کہ جہاں اگر گوٹ پھنس جائے تو بدون مخالف کی گوٹ کو راستہ دیئے اپنی گوٹ کو کوئی راستہ نہیں ملتا ہے۔
۶۔ جبکہ محبوب کے غم میں عمر بجلی کی طرح گذر رہی ہے اگر آنکھوں سے بارش برسے تو کیا تعجب ہے۔
۷۔ جبکہ ایک موہوم نقطہ پر زندگی کا مدار ہے تو فنا سے کیا ڈرنا ہے۔
۸۔ عمر کا گھوڑا ایک ٹٹ اس لیے دوڑ رہا ہے کہ ہر طرف حوادث گھات میں ہیں۔
۹۔ صبح کی شراب اور نیند میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

حافظ سخن بگوی کہ در صفحۂ جہاں
حافظ! شعر کہہ کہ صفحۂ روزگار پر

ایں نقش ماند از قلمت یادگارِ عمر
تیرے قلم کا یہ نقش، زندگی کی یادگار رہے گا

اے صبا نکہتے از خاکِ درِ یار بیار
اے صبا! یار کے دروازے کی خاک کی ذرا سی خوشبو لا
بِبر اندوہِ دل و مژدۂ دلدار بیار
دل کا رنج دور کر دے، اور محبوب کی خوشخبری لا

نکتۂ روح فزا از دہنِ یار بگوئے
معشوق کے منہ کا کوئی روح فزا، نکتہ بیان کر
نامۂ خوش خبر از عالمِ اسرار بیار
رازوں کی دنیا سے، خوشخبری کا خط، لا

تا معطّر کنم از لطفِ نسیمِ تو مشام
تاکہ میں تیری نسیم کی لطافت سے دماغ کو معطر کروں
شمّۂ از نفحاتِ نفسِ یار بیار
محبوب کے سانس کی خوشبو کا کچھ تھوڑا سا حصہ لا

بوفائے تو کہ خاکِ رہِ آں یارِ عزیز
تجھے اپنی وفاداری کی قسم کہ اُس پیارے دوست کے راستے کی خاک
بے[2] غبارے کہ پدید آید از اغیار بیار
اُس غبار کے بدون، جو غیروں سے اُڑے، لا

روزگاریست کہ دل چہرۂ مقصود ندید
ایک زمانہ گزر گیا کہ دل نے مقصود کا چہرہ نہیں دیکھا
ساقیا[3] آں قدحِ آئنہ کردار بیار
اے ساقی! آئینہ کی صفات کا وہ پیالہ لا

گردے از رہگذرِ دوست بکوریِ رقیب
رقیب کے اندھے پن کے لئے دوست کے راستہ کی گرد
بہرِ آسائشِ ایں دیدۂ خونبار بیار
اس خون بہانے والی آنکھ کی راحت کے لیے لا

دلِ[4] دیوانہ ز زنجیر نمی آید باز
دیوانہ دل، زنجیر سے باز نہیں آتا ہے
حلقۂ از خمِ آں طرّۂ طرّار بیار
اُس طرار زلف کے پیچ کا ایک حلقہ، لا

خامی و سادہ دلی شیوۂ جانبازاں نیست
کچاپن، اور سادہ دلی، جانبازوں کا شیوہ نہیں ہے
خبرے از برِ آں دلبرِ عیّار بیار
اس عیار، دلبر کے پاس سے کوئی خبر لا

شکرِ آں را کہ تو در عشرتی اے مرغِ چمن
اے چمن کے پرندے اس شکریہ میں کہ تو عیش میں ہے
با سیرانِ قفس مژدۂ گلزار بیار
قفس کے قیدیوں کے لیے گلزار کی کوئی خوشخبری لا

کامِ جاں تلخ شد از صبر کہ کردم بے دوست
بغیر دوست کے جو میں نے صبر کیا اُس سے جان کا حلق کڑوا ہو گیا
عشوۂ زاں لبِ شیریں شکر بار بیار
اس کے شکر برسانے والے میٹھے ہونٹ کی کوئی ادا لا

دلقِ حافظ بچہ ارزد بمئیش رنگیں کن
حافظ کی گدڑی کس لایق ہے اس کو شراب سے رنگ
وانگہش مست و خراب از سرِ بازار بیار
اور پھر حافظ کو مست اور خراب سرِ بازار لا

اے صبا نکہتے از کوئے فلانے بمن آر
اے صبا! فلاں کے کوچہ کی ذرا سی خوشبو میرے پاس لا
زار و بیمارِ غمم راحتِ جانے بمن آر
میں غم کی وجہ سے لاغر اور بیمار ہوں کسی جان کی راحت میرے پاس لا

قلبِ بیحاصلِ ما را بزن اکسیرِ مراد
ہمارے نامراد دل پر، مراد کی اکسیر لگا دے
یعنی[5] از خاکِ درِ دوست نشانے بمن آر
یعنی دوست کے دروازے کی خاک کا نشان میرے پاس لا

[1] حافظ کے اشعار زمانہ میں یادگار رہیں گے۔
[2] اس خاک میں رقیب کے پیروں کی گرد شامل نہ ہو۔
[3] وہ پیالہ دے جس میں آئینہ کی طرح محبوب کا رخ نظر آئے۔
[4] اس دیوانہ دل کو زنجیر سے قابو میں نہیں لایا جا سکتا اس لئے محبوب کے زلف کے حلقہ کی ضرورت ہے۔
[5] معشوق کے راستہ کی خاک ہمارے دل کے لیے اکسیر ہے۔

درکمیں گاہِ نظر با دلِ خویشم جنگ ست
نظر کی کمین گاہ میں میری اپنے دل سے جنگ ہے
زابرو و غمزۂ او تیر و کمانے بمن آر[1]
اسکی ابرو اور ادا کا تیر اور کمان میرے پاس لا

در غریبی و فراق و غمِ دل پیر شدم
مسافرت اور فراق اور دل کے غم میں بوڑھا ہو گیا ہوں
ساغرِ مے زکفِ تازہ جوانے بمن آر[2]
شراب کا پیالہ کسی نوجوان کے ہاتھ سے میرے پاس لا

منکراں را ہم ازیں مے دو سہ ساغر بچشاں
انکار کرنے والوں کو بھی اس شراب کے دو تین ساغر چکھا دے
وگر ایشاں نستانند روانے بمن آر
اور اگر وہ نہ لیں، تو جلد میرے پاس لا

ساقیا عشرتِ امروز بفردا مفگن
اے ساقی! آج کے عیش کو کل پر نہ ڈال
یا ز دیوانِ قضا خطِ امانے بمن آر[3]
یا قضا کے دفتر سے امان کا ایک خط میرے پاس لا

دلم از پردہ بشد دوش کہ حافظ می گفت[4]
میرا دل پردے سے باہر آ گیا کل جب کہ حافظ کہہ رہا تھا
اے صبا نکہتے از کوئے فلانے بمن آر
اے صبا فلاں کے کوچہ کی خوشبو میرے پاس لا

اے برامیدِ وصلِ تو موقوف کارِ عمر
اے دوست تیرے وصل کی امید پر زندگی کا کام موقوف ہے
عمرِ منی کہ پیر شوی در کنارِ عمر
تو میری زندگی ہے، خدا کرے زندگی کی بغل میں تو بوڑھا ہو

عمرِ عزیز ہمدمِ من باش یک دمے
پیاری زندگی، تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ رہ
تا خوش شود بدولتِ وصلِ تو کارِ عمر
تاکہ تیرے وصل کی دولت سے زندگی کا معاملہ بہتر ہو جائے

دانند عاشقاں کہ نیاید بہیچ کار
عاشق جانتے ہیں، کہ کسی کام نہیں آتی ہے
عمرے کہ بے تو میگذرد در شمارِ عمر[5]
عمر کی گنتی میں وہ زندگی جو تیرے بدون گذرتی ہے

عمرِ منی اگرچہ کہ عمرست بے وفا
تو میری زندگی ہے، اگرچہ زندگی بے وفا ہے
بادا ہزار جانِ گرامی نثارِ عمر
خدا کرے ہزاروں پیاری جانیں، زندگی پر نچھاور ہوں

زینساں کہ عمر میگذرد در فراقِ تو
اس طور پر کہ زندگی تیرے فراق میں گذر رہی ہے
از جانِ خود ملول شدم در گذارِ عمر
میں زندگی گذارنے میں اپنی جان سے تنگ آ گیا ہوں

چوں بر مدارِ عمر دمے اختیار نیست
جب زندگی کے دار و مدار پر، کچھ اختیار نہیں ہے
حافظ چہ اعتماد کند بر مدارِ عمر
زندگی کے مدار پر، حافظ کیا بھروسہ کرے

بعد ازیں ہر گز نہ بیند ہیچ میخوارے دگر[6]
اس کے بعد کوئی شراب نوش پھر ہرگز نہ دیکھے گا
ہمچو من میخوارہ و مثلِ تو خمارے دگر
مجھ جیسا شرابی، اور تجھ جیسا دوسرا شراب فروش

ساقیے داریم ما چندانکہ مے از دستِ وے
ہمارا ایسا ساقی ہے، کہ ہم جس قدر بھی اسکے ہاتھ سے شراب
میخوریم و باز میگوئیم یکبارے دگر
پیتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں، کہ ایک بار اور

خرقۂ پشمینہ بفروشیم و نفروشیم زہد
ہم اونی گدڑی بیچتے ہیں، اور زہد نہیں بیچتے ہیں
وز سرِ گیسوئے او پوشیم زنارے دگر
اور اس کے گیسو سے دوسرا جنیو پہنتے ہیں

---

[1] ابرو کی کمان اور غمزہ کا تیر لا۔
[2] نوجوان محبوب کے ہاتھ سے شراب پینے سے جوانی لوٹ آئیگی۔
[3] جس سے یہ اطمینان ہو جائے کہ میں کل تک زندہ رہوں گا۔
[4] حافظ نے جب مطلع کا پہلا مصرع پڑھا تو دل بے قابو ہو گیا۔
[5] جو زمانہ معشوق بدون گذرے وہ عمر میں نہیں جوڑا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ زندگی کا نہیں موت کا زمانہ ہے
[6] شعر
جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ہرکہ عاشق گشت میگویند خونِ دل خورد — پس نمیدانیم ماجز عاشقی کارے دگر
لوگ کہتے ہیں جو عاشق بنا وہ دل کا خون پیتا ہے — لہٰذا ہم عاشقی کے سوا، کوئی دوسرا کام نہیں جانتے ہیں

حرمتِ دستارِ حافظ را بدار اے میفروش
اے شراب فروش، حافظ کی پگڑی کی عزت کر

کو جز ایں کہنہ ندارد ہیچ دستارے دگر
اس لئے کہ اس کے پاس اس پرانی پگڑی کے سوا اور پگڑی نہیں ہے

پروانہ[1] نمی شکیبد از نور — ور قصد کند بسوزد از دور
پروانہ، روشنی سے صبر نہیں کرتا ہے — اور اگر ارادہ کرتا ہے تو دور سے ہی جل جاتا ہے

ہر کس[2] بہوائے خود گرفتار — صاحب نظراں بروئے منظور
ہر شخص، اپنی خواہش میں گرفتار ہے — نظر والے، محبوب کے چہرے کے شوق میں

آنروز کہ روزِ حشر باشد — دیوانِ قضا و عرضِ منشور ق
جس دن، حشر کا دن ہوگا — فیصلوں کے دفتر کا، حکموں کی پیشی کا

مازندہ بہ ذکرِ دوست باشیم — دیگر حیواں بنفخۂ صور
ہم، محبوب کے ذکر سے زندہ ہوں گے — دوسرے جاندار، صور پھکنے سے

آنگہ کہ تو در بہشت باشی — خود کس نہ کند نگاہ در حور
جب تو، بہشت میں ہوگا — اپنے آپ ہی، کوئی حور پر نگاہ نہ ڈالے گا

ما مستِ شرابِ نابِ عشقیم — نہ تشنۂ سلسبیل و کافور
ہم، عشق کی خالص شراب کے مست ہیں — نہ سلسبیل، اور کافور کے پیاسے

اے یار حذر ز آہِ[3] ماکن
اے یار! ہماری آہ سے بچ

کاتش نبرد حجابِ مستور
کہیں آگ، چھپنے والے کے پردے کو نہ جلادے

چون صبح کرد عزمِ جہانگیری اختیار — آفاق را ز حلۂ زربفت شد شعار
جب صبح نے دنیا کو فتح کرنے کا پختہ ارادہ کیا — اطرافِ عالم کا زربفت کے جوڑے کا لباس بنا

آفاق را طلیعۂ مہرِ جہاں فروز — آراستہ چو طلعتِ خورشیدِ کامگار
دنیا کو روشن کرنیوالے، سورج کی ابتدا نے اطراف عالم کو — کامیاب سورج کے چہرہ کی طرح آراستہ کر دیا

ایں[4] گوہر از کدام صدف خاست کز بہا — بر وے ہزار کوکبِ رخشاں کند نثار
یہ موتی کس سیپ سے نکلا، کہ قیمت کی وجہ سے — اسی پر صبح، ہزاروں چمکتے ستاروں کو نچھاور کر رہی ہے

فرصت شمار صحبت و بشنو بگوشِ ہوش — از حالِ گردشِ فلک و دورِ روزگار
صحبت کو غنیمت جان، اور ہوش کے کان سے سن — آسمان کی گردش، اور زمانہ کے چکر کا حال

منصوبۂ ہوائے تو حافظ کنوں چہ باخت — در[5] ششدرِ غمت دلش افتادہ در دو جا
اب حافظ، تیری محبت کا منصوبہ کیا ہارا — اس کا دل تیرے غم کے ششدر میں پھنس گیا

[1] پروانہ کو شمع سے نہ ملتے بنتی ہے نہ جدا ہوتے۔
[2] شعر ہمیں تم پسند ہو تو غیروں کو بیلے نظارے اپنی اپنی پسند اپنی اپنی
[3] دوسرے لوگ صور کے پھونکنے سے زندہ ہوں گے ہم محبوب کے ذکر سے جی اٹھیں گے۔
[4] ہماری آہ نے اگر پردہ جلادیا تو تُو بے پردہ ہوجائے گا
[5] سورج پر صبح اپنے تمام ستارے نچھاور کردیتی ہے۔
[6] اس شعر میں شطرنج کی بازیوں کی طرف اشارہ ہے ششدر اس بازی کو کہتے ہیں جہاں گوٹ ایسے مقام پر پھنس جائے کہ بدون دوسرے کو راستہ دئے خود اپنا راستہ بند ہو جائے۔

دلا[1] چندم بریزی خون ز دیده شرم دار آخر
اے دل میری آنکھ سے کتنا خون بہائے گا، آخر شرم کر

تو نیز اے دیدہ خوابے کن مرادِ دل برآر آخر
اے آنکھ! تو بھی کچھ سو جا، آخر دل کی مراد پوری کر

منم یارب کہ جاناں را ز عارض بوسہ میچینم
اے خدا! میں ہی ہوں کہ محبوب کے رخسار کا بوسہ لیتا ہوں

دعائے صبحدم دیدی کہ چوں آمد بکار آخر
تو نے دیکھا، آخر صبح کی دعا کیسی کار آمد ہوئی

چو بادا[2] ز خرمنِ غیراں ربودن خوشہ تا چند
دوسروں کے کھلیان سے ہوا کی طرح خوشہ چینی کب تک

زہمت توشہ بردار و خود تخمے بکار آخر
ہمت کا توشہ لے، آخر خود کوئی بیج بو

مرادِ[3] دنیا و عقبیٰ بمن بخشید روزی بخش
روزی عنایت کرنے والے نے مجھے دنیا اور عقبیٰ کی مراد دیدی

بگوشم قولِ چنگ اوّل بدستم زلفِ یار آخر
ابتداءً میرے کان میں چنگ کا قول اور آخر میں میرے ہاتھ میں یار کی زلف ہے

نگارستانِ چیں دانم نخواہد شد سرایت لیک
مجھے معلوم ہے تیرا گھر چین کا نگارستان نہ بنے گا لیکن

بنوکِ کلکِ رنگ آمیز نقشے می نگار[4] آخر
قلم کی نوک سے رنگ ملا اور آخر کوئی نقش کھینچ

دلا در ملکِ شبخیزی گر از اندوہ نگریزی
اے دل شب خیزی کی دنیا میں اگر تو رنج سے گریز نہ کرے گا

دمِ صبحت بشارتہا بیارد زاں نگار آخر
صبح کا سانس آخر کار اس محبوب کی خوشخبریاں تجھے دے گا

بتے چوں ماہ زانو زد مے چوں لعل پیش آورد
چاند جیسا معشوق دو زانو ہو کر بیٹھا ہے اور لعل جیسی شراب لایا ہے

تو گوئی تائبم حافظ ز ساقی شرم دار آخر
اے حافظ! تو کہتا ہے میں نے توبہ کرلی ہے، آخر ساقی سے شرم کر

دیگر ز شاخِ سروِ سہی بلبلِ صبور
صابر بلبل نے سروِ سہی کی شاخ سے پھر

گلبانگ زد کہ چشم بد از روئے گل بدور
آواز دی کہ پھول کے چہرے سے نظر بد دور ہو

اے گل بشکرِ آنکہ شگفتی بکامِ دل
اے پھول اس شکرانہ میں کہ تو دل کے مقصد کے مطابق کھل گیا ہے

با بلبلانِ بیدلِ شیدا مکن غرور
بے دل، عاشق، بلبلوں سے غرور نہ کر

زاہد اگر بحور و قصور ست امیدوار
زاہد اگر حور اور محلوں کا امیدوار ہے

ما را شرابخانہ قصور ست و یار حور
ہمارے لیے شراب خانے محل ہیں اور یار حور ہے

از دستِ[5] غیبتِ تو شکایت نمی کنم
تیری عدم موجودگی کی میں شکایت نہیں کرتا ہوں

تا نیست غیبتے ندہد لذّتے حضور
جب تک عدم موجودگی نہیں ہوتی ہے، موجودگی مزہ نہیں دیتی ہے

گر دیگراں بعیش و طرب خرم اند و شاد
اگر دوسرے عیش اور مستی میں خوش و خرم ہیں

ما را غمِ نگار بود مایۂ سرور
ہمارے لئے محبوب کا غم، خوشی کا سرمایہ ہے

مے خور ببانگِ چنگ و مخور غصہ ور کسے
چنگ کی دھن پر شراب پی اور غصہ نہ کر اگر کوئی

گوید ترا کہ بادہ مخور گو ہو الغفور[6]
تجھے کہے کہ شراب نہ پی تو کہدے وہ بخشنے والا ہے

حافظ شکایت از غمِ ہجراں چہ میکنی
اے حافظ ہجر کے غم کی تو کیا شکایت کرتا ہے

در ہجر وصل باشد و در ظلمت ست نور
ہجر میں بھی وصل ہوتا ہے اور تاریکی میں نور ہے

[1] دل کو شرم آنی چاہیے وہ آنکھوں سے خون بہا رہا ہے، سونے میں ہی محبوب کا دیدار میسر آتا ہے۔
[2] ہوا دوسروں کے کھلیان سے خوشہ چینی کرتی ہے، انسان کو اپنی کمائی کھانی چاہیے۔
[3] دنیا کی مراد چنگ کا گانا اور آخرت کی مراد زلفِ یار ہے۔
[4] اگر انسان مانی جیسی نقاشی نہ بھی کر سکے تو بھی کچھ نہ کچھ تو کرے۔
[5] موسم خزاں میں بلبل صابر بنی ہوئی تھی اب موسم بہار آنے پر نغمہ سرائی کر رہی ہے۔ فراق کے بعد ہی وصال میں لذت پیدا ہوتی ہے۔
[6] خدا کی مغفرت پر بھروسہ کر کے پی جا۔

روئے بنماو مرا گو کہ دل از جاں برگیر
چہرہ دکھا اور مجھ سے کہہ کر جان سے دل ہٹا لے
پیشِ شمع آتشِ پروانہ بجاں گو در گیر
کہہ دے کہ شمع کے سامنے، پروانہ کی آگ جان میں لگا لے

برلبِ تشنۂ من بیں و مدار آب دریغ
میرے پیاسے ہونٹ کو دیکھ، اور پانی میں دریغ نہ کر
بر سرِ کشتۂ خویش آی و ز خاکش برگیر
اپنے مقتول کے پاس آ، اور اس کو خاک سے اٹھالے

چنگ بنواز و بساز ار نبود عود چہ باک
چنگ بجا اور درست کرلے اگر عود نہیں تو کیا پرواہ ہے
آتشم عشق و دلم عود و تنم مجمر گیر
میرے عشق کو آگ، اور میرے دل کو اگر، اور میرے جسم کو انگیٹھی فرض کرلے

در سماع آی و ز سر خرقہ برانداز برقص
سماع میں آ، اور وجد میں سر سے خرقہ اتار پھینک
ورنہ در گوشہ نشیں دلقِ ریا در بر گیر
ورنہ گوشہ نشیں ہوجا، ریاکاری کی گدڑی پہن لے

دوست گو یار شود ہر دو جہاں دشمن باش
دوست سے کہہ دو یار بنجائے، اور دونوں جہان دشمن ہوں
بخت گو پشت مکن روئے زمیں لشکر گیر
نصیبہ کو کہہ دو پشت نہ دکھائے اور روئے زمین لشکر ہوجائے

ترکِ درویش مگیر ار نبود سیم و زرش
فقیر کو نہ چھوڑ اگر اس کے پاس سونا اور چاندی نہ ہو
در غمت سیم شمار اشک و رخش را زر گیر
اپنے غم میں اسکے آنسوؤں کو چاندی اور اسکے رخ کو سونا سمجھ

میلِ رفتن مکن اے دوست دمے با ما باش
اے دوست جانے کی خواہش نہ کر، اور تھوڑی دیر ہمارے ساتھ رہ
برلبِ جوئے طرب جوی و بکف ساغر گیر
نہر کے کنارے مستی چاہ، اور ہاتھ میں پیالہ پکڑ

رفتہ گیر از برم ایں آتش و آبِ دل و چشم
میرے جسم سے دل کی اس آگ کو اور آنکھ کے پانی کو گیا ہوا سمجھ
گونہ ام زرد و لبم خشک و کنارم تر گیر
میرے رنگ کو زرد اور میرے ہونٹ کو خشک اور میری بغل کو تر سمجھ

صوف برکش ز سر و بادۂ صافی درکش
سر سے کمبل اتار پھینک، اور صاف شراب پی
سیم در باز و بر و سیمبرے در بر گیر
چاندی کو ہار دے اور جا چاندی جیسے جسم والے کو بغل میں لے

حافظ آراستہ کن بزم و بگو واعظ را
اے حافظ! مجلس سجا، اور واعظ سے کہہ دے
کہ ببیں مجلسم و ترکِ سرِ منبر گیر
کہ میری مجلس دیکھ، اور منبر چھوڑ دے

روئے بنما و وجودِ خودم از یاد ببر
چہرہ دکھا دے اور میرے وجود کو میری یاد سے بھلا دے
خرمنِ سوختگاں را ہمہ گو باد ببر
کہہ دے کہ سب جلے ہوؤں کے کھلیان کو ہوا اڑا لیجائے

ما کہ دادیم دل و دیدہ بطوفانِ بلا
ہم جنھوں نے دل اور آنکھ کو مصیبت کے طوفان کے سپرد کردیا ہے
گو بیا سیلِ غم و خانہ ز بنیاد ببر
کہہ دو غم کا سیلاب آئے اور گھر کو بنیاد سے اکھاڑ لیجائے

زلفِ چوں عنبرِ خامش کہ ببوید ہیہات
افسوس ہے، اسکی کچے عنبر جیسی زلف کو کون سونگھ سکتا ہے؟
اے دلِ خام طمع ایں سخن از یاد ببر
اے خام طمع دل! اس بات کو بھلا دے

سینہ گو شعلۂ آتشکدۂ پارس بکش
سینہ سے کہہ دو پارس کے آتشکدہ کی آگ کو بجھا دے
دیدہ گو آبِ رخِ دجلۂ بغداد ببر
آنکھ سے کہہ دو بغداد کے دجلہ کی آبرو لیجائے

سعیِ ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی
کوشش بدون تو اس راستہ میں کسی جگہ نہ پہونچے گا
مزد اگر می طلبی طاعتِ استاد ببر
اگر تو صلہ چاہتا ہے تو استاد کی فرمانبرداری کر

۱ شمع سے محبوب کا رخسار آتشِ پروانے سے عشق مراد ہے۔
۲ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست۔
۳ عاشق کے آنسو کو چاندی اور زرد چہرے کو سونا سمجھ۔
۴ یعنی آنکھوں سے نہریں بہہ رہی ہیں۔
۵ چہرہ دکھاکر مجھے بیخود بنادے اور خودی سے غافل کردے۔
۶ سینہ میں ایسی آگ ہونی چاہیے جس سے پارسیوں کا آتش کدہ شرما جائے، آنکھوں کے آنسو دجلہ سے زیادہ جاری ہونے چاہئیں۔

دوش میگفت بمژگانِ درازت بکُشم
کل کہہ رہا تھا، تجھے لمبی پلکوں سے قتل کر دوں گا
یاربّ از خاطرش اندیشۂ بیداد ببر
اے خدا! اس کی طبیعت سے ظلم کا ڈر نکال دے

روزِ مرگم نفسے وعدۂ دیدار بدہ
میرے مرنے کے دن کے لیے تھوڑی دیر دیدار کا وعدہ کرے
وانگہم تا بہ لحد فارغ و آزاد ببر
پھر تو مجھے قبر تک فارغ، اور آزاد لیجا

دولتِ پیرِ مغاں باد کہ باقی سہل ست
پیرِ مغاں کی دولت باقی رہے، اس لیے کہ باقی باتیں تو آسان ہیں
دیگرے گو برود نامِ من از یاد ببر
دوسرے سے کہدو چلا جائے، اور میرا نام یاد سے مٹا دے

بعد ازیں چہرۂ زردِ من و خاکِ درِ دوست
اس کے بعد میرا زرد چہرہ ہو گا، اور دوست کے در کی خاک
بادہ پیش آر و بیکجا غمم از یاد ببر
شراب سامنے لا، اور مجھے غم بالکل بھلا دے

حافظ اندیشہ کن از نازکیِ خاطرِ یار
اے حافظ! یار کے مزاج کی نزاکت کا خیال رکھ
برو از درگہش ایں نالہ و فریاد ببر
اس کے دربار سے چلا جا، اور اس نالہ اور فریاد کو لیجا

ساقیا مایۂ شباب بیار
اے ساقی! جوانی کا سرمایہ لا
یک دو ساغر شرابِ ناب بیار
خالص شراب کے ایک دو ساغر، لا

داروئے دردِ عشق یعنی مے
عشق کے درد کی دوا، یعنی شراب
کوست درمانِ شیخ و شاب بیار
جو بوڑھے، اور جوان کا علاج ہے، لا

آفتاب ست و ماہ بادہ و جام
سورج اور چاند ہیں، شراب، اور جام
در میانِ مہ آفتاب بیار
چاند میں سورج، لا

غمِ دوراں مخور کہ رفت و نرفت
زمانہ کا غم نہ کھا، کہ گیا، اور نہ گیا
نغمۂ بربط و رباب بیار
بربط، اور رباب کا نغمہ، لا

میکند عقل سرکشی تمام
عقل پوری سرکشی کرتی ہے
گردنش راز مے طناب بیار
اس کی گردن کے لیے، شراب کی رسی، لا

بزن ایں آتشِ مرا آبے
میری اس آگ پر تھوڑا پانی ڈال
یعنی آں آتشِ چو آب بیار
یعنی وہ آگ، جو پانی کی طرح ہے، لا

گل اگر رفت گو بشادی رو
پھول اگر چلا گیا، کہدو خوشی سے جائے
بادۂ ناب چوں گلاب بیار
عرقِ گلاب کی طرح خالص شراب، لا

غلغلِ قمری ار نماند رواست
قمری کا شور، اگر نہیں رہا تو مناسب ہے
قلقلِ شیشۂ شراب بیار
شراب کے شیشہ کی قلقل، لا

یا صواب ست یا خطا خوردن
پینا جائز ہے، یا گناہ
گر خطا ہست و گر صواب بیار
خواہ گناہ ہے، خواہ جائز، لا

وصلِ او جز بخواب نتواں دید
اس کے وصل کو خواب کے سوا نہیں دیکھا جا سکتا
داروئے کوست اصلِ خواب بیار
وہ دوا، جو نیند کی جڑ ہے، لا

۱ خدا کرے وہ قتل کر دے، اور ظلم کا خیال کر کے ارادہ ترک نہ کرے۔
۲ محبوب کے مزاج کی نزاکت فریاد اور نالہ کی برداشت نہیں کر سکتی ہے۔
۳ خالص شراب جوانی کا سرمایہ ہے۔
۴ چاند میں آفتاب لا یعنی جام میں شراب لا۔
۵ عقل کی سرکشی شراب کی رسی سے جائیگی۔
۶ قلقل وہ آواز ہے جو صراحی کے انڈیلنے سے پیدا ہوتی ہے۔
۷ وصل بیداری میں میسر نہ آئیگا بلکہ خواب میں میسر آسکتا ہے۔

گرچہ مستم سہ چار جامِ دگر — تا بکلی شوم خراب بیار

اگرچہ میں مست ہوں، تین چار جام اور — لا، تاکہ میں بالکل مست ہو جاؤں

یک دو رطلِ گراں بہ حافظ دہ

حافظ کو ایک دو، بھاری پیمانے دے

گر گناہ است و گر ثواب بیار

خواہ گناہ ہے، خواہ ثواب، لا

سروِ بالا بلندِ خوش رفتار — دلبرِ نازنینِ خوش گفتار

بلند قد، خوش رفتار، سرو — نازنین دلبر، خوش کلام

دلِ ما بردۂ بہ عیاری — از برائے خدا نگاہش دار

تو، چالاکی سے ہمارا دل لے گیا — خدا کے لئے، اس کی حفاظت کر

زلفِ سنبل اگر بر افشانی[۱] — نبود مشک را دگر مقدار

اگر تو سنبل کی زلف کو، جھٹک دے — پھر مشک کی قدر نہ ہوگی

بیوفائی مکن دگر پیشہ — بوفا کوش اے بتِ عیار

پھر بیوفائی کا پیشہ نہ اختیار کر — اے چالاک بت! وفا اختیار کر

گاہ گاہے ببوسہ ام بنواز — تا بگردی ز عمر برخوردار

مجھے، کبھی کبھی بوسہ سے نواز دے — تاکہ تو، اپنی زندگی سے پھل کھانے والا بنے

تا بدیدم دو چشمِ جادویت — در دلِ من نماند صبر و قرار

جب سے میں نے تیری دونوں جادوگر آنکھوں کو دیکھا ہے — میرے دل میں صبر و قرار نہیں رہا

حافظِ[۲] دردمند حیران ست

درد مند، حافظ حیران ہے

بندۂ تست بے زر و مقدار

مفلس، اور بے مرتبہ تیرا غلام ہے

شبِ قدر ست و طے شد نامۂ ہجر[۳] — سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ

شبِ قدر ہے، اور ہجر کا نامہ لپیٹ گیا ہے — وہ سلامتی ہے، جب تک فجر طلوع ہو

دلا در عاشقی ثابت قدم باش — کہ در ایں رہ نباشد کار بے اجر

اے دل! عاشقی میں ثابت قدم رہ — اس لیے کہ اس راستہ میں کوئی کام بلا اجر نہیں ہے

من از رندی نخواہم کرد توبہ — ولو آذیتنی بالہجر[۴] و الحجر

میں رندی سے توبہ نہ کروں گا — اگرچہ تو مجھے بُرا بھلا کہہ کر، اور جدائی سے ستائے

دلم رفت و ندیدم روئے دلدار — فغاں از ایں تطاول آہ از ایں زجر

میرا دل چلا گیا، اور میں نے محبوب کا چہرہ نہ دیکھا — اس ظلم سے فریاد ہے، اس جھڑکنے پر آہ ہے

بر آ اے صبحِ روشن دل خدا را — کہ بس تاریک می بینم شبِ ہجر

اے روشن دل صبح! خدا کے لئے نکل آ — میں فراق کی رات کو بہت تاریک دیکھ رہا ہوں

۱ محبوب کی زلف جو سنبل کی زلف کی طرح ہے اس کی خوشبو کے بالمقابل مشک بے قدر ہے۔

۲ حافظ اگرچہ مفلس اور حقیر ہے لیکن تیرا غلام ہے۔

۳ یہ شب قدر کے بارے میں ہے کہ وہ فجر کے طلوع ہونے تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

۴ ہجر بفتح ہا جدائی اور بضم برا بھلا کہنا۔

وفا خواہی جفا کش باش حافظ
اے حافظ! تو وفا چاہتا ہے تو جفا کش بن

فَاِنَّ الرِّبحَ وَالخُسرَانَ فِی التَّجرِ
اس لیے کہ تجارت میں نفع اور ٹوٹا ہے

صبا ز منزلِ جاناں گذر دریغ مدار
اے صبا! محبوب کے مکان کے پاس سے گذرنے میں دریغ نہ کر

وز و بعاشقِ مسکیں خبر دریغ مدار
اور مسکین عاشق کو اس کی خبر دینے میں دریغ نہ کر

بشکرِ آنکہ شگفتی بکامِ دل اے گل
اے پھول! تو دل کی مراد کے موافق مکمل کھل گیا ہے اسکے شکر میں

نسیمِ وصل ز مرغِ سحر دریغ مدار
وصل کی خوشبو کو بلبل تک پہونچانے میں دریغ نہ کر

مرادِ ما ہمہ موقوفِ یک کرشمہ تست
ہماری ساری تمنا تیری ایک ادا پر موقوف ہے

ز دوستانِ قدیم ایں قدر دریغ مدار
قدیم دوستوں سے اس قدر دریغ نہ کر

حریفِ بزمِ تو بودم چو ماہِ نو بودی
جب تو نیا چاند تھا، میں تیری بزم کا شریک تھا

کنوں کہ ماہِ تمامی نظر دریغ مدار
اب جبکہ تو مکمل چاند ہے، نظر کرنے میں دریغ نہ کر

جہان و ہر چہ در و ہست سہل و مختصر ست
دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے آسان اور مختصر ہے

ز اہلِ معرفت ایں مختصر دریغ مدار
جان پہچان والوں سے اس مختصر میں دریغ نہ کر

مکارمِ تو بآفاق می برد شاعر
شاعر تیری بھلائیاں، دنیا میں لیجاتا ہے

از و وظیفہ و زادِ سفر دریغ مدار
اس کے لئے وظیفہ، اور سفر کے توشہ سے دریغ نہ کر

چو ذکرِ خیر طلب میکنی سخن این ست
اگر تو ذکرِ خیر چاہتا ہے، تو بات یہ ہے

کہ در بہائے سخن سیم و زر دریغ مدار
کہ شعر کی قیمت میں چاندی اور سونے سے دریغ نہ کر

کنوں کہ چشمہ نوش ست لعلِ شیرینت
اب جبکہ تیرا لعل جیسا شیریں ہونٹ شہد کا چشمہ ہے

سخن بگوی و ز طوطی شکر دریغ مدار
بات کر، اور طوطی کو شکر دینے میں دریغ نہ کر

مسافراں کہ بہمت کنند سیرِ بسیط
وہ مسافر جو باطنی توجہ سے دنیا کی سیر کرتے ہیں

برائے مقدمِ ایشاں سفر دریغ مدار
ان کی پیشوائی میں، سفر سے دریغ نہ کر

غبارِ غم برود حال بہ شود حافظ
غم کا غبار جاتا رہے گا، حافظ! حالت اچھی ہوجائیگی

تو آبِ دیدہ ازیں رہگذر دریغ مدار
تو اس راستہ پر آنکھوں کے پانی سے دریغ نہ کر

عید ست و موسمِ گل و یاراں در انتظار
عید، اور موسم بہار ہے اور دوست انتظار میں ہیں

ساقی بروئے شاہ ببیں ماہ و مے بیار
اے ساقی! شاہ کے چہرے میں چاند دیکھ! اور شراب لا

دل بر گرفتہ بودم از ایامِ گل و لے
میں نے موسم بہار سے دل ہٹالیا تھا، لیکن

کارے بکرد ہمتِ پاکانِ روزگار
زمانہ کے نیکوں کی توجہ نے کچھ کام نہ کیا

گر فوت شد سحور چہ نقصاں صبوح ہست
اگر سحری چھوٹ گئی تو کیا فکر ہے، صبح کی شراب تو ہے

از مے کنند روزہ کشا طالبانِ یار
یار کے طالب شراب سے روزہ کشائی کرتے ہیں

۱؎ عشق کے کاروبار میں کبھی ٹوٹا یعنی ظلم کبھی نفع یعنی وفا حاصل ہوتا ہے۔
۲؎ اے پھول اپنے کھلنے کے شکرانہ میں بلبل تک خوشبو پہونچا دے۔
۳؎ جب تیرا نوخیز حسن تھا میں تیرا ہم مجلس تھا اب جبکہ تیرا حسن شباب پر ہے، نگر کرم دیکھیے۔
۴؎ یہ مدح سے عطیہ کی درخواست ہے۔
۵؎ میں طوطی ہوں اور تیرا کلام شکر ہے طوطی کو شکر کھلائی جاتی ہے لہٰذا مجھ سے بات کر۔
۶؎ اولیاء اللہ اپنے مراقبوں میں سارے جہانوں کی سیر کر لیتے ہیں۔
۷؎ شاہ کا چہرہ دیکھ لے جو چاند کی طرح ہے۔
۸؎ میں نے توبہ کرلی تھی لیکن بزرگوں کی باطنی توجہ نے ساتھ نہ دیا اور میں توبہ پر قائم نہ رہ سکا۔
۹؎ رندوں کی سحری صبح کی شراب ہے، اور شراب ہی افطاری ہے۔

جز نقدِ جاں بدست ندارم شراب کو
نقدِ جاں کے سوا میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے شراب کہاں ہے
کاں نیز بر کرشمۂ ساقی کنم نثار
کہ وہ بھی میں ساقی کی ادا پر نچھاور کر دوں

خوش دولتے ست خرّم و خوش خسروِ کریم
دولت بھی اچھی ہے، اور سخی بادشاہ بھی خوش و خرّم ہے
یا رب ز چشمِ زخمِ زمانش نگاہ دار
اے خدا! زمانہ کی نظرِ بد سے اسے بچا

مے خور بشعرِ بندہ کہ زیبے دگر دہد
بندہ کے اشعار پر شراب پی! اس لئے کہ نئی رونق دیگا
جامِ مرصّع تو بدیں دُرِّ شاہوار[1]
تیرا جڑاؤ جام، اس بادشاہ کے لائق موتی کے ساتھ

دل در جہاں مبند و ز مستے سوال کن
دنیا میں دل نہ پھنسا، اور کسی مست سے پوچھ
از فیضِ جام و قصۂ جمشیدِ کامگار[2]
جام کے فیض، اور کامیاب جمشید کا قصہ

اے دل جنابِ عشق بلند ست ہمّتے
اے دل! عشق کی بارگاہ اونچی ہے، ہمّت کر
نیکو شنو حدیث و تو ایں قصہ گوش دار
بات کو اچھی طرح سن، اور تو اس قصے پر کان دھر

زانجا کہ پردہ پوشیِ لطفِ عمیمِ تست
چونکہ تیری عام مہربانی، پردہ پوش کی ہے
بر نقدِ ما بپوش کہ قلبے ست کم عیار
ہمارے سکّہ کی پردہ پوشی کر کیونکہ وہ کھوٹا کم خالص ہے

ترسم کہ روزِ حشر عناں بر عناں رود
مجھے ڈر ہے، کہ حشر کے دن برابر ہوں گی
تسبیحِ شیخ و خرقۂ رندِ شراب خوار[3]
شیخ کی تسبیح، اور شراب خوار رند کی گدڑی

حافظ چو رفت روزہ و گل نیز میرود
اے حافظ جبکہ رمضان گذر گیا اور موسم گل بھی گذر رہا ہے
ناچار بادہ نوش کہ از دست رفت کار
مجبوراً شراب پی، کہ ہاتھ سے کام نکل گیا

عاشقِ یارم[4] مرا با کفر و ایماں چہ کار
میں تو یار کا عاشق ہوں، مجھے کفر، اور ایمان سے کیا کام؟
تشنۂ دردم مرا با وصل و با ہجراں چہ کار
میں درد کا پیاسا ہوں، مجھے وصل، اور ہجر سے کیا کام؟

از لبِ جاناں نمی یابم نشانِ زندگی[5]
معشوق کے ہونٹ سے مجھے زندگی کا نشان نہیں ملتا ہے
پس مرا اے جانِ من با جان و با جاناں چہ کار
پس اے میری جان! مجھے معشوق، اور جان سے کیا کام؟

کشتۂ عشقم مرا از شحنۂ دوراں چہ غم
میں عشق کا مقتول ہوں، مجھے زمانہ کے کوتوال کا کیا غم[6]
مفلسِ عورم مرا با زمرۂ دیواں چہ کار
میں ننگا مفلس ہوں، میرا دفتر والوں سے کیا کام؟

قبلہ و محرابِ من ابروئے دلدار ست و بس
میرا قبلہ، اور محراب بس دلدار کی ابرو ہے
ایں دلِ شوریدہ را با ایں چہ و با آں چہ کار
اس دیوانہ دل کو اِس، اور اُس سے کیا کام؟

چونکہ اندر ہر دو عالم یار می باید مرا
چونکہ دونوں جہانوں میں، مجھے یار چاہیے
با بہشت و دوزخ و با حور و با غلماں چہ کار[7]
بہشت، اور دوزخ، اور حور، اور غلمان سے کیا کام؟

ہر کہ از خود شد مجرّد در طریقِ عاشقی
جو عشق کے راستے میں اپنے وجود ہی سے جدا ہو گیا
از غم و دردش چہ آگاہی و با درماں چہ کار[8]
اس کو درد، اور غم سے کیا واقفیت، اور علاج سے کیا کام؟

صورتِ مرداں چہ خواہی سیرتِ مرداں گزیں
تو مردوں کی صورت کیا چاہتا ہے، مردوں کی عادت اختیار کر
مردِ عاشق پیشہ را با صورتِ ایواں چہ کار
عاشق پیشہ انسان کو، محل کی تصویر سے کیا کام؟

---

۱ دُرِّ شہوار یعنی وہ موتی جو بادشاہ کے لائق ہو مراد اشعار ہیں۔

۲ مست بتا دے گا کہ جام سے کیا فیض حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ جب جمشید جیسا بادشاہ بھی مر گیا دنیا کس قدر ناپائیدار ہے۔

۳ قیامت میں ریاکار شیخ کی تسبیح اور شراب خوار کی گدڑی یکساں ثابت ہو گی۔

۴ ہمارا تعلق محبوب سے ہے ہمیں کفر اور ایمان سے کچھ بحث نہیں ہے۔

۵ جبکہ ہمیں محبوب کا حیات بخش ہونٹ حاصل نہیں ہے تو ہم اب جان اور جاناں کی کیا بات کریں۔

۶ مُردے کو کوتوال کا کوئی ڈر نہیں ہوتا مفلس دفتروں کے چکر نہیں کاٹتا ہے۔

۷ شعر
بہشت و حور و سب کچھ کو تصور میں لا کر
اگر تو طالب یار کی وصال دوست طلب

۸ جو عشق میں فنا کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اس کو نہ درد کی خبر رہتی ہے نہ علاج کا طالب ہوتا ہے۔

حافظا گر عاشق و مستی دگر رہ بازگوی
اے حافظ اگر تو عاشق اور مست ہے دوبارہ کہہ

عاشقِ یارم مرا با کفر و با ایمان چہ کار
میں یار کا عاشق ہوں، مجھے کفر اور ایمان سے کیا کام؟

گر بود عمر بمیخانہ روم بارِ دگر
اگر زندگی رہی، میخانہ میں دوبارہ جاؤں گا

بجز از خدمتِ رنداں نکنم کارِ دگر
رندوں کی خدمت کے سوا دوسرا کام نہ کروں گا

خرم آں روز کہ با دیدۂ گریاں بروم
وہ دن مبارک ہوگا کہ روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ جاؤں گا

تا زنم آب درِ میکدہ یکبارِ دگر
تاکہ میکدہ کے دروازہ پر، دوبارہ چھڑکاؤ کروں

معرفت نیست دریں قوم خدایا مددے
اس قوم کو پہچان نہیں ہے، اے خدا مدد کر

تا برم گوہر خود را بخریدارِ دگر
تاکہ اپنے گوہر کو دوسرے خریدار کے پاس لیجاؤں

عافیت می طلبد خاطرم ار بگذارند
میری طبیعت عافیت چاہتی ہے، اگر چھوڑیں

غمزۂ شوخش و آں طرۂ طرارِ دگر
پھر اس کی شوخ ادا، اور وہ طرار زلف

گر مساعد شودم دائرۂ چرخِ کبود
اگر نیلے چرخ کا دائرہ، میرا مددگار ہو

ہم بپرگارِ خود آرمش باز بپرکارِ دگر
پھر اس کو دوسری پرکار سے دائرہ میں لے آؤں گا

رازِ سربستۂ ما بیں کہ بدستاں گفتند
ہمارے سربستہ راز کو دیکھ، داستان میں انھوں نے بیان کیا

ہر زماں با دف و نے بر سرِ بازارِ دگر
دف اور بانسری کے ساتھ ہر وقت ایک نئے بازار میں

یار اگر رفت و حقِ صحبتِ دیریں نشناخت
دوست اگر چلا گیا اور دیرینہ صحبت کا حق نہ پہچانا

حاش للہ کہ روم من زپئے یارِ دگر
خدا بچائے کہ میں دوسرے یار کے پیچھے جاؤں

ہر دم از درد بنالم کہ فلک ہر ساعت
میں ہر وقت درد سے نالاں ہوں اس لیے کہ آسمان ہر گھڑی

کندم قصدِ دلِ زار بآزارِ دگر
میرے کمزور دل کا نئی تکلیف کے ساتھ ارادہ کرتا ہے

باز گویم نہ دریں واقعہ حافظ تنہاست
میں پھر کہتا ہوں اس واقعہ میں تنہا حافظ نہیں ہے

غرقہ گشتند دریں بادیہ بسیارِ دگر
اس جنگل میں دوسرے بہت سے تباہ ہوگئے ہیں

نصیحتے کنمت بشنو و بہانہ مگیر
تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں، سن اور بہانہ نہ بنا

ہر آنچہ ناصحِ مشفق بگویدت بپذیر
جو کچھ مشفق، ناصح تجھ سے کہے، اس کو قبول کر

ز وصلِ روئے جواناں تمتعے بردار
جوانوں کے چہرے کے وصل سے فائدہ اٹھا

کہ در کمینگہِ عمر ست مکرِ عالمِ پیر
اس لیے کہ بوڑھے جہاں کا، مکر زندگی کی گھات میں ہے

نعیم ہر دو جہاں پیشِ عاشقاں بجوے
عاشقوں کے نزدیک دونوں جہانوں کی نعمتیں ایک جَو کے برابر ہیں

کہ ایں متاعِ قلیل ست و آں بہائے حقیر
اس لیے کہ یہ تھوڑا سا سامان، اور وہ حقیر قیمت ہے

معاشرے خوش و رودے بساز میخواہم
ایک اچھا دوست اور ساز میں سے ایک رود چاہتا ہوں

کہ دردِ خویش بگویم بنالۂ بم و زیر
تاکہ اونچے نیچے سروں سے اپنا درد بیان کروں

ا یعنی اس غزل کے مطلع کو پھر پڑھ۔

۲ اپنے آنسوؤں سے چھڑکاؤ کروں تاکہ گرد و غبار جاتا رہے۔

۳ جی تو آرام کو چاہتا ہے لیکن معشوق کی ادا اور زلف چین نہیں لینے دیتے ہیں۔

۴ پرکار کے دائرہ میں جو چیز آجاتی ہے وہ چاروں طرف سے گھر جاتی ہے یعنی معشوق کو پھر قابو میں لاؤں گا۔

۵ لوگ ہمارے ہی راز کو دف اور نے کے ذریعہ ظاہر کر رہے ہیں۔

۶ نصیحت کا بیان اگلے اشعار میں ہے۔

۷ نصیحت یہ ہے کہ نوجوان معشوقوں سے لطف اندوز ہو۔

۸ ایں سے ہر دو جہان اور آں سے جَو کی طرف اشارہ ہے۔

۹ رود ایک قسم کے ساز کا نام ہے زیر، گانے میں دھیمی آواز اور بم بلند آواز کو کہتے ہیں۔

برآں سرم کہ ننوشم مے و گنہ نکنم
میں اس خیال میں ہوں کہ شراب نہ پیوں اور گناہ نہ کروں
اگر موافقِ تدبیرِ من شود تقدیر
اگر تقدیر، میری تدبیر کے موافق ہو جائے

دلِ رمیدۂ ما را کہ پیش میگیرد
ہمارے بھاگے ہوئے دل کا کون راستہ روکے گا؟
خبر دہید بہ مجنونِ بستہ در زنجیر
زنجیر میں بندھے ہوئے، مجنوں کو خبر دے دو

چو قسمتِ[۱] ازلی بے حضورِ ما کردند
جب ازلی تقسیم، ہماری موجودگی کے بدون انھوں نے کی ہے
گر اندکے نہ بوفقِ رضاست خردہ مگیر
اگر تھوڑا سا مرضی کے موافق نہیں، اعتراض نہ کر

بعزمِ توبہ نہادم قدح زکف صد بار
میں نے توبہ کے ارادہ سے سو بار پیالہ ہاتھ سے رکھا
ولے[۲] کرشمۂ ساقی نمیکند تقصیر
لیکن ساقی کی ادا، کوتاہی نہیں کرتی ہے

چو لالہ در قدحم ریز ساقیا مے ناب
اے ساقی! خالص شراب لالہ جیسی، میرے پیالہ میں انڈیل
کہ نقشِ خالِ نگارم نمیرود ز ضمیر
اسلئے کہ میرے دل سے محبوب کے تل کا نقشہ نہیں مٹتا ہے

مے دو سالہ و محبوبِ چاردہ سالہ
دو سالہ شراب، اور چودہ سالہ معشوق
ہمیں بس است مرا صحبتِ صغیر و کبیر
بڑے چھوٹے کی صحبت میں سے مجھے یہی کافی ہیں

نگفتمت کہ حذر کن ز زلفِ او اے دل
اے دل میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ اس کی زلف سے بچ کر رہ
کہ میکنند در آں حلقہ باد در زنجیر
اس لیے کہ اُس حلقہ میں ہوا کو بھی قید کر دیتے ہیں

بیار ساغرِ یاقوت و فیضِ دُرِ خوش آب
یاقوتی ساغر، اور اچھی آب کے موتی کا فیض لا
حسود گو کرمِ آصفی[۳] ببین و بمیر
حاسد سے کہدے، آصفی کرم دیکھ، اور مر جا

بنوش بادہ و عزمِ وصالِ جاناں کن
شراب پی، اور محبوب کے وصل کا ارادہ کر
سخن شنو کہ زنندت ز بامِ عرش صفیر
بات سن اس لیے کہ عرش کے بالاخانہ سے تجھے پکارتے ہیں

حدیثِ توبہ دریں بزمگہ مگو واعظ
اے واعظ اس بزم میں توبہ کی بات نہ کر
کہ ساقیانِ کماں ابرویت زنند بہ تیر
کیونکہ کمان جیسے ابرو والے ساقی تجھ پر تیر چلا دینگے

چہ جائے گفتۂ خاجو[۴] و شعرِ سلمانست
خاجو کے کلام اور سلمان کے اشعار کا کیا موقع ہے؟
کہ شعرِ حافظِ شیراز بہ ز شعرِ ظہیر
اس لیے کہ شیراز کے حافظ کے اشعار ظہیر کے اشعار سے اچھے ہیں

ہمتے از عاشقاں گر عاشقی ہمراہ گیر
اگر تو عاشق ہے، عاشقوں کی توجہ ساتھ رکھ
پائے بر فرقِ خداوندِ کلاہ و گاہ گیر
تاج، اور رتبہ والے کے سر پر پیر دھر

سنگِ[۵] مستی بر سرِ درویشِ غیرت خواہ زن
غیرت کھانے والے درویش کے سر پر مستی کا پتھر مار
داغِ حسرت بر دلِ دنیا دارِ دنیا خواہ گیر
دنیا کے طالب، دنیا دار کے دل پر حسرت کا داغ لگا

ز آسماں[۶] ہمت بیاموز و تواضع از زمیں
آسمان سے ہمت، اور زمین سے تواضع سیکھ
مردمی از مہر جوی و نورِ مہر از ماہ گیر
سورج سے بہادری لے اور چاند سے محبت کا نور حاصل کر

تا بکے[۷] گیری ز بہرِ منصبے دامانِ شاہ
کسی عہدے کے لیے بادشاہ کا دامن کب تک تھامے گا
رو چو مرداں حلقۂ درگاہِ شاہنشاہ گیر
جا، مردوں کی طرح بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار کی زنجیر پکڑ لے

۱؎ یعنی خدائی فیصلے ہمارے سامنے نہیں ہوئے ہیں اب اگر ہم سے تھوڑی سی غلطی ہو جائے تو ملامت کے قابل نہیں ہے۔
شعر
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا
۲؎ ساقی کی ادا توبہ توڑنے میں کوتاہی نہیں برتتی ہے۔
۳؎ آصف حضرت سلیمان کے وزیر کا نام ہے یہاں عماد ابن محمود مراد ہے، جو سلطان قطب الدین کا وزیر تھا۔
۴؎ خاجو سلمان ساوجی ظہیر فاریابی فارسی کے مشہور شعراء ہیں یعنی حافظ شیرازی کا کلام ان سب سے بہتر ہے۔
۵؎ جس درویش میں غیرت کا مادہ ہو اسکو مدہوش کر دے اور دنیا دار عابد کے دل پر حسرت کا داغ لگا دے۔
۶؎ آسمان کو ہمت والا، زمین کو متواضع، سورج کو بہادر، چاند کو بُراز محبت قرار دیا جاتا ہے۔
۷؎ فریادی شاہی دربار میں جا کر زنجیر کو پکڑتا تھا۔

گرچو شاہاں بر سریرِ مُلک نتوانی نشست
اگر بادشاہوں کی طرح ملک کے تخت پر تو نہیں بیٹھ سکتا ہے

رَو چو فراشاں طناب خیمہ و خرگاہ گیر
جا فراشوں کی طرح خیمہ اور خرگاہ کا رسا تھام لے

عشق گوید روز و شب در گوشِ ہر تر دامنے
دن رات ہر گنہگار کے کان میں عشق کہتا ہے

گر تو مردِ راہِ مائی زیں سبکتر راہ گیر
اگر تو ہماری راہ کا مرد ہے اس سے ہلکا راستہ اختیار کر

تا بکے از لا[1] سخن گوئی بیا حافظ بیا
اے حافظ آ جا کب تک ملا کی بات کہے گا

ایں زماں فتراکِ عشقِ سِرِّ الا اللہ گیر
اب الا اللہ کے راز کے عشق کا شکار بند تھام لے

یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعاں[2] غم مخور
گم شدہ یوسف کنعاں میں واپس آجائے گا، غم نہ کر

کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
غموں کی کوٹھری، کسی دن باغ بنجائے گی، غم نہ کر

ایں دلِ غمدیدہ حالش بہ شود دل بد مکن
اس غم زدہ دل کا حال اچھا ہو جائیگا، نا امید نہ ہو

ویں سرِ شوریدہ باز آید بساماں غم مخور
اور یہ پریشان دماغ، پھر آراستہ ہو جائیگا، غم نہ کر

گر بہارِ عمر باشد باز بر طرفِ چمن
اگر عمر کی بہار رہی، پھر چمن کے کنارے پر پھر

چترِ گل بر سر کشی اے مرغِ خوشخواں غم مخور
پھول کا چھتر، تو سر پر رکھیگا اے خوش الحان پرندہ غم نہ کر

دورِ گردوں گر دو روزے بر مرادِ ما نگشت
اگر زمانہ کا چکر ایک دو روز ہماری منشا کے مطابق نہ چلا

دائماً یکساں نماند کارِ دوراں غم مخور
تو زمانہ کا کام، ہمیشہ یکساں نہ رہے گا، غم نہ کر

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِ غیب
ہاں نا امید نہ ہو جبکہ تو غیب کے راز سے واقف نہیں ہے

باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور
پردے کے اندر چھپی بازیاں ہوں گی، غم نہ کر

ہر کہ سرگرداں بعالم گشت و غمخوارے نیافت
جو شخص دنیا میں پریشاں پھرا، اور کوئی غمخوار نہ ملا

آخر الامر او بغمخوارے رسد ہاں غم مخور
انجام کار وہ کسی غمخوار تک پہنچتا ہے، غم نہ کر

در بیاباں گر بشوقِ کعبہ خواہی زد قدم
اگر کعبہ کے شوق میں، تو بیاباں میں قدم رکھنا چاہتا ہے

سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں[3] غم مخور
اگر ببول کا کانٹا جھڑکیاں دے، غم نہ کر

حالِ ما در فرقتِ جاناں و ابرامِ رقیب
دوست کے فراق اور رقیب کے ستانے سے جو ہمارا حال ہے

جملہ میداند خدائے حال گرداں غم مخور
حالتوں کو بدلنے والا، خدا سب جانتا ہے، غم نہ کر

ایدل ار سیلِ فنا بنیادِ ہستی بر کند
اے دل اگر فنا کا سیلاب اگر وجود کی بنیاد اکھاڑ دے

چوں ترا نوح است کشتیباں ز طوفاں غم مخور
جبکہ تیرا کشتیبان نوح ہے، طوفان کا غم نہ کر

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید
اگرچہ منزل بہت خطرناک ہے، اور مقصود اوجھل ہے

ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور
کوئی راستہ ایسا نہیں ہے، جس کی انتہا نہ ہو، غم نہ کر

حافظا در کنجِ فقر و خلوتِ شبہائے تار
اے حافظ فقر کے گوشہ میں، اور تاریک راتوں کی تنہائی میں

تا بود وردت دعا و درسِ قرآں غم مخور
جب تک تیرا ورد دعا، اور قرآن کا درس ہے، غم نہ کر

---

[1] "لا" یعنی "نہیں" اس سے اللہ کے ماسوا کی نفی ہوتی ہے۔ الا اللہ "مگر اللہ" اس سے خدا کے وجود کا اقرار ہوتا ہے تصوف میں ابتداءً لا کا تصور قائم کیا جاتا ہے پھر الا اللہ پر پہونچا جاتا ہے۔

[2] اس پوری غزل میں خواجہ نے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کی تفسیر کی ہے یعنی ہر تنگی کے بعد راحت ہے۔ کنعان، حضرت یعقوب کا شہر ہے

[3] مغیلان اصل میں ام غیلان تھا ام یعنی ماں اور غیلان غول کی جمع بمعنی ویو۔ ببول کے درخت کو کہا جاتا ہے جو صحرائے عرب میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔

ردیفِ زائے معجمہ

اے سروِ نازِ حسن کہ خوش میروی بناز
اے حسن کے سروِ ناز! تو جو ناز سے خوش خرامی کر رہا ہے
عشاق را بناز تو ہر لحظہ صد نیاز
تیرے ناز پر عاشقوں کی جانب سے ہر وقت سو نیاز مندیاں ہیں

فرخندہ باد طالعِ نازت کہ در ازل
تیرے ناز کا نصیبہ مبارک ہو، اس لیے کہ ازل میں
ببریدہ اند بر قدِ سروت قبائے ناز[1]
تیرے سرو کے قد کے مطابق، ناز کی قبا چھانٹی ہے

آنرا کہ بوئے عنبرِ زلفِ تو آرزوست
جس کو تیری زلف کے عنبر کی، خوشبو کی آرزو ہے
چوں عُود گو بر آتشِ سوزاں بسوز و ساز[2]
کہہ دو اگر کی طرح جلتی آگ پر جلے اور دم نہ مارے

از طعنۂ رقیب نگردد عیار کم[3]
رقیب کے طعنہ سے، کھرا پن کم نہیں ہوتا ہے
چوں زر اگر برند مرا در دہانِ گاز
جبکہ گانتی کے منہ سے مجھے سونے کی طرح کاٹیں

پروانہ را زشمع بود سوزِ دل ولے
پروانہ کے دل میں جلن، شمع کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن
بے شمعِ عارضِ تو دلم را بود گداز
تیرے رخسار کی شمع کے بدون میرا دل پگھلتا رہتا ہے

دل کز طوافِ کعبۂ کویت وقوف یافت
جب دل نے تیرے کوچہ کے کعبہ کے طواف سے واقفیت حاصل کر لی
از شوقِ آں حریم ندارد سرِ حجاز
اس حریم کے شوق کی وجہ سے حجاز کا خیال نہیں کرتا ہے

ہر دم بخونِ دیدہ چہ حاصل وضو چو نیست
آنکھ کے خون سے ہر وقت وضو کر لینے سے کیا فائدہ جبکہ
بے طاقِ ابروئے تو نمازِ مرا جواز[4]
تیری ابرو کے طاق کے بدون، میری نماز کا جواز نہیں ہے

صوفیِ ما کہ توبہ زمے کردہ بود دوش
ہمارا صوفی، جس نے کل شراب سے توبہ کی تھی
بشکست عہد چوں درِ میخانہ دید باز
اس نے عہد توڑ دیا جب شراب خانہ کا دروازہ کھلا دیکھا

چوں بادہ مست بر سرِ خم رفت کف زناں
تالیاں بجاتا ہوا، مستِ شراب کی طرح مٹکے پر پہونچا
حافظ کہ دوش از لبِ ساغر شنید راز
جب حافظ نے کل ساغر کے ہونٹ سے راز سنا

براہِ میکدہ عشاق راست در تگ و تاز
شراب خانہ کے راستہ میں، عشاق کی دوڑ بھاگ ہیں
ہماں نیاز کہ حجاج را براہِ حجاز
وہی عاجزی ہے جو حاجیوں کو حجاز کے راستہ میں

چہ گویمت کہ زسوزِ دروں چہ می بینم
میں تجھ سے کیا کہوں کہ اندرونی سوزش سے میرا کیا حال ہے
ز اشک پرس حکایت کہ من نیم غماز
آنسوؤں سے قصہ دریافت کر کیونکہ میں چغلخور نہیں ہوں

غرض کرشمۂ حسنست ورنہ حاجت نیست
حسن کو کرشمہ دکھانا ہے ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے
جمالِ دولتِ محمود را بزلفِ ایاز[5]
محمود کی دولت کے جمال کو ایاز کی زلف کی

بہیچ در نروم بعد ازیں زحضرتِ دوست
اس کے بعد دوست کے دربار سے کسی دروازہ پر نہ جاؤں گا
چو کعبہ یافتم آیم زبت پرستی باز[6]
جب میں نے کعبہ پالیا بت پرستی سے باز آجاؤں گا

شبے چنیں بسحر گہ زبخت میخواہم
صبح کے وقت، اپنے نصیبہ سے ایسی رات مانگتا ہوں
کہ با تو شرحِ سرانجامِ خود کنم آغاز
جس میں تیرے سامنے اپنے انجام کی شرح کا آغاز کروں

[1] ازل میں ناز کی قبا تیرے قد کے مطابق تراشی گئی ہے اسی وجہ سے تیرے اوپر خوب پھبتی ہے۔
[2] جب تک عاشق اپنے وجود کو عود کی طرح عشق کی آگ پر نہیں جلاتا ہے اس کو زلفِ محبوب کی خوشبو حاصل نہیں ہوتی۔
[3] اگرچہ رقیب اپنے منہ کی قینچی سے میرے ٹکڑے بھی کر ڈالے تب بھی میرے اخلاص میں کمی نہیں آسکتی ہے جس طرح سے خالص سونے کو گانتی سے کاٹ کر کٹھالی میں گلایا جاتا ہے۔
[4] محبوب کا طاقِ ابرو مجھے میسر نہیں اور اس کے بدون میری نماز جائز نہیں تو خونِ دل سے وضو کرنے سے کیا فائدہ ہے۔
[5] قدرت کو حسن کا کرشمہ ظاہر کرنا تھا ورنہ محمود کو ایاز سے ہر طرح کی بے نیازی حاصل تھی۔
[6] میرا کعبہ تو دوست کا دربار ہے اس سے ہٹ کر جانا بت پرستی ہوگی

شعر
[illegible]

تنم ز ہجرِ تو چشم از جہاں فرو میدوخت
میرا بدن تیرے ہجر کی وجہ سے دنیا سے آنکھ بند کرنا چاہتا تھا
امیدِ دولتِ وصلِ تو داد جانم باز
تیرے وصل کی امید نے، مجھے پھر زندگی بخشدی

چہ حلقہ ہا کہ زدم بر درِ دل از سرِ سوز
سوز کے ساتھ میں نے دل کے دروازہ پر کس قدر زنجیریں کھڑکائیں
بہ بوئے روزِ وصالِ تو در شبانِ دراز
لمبی راتوں میں تیرے وصل کے دن کی تمنا میں

چو غنچہ سِرِّ نہفتہ نہاں کجا ماند [1]
غنچہ کی طرح چھپا ہوا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے،
دلِ مرا کہ نسیمِ صباست محرمِ راز
جبکہ صبا کی نسیم، میرے دل کی محرمِ راز ہے

زشوقِ مجلسِ آں ماہِ خرگہی حافظ
اے حافظ! اُس خیمہ والے، چاند کی مجلس کے شوق میں
گرت چو شمع جفائے رسد بسوز و بساز
اگر شمع کی طرح تجھے ظلم پہونچے جل اور موافقت کر

بر نیامد از تمنائے لبت کامم ہنوز
تیرے ہونٹ کی تمنا سے اب تک میرا مقصد پورا نہیں ہوا
بر امیدِ جامِ لعلت دُردی آشامم ہنوز
تیرے لعل کے جام کی امید میں اب تک تلچھٹ پینے والا ہوں

روزِ اول رفت دینم در سرِ زلفینِ تو
پہلے ہی دن تیری دونوں زلفوں کے خیال میں میرا دین چلا گیا
تا چہ خواہد شد دریں سودا سرانجامم ہنوز
دیکھو اس جنون میں میرا انجام اب کیا ہوگا؟

از خطا گفتم شبے موئے ترا مشکِ ختن [2]
ایک رات میں نے غلطی سے تیرے بالوں کو مشکِ ختن کہدیا
میزند ہر لحظہ تیرے مُو بر اندامم ہنوز
ہر لحظہ اب تک بال میرے بدن پر تیر مارتے ہیں

نامِ من رفتہ است روزے بر لبِ جاناں بسہو [3]
ایک دن میرا نام بھولے سے محبوب کے ہونٹوں پر آگیا تھا
اہلِ دل را بوئے جاں می آید از نامم ہنوز
اہلِ دل کو اب تک میرے نام سے جان کی خوشبو آرہی ہے

پرتوِ روئے ترا در خلوتم دید آفتاب [4]
سورج نے تیرے رُخ کا نور میری خلوت میں دیکھ لیا تھا
میدود چوں سایہ ہر دم بر لبِ بامم ہنوز
اب تک سایہ کی طرح میرے بالاخانہ پر دوڑ رہا ہے

در ازل دادہ است ما را ساقیِ لعلِ لبت
ہمیں ازل میں تیرے لبِ لعلیں کے ساقی نے دیا ہے
جرعۂ جامے کہ من مدہوشِ آں جامم ہنوز
جام کا ایک ایسا گھونٹ جس سے میں اب تک اس جام کا مست ہوں

ساقیا یک جرعہ دہ زاں آبِ آتشگوں کہ من
اے ساقی اس آگ جیسے پانی سے ایک گھونٹ دے اس لیے کہ میں
در میانِ پختگانِ عشقِ او خامم ہنوز
اُس کے عشق کے پختہ کاروں میں ابھی تک کچا ہوں

اے کہ گفتی جاں بدہ تا باشدت آرامِ دل [5]
اے وہ کہ تو نے کہا جان دیدے تاکہ تجھے دل کا آرام حاصل ہو جائے
جاں بغمہایش سپردم نیست آرامم ہنوز
میں نے جان اس کے غموں کے سپرد کر دی مجھے ابتک آرام حاصل نہیں ہے

در قلم آورد حافظ قصۂ لعلِ لبش [6]
حافظ اس کے ہونٹ کا قصہ، تحریر میں لے آیا
آبِ حیواں میرود ہر دم ز اقلامم ہنوز
میرے قلموں سے اب تک آبِ حیات بہہ رہا ہے

بیا و کشتیِ ما در شطِ شراب انداز [7]
آ، اور ہماری کشتی کو شراب کے دریا میں ڈال دے
غریو و ولولہ در جانِ شیخ و شاب انداز
جوش اور خروش بوڑھے اور جوان کی جان میں ڈالدے

---

[1] نسیم صبا میری ہمراز ہے وہ جس طرح غنچے کے راز ظاہر کر دیتی ہے میرے راز بھی ظاہر کر دیگی۔ غنچہ نسیم سے کھل جاتا ہے۔

[2] محبوب کی زلف کو مشکِ ختن کہنا زلف کی توہین ہے۔

[3] چونکہ محبوب نے بھولے سے ایک بار میرا نام لے لیا تھا اسلیئے اس میں خوشبو آگئی۔

[4] سورج میرے کوٹھے پر اس لیے ٹہلتا پھرتا ہے کہ اس کو میرے گھر میں محبوب کا نور نظر آگیا تھا۔

[5] لوگوں نے بتایا تھا کہ جان دینے سے راحت حاصل ہو جائیگی، لیکن ایسا نہ ہوا۔

[6] چونکہ حافظ نے قلم سے محبوب کے ہونٹوں کی تعریف لکھی ہے اس لیے اس کے قلم سے آبِ حیات جاری ہوگیا ہے۔

[7] کشتی سے پیالہ مراد ہے جو کشتی کی صورت میں بنایا جاتا ہے۔

مرا بکشتیٔ بادہ درافگن اے ساقی
اے ساقی! مجھے شراب کی کشتی میں ڈال دے
کہ گفتہ اند نکوئی کن و در آب انداز
اس لیے کہ لوگوں نے کہا ہے نیکی کر اور دریا میں ڈال دے

زکوئے میکدہ برگشتہ ام زراہِ خطا
غلطی سے میں شراب خانہ کے کوچہ سے واپس لوٹ آیا
مرا دگر ز کرم در رہِ صواب انداز
کرم کر کے مجھے دوبارہ درست راستے پر ڈال دے

بیار از آں مے گلرنگِ مشکبو جامے
اس گلرنگ مشک کی سی خوشبو والی شراب کا ایک جام لا
شرارِ رشک و حسد در دلِ گلاب انداز
رشک اور حسد کی چنگاری گلاب کے دل میں ڈال دے

اگرچہ مست و خرابم تو نیز لطفے کن
اگرچہ میں مست اور خراب ہوں تو تو مہربانی کر
نظر بریں دلِ سرگشتہ خراب انداز
اس حیران، اجڑے، دل پر ایک نظر ڈال دے

بہ نیم شب اگرت آفتاب می باید
اگر آدھی رات میں، تجھے سورج چاہیے
زروئے دخترِ گلچہرِ رز نقاب انداز
گلاب جیسے چہرے والی انگور کی لڑکی کے چہرے سے نقاب ہٹا دے

مہل کہ روزِ وفاتم بخاک بسپارند
نہ چھوڑ، کہ مجھے مرنے کے دن مٹی کے سپرد کر دیں
مرا بمیکدہ بر در خمِ شراب انداز
مجھے شراب خانہ میں لیجا اور شراب کے مٹکے میں ڈال دے

زجورِ چرخ چو حافظ بجاں رسید دلت
جبکہ آسمان کے ظلم سے اے حافظ تیرا دل جان سے عاجز آگیا
بسوئے دیو محن ناوکِ شہاب انداز
مصیبتوں کے بھوت کی طرف ستارے کا تیر چلا

گر از تو یک سرِ مو سرکشد دلِ حافظ
اگر حافظ کا دل تجھ سے ایک بال برابر کشیدگی اختیار کرے
بگیر و در خمِ زلفش بہ پیچ و تاب انداز
اس کو پکڑ اور زلف کے پیچ و خم میں باندھ کر ڈال دے

حالِ خونیں دلاں کہ گوید باز
خونی دل والوں کا حال، پھر کون کہے گا؟
وز فلک خونِ جم کہ جوید باز
آسمان سے جمشید کے خون کا پھر کون بدلہ لے گا؟

جز فلاطونِ خم نشینِ شراب
مٹکے کی شراب کے افلاطون کے علاوہ
سرِ حکمت بما کہ گوید باز
دانائی کا راز، ہم سے پھر کون کہے گا؟

شرمش از چشمِ مے پرستاں باد
مے پرستوں کی آنکھ سے اُسے تو شرم آنی چاہیے
نرگسِ مست اگر بروید باز
اگر مست نرگس اس کے بعد اُگے

ہر کہ چوں لالہ کاسہ گرداں شد
جو شخص، لالہ کی طرح پیالہ لیکر پھرنے والا ہوا
زیں جفا رخ بخوں بشوید باز
اس ظلم سے، وہ پھر چہرے کو خون سے دھوئے گا

بسکہ در پردہ چنگ گفت سخن
چنگ نے، کتنی ہی درپردہ بات کہی
ببرش موئے تا نموید باز
اس کے بال کاٹ دو، تاکہ پھر نوحہ نہ کرے

بگشاید دلم چو غنچہ اگر
میرا دل، غنچہ کی طرح کھل جائے، اگر
ساغرِ لالہ گوں ببوید باز
لالہ جیسا، ساغر پھر خوشبو دیے

گرد بیت الحرامِ خم حافظ
حافظ، مٹکے کے بیت الحرام کے چاروں طرف
گر نمیرد بسر بپوید باز
اگر نہیں مرتا، تو سر کے بل گھومے گا

ا نیکی کر اور دریا میں ڈال، کا مطلب حافظ نے یہ لیا کہ مجھے مار کر شراب کے مٹکے میں ڈال دے۔
۲ میں اگرچہ مست اور خراب ہوں لیکن تو اس برائی پر نظر نہ کر اور رحم کی نظر ڈال دے۔
۳ ساغر شراب بمنزلہ آفتاب ہے۔
۴ مرنے کے بعد مجھے سپرد خاک نہ کرنا شراب کے مٹکے میں غرق کر دینا۔
۵ شیطانوں کو شہاب ثاقب سے مارا جاتا ہے
۶ شراب کو افلاطون حکیم قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ دانائی کے راز کھلتے ہیں۔
۷ مے نوشوں کی آنکھ سے نرگس کو شرمانا چاہیے۔
۸ لالہ کا رخ خون آلود اسی وجہ سے ہے، کہ وہ گداگری کرتا ہے۔
۹ چنگ فطرت کے بھید راز ظاہر کرتی ہے اُس کے تار کاٹ دو۔
۱۰ بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ یعنی میں اگر زندہ رہا تو شراب کے مٹکے کا اسی طرح طواف کروں گا جیسا کہ کعبہ کا کیا جاتا ہے۔

خیزو در کاسۂ زر آبِ طربناک انداز
اٹھ، اور سونے کے پیالے میں مستی لانے والا پانی ڈال

پیش از آنے کہ شود کاسۂ سر خاک انداز
اس سے پہلے کہ سر کا پیالہ خاکدان بنے

عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشان است
انجام کار، ہماری منزل قبرستان ہے

حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز
اب فلک کے گنبد میں، شور پیدا کر

ملکِ ایں مزرعہ دانی کہ ثباتے نکند
اس کھیت کی ملک، تجھے معلوم ہے ٹھہراؤ نہیں رکھتی ہے

آتشے از جگرِ جام در املاک انداز
جام کے جگر کی آگ، کھیتوں میں لگا دے

بسرِ سبزِ تو اے سرو کہ چوں خاک شوم
اے سرو! مجھے اپنی سبز سر کی قسم کہ جب میں خاک ہو جاؤں

ناز از سر بنہ و سایہ برآں خاک انداز
ناز سر سے نکال دے اور اس خاک پر سایہ ڈال دے

دلِ ما را کہ ز مارِ سرِ زلفِ تو بخست
ہمارے دل کو جو کہ تیری زلف کے سانپ سے خستہ ہوا ہے

از لبِ خود بشفا خانۂ تریاک انداز
اپنے ہونٹ کے تریاق کے شفا خانہ میں ڈال دے

غسل[1] در اشک زدم کاہلِ طریقت گویند
میں نے آنسوؤں سے غسل کیا اس لیے کہ اہلِ طریقت کہتے ہیں

پاک شو اوّل و پس دیدہ برآں پاک انداز
پہلے پاک ہو جا، پھر اس پاک پر نظر ڈال

یارب آں زاہدِ خود بیں کہ بجز عیب ندید
اے خدا! وہ متکبر زاہد جس نے عیب کے سوا کچھ نہ دیکھا

دودِ[2] آہیش در آئینۂ ادراک انداز
اس کے پہچان کے آئینہ پر کسی آہ کا دھواں ڈال دے

چشم آلودہ نظر از رخِ جاناں دور است
گندی نظر والی آنکھ، دوست کے رخ سے دور ہے

بر رخِ او نظر از آئینۂ پاک انداز
پاک آئینہ سے، اس کے رخ پر نظر ڈال

باچنیں دیدۂ آلودہ ترا نتواں دید
ایسی گندی آنکھ سے، تجھے نہیں دیکھا جا سکتا

دیدہ از خود دہ و بر خود نظرِ پاک انداز
ایسی آنکھ کو اپنے سے دور کر اور اپنے اوپر پاک نظر ڈال

چوں[3] گل از نکہتِ او جامہ قبا کن حافظ
حافظ! پھول کی طرح اس کی خوشبو سے کپڑے پھاڑ ڈال

ویں قبا در رہِ آں قامتِ چالاک انداز
اور اس قبا کو اس چالاک قد کے راستہ میں پھینک دے

دلم[4] ربودۂ لولی وَشیست شور انگیز
میرا دل! ایک مطرب صفت، شور انگیز کا اچکا ہوا ہے

دروغ وعدہ و قتّالِ وضع و رنگ آمیز
جو وعدہ خلاف اور قاتل وضع اور رنگ آمیز ہے

فدائے پیرہنِ چاکِ ماہرویاں باد
حسینوں پر، چاک لباس پر، قربان ہوں

ہزار جامۂ تقویٰ و خرقۂ پرہیز
تقوے کے ہزار لباس اور پرہیزگاری کی گدڑیاں

فرشتہ[5] عشق نداند کہ چیست قصہ مخواں
فرشتہ نہیں جانتا، کہ عشق کیا ہے، قصے نہ سنا

بخواہ جامِ شرابے بخاکِ آدم ریز
شراب کا جام لا، آدم کی خاک پر ڈال دے

غلامِ آں کلماتم کہ آتش افروزد
میں ان باتوں کا عاشق ہوں، جو آگ بھڑکا دیں

نہ آب سرد زند در سخن بر آتشِ تیز
نہ اس کا جو باتوں میں تیز آگ پر ٹھنڈا پانی چھڑکے

فقیر[6] و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
تیرے دربار میں فقیر اور خستہ ہو کر آیا ہوں، کچھ رحم کر

کہ جز ولائے توام نیست ہیچ دستاویز
تیری دوستی کے علاوہ میرے پاس کوئی دستاویز نہیں ہے

---

[1] جب تک عاشق آنسوؤں سے غسل نہیں کرتا پاک نہیں ہوتا ہے۔

[2] آئینہ پر آہ کرنے سے دھندلا جاتی ہے۔ خدا کرے عیب بین زاہد کا آئینۂ ادراک ہماری آہوں سے اندھا ہو جائے تاکہ اس میں کچھ نظر نہ آئے۔

[3] اس قبا کو معشوق کے قدموں پر ڈال دینا چاہیے اور اس کی خوشبو سے مست ہو کر کپڑے پھاڑ دے۔

[4] لولی گانے والی طوائف کو کہا جاتا ہے۔ دروغ وعدہ یعنی اس کا کوئی وعدہ سچا نہیں ہے۔ قتال وضع وہ عاشقوں کو قتل کرتی ہے رنگ آمیز یعنی وفادار نہیں ہے۔

[5] فرشتے عشق سے خالی ہیں عشق صرف آدم کے خمیر میں ہے لہٰذا اس پر شرابِ محبت ڈالنی چاہیے۔

[6] وہ دستاویز جس سے میں رحم کا مستحق ثابت ہوتا ہوں۔

بیا کہ ہاتف میخانہ دوش با من گفت
آجا، اس لیے کہ شراب خانہ کے ہاتف نے کل مجھ سے کہا ہے

کہ در مقام رضا باش واز قضا مگریز
کہ رضا کے مقام پر رہ اور قضا و قدر سے نہ بھاگ

پیالہ در کفنم بند تا سحر گہ حشر
میرے کفن میں پیالہ باندھ دینا تاکہ حشر کی صبح کو

بمے ز دل ببرم ہول روز رستاخیز
شراب کے ذریعہ دار و گیر کے دن کے خوف کو دل سے دور کر دوں

مباش غرّہ ببازوئے خود کہ ہر ساعت
اپنے بازوؤں پر گھمنڈ نہ کر، اس لیے کہ ہر وقت

ہزار شعبدہ بازد سپہر مہر انگیز
مہربان آسمان، ہزار شعبدے کھیلتا ہے

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
عاشق اور معشوق کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز
اے حافظ تو خود اپنے لیے پردہ ہے درمیان سے اٹھ جا

درآ کہ در دل خستہ تواں درآید باز
آجا، تاکہ ٹوٹے ہوئے دل میں طاقت واپس آجائے

بیا کہ در دل مردہ رُواں درآید باز
آجا، تاکہ مردہ دل میں پھر روح آجائے

بیا کہ فرقت تو چشم من چناں بربست
آجا، تیرے فراق نے میری آنکھیں اس طرح بند کر دی ہیں

کہ فتح باب وصالت مگر کشاید باز
کہ شاید تیرے وصل کے دروازہ کا کھلنا ان کو پھر کھولدے

بہ پیش آئنہ دل ہر آنچہ می آرم
میں دل کے آئینہ کے سامنے جو چیز بھی کرتا ہوں

بجز خیال جمالت نمی نماید باز
تیرے حسن کے خیال کے سوا، کچھ نہیں دکھاتا ہے

غمے کہ چوں سپہ زنگ ملک دل بگرفت
جس غم نے زنگی سپاہیوں کی طرح دل کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے

ز خیل شادی روم رخت زداید باز
تیرے روم جیسے رخسار کی خوشی کے لشکر سے زائل ہو جائیگا

بداں مثل کہ شب آبستن آمدہ است بروز
اس مثل کی وجہ سے کہ رات دن سے حاملہ بن کر آتی ہے

ستارہ مے شمرم تا کہ شب چہ زاید باز
ستارے گن رہا ہوں، دیکھوں کہ رات پھر کیا جنتی ہے؟

ز خوف بادیہ دل بد مکن ببند احرام
جنگل کے ڈر سے دل رنجیدہ نہ کر، احرام باندھ لے

کہ مرد راہ نیندیشد ار چہ ناید باز
اس لیے کہ مرد راہ فکر نہیں کرتا ہے خواہ وہ واپس نہ آئے

بیا کہ بلبل مطبوع خاطر حافظ
آجا، حافظ کی طبیعت کی پسندیدہ، بلبل

بوئے گلشن وصل تو می سراید باز
تیرے وصل کے باغ کی خوشبو کیوجہ سے پھر چہک رہی ہے

روز عیش و طرب و ماہ صیام ست امروز
آج عیش اور مستی اور رمضان کے مہینہ کا دن ہے

کام دل حاصل و ایام بکام ست امروز
آج دل کا مقصد حاصل ہے اور زمانہ مقصد کے مطابق ہے

گو عروس فلکی رخ منمائے از مشرق
کہدو آسمانی دلہن مشرق سے چہرہ نہ دکھائے

کہ مرا دیدن آں ماہ تمام ست امروز
اس لیے کہ آج مجھے اس مکمل چاند کو دیکھنا ہے

زاہدے را کہ نبودے چو صوامع جائے
وہ زاہد جس کے نزدیک عبادت خانوں کی طرح کوئی جگہ نہ تھی

بیں کہ در کنج خرابات مقام ست امروز
دیکھو خرابات کے گوشہ میں آج اس کا مقام ہے

۱۔ خدائی قضا پر راضی رہنا چاہیے قضا سے بھاگنا ممکن نہیں ہے
۲۔ کفن میں شراب کا پیالہ رکھدے تاکہ قیامت کی پریشانیوں کو شراب پی کر دور کر سکوں۔
۳۔ انسان کی خودی بڑا پردہ ہے یہ اٹھ جائے تو وصال میسر آجاتا ہے۔
۴۔ اب آنکھ کا کھلنا بجز وصال کے ممکن نہیں ہے۔
۵۔ دل کے آئینہ سے محبوب کے سوا سب خیال مٹ گئے ہیں۔
۶۔ غموں کو زنگی سپاہیوں کے لشکر سے اور معشوق کے رخ کو رومیوں کے لشکر سے تعبیر کیا ہے۔
۷۔ عاشق کے لئے خطرات سد راہ نہ ہونے چاہئیں۔
۸۔ عروس فلکی سے سورج اور ماہ تمام سے معشوق مراد ہے۔
شعر [illegible]
۹۔ زاہد پہلے عبادت خانوں کے سوا کسی جگہ کو جگہ نہ سمجھتا تھا اب شراب خانہ میں مقیم ہے۔

صبح دم بُلبلِ مست از چہ سبب می نالد
مست بُلبل، صبح کے وقت کیوں نالاں ہے؟

کارِ او چوں ز بہاراں بنظام ست امروز
جبکہ آج اس کا کام، بہاروں کی وجہ سے منظم ہے

مُحتسب بیہدہ گو پند مدہ رنداں را
مُحتسب سے کہدو رندوں کو بیہودہ نصیحت نہ کرے

کانکہ با شاہد و مے نیست کدام ست امروز
آج وہ کون ہے جو معشوق اور شراب لئے ہوئے نہیں ہے؟

شیخِ واعظ کہ مرا منع ز زلفش کردے
وہ واعظ شیخ، جو مجھے اس کی زلف سے روکتا تھا

دیدمش باز کہ چوں مُرغ بدام ست امروز
پھر جو آج میں نے اُسے دیکھا، تو جال میں پرندہ کی طرح پھنسا ہوا ہے

گو بگویند خلائق کہ کنوں حافظ را
کہدو، اگر لوگ کہیں کہ اب حافظ کی

چشم بر روئے نگار و لبِ جام ست امروز
نظر محبوب کے چہرے، اور جام کے لب پر ہے

زلفینِ سیہ خم بخم اندر زدہٗ باز
تو نے پھر اپنی دونوں سیاہ زلفوں کو پیچ در پیچ کیا ہے

وقتِ منِ شوریدہ بہم بر زدہٗ باز
مجھ دیوانے کے وقت کو، پھر برہم کیا ہے

زاں روئے نکو چشمِ بداں دور کہ امروز
اس خوبصورت چہرے سے خدا کرے بروں کی نظر دور ہو کہ آج

بر مہ زدہٗ طعنہ و بر خور زدہٗ باز
تو نے چاند پر طعنہ زنی کی ہے، اور پھر سورج پر

بر ساغرِ عیشم زدہٗ سنگ و لیکن
میرے عیش کے ساغر پر، تو نے پتھر مارا ہے لیکن

با تو چہ تواں گفت کہ ساغر زدہٗ باز
تجھے کیا کہا جا سکتا ہے کہ تو نے پھر ساغر چڑھالیا ہے

از دودِ دلِ خستہ ام اے دوست حذر کن
اے دوست میرے ٹوٹے ہوئے دل کے دھویں سے بچ

کاتش بمنِ سوختہ دل بر زدہٗ باز
کیونکہ مجھ دل جلے کو تو نے پھر آگ لگا دی ہے

منِ سر چو قلم بر سرِ سودائے تو دارم
قلم کی طرح میں تیرے عشق پر سر دھرتا ہوں

با آنکہ منِ سر زدہ را سر زدہٗ باز
اس کے باوجود کہ مجھ سر کٹے کا تو نے پھر سر کاٹ دیا ہے

نقدِ سرہٗ قلب کہ پالودہ ام از چشم
دل کے خالص نقد کو جس کو میں نے آنکھوں سے صاف کیا ہے

بر سکۂ رو یم ہمہ بر زر زدہٗ باز
میرے چہرے کے سکے پر تو نے پھر سونے پر مارا ہے

از غالیہ برہم زدہٗ خوش شکر و قند
خوشبو کی وجہ سے تو نے شکر اور قند کو اچھی طرح برہم کیا ہے

امروز ہمہ بر گل و شکر زدہٗ باز
آج پھر گل، اور شکر پر تو نے حملہ کیا ہے

شہبازِ غمت راست کبوتر دلِ حافظ
تیرے غم کے باز کے لئے، حافظ کا دل کبوتر ہے

ہُشدار کہ بر صیدِ کبوتر زدہٗ باز
ہوشیار رہ کہ تو نے باز، پھر کبوتر کے شکار پر چھوڑا ہے

صبا بمقدمِ گُل راحِ روح بخشد باز
پھول کی آمد پر، صبا پھر روح کو راحت بخش رہی ہے

کجاست بُلبلِ خوشگوئے گو بر آر آواز
خوش الحان بُلبل کہاں ہے، کہدو کہ چہکے

دلا ز ہجر مکن نالہ زانکہ در عالم
اے دل! ہجر سے نالاں نہ ہو، اس لیے کہ دنیا میں

غم ست و شادی و خار و گل و نشیب و فراز
غم ہے اور خوشی، اور خار ہے اور گُل اور نیچ بچاؤ اور پ

۱؎ محبوب کا چہرہ چاند اور سورج پر طعنہ زنی کر رہا ہے۔

۲؎ چونکہ محبوب مست ہے لہٰذا مستی میں جو کر گذرے اُس پر ملامت نہیں ہو سکتی ہے۔

۳؎ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے اس کے دھویں سے ڈر، اور زیادہ نہ جلا۔

۴؎ جس طرح قلم تراشا جاتا ہے اور پھر سیاہی میں سر دھرتا ہے اسی طرح میں سر کٹنے کے باوجود سودائے عشق پر سر دھرے ہوں۔

۵؎ رو رو کر میں نے دل کے سونے کو صاف کیا تھا اب محبوب نے میرے رخساروں کو بھی سونے کی طرح زرد کر دیا ہے۔

۶؎ موسم بہار آگیا جو روح افزا ہے بُلبل کو چہکنا چاہیے۔

دوتا شدم چو کماں از غم و نمیگویم
ہیں غم کی وجہ سے کمان کی طرح دہرا ہوگیا ہوں اور قابل نہیں کہ
ہنوز ترکِ کمانِ ابروانِ تیر انداز
اب بھی تیر انداز، کمان جیسے ابروؤں کو چھوڑنے کا

حکایتِ شبِ ہجراں بدشمناں مکنید
ہجر کی رات کا قصہ، دشمنوں کو نہ سناؤ
کہ نیست سینۂ اربابِ کینہ محرمِ راز
اس لیے کہ کینہ وروں کا سینہ، محرمِ راز نہیں ہے

زطرۂ تو پریشانیِ دلم شد فاش
میرے دل کی پریشانی تیرے طرّہ سے ظاہر ہوگئی
زمشک نیست غریب آرے ار بود غمّاز
ہاں مُشک پر تعجب نہیں ہے اگر وہ چغلخور ہو

ہزار دیدہ بروئے تو ناظرند و تو خود
ہزاروں آنکھیں تیرے چہرے کو دیکھنے والی ہیں اور تو خود
نظر بروئے کسے بر نمیکنی از ناز
کسی کے چہرہ پر ناز کی وجہ سے نظر نہیں ڈالتا ہے

اگر بسوزدت اے دل ز درد نالہ مکن
اے دل! اگر محبوب تجھکو جلا دے تو درد سے نالہ مت کر
دم از محبتِ او میزن و بدرد بساز
اس کی محبت کا دم بھر اور درد کو گوارا کر

غبارِ خاطرِ ما چشمِ خصم کور کند
ہمارے دل کا غبار، دشمن کی آنکھ کو اندھا کرتا ہے
تو رخ بخاک بنہ اے حافظ از مقامِ نیاز
اے حافظ! نیاز مندی سے تو خاک پر چہرہ رکھدے

مستم از بادۂ شبانہ ہنوز
رات کی شراب سے میں اب تک مست ہوں
ساقیِ ما نرفت خانہ ہنوز
ہمارا ساقی، ابھی گھر نہیں گیا

میکشد ایں غمم کہ میگوید
مجھے یہ غم مارے ڈالتا ہے کہ وہ کہتا ہے
توبہ کردی زعشق یا نہ ہنوز
کہ تو نے ابھی تک، عشق سے توبہ کی ہے یا نہیں

چشمِ مستش ز غمزۂ جادو
اس کی مست آنکھ، جادو کی ادا سے
میزند تیر بر نشانہ ہنوز
ابھی تک نشانہ پر، تیر چلاتی ہے

دُرِ دریائے عشق می طلبی[3]
تو عشق کے سمندر کا موتی طلب کرتا ہے
جاں نیاوردہ درمیانہ ہنوز
جان کو ابھی تک درمیان میں نہیں لایا ہے

نازنینا[4] زِ عشقِ تو باللہ
اے نازنیں! تیرے عشق سے، خدا کی قسم
عالمے توبہ کرد و مانہ ہنوز
ایک جہان نے توبہ کرلی اور ہم نے اب تک نہیں کی ہے

ہست مجلس بر آں قرار کہ بود
مجلس اسی طرح پر ہے، جس طرح تھی
ہست مُطرب بر آں ترانہ ہنوز
مُطرب ابھی تک اسی ترانہ پر ہے

حافظِ خستہ درمیاں آمد[5]
عاجز، حافظ درمیان میں آگیا
میکند یار ازو کرانہ ہنوز
دوست، اب تک اس سے کنارہ کرتا ہے

منم غریبِ دیار و توئی غریب نواز
میں پردیسی ہوں، اور تو پردیسی کو نوازنے والا ہے
دمے بحالِ غریبِ دیارِ خود پرداز
تھوڑی دیر کے لیے اپنے پردیسی کی حالت پر توجہ کر

---

[1] اگرچہ عشق میں کمان بن گیا ہوں لیکن اسکی ابرو کی کمان کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں۔

[2] میرے دل کی پریشانی تیرے گیسو نے ظاہر کردی ہے وہ مُشک ہے اور مُشک چغلخور ہوتا ہی ہے

[3] دریائے عشق سے اس وقت تک موتی ہاتھ نہیں لگتا جب تک انسان جان کی بازی نہ لگائے۔

[4] دوسروں کا عشق ناپائیدار تھا ہمارا عشق پائدار ہے۔

[5] چونکہ حافظ مجلس میں آگیا اس لیے یار نے کنارہ کشی کرلی۔

۱ بہر کمند کہ خواہی بگیر و بازم بند
تو جس کمند سے چاہے مجھے پکڑ لے اور پھر باندھ
بشرطِ آنکہ زکارم نظر نگیری باز
اس شرط پر کہ تو پھر میرے مقصد سے نظر نہ پھیرے

برآستینِ خیالِ تو می دہم بوسہ
میں تیرے خیال کی آستین کو چومتا ہوں
برآستانِ وصالت چو نیست دستِ نیاز
جبکہ عاجزی کا ہاتھ تیرے وصل کی چوکھٹ پر نہیں ہے

۲ نہ ایں زماں منِ شوریدہ دل نہادم روی
مجھ شوریدہ دل نے صرف اسی وقت چہرہ نہیں دھرا
برآستانِ تو کاندر ازل نہادم باز
تیری چوکھٹ پر، بلکہ ازل میں ہی رکھ دیا تھا

دلا منال زشامے کہ صبح در پئے اوست
اے دل اس شام سے نالاں نہ ہو جس کے پیچھے صبح ہے
کہ نیش و نوش بہم باشد و نشیب و فراز
اس لیے کہ ڈنک اور شہد اور نیچ اور اونچ ساتھ ہوتی ہے

۳ گرم چو خاکِ زمیں خوار می کنی سہل ست
اگر تو مجھے زمین کی خاک کی طرح ذلیل کرے، آسان ہے
خرام می کن و بر خاک سایہ می انداز
ناز سے چل اور خاک پر سایہ ڈال دے

درونِ سینہ دلم چوں کبوتراں بطپید
میرا دل سینہ میں، کبوتروں کی طرح تڑپنے لگا
چہ آتشے ست کہ بر جانِ ما نہادی باز
یہ کیا آگ ہے جو تو نے پھر ہماری جان میں لگا دی ہے

خیالِ قدِ بلندِ تو می کند دلِ من
میرا دل تیرے بلند قد کا خیال کرتا ہے
تو دستِ کوتہِ من بیں و آستینِ دراز
تو میرے کوتاہ ہاتھ اور لمبی آستین کو دیکھ

حدیثِ دردِ من اے مدعی نہ امروز ست
اے رقیب! میرے درد کا قصہ آج کا نہیں ہے
کہ حافظ از ازل او رند بود و شاہد باز
بلکہ وہ حافظ تو ازل سے رند اور شاہد باز تھا

۴ منم کہ دیدہ بدیدارِ دوست کردم باز
میں ہوں جس نے دوست کے دیدار پر آنکھ کھولی ہے
چہ شکر گویمت اے کارسازِ بندہ نواز
اے کام بنانے والے، غلام کو نوازنے والے تیرا کس طرح شکریہ ادا کروں

نیازمندِ بلا گو رخ از غبار مشوی
عشق کے نیازمند کو کہہ دو کہ رخ سے غبار کو نہ دھوئے
کہ کیمیائے مرادست خاکِ کوئے نیاز
نیاز کے کوچہ کی خاک، مراد کی کیمیا ہے

۵ بیک دو قطرہ کہ ایثار کردی اے خواجہ
اے خواجہ! اُن ایک دو قطروں کی وجہ سے جو تو نے قربان کیے
بسا کہ در رخِ دولت کنی کرشمہ و ناز
تو دولت کے چہرے پر بہت کچھ کرشمہ و ناز کر رہا ہے

۶ طہارت ار نہ بخونِ جگر کند عاشق
اگر عاشق جگر کے خون سے وضو نہ کرے
بقولِ مفتیِ عشقش درست نیست نماز
عشق کے مفتی کے بقول! اس کی نماز درست نہیں ہے

۷ زمشکلاتِ طریقت عناں متاب اے دل
اے دل طریقت کی مشکلات سے باگ نہ موڑ
کہ مردِ راہ نیندیشد از نشیب و فراز
اس لیے کہ راستہ کا مرد نیچ اونچ کی فکر نہیں کرتا ہے

۸ دریں مقامِ مجازی بجز پیالہ مگیر
اس مجازی مقام میں پیالے کے سوا نہ تھام
دریں سراچۂ بازیچہ غیرِ عشق مباز
اس کھیل کود کی سرائے میں، عشق کے علاوہ کوئی کھیل نہ کھیل

من از نسیمِ سخن چیں چہ طرف بر بندم
میں چغلخور، نسیم سے کیا تعلق پیدا کروں؟
چو سروِ راست دریں باغ نیست محرمِ راز
جبکہ سیدھا سرو بھی اس باغ میں محرمِ راز نہیں ہے

---

۱ اگر دل کا مدعا پورا ہوتا ہے تو عشق کی قید و بند آسان ہے۔

۲ ہم محبوب کے آستانہ پر ازل سے سر دھرے ہیں۔

۳ ہمیں خاک کی طرح ذلیل ہونا منظور ہے بشرطیکہ محبوب کا سایہ پڑ جائے۔

۴ خدا کا شکر ہے کہ مجھے دوست کا دیدار حاصل ہے۔

۵ چونکہ میں نے عشق میں دو چار آنسو بہائے ہیں مجھے دولتِ عشق حاصل ہے۔

۶ نمازِ عشق کا وضو خونِ جگر سے ہوتا ہے۔

۷ طریقت میں بہت سی مشکلات آتی ہیں ان سے گھبرانا نہ چاہیے

۸ دنیا کا مقام چند روزہ ہے، اس لیے یہ مجازی مقام ہے، حقیقی مقام عالمِ آخرت ہے، دنیا بازیچۂ اطفال ہے یہاں عشقبازی ہونی چاہیے۔

اگرچہ حسنِ تو از عشقِ غیرِ مستغنی ست
اگرچہ تیرا حسن، غیر کے عشق سے بے نیاز ہے
من آں نیم کہ ازیں عشقبازی آیم باز
میں وہ نہیں ہوں کہ جو اس عشقبازی سے باز آجاؤں

غزل سرائی ناہید صرفہ نبرد
زہرہ کا گانا، غالب نہیں آسکتا
درآں مقام کہ حافظ برآورد آواز
جس جگہ، حافظ آواز نکالے

ہزار شکر کہ دیدم بکامِ خویشت باز
ہزار شکر ہے کہ میں نے پھر تجھے اپنے مقصد کے موافق دیکھا
ترا بکامِ خود و با تو خویش راد مساز
تجھے اپنے منشار کے مطابق اور اپنے آپ کو تیرے ساتھ موافق دیکھا

روندگانِ حقیقت رہِ بلا سپرند
حقیقت پر چلنے والے، مصیبت کا راستہ طے کرنے والے ہیں
رفیقِ عشق چہ غم دارد از نشیب و فراز
عشق کا ساتھی نیچ، اور اونچ کا کیا غم کرے؟

غمِ حبیب نہاں بہ ز جستجوئے رقیب
رقیب کے دریافت کرنے پر، دوست کا غم چھپانا بہتر ہے
کہ نیست سینۂ اربابِ کینہ محرمِ راز
اس لیے کہ کینہ وروں کا سینہ، محرمِ راز نہیں ہے

چہ فتنہ بود کہ مشاطۂ قضا انگیخت
کیا فتنہ تھا، جو قضا کی مشاطہ نے اٹھایا!
کہ کرد نرگسِ مستش سیہ بسرمۂ ناز
کہ اس کی مست نرگس کو، ناز کے سرمے سے سیاہ کردیا

بدیں سپاس کہ مجلس منورست بدوست
اس شکریہ میں، کہ دوست سے مجلس روشن ہے
گرت چو شمع جفائے رسد بسوز و بساز
اگر شمع کی طرح تجھ پر ظلم ہو، جل اور موافقت کر

مقامِ اہلِ سعادت ملامتست اے دل
اے دل سعادتمندوں کا مقام ملامت ہے
کز یں ہمست برایشاں درِ سعادت باز
اُن پر اسی راستہ سے سعادت کا دروازہ کھلا ہے

ملامتے کہ بروئے من آمد از غمِ عشق
وہ ملامت جو عشق کے غم کی وجہ سے مجھ پر ہوئی
ز اشک پرس حکایت کہ من نیم غماز
آنسو سے دریافت کرلے میں چغلخور نہیں ہوں

امیدِ قدِ تو می داشتم ز بختِ بلند
میں بلند نصیب سے تیرے قد کی امید رکھتا تھا
نسیمِ زلفِ تو می خواستم ز عمرِ دراز
دراز عمر سے، تیری زلف کی خوشبو چاہتا تھا

بہ نیم بوسہ دعائے بخر ز اہلِ دلے
کسی صاحبِ دل سے آدھا بوسہ دیکر دعا خرید لے
کہ کیدِ دشمنت از جان و جسم دارد باز
تاکہ تیری جان، اور جسم کو دشمن کے مکر سے بچائے

زہائے ہائے شبانہ نگشتہ ام واقف
میں رات کی ہائے ہائے، سے واقف نہیں ہوا ہوں
بحالِ من ز ترحم بہ نیم شب پرداز
رحم کرکے آدھی رات میں میرے حال پر دھیان دے

فگند زمزمۂ عشق در حجاز و عراق
حجاز، اور عراق میں عشق کی گونج پیدا کردی
نوائے بانگِ غزلہائے حافظِ شیراز
حافظِ شیراز کی غزلوں کی آواز نے

۱ حسنِ محبوب ہمارے عشق سے بے نیاز ہے ہم اس کے حسن کے نیازمند ہیں۔
۲ ناہید، زہرہ ستارے کو کہتے ہیں، اس کو آسمان کی مطربہ مانا گیا ہے۔
۳ راہِ حقیقت راہِ عشق ہے، عاشق کو نشیب و فراز کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔
۴ آنکھ مستی کی وجہ سے خود ہی فتنہ برپا کر رہی تھی سرمہ نے اس کی فتنہ گری کو اور بڑھا دیا۔
۵ بوسہ کے عوض دعا لے لے تاکہ تو مصیبتوں سے محفوظ رہے۔
۶ حافظ کی عشقیہ غزلوں نے فارس سے گذر کر حجاز اور عراق میں عشق کی دھوم مچادی۔

ردیفِ سینِ مہملہ

اے صبا گر بگذری بر ساحلِ رودِ ارس
اے صبا اگر تو دریائے ارس کے ساحل پر سے گذرے
بوسہ زن بر خاکِ آں وادی و مشکیں کن نفس
اس وادی کی خاک کو بوسہ دے اور سانس کو مشکیں بنائے

منزلِ سلمیٰ کہ بادش ہر دم از ما صد سلام
سلمیٰ کی منزل کو جس پر ہماری جانب سے ہر دم سو سلام ہوں
پُر صدائے سارباں بینی و آہنگِ جرس
تو ساربان کی صدا، اور گھنٹے کی آواز پر دیکھے

ق

محملِ جاناں ببوس آنگہ بزاری عرضہ دار
جاناں کے کجاوہ کو چومنا پھر عاجزی سے عرض کرنا
کز فراقت سوختم اے مہرباں فریاد رس
کہ تیرے فراق میں جل گیا ہوں، اے مہربان فریاد کو پہونچ

عشرتِ شبگیر کن مے نوش کاندر راہِ عشق
پوری رات کا عیش کر، شراب پی اس لیے کہ عشق کے راستہ میں
شبرواں را آشنائیہاست با میرِ عسس
چوروں کے کوتوال سے تعلقات ہوتے ہیں

دل برغبت می سپارد جاں بچشمِ مستِ یار
یار کی مست آنکھ پر دل خوشی سے جان دیتا ہے
گرچہ ہشیاراں ندادند اختیارِ خود بکس
اگرچہ عقلمندوں نے اپنا اختیار کسی کو نہیں دیا ہے

منکرِ قولِ ناصحاں را خواندمے بانگِ رباب
میں جو کہ نصیحت کرنے والوں کی بات کو رباب کی آواز سمجھتا تھا
گوشمالے خوردم از ہجراں کہ اینم پند بس
ہجر نے میرے ایسے کان اینٹھے کہ مجھے یہ نصیحت کافی ہے

طوطیاں در شکرستاں کامرانی می کنند
شکرستان میں طوطیاں، مزے اڑا رہی ہیں
وز تحسر دست بر سر می زند مسکیں مگس
مکھی بیچاری، حسرت میں سر پر دو ہتڑ مار رہی ہے

عشقبازی کارِ بازی نیست اے دل سر بباز
عشقبازی کھیل کود نہیں ہے، اے دل سر کی بازی لگا
زانکہ گوئے عشق نتواں زد بچوگانِ ہوس
اس لیے کہ ہوس کے بلّے سے عشق کی گیند نہیں لیجائی جاسکتی ہے

نامِ حافظ گر برآید بر زبانِ کلکِ دوست
اگر حافظ کا نام، دوست کے قلم کی زبان پر آجائے
از جنابِ حضرتِ شاہم بس است ایں ملتمس
جناب حضرت بادشاہ سے میری صرف یہی درخواست ہے

بوئے بہار آمد بنال اے بلبلِ مشکیں نفس
اے مشک جیسے سانس والی بلبل، نالہ کر بہار کی خوشبو آگئی ہے
ور بلائے بندی ہمچو من فریاد می کن در قفس
اگر تو قید ہے تو پنجرہ میں میری طرح فریاد کر

من بر سرِ کوئے تو اے آرامِ جاں شب تا سحر
اے راحتِ جاں، رات بھر صبح تک تیرے کوچہ میں
فریاد و آہ و نالہ از جاں برآید چوں جرس
فریاد اور آہ اور نالہ میری جان سے گھنٹے کی طرح نکلتا ہے

ہرچند می داری مرا دور از لبِ شیرینِ خود
تو جتنا بھی مجھے اپنے شیریں لب سے دور کرتا ہے
آئیم روانے باز پس پیشِ تو اے جاں چوں مگس
اے جان میں مکھی کی طرح فوراً لوٹ کر تیرے سامنے آجاتا ہوں

خود ہر کرا سیم و زر است از دزد می ترسد مدام
جس کے پاس چاندی اور سونا ہے، وہ ہمیشہ چور سے ڈرتا ہے
آنکس کہ فعلش شد چو من ترسے ندارد از عسس
جس کا کام میری طرح ہوگیا ہے اسے سپاہی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا ہے

ے ان تینوں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ اے صبا جب تو سلمیٰ معشوقہ کی منزل پر پہونچے تو محمل کو بوسہ دینا اور پھر اس سے ہمارا حالِ زار عرض کر دینا۔

ے ارس ایک نہر کا نام ہے جو آذربائیجان کے کنارے پر بہتی ہے

ے رات میں خوب مستی کر اور کوتوال سے نہ ڈر اس لیے کہ عموماً کوتوال رات کے چوروں سے سازباز رکھتے ہیں۔

ے یعنی تفریح کی بات، جو ناقابلِ عمل ہوتی ہے۔

ے ممکن ہے اس جگہ بھی شاہ سے سلطان احمد بن اویس والی بغداد مراد ہو جو حافظ کا بہت زیادہ قدر داں تھا۔

ے تیرے ہونٹ شکرستان ہیں اور میں ان کی مکھی ہوں۔

ے جس کے پاس مال ہو وہ چور سے ڈرے مفلس کو کوتوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

گر پند خواہی دادنم ور بند خواہی کردنم
خواہ تو مجھے نصیحت کرنا چاہے، خواہ قید
ہرگز نخواہد شد بروں مارا ازیں سر ایں ہوس
ہمارے اس سر سے یہ ہوس ہرگز نہ نکلے گی

چون[۱] حافظِ دلخستہ را ہر دم بفریاد آوری
جبکہ خستہ دل حافظ کو تو ہمیشہ فریاد میں مبتلا رکھتا ہے
اے ترکِ شہر آشوبِ من بارے بفریادم[۲] رس
اے شہر کو فتنہ میں مبتلا کرنے والے میرے ترک ایک بار میری فریاد کو پہنچ

جاناں ترا کہ گفت کہ احوالِ ما مپرس
اے محبوب تجھ سے کس نے کہا ہے کہ ہمارے حالات نہ پوچھ
بیگانہ گرد و قصۂ ہیچ آشنا مپرس
بیگانہ بنجا، اور کسی آشنا کی بات نہ پوچھ

آنجا[۲] کہ لطفِ شامل و خلقِ کریمِ تست
جہاں کہ تیری عام مہربانی ہے اور بھلے اخلاق ہیں
جرمِ گذشتہ عفو کن و ما جرا مپرس
پچھلی خطا کو معاف کر دے اور گذشتہ بات نہ پوچھ

خواہی[۳] کہ روشنت شود احوالِ سرِّ عشق
اگر تو چاہتا ہے کہ عشق کے راز تجھ پر روشن ہو جائیں
از شمع پرس قصہ ز بادِ صبا مپرس
شمع سے قصہ پوچھ، بادِ صبا سے نہ پوچھ

ہیچ[۴] آگہی ز عالمِ درویشیش نبود
اس کو درویشی کی دنیا کی، کچھ واقفیت نہ تھی
آنکس کہ با تو گفت کہ درویش را مپرس
جس نے تجھ سے کہدیا ہے کہ درویش کو نہ پوچھ

از[۵] دلق پوشِ صومعہ نقدِ طلب مجوی
عبادت خانہ کے گدڑی پہننے والے سے نقدِ عیش نہ ڈھونڈ
یعنے ز مفلساں سخنِ کیمیا مپرس
یعنی مفلسوں سے کیمیا کی بات دریافت نہ کر

در[۶] دفترِ طبیبِ خرد بابِ عشق نیست
عقل کے طبیب کی کتاب میں، عشق کا باب نہیں ہے
اے دل بدرد خو کن و نامِ دوا مپرس
اے دل درد کی عادت ڈال، اور دوا کا نام نہ پوچھ

نقشِ حقوقِ خدمت و اخلاص و بندگی
خدمت اور اخلاص اور بندگی کے حقوق کا نقش
از لوحِ سینہ محو کن و نامِ ما مپرس
سینہ کی تختی سے مٹا دے، اور ہمارا نام نہ پوچھ

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
ہم نے سکندر اور دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس
ہم سے محبت اور وفا کے قصہ کے علاوہ، نہ پوچھ

من ذوقِ دردِ عشقِ تو دانم نہ مُدّعی
میں تیرے دردِ عشق کا ذائقہ جانتا ہوں نہ کہ رقیب
از شعلہ پرس حال ز پروانہ وا مپرس
شعلے سے حال پوچھ، پروانہ سے نہ پوچھ

حافظ رسید موسمِ گل معرفت مخواں
اے حافظ، پھول کا موسم آگیا معرفت کے قصے نہ سنا
دریاب نقدِ عمر ز چون و چرا مپرس
زندگی کا نقد حاصل کر لے اور چون و چرا کے متعلق نہ پوچھ

دارم از زلفِ سیاہت گلہ چندانکہ مپرس
تیری کالی زلف سے مجھے اس قدر شکوے ہیں کہ نہ پوچھ
کہ چناں زو شدہ ام بے سر و ساماں کہ مپرس
کیونکہ میں اسکی وجہ سے اس قدر بے سر و ساماں ہوگیا ہوں کہ نہ پوچھ

کس[۸] بامیدِ وفا ترکِ دل و دیں مکناد
وفا کی امید پر کوئی دل، اور دین کو نہ چھوڑے
کہ چنانم من ازیں کردہ پشیماں کہ مپرس
میں اپنے کئے سے اس قدر شرمندہ ہوں کہ نہ پوچھ

۱ جبکہ ہر وقت فریادی بنائے ہوئے ہے ایک بار تو فریاد رسی کر دے۔
۲ تیرے اخلاق کا تقاضا ہے کہ پہلی خطائیں معاف کر دے اور گذشتہ باتوں کی بازپرس نہ کر۔
۳ شمع عاشقِ صادق ہے، صبا ہرجائی ہے۔
۴ جس نے درویشوں سے بے تعلقی کا مشورہ دیا ہے وہ درویشوں کی حقیقت سے بے خبر ہے۔
۵ عبادت خانے والے تو مفلس ہیں ان کو کیمیا نہیں آتی ہے۔
۶ عقل کی کتاب میں عشق کا باب نہیں ہے لہذا عقل سے عشق کی دوا دریافت کرنا بے کار ہے۔
۸ ہم نے وفا کی امید میں دین اور دل دیدیا اب ہم شرمندہ ہیں۔

بہر یک جرعہ کہ آزارکش در پے نیست
ایک گھونٹ کی خاطر جو اُن کے در پے آزار نہیں ہے
زحمتے می کشم از مردم ناداں کہ مپرس
نادان انسانوں کی اس حد تکلیفیں برداشت کرتا ہوں کہ نہ پوچھ

گوشہ گیری و سلامت ہوسم بود ولے
میری خواہش گوشہ گیری اور سلامتی کی تھی لیکن
فتنہ می کند آں نرگس فتاں کہ مپرس
وہ فتنہ میں ڈالنے والی نرگس ایسا فتنہ پیدا کر دیتی ہے کہ نہ پوچھ

زاہد از ما بسلامت بگذر کایں مئے لعل
اے زاہد ہمارے پاس سے سلامتی سے گذر جا اس لیے کہ وہ سرخ شراب
دل و دیں میبرد از دست بد انساں کہ مپرس
اس طور پر ہاتھ سے دل اور دین لیجاتی ہے کہ نہ پوچھ

گفتم از گوئے فلک صورت حالے پرسم
میں نے کہا، آسمان کی گیند سے میں صورتِ حال دریافت کروں
گفت آں می کشم اندر خم چوگاں کہ مپرس
اس نے کہا اس کو بجے کے خم میں ایک کھینچوں گا کہ نہ پوچھ

گفتمش زلف بکیں کہ کشادی گفتا
میں نے اس سے کہا، کس سے دشمنی کے لیے تو نے یہ زلف کھولی ہے اس نے کہا
حافظ ایں قصہ دراز ست بقرآں کہ مپرس
حافظ یہ قصہ دراز ہے، تجھے قرآن کی قسم نہ پوچھ

دردِ عشقے کشیدہ ام کہ مپرس
ہم نے، عشق کا ایسا درد برداشت کیا ہے کہ نہ پوچھ
زہر ہجرے چشیدہ ام کہ مپرس
میں نے فراق کا ایسا زہر چکھا ہے، کہ نہ پوچھ

گشتہ ام در جہان و آخر کار
میں دنیا میں بہت پھرا ہوں اور آخر کار
دلبرے برگزیدہ ام کہ مپرس
ایسا دلبر چن لیا ہے، کہ نہ پوچھ

آنچناں در ہوائے خاکِ درش
اس کے دروازے کی خاک کی ہوس میں اس طرح
میرود آبِ دیدہ ام کہ مپرس
میرے آنکھ سے آنسو بہتے ہیں، کہ نہ پوچھ

بے تو در کلبۂ گدائیٔ خویش
اپنی فقیری کی کٹیا میں، تیرے بدون
رنجہائے کشیدہ ام کہ مپرس
وہ رنج برداشت کئے ہیں، میں نے نہ پوچھ

من بگوشِ خود از دہانش دوش
کل میں نے اس کے منہ سے اپنے کانوں سے
سخنانے شنیدہ ام کہ مپرس
وہ باتیں سنی ہیں، کہ نہ پوچھ

سوئے من لب چہ میگزی کہ مگوی
میری طرف ہونٹ کیوں بچکاتا ہے، کہ نہ کہہ
لبِ لعلے گزیدہ ام کہ مپرس
میں نے ایسا سرخ ہونٹ کاٹا ہے کہ نہ پوچھ

ہمچو حافظ غریب در رہِ عشق
پردیسی حافظ کی طرح، عشق کی راہ میں
بمقامے رسیدہ ام کہ مپرس
ایسے مقام پر پہونچ گیا ہوں، کہ نہ پوچھ

در ضمیر ما نمی گنجد بغیر از دوست کس
ہمارے دل میں، دوست کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہے
ہر دو عالم را بدشمن دہ کہ ما را دوست بس
دونوں جہان دشمن کو دیدے اس لیے کہ ہمیں دوست کافی ہے

یار گندم گونِ ما گر میل کردے نیم جو
ہمارا گندم گوں محبوب، اگر آدھا جو بھی جھکاؤ کرتا
ہر دو عالم پیش چشم ما نمودے یک عدس
دونوں جہان ہماری نظر میں، ایک مسور کا دانہ نظر آتے

ا۔ ایک گھونٹ شراب کسی کا کیا بگاڑتی ہے جو لوگ مجھے اس قدر ستاتے ہیں۔
۲۔ زاہد تو اپنا دل اور دین بچا کر لیجا ورنہ یہ شراب تباہ کر دیگی۔
۳۔ میں نے کہا آسمان سے صورتِ حال معلوم کروں گا اس پر وہ بولا میرے سامنے آسمان کی کیا حقیقت ہے۔ شعر [illegible] میری گنت عاشق ہیں جن کو پریشان کرتا ہے۔
۵۔ ایسا محبوب چُنا ہے جس کی خوبیاں ناقابلِ بیان ہیں۔
۶۔ محبوب نے مجھ سے ایسی کچھ باتیں کہیں جو ناقابلِ بیان ہیں۔
۷۔ تو روگنے کے لئے چاہے جس قدر اشارے کرے میں اس کے ذکر سے باز نہ آؤں گا۔
۸۔ ہمیں دوست درکار ہے بقیہ دونوں جہاں رقیب کو دیدو۔

میروی چوں شمع و جمعے از پس و پیشت دواں
تو شمع کی طرح جاتا ہے اور ایک مجمع آگے پیچھے دوڑتا ہے

نے غلط گفتم نباشد شمع را خود پیش و پس
نہیں میں نے غلط کہا، خود شمع کا آگا پیچھا نہیں ہوتا ہے

غافلست آں کو بشمشیر از تو می پیچد عناں
وہ نادان ہے جو تلوار کے باعث تجھ سے باگ توڑتا ہے

قدر لذت مگر نیکو نمیداند مگس
شاید مکھی اچھی طرح شکر کی لذت کو نہیں جانتی ہے

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیز ہا
ایک وقت میرا دل ہوس کرتا تھا کہ میں بہت سی چیزیں دیکھوں

تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس
جب سے تجھے دیکھا ہے میں نے تیرے دیدار کے سوا ہوس نہیں کی

مردماں را از عس شب گر خیالے در سرست
انسانوں کو اگر رات کے چوکیدار کا خیال ہے

من چناں نم کز خیالم باز نشناسد عس
میں ایسا ہوں کہ میرے خیال کو چوکیدار پہچان ہی نہیں سکتا ہے

کوئیت از اشکم چو دریا گشت و میترسم کہ باز
میرے آنسوؤں سے تیری گلی دریا بھی بن گئی اور میں ڈرتا ہوں کہ پھر

بر سر آیند ایں رقیبانِ سبکسارت چو خس
یہ تیرے ہلکے رقیب، تنکے کی طرح اوپر نہ چڑھ آئیں

حافظا ایں رہ بپائے لاشۂ لنگ تو نیست
اے حافظ یہ راستہ تیرے لنگڑے مردہ جسم کے پیر کے مناسب نہیں ہے

بعد ازیں بنشیں کہ گردے بر نخیزد زیں فرس
اس کے بعد بیٹھ رہ کہیں اس گھوڑے کی دھول نہ اڑ جائے

دلا رفیقِ سفر بختِ نیکخواہت بس
اے دل تیرے سفر کا ساتھی تیرا نیک خواہ نصیبہ کافی ہے

نسیمِ روضۂ شیراز پیکِ راہت بس
شیراز کے باغ کی نسیم تیرے لیے راستہ کا قاصد کافی ہے

دگر ز منزلِ جاناں سفر مکن درویش
اے درویش محبوب کی منزل سے، پھر سفر نہ کرنا

کہ سیرِ معنوی و کنجِ خانقاہت بس
تیرے لیے روحانی سیر اور خانقاہ کا گوشہ کافی ہے

بصدرِ مصطبہ بنشین و ساغرِ مے نوش
شراب خانہ کے صدر مقام پر بیٹھ اور شراب کا ساغر پی

کہ ایں قدر ز جہاں کسبِ مال و جاہت بس
اس لیے کہ تیرے لیے دنیا سے اس قدر مال اور مرتبہ کمانا کافی ہے

زیادتی مطلب کار بر خود آساں کن
زیادتی نہ چاہ، اپنے اوپر کام آسان کرلے

کہ شیشۂ مے صاف و بتِ چو ماہت بس
اس لیے کہ تیرے لیے صاف شراب کی بوتل اور چاند جیسا محبوب کافی ہے

فلک بمردمِ ناداں دہد زمامِ مراد
آسمان نادان لوگوں کے ہاتھ میں مراد کی باگ پکڑا دیتا ہے

تو اہلِ دانش و فضلی ہمیں گناہت بس
تو بزرگی اور عقل والا ہے تیرا یہی گناہ کافی ہے

وگر کمیں بکشاید غمے بہ کشورِ دل
اور اگر کوئی غم، دل کے ملک پر گھات لگائے

حریمِ درگہِ پیرِ مغاں پناہت بس
تیری پناہ کے لیے پیرِ مغاں کی درگاہ کا احاطہ کافی ہے

ہوائے مسکنِ مالوف و عہدِ یارِ قدیم
محبوب وطن کی محبت اور پرانے دوست کا عہد

ز رہروانِ سفر کردہ عذر خواہت بس
سفر کئے ہوئے، مسافروں سے تیرا عذر خواہ کافی ہے

بمنتِ دگراں خو مکن کہ در دو جہاں
دوسروں کے احسان کا عادی نہ ہو اس لیے کہ دونوں جہان میں

رضائے ایزد و انعامِ پادشاہت بس
تیرے لئے خدا کی رضامندی، اور بادشاہ کا انعام کافی ہے

بہیچ وردِ دگر نیست حاجت اے حافظ
اے حافظ کسی دوسرے وظیفہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے

دعائے نیم شب و وردِ صبحگاہت بس
آدھی رات کی دعا، اور صبح کا وظیفہ تیرے لئے کافی ہے

۱۔ مکھی شکر کی لذت سے پوری آشنا نہیں، ورنہ بٹھانے سے نہ بیٹھتی۔
۲۔ یہ شعر جب پڑی ہے آنکھوں سے نظر، ہیں ہمرہ دونوں نظر گرے ہوئے۔
۳۔ یہ مطلب ہے کہ چوکیدار مجھ کو محض ایک صورت خیالی سمجھے گا میں اس قدر نحیف ہو چکا ہوں۔
۴۔ چونکہ رقیب کم وقعت ہلکے لوگ ہیں اس لیے پانی میں نہ ڈوبیں گے اور اوپر تیرنے لگیں گے۔
۵۔ حافظ عشق کے راستہ پر تیرا لنگڑا گھوڑا نہ چل سکیگا خود ہلاک ہو جائے گا۔
۶۔ درویش کو روحانی سفر کرنا چاہیے اور خانقاہ میں گوشہ نشین رہنا چاہیے۔
۷۔ شراب خانہ کی صدر نشینی کا مرتبہ اور دنیا کی دولت میں سے شراب کا ساغر کافی ہے
۸۔ فلک نااہلوں کی مراد پوری کرتا ہے۔
۹۔ دوستوں کے ساتھ سفر میں نہ جانے کے لئے وطن کی یاد اور قدیم یاروں کی دوستی کا عذر کافی ہے۔

گلعذارے زگلستانِ جہاں مارا بس
دنیا کے باغ سے ایک پھول جیسے رخسار والا ہمارے لئے کافی ہے
زیں چمن سایۂ آں سروِ رواں مارا بس
اس چمن سے اُس سروِ رواں کا سایہ ہمارے لئے کافی ہے

من و ہمصحبتیِ اہلِ ریا دورم باد[1]
میں اور ریاکاروں کی صحبت خدا کرے مجھ سے دور رہے
از گرانانِ جہاں رطلِ گراں مارا بس
دنیا کی بھاری چیزوں میں سے ہمارے لئے بھاری پیمانہ کافی ہے

قصرِ فردوس بپاداشِ عمل می بخشند[2]
جنت کا محل، عمل کے بدلہ میں دیتے ہیں
ماکہ رندیم وگدا دیرِ مغاں مارا بس
چونکہ ہم رند اور گدا ہیں ہمارے لئے دیرِ مغاں کافی ہے

بنشیں برلبِ جوی وگذرِ عمر بہ بیں[3]
نہر کے کنارے بیٹھ، اور عمر کے گذرنے پر غور کر
کایں اشارت زجہانِ گذراں مارا بس
گزرنے والی دنیا کے متعلق یہ اشارہ ہمارے لئے کافی ہے

نقدِ بازارِ جہاں بنگرو آزارِ جہاں[4]
دنیا کے بازار کے نقد، اور دنیا کی تکلیف کو دیکھ
گرشمارانہ بس ایں سود وزیاں مارا بس
اگر یہ نفع اور نقصان تیرے لئے کافی نہیں ہے، ہمارے لئے کافی ہے

یار باماست چہ حاجت کہ زیادت طلبیم
دوست ہمارے ساتھ ہے کیا ضرورت ہے کہ ہم اور چاہیں
دولتِ صحبتِ آں مونسِ جاں مارا بس
اُس جان کے مونس کی صحبت کی دولت ہمارے لئے کافی ہے

از درِ خویش خدارا بہ بہشتم مفرست[5]
خدا کے لئے اپنے در سے مجھے بہشت میں نہ بھیج دینا
کہ سرِ کوئے تو از کون ومکاں مارا بس
کیونکہ کون ومکاں کے بدلے ہمارے لیے تیرا کوچہ کافی ہے

نیست مارا بجز از وصلِ تو در سر ہوسے[6]
ہمارے سر میں تیرے وصل کے علاوہ کوئی خواہش نہیں ہے
ویں تجارت زمتاعِ دوجہاں مارا بس
دونوں جہان کے سامان میں سے ہمارے لیے یہ تجارت کافی ہے

خلوتِ انس وصالش کہ بعمرے جستم
اسکے وصل کی محبت کی تنہائی جو ایک عمر میں میں نے تلاش کی ہے
دست دادست بما وزدو جہاں مارا بس
ہمیں حاصل ہو گئی ہے اور دونوں جہان سے ہمارے لیے کافی ہے

باغ وعشرت گہِ دنیا بملوک ارزانی
باغ اور دنیا کے عیش کی جگہ، بادشاہوں کو عنایت فرما
ما فقیریم وگدا کوئے بتاں مارا بس
ہم تو فقیر اور گدا ہیں، ہمارے لیے بتوں کا کوچہ کافی ہے

حافظ از مشربِ قسمت گلہ بے انصافیست[7]
اے حافظ تقسیم کے طریقہ کا شکوہ بے انصافی ہے
طبع چوں آب وغزلہائے رواں مارا بس
پانی جیسی طبیعت، اور رواں غزلیں ہمارے لئے کافی ہیں

ردیفِ شین معجمہ

اگر رفیقِ شفیقی درست پیماں باش[8]
اگر تو مہربان دوست ہے تو وعدے کا پکا رہ
حریفِ حجرہ وگرمابہ وگلستاں باش
حجرہ، اور حمام، اور باغ کا یار بن

شکنجِ زلفِ پریشاں بدستِ باد مدہ[9]
پریشان زلفوں کے پیچ کو، ہوا کے ہاتھ میں نہ دے
مگو کہ خاطرِ عشاق گو پریشاں باش
یہ نہ کہہ کہ کہدو عاشقوں کی طبیعت پریشان رہے

[1] خدا ریاکاروں کی صحبت سے بچائے دنیا کی بھاری چیزوں میں سے صرف بھاری جام کافی ہے۔ نیز گرانانِ جہاں سے ریاکار بھی مراد ہو سکتے ہیں۔
[2] جنت تو عمل کے بدلے میں ملے گی جو ہمارے پاس نہیں ہے ہمارے لیے پارسیوں کا آتش کدہ کافی ہے۔
[3] نہر کے پانی کو دیکھ کر عبرت حاصل کر عمر اسی طرح گذرتی چلی جارہی ہے۔
[4] دنیا میں تکالیف زیادہ ہیں اور نفع کم ہم نے اس سے عبرت حاصل کر لی ہے۔
[5] محبوب کے کوچہ کے عوض ہم جنت کے بھی طالب نہیں ہیں۔
[6] دنیا کی دولتوں میں سے وصلِ یار ہمارے لئے کافی ہے۔
[7] جبکہ ہمیں رواں طبیعت اور رواں غزلیں حاصل ہیں تو اب تقسیم کا شکوہ مناسب نہیں۔
[8] اگر تو مہربان دوست ہے تو وفادار اور ہر جگہ کا ساتھی بن۔
[9] زلفوں کو پریشان کر عاشقوں کی پریشانی بڑھتی ہے۔

گرت[1] ہواست کہ با خضر ہمنشیں باشی
اگر تجھے خواہش ہے کہ تو خضر کا ساتھی ہو

نہاں زچشم سکندر چو آبِ حیواں باش
آبِ حیات کی طرح سکندر کی آنکھ سے پوشیدہ رہ

رموزِ[2] عشق نوازی نہ کارِ ہر مرغیست
عشق کے رموز کو گانا، ہر پرند کا کام نہیں ہے

بیا و نوگلِ ایں بلبلِ غزلخواں باش
آ، اور اس غزلخواں بلبل کا، تازہ پھول بن

طریقِ خدمت و آئینِ بندگی کردن
خدمتگاری کا طریقہ، اور غلامی کرنے کا طرز

خدائے را کہ رہا کن بیا و سلطاں باش
خدا کے لیے چھوڑ دے، آ، اور بادشاہ بن

دگر بصیدِ[3] حرم تیغ برمکش زنہار
خبردار! حرم کے شکار پر پھر تلوار نہ کھینچنا

وزآنچہ با دلِ ما کردہ پشیماں باش
اور تو نے جو ہمارے دل کے ساتھ کیا ہے اس سے شرمندہ ہو

تو شمعِ انجمنی یک زبان و یک دل شو
تو انجمن کی شمع ہے، یک زبان، اور یک دل بن جا

خیالِ کوششِ پروانہ بین و خنداں باش
پروانہ کی کوشش کے خیال کو دیکھ اور خوش ہو

کمالِ دلبری و حسن در نظر بازیست
دلبری، اور حسن کا کمال نظر بازی میں ہے

بشیوۂ نظر از ناظرانِ دوراں باش
نظر کرنے کی عادت میں، دنیا کے نظر بازوں میں سے بن

خموش[4] حافظ و از جورِ یار نالہ مکن
اے حافظ! چپ رہ، اور دوست کے ظلم سے نالاں نہ ہو

ترا کہ گفت کہ بر روئے خوب حیراں باش
تجھ سے کس نے کہا تھا کہ خوبصورت چہرہ پر عاشق بن

اے دل غلامِ شاہِ جہاں باش و شاہ باش
اے دل! جہاں کے بادشاہ کا غلام بن، اور بادشاہ بن

پیوستہ در حمایتِ لطفِ الٰہ باش
ہمیشہ خدا کی مہربانی کی حمایت میں رہ

از[5] خارجی ہزار بیک جو نمی خرند
ہزار خارجیوں کو ایک جَو میں نہیں خریدتے ہیں

گو کوہ تا بکوہ منافق سپاہ باش
اگرچہ وہ پہاڑ سے لیکر پہاڑ تک منافقوں کی پناہ ہوں

چوں[6] احمدم شفیع بود در روزِ رستخیز
قیامت کے دن جبکہ احمد میرے سفارشی ہوں

گو ایں تنِ بلاکشِ من پُر گناہ باش
تو کہدو، کہ میرا یہ بلاکش جسم گناہوں سے پُر ہو

آنرا[7] کہ دوستیِ علی نیست کافرست
جس کو علی کی دوستی میسّر نہ ہو، وہ کافر ہے

گو زاہدِ زمانہ و گو شیخِ راہ باش
خواہ وہ دنیا بھر کا زاہد، اور طریقت کا شیخ ہو

امروز زندہ ام بوِلائے تو یا علی
اے علی! آج میں تیری دوستی کی وجہ سے زندہ ہوں

فردا[8] بروحِ پاکِ اماماں گواہ باش
کل کو اماموں کی پاک روحوں کے طفیل، تو گواہ رہنا

قبرِ[9] امامِ ہشتمِ سلطانِ دیں رضا
دین کے بادشاہ، آٹھویں امام رضا کی قبر کو

از جاں ببوس و بر درِ آں بارگاہ باش
جان سے بوسہ دے، اور اس بارگاہ کے دروازہ پہ رہ

دستت نمیرسد کہ بچینی گلے زشاخ
تیرا ہاتھ نہیں پہونچتا کہ تو کسی شاخ سے پھول چنے

بارے بپائے گلبنِ[10] ایشاں گیاہ باش
ایکبار ان کی پھول کی شاخ کے نیچے گھاس بنجا

مردِ[11] خدا کہ زاہدِ تقویٰ طلب بود
وہ خدا کا مرد جو زاہد، تقوے کا طالب ہو

خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش
خواہ سفید کپڑے پہنے، یا سیاہ کپڑے پہنے

---

[1] انسان خضر کا ہمنشیں جب بن سکتا ہے جب دنیاداروں کی نگاہ سے چھپا رہے۔
[2] رموزِ عشق بیان کرنا صرف حافظ کا کام ہے
[3] ہمارا دل حرم کا کبوتر ہے اس کو ستانا جائز نہیں ہے۔
[4] اے حافظ چپ رہ اور دوست کے ظلم کا شکوہ نہ کر تو خود عاشق بنا ہے۔
[5] خارجی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو صفین کی جنگ میں ابتداءً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرفداروں میں سے تھے پھر مخالف ہو گئے اور حضرت علی کو کافر گردان کر ان سے برسرِ پیکار ہو گئے۔
[6] چونکہ آنحضور ہمارے سفارشی ہیں لہذا گناہوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔
[7] حدیث شریف کا یہی مضمون ہے کہ علی سے مومن دوستی رکھیگا، منافق عناد رکھے گا۔
[8] بارہ امام مراد ہیں جن کو شیعہ صاحبان کا فرقہ اثنا عشریہ مانتا ہے۔
[9] بارہ اماموں میں سے آٹھویں امام علی موسیٰ رضا ہیں۔

[10] یعنی یہ بارہ امام بمنزلہ شاخِ گل ہیں۔ [11] مقصود تقویٰ اور زہد ہے خواہ لباس کچھ ہو۔

حافظ طریقِ بندگیِ شاہ[1] پیشہ کن
اے حافظ! شاہ کی غلامی کو، پیشہ بنا
وآنگاہ در طریق چو مردانِ راہ باش
پھر طریقت میں، مردانِ راہ کی طرح بن

اے[2] ہمہ شکلِ تو مطبوع و ہمہ جائے تو خوش
اے وہ کہ تیری تمام صورتیں پسندیدہ اور تمام جگہیں اچھی ہیں
دلم از عشوۂ شیرینِ شکر خائے تو خوش
تیری، میٹھی شکر چبانے والی ادا سے، میرا دل خوش ہے

ہمچو گلبرگِ تری ہستِ وجودِ تو لطیف
تیرا وجود، پھول کی تری کی طرح پاکیزہ ہے
ہمچو سروِ چمنی ہست سراپائے تو خوش
چمن کے سرو کی طرح، تیرا سراپا حسین ہے

ہم گلستانِ خیالم ز تو پُر نقش و نگار
تیری وجہ سے میرے خیال کا باغ بھی نقش و نگار سے پر ہے
ہم مشامِ دلم از زلفِ سمن سائے تو خوش
نیز تیری سمن جیسی خوشبو والی زلف کی وجہ سے میرے دل کا دماغ معطر ہے

شیوۂ نازِ تو شیریں خط و خالِ تو ملیح
تیرے ناز کا طریقہ شیریں ہے، تیرے خط و خال ملیح ہیں
چشم و ابروئے تو زیبا قدِ بالائے تو خوش
تیری آنکھ اور ابرو زیب دینے والا ہے، تیرا بلند قد حسین ہے

پیش چشمِ[3] تو بمیرم کہ بدان بیماری
میں تیری آنکھ کے سامنے جان دیتا ہوں اس لیے کہ اسی بیماری سے
میکند دردِ مرا از رخِ زیبائے تو خوش
میرے درد کو جو تیرے زیب دینے والے رخ سے ہے، اچھا کر دیتی ہے

در رہِ عشق کہ از سیلِ فنا نیست گزیر
عشق کے راستے میں جبکہ فنا کے بہاؤ سے بچاؤ نہیں ہے
میکنم خاطرِ خود را بتمنائے تو خوش
اپنی طبیعت کو، تیری تمنا سے خوش رکھتا ہوں

در[4] بیابانِ طلب گرچہ ز ہر سو خطر ست
طلب کے بیابان میں، اگرچہ ہر جانب سے خطرہ ہے
میرود حافظِ بیدل بتولائے تو خوش
بیدل حافظ تیری دوستی کے سہارے آرام سے چلتا ہے

باز آی و دلِ تنگِ مرا مونسِ جاں باش
پھر آ جا اور میرے رنجیدہ دل کے لیے جان کا مونس بن جا
ویں سوختہ را محرمِ اسرارِ نہاں باش
اور اس سوختہ کے پوشیدہ رازوں کا، محرم بن جا

زاں[5] بادہ کہ در مصطبۂ عشق فروشند
اس شراب سے جو عشق کے شراب خانہ میں بیچتے ہیں
ما را دو سہ ساغر بدہ و گو رمضاں باش
ہمیں دو تین ساغر دے خواہ رمضان ہی ہو

در[6] خرقہ چو آتش زدی اے عارفِ سالک
اے عارف، سالک! جبکہ تو نے گدڑی میں آگ لگا دی ہے
جہدے کن و سر حلقۂ رندانِ جہاں باش
کوشش کر، اور دنیا بھر کے رندوں کا سرگروہ بن

آں یار کہ گفتا بتو ام دل نگرانست
جس یار نے کہا ہے کہ میرا دل تیرا منتظر ہے
گو میرسم اکنوں بسلامت نگراں باش
اس سے کہہ دو کہ میں ابھی سلامتی سے پہنچتا ہوں منتظر رہے

خوں شد دلم از حسرتِ آں لعلِ رواں بخش
اس روح بخشنے والے ہونٹ کی حسرت میں میرا دل خون ہو گیا
آں درجِ[7] محبت بہماں مہر و نشاں باش
وہ محبت کی ڈبیا اسی مہر و نشاں کے ساتھ رہے

تا بر[8] دلش از غصہ غبارے ننشیند
تاکہ اس کے دل پر غصہ کی وجہ سے کچھ غبار نہ بیٹھے
اے سیلِ سرشک از عقبِ نامہ رواں باش
اے آنسوؤں کے سیل! خط کے پیچھے روانہ ہو جا

---

[1] شاہِ مرداں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہلاتے ہیں۔
[2] محبوب کا ہر عضو حسین ہے اور ہر جگہ کے لئے باعثِ رونق ہے۔
[3] تیری آنکھ بیمار ہے لیکن اس کی بیماری ہی ہمارے درد کا علاج ہے۔
[4] حافظ تیری دوستی کے سہارے آرام سے راستہ طے کر رہا ہے۔ ورنہ بڑا پر خطر راستہ ہے۔
[5] مصطبہ شراب خانہ یعنی شرابِ عشق چاہئے خواہ رمضان ہی کیوں نہ ہو۔
[6] جب گدڑی پھونک دی ہے تو اب رندوں کا سردار بننا چاہیے۔
[7] دُرجِ محبت سے مراد عاشق کا دل ہے یعنی وہ محبوب کی محبت سے خالی نہ ہو۔
[8] خط پڑھ کر اگر محبوب کے دل پر غصہ کا غبار بیٹھے گا تو آنسو اس کو دھو دیں گے۔

اے زاہد اگر وصلت مینا دہدت دست
اے زاہد اگر صراحی کا وصل تجھے میسر آ جائے

از ہمت پیران دو عالم باماں باش
دونوں جہانوں کے بزرگوں کی باطنی توجہ سے امن میں رہ

حافظ کہ ہوس میکند از جام جہاں بیں
حافظ، جو کہ جام جہاں بیں کی ہوس کرتا ہے

گو در نظر آصفِ[۱] جمشید مکاں باش
اس کو کہہ دو کہ جمشید مرتبہ آصف کی نظر میں ہے

باغباں گر پنج روزے صحبتِ گل بایدش
اگر باغباں کو پھول کی پنج روزہ صحبت چاہیے

بر جفائے خارِ ہجراں صبرِ بلبل بایدش
ہجر کے کانٹے کے ظلم پر اس کو بلبل کا سا صبر چاہیے

اے دل اندر بندِ زلفش از پریشانی منال
اے دل! اس کی زلف کے پھندے میں پریشانی سے نالاں ہو

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش
دانا پرندہ جب جال میں پھنس جائے تو اس کو بردباری کرنی چاہیے

باچنیں زلف و رخے بادش نظر بازی حرام[۲]
ایسی زلف اور رخسار کے ہوتے ہوئے اس کے لئے نظر بازی حرام ہو

ہر کہ روئے یاسمین و جعدِ سنبل بایدش
جس کو چنبیلی کا چہرہ اور سنبل کے گھنگریالے بال چاہئیں

رندِ عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار
دنیا کے جلا ڈالنے والے رند کو مصلحت بینی سے کیا واسطہ!

کارِ ملکت آنکہ تدبیر و تحمل بایدش
جس کام کو تدبیر اور تحمل کی ضرورت ہے وہ سلطنت کا کام ہے

تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافری ست[۳]
تقویٰ اور عقل پر بھروسہ کرنا، طریقت میں کفر ہے

راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش
مسافر اگر سو ہنر بھی جانتا ہو تو اس کو توکل کرنا چاہیے

نازہا زاں نرگسِ مستانہ میباید کشید
اس مست نرگس کے بہت ناز اٹھانے چاہئیں

ایں دلِ شوریدہ گر آں زلف و کاکل بایدش
اگر اس دیوانہ دل کو، وہ زلف اور کاکل چاہیے

ساقیا در گردشِ ساغر تعلل تا بچند
اے ساقی! ساغر کی گردش میں، لیت و لعل کب تک

دور چوں با عاشقاں افتد تسلسل بایدش
جب عاشقوں کی باری آ جائے تو اس کا تسلسل چاہیے

کیست حافظ[۴] تا نوشد بادہ بے آوازِ چنگ
حافظ کون ہے، جو چنگ کی آواز بدون شراب نہ پئے

عاشقِ مسکیں چرا چندیں تجمل بایدش
مسکین عاشق کو اس قدر ٹھاٹ کیوں چاہئیں!

بردازمن قرار و طاقت و ہوش[۵]
لے گیا میرا قرار، اور طاقت، اور ہوش

بتِ سنگیں دل و سیمیں بناگوش
پتھر جیسے دل والا، اور چاندی جیسی کانوں کی لو والا

نگارے چابکے شوخے پریوش
ایک حسین، چالاک، شوخ، پری جیسا

حریفِ مہوشے ترکِ قباپوش
دوست، چاند جیسا، ترک، قبا پہننے والا

زتابِ آتشِ سودائے عشقش
اس کے عشق کے جنون کی آگ کی گرمی سے

بسانِ دیگ دائم میزنم جوش
میں ہمیشہ، دیگ کی طرح جوش مارتا ہوں

چو پیراہن شوم آسودہ خاطر[۶]
میں کرتے کی طرح، آسودہ طبیعت ہو جاؤں گا

گرت ہمچوں قبا گیرم در آغوش
اگر تجھ کو قبا کی طرح، آغوش میں لے لوں گا

---

۱ آصف سے عماد بن محمود سلطان قوام الدین کا وزیر مراد ہے یعنی اگرچہ وہ وزیر ہے، لیکن جمشید کا رتبہ اس کو حاصل ہے۔

۲ محبوب کے رخ اور زلف کے ہوتے ہوئے اگر کوئی چنبیلی اور سنبل کی زلف کی خواہش کرے تو اس پر نظر بازی حرام ہے وہ اس میدان کا مرد نہیں ہے۔

۳ اصل اعتماد ذات باری پر ہے اور یہی توکل ہے، اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔

۴ حافظ تو ایک مسکین عاشق ہے وہ بدون چنگ کی آواز کے بھی شراب پی لے گا اس کو اس قدر ٹھاٹ کی ضرورت نہیں ہے۔

۵ اس مصرع اور اگلے دونوں مصرعوں میں محبوب کی صفات کا ذکر ہے۔

۶ کرتا ڈھیلا ہوتا ہے، قبا چست ہوتی ہے یعنی اگر اس معشوق کو چپٹا لوں گا تو طبیعت میں کشادگی پیدا ہو جائیگی۔

اگر بوسیدہ گردد استخوانم
اگر میری ہڈیاں پرانی بھی ہوجائیں گی
نگردد مہرش از جانم فراموش
تو اس کی محبت میری جان سے فراموش نہ ہوگی

دلؔ و دینم دل و دینم ببردہ ست
میرا دل اور دین، میرا دل، اور دین لے گئے ہیں
بر و دوشش بر و دوشش بر و دوش
اس کا سینہ اور کندھا، اس کا سینہ اور کندھا، سینہ اور کندھا

دوائے تو دوائے تست حافظ
تیری دوا ہے، تیری دوا ہے، اے حافظ!
لبِ نوشش لبِ نوشش لبِ نوش
اس کا شیریں ہونٹ، اس کا شیریں ہونٹ، شیریں ہونٹ

بجدؔ و جہد چو کارے نمیرود از پیش
محنت اور کوشش سے جبکہ کام نہیں بنتا ہے
بکردگار رہا کردہ بہ مصالحِ خویش
اپنی مصلحتوں کو، خدا پر چھوڑ دینا بہتر ہے

بپادشاہیِ عالم فرو نیارد سر
دنیا کی بادشاہی کے سامنے سر نہ جھکائے
اگر ز سِرّ قناعت خبر شود درویش
اگر درویش، قناعت کے راز سے واقف ہوجائے

ز سنگِؔ تفرقہ خواہی کہ منحنی نشوی
اگر تو چاہتا ہے، کہ تفرقہ کے پتھر سے نہ جھکے
مشو بسانِ ترازو تو در پئے کم و بیش
تو ترازو کی طرح، تو کم و بیش کے درپے نہ ہو

ریائے زاہدِ سالوسؔ جانِ من فرسود
مکار زاہد کی ریاکاری نے میری جان گھلادی
قدح بیار و بزن مرہمے بریں دلِ ریش
پیالہ لا، اور اس زخمی دل پر مرہم رکھدے

بنوشؔ بادہ کہ قسامِ صنع قسمت کرد
شراب پی اس لیے کہ قدرت کے تقسیم کنندہ نے تقسیم کر دیں
در آفرینش از انواع نوشدارو نیش
ابتداء ہی میں تریاق، اور زہر کی قسمیں

ریا حلالؔ شمارند و جامِ بادہ حرام
ریاکاری کو جائز اور شراب کے جام کو حرام سمجھتے ہیں
زہے طریقت و ملت زہے شریعت و کیش
طریقت اور ملت کا کیا کہنا، شریعت اور مذہب کا کیا کہنا

بدلرباؔئی اگر خود سر آمدی چہ عجب
دلربائی میں اگر تو سردار بنا ہے تو کیا تعجب ہے؟
کہ نورِ حسنِ تو بود از اساسِ عالم بیش
اس لیے کہ تیرے حسن کا نور، دنیا کی بنیاد سے پہلے تھا

دہانِؔ تنگِ تو دلخواہِ جانِ حافظ شد
تیرا تنگ منہ، حافظ کی جان کا خواہاں بن گیا
بجاں بود خطرم زیں دلِ محال اندیش
اس ناممکن بات سوچنے والے دل سے مجھے جان کا خطرہ ہوگیا

بدورِ لالہ قدح گیر و بے ریا میباش
لالہ کے موسم میں، پیالہ پکڑ، اور بے ریا بن
ببوئے گُل نفَسے ہمدمِ صبا میباش
پھول کی خوشبو کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے صبا کا ساتھی بنجا

نگویمت کہ ہمہ سال مے پرستی کن
میں تجھے یہ نہیں کہتا ہوں کہ پورے سال شراب نوشی کر
سہ ماہ مے خور و نہ ماہ پارسا میباش
تین مہینے شراب پی، نو مہینے پارسا بن

چو پیرِؔ سالکِ عشقت بمے حوالہ کند
جب عشق کا سالک پیر تجھے شراب کے حوالے کردے
بنوش و منتظرِ رحمتِ خدا میباش
پی لے، اور خدا کی رحمت کا منتظر بن

ا؎ اس کے سینہ اور کندھے کو دیکھ کر میں نے دل اور دین قربان کر دیا ہے ان مصرعوں میں الفاظ کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔
۲؎ شعر
کار ساز ما بفکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما
۳؎ سنگِ تفرقہ، پاسنگ تفرقہ کی تکلیف یعنی ترازو کے پلڑے کمی بیشی کی وجہ سے جھکتے رہتے ہیں اگر تو یہ نہیں چاہتا تو کمی بیشی کا خیال ترک کردے سیدھا قدر ہیگا۔
۴؎ سالوس، مکار بت بنا۔
۵؎ شراب پی جو تریاق ہے، یہ سب ازلی تقسیم ہے اس میں کسی کو دخل نہیں ہے۔
۶؎ ریاکاری کو حلال اور شراب کو حرام سمجھنے والوں کی بھی عجیب وغریب شریعت ہے۔
۷؎ یہ شعر نعت النبی میں معلوم ہوتا ہے یعنی اگر آنحضور تمام انبیاء کے سردار ہیں تو کوئی تعجب نہیں جبکہ آپ کا نور ازلی ہے تو ایسا ہونا ہی چاہیے تھا۔
۸؎ محبوب کا منہ ایک معدوم چیز ہے میرا دل اس کا طالب بنا لہٰذا میری جان خطرے میں پڑ گئی اور

گرت ہواست کہ چوں جم بسرِ غیب رسی
اگر تجھے منشاء ہے کہ جمشید کی طرح غیب کے راز تک پہونچے

بیا و ہمدمِ جامِ جہاں نما میباش
آ، اور جام جہاں نما کا ہمدم بن

چو غنچہ گرچہ فروبستگی ست کارِ جہاں
دنیا کا کام، اگرچہ غنچہ کی طرح گرہ لگانا ہے

تو ہمچو بادِ بہاری گرہ کشا میباش
تو موسم بہار کی طرح، گرہ کو کھولنے والا بن

وفا مجوئی ز کس و رسخن نمی شنوی
کسی سے وفا کا طالب نہ بن، اور اگر تو بات نہیں مانتا ہے

بہرزہ طالبِ سیمرغ و کیمیا میباش
تو بیکار، سیمرغ، اور کیمیا کا طالب بن

مریدِ طاعتِ بیگانگاں مشو حافظ
اے حافظ! غیروں کی بندگی کا طالب نہ بن

ولے معاشرِ رندانِ آشنا میباش
لیکن، دوست رندوں کا، ہم صحبت بن

چو بر شکست صبا زلفِ عنبر افشانش
جب صبا نے اس کی عنبر چھڑکنے والی زلف کو پریشان کیا

بہر شکستہ کہ پیوست تازہ شد جانش
جس شکستہ کو وہ لگی، اس کی جان تازہ ہوگئی

کجاست ہمنفسے تا کہ شرحِ غصہ دہم
وہ ہمراز کہاں ہے جس سے رنج کی تشریح کروں

کہ دل چہ میکشد از روزگارِ ہجرانش
کہ دل اس کے ہجر کے زمانہ سے کیا برداشت کرتا ہے

نسیمِ صبح وفانامہ کہ برد بدوست
صبح کی نسیم جو وفانامہ دوست کے پاس لے گئی

ز خونِ دیدۂ ما بود مُہرِ عنوانش
اس کے عنوان کی مہر ہماری آنکھوں کے خون کی تھی

زمانہ از ورقِ گُل مثالِ روئے تو بست
زمانہ نے پھول کی پتی سے تیرے چہرے کی مثال بنائی

ولے ز شرمِ تو در غنچہ کرد پنہانش
لیکن تیری شرم کی وجہ سے اس کو غنچہ میں چھپا دیا

بسے شدیم و نشد عشق را کرانہ پدید
ہم بہت پھرے، اور عشق کا کنارہ نمودار نہ ہوا

تبارک اللہ ازیں رہ کہ نیست پایانش
تبارک اللہ اس راستہ کی کوئی انتہا نہیں ہے!

جمالِ کعبہ مگر عذرِ رہرواں خواہد
کعبہ کا جمال، شاید مسافروں کی عذر خواہی کرے

کہ جانِ زندہ دلاں سوخت در بیابانش
اس لیے کہ زندہ دلوں کی جان اس کے بیابان میں جل گئی

دلم کہ مہرِ تو از غیرِ تو نہاں میداشت
میرا دل جو تیری محبت تیرے غیر سے پوشیدہ رکھتا تھا

ببیں کہ دیدہ کند فاش پیشِ یارانش
دیکھ دوستوں کے سامنے آنکھ اس کا راز فاش کر رہی ہے

بدیں شکستہ بیت الحزن کہ می آرد
اس غم کی کوٹھری کے شکستہ کے لیے کون لائے گا؟

نشانِ یوسفِ دل از چہِ زنخدانش
اس کی ٹھوڑی کے کنویں سے دل کے یوسف کا پتہ

بگیرم آں سرِ زلف و بدستِ خواجہ دہم
میں اس زلف کو پکڑوں گا اور آقا کے ہاتھ میں دیدوں گا

کہ دادِ من بستاند مگر ز دستانش
شاید اس کے مکروفریب سے مجھے انصاف دلائے

سحر بطرفِ چمن می شنیدم از بلبل
صبح کو چمن کے کنارے پر میں بلبل سے سن رہا تھا

نوائے حافظِ خوش لہجۂ غزلخوانش
اس کے غزل خواں، خوش لہجہ، حافظ کی آواز

۱؎ غنچہ بشکل گرہ بند ہوتا ہے موسم بہار کی ہوا اس کو کھلاتی ہے یعنی تو گرہ کشائی کر۔

۲؎ وفا دنیا سے ایسی ہی ناپید ہے جیسے کیمیا اور سیمرغ سے
یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے
گویا اس جہاں میں تھی ہی نہیں

۳؎ صبا جب اس کی زلف کی خوشبو لیکر چلتی ہے تو شکستہ دلوں میں تازہ جان ڈالدیتی ہے۔

۴؎ صبا نے ہمارے خون کے آنسوؤں سے رونے کی خبر محبوب کو پہونچائی۔

۵؎ غنچہ میں پتی اس لیے چھپی ہوئی ہے کہ اس کو محبوب کے چہرے سے شرم آرہی ہے۔

۶؎ جو لوگ کعبہ کے بیاباں میں جل کر رہ گئے ہیں اور کعبہ تک نہیں پہونچ سکے، کعبہ ان کی جانب سے خود عذر بیان کردیگا۔

۷؎ بیت الحزن وہ کوٹھری جس میں حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کے فراق کے مصائب جھیلے تھے، دل کو یوسف قرار دیا ہے۔

۸؎ صبح کو چمن میں بلبلیں حافظ کی غزلیں گاتی ہیں جو معشوق کا غزلخواں ہے۔

چو جامِ لعلِ تو نوشم کجا بماند ہوش
جب میں تیرے لعل کا جام پیتا ہوں، ہوش کہاں رہتا ہے؟

چو چشمِ مستِ تو بینم بجا نماند گوش
جب تیری مست آنکھ دیکھ لیتا ہوں، کان اپنی جگہ پر نہیں رہتے ہیں

منم غلامِ تو ورز آنکہ از من آزادی
میں تیرا غلام ہوں، اور چونکہ تو مجھ سے آزاد ہے

مرا بکوزہ فروشِ شرابخانہ فروش[1]
مجھے، شراب خانہ کے کوزہ فروش کے ہاتھ بیچ دے

بوئے آنکہ زمیخانہ کوزۂ یابم
اس امید پر کہ شراب خانہ سے ایک کوزہ حاصل کر لوں گا

روم سبوئے خراباتیاں کشم بر دوش[2]
جاتا ہوں، شرابیوں کی مٹکی کندھے پر اٹھاتا ہوں

مرا مگوی کہ خاموش باش و دم درکش
مجھے نہ کہہ چپ رہ، اور سانس کھینچ لے

کہ در چمن نتواں یافت مرغ را خاموش
اس لیے کہ چمن میں بلبل کو خاموش نہیں پایا جا سکتا ہے

اگر نشانِ تو جویم کدام صبر و قرار
اگر تیرا پتہ ڈھونڈوں، تو مجھے صبر و قرار کہاں ہے؟

و گر حدیثِ تو گویم کدام طاقت و ہوش
اور اگر تیری بات کروں، تو طاقت اور ہوش کہاں ہے؟

شرابِ پختہ بخاماں دلِ فسردہ مدہ
پرانی شراب افسردہ دل، کچوں کو نہ دے

کہ بادہ آتشِ تیز ست و پختگاں در جوش
اس لئے کہ شراب ایک تیز آگ ہے اور پختہ کار جوش میں ہیں

نعیمِ روضۂ جنت بذوقِ آں نرسد
جنت کے باغ کی نعمت اس مزے کو نہیں پہونچتی ہے

کہ یار نوش کند بادہ و تو گوئی نوش[3]
کہ یار شراب پئے، اور تو کہے، پیجئے

مرا چو خلعتِ سلطانِ عشق میدادند
جب مجھے، عشق کے بادشاہ کی خلعت دے رہے تھے

ندا زدند کہ حافظ خموش باش خموش[4]
انہوں نے پکار کر کہا حافظ! چپ رہ، چپ

خوشا شیراز و وضعِ بیمثالش[5]
شیراز، اور اس کی بے مثال وضع کیسی اچھی ہے

خداوندا نگہ دار از زوالش
اے خدا! اس کو زوال سے بچا

ز رکنا بادِ ما صد لوحش اللہ[6]
ہمارے رکنا باد پر، سو بار لوحش اللہ ہو

کہ عمرِ خضر می بخشد زلالش
اس لیے کہ اس کا نہر، پانی خضر کی عمر بخشتا ہے

میانِ جعفر آباد و مصلّے
جعفر آباد، اور مصلّی کے درمیان

عبیر آمیز می آید شمالش
رکنا باد کی شمالی ہوا، مشک آمیز آتی ہے

بشیراز آی و فیضِ روحِ قدسی
شیراز میں آجا، اور جبرئیل کا فیض

بخواہ از مردمِ صاحب کمالش
طلب کر، اس کے صاحبِ کمال انسانوں سے

کہ نامِ قندِ مصری برد آنجا
اس جگہ، مصری قند کا کس نے نام لیا؟

کہ شیریناں ندادند انفعالش[7]
کہ شیریں لب والوں نے اس کو شرمندہ نہیں کیا

صبا زاں لولی شنگولِ سرمست
اے صبا! اس مطربہ، شوخ، مست کی

چہ داری آگہی چونست حالش
تو کیا خبر رکھتی ہے؟ اس کا حال کیا ہے؟

مکن بیدار ازیں خوابم خدا را
خدا کے لیے، مجھے اس نیند سے بیدار نہ کر

کہ دارم عشرتے خوش با خیالش
اس لیے کہ میرا اس کے خیال سے عمدہ میل جول ہو رہا ہے

---

[1] شراب خانہ کے کوزہ فروش کی غلامی میں شراب تو پینے کو ملیگی۔

[2] ایک پیالہ شراب کی تمنا میں شرابیوں کی خدمتگاری کرتا ہوں

[3] جس قدر لطف اس بات میں ہے کہ یار پئے اور تو پلائے اس قدر لطف جنت کی نعمتوں میں بھی نہیں ہے۔

[4] جب مجھے عشق کی خلعت ملی ساتھ ساتھ چپ رہنے کا حکم بھی ملا۔

[5] اس غزل میں خواجہ صاحب نے شیراز، رکنا باد، اور مصلّی کی تعریفیں کی ہیں جن سے خواجہ صاحب کو بہت زیادہ محبت تھی۔

[6] لوحش اللہ در اصل لا اوحشہ اللہ تھا یعنی خدا اس کو ویران نہ بنائے استعمال کی کثرت سے اب اس طرح بولا جاتا ہے

[7] چونکہ یہاں کے حسین مصری قند کو اپنے لبوں سے شرمندہ کرتے ہیں لہذا لوگ اس کا نام بھی نہیں لیتے ہیں۔

گر آں شیریں پسر خونم بریزد
اگر وہ شیریں لڑکا میرا خون بہا دے
دلا چوں شیرِ مادر کن حلالش
اے دل! ماں کے دودھ کی طرح اس کے لئے حلال کر دے

چرا حافظ چو می ترسیدی از ہجر
اے حافظ! جبکہ تو اس کے ہجر سے ڈرتا تھا تو کیوں؟
نکردی شکرِ ایامِ وصالش
اس کے وصال کے دنوں کا، تو نے شکریہ ادا نہ کیا

در عہدِ بادشاہِ خطا بخش جرم پوش[1]
خطا بخش، جرم پوش بادشاہ کے دور میں
حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش
حافظ قرابہ کش، اور مفتی پیالہ نوش ہو گیا

صوفی ز کنجِ صومعہ در پائے خم نشست
صوفی عبادت خانہ کے گوشے سے، خم کے قدموں میں آ بیٹھا
تا دید محتسب کہ سبو میکشد بدوش
جب اس نے دیکھا کہ محتسب بھی کندھے پر صراحی لیے پھرتا ہے

احوالِ شیخ و قاضی و شربِ الیہودِ[2] شاں
شیخ اور قاضی اور ان کے چھپ کر پینے کے حالات کا
ق
کردم سوال صبحدم از پیرِ مے فروش
میں نے صبح کے وقت شراب فروش پیر سے سوال کیا

گفتا نہ گفتنی ست سخن گرچہ محرمی
اس نے کہا، اگرچہ تو محرم ہے لیکن بات کہنے کی نہیں ہے
در کش زبان و پردہ نگہدار و مے بنوش
زبان بند کر لے اور پردے کا خیال رکھ اور شراب پی

ساقی بہار میرسد و جامِ مے نماند
اے ساقی بہار کا موسم آ رہا ہے، اور شراب کا جام نہیں رہا
فکرے بکن کہ خونِ دل آمد ز غم بجوش
کوئی تدبیر کر کہ دل کا خون غم کی وجہ سے جوش میں آ گیا ہے

عشق ست و مفلسی[3] و جوانی و نو بہار
عشق ہے، اور مفلسی، اور جوانی ہے، اور نو بہار
عذرم پذیر و جرم بذیلِ کرم بپوش
میرا عذر قبول کرلے اور کرم کے دامن سے جرم کو ڈھانپ لے

اے بادشاہِ صورت و معنی کہ مثلِ تو
اے صورت اور سیرت کے بادشاہ تجھ جیسا
نا دیدہ ہیچ دیدہ و نشنید ہیچ گوش
کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، اور کسی کان نے نہیں سنا

چنداں بماں کہ خرقۂ ازرق کند قبول[4]
اس قدر زندہ رہ، کہ نیلا خرقہ قبول کرلے
ق
بختِ جوانت از فلکِ پیرِ ژندہ پوش
تیرا جوان نصیبہ گدڑی پہننے والے بوڑھے آسمان سے

تا چند ہمچو شمع زباں آوری کنی
شمع کی طرح، تو کب تک زبان درازی کرے گا
پروانۂ مراد رسید اے محب خموش
اے عاشق! خاموش ہو جا، مراد کا پروانہ آ گیا

دی شب ندا ز غیب بگوشِ دلم رسید
میرے دل کے کان میں، کل رات غیب سے آواز آئی
حافظ تو غصہ کم خور و بنشین و مے بنوش
اے حافظ! تو غم کم کھا، بیٹھ اور شراب پی

دلم رمیدہ شد و غافلم منِ درویش
میرا دل اڑ گیا، اور میں درویش غافل ہوں
کہ آں شکاریِ[5] سرگشتہ را چہ آمد پیش
کہ اس پریشان شکاری کو کیا پیش آیا؟

چو بید بر سرِ ایمانِ خویش می لرزم
میں اپنے ایمان کے بارے میں بید کی مانند لرز رہا ہوں
کہ دل بدستِ کماں ابروئیست کافر کیش
اس لیے کہ دل ایک کمان جیسے ابرو والے کافر کیش کے ہاتھ میں ہے

۱؎ امیر مبارز الدین نے شراب خانے بند کرا دیئے تھے اس کے مرنے کے بعد شاہ شجاع نے پھر جاری کرا دیئے خواجہ صاحب نے اس غزل میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، قرابہ، شراب کی صراحی یعنی اب حافظ اور مفتی سب شراب نوش ہو گئے ہیں

۲؎ شرب الیہود یہودیوں کا پینا چونکہ وہ اسلامی دور میں چھپ کر شراب پیتے تھے اس لیے چھپ کر پینے کو شرب الیہود کہا جانے لگا۔

۳؎ نوش کے سارے اسباب جمع ہیں اگر غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا۔

۴؎ یہ شعر قطعہ بند ہے اگلے شعر کے ساتھ ملکر مطلب پورا ہوگا، ایران کا قاعدہ تھا کہ بادشاہ بوڑھا ہو جانے پر گدڑی پہن لیتا تھا اور ولیعہد نیلا خرقہ پہن کر گدی نشین ہوتا تھا مطلب یہ ہے کہ تو بے مثل بادشاہ ہے تیری عمر دراز ہو۔

۵؎ شکاری سے دلِ رمیدہ مراد ہے۔

خیالِ[۱] حوصلۂ بحر می پزم ہیہات
میں سمندر کے حوصلہ کا خیال پکا رہا ہوں، افسوس ہے
چہاست در سرِ ایں قطرۂ محال اندیش
اس ناممکن بات سوچنے والے، قطرے کے سر میں کیا کچھ ہے

بکوئے میکدہ گریان و سرفگندہ روم
شراب خانہ کے کوچہ میں، روتے ہوئے اور سر جھکائے جاؤں گا
چراکہ شرم ہمی آیدم زحاصلِ خویش
اس لیے کہ اپنی پونجی سے، مجھے شرم آرہی ہے

نہ عمرِ خضر بماند نہ مُلکِ اسکندر
نہ خضر کی عمر رہتی ہے، نہ سکندر کا ملک
نزاع بر سرِ دنیائے دوں مکن درویش
اے درویش کمینی دنیا پر جھگڑا نہ کر

بنازم آں[۲] مژۂ شوخِ عافیت کُش را
اُس عافیت کُش، شوخ پلک پر میں ناز کرتا ہوں
کہ موج میزندش آبِ نوش بر سرِ نیش
کہ جس کے ڈنک پر، آبِ حیات جوش مارتا ہے

ز آستینِ[۳] طبیباں ہزار خوں بچکد
طبیبوں کی آستین سے خون کے ہزاروں قطرے ٹپکیں
گرم بتجربہ دستے نہند بر دلِ ریش
اگر میرے زخمی دل پر تشخیص کے لیے ہاتھ رکھیں

تو بندۂ گلہ از بادشہ مکن اے دل
اے دل تو غلام ہے، بادشاہ کا شکوہ نہ کر
کہ شرطِ عشق نباشد شکایت از کم و بیش
اس لیے کہ کم و بیش کی شکایت عشق کے مناسب نہیں ہوتی ہے

بداں[۴] کمر نرسد دستِ ہر گدا حافظ
اے حافظ! اس کمر تک ہر فقیر کا ہاتھ نہیں پہونچتا ہے
خزینۂ بکف آور ز گنجِ قاروں بیش
قارون کے خزانے سے بڑا خزانہ حاصل کر

دوش[۵] با من گفت پنہاں رازدانے تیز ہوش
کل، مجھ سے تیز ہوش ایک راز داں نے چپکے سے کہا
کز شما پنہاں نشاید داشت رازِ مے فروش
کہ شراب فروش کا راز، تم سے پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا ہے

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
اس نے کہا اپنے اوپر آسان کام لے، اس لیے کہ طبعاً
سخت میگیرد جہاں بر مردمانِ سخت کوش
سخت کوش انسانوں کو دنیا سخت پکڑتی ہے

وانگہم[۶] در داد جامے کز فروغش بر فلک
پھر اس نے مجھے ایسا جام دیا کہ اُس کے نور سے آسمان پر
زہرہ در رقص آمد و بربط زناں میگفت نوش
زہرہ رقص میں آگئی اور وہ بربط بجاتے ہوئے کہہ رہی تھی پی لے

تانگردی آشنا زیں پردہ بوئے نشنوی
جب تک تو اس پردے سے آشنا نہ ہوگا، خوشبو نہ سونگھے گا
گوشِ نامحرم نباشد جائے پیغامِ سروش
نامحرم کے کان غیبی فرشتے کے پیغام کی جگہ نہیں ہوتے ہیں

در حریمِ[۷] عشق نتواں زد دم از گفت و شنید
عشق کے احاطہ میں گفت و شنید کا دم نہیں ملایا جاسکتا
زانکہ آنجا جملہ اعضا چشم باید بود و گوش
اس لیے کہ اس جگہ تمام اعضاء کو آنکھ اور کان بنجانا چاہئے

در بساطِ نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست
نکتہ دانوں کی بساط پر اپنی نمائش جائز نہیں ہے
یا سخن دانستہ گو اے مردِ بخرد یا خموش
اے عقلمند! یا بات سمجھ کر کر، یا چپ رہ

بادلِ خونیں لبِ خنداں بیاور ہمچو جام[۸]
جام کی طرح، خونی دل کے ساتھ مسکراتے ہونٹ لا
نے گرت زخمے رسد آئی چو چنگ اندر خروش
نہ کہ اگر تجھے ایک زخم لگے، بانسری کی طرح جوش میں آجائے

گوش کن پند اے پسر از بہرِ دنیا غم مخور
اے بیٹے! نصیحت سن، دنیا کے لیے غم نہ کھا
گفتمت چوں دُرِّ حدیثے گر توانی دار گوش
میں نے تجھ سے موتی جیسی بات کہی ہے، ہوسکے تو کان لگا

[۱] قطرے سے دل اور بحر سے عشق کا سمندر مراد ہے۔
[۲] ظاہر ہے ڈنک میں زہر ہوتا ہے لیکن محبوب کی پلک جو کہ ڈنک کی طرح ہے اس سے آبِ حیات ٹپکتا ہے۔
[۳] ہمارا دل اس قدر زخمی ہے کہ اگر طبیب دل پر ہاتھ دھریگا تو اس کی آستین سے خون کے ہزاروں قطرے ٹپکیں گے۔
[۴] معشوق کی کمر تک ہاتھ پہونچانے کے لئے قارون کے خزانہ سے بھی زیادہ خزانے کی ضرورت ہے۔
[۵] رازدان نے جو راز بتایا ہے وہ اگلے شعر میں مذکور ہے یعنی دنیا میں آسان راستہ اختیار کرنا چاہیے۔
[۶] راز بتاکر ایسا جام دیا کہ زہرہ جو رقاصۂ فلک ہے ناچنے لگی اور پینے کی دعوت دینے لگی۔
[۷] عشق کے معاملہ میں انسان کو زبان گونگی کرلینی چاہیے۔
[۸] جام کو خونی دل مانا جاتا ہے جو کہ اس میں سرخ شراب بھری ہوتی ہے اور اسکے ہونٹ کو مسکراتا ہوا مفروض کیا گیا ہے۔

ساقیا مے دہ کہ رندیہائے حافظ عفو کرد
اے ساقی! شراب دے اس لیے کہ حافظ کی رندیوں کو معاف کر دیا ہے
خسروِ صاحبقران[1] جرم بخشِ عیب پوش
جرم بخش، عیب پوش صاحبقران، بادشاہ نے

سحر ز ہاتفِ غیبم رسید مژدہ بگوش[2]
صبح کے وقت، غیبی ہاتف کی جانب سے خوشخبری میرے کان میں پڑی
کہ دورِ شاہ شجاع ست مے دلیر بنوش
کہ شاہِ شجاع کا دور ہے دلیری سے شراب پی

شد آنکہ اہلِ نظر بر کنارہ میرفتند
وہ وقت گیا کہ نظر باز کنارے پر چلتے تھے
ہزار گونہ سخن بر دہان و لب خاموش
منہ میں ہزاروں قسم کی باتیں تھیں اور ہونٹ خاموش تھا

بہ بانگِ چنگ بگوئیم آں حکایتہا
چنگ کی دھن پر، ہم وہ حکایتیں بیان کریں گے
کہ از نہفتنِ او دیگِ سینہ میزد جوش
جن کے چھپانے سے، سینہ کی دیگ جوش مارتی تھی

شرابِ خانگی از بیمِ محتسب خوردن
چھپ کر شراب پینا، محتسب کے ڈر سے تھا
بروئے یار بنوشیم و بانگِ نوشا نوش
یار کے سامنے، پیو، پیو کی آواز پر پیتے ہیں

ز کوئے میکدہ دوشش بدوش می بردند[3]
شراب خانہ کے کوچہ سے کل اس کو کندھے پر لیجا رہے تھے
امامِ شہر کہ سجادہ می کشید بدوش
جو شہر کا امام کندھے پر مصلے لیے پھرتا تھا

دلا دلالتِ خیرت کنم براہِ نجات
اے دل! نجات کے راستہ پر میں تیری نیک رہنمائی کرتا ہوں
مکن بفسق مباہات و زہد ہم مفروش
فسق پر فخر نہ کر، اور زہد فروشی بھی نہ کر

محلِ نورِ تجلی ست رائے انورِ شاہ
بادشاہ کی روشن رائے، تجلی کے نور کی جگہ ہے
چو قربِ او طلبی در صفائے نیت کوش[4]
اگر اُس کی نزدیکی چاہتا ہے نیت کی صفائی میں کوشش کر

بجز ثنائے جلالش مساز وردِ ضمیر
اس کے جلال کی تعریف کے علاوہ، دل کا کوئی وظیفہ نہ بنا
کہ ہست گوشِ دلش محرمِ پیامِ سروش
اسلیے کہ اُس کے دل کا کان غیبی فرشتے کے پیام کا محرم ہے

رموزِ مصلحتِ ملک خسرواں دانند[5]
ملک کی مصلحت کے راز، بادشاہ جانتے ہیں
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش
اے حافظ! تو ایک گوشہ نشین فقیر ہے، غل نہ مچا

شرابِ تلخ میخواہم کہ مرد افگن بود زورش
میں ایسی کڑوی شراب چاہتا ہوں کہ جسکا زور مرد افگن ہو
کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش
تاکہ دنیا اور اس کے شور و شر سے ذرا آرام پاؤں

بیاور مے کہ نتواں شد زمکرِ آسماں ایمن
شراب لا، اس لیے کہ آسمان کے مکر سے مطمئن نہیں ہوا جاسکتا
بلعبِ[6] زہرۂ چنگی و بہرامِ سلحشورش
چنگ والی زہرہ کے کھیل اور اس کے ہتھیار بند بہرام کی وجہ سے

کمندِ صیدِ بہرامی بیفگن جامِ جم بردار
شکار کی بہرامی کمند پھینک دے، جامِ جم اٹھالے
کہ من پیمودم ایں صحرا نہ بہرام ست نے گورش[7]
اس لیے کہ میں نے یہ جنگل ناپا ہے نہ بہرام ہے نہ اس کا گورخر

نظر کردن بدرویشاں منافیِ بزرگی نیست
درویشوں کی طرف نظر کرنا، بڑائی کے منافی نہیں ہے
سلیماں با چناں حشمت نظرہا بود با مورش
باوجود ایسی حشمت کے سلیمان کی نظریں چیونٹی پر تھیں

[1] صاحب قران وہ شخص کہلاتا ہے جس کی پیدائش کے وقت زحل اور مشتری ایک برج میں ہوں ایسا شخص صاحب نصیب ہوتا ہے یہاں عماد بن محمود وزیر سلطان قطب الدین مراد ہے۔

[2] یہ غزل بھی حافظ نے اسی وقت کہی ہے جب امیر مبارز الدین کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شاہ شجاع نے شراب خانے کھلوا دیئے تھے۔

[3] مدہوش پڑا تھا کندھے پر ڈال کر لیجانا پڑا۔

[4] بادشاہ کا قرب نیت کی صفائی سے حاصل ہوتا ہے۔

[5] یعنی اگر شاہ شجاع نے شراب خانے کھلوا دیئے ہیں تو کیوں شور کرتا ہے وہ ملکی مصلحتوں کو جانتا ہے

[6] زہرہ ستارے کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے اور دنیا میں ناچ رنگ اس کے اثر سے ہے بہرام سے مریخ مراد ہے قتل اور غارتگری اس کے اثر سے مانی گئی ہے۔

[7] بہرام عراق کا مشہور بادشاہ گذرا ہے چونکہ اس کو گورخر کے شکار کا بہت شوق تھا لہٰذا اس کو بہرام گور کہا جاتا ہے۔ شعر میں گور سے دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں یعنی گورخر اور قبر۔

بیا تا در مے صافیت راز دہر بنمایم
آ، تاکہ صاف شراب میں تجھے زمانہ کا راز دکھاؤں

بشرط آنکہ ننمائی بکج طبعان دل کورش
اس شرط پر کہ تو اس کو کج طبع اندھے دل والوں کو نہ دکھائے

شراب لعل مینوشم من از جام زمرد گوں
تمہارے زمرد جیسے جام سے لعل جیسی شراب پیتا ہوں

کہ زاہد افعیٔ وقتست و میسازم از ین کورش
اس لیے کہ زاہد وقت کا سانپ ہے اور اس سے اس کو اندھا کرتا ہوں

سماط عہد دوں پرور ندارد شہد آسایش
کمینہ پرور زمانہ کا دستر خوان آرام کا شہد نہیں رکھتا ہے

مذاق حرص و آز اے دل بشوی از تلخ و از شورش
اے دل حرص اور لالچ کا مزا اس کے تلخ اور نمکین سے دھو ڈال

کمان ابروئے جاناں نمی پیچد سر از حافظ
محبوب کے ابرو کی کمان حافظ سے سر نہیں موڑتی ہے

ولیکن خندہ می آید بریں بازوئے پرزورش
لیکن اس کے طاقتور بازو پر، ہنسی آتی ہے

صوفی گلے بچین و مرقع بخار بخش
اے صوفی! کوئی پھول چن اور گدڑی کانٹے کو بخش دے

ویں زہد خشک را بمئے خوشگوار بخش
اور یہ خشک زہد، خوشگوار شراب کو بخش دے

طامات و زرق در رہ آہنگ چنگ نہ
ڈینگوں اور مکر کو چنگ کی آواز کے راستہ میں رکھ دے

تسبیح و طیلساں بمے و میگسار بخش
تسبیح اور چادر کو، شراب اور شراب نوشوں کو بخش دے

زہد گراں کہ ساقی و شاہد نمی خرند
بھاری زہد جس کو ساقی، اور معشوق نہیں خریدتے ہیں

در حلقۂ چمن بہ نسیم بہار بخش
چمن کے حلقہ میں، موسم بہار کی نسیم کو بخش دے

راہم شراب لعل زد اے میر عاشقاں
اے عاشقوں کے سردار سرخ شراب نے مجھ پر ڈاکہ ڈال دیا ہے

خون مرا بچاہ زنخدان یار بخش
میرا خون دوست کی ٹھوڑی کے کنویں کو بخش دے

یارب بوقت گل گنہ بندہ عفو کن
اے خدا پھول کے موسم میں بندے کے گناہ معاف کر دے

ویں ماجرا بسرو لب جوئبار بخش
اور اس قصہ کو جو نہر کے کنارے کے سرو کے پاس ہوا بخش دے

اے آنکہ رہ بمشرب مقصود بردہ
اے وہ جو مقصد کے گھاٹ پر پہنچ گیا ہے

زیں بحر قطرۂ بمن خاکسار بخش
اس سمندر کا ایک قطرہ مجھ خاکسار کو بخش دے

شکرانہ کہ روئے ترا چشم بد ندید
اس شکرانہ میں کہ تیرے چہرے کو نظر بد نے نہیں دیکھا ہے

مارا بعفو و لطف خداوندگار بخش
ہمیں خدا کے عفو، اور مہربانی کے طفیل بخش دے

ساقی چو شاہ نوش کند بادۂ صبوح
اے ساقی! جب شاہ صبح کی شراب پیے

گو جام زر بحافظ شب زندہ دار بخش
کہدے کہ زریں جام شب بیدار حافظ کو بخش دے

فکر بلبل ہمہ آنست کہ گل شد یارش
بلبل کا صرف یہ خیال ہے کہ پھول اس کا یار ہو گیا

گل در اندیشہ کہ چوں عشوہ کند در کارش
پھول اس فکر میں ہے کہ اس کے معاملہ میں ناز کیسے دکھائے

دلربائی ہمہ آں نیست کہ عاشق بکشند
ساری دلربائی یہی نہیں ہے، کہ عاشق کو قتل کریں

خواجہ آنست کہ باشد غم خدمتگارش
آقا وہ ہے جس کو خدمت گزار کی فکر ہو

---

۱ مشہور ہے کہ زمرد کی تاثیر سے سانپ اندھا ہو جاتا ہے۔

۲ انسان کو ایسا بننا چاہیے کہ زمانہ کے تلخ اور شیریں میں اس کے لیے کوئی فرق نہ رہے۔

۳ کیونکہ باوجود اس طاقت کے وہ میرے کمزور دل کے درپے ہے۔

۴ طامات وہ باتیں جو صوفی اپنی کرامات کے طور پر کہتے ہیں۔ طیلسان وہ چادر جو عموماً صوفیا اوڑھتے تھے۔

۵ مجھے محبوب کے ہونٹوں اور چاہ زنخداں نے مار ڈالا ہے، لیکن میرے خون کا بدلہ نہ لینا۔

۶ موسم بہار اور لب دریا سرو کے نیچے کے گناہ قابل معافی ہیں۔

۷ عاشق سمجھ رہا ہے کہ معشوق کو رام کر لیا، معشوق ظلم کی تدبیریں سوچ رہا ہے۔

جائے آنست کہ خوں موج زند در دلِ لعل
موقع اس کا ہے، لعل کے دل میں خون پٹارے مارے
زیں تغابن کہ خزف می شکند بازارش
اس ٹوٹے پر کہ ٹھیکری اس کے بازار کو ٹھنڈا کر رہی ہے

بلبل از فیضِ گل آموخت سخن ورنہ نبود
بلبل پھول کے فیض سے بات کرنا سیکھی ورنہ
ایں ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش
یہ سب قول اور غزل اس کی چونچ میں چھپے ہوئے نہ تھے

آں سفر کردہ کہ صد قافلۂ دل ہمرہِ اوست
وہ مسافر، جس کے ہمراہ دل کے سو قافلے ہیں
ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش
جہاں بھی ہے، خدا اس کو سلامت رکھ

اگر از وسوسۂ نفس و ہوا دور شوی
اگر تو نفس اور خواہش کے وسوسے سے دور ہو جائے
بیشکے رہ ببری در حرمِ دیدارش
بغیر کسی شک کے تو اس کے دیدار کے حرم کا راستہ طے کرے

اے کہ از کوچۂ معشوقۂ ما میگذری
اے وہ جو ہماری معشوقہ کے کوچے سے گذر رہا ہے
باخبر باش کہ سر می شکند دیوارش
ہوشیار رہ اس لیے کہ اس کی دیوار سر پھوڑ دیتی ہے

صحبتِ عافیت ارچہ خوش افتاد اے دل
اے دل، اگرچہ آرام کی صحبت تجھے پسند آگئی ہے
جانبِ عشق عزیزست فرو مگذارش
عشق کا پہلو بھی عزیز ہے، اس کو نہ چھوڑ

صوفی از سر خوش ازینست کہ کج کرد کلاہ
صوفی اگر اس سے مست ہے کہ اس نے ٹوپی ٹیڑھی کر لی ہے
بدو جامِ دگر آشفتہ شود دستارش
اور دو پیالوں میں، اس کی پگڑی بکھر جائے گی

دلِ حافظ کہ بدیدارِ تو خوگر شدہ است
حافظ کا دل، جو تیرے دیدار کا عادی ہو گیا ہے
ناز پرورِ د وصال ست مجو آزارش
وہ وصل کے نازوں کا پالا ہوا ہے، اسکو نہ ستا

کنارِ آب و پائے بید و طبعِ شعر و یارے خوش
پانی کا کنارہ ہے اور بید کا سایہ اور موزوں طبیعت اور ایک حسین معشوق ہے
معاشر دلبرِ شیریں و ساقی گلعذارے خوش
شیریں دلبر ساتھی ہے اور حسین، پھول جیسے رخسار والا ساقی ہے

الا اے دولتِ طالع کہ قدرِ وصل میدانی
اے نصیبہ کی دولت ہاں تو وصل کی قدر جانتی ہے
گوارا بادت ایں عشرت کہ داری روزگارے خوش
خدا کرے تجھے یہ عیش راس آئے کہ تجھے اچھا زمانہ میسر ہے

عروسِ طبع را زیور ز فکرِ بکر می بندم
طبیعت کی دلہن کو، تازہ فکر کا زیور پہناتا ہوں
بود کز نقشِ ایامم بدست افتد نگارے خوش
ہو سکتا ہے کہ زمانہ کے نقش سے کوئی حسین معشوق میرے ہاتھ لگ جائے

شبِ صحبت غنیمت دان و دادِ خوشدلی بستان
صحبت کی رات کو غنیمت سمجھ اور خوشدلی کی داد حاصل کر
کہ مہتابِ دل افروز ست و طرفِ لالہ زارے خوش
اس لیے کہ دل افروز چاندنی ہے اور حسین لالہ زار کا کنارہ ہے

چہ مے در کاسۂ چشمست ساقی را بنام ایزد
نام خدا، ساقی کی آنکھوں کے پیالہ میں کیسی شراب ہے!
کہ مستی میکند با عقل و می آرد خمارے خوش
جو عقل کے ساتھ مستی کرتی ہے اور بہترین نشہ لاتی ہے

ہر آنکس را کہ بر خاطر ز عشقِ دلبرے بار یست
جو شخص کسی معشوق کے عشق کا دل پر بوجھ رکھتا ہے
سپندے گو بر آتش نہ کہ داری کار و بارے خوش
اس کو کہہ دو آگ پر تھوڑا کالا دانہ رکھے کیونکہ تیرا کاروبار اچھا ہے

بغفلت عمر شد حافظ بیا با ما بمیخانہ
اے حافظ غفلت میں عمر ختم ہو گئی، ہمارے ساتھ شرابخانہ میں
کہ شنگولانِ سرمستت بیاموزند کارے خوش
تاکہ مست معشوق تجھے ایک بہتر کام سکھائیں

۱۔ جبکہ ٹھیکری کی وجہ سے لعل کا بازار پھیکا ہے، تو اس کا دل خون ہو جانا چاہیئے۔
۲۔ بلبل گل کے فیض سے چہچہاتی ہے۔
۳۔ کوچۂ عشق میں بلائیں ہیں۔
۴۔ صوفی میں اگر کچھ نخوت ہے تو دو چار جام اس کو اور پلا دو
۵۔ یہ سارے اسباب عیش مہیا ہیں، طبع شعر سے مراد یہ ہے کہ ایسا پر لطف سماں ہے کہ دل شعر کہنے پر آمادہ ہے۔
۶۔ چونکہ تو وصل کا قدردان ہے خدا کرے تجھے یہ عیش موافق آجائے
۷۔ عیش کا جو وقت بھی میسر آجائے اس کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔
۸۔ عشق کی دولت کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالا دانہ آگ پر جلانا چاہیے۔

ما آزمودہ ایم دریں شہر بختِ خویش
اس شہر میں ہم نے اپنا مقدر آزما لیا ہے
باید بروں کشید ازیں ورطہ رختِ خویش
اس بھنور سے اپنا سامان باہر کھینچنا چاہیے

از بسکہ دست می گزم و آہ می کشم
بے حد سے زیادہ ہاتھ کاٹتا ہوں اور آہ بھرتا ہوں
آتش زدم چو گل بتنِ لخت لختِ خویش[1]
میں نے پھول کی طرح اپنے پارہ پارہ جسم میں آگ لگادی ہے

دوشم ز بلبلے چہ خوش آمد کہ می سرود[2]
کل مجھے بلبل کی بات کیسی بھلی معلوم ہوئی جبکہ وہ گا رہی تھی
گل گوش پہن کردہ ز شاخِ درختِ خویش
پھول نے اپنے درخت کی شاخ سے کان کھول رکھے تھے

کاے دل صبور باش کہ آں یارِ تندخوی
کہ اے دل! صبر کر کہ وہ بد مزاج یار
بسیار تند خوے نشیند ز بختِ خویش[3]
اپنے نصیبہ کی وجہ سے بہت بد مزاج بنکر بیٹھا ہے

گر موج خیز حادثہ سر بر فلک زند
اگر تھپیڑے مارنے والی معیبت آسمان تک بھی پہونچ جائے
عارف بآب تر نکند رختِ بختِ خویش
عارف اپنے نصیبہ کے سامان کو پانی میں تر نہیں کرتا ہے

خواہی کہ سخت و سستِ جہاں بر تو بگذرد
اگر تو چاہتا ہے کہ زمانہ کا سخت اور سست تجھ پر نہ گذرے
بگذر ز عہدِ سست و سخنہائے سختِ خویش
اپنے کچے وعدے، اور سخت باتوں سے باز آجا

اے حافظ ار مراد میسر شدے مدام
اے حافظ! اگر مراد ہمیشہ حاصل ہو جایا کرتی
جمشید نیز دور نماندے ز تختِ خویش[4]
جمشید بھی اپنے تخت سے دور نہ رہتا

من خرابم ز غمِ یارِ خراباتیِ خویش
میں اپنے خراباتی معشوق کے غم میں خراب ہو رہا ہوں
میزند غمزۂ او ناوکِ غم بر دلِ ریش
زخمی دل پر، اس کی ادا غم کا تیر مارتی ہے

با تو پیوستم و از غیرِ تو دل ببریدم
میں تجھ سے پیوستہ ہو گیا ہوں اور تیرے غیر سے دل ہٹا لیا ہے
آشنائے تو ندارد سرِ بیگانہ و خویش
تیرا آشنا اپنے، اور غیر کا خیال نہیں رکھتا ہے

بعنایت نظرے کن کہ منِ دل شدہ را
مہربانی کی نظر کر، اس لیے کہ مجھ دل گمشدہ کا
نرود بے مددِ لطفِ تو کارے از پیش[5]
تیری مہربانی کی مدد کے بغیر کوئی کام آگے نہیں بڑھتا ہے

آخر اے پادشہِ حسن و ملاحت چہ شود
اے حسن اور ملاحت کے بادشاہ! آخر کیا ہو جائے گا؟
گر لبِ لعلِ تو ریزد نمکے بر دلِ ریش[6]
اگر تیرا لعل جیسا ہونٹ زخمی دل پر نمک چھڑک دے گا

خرمنِ صبرِ منِ سوختہ دل داد بباد
مجھ سوختہ دل کے صبر کا کھلیان، برباد کر دیا
چشمِ مستِ تو کہ بکشاد کمیں از پس و پیش
تیری مست آنکھ نے جس نے آگے پیچھے سے گھات لگادی

گر چلیپائے سرِ زلف ز ہم بکشاید[7]
اگر وہ زلف کا چلیپا، کھول دے
بس مسلماں کہ شود کشتۂ آں کافر کیش
بہت سے مسلمان اس کافر مذہب کے مقتول ہو جائیں گے

پس زانو منشین و غمِ بیہودہ مخور
فکر میں نہ بیٹھ، اور بیہودہ غم نہ کر
کہ ز غم خوردنِ تو رزق نگردد کم و بیش
اس لیے کہ تیرے غم کھانے سے رزق کم و بیش نہیں ہو سکتا ہے

چونکہ ایں کوشش بیفائدہ سودے ندہد
چونکہ یہ بے فائدہ کوشش، کوئی فائدہ نہیں دیتی ہے
بس میازار دلِ خود ز غم اے دور اندیش
تو اے دور اندیش! غم سے اپنے دل کو نہ ستا

[1] پھول کی پتیاں چونکہ سرخ ہوتی ہیں لہٰذا گویا کہ انہیں آگ لگی ہوئی ہے۔

[2] بلبل گا رہی تھی اور پھول غور سے سن رہا تھا بلبل کا گانا اگلے شعر میں مذکور ہے۔

[3] یعنی پھول چونکہ چند روزہ زندگی رکھتا ہے اس لیے اپنی ناپائداری کے رنج میں ہے۔

[4] اگر ہر شخص کی مراد پوری ہو کرتی تو جمشید کی سلطنت ختم نہ ہوتی

[5] مقصد کی کامیابی محبوب کی نظر عنایت پر موقوف ہے۔

[6] اگر زخمی دل پر ذرا سی نمک پاشی کر دے گا تو تیرے نمک میں کمی نہ آئے گی۔

[7] چلیپا، صلیب کی شکل کو کہتے ہیں یہاں مراد زلف ہے زلف کو کفر مذہب اس لیے کہا ہے کہ وہ کالی ہے۔

پرسش حالِ دلِ سوختہ کن بہرِ خدا
خدا کے لیے جلے دل کے حال کی پرسش کر

نیست از شاہ عجب گر بنوازد درویش
بادشاہ سے تعجب نہیں ہے اگر درویش کو نوازے

حافظ از نوشِ لبِ لعلِ تو کامے نگرفت
تیرے لعل جیسے ہونٹ کے تریاق سے حافظ نے کوئی مقصد پورا نہ کیا

کہ نزد بر دلِ ریشش دو ہزاراں سرِ نیش
جب تک کہ اس کے زخمی دل پر دو ہزار ڈنگ نہ مارے

مجمعِ خوبی و لطف ست عذارِ چو مہش
اس کا چاند جیسا رخسار خوبی اور پاکیزگی کا مجموعہ ہے

لیکنش مہر و وفا نیست خدایا بدہش
لیکن اس میں محبت اور وفا نہیں ہے اے خدا اس کو عطا فرما

دلبرم شاہد و طفل ست ببازی روزے
میرا دلبر معشوق ہے اور بچہ، کسی دن کھیل کود میں

بکشد زارم و در شرع نباشد گنہش
مجھے بری طرح قتل کر ڈالے گا اور شریعت میں اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا

چاردہ سالہ بتے چابک و شیریں دارم
میں ایک چودہ سالہ ایسا چالاک اور میٹھا بت رکھتا ہوں

کہ بجاں حلقہ بگوش ست مہِ چاردہش
کہ چودھویں کا چاند دل سے اس کا غلام ہے

من ہماں بہ کہ از و نیک نگہ دارم دل
میرے لیے یہی بہتر ہے کہ اس سے دل کو خوب بچا کر رکھوں

کہ بد و نیک ندیدہ است و ندارد نگہش
کیونکہ اس نے اچھا اور برا نہیں دیکھا ہے اور وہ اس کی حفاظت نہ کریگا

بوئے شیر از لبِ ہمچوں شکرش می آید
اس کے شکر جیسے ہونٹوں سے دودھ کی خوشبو آتی ہے

گرچہ خوں میچکد از شیوۂ چشمِ سیہش
اگرچہ اس کی کالی آنکھوں کے شیوے سے خون ٹپکتا ہے

در پئے آں گلِ نورستہ دلِ ما یارب
اس نوخیز پھول کے پیچھے، اے خدا ہمارا دل

خود کجا شد کہ ندیدیم دریں چند گہش
خود کہاں چلا گیا کہ ہم نے اس کو بہت دنوں سے نہیں دیکھا ہے

یارِ دلدارِ من ار قلب بدینساں شکند
میرا دلدار یار، اگر اسی طرح دل شکنی کرے گا

بہ بَرد زود بہ سرداریِ خود پادشہش
بادشاہ اس کو جلد اپنی سرداری میں لے لیگا

جاں بشکرانہ کنم صرف گر آں دانۂ دُر
میں شکرانہ میں جان خرچ کر دوں گا اگر اس موتی کے دانہ کیلئے

صدفِ دیدۂ حافظ شود آرام گہش
حافظ کی آنکھ کی سیپ، آرام گاہ بن جائے

مرا کاریست مشکل بادلِ خویش
مجھے اپنے دل سے ایک ایسا مشکل کام ہے

کہ گفتن می نیارم مشکلِ خویش
کہ میں اپنی مشکل بیان بھی نہیں کرسکتا ہوں

خیالت داند و جانِ من از غم
تیرا تصور، اور میری جان جانتی ہے کہ غم کی وجہ سے

کہ ہر شب در چہ کارم بادلِ خویش
ہر رات اپنے دل کے ساتھ، کس کام میں لگا ہوں

زوالپس ماندگاں یاد کن آخر
پچھڑے ہوؤں کو، ذرا یاد کر، آخر

چہ رانی تند یارا محملِ خویش
اے دوست اپنے کجاوے کو تیز کیوں ہنکا رہا ہے؟

بسے گشتم چو مجنوں کوہ و صحرا
میں مجنوں کی طرح، پہاڑ، اور جنگل میں بہت گھوما

مگر یابم سراغ از منزلِ خویش
شاید کہ اپنی منزل کا، سراغ پالوں

۱؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را
۲؎ عشق میں سینکڑوں مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد کچھ راحت ملتی ہے۔
۳؎ محبوب میں وفا کے سوا سب ہی خوبیاں ہیں خدا کرے یہ خوبی بھی اس کو حاصل ہو جائے
۴؎ معشوق کم سن ہے اگر قتل بھی کر ڈالے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔
۵؎ چودہ سالہ معشوق ہے اور چودھویں کا چاند اُس کا غلام ہے۔
۶؎ چونکہ کمسن معشوق ہے ابھی ناتجربہ کار ہے دل کی حفاظت نہ کر سکے گا۔
۷؎ کمسنی کی وجہ سے منہ سے دودھ کی خوشبو آتی ہے لیکن آنکھیں خونی ہیں۔
۸؎ قلب سے مراد دل اور وسط لشکر ہوتا ہے یعنی چونکہ اس میں قلب شکنی کی طاقت ہے تو بادشاہ اس کو فوج کا سردار بنادیگا۔
۹؎ مجھے اپنے دل سے ایسا مشکل کام آن پڑا ہے جس کا بتانا بھی مشکل ہے۔
۱۰؎ تیرے تصور میں جان اور دل غم سے گھل رہے ہیں۔

مرادر اوّلِ منزل رہ اُفتاد ¹ | گم آمد کشتیم در ساحلِ خویش
میں منزل کی ابتدا ہی میں، بھٹک گیا | اپنے ساحل پر، میری کشتی نہ گئی

چہ فرصتہا کہ گم کردم دریں راہ | زبختِ خوابناکِ غافلِ خویش
کس قدر مواقع ہیں جو میں نے اس راہ میں کھودیئے | اپنے خوابیدہ، غافل نصیبہ کی وجہ سے

گم از جولانے آخر در رہِ ما
آخر ہمارے راستہ میں، ایک بار تو آجا

چو² حافظ خاک کرد آب و گلِ خویش
جبکہ حافظ، نے اپنے جسم کو خاک بنادیا ہے

ہاتفے از گوشۂ میخانہ دوش | گفت ببخشند گنہ مے بنوش
شراب خانہ کے کونے سے، کل ایک ہاتف نے | کہا، گناہ بخش دیں گے، شراب پی

عفوِ الٰہی³ بکند کارِ خویش | مژدۂ رحمت برساند سروش
خدا کی بخشش، اپنا کام کرتی ہے | غیبی فرشتہ رحمت کی خوشخبری دیتا ہے

ایں خردِ خام بمیخانہ بر | تا مئے لعل آوردش خوں بجوش
اس کچی عقل کو، شراب خانہ میں لیجا | تاکہ سُرخ شراب اُس کے خون کو جوش میں لائے

عفوِ خدا بیشتر از جرمِ ماست | نکتۂ سربستہ چہ گوئی خموش
خدا کی بخشش، ہمارے گناہوں سے زیادہ ہے | پوشیدہ نکتہ، کیوں بتاتا ہے، چپ رہ

گرچہ⁴ وصالش نہ بکوشش دہند | ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش
اگرچہ اس کا وصل کوشش سے نہیں دیتے ہیں | اے دل، تجھ سے جس قدر، ہوسکے کوشش کر

گوشِ من و حلقۂ گیسوئے یار | روئے من و خاکِ درِ مے فروش
میرا کان ہے، اور یار کی زلف کا حلقہ | میرا چہرہ ہے اور شراب فروش کے در کی خاک

داورِ دیں شاہِ شجاع آنکہ کرد | روحِ قدس حلقۂ امرش بگوش
دین کا حاکم، شاہ شجاع وہ ہے کہ ڈال لیا ہے | جبرئیل نے، اس کے حکم کا حلقہ کان میں

اے مَلِکُ العرش مُرادش بدہ | وز خطرِ چشمِ بدش دار گوش
اے عرش کے بادشاہ، اس کی مراد پوری کر | اور نظرِ بد کے خطرے سے اس کی حفاظت کر

رندیِ حافظ نہ گناہیست صعب
حافظ کی رندی، کوئی بڑا گناہ نہیں ہے

با کرمِ پادشہِ عیب پوش
عیب پوش، بادشاہ کے کرم کے سامنے

یاربّ⁵ آں نوگلِ خنداں کہ سپردی بمنش | میسپارم بتو از چشمِ حسودِ چمنش
اے خدا جو مسکراتا ہوا نیا پھول تو نے میرے سپرد کیا ہے | باغ کے حاسدوں کی نظرِ بد سے اسکو میں تیرے سپرد کرتا ہوں

ہمرہِ⁶ اوست دلم باد بہر جا کہ رود | ہمّتِ اہلِ کرم بدرقۂ جان و تنش
میرا دل، اُس کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی جائے | اہلِ کرم کی توجہ اُس کی جان اور جسم کی محافظ ہو

۱؎ ہم پر شروع منزل ہی میں ڈاکہ پڑا اور ساحل پہونچے بدون کشتی تباہ ہوگئی۔
۲؎ حافظ نے اپنے جسم کو راستے کی خاک بنادیا ہے اس پر چلنے کی ایک بار تو زحمت کر
۳؎ گناہگاروں کو رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے، رحمتِ خداوندی گناہوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

شعر
گنہ زیادہ ہیں یا تری رحمت
کریم تو ہی بتادے حساب کر کے

۴؎ وصلِ یار اگرچہ کوشش سے حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ محض خدا کی دین ہے لیکن کوشش کرنا انسانی فرض ہے۔
۵؎ جو پھول تو نے میرے سپرد کیا ہے نظرِ بد سے بچانے کے لئے میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔
۶؎ محبوب جہاں بھی جائے گا میرا دل اسکے ساتھ ہے خدا کرے وہ زندہ و سلامت رہے۔

گر بسر منزلِ سلمیٰ رسی اے بادِ صبا
اے بادِ صبا اگر تو سلمیٰ کی منزل کے پاس پہونچے

چشم دارم کہ سلامے برسانی زِ منش
مجھے اُمّید ہے کہ تو میرا اسلام اسکو پہونچا دے گی

بادبؔ نافہ کشائی کُن ازاں زلفِ سیاہ
اس کالی زلف کی ادب سے خوشبو پھیلا

جائے دلہائے عزیز ست بہم برمزنش
وہ قیمتی دلوں کی جگہ ہے، اس کو درہم برہم نہ کر

چوں دلم حق وفا باخط و خالش دارد
چونکہ اس کے خط و خال پر میرا دل وفا کا حق رکھتا ہے

محترم دار در آن طرّۂ عنبر شکنش
اس کو اس عنبر شکن زلف میں باعزت رکھ

گرچہ از کوئے وفا گشت بصد مرحلہ دور
اگرچہ وہ وفا کے کوچہ سے سینکڑوں مرحلے دور ہوگیا ہے

دور باد آفتِ دورِ فلک از جان و تنش
آسمان کی گردش کی مصیبت اس کے جسم اور جان سے دور رہے

در مقامیکہ بیادِ لبِ او مے نوشند
جس مقام پر، اس کے ہونٹوں کی یاد میں شراب پیتے ہیں

سفلہ آں مست کہ باشد خبر از خویشتنش
وہ مدہوش کمینہ ہے، جس کو اپنی خبر رہے

عرض و مال از درِ میخانہ نشاید اندوخت
سامان اور مال شراب خانہ کے دروازے بچانا نہ چاہیے

ہر کہ ایں آب خورد رخت بدریا فگنش
جو یہ پانی پیئے، اس کا سامان دریا میں ڈال دو

ہر کہ ترسد ز ملالِ اندہِ عشقش نہ حلال
جو تکلیف سے ڈرے، عشق کا غم اس کے لیے جائز نہیں ہے

سرِ ما و قدمش یا لبِ ما و دہنش
ہمارا سر ہے اور اس کے قدم یا ہمارے ہونٹ ہیں اور اس کا منہ

شعرِ حافظ ہمہ بیت الغزلِ معرفت ست
حافظ کے سب شعر معرفت کے بیت الغزل ہیں

آفریں بر نفسِ دلکش و لطفِ سخنش
اس کے دلکش سانس اور کلام کی پاکیزگی کو آفرین ہے

ردیفِ صادِ مہملہ

از رقیبِ دلم نیافت خلاص
میرے دل کو تیرے رقیب سے چھٹکارا نہ ملا

زانکہ القاصُ لایُحِبُّ القاص
اس لیے کہ قصہ گو، قصہ گو سے محبت نہیں کرتا ہے

محتسب خُم شکست و من سرِ او
محتسب نے مٹکا پھوڑا، اور میں نے اس کا سر

سِنُّ بالسِّنِّ وَالجُرُوحُ قصاص
دانت کا بدلہ دانت، اور زخموں کا بدلہ زخم

مطربِ ما رہے بزد کہ بچرخ
ہمارے مطرب نے ایسا ساز چھیڑا کہ آسمان پر

مشتری ہمچو زہرہ شد رقّاص
مشتری، زہرہ کی طرح ناچنے والی بن گئی

گوہر از بحر کے بروں آرد
سمندر سے، موتی کب باہر نکالے گا

ترکِ سر تا نمی کند غوّاص
جب تک غوطہ خور سر کی پروا نہ چھوڑے

نقدے از عشق جوئی نہ از عقل
کوئی سرمایہ، عشق سے مانگ، نہ کہ عقل سے

تا کہ خالص شوی چو زرِ خلاص
تاکہ کٹھالی کے سونے کی طرح، تو بھی خالص بنجائے

۱؎ یہ بھی صبا کو خطاب ہے یعنی محبوب کی زلف کو پریشان نہ کر ورنہ بہت سے دل پریشان ہو جائیں گے۔

۲؎ جس محفل میں محبوب کے ہونٹوں کی یاد پر شراب نوشی ہو رہی ہو اگر کوئی مست ہوش میں رہے تو وہ کمینہ ہے۔

۳؎ شراب خانہ کے دروازہ پر پہونچکر مال اور سامان کو لٹا دینا چاہیے

۴؎ بیت الغزل وہ شعر کہلاتا ہے جو غزل میں سب سے اچھا ہو۔ حافظ کے تمام اشعار بیت الغزل ہیں۔

۵؎ مشہور ہے کہ ع
دو بوم ہم نشیں بامِ خود را دشمن
لہذا دل اور رقیب کی کسی طرح نہیں بنتی ہے

۶؎ محتسب نے شراب کا مٹکا پھوڑا میں نے شرعی فیصلہ کے مطابق اسکا سر پھوڑ دیا اس لیے کہ قرآن کا حکم ہے دانت کا بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ زخم ہے۔

حافظ اوّل ز مُصحفِ رخِ دوست
حافظ نے سب سے پہلے دوست کے چہرے کے قرآن سے

خواند الحمد و سورۂ اخلاص
الحمدُ للہ اور سورۂ اخلاص پڑھی

نیست کس را ز کمندِ سرِ زلفِ تو خلاص
تیری زلف کی کمند سے کسی کو رہائی نہیں ہے
میکشی عاشقِ مسکین و نترسی ز قصاص
مسکین عاشق کو تو قتل کرتا ہے اور انتقام سے نہیں ڈرتا

عاشقِ سوختہ دل تا بہ بیابانِ فنا
سوختہ دل عاشق جب تک فنا کے بیابان میں
نرود در حرمِ دل نشود خاصُ الخاص
نہ جائیگا دل کے حرم میں، خاص الخاص نہ بنے گا

جاں نہادم بمیاں شمع صفت از سرِ شوق
شوق کی وجہ سے میں نے شمع کی طرح جان درمیان میں رکھدی
کردم ایثارِ تنِ خویش ز روئے اخلاص
اخلاص کی وجہ سے میں نے اپنا جسم قربان کردیا

آتشے در دلِ دیوانۂ ما در زدۂ
تو نے ہمارے دیوانہ دل میں ایسی آگ لگادی ہے
کہ چو دُودیم ہمیشہ بہوایت رقّاص
کہ تیری محبت میں مسلسل دھوئیں کی طرح ہم ناچ رہے ہیں

کیمیائے غمِ عشقِ تو تنِ خاکی را
تیرے عشق کے غم کی کیمیا، خاکی جسم کو
زرِ خالص کند ار چند بود ہمچو رصاص
خالص سونا کردیتی ہے خواہ وہ کتنا ہی رانگ کی طرح ہو

بہوا داریِ آں شمع چو پروانہ وجود
اس شمع کی محبت میں، پروانہ کی طرح وجود کو
تا نسوزی نشوی از خطرِ عشق خلاص
جب تک تو نہ جلادے گا تجھے عشق کے خطرے سے خلاصی حاصل نہ ہوگی

ناوکِ غمزۂ او دست بَرد از رستم
اس کے غمزہ کے تیر نے رستم سے بازی جیت لی
حاجبِ ابروئے او بُرد گروِ از وقّاص
اس کی ابرو کا درباں، وقّاص سے بازی لے گیا

قیمتِ دُرِّ گرانمایہ چہ دانند عوام
گرانمایہ موتی کی قیمت، عوام کیا جانیں؟
حافظا گوہرِ یکدانہ مدہ جز بخواص
اے حافظ! دُرِ یکتا، خواص کے علاوہ کسی کو نہ دے

ردیفِ ضادِ معجمہ

بیا کہ می شنوم بوئے جاں ازاں عارض
آجا، کیونکہ میں اس رخسار سے جان کی خوشبو سونگھتا ہوں
کہ یافتم دلِ خود را نشاں ازاں عارض
اس لیے کہ مجھے اپنے دل کا پتہ اسی رخسار سے ملا ہے

بگِل بماند قدِ سروِ ناز از آں قامت
سروِ ناز کا قد، اس قد کی وجہ سے مٹی میں پھنس گیا
خجل شدہ است گُلِ گلستاں ازاں عارض
باغ کا پھول، اس رخسار سے شرمندہ ہوگیا ہے

معانی کہ ز حوراں بشرح می گویند
جو خوبیاں، حوروں کی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں
ز حسن و لطف بریں ایں بیان ازاں عارض
اس رخسار سے یہ بیان حسن اور پاکیزگی کے ساتھ دریافت کر

---

۱ شعر: ز جہ نکل ایں قرآں ہر زماں کہ بخوانم
ہر گفتار معشوق است گر قرآں سن دانم
۲ عاشق خواص میں جب شمار ہوگا جبکہ فنا فی المعشوق کا درجہ طے کرے گا۔
۳ کمالِ عشق یہی ہے کہ عاشق اپنے وجود کو قربان کردے۔
۴ دھواں چکر کاٹتا ہوا اٹھتا ہے۔
۵ راہِ عشق کے خطرات سے عاشق جب ہی محفوظ ہوتا ہے جبکہ اپنے وجود کو ختم کردے۔
۶ وقّاص کے لغوی معنی گردن توڑنیوالے کے ہیں یہاں مراد کوئی کمان گر ہے یا حضرت سعد بن ابی وقاص مراد ہیں۔
۷ معشوق کے قد سے شرما کر سرو زمین میں گڑ گیا ہے۔

گرفتہ[1] نافہ چیں بوئے مشک ازآں گیسو
اس زلف سے چین کے نافے نے مشک کی خوشبو حاصل کی ہے
گلاب یافتہ بوئے چناں ازآں عارض
گلاب نے ایسی اچھی خوشبو اس رخسار سے حاصل کی ہے

بشرم رفتہ تنِ یاسمن ازآں اندام
اس جسم سے یاسمن کا جسم شرمندہ ہے
بخوں نشستہ گلِ ارغواں ازآں عارض
اس رخسار کی وجہ سے گلِ ارغواں خون میں نہایا ہوا ہے

زمہرِ روئے تو خورشید گشتہ غرق عرق
تیرے چہرے کے آفتاب سے سورج پسینہ میں ڈوبا ہوا ہے
نزار[2] ماندہ مہِ آسماں ازآں عارض
اس رخسار کی وجہ سے آسمان کا چاند لاغر بنا ہوا ہے

زنظمِ دلکشِ حافظ چکید آبِ حیات
حافظ کی دل کش نظم سے آبِ حیات اس طرح ٹپکتا ہے
چنانکہ خوی شدہ جاناں چکد ازآں عارض
جس طرح پسینہ میں نہائے ہوئے معشوق کے رخسار سے پسینہ ٹپکتا ہے

حسن و جمالِ تو جہاں جملہ گرفت طول و عرض
تیرے حسن اور جمال نے تمام جہان کے طول اور عرض پر قبضہ کر لیا ہے
شمسِ فلک خجل شدہ از رخِ خوب ماہ عارض
زمین کے چاند کے حسین رخ سے آسمان کا سورج شرمندہ ہے

از[3] رخِ تست مقتبس نورِ ز چہارم آسماں
چوتھے آسمان کا سورج تیرے رخ سے نور حاصل کرنے والا ہے
ہمچو زمیں ہفتمیں ماندہ بزیرِ بارِ قرض
ساتویں زمین کی طرح، قرض کا زیر بار ہے

دیدنِ حسنِ روئے تو برہمہ خلق واجب است
تیرے چہرے کے حسن کا دیکھنا تمام مخلوق پر واجب ہے
سجدۂ درگہ تو شد برہمہ شاہ ارض فرض
تیری درگاہ کا سجدہ زمین کے تمام بادشاہوں پر فرض ہے

گر[4] لبِ روح پرورت گلشکرے نبخشدم
اگر تیرا روح پرور ہونٹ، مجھے گلقند نہ بخشے گا
کے تنِ دردمندِ من رستہ شود ازیں مرض
میرا دردمند جسم اس مرض سے کس طرح نجات پائے

بوسہ بخاکِ پائے او دست کجا دہد ترا
اس کی خاکِ پا کا بوسہ تجھے کب میسر آسکتا ہے
قصۂ شوق حافظا خود کہ رساندش بعرض
اے حافظ! عشق کا قصہ خود اس کی خدمت میں پیش کرے گا

سوادِ[5] دیدۂ من شد زآبِ چشم بیاض
آنسوؤں کی وجہ سے میری آنکھ کی سیاہی، سفیدی ہو گئی
ہنوز چند نگارا زمن کنی اعراض
اے معشوق! اب کب تک مجھ سے رو گردانی کرے گا

بیا[6] کنار بگیریم و آشتی بکنیم
آجا، ہم بغلگیر ہوں، اور صلح کر لیں
گذشتہ یاد چہ آری مضیٰ مضیٰ ما ماض
گزشتہ باتوں کو کیا یاد کرتا ہے، گزرا، گزرا جو گزرنے والا تھا

چہ تیزی ست بمژگانِ چشم او یارب
اے خدا! اس کی آنکھوں کی پلکوں میں کس قدر تیزی ہے
برید جامۂ تقویٰ بغمزہ چوں مقراض
تقوے کے جامہ کو اس نے قینچی کی طرح غمزے سے کاٹ دیا

چو[7] عکسِ زلف و رخت درمیانِ چشم افتاد
جب تیری زلف اور رخ کا عکس آنکھ میں پڑا
گرفت دیدۂ مردم ازاں سواد و بیاض
انسانوں کی آنکھ کو اسی سے سیاہی اور سفیدی حاصل ہوئی

غزل بقافیۂ ضاد نایدا اے حافظ
اے حافظ! ضاد کے قافیہ کی غزل نہیں کہی جا سکتی
مگر ہم از تو بیابد طبیعتِ فیاض
شاید فیاض طبیعت، تجھ سے حاصل کرے

[1] مشک نے اس کی زلف سے اور گلاب نے اُس کے رخسار سے رنگ و بو حاصل کی ہے۔
[2] پہلی رات کا چاند اس کے رخسار کے رشک سے لاغر بنا ہوا ہے۔
[3] سورج معشوق کے چہرے سے نور حاصل کرتا ہے روئے زمین پر معشوق کا نور پھیلا ہوا ہے۔
[4] میرا مرض تیرے ہونٹ کے گلقند سے ہی شفایاب ہوگا۔
[5] تیرے فراق میں روتے روتے آنکھوں کی پتلیاں سفید ہو گئی ہیں۔
[6] گزشتہ شکووں کو بھلا کر بغلگیر ہو جا۔
[7] آنکھ کی سیاہی اور سفیدی محبوب کی زلف اور رخ سے قائم ہے۔

ردیفِ طائے مہملہ

گردِ عذارِ یارِ من تا بنوشت حسن خط
میرے معشوق کے رخسار کے گرد جب سے حسن نے خط کھینچا ہے
ماہ زحسنِ روئے او راست فتادہ در غلط
اس کے چہرے کے حسن کی وجہ سے چاند واقعی غلطی میں پڑ گیا ہے

از ہوسِ لبش کہ آں زآبِ حیات خوشتر است
اس کے ہونٹ کے عشق میں جو آبِ حیات سے بہتر ہے
گشت رواں ز دیدہ ام چشمۂ آب ہمچو شط
میری آنکھ سے، نہر جیسا چشمہ جاری ہو گیا ہے

خالِ سیاہ را بر آں عارضِ سیم رنگ بیں
اس چاندی جیسے رنگ والے رخسار پر سیاہ تل دیکھو
راست ز مشک ماندہ آں بر رخ ماہ یک نقط
بالکل مشک کا ایک نقطہ ہے جو چاند کے رخ پر قائم ہوا ہے

موئے کشادہ کردہ خوی تا بچمن در آمدی
پسینے میں نہائے ہوئے بال کھولے ہوئے جب تو چمن میں آیا ہے
شد رخ گل چو زعفراں مشک و گلاب شد سقط
گلاب کا رخسار زعفران کی طرح ہو گیا ہے، مشک اور گلاب گری پڑی چیز بن گئے

گہ بہواش میدہم گرد مثالِ جان و دل
کبھی اس کی محبت میں جان اور دل گرد کی طرح بناتا ہوں
گاہ بآب میکشم آتشِ عشق ہمچو بط
کبھی بط کی طرح عشق کی آگ کو پانی سے بجھاتا ہوں

گر بغلامی خودم شاہ قبول میکند
اگر مجھے بادشاہ اپنی غلامی میں قبول کرتا ہے
تا بمبارکی دہم بندہ بہ بندگیش خط
تو بیشک خادم اس کی غلامی کی تحریر مبارکی میں لکھ دے گا

آبِ حیات حافظا گشتہ خجل زنظمِ تو
اے حافظ! تیری غزل سے آبِ حیات شرمندہ ہوگیا
کس بہوائے عشق او شعر نگفتہ زیں نمط
اس کے عشق میں اس طریقہ پر کسی نے شعر نہیں کہا ہے

ردیفِ ظائے معجمہ

زچشمِ بد رُخِ خوبِ ترا خدا حافظ
نظرِ بد سے تیرے حسین رخسار کا خدا نگہبان ہو
کہ کرد جملہ نکوئی بجائے ما حافظ
اس لیے کہ اے حافظ! اس نے ہمارے ساتھ ساری بھلائیاں کی ہیں

اگرچہ خونِ دلت خورد لعلِ او لیستاں
اگرچہ اس کے ہونٹ نے تیرے دل کا خون پی لیا ہے، لے لے
بکامِ دل زلبش بوسہ خوں بہا حافظ
اے حافظ! دل کے مدعا کے مطابق خون بہا میں اس کے ہونٹ کے بوسے

بزلف و خالِ بتاں دل مبند دیگر بار
حسینوں کی زلف اور تل میں دوبارہ دل نہ پھنسا
اگر بجستی ازیں بند و ایں بلا حافظ
اے حافظ! اگر تو اس قید اور مصیبت سے بچ نکلا ہے

بیا کہ نوبتِ صلح ست و دوستی و صفا
آجا، کہ خلوص اور دوستی اور صلح کا وقت ہے
کہ با تو نیست مرا جنگ و ماجرا حافظ
اس لیے کہ اے حافظ! مجھ سے میری کوئی لڑائی اور قصہ نہیں ہے

۱؎ معشوق کے چہرے کے گرد خط نے مزید حسن پیدا کر دیا ہے، چنانچہ چاند نے اس کو آفتاب سمجھ کر اس سے نور حاصل کرنے کا خیال کیا جو واقعی غلط خیال ہے۔
۲؎ معشوق کے رُخ پر تل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ چاند پر مشکیں نقطہ
۳؎ اگر شاہ غلامی میں قبول کرے تو مبارکبادی میں خطِ غلامی لکھ کر پیش کروں۔
۴؎ حافظ کے دل کا خون بہا یہی ہے کہ قاتل کے ہونٹ کے چند بوسے دلا دیئے جائیں۔

تو از کجا و اُمیدِ وصالِ او ز کجا
تو کہاں اور اس کے وصل کی امید کہاں
بدامنش نرسد دستِ ہر گدا حافظ
اے حافظ اسکے دامن تک ہر گدا کا ہاتھ نہیں پہونچتا ہے

چہ ذوق یافت دلِ من ز وصلِ آں محبوب
اس محبوب کے وصل سے میرے دل نے کیا مزا پایا
مراست تحفۂ جاں بخش دلرُبا حافظ
اس لیے کہ اے حافظ! مجھے دلربا کا جاں بخش تحفہ حاصل ہے

بیا بخواں غزلِ خوب و طرفہ و پُر سوز
آ، پُر درد، اور عجیب، اور اچھی غزل پڑھ
کہ شعرِ تست فرح بخش و جانفزا حافظ
اس لیے کہ اے حافظ تیرے اشعار فرحت بخشنے والے اور جانفزا ہیں

ردیفِ عین مُہملہ

بفرِّ دولتِ گیتی فروز شاہِ شجاع
شاہ شجاع کی دنیا کو روشن کرنے والی حکومت کے دبدبہ کی قسم
کہ ہست در نظرِ من جہاں حقیر متاع
کہ دنیا میری نگاہ میں ایک ذلیل پونجی ہے

صراحیے¹ و حریفے خوشم ز دنیا بس
تمام دنیا میں بس ایک صراحی اور اچھا دوست میرے لیے کافی ہے
کہ غیر ازیں ہمہ اسبابِ تفرقہ است و صداع
اس لیے کہ اس کے علاوہ سب پریشانی اور دردِ سر کے اسباب ہیں

مگوئی² وعظ و بجامے بدل کن ایں شفقت
وعظ کہہ، اور اس شفقت کو ایک جام میں تبدیل کر دے
کہ نیست با تو کسے را بہیچ گونہ نزاع
پھر کسی کا تجھ سے، کوئی جھگڑا نہیں ہے

ز مسجدم بخرابات میفرستد عشق
عشق، مجھے مسجد سے خرابات میں بھیجتا ہے
بسر ہمیروم ایجاں نمی کنیم نزاع
اے جان! میں سر کے بل جا رہا ہوں، ہم کسی سے جھگڑا نہیں کرتے ہیں

بس ست وِردِ شبانہ مئے مُغانہ بیار
رات کا معمول کافی ہے، مُغوں کی شراب لا
حریفِ بادہ رسید اے رفیق تو بدوداع
شراب کا ساتھی پہونچ گیا ہے، اے تو بھی ساتھی رخصت ہو

ہنر³ نمی خرد ایام و غیر ازینم نیست
زمانہ ہنر نہیں خریدتا ہے اور میرے پاس اسکے سوا کچھ نہیں ہے
کجا روم بتجارت بایں کسادِ متاع
اس کھوٹی پونجی کو لیکر، تجارت کرنے کہاں جاؤں؟

بیار مے کہ چو⁴ خورشید مشعل افروزد
شراب لا اس لیے کہ جب آفتاب مشعل روشن کرتا ہے
رسد بکلبۂ درویش نیز فیضِ شعاع
فقیر کی کوٹھری میں بھی، شعاع کا فیض پہونچتا ہے

جبین و چہرۂ حافظ خدا جدا نکناد
خدا، حافظ کی پیشانی، اور چہرہ کو جدا نہ کرے
ز خاکِ بارگہِ کبریائے شاہِ شجاع
شاہِ شجاع کی بلند بارگاہ کی خاک سے

بامداداں کہ ز خلوتگہِ کاخِ ابداع
صبح کو جبکہ ایجاد کے محل کی خلوت گاہ سے
شاہِ خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع
مشرق کا بادشاہ، چاروں طرف شعاعیں ڈالتا ہے

¹ دنیا کی چیزوں میں سے معشوق اور صراحی کافی ہے باقی دردِ سر ہے۔
² اے واعظ اپنی شفقت کا مظاہرہ بجائے وعظ کے ایک جام کے ذریعہ کر۔
³ زمانہ میں ہنر کی کسادبازاری ہے اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی پونجی نہیں ہے۔
⁴ یعنی جب صبح کو سورج نمودار ہوتا ہے اور مشرق سے ناچتا ہوا آئینہ گھماتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور دنیا کو مختلف رنگوں میں دکھاتا ہے اور جمشید فلک کے رقص خانہ میں زہرہ ارغنوں سنبھالتی ہے تو چنگ شور کرتی ہے اور منکرین پر طعنہ زنی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ زمانہ کی حالت کو دیکھو عیش و عشرت میں وقت کاٹ دینا ہی بہترین کام ہے۔

بر کشد آئنہ از جیبِ افق چرخ زناں
افق کی جیب سے، گھماتے ہوئے، آئینہ نکالتا ہے

بنماید رخِ گیتی بہزاراں انواع
دنیا کا چہرہ، ہزاروں طرح سے دکھاتا ہے

وز زوایائے طرب خانۂ جمشیدِ فلک
آسمان کے جمشید کے طرب خانہ کے گوشوں سے

ارغنوں ساز کند زہرہ بآہنگِ سماع
زہرہ، گانے کے ارادہ سے ارغنوں بجاتی ہے

چنگ در غلغلہ آید کہ کجا شد منکر
چنگ شور کرتی ہے، کہ منکر کہاں گیا؟

جام در قہقہہ آید کہ کجا شد مناع
جام ٹھٹھا لگاتا ہے، کہ روکنے والا کہاں گیا؟

وضعِ دوراں بنگر ساغرِ عشرت برگیر
زمانہ کی حالت کو دیکھ، عیش کا ساغر تھام

کہ بہر حال ہمیں ست بہینِ اوضاع
اس لیے، کہ بہترین حالتیں لامحالہ یہی ہیں

طرّۂ شاہدِ دُنیا ہمہ مکر ست و فریب
دنیا کے معشوق کی زلف، تمام تر مکر اور فریب ہے

عارفاں بر سرِ ایں نکتہ نجویند نزاع
جانکار، اس نکتہ پر اختلاف نہیں کرتے ہیں

عمرِ خسرو طلب ار نفعِ جہاں مے طلبی
اگر تو دنیا کا نفع چاہتا ہے، بادشاہ کی عمر کی درازی چاہ

کہ وجودیست عطا بخش و کریم و نفّاع
اس لیے کہ وہ بڑا عطا بخشنے والا، سخی اور نفع رساں وجود ہے

مَظہرِ لُطفِ ازل روشنیٔ چشمِ امل
ازلی مہربانی کا مظہر ہے، امید کی آنکھ کی روشنی ہے

جامعِ علم و عمل جانِ جہاں شاہ شجاع
علم وعمل کا جامع ہے، شاہِ شجاع دنیا کی جان ہے

حافظا ار بادہ خوری با صنمِ گلرخ خور
حافظ اگر تو شراب پئے تو گلابی رخسار والے معشوق کے ساتھ پی

کہ ازیں بہ نبود در دو جہاں ہیچ متاع
اس لیے کہ دونوں جہان میں اس سے بہتر کوئی پونجی نہیں ہے

در وفائے عشقِ تو مشہورِ خوبانم چو شمع[1]
میں حسینوں میں شمع کی طرح تیرے عشق کی وفاداری میں مشہور ہوں

شب نشینِ کوئے سربازانِ و رندانم چو شمع
میں شمع کی طرح، سر کی بازی لگانیوالوں اور رندوں کے کوچہ میں تمام رات بیٹھنے والا ہوں

کوہِ صبرم نرم شد چوں موم از دستِ غمت[2]
تیرے غم کے ہاتھوں میرے صبر کا پہاڑ موم کی طرح نرم ہوگیا ہے

تا در آب و آتشِ عشقت گدازانم چو شمع
جب سے کہ تیرے عشق کے آب و آتش میں شمع کی طرح پگھل رہا ہوں

بے جمالِ عالم آرائے تو روزم شب ست
تیرے عالم کو سنوارنے والے جمال کے بدوں میرا دن رات ہے

با کمالِ عشقِ تو در عینِ نقصانم چو شمع[3]
تیرے عشق کے کمال کے ہوتے ہوئے میں شمع کی طرح عین گھاٹے میں ہوں

رشتۂ صبرم بمقراضِ غمت ببریدہ شد
میرے صبر کا دھاگا تیرے غم کی قینچی سے کاٹ دیا گیا

ہمچناں در آتشِ ہجرِ تو سوزانم چو شمع
تیرے ہجر کی آگ میں، اسی طرح شمع کی مانند جل رہا ہوں

گر کمیتِ اشکِ گلگونم نبودے تند رو
اگر میرے سرخ آنسوؤں کا گھوڑا، تیز رو نہ ہوتا

کے شدے پیدا بگیتی رازِ پنہانم چو شمع
میرا چھپا ہوا راز دنیا میں شمع کی مانند کب ظاہر ہوتا

روز و شب خوابم نمی آید بچشمِ غم پرست
میری غم پرست آنکھ میں دن رات نیند نہیں آتی ہے

بسکہ در بیماریٔ ہجرِ تو گریانم چو شمع
بس تیرے ہجر کی بیماری میں، شمع کی طرح روتا ہوں

در میانِ آب و آتش ہمچناں سرگرمِ تست
پانی اور آگ کے درمیان بھی اُسی طرح تیرے لئے سرگرم ہے

ایں دلِ زار و نزار و اشکبارانم چو شمع
میرا یہ دل جو عاجز اور لاغر ہے اور شمع کی طرح آنسو بہانیوالا ہے

[1] تیرے عشق میں حسینوں کی مجلس میں شمع کی طرح مشہور رہوں۔
[2] جب سے تیرے ہجر میں شمع کی طرح پگھل رہا ہوں میرا کوہِ صبر موم بن گیا ہے۔
[3] شمع ہر وقت پگھلتی اور گھٹتی رہتی ہے۔
[4] میں تو راز دار تھا آنسوؤں نے راز پھیلا دیا۔

در شبِ ہجراں مرا پروانۂ وصلے فرست
ہجر کی رات میں میرے پاس وصل کا پروانہ بھیج دے
ورنہ از آہے جہانے را بسوزانم چو شمع
ورنہ آہ کے ذریعہ ایک دنیا کو شمع کی طرح جلا ڈالوں گا

سرفرازم کن شبے از وصلِ خود اے ماہرو
اے چاند جیسے چہرے والے اس رات کو اپنے وصل سے مجھے کامیاب بنا
تا منور گردد از دیدارت ایوانم چو شمع
تاکہ شمع کی طرح تیرے دیدار سے میرا مکان منور ہو جائے

ہمچو صبحم یک نفس باقیست بے دیدارِ تو
تیرے دیدار کے بدوں میرا ایک سانس باقی ہے، صبح کی طرح مجھے
چہرہ بنما دلبرا تا جاں بیفشانم چو شمع
اے دلبر چہرہ دکھا تاکہ شمع کی طرح جان قربان کر دوں

آتشِ مہرِ ترا حافظ عجب در سر گرفت
تیرے عشق کی آگ، حافظ کے سر میں عجب لگی ہے
آتشِ دل کے بآبِ دیدہ بنشانم چو شمع
شمع کی طرح دل کی آگ کو آنکھ کے پانی سے کب بجھا سکتا ہوں

قسم بحشمتِ جاہ و جلالِ شاہِ شجاع
شاہ شجاع کے، جاہ و جلال کی حشمت کی قسم
کہ نیست با کسم از بہرِ مال و جاہ نزاع
کہ مال اور مرتبہ کے لئے میرا کسی سے جھگڑا نہیں ہے

بفیضِ جرعۂ جامِ تو تشنہ ایم ولے
ہم تیرے جام کے گھونٹ کے فیض کے پیاسے ہیں لیکن
نمی کنیم دلیری نمی دہیم صداع
ہم دلیری نہیں کرتے، دردِ سر نہیں دیتے

خدائے را بمئم شست و شوئے خرقہ کنید
خدا کے لیے میری گدڑی کو شراب کے ذریعہ پاک صاف کر دو
کہ من نمی شنوم بوئے خیر ازیں اوضاع
اس لیے کہ ان حالتوں سے مجھے خیر کی خوشبو نہیں آتی ہے

ببیں کہ رقص کناں میرود بنالۂ چنگ
دیکھ! چنگ کے نالہ پر ناچتا جا رہا ہے
کسے کہ اذن نمی داد بر استماعِ سماع
وہ، جو گانا سننے کی اجازت نہ دیتا تھا

بعاشقاں نظرے کن بشکرِ ایں نعمت
اس نعمت کے شکرانہ میں، عاشقوں کی طرف نظر کر
کہ من غلامِ مطیعم تو بادشاہِ مطاع
کہ میں فرمانبردار غلام ہوں، اور تو مطاع بادشاہ ہے

بر و ادیب و نصیحت مگو کہ دیگر تو
اے ادب سکھانے والے چلا جا اور نصیحت نہ کر اس لیے کہ پھر تو
نہ بینیم پس ازیں ہیچگہ بکنجِ بقاع
اس کے بعد زمین کے گوشہ پر، کسی جگہ مجھے نہ دیکھے گا

ز زہدِ حافظ و طاماتِ او ملول شدم
حافظ کے زہد کا اور اس کی بزرگی کی ڈینگوں سے میں ملول ہو گیا ہوں
بساز رود و غزل گوئی بر سرودِ سماع
رود بجا، اور قوالی کی لے میں غزل سنا

ردیفِ غینِ معجمہ

سحر چو بلبلِ بیدل دمے شدم در باغ
صبح کو بیدل بلبل کی طرح میں تھوڑی دیر کے لئے باغ میں گیا
کہ تا چو بلبلِ بیدل کنم علاجِ دماغ
تاکہ بے دل بلبل کی طرح، دماغ کا علاج کروں

---

۱ ہجر کی رات وصل کا پروانہ بھیج دے ورنہ آہ کے ذریعہ دنیا کو شمع کی طرح جلا ڈالوں گا پروانہ اور شمع کا جوڑ پر لطف ہے

۲ میں زندگی کے آخری سانس لے رہا ہوں چہرہ دکھا دے تاکہ شمع کی طرح میں بھی جان دیدوں جو صبح ہوتے ہی بجھ جاتی ہے۔

۳ پانی آنکھ سے جاری ہے آگ دل میں لگی ہے تو اس پانی سے وہ آگ کیسے بجھ سکتی ہے۔

۴ ہم خود بڑھ کر جام اٹھا لینے کی دلیری نہیں کرنا چاہتے ہیں ممکن ہے ناگواری کا سبب بن جائے

۵ گدڑی میں سے ریا کی بو آرہی ہے اس کو شراب سے دھو ڈالو۔

۶ وہ محتسب جو دوسروں کو سماع کی اجازت نہ دیتا تھا اب خود چنگ کی آواز پر رقص کر رہا ہے۔

بچہرۂ گُلِ سوری نگاہ میکردم
میں گلِ سوری کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا

کہ بود در شبِ تارے بروشنی چو چراغ
جو اندھیری رات میں روشنی دینے میں چراغ کی طرح تھا

چناں بحسن و جوانی خویشتن مغرور
اپنے حسن اور جوانی پر ایسا مغرور تھا

کہ داشت از دلِ بلبل ہزار گونہ فراغ
کہ بلبل کے دل سے ہزار طرح کی بے پروائی رکھتا تھا

کشادہ نرگسِ رعنا بحسرت آب از چشم
حسین نرگس حسرت میں آنکھ سے آنسو بہا رہی تھی

نہادہ لالۂ حمرا بجان و دل صد داغ
سُرخ لالہ، دل اور جان میں سو داغ رکھتا تھا

زباں کشیدہ چو تیغے بسرزنش سوسن
سوسن سرزنش کے لیے تلوار کی طرح زبان سونتے ہوئے تھی

دہاں کشادہ شقائق چو مردمانِ نباغ
گلِ لالہ دو بولیوں والے انسانوں کی طرح منہ پھیلائے ہوئے تھا

یکے چو بادہ پرستاں صراحی اندر دست
ایک بادہ پرستوں کی طرح، صراحی ہاتھ میں لیے تھا

یکے چو ساقیِ مستاں بکف گرفتہ ایاغ
ایک مستوں کے ساقی کی طرح پیالہ ہاتھ میں لیے تھا

نشاط و عیش جوانی چو گل غنیمت داں
خوشی اور جوانی کے عیش کو پھول کی طرح غنیمت سمجھ

کہ حافظا نبود بر رسول غیر بلاغ
اس لیے کہ اے حافظ رسول کی ذمہ داری بجز پیغام پہونچانے کے کچھ نہیں ہے

ردیفِ فائے موحدہ

طالع اگر مدد کند دامنش آورم بکف
نصیب اگر مدد کرے تو اس کا دامن ہاتھ سے پکڑ لوں گا

گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف
اگر میں اس کو کھینچ لوں زہے خوشی اور اگر وہ کھینچ لے زہے عزت

طرفِ کرم زکس نبست ایں دلِ پر امیدِ من
میرے اس امید والے دل نے کسی سے کرم کا فائدہ نہ اٹھایا

گرچہ صبا ہمی برد قصۂ من بہر طرف
اگرچہ صبا، میرا قصہ ہر طرف لیجا رہی ہے

چند بناز پرورم مہر بتانِ سنگدل
سنگدل محبوبوں کی محبت کو میں کہاں تک ناز سے پالوں

یاد پدر نمیکنند ایں پسرانِ ناخلف
یہ نالائق لڑکے اپنے باپ کو کبھی یاد نہیں کرتے ہیں

از خمِ ابروئے توام ہیچ کشایشے نشد
تیرے ابرو کے خم سے مجھے کوئی آرام نہ ملا

وہ کہ دریں خیالِ کج عمرِ عزیز شد تلف
ہائے اس غلط خیال میں پیاری عمر تلف ہو گئی

من بخیالِ زاہدی گوشہ نشین و طرفہ آنک
میں تقوے کے خیال سے گوشہ نشین ہوں اور تعجب ہے کہ

مُغبچہ ز ہر طرف میزندم بچنگ و دف
ایک مُغبچہ ہر طرف سے میرے لیے چنگ اور دف بجا رہا ہے

ابروئے دوست کے شود دست کشِ خیالِ من
دوست کی ابرو میرے خیال سے کب دست بردار ہو سکتی ہے

کس نزدست زیں کماں تیرِ مراد بر ہدف
اس کمان کے ذریعہ کسی نے نشانہ پر تیرِ مراد نہیں مارا ہے

بیخبرند زاہداں نقش بخوان و لاتقل
زاہد بے خبر ہیں، تو نقش پڑھ اور نہ بتا

مستِ ریاست محتسب بادہ بنوش و لاتخف
محتسب ریاکاری میں مست ہے، تو شراب پی اور نہ ڈر

ا؎ گلِ سوری اپنے حسن اور نوجوانی پر مغرور تھا اور بلبل کے عشق سے بے پرواہ تھا۔
۲؎ صبح کو نرگس کے پھول پر جو شبنم ہوتی ہے اس کو حسرت کے آنسوؤں سے تعبیر کیا ہے۔
۳؎ گلِ سوسن نیلے رنگ کا پھول ہے جس کی پتیوں کو زبان سے تشبیہ دیجاتی ہے، شقائق لالہ کے پھول کو کہتے ہیں۔
۴؎ حافظ کا یہی پیغام ہے جو پہلے مصرع میں دیا ہے۔
۵؎ دامن کھینچ لیا تو مقصد پورا ہوا اور اگر قتل کر دیا تو عزت ملی
۶؎ صبا نے میرے عشق کی داستان ہر جگہ کہی لیکن کہیں سے مدد حاصل نہ ہوئی ہے لہذا ان سے بھی ان سے وفا کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔
۷؎ میں زہد کے خیال سے گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں لیکن مُغبچے بیٹھنے نہیں دیتے ہیں۔

صوفیِ شہر بیں کہ چوں لقمۂ شبہہ میخورد[1]
شہر کے صوفی کو دیکھ ! حرام کا لقمہ کس طرح کھاتا ہے
پالدمش دراز باد ایں حیوانِ خوش علف
اس خوش خوراک جانور کی گردن کے بال اور دم دراز ہو

من بکدام دلخوشی مے خورم و طرب کنم
میں کس خوش دلی سے شراب پیوں، اور مستی کروں؟
کز پس و پیشِ خاطرم لشکرِ غم کشیدہ صف
اس لیے کہ میری طبیعت کے آگے پیچھے غم کے لشکر نے صف کھینچی ہے

حافظا گر قدم زنی در رہِ خاندانِ عشق
اے حافظ! اگر تو خاندانِ عشق کے راستہ میں قدم دھرے گا
بدرقۂ رہت شود ہمتِ شحنۂ نجف[2]
نجف کے کوتوال کی باطنی توجہ تیرے راستہ کی رہبر ہوگی

ردیفِ قاف

زبانِ[3] خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق
قلم کی زبان، فراق کے بیان کی طاقت نہیں رکھتی ہے
وگرنہ شرح دہم با تو داستانِ فراق
ورنہ تجھ سے فراق کی داستان کی تفصیل بیان کروں

رفیقِ خیلِ خیالیم و ہمرکابِ شکیب
ہم خیال کے لشکر کے ساتھی، اور صبر کے ہمرکاب ہیں
قرینِ محنت و اندوہ و ہمقرانِ فراق
محنت اور رنج کے ساتھی، اور فراق کے ملاقاتی ہیں

دریغ[4] مدتِ عمرم کہ بر امیدِ وصال
افسوس ہے میری عمر کی مدت پر کہ وصال کی امید میں
بسر رسید و نیامد بسر زمانِ فراق
ختم ہو چلی، اور فراق کا زمانہ ختم نہ ہوا

سرے کہ بر سرِ گردوں بفخر می سودم
وہ سر جس کو میں فخر سے آسمان کے سر سے لگاتا تھا
ز روئے عجز نہادم بر آستانِ فراق
عاجزی کی وجہ سے میں نے فراق کی چوکھٹ پر رکھ دیا

چگونہ[5] باز کنم بال در ہوائے وصال
وصال کی ہوا میں، پروں کو کیسے پھیلاؤں؟
کہ ریخت مرغِ دلم پر در آشیانِ فراق
اس لیے کہ میرے دل کے پرندے نے فراق کے آشیانہ میں پر گرا دیے ہیں

بسے[6] نماند کہ کشتیِ عمر غرقہ شود
زیادہ وقفہ نہیں رہا، کہ عمر کی کشتی ڈوب جائے
ز موجِ شوقِ تو در بحرِ بیکرانِ فراق
فراق کے لا انتہا سمندر میں تیرے شوق کی بیتابی کی وجہ سے

فلک چو دید سرم را اسیرِ چنبرِ عشق
میرے سر کو آسمان نے، جب عشق کے پھندے کا قیدی دیکھا
ببست گردنِ صبرم بریسمانِ فراق
تو میرے صبر کی گردن، فراق کی رسی سے کس دی

کنوں چہ چارہ کہ در بحرِ غم بگردابے
اب کیا تدبیر ہے ؟ کہ غم کے سمندر کے ایک بھنور میں
فتادہ کشتیِ صبرم ز بادبانِ فراق
فراق کے بادبان کی وجہ سے میرے صبر کی کشتی پھنس گئی ہے

چگونہ[7] دعوئے وصلت کنم بجاں کہ شدہ است
میں جان کے ذریعہ کس طرح سے تیرے وصل کا دعویٰ کروں اس لیے کہ
تنم وکیلِ قضا و دلم ضمانِ فراق
میرا جسم قضا کا وکیل اور میرا دل فراق کا ضامن ہو گیا ہے

فراق و ہجر کہ آورد در جہاں یارب
اے خدا فراق اور ہجر کو دنیا میں کون لایا تھا؟
کہ روئے ہجر سیہ باد و خانمانِ فراق
خدا کرے ہجر کا چہرہ، اور فراق کا گھر سیاہ ہو

۱۔ صوفی جو دوسروں کی کمائی کھاتا ہے ایک خوش خوراک جانور ہے خدا اس کی دم اور گردن کے بال دراز کرے۔

۲۔ نجف عراق کا وہی شہر ہے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدفون بتائے جاتے ہیں شحنۂ نجف سے وہی مراد ہیں یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باطنی توجہ تیری رہنمائی کرے گی۔

۳۔ داستانِ فراق بیان کرنیکی قلم میں طاقت نہیں ہے ورنہ اس کی خوب تشریح کرتا۔

۴۔ فراق کا زمانہ اس قدر دراز تھا کہ تمام عمر وصل کی امید میں ختم ہو گئی۔

۵۔ اب مرغِ دل بے بال و پر ہے اس میں پرواز کی طاقت نہیں رہی ہے۔

۶۔ اب زیادہ دیر نہیں ہے ہم عنقریب فراق میں جان دے دیں گے

۷۔ جبکہ جسم اور دل ہی ہمارا ساتھ نہیں دیتے ہیں ہم وصل کا دعویٰ کس طرح کریں؟

زسوزِ شوق دلم شد کباب دُورے از یار
دوست سے دور، عشق کی سوزش سے میرا دل کباب ہو گیا ہے

مدام خونِ جگر میخورم ز خوانِ فراق
میں ہمیشہ فراق کے دسترخوان سے خونِ جگر کھاتا ہوں

بپائے[۱] شوق گر ایں رہ بسر شدے حافظ
اے حافظ! اگر شوق کے پیر سے راستہ طے ہوتا

بدستِ ہجر ندادے کسے عنانِ فراق
فراق کی باگ، ہجر کے ہاتھ میں کوئی نہ دیتا

مباد کس چو منِ خستہ مبتلائے فراق
مجھ خستہ کی طرح، خدا کرے کوئی فراق میں مبتلا نہ ہو

کہ عمرِ من ہمہ بگذشت در بلائے فراق
اس لیے کہ میری تمام عمر فراق کی مصیبت میں بیتی

غریب[۲] و عاشق و بیدل فقیر و سرگرداں
میں، پردیسی اور عاشق اور بیدل اور فقیر اور حیران ہوں

کشیدہ محنتِ ایام و دردہائے فراق
زمانے کی مصیبت اور فراق کے درد اٹھائے ہوئے ہوں

اگر بدست[۳] من افتد فراق را بکشم
اگر میرے ہاتھ پڑ جائے تو فراق کو مار ڈالوں

بآبِ دیدہ دہم باز خونبہائے فراق
اور پھر فراق کا خون بہا آنسوؤں سے ادا کروں

کجا روم چہ کنم حالِ دل کرا گویم
کہاں جاؤں، کیا کروں، دل کا حال کس سے کہوں؟

کہ دادِ من بستاند دہد جزائے فراق
جو میرا انصاف کرے، فراق کو سزا دے

زدردِ ہجر و فراقم دمے خلاصی نیست
ہجر اور فراق کے درد سے تھوڑی دیر کے لیے بھی میرا چھٹکارا نہیں ہے

خدائے را بستاں داد و دہ سزائے فراق
خدا کے لیے میرا انصاف کر اور فراق کو سزا دے

فراق را[۴] بفراقِ تو مبتلا سازم
فراق کو تیرے فراق میں، مبتلا کر دوں

چنانکہ خوں بچکانم ز دیدہائے فراق
اس طور پر کہ فراق کی آنکھوں سے خون ٹپکاؤں

من از کجا و فراق از کجا و غم ز کجا
میں کہاں کا، فراق کہاں کا، اور غم کہاں سے؟

مگر کہ زاد مرا مادر از برائے فراق
شاید میری ماں نے، مجھے فراق کے لیے جنا ہے

بداغ[۵] عشقِ تو حافظ چو بلبلِ سحری
تیرے عشق کے داغ کی وجہ سے حافظ، صبح کی بلبل کی طرح

زند بروز و شباں خوں نفشاں نوائے فراق
دن رات، فراق کے خون برسانے والے نعرے لگا رہا ہے

مقامِ امن[۶] و مے بیغش و رفیقِ شفیق
امن کی جگہ، اور خالص شراب، اور مہربان ساتھی

گرت مدام میسر شود زہے توفیق
اگر تجھے ہمیشہ میسر آ جائیں، تو زہے نصیب

جہان و کارِ جہاں جملہ ہیچ در ہیچ ست
دنیا، اور دنیا کے کام سب، ہیچ در ہیچ ہیں

ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تحقیق
میں نے ہزار بار، اس نکتہ کی تحقیق کر لی ہے

دریغ و درد کہ تا ایں زماں ندانستم
افسوس اور درد ہے کہ میں اس وقت تک جان نہ سکا

کہ کیمیائے سعادت رفیق بود رفیق[۷]
کہ مخلص دوست خوش نصیبی کی کیمیا ہے

بمأمنے رو و فرصت شمر غنیمت وقت
کسی امن کی جگہ چلا جا اور فرصت کو وقت کی غنیمت شمار کر

کہ در کمینگہِ عمر اند قاطعانِ طریق
کیونکہ راستہ کے ڈاکو، عمر کی گھات میں ہیں

۱۔ عشق کی منزل اگر پائے شوق سے طے ہو جایا کرتی تو اپنے آپ کو کون ہجر کے سپرد کرتا۔
۲۔ مجھ خستہ کی اب یہ حالتیں ہیں۔
۳۔ یعنی فراق کو قتل کر کے خوشی کے آنسو خون بہا میں دے دوں گا
۴۔ لطف یہ ہے کہ فراق خود فراق میں مبتلا ہو جائے۔
۵۔ بلبل بھی فراق میں مبتلا ہے اور میں بھی۔
۶۔ توفیقِ خداوندی سے اگر یہ چیزیں مہیا ہو جائیں تو زہے نصیب۔
۷۔ کسی مخلص دوست کا حاصل ہو جانا کیمیائے سعادت ہے۔

کجاست[1] اہلِ دلے تا کند دلالتِ خیر
کہاں ہے وہ اہلِ دل کہ جو بہتری کی رہنمائی کرے؟
کہ ما بدوست نبردیم رہ بہیچ طریق
اس لیے کہ ہمیں کسی طریقہ پر دوست کا راستہ نہ ملا

فدائے غمزۂ ساقی ہزار جاں آندم
میں ساقی کی ادا پر، ہزار جان سے قربان ہوں، جب کہ
کہ تر کند لبِ لعل از شراب ہمچو عقیق
وہ عقیق جیسی شراب سے ہونٹ تر کرے

حلاوتے کہ ترا در چہِ زنخدانست
وہ شیرینی جو تیری ٹھوڑی کے کنویں میں ہے
بکنہِ او نرسد صد ہزار فکرِ عمیق
ہزاروں گہری فکریں اس کی حقیقت کو نہیں پہونچ سکتی ہیں

اگرچہ[2] موئے میانت بچوں منے نرسد
اگرچہ تیری کمر کا بال، مجھ جیسے تک نہیں پہونچتا
خوش ست خاطرم از فکرِ ایں خیالِ دقیق
لیکن اس باریک خیال سے میری طبیعت خوش ہے

ازاں برنگِ عقیقست اشکِ من ہمہ وقت
اسی وجہ سے میرے آنسو ہر وقت عقیق کے رنگ کے ہیں
کہ مُہرِ خاتمِ چشمِ منست، ہمچو عقیق
کہ میری آنکھ کی انگوٹھی کی مہر، عقیق جیسی ہے

بیا[3] کہ توبہ ز لعلِ نگار و خندۂ جام
تو آجا، اس لئے کہ محبوب کے ہونٹ اور جام کے قہقہہ سے توبہ
تصوریست کہ عقلش نمیکند تصدیق
ایک ایسا تصور ہے، جس کی تصدیق عقل نہیں کرتی ہے

بخندہ گفت کہ حافظ غلامِ طبعِ توام
اس نے ہنسی میں کہا کہ اے حافظ! میں تیری طبیعت کا غلام ہوں
ببیں کہ تا بچہ حدّم ہمی کند تحمیق
دیکھ! کس حد تک مجھے بے وقوف بناتا ہے

ردیفِ کافِ عربی

اگر شراب[4] خوری جرعۂ فشاں بر خاک
اگر تو شراب پیے تو ایک گھونٹ زمین پر چھڑک دے
ازاں گناہ کہ نفعے رسد بغیر چہ باک
جس گناہ سے دوسرے کو فائدہ پہونچے اس سے کوئی نقصان نہیں ہے

بزن برا وجِ فلک حالیا سرادقِ عشق
اب آسمان کی بلندی پر عشق کی قنات تان دے
کہ خود برد اجلت ناگہاں بتیرہ مغاک
اس لیے کہ اچانک تجھے خود تیری موت تاریک گڑھے میں لیجائیگی

مخور[5] دریغ و بخورمے بشاہد و دف و چنگ
افسوس نہ کر اور معشوق اور دف اور چنگ کے ساتھ شراب پی
کہ بید ریغ زند روزگار تیغِ ہلاک
اس لیے کہ زمانہ بے دریغ، ہلاکت کی تلوار مارتا ہے

بخاکِ پائے[6] تو اے سروِ ناز پرورِ من
اے میرے ناز پرور سرو! تجھے اپنے پیر کی خاک کی قسم
کہ روزِ واقعہ پا وامگیرم از سرِ خاک
کہ موت کے روز میری خاک سے پاؤں نہ ہٹانا

چہ[7] دوزخی چہ بہشتی چہ آدمی چہ ملک
کیا دوزخی کیا بہشتی کیا آدمی کیا فرشتہ
بمذہبِ ہمہ کفرِ طریقت ست امساک
سب کے مذہب میں، بخل، طریقت کا کفر ہے

فریبِ دخترِ رز طرفہ میزند رہِ عقل
انگور کی لڑکی کا فریب عجب طرح عقل پر ڈاکہ ڈالتا ہے
مباد تا بقیامت خرابِ طارمِ تاک
انگور کی ٹٹی خدا کرے قیامت تک برباد نہ ہو

---

[1] اب تو اہلِ دل کی دعا سے ہی وصال میسر آسکے گا۔
[2] اگرچہ کمر تک رسائی نہیں لیکن یہ باریک خیال ہی باعثِ لطف ہے۔
[3] توبہ عقلاً ممکن نہیں ہے لہذا اے ساقی تو آکر شراب پلادے۔
[4] زمین پر ایک گھونٹ گرا دینے سے شاید کوئی پیاسا مردہ سیراب ہو جائے۔
[5] جب تک موقع ملے لطف کی زندگی گذار ورنہ زمانہ تباہی کے درپے ہے۔
[6] موت کے وقت موجود رہنا، تاکہ مجھے پیر کی کاشف حاصل ہو جائے۔
[7] بخل سب ہی کے نزدیک برا ہے۔

براہِ میکدہ حافظ خوش از جہاں رفتی
اے حافظ دنیا سے میکدہ کے راستہ تو خوب اٹھا چلا گیا

دعائے اہلِ دلت باد مونسِ دلِ پاک
تیرے پاک دل کے لئے اہلِ دل کی دعا غمخوار رہے

اے دلِ ریشِ مرا بالبِ تو حقِ نمک — حق نگہدار کہ من میروم اللہ معک
اے محبوب میرے زخمی دل کا تیرے ہونٹ پر حقِ نمک ہے — حق کی حفاظت کر کہ میں جاتا ہوں خدا تیرے ساتھ ہے

توئی آں گوہرِ یکدانہ کہ در عالمِ قدس — ذکرِ خیرِ تو بود حاصلِ تسبیحِ ملک
تو ہی وہ دریکتا ہے کہ عالمِ قدس میں — فرشتوں کی تسبیح کا حاصل، تیرا ذکرِ خیر ہوتا ہے

در خلوصِ منت ار ہست شکے تجربہ کن — کس عیارِ زرِ خالص نشناسد چو محک
اگر تجھے میرے خلوص میں شک ہے تو تجربہ کرلے — کسوٹی کی طرح خالص سونے کے خالص پن کو کوئی نہیں پہچانتا ہے

گفتہ بودی کہ شوم مست و دو بوست بدہم — وعدہ از حد بشد و ما نہ دو دیدیم نہ یک
تو نے کہا تھا میں مست ہوں گا، اور تجھے دو بوسے دوں گا — وعدہ حد سے گزر گیا اور ہم نے دو دیکھے نہ ایک

بکشا پستۂ خنداں و شکر ریزی کن — خلق را از دہنِ خویش مینداز بہ شک
مسکراتا ہوا پستہ کھول، اور شکر ریزی کر — مخلوق کو اپنے منہ کے بارے میں شک میں نہ ڈال

چرخ برہم زنم ار جز بمرادم گردد — من نہ آنم کہ زبونی کشم از چرخِ فلک
آسمان کو درہم برہم کر دوں گا اگر وہ میری مراد کے سوا گھومے گا — میں وہ نہیں ہوں، کہ چرخِ فلک سے زبوں حالی برداشت کرلوں

چوں برِ حافظِ خویشش نگذاری بارے
جبکہ اس کے، اپنے حافظ کے پاس آنے نہیں چھوڑتا ہے

اے رقیب از برِ او یکدو قدم پیشتر ک
تو اے رقیب تو بھی اس سے ایک دو قدم دور رہ

اے پیکِ پے خجستہ چہ نامی فدیت لک — ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بایں نمک
اے مبارک قدم، قاصد تیرا کیا نام ہے، میں تجھ پر قربان — میں نے کوئی گندمی رنگ والا اس ملاحت کا نہیں دیکھا

خوباں سزد کہ بر درت آیند جملگی — وانگاہ خاکِ پائے تو بوسند یک بیک
حسینوں کو چاہیے، کہ سب تیرے در پر آئیں — پھر ایک ایک کر کے، تیری خاکپا کو بوسہ دیں

ہم ظاہر از دو چشمِ تو در دیدہ مردمی — ہم روشن از دو لعلِ تو در دیدہ مر نمک
تیری دونوں آنکھوں کی وجہ سے آنکھ میں انسانیت ظاہر ہے — تیرے دو ہونٹوں سے آنکھ میں نمکینی روشن ہے

آدم ز حسنِ روئے تو گر بہرہ داشتے — از دیدنش بسجدہ نپرداختے ملک
اگر آدم تیرے چہرے کے حسن سے، حصہ رکھتے — فرشتے ان کا دیکھنا چھوڑ کر، سجدے میں نہ گرتے

صورتگرانِ چیں اگر آں چہرہ بنگرند — نقشِ نگار خانۂ چیں را کنند حک
چین کے مصور، اگر وہ چہرہ دیکھ لیں — تو چین کے نگار خانہ کے نقش کو ہٹا ڈالیں

از طرفِ بام روئے چو ماہِ تو ہر شبے — مانندِ آفتاب ہمی تابد از فلک
ہر شب میں بالا خانہ کے کنارے سے تیرا چاند جیسا چہرہ — ایسا چمکتا ہے، جیسا کہ آسمان سے سورج

۱؎ ہمارے زخمی دل کا تیرے ہونٹوں پر حق نمک ہے ہم تو رخصت ہوتے ہیں تو اس کی حفاظت کر

۲؎ پستے سے مراد منہ ہے یعنی منہ سے بات کر اور مسکرا ورنہ لوگ اس منہ کے وجود میں شک کریں گے۔

۳؎ اگر تو معشوق کو حافظ سے دور رکھتا ہے تو خود بھی دو چار قدم اس سے دور رہ۔

۴؎ یہ نعت، خواجہ صاحب نے آنحضورؐ کی تعریف میں کہی ہے سیاہ چردہ آنحضورؐ کو اس لئے کہا ہے کہ آنحضورؐ کا حسن ملیح تھا

۵؎ آدم میں اگر یہ حسن ہوتا تو فرشتے دیدار کو چھوڑ کر سجدہ میں کبھی مصروف نہ ہوتے۔ شعر
در بزمِ وصال تو بہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدنِ مژگاں گلہ دارد

در دوستیِ حافظ اگر نیستت یقیں
اگر تجھے، حافظ کی دوستی کا یقین نہیں ہے
زرِ خالص ست و باک نمیدارد از محک
سونا خالص ہے، اور وہ کسوٹی کا ڈر نہیں رکھتا ہے

اے کہ شور افگندۂ در بزمِ خوباں از نمک
اے وہ محبوب! کہ تو نے نمک کی وجہ سے حسینوں کی محفل میں دھوم مچا دی
دادِ مستانِ لبت در خندہ بستاں از نمک
ہنس کر اپنے ہونٹوں کے مستوں سے ملاحت کی داد حاصل کر

می برد آب گہر لعلت بدُر پاشی و لطف[1]
موتی بکھیرنے اور پاکیزگی میں تیرے ہونٹ گوہر کی آب لیجاتے ہیں
میکند نرخِ شکر یاقوت ارزاں از نمک
یاقوت، شکر کے نرخ کو نمک سے بھی سستا بنا رہا ہے

از نمک خنداں کنی ہر دم بنوعے پستہ را
تو ہر ساعت ایک خاص طرح پر، نمک کی وجہ سے پستہ کو ہنساتا ہے
دیدۂ آنزا کہ گرد د پستہ خنداں از نمک
اے محبوب! تو نے نمک سے پستہ کو ہنستا ہوا دیکھ لیا ہے؟

شور می بینم از آں جادوئے مستت در شراب[2]
تیرے اس مست جادو سے میں شراب میں شور دیکھتا ہوں
ذوق می یابم در آں چاہِ زنخداں از نمک
نمک کا ذوق اس ٹھوڑی کے کنویں میں حاصل کرتا ہوں

گر نباتت میبرد یا بید جاں بشیرینی و لطف
اگر تیری مصری شیرینی اور پاکیزگی کی وجہ سے جان نکال لیتی ہے
قندِ شور انگیز لعلت میدہد جاں از نمک
تو تیرے ہونٹوں کی شور انگیز قند نمک کی وجہ سے جان عطا کرتی ہے

شد دلم ریش از لبِ پُر شورِ شیرینت ولے[3]
میرا دل تیرے پُر شور شیریں ہونٹ سے زخمی ہو گیا لیکن
میکند زخم مرا ہر لحظہ درماں از نمک
ہر لحظہ میرے زخم کا علاج نمک سے کرتا ہے

ہر چہ جامِ بادہ خواہد کرد از تلخی و شور
تلخی اور شور کی وجہ سے شراب کا جام جو کچھ کرے گا
شکرِ شیریں لعلت میکند آں از نمک
تیرے میٹھے ہونٹوں کی شکر نمک کی وجہ سے وہی کچھ کرتی ہے

آبِ حیواں یافت حافظ از نمکدانِ لبت
حافظ نے تیرے ہونٹوں کے نمک دان سے آبِ حیات پا لیا
گر چہ ہرگز کس نیابد آبِ حیواں از نمک
اگرچہ کوئی شخص کبھی نمک سے آبِ حیات نہیں پاتا ہے

ہزار دشمنم ار میکنند قصدِ ہلاک[4]
مجھے ہلاک کرنے کا اگر ہزاروں دشمن قصد کرتے ہیں
گرم تو دوستی از دشمناں ندارم باک
اگر تو میرا دوست ہے، مجھے دشمنوں کی پروا نہیں ہے

مرا امیدِ وصالِ تو زندہ میدارد
مجھے تیرے وصل کی امید، زندہ رکھتی ہے
وگرنہ ہر دمم از ہجرِ تست بیمِ ہلاک
ورنہ ہر وقت، مجھے تیرے ہجر سے ہلاکت کا ڈر ہے

نفس نفس اگر از باد نشنوم بویت[5]
اگر ایک ایک سانس تیری خوشبو ہوا سے نہ سونگھوں
زماں زماں کنم از غم چو گل گریباں چاک
ہر وقت غم کی وجہ سے پھول کی طرح گریبان چاک کردوں

رود بخواب دو چشم از خیالِ تو ہیہات[6]
تیرے خیال کو چھوڑ کر دونوں آنکھیں سو جائیں؟ نہیں نہیں
بود صبور دل اندر فراقِ تو حاشاک
تیرے فراق میں دل صبور ہو جائے؟ نہیں نہیں

بِضَرْبِ سَیْفِکَ قَتْلِیْ حَیَاتُنَا اَبَدًا
میرا قتل تیری تلوار کی ضرب سے ہماری ابدی زندگی ہے
فَاِنَّ رُوْحِیْ قَدْ طَابَ اَنْ یَّکُوْنَ فِدَاکَ
بیشک میری روح اس میں خوش ہے کہ تجھ پر قربان ہو

[1] تیرے ہونٹ رونق میں موتی کو مات کرتے ہیں اور شیرینی میں شکر سے بڑھے ہوئے ہیں
[2] شراب میں محبوب کی آنکھ سے مستی آئی ہے۔
[3] اس نمکین ہونٹ نے دل زخمی کر دیا ہے اور پھر نمک سے ہی زخموں کا علاج کرتا ہے۔
[4] دشمن چہ کنند چو مہربان باشد دوست۔
[5] ہر آن اگر تیری خوشبو نہ سونگھوں تو میں پھول کی طرح ہر وقت گریبان چاک کروں۔
[6] دونوں مصرعوں کا ابتدائی حصہ سوال اور آخری حصہ جواب ہے

اگر تو زخم زنی بہ کہ دیگرے مرہم
اگر تو زخمی کرے تو یہ بہتر ہے، دوسرے کے مرہم لگانے سے
وگر تو زہر دہی بہ کہ دیگرے تریاک
اگر تو زہر دے یہ بہتر ہے، دوسرے کے تریاق سے

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند
تو جیسا ہے، اس طرح تجھے ہر نظر کہاں دیکھ سکتی ہے؟
بقدرِ بینشِ خود ہر کسے کند ادراک
ہر شخص اپنی بینائی کے بقدر، ادراک کرتا ہے

عناں نہ پیچم اگر میزنی بشمشیرم
اگر تو مجھے تلوار سے بھی مارے گا تو باگ نہ موڑوں گا
سپر کنم سر و دستت ندارم از فتراک
اپنے سر کو سپر بنا دوں گا اور تیرے فتراک سے ہاتھ نہ ہٹاؤں گا

بچشمِ خلق عزیز آنگہے شوی حافظ
اے حافظ! مخلوق کی نگاہ میں تو اس وقت باعزت ہوگا
کہ بر درش بنہی روئے مسکنت بر خاک
جب کہ اس کے در پر عاجزی سے چہرہ دھر دے گا

ردیفِ لام

اگر بکوئے تو باشد مرا مجالِ وصول
اگر میرا، تیرے کوچہ میں پہونچنا ممکن ہو جائے
رسد ز دولتِ وصلِ تو کارِ من بحصول
تو تیرے وصل کی دولت سے میرا کام حاصل ہو جائے

قرار بردہ ز من آں دو سنبلِ مشکیں
مشک جیسی خوشبو والی وہ دو سنبل میرا سکون لے گئی ہیں
خراب کردہ مرا آں دو نرگسِ مکحول
ان دو سرمگیں نرگسوں نے، مجھے برباد کر دیا ہے

دل از جواہرِ مہرِ تو صیقلے دارد
دل، تیری محبت کے جواہر سے چمک حاصل کرتا ہے
بود ز زنگِ حوادث ہر آئینہ مصقول
اور حوادث کے زنگ سے ہر آئینہ منجھ جاتا ہے

منِ شکستہ بدحال زندگی یابم
میں شکستہ، بدحال، زندگی پالوں گا
در آں زماں کہ بہ تیغِ غمت شوم مقتول
جبکہ تیرے غم کی تلوار سے، مقتول ہو جاؤں

چہ جرم کردہ ام ایجان و دل بحضرتِ تو
اے جان و دل میں نے تیری جناب میں کیا خطا کی ہے؟
کہ طاعتِ منِ بیدل نمی شود مقبول
کہ مجھ بے دل کی بندگی بھی، مقبول نہیں ہوتی ہے

چو بر درِ تو منِ بینوائے بے زر و زور
جبکہ میں بے سامان، بے زور و زر تیرے دروازے پر ق
بہیچ باب ندارم رہِ خروج و دخول
کسی طرح سے آنے جانے کا راستہ نہیں رکھتا ہوں

کجا روم چہ کنم حالِ دل کرا گویم
کہاں جاؤں، کیا کروں، دل کا حال کس سے کہوں؟
کہ گشتہ ام ز غم و جورِ روزگار ملول
کہ میں زمانے کے ظلم اور غم سے ملول ہو گیا ہوں

خراب تر ز دلِ من غمِ تو جائے نیافت
تیرے غم نے میرے دل سے زیادہ، خراب کوئی جگہ نہ پائی
کہ ساخت در دلِ تنگم قرارگاہِ نزول
کہ اس نے میرے تنگ دل کو اترنے کا ٹھکانا بنایا ہے

بدردِ عشق بساز و خموش شو حافظ
اے حافظ! عشق کے درد سے نباہ کر اور چپ رہ
رموزِ عشق مکن فاش پیشِ اہلِ عقول
عقل والوں کے سامنے، عشق کے راز نہ کھول

ا۔ تیرے ہاتھ سے زخم اور زہر، دوسروں کے ہاتھ کے مرہم اور تریاق سے ہمارے لیے بہتر ہے۔
۲۔ تیرے حسن کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔ ہر شخص اپنی بینائی کے بقدر دیکھتا ہے۔
۳۔ دو سنبل سے دو زلفیں، اور دو نرگس سے دو آنکھیں مراد ہیں۔
۴۔ دل پر محبت سے صیقل آئیگی اور تب ہی حوادث کا زنگ چھٹے گا۔
۵ شعر
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا!

اے بردہ دلم را تو بدیں شکل و شمائل
اے وہ! جو ان خصلتوں اور شکل کے ذریعہ میرے دل کو لے گیا
پروائے کست نے و جہانے بتو مائل
تجھے کسی کی پروا نہیں اور دنیا تیری طرف مائل ہے

گہ آہ کشم از دل و گہ تیر تو از جاں[1]
کبھی دل سے آہ کھینچتا ہوں، کبھی جان سے تیرا تیر
پیش تو چگویم کہ چہا می کشم از دل
تیرے سامنے کیا کہوں، کہ دل سے کیا کیا کھینچتا ہوں؟

وصف لب لعل تو چہ گویم بر قیباں
رقیبوں سے تیرے ہونٹ کی تعریف کیا بیان کروں؟
نیکو نبود معنی نازک بر جاہل
جاہل کے سامنے نازک باتیں بیان کرنا اچھا نہیں ہوتا

ہر روز چو حسنت زد گر روز فزونست[2]
جبکہ تیرا حسن، ہر دن دوسرے دن سے بڑھا ہوا ہے
مہ را نتواں کرد بروئے تو مقابل
تو چاند کا تیرے چہرے سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے

دل بردی و جاں مید ہمت غم چہ فرستی[3]
دل تو لے گیا اور جان تجھکو دیئے دیتا ہوں تو نے غم کیسے بھیجا؟
چوں نیک حریفیم چہ حاجت بہ محصل
جبکہ ہم اچھے دوست ہیں، اوصول کرنیوالے کی کیا ضرورت ہے؟

حافظ چو تو پا در حرم عشق نہادی
اے حافظ! جبکہ تو نے عشق کے احاطہ میں پیر رکھدیا ہے
در دامن او دست زن و از ہمہ بگسل
اُس کے دامن سے وابستہ ہو جا اور سب سے کٹ جا

اے رخت چوں خلد و لعلت سلسبیل[4]
اے وہ! کہ تیرا چہرہ جنت ہے اور تیرا ہونٹ سلسبیل
سلسبیلت کرد جان و دل سبیل
تیری سلسبیل نے جان اور دل لٹا دیتے ہیں

سبز پوشان خطت بر گرد لب[5]
تیرے خط کے سبز پوش، ہونٹوں کے گرد
ہمچو مورانند گرد سلسبیل
لپٹے ہیں، جیسے کہ سلسبیل کے گرد حوریں

ناوک چشم تو در ہر گوشہ
ہر گوشہ میں، تیری آنکھ کا تیر
ہمچو من افتادہ دارد صد قتیل
مجھ جیسے، سو مقتول گرے ہوئے رکھتا ہے

یارب ایں آتش کہ در جان منست[6]
اے خدا! یہ آگ جو میری جان میں ہے
سرد کن زانساں کہ کردی بر خلیل
اس طور پر ٹھنڈی کردے جیسی تو نے خلیل پر کی

من نمی یابم مجال اے دوستاں
اے دوستو! میرا موقع نہیں ہے
گرچہ او دارد جمالے بس جمیل
اگرچہ وہ بہت زیادہ حسین، جمال رکھتا ہے

پائے مالنگ ست و منزل بس دراز
ہمارا پیر لنگڑا ہے اور منزل بہت لمبی ہے
دست ما کوتاہ و خرما بر نخیل
ہمارا ہاتھ کوتاہ ہے، اور چھوارے کھجور کے درخت پر ہیں

حسن ایں نظم از بیاں مستغنی است
اس نظم کی خوبی بیان سے، بے نیاز ہے
بر فروغ خور کسے جوید دلیل
سورج کی روشنی پر کون دلیل تلاش کرتا ہے؟

آفریں بر کلک نقاشے کہ داد
اس نقاش کے قلم کو شاباش ہے، جس نے دیا ہے
بکر معنے را چنیں حسن جمیل
معانی کی دوشیزہ کو اس قدر حسن جمیل

معجز است ایں شعر یا سحر حلال
یہ شعر معجزہ ہے، یا حلال جادو
ہاتف آورد ایں سخن یا جبرئیل
یہ کلام ہاتف لایا ہے، یا جبرئیل؟

۱۔ دل میں جو تیر پیوستہ ہیں کبھی ان کو کھینچتا ہوں کبھی آہیں کھینچتا ہوں اور چونکہ تو بے نیاز ہے لہذا تجھے اس کی تفصیل بھی نہیں بتا سکتا ہوں۔
۲۔ چاند کا حسن تو ہمیشہ یکساں ہے تیرے حسن میں روز مرہ اضافہ ہو رہا ہے۔
۳۔ جان لینے کے تقاضے کے لیے تجھے غم کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ہم تو بلا تقاضہ ہی جان دے رہے ہیں۔
۴۔ سلسبیل جنت کا مشہور چشمہ ہے یعنی تیرے ہونٹوں نے ہمارے دل اور جان کو مفت کا مال بنا دیا ہے جو لٹ رہا ہے۔
۵۔ ہونٹ سلسبیل ہیں اور اس پر سبزہ آغاز بمنزلہ حوروں کے ہے
۶۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

کس ندانند گفت شعرے زیں نمط
اس طرح پر شعر کہنا، کوئی نہیں جانتا ہے
کس نیارد سُفت دُرّے زیں قبیل
اس طرح کا ایک موتی، کوئی نہیں پرو سکتا ہے

حافظا گر معنے داری بیار
اے حافظ! تو اگر کوئی معنی رکھتا ہے، تو لا
ورنہ دعوٰی نیست غیر از قال و قیل
ورنہ دعویٰ، سوائے قیل و قال کے کچھ نہیں ہے

۱بعہدِ گل شدم از توبۂ شراب خجل
موسم بہار میں شراب سے توبہ کر کے میں ایسا شرمندہ ہوا
کہ کس مباد ز کردارِ ناصواب خجل
کہ خدا کرے کوئی غلط کام سے ایسا شرمندہ نہ ہو

صلاحِ من ہمہ جامِ مے ست و قسمِ من زیں بخت
میری ساری نیکی، جام شراب ہے اور اس نصیب سے
نیم ز شاہد و ساقی بہیچ باب خجل
میں معشوق، اور ساقی سے کسی طرح شرمندہ نہیں ہوں

۲زخوں کہ رفت مرا دوش در سراچۂ چشم
آنکھوں کی سرائے میں کل شب جو میرا خون بہا
شدیم در نظرِ رہروانِ خواب خجل
ہم نیند کے مسافروں کی نظر میں، شرمندہ ہو گئے

تو خوبروئے تری ز آفتاب شکرِ خدا
تو سورج سے بھی زیادہ خوبصورت ہے، خدا کا شکر ہے
کہ نیستم ز تو در روئے آفتاب خجل
کہ میں تیرے معاملہ میں سورج کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں

۳رواست نرگسِ مست ار فگند سر در پیش
مست نرگس نے اگر سر جھکایا، تو مناسب ہے
کہ شد ز شیوۂ آں چشمِ پُر عتاب خجل
اسلئے کہ وہ اس پُر عتاب آنکھ کے شیوے سے شرمندہ ہے

۴بود کہ یار نپرسد گنہ ز خلقِ کریم
ہو سکتا ہے کہ محبوب اخلاق کی وجہ سے یار، گناہ کی باز پرس نہ کرے
کہ از سوال ملولیم و از جواب خجل
اس لیے کہ ہم سوال سے ملول اور جواب سے شرمندہ ہیں

بزیرِ لب ز چہ رُو جام زہر خندہ زند
کس وجہ سے جام، زیرِ لب عمدہ کی ہنسی ہنس رہا ہے؟
اگر نہ از لبِ لعلِ تو شد شراب خجل
اگر شراب تیرے لعل جیسے ہونٹ سے شرمندہ نہیں ہوئی

رُخ از جنابِ تو عمر یست تا نتافتہ ام
عمر گذر گئی ہے کہ میں نے تیری جناب سے منہ نہیں موڑا ہے
نیم بیاریِ توفیق ازیں جناب خجل
قسمت کی مدد کی وجہ سے میں اس دربار میں شرمندہ نہیں ہوں

۵ازآں نہفتہ رُخِ خویش در نقابِ صدف
اسی وجہ سے سیپ کے پردے میں منہ چھپائے ہوئے ہے
کہ شد ز نظمِ خوشِ تو لُولُوئے خوشاب خجل
کیونکہ اس کی عمدہ نظم سے آبدار موتی شرمندہ ہو گیا

۶حجابِ ظلمت ازاں بست آبِ خضر کہ گشت
آبِ خضر نے اسی وجہ سے، تاریکی کا پردہ تانا ہے
ز نظمِ حافظ و از طبعِ ہمچو آب خجل
کہ حافظ کی نظم اور اس کی پانی جیسی طبیعت سے شرمندہ ہے

بسحرِ چشمِ تو اے لُعبتِ خجستہ خصال
اے مبارک خصلتوں والی گڑیا! تیری آنکھ کے جادو کی قسم
برمزِ خطِ تو اے آیتِ ہمایوں فال
اے مبارک فال والی آیت! تیرے خط کے اشارے کی قسم

بنوشِ لعلِ تو اے آبِ زندگانیِ من
اے میرے آبِ حیات! تیرے ہونٹ کے شہد کی قسم
برنگ و بوئے تو اے نوبہارِ حسن و جمال
اے حسن و جمال کی نوبہار! تیرے رنگ و بو کی قسم

۱۔ موسم بہار میں توبہ کرنے سے میں ایسا شرمندہ ہوں کہ خدا ایسی شرمندگی کسی کو نہ دے۔
۲۔ میں تمام رات خون کے آنسو رویا جس کی وجہ سے نیند کے قافلے آنکھ تک نہ پہونچ سکے۔
۳۔ نرگس نے اگر شرمندگی سے سر ڈالا ہے تو بالکل مناسب بات ہے
۴۔ چونکہ اس کے بلند اخلاق ہیں لہٰذا ہمیں سوال و جواب کی شرمندگی سے بچانے کیلئے ہو سکتا ہے کہ ہم سے گناہوں کی باز پرس ہی نہ کرے
۵۔ حافظ کی نظم سے شرمندہ ہو کر موتی سیپ میں چھپ گئے ہیں۔
۶۔ پوری غزل قسم ہے جوابِ قسم مقطع ہے یعنی محبوب کی ان تمام صفات کی قسم کہ محبوب کی مرضی بدون زندگی منظور نہیں ہے، معشوق کو آیت قرار دیا ہے جیسا کہ رخ کو مصحف قرار دیا جاتا ہے خط سے مراد سبزہ آغاز ہے۔

بآں¹ صحیفۂ عارض کہ گشت گلشنِ چشم
رخسار کے اس صحیفہ کی قسم، جو نظر کا باغ بنا ہے

بآں حدیقۂ بینش کہ شد مقالِ خیال
نظر کے اس باغ کی قسم، جو خیال کا موضوع بنا ہے

بآں عقیق کہ ما راست مُہرِ خاتمِ چشم
اس عقیق کی قسم، جو ہماری آنکھ کی انگوٹھی کی مہر ہے

بآں گہر کہ شمار است در بلیغ مقال
ان موتیوں کی قسم، جو بلیغ گفتگو میں تمہیں حاصل ہیں

بطیبِ خلقِ تو و نفحۂ شمامۂ گل
تیرے اخلاق کی پاکیزگی اور پھول کی خوشبو کی مہک کی قسم

ببوئے زلفِ تو و نکہتِ نسیمِ شمال
تیری زلف، اور شمالی نسیم کی خوشبو کی قسم

بجلوہائے تو و شیوہائے رفتنِ چشم
تیرے جلووں اور آنکھوں کی حرکت کے شیووں کی قسم

بعشوہائے تو و غمزہائے چشمِ غزال
تیرے عشووں، اور ہرن کی آنکھ کے غمزوں کی قسم

بگردِ³ راہِ تو یعنی بسایۂ اُمّید
تیری گردِ راہ، یعنی اُمید کے سایہ کی قسم

بخاکِ پائے تو یعنی برشکِ آبِ زلال
تیری خاکِ پا، یعنی نیر پانی کے لیے باعثِ رشک کی قسم

بسروِ ماہ نمایت بآفتابِ بلند
تیرے ماہ نما سرو کی قسم، بلند آفتاب کی قسم

باستانِ رفیعت بآسمانِ جلال
تیرے بلند آستانہ کی قسم، جلال کے آسمان کی قسم

کہ سخا چو کشاید دو دستِ جود و کرم
جب سخاوت کے وقت اکرم و بخشش کے دونوں ہاتھ کھول دیتا ہے

وجودِ سائلِ مسکیں رسد بنقدِ سوال
مسکین سائل کا وجود سوال کے نقد کو پہونچ جاتا ہے

کہ بے رضائے تو حافظ گر التفات کند
کہ اگر حافظ تیری رضامندی بدون عمر کی طرف توجہ کرے

بعمر باز نماند چہ جائے مال و منال
تو وہ زندہ نہ رہے، چہ جائیکہ مال، اور دولت

خوش خبر باش اے نسیمِ شمال
اے شمالی نسیم! تجھے خوش خبری ہو

کہ بما میرسد زمانِ وصال
کہ وصال کا زمانہ، ہم تک پہونچ رہا ہے

ما⁴ بسلمیٰ و من بذی سلم
سلمیٰ کا کیا حال ہے، اور ذی سلم میں کون ہیں؟

این جیراننا و کیف الحال
ہمارے پڑوسی کہاں ہیں، اور کیا حال ہے؟

عرصۂ بزمگاہ خالی ماند
مجلس کا میدان، خالی رہ گیا

از حریفان و رطلِ مالا مال
شراب نوشوں سے اور بھرے ہوئے پیمانے

عفت⁵ الدار بعد عافیۃٍ
عیش کے بعد گھر، مٹ گیا

فاسئلوا حالہا عن الاطلال
اس کا حال، کھنڈرات سے پوچھو

فی جمال الکمال نلت منیً
کمال کے جمال میں تونے مرادیں حاصل کر لیں

صرف اللہ عنک عین کمال
خدا نظرِ بد کو، تجھ سے پھیر دے

سایہ⁶ افگند حالیا شبِ ہجر
اب ہجر کی رات نے سایہ ڈال دیا

تا چہ بازند شبروانِ خیال
دیکھیے! خیال کے ڈاکو کیا بازی کھیلتے ہیں

قصۃ⁷ العشق لا انفصام لہا
عشق کے قصہ کا، انقطاع نہیں ہے

وصمت ہہنا لسان الحال
یہاں حال کی زبان، سُست ہو گئی

---

¹ محبوب کے رخسار کو گلشنِ چشم اور حدیقۂ بینش قرار دیا ہے چونکہ اس کو دیکھ کر آنکھیں محظوظ ہوتی ہیں اور چونکہ وہ خیال کا موضوعِ بحث ہے لہٰذا اسے مقالِ خیال قرار دیا ہے۔
² عقیق سے مراد ہونٹ ہیں اور چونکہ ان کا نقشہ عاشق کی آنکھ میں جما رہتا ہے لہٰذا ان کو آنکھ کی مہر قرار دیا ہے۔
³ معشوق کے راستہ کی خاک کو سایۂ امید اور پاؤں کی خاک کو آبِ زلال کا رشک قرار دیا ہے
⁴ سلمیٰ عرب کی مشہور معشوقہ ہے یہاں مراد حافظ کا اپنا محبوب ہے! ذی سلم جگہ کا نام ہے
⁵ ان دیار میں معشوقہ کے ساتھ عیش و عشرت رہے اب وہ ویران ہیں
⁶ شبِ ہجر میں مختلف خیالات آآکر ستاتے ہیں۔
⁷ عشق کا قصہ طولانی ہے زبان بھی اس کو پورا ادا نہیں کر سکتی ہے۔

تُرکِ ما سوئے کس نمی نگرد — آہ ازیں کبریاؤ جاہ وجلال
ہمارا معشوق کسی کی طرف ، نہیں دیکھتا ہے — اس تکبر، اور مرتبہ، اور دبدبہ سے آہ ہے

یا بریدَ الحِمیٰ حماکَ اللہ — مَرحَبا مَرحَبا تَعالِ تَعالْ
اے حمیٰ کے قاصد! خدا تیری حمایت کرے — مرحبا ، مرحبا ، آجا ، آجا

حافظا عشق وصابری تا چند
اے حافظ! عشق ، اور صبر کرنا ، تا کبے؟

نالۂ عاشقاں خوش ست بنال
عاشقوں کا رونا ، بہتر ہے ، رو

دارائے جہاں نصرتِ دین خسروِ کامل — یحییٰ بن مظفر مَلکِ عالم و عادل
شہنشاہِ جہاں ، دین کی مدد ، تکمیل بادشاہ — یحییٰ بن مظفر جو عالم ، اور منصف بادشاہ ہے

اے آنکہ در اسلام پناہِ تو گشودہ — بر روئے جہاں روزنۂ جان و تن و دل
اے وہ کہ اسلام میں ، تیری پناہ نے کھول دئے — روئے جہاں پر جان ، اور دل ، اور جسم کے سوراخ

تعظیمِ تو بر جان و خرد واجب و لازم — انعامِ تو بر کون و مکاں فائض و شامل
تیری تعظیم جان ، اور عقل پر واجب ، اور لازم ہے — تیرا انعام کون ، اور مکان پر جاری ، اور شامل ہے

روزِ ازل از کلکِ تو یک قطرہ سیاہی — بر روئے مہ افتاد کہ شد حلِ مسائل
ازل میں ، تیرے قلم سے سیاہی کا ایک قطرہ — چاند کے منہ پر گر گیا ، جس سے مسائل کا حل ہو گیا

خورشید چو آں خالِ سیہ دید بدل گفت — اے کاش کہ من بودمے آں بندۂ مقبل
سورج نے جب اس سیاہ تل کو دیکھا ، دل میں کہا — اے کاش ، میں وہ با اقبال غلام ہوتا

شاہا فلک از بزمِ تو در رقص و سماع ست — دستِ طرب از دامنِ ایں سلسلہ مگسل
اے شاہ ، تیری بزم کی وجہ سے آسمان رقص اور سماع میں لگا ہوا ہے — مستی کا ہاتھ ، اس سلسلہ کے دامن سے نہ ہٹا

مے نوش و جہاں بخش کہ از پیچ کمندت — شد گردنِ بدخواہ گرفتارِ سلاسل
شراب پی اور جہاں کو بخش ، اس لئے کہ تیری کمند کے پیچ کی وجہ سے — بدخواہ کی گردن ، زنجیروں میں گرفتار ہے

چوں دورِ فلک یکسرہ بر منہجِ عدل است — خوش باش کہ ظالم نبرد راہ بمنزل
چونکہ آسمان کا دور بالکل انصاف کے راستہ پر ہے — خوش رہ کیونکہ ظالم منزل تک راستہ طے نہیں کر سکتا ہے

حافظ قلمِ شاہِ جہاں مقسمِ رزق ست
اے حافظ شاہِ جہاں کا قلم رزق کی تقسیم کا آلہ ہے

از بہرِ معیشت مکن اندیشۂ باطل
گذارے کی ، فضول فکر نہ کر

رہرواں را عشق بس باشد دلیل — آب چشم اندر رہش کردم سبیل
سالکوں کے لئے ، عشق ہی کافی راہبر ہے — میں نے اس کے راستہ پر آنکھ کے پانی کی سبیل لگا دی ہے

موجِ اشکِ ما کے آرد در حساب — آنکہ کشتی راند بر خونِ قتیل
ہمارے آنسوؤں کی موج کو کب حساب میں لا سکتا ہے — جس نے مقتول کے خون پر کشتی چلائی ہو

۱؎ برید قاصد حمیٰ سے محبوب کی منزل مراد ہے۔ ۲؎ عاشق کی خاموشی اچھی نہیں ہے نالہ کرنا ہی اس کے لائق ہے ۳؎ شاہ یحییٰ وہی بادشاہ ہے جس کو امیر تیمور نے شیراز کی فتح کے بعد شیراز کا بادشاہ بنا دیا تھا یہ ہر دلعزیز بادشاہ تھا خواجہ صاحب نے مختلف غزلوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ۴؎ یعنی تیرے دور میں سلطنت نے اہلِ اسلام پر جان اور دل اور جسم کے روزن کھول دئے ہیں اور وہ روحانی اور جسمانی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ ۵؎ چاند میں جو کالے دھبے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ازل میں ممدوح کے قلم کی سیاہی کے قطرات اس پر گر گئے تھے انہی قطروں کی وجہ سے اس کو یہ شرافت حاصل ہو گئی ہے کہ اس سے تاریخ کے بڑے معاملوں کا حل ہوتا ہے اور چاند سے بہت سے فقہی مسائل متعلق ہو گئے ہیں۔ ۶؎ چونکہ ان قطرات سے چاند کو یہ شرافت پیدا ہوئی لہٰذا سورج نے بھی

[illegible]

[illegible] ان کی تمنا کی ۷؎ تیری محفلِ طرب سے آسمان بھی محظوظ ہو رہا ہے اس کو جاری رکھ ۸؎ بادشاہ خود رزق تقسیم کرتا ہے لہٰذا تجھے فکر کی ضرورت نہیں ہے ۹؎ جو محبوب مقتولوں کے خون

اختیاریؔ نیست بدنامیِ ما
ہماری بدنامی، اختیاری نہیں ہے

ضَلَّنِی فِی الْعِشْقِ مَنْ یَهْدِی السَّبِیلْ
مجھے عشق میں اسی نے گمراہ کیا جو راستہ دکھاتا ہے

بے مے و مُطرب بفردوسم مخواں
شراب اور مُطرب کے بدوں مجھے جنت میں نہ بلا

رَاحَتِی فِی الرَّاحِ لَا فِی السَّلْسَبِیلْ
میری راحت شراب میں ہے، نہ کہ سلسبیل میں

آتش روئے بتاں بر خود مزن
بتوں کے چہرے کی آگ، اپنے آپ میں نہ لگا

ورنہ از آتش گذر کن چوں خلیل
ورنہ خلیل کی طرح، آگ سے گذر جا

یا مکنؔ با پیل باناں دوستی
یا ہاتھی والوں کے ساتھ، دوستی نہ کر

یا بنا کن خانۂ در خورِ پیل
یا ہاتھی کے مناسب گھر بنا

یا منہؔ بر خود کہ مقصد گم کنی
یا اپنے ذمہ رکھ، کہ تو مقصد کو گم کردے گا

یا منہ پائے اندریں رہ بے دلیل
یا اس راستہ پر بدوں راہبر کے پیر نہ دھر

یا مکش بر چہرہ نیلِ عاشقی
یا چہرہ پر عاشقی کا داغ نہ لگا

یا فرو بر جامۂ تقویٰ بہ نیل
یا تقوے کا لباس، ماتمی بنادے

شاہِ عالم را بقاؔ و عزّ و مال
شاہِ عالم کے لیے عزت، اور مال کا بقا

باد و ہر چیزے کہ خواہد زیں قبیل
ہو اور ہر وہ چیز جو وہ اس طرح کی چاہے

یا رسومِ پیلباناں یاد گیر
یا تو ہاتھی والوں کی، عادتیں یاد کرلے

یا مدہ ہندوستاں بر یادِ پیل
یا ہاتھی کو، ہندوستان کی یاد نہ دلا

عقل در حسنش نمی یابد بدل
عقل کو، اس کے حسن کا بدلہ نہیں ملتا ہے

طبع در وصفش نمی یابد بدیل
طبیعت کو اس کی خوبیوں کا دوسرا نہیں ملتا ہے

حافظ از سرپنجۂ عشقِ نگار
حافظ معشوق کے عشق کی طاقت کیوجہ سے

ہمچو مور افتادہ زیرِ پائے پیل
اس طرح پڑا ہوا ہے جیسے چیونٹی ہاتھی کے پیر کے نیچے

ساقی بیار بادہ کہ آمد زمانِ گل
اے ساقی! شراب لا کیونکہ موسم بہار آگیا ہے

تا بشکنیم توبہ دِگر درمیانِ گل
تاکہ ہم پھولوں میں بیٹھ کر دوبارہ توبہ توڑیں

کوریؔ خار نعرہ زناں تا چمن رویم
کانٹے کے اندھے پن پر، نعرہ لگاتے ہوئے چمن تک جائیں

چوں بلبلاں نزول کنیم آشیانِ گل
بلبلوں کی طرح، پھول کے آشیانہ میں قیام کریں

در صحنِ بوستاں قدحِ بادہ نوش کن
چمن کے صحن میں، شراب کا پیالہ پی

کآیاتِ خوشدلی برسید از زبانِ گل
اس لیے کہ پھول کی زبانی خوشدلی کی علامتیں آگئی ہیں

گل در چمن رسید مشو ایمن از فراق
چمن میں پھول کھل گئے ہیں، فراق سے مطمئن نہ ہو

یار و شراب خواہ و سرا و بوستانِ گل
یار اور شراب، اور پھول کا بوستان کدہ، چاہ

حافظ وصالِ گل طلبی ہمچو بلبلاں
اے حافظ! اگر تو بلبلوں کی طرح پھول کا وصل چاہتا ہے

جاں کن فدائے خاکِ رہِ باغبانِ گل
پھول کے باغبان کے رستہ کی خاک پر جان قربان کردے

لہ ہماری گمراہی اختیاری نہیں ہے خدا ہی نے ہمیں گمراہ بنایا ہے۔
لہ انسان جو کام کرے اس کے لوازمات کا خیال رکھ کر کرے۔
لہ راہ عشق بدون رہبر کے طے نہ ہوسکیگی
لہ وہ اپنے حسن اور اوصاف میں بے نظیر ہے۔
لہ موسم بہار ہے کانٹوں کے علی الرغم ہم چمن میں جاکر پھولوں کا آشیانہ بنائیں گے۔
لہ جامہ بہ نیل فرو بردن" محاورہ ہے بمعنے ماتمی لباس بنانا۔

شَمَمتُ رُوحَ وِدَادٍ وَشِمتُ بَرقَ وِصَالٍ
میں نے محبت کی خوشبو سونگھی، وصل کی بجلی دیکھی

بیا کہ بوئے ترا میرم اے نسیم شمال
اے شمالی نسیم آ جا، میں تیری خوشبو پر جان دیتا ہوں

اَحَادِیاً بِجَمَالِ الحَبِیبِ قِف وَانزِلِ
اے محبوب کے ... ... خواں ... ٹھہر ... کر

کہ نیست صبرِ جمیلم در اشتیاقِ جمال
اس لیے کہ جمالِ محبوب کے شوق میں اب مجھے صبرِ جمیل حاصل نہیں ہے

شکایتِ شبِ ہجراں فروگذار اے دل
اے دل! شبِ ہجر کی شکایت چھوڑ دے

بشکرِ آنکہ برافگند پردہ روزِ وصال
اس شکریہ میں کہ وصل کے دن نے پردہ اٹھا دیا ہے

چو یار بر سرِ صلح ست و عذر میخواہد
جبکہ دوست صلح پر آمادہ ہے اور عذر خواہی کرتا ہے

تواں گذشت ز جورِ رقیب در ہمہ حال
ہر حال میں رقیب کے ظلم سے در گزر کی جا سکتی ہے

بیا کہ پردۂ گلگوں زیر ہفت خانۂ چشم
آ جا اس لیے کہ پھولوں کا پردہ آنکھ کے ساتوں پردے کے نیچے

کشیدہ ایم بتحریرِ کارگاہِ خیال
خیال کے کارخانے کی تحریر سے ہم نے بچھایا ہے

بجز خیالِ دہانِ تو نیست در دلِ تنگ
تنگ دل میں تیرے منہ کے علاوہ کوئی خیال نہیں ہے

کہ کس مباد چو من در پئے خیالِ محال
خدا کرے میری طرح محال کے خیال کے کوئی درپے نہ ہو

ملال مصلحتے می نمایم از جاناں
میں مصلحتاً محبوب سے تنگدلی ظاہر کرتا ہوں

کہ کس بجہد نماند ز جانِ خود بملال
اس لیے کہ کوئی شخص شفقت سے بھی اپنی جان سے تنگدل نہیں رہتا ہے

مرا دلیست پریشاں بدستِ غم پامال
میرا پریشان دل، غم کے ہاتھ پائمال ہے

چنانکہ ہیچ کس نیست واقفِ احوال
اس طور پر کہ اس کے احوال سے کوئی شخص واقف نہیں ہے

اسیرِ و بیدل و بیجاں شدم ازاں سرِ زلف
میں اس زلف کے ہاتھوں سے قیدی اور بے دل اور بیجان ہو گیا ہوں

بماندہ والہ و شیدا چو مرغِ بے پر و بال
حیران اور عاشق، بے بال و پر، پرندہ کی طرح پڑا ہوا ہوں

قتیلِ عشقِ تو شد حافظِ غریب دلے
غریب دل حافظ تیرے عشق سے مقتول ہو گیا ہے

بخاکِ ما گذرے کن کہ خونِ مات حلال
ہماری خاک پر سے گزر اس لیے کہ ہمارا خون تیرے لیے حلال ہے

ہر نکتہ کہ گفتم در وصفِ آں شمائل
ان خوبیوں کی تعریف میں میں نے جو نکتہ بھی بیان کیا

ہر کس شنید گفتا لِلّٰہ دَرُّ قَائِل
جس نے بھی سنا بولا، کہنے والے کی بھلائی خدا کے لیے ہے

دل دادہ ام بیارے عاشق کشے نگارے
میں نے ایسے یار کو دل دیا ہے، جو عاشق کش حسین ہے

مَرضِیَّۃُ السَّجَایَا مَحمُودَۃُ الخَصَائِل
جس کی عادتیں پسندیدہ ہیں جس کی خصلتیں قابلِ تعریف ہیں

تحصیلِ عشق و رندی آساں نمود اول
عشق اور رندی کا سیکھنا ابتداءً آسان معلوم ہوا

جانم بسوخت آخر در کسبِ ایں فضائل
آخر میں ان فضیلتوں کے حاصل کرنے میں میری جان جل گئی

گفتم کہ کے ببخشی بر جانِ ناتوانم
میں نے کہا، میری کمزور جان پر تو کب بخشش کرے گا؟

گفت آں زماں کہ نبود جاں در میانہ حائل
اس نے کہا جبکہ جان درمیان میں آڑ نہ رہے گی

حلاج بر سرِ دار ایں نکتہ خوش سرائید
حلاج نے، سولی پر یہ نکتہ، خوب بتایا

از شافعی مپرسید امثالِ ایں مسائل
اس قسم کے مسئلے، امام شافعی سے نہ پوچھو

۱؎ جمالِ محبوب کے شوق میں صبرِ جمیل ہاتھ سے جاتا رہا ہے لہٰذا اے ساربان اب ٹھہر جا اور قیام کرے۔
۲؎ جب دوست صلح کا خواہاں ہے تو ہر طرح رقیب کے شکوے شکایت برداشت کریے جائیں گے۔
۳؎ آنکھ کے ساتوں پردے کے نیچے پھولوں کا فرش بچھایا ہے تاکہ محبوب اس پر فروکش ہو۔
۴؎ غموں کے ہاتھوں میرا دل اس قدر پامال ہوا ہے کہ کوئی شخص اس سے واقف نہیں ہے۔
۵؎ لِلّٰہ دَرُّ قَائِل (کہنے والے کی بھلائی خدا کے لیے ہی ہے) جب کسی کی بات کی تصدیق اور خوبی بیان کرنی ہوتی ہے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے۔
۶؎ عشق اور رندی کرنا شروع میں تو آسان نظر آتا ہے لیکن اس کے حاصل کرنے میں بڑی دلسوزی کرنی پڑتی ہے۔
۷؎ مرنے کے بعد ہی جاں بخشی ہو سکتی ہے۔
۸؎ حلاج سے مراد منصور ہیں جن کو انا الحق کہنے ...

دردا کہ بر درِ خود بارم نداد دلبر
ہائے درد، کہ دلبر نے مجھے اپنے دروازہ پر باریابی نہ دی
چندانکہ از جوانب انگیختم وسائل
جسقدر بھی ہر طرف سے میں نے ذرائع پیدا کئے

در عینِ گوشہ گیری بودم چو چشمِ مستت
میں تیری مست آنکھ کی طرح بالکل گوشہ گیری میں تھا
اکنوں شدم چو مستاں بر ابروئے تو مائل
اب مستوں کی طرح، تیری ابرو پر مائل ہوگیا

ازآبِ[1] دیدہ صد رہ طوفانِ نوح دیدم
میں نے آنکھوں کے آنسوؤں سے سینکڑوں طرح طوفانِ نوح دیکھے ہیں
از لوحِ سینہ ہرگز نقشت نگشت زائل
لیکن سینہ کی لوح سے تیرا نقش ہرگز زائل نہ ہوا

اے[2] دوست دستِ حافظ تعویذِ چشم زخم ست
اے دوست حافظ کا ہاتھ نظرِ بد کا تعویذ ہے
آیا بود کہ بینم در گردنت حمائل
کیا اچھا ہو کہ تیری گردن میں لٹکا ہوا دیکھوں

ہر کس کہ ندارد بجہاں مہرِ تو در دل
جو شخص دنیا میں، دل میں تیری محبت نہیں رکھتا ہے
حقا کہ بود طاعت او ضائع و باطل
یقیناً اس کی عبادت ضائع، اور باطل ہے

برداشتن[3] از عشقِ تو دل فکرِ محالست
تیرے عشق سے دل ہٹا لینا ناممکن خیال ہے
از جانِ خود آساں بود از عشقِ تو مشکل
اپنی جان سے اٹھا لینا آسان ہوتا تیرے عشق سے مشکل ہے

از عشقِ[4] تو ناصح چہ مرا منع نماید
ناصح، مجھے تیرے عشق سے کیوں منع کرتا ہے؟
اے دوست مگر ہم تو کنی حلِ مسائل
اے دوست تو ہی شاید مسائل حل کرے

گشتیم جہاں را کہ ببینیم و ندیدیم
ہم دنیا میں گھومے کہ دیکھیں، اور نہ دیکھا
ہمچوں تو کسے زیبا در شکل و شمائل
تجھ جیسا کوئی حسین، شکل، اور عادتوں میں

اے زاہدِ[5] خود بیں بدرِ میکدہ بگذر
اے متکبر زاہد شراب خانہ کے دروازہ سے گذر
آں دلبرِ من بیں کہ بود میرِ قبائل
میرے اس دلبر کو دیکھ، جو قبیلوں کا سردار ہے

از وصلِ تو شستند رقیباں ز طمع دست
تیرے وصل کے لالچ سے رقیبوں نے ہاتھ دھو لئے
چوں گشت مرا کامِ دل از لعلِ تو حاصل
جبکہ میرے دل کا مقصد تیرے ہونٹ سے پورا ہوگیا

حافظ تو برو بندگیِ پیرِ مغاں کن
اے حافظ تو جا، اور پیرِ مغاں کی غلامی کر
بر دامنِ او دست زن و از ہمہ بگسل
اس کے دامن کو تھام لے، اور سب سے ٹوٹ جا

ردیفِ میم

آنکہ[6] پامالِ جفا کردہ چو خاکِ راہم
جس نے خاکِ راہ کی طرح، مجھے ظلم سے پامال کیا ہے
خاک می بوسم و عذرِ کرمش میخواہم
میں اس کی خاک بوسی کرتا ہوں اور اسکے کرم کا عذر چاہتا ہوں

من نہ آنم کہ بجور از تو بنالم حاشا
میں ہرگز وہ نہیں ہوں، کہ ظلم کی وجہ سے تجھ سے نالاں ہو جاؤں
چاکرِ معتقد و بندۂ دولت خواہم
میں معتقد خادم اور دولت کی دعا دینے والا غلام ہوں

---

[1] آنکھوں نے اگرچہ طوفانِ نوح پیدا کر دئے لیکن دل سے تیرا نقش نہ مٹا۔

[2] حافظ کا ہاتھ نظرِ بد کا تعویذ ہے یہ گلے میں لٹکا رہنا چاہیے۔

[3] جان سے ہاتھ اٹھا لینا آسان ہے لیکن تیرے عشق سے دست بردار ہونا محال ہے۔

[4] ناصح کیوں روکتا ہے اس راز کو تو ہی حل کرے گا۔

[5] میکدہ میں جا کر دیکھ میرا محبوب سالارِ قافلہ ہے۔

[6] جس نے ہمیں پامال کیا ہے اس کے قدموں کی خاک کو ہم بوسہ دیتے ہیں۔

ذرّۂ[1] خاکم و در کوئے توام وقت خوش ست
میں خاک کا ذرّہ ہوں اور میرا بہترین وقت تیرے کوچہ میں گذر رہا ہے

ترسم اے دوست کہ بادے ببرد ناگاہم
اے دوست ڈر ہے کہ کہیں اچانک مجھے ہوا نہ اڑا لیجائے

صوفیِ صومعۂ عالمِ قدسم لیکن
میں عالمِ قدس کے عبادت خانہ کا صوفی ہوں، لیکن

حالیا دیرِ مغانست حوالت گاہم
فی الحال مُغوں کا آتش کدہ، میری حوالگاہ ہے

بستہ ام در خمِ گیسوئے تو امیدِ دراز
میں نے تیرے گیسو کے خم سے دراز امید وابستہ کر دی ہے

آں مبادا کہ کند دستِ طلب کوتاہم
ایسا نہ ہو کہ وہ میرے دستِ طلب کو کوتاہ کر دے

پیرِ[2] میخانہ سحر جامِ جہاں بینم داد
میخانہ کے پیر نے صبح کو مجھے جامِ جہاں بیں دیا

واندر آں آئنہ از حسنِ تو کرد آگاہم
اور اُس آئینہ میں، مجھے تیرے حسن سے باخبر کر دیا

با منِ راہ نشیں خیز و سوئے میکدہ آئی
مجھ راہ نشیں کے ساتھ اٹھ، اور میکدہ کی جانب آ

تا بہ بینی کہ در آں حلقہ چہ صاحب جاہم
تاکہ تو دیکھے، میں اس حلقہ میں کس قدر رتبہ والا ہوں

بر سرِ شمعِ قدت شعلہ صفت می لرزم
تیرے قد کی شمع پر میں شعلہ کی طرح کانپ رہا ہوں

گرچہ دانم کہ ہوائے تو کشد ناگاہم
اگرچہ جانتا ہوں کہ تیری محبت مجھے اچانک قتل کر دیگی

خوشم آمد کہ سحر خسروِ خاوری گفت
مجھے بھلا لگا کہ صبح کو مشرق کا بادشاہ کہہ رہا تھا

با ہمہ پادشہی بندۂ تورانِ[3] شاہم
میں تمام بادشاہی کے باوجود توران شاہ کا غلام ہوں

مست بگذشتی و از حافظت اندیشہ نبود
تو مست ہو کر گذر گیا، اور تجھے حافظ کا کوئی خیال نہ تھا

آہ اگر دامنِ حسنِ تو بگیرد آہم
ہائے اگر میری آہ، تیرا دامن تھام لے

از غمِ[4] خویش چناں شیفتہ کردی بازم
تو نے پھر مجھے، اپنے غم سے ایسا سودائی کر دیا

کز خیالِ تو بخود نیز نمی پردازم
کہ تیرے خیال سے فکر میں اپنی طرف بھی مشغول نہیں ہوتا ہوں

ہر کہ از نالۂ شبگیرِ من آگاہ شود
جو میرے رات بھر کے نالوں سے باخبر ہو جائے

ہیچ شک نیست کہ چوں روز بداند رازم[5]
کوئی شک نہیں، کہ وہ میرے راز کو دن کی طرح جان لیگا

گفتہ بودی کہ خبر دہ کہ ز ہجرم چونی[6]
تو نے کہا تھا، کہ بتا، میرے ہجر سے تیرا کیا حال ہے

آنچناں کم کہ بہ بینی و ندانی بازم
میں ایسا ہوں، کہ تو مجھے دیکھے، اور پھر بھی نہ پہچانے

بعد ازیں با رخِ خوبِ تو نظر خواہم باخت
اس کے بعد میں تیرے حسین چہرہ کو خوب دیکھتا رہونگا

گو ہمہ خلق بدانند کہ شاہد بازم
گو تمام لوگ جان جائیں، کہ میں شاہد باز ہوں

عہد کردی کہ بسوزی ز غمِ خویش مرا
تو نے عہد کر لیا ہے، کہ اپنے غم سے مجھے جلا دے گا

ہیچ[7] غم نیست تو میسوز کہ من میسازم
کوئی فکر نہیں ہے تو جلا، میں موافقت کروں گا

آنچناں بر دلِ من نازِ تو خوش می آید
میرے دل کو تیرا ناز ایسا بھلا لگتا ہے

کہ حلالت بکنم گر بکشی از نازم
کہ میں تجھے معاف کرتا ہوں، اگر تو مجھے ناز سے قتل کر دے

اگر[8] از دامِ تو خود نیز خلاصم بخشی
اگر تو خود اپنے جال سے، مجھے چھوڑ بھی دے گا

ہم بخاکِ سرِ کوئے تو بود پروازم
پھر بھی تیرے کوچہ کی خاک پر میری پرواز ہوگی

---

[1] ذرّۂ خاکی ہوں تیرے کوچہ میں میرا اچھا وقت گذر رہا ہے بس اس کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہوا اڑا کر اور کسی جگہ نہ لیجا پھینکے۔

[2] پیرِ میخانے نے جامِ جہاں بیں دیا اور اس میں تیرا حسن دکھا دیا۔

[3] توران شاہ جلال الدین خواجہ قوام کے قتل کے بعد شاہ شجاع کا وزیر ہو گیا تھا جو خواجہ صاحب کا قدر دان تھا کئی غزلوں میں خواجہ صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے۔

[4] اس قدر پریشان ہوں کہ بسا اوقات اپنے خیال سے بھی غافل ہو جاتا ہوں۔

[5] روزِ روشن کی طرح میرے راز کو سمجھ جائیگا

[6] تیرے ہجر میں میرا حلیہ اس قدر بگڑ گیا ہے کہ تو بھی مجھے نہیں پہچان سکتا۔

[7] جلا ڈال کوئی پروا نہیں ہے ہم جلنے کو بالکل تیار ہیں۔

[8] اگر تو نے جال سے نکال بھی دیا تو تیرے کوچہ میں ہم پرواز کرتے رہیں گے۔

حافظ ارجاں ندہد بہر تو چوں پروانہ
اگر حافظ تیرے لیے پروانہ کی طرح جان نہ دے گا

پیشِ روئے تو چو شمعش نفسے بگدازم
تیرے چہرے کے سامنے اس کو شمع کی طرح تھوڑی دیر میں پگھلا دوں گا

اگر ؎۱ بر خیزد از دستم کہ با دلدار بنشینم
اگر مجھ سے ہو سکا، کہ میں دلدار کے ساتھ بیٹھوں

ز جامِ وصل مے نوشم ز باغ خلد گل چینم
وصل کے جام سے شراب پیوں گا، جنت کے باغ سے پھول چنوں گا

شرابِ تلخ صوفی سوز بنیادم نخواہد برد
صوفی سوز تلخ شراب، میری جڑ نہ اکھاڑ سکے گی

لبم بر لب نہ اے ساقی و بستاں جانِ شیرینم
اے ساقی میرے ہونٹ پر ہونٹ رکھ دے اور میری شیریں جان لیلے

لبت ؎۲ شکر بمستاں داد چشمت مے بمیخواراں
تیرے ہونٹ نے مستوں کو شکر دی اور تیری آنکھوں نے شرابیوں کو شراب

منم کز غایتِ حرماں نہ با آنم نہ با اینم
میں ہوں کہ انتہائی محرومی کی وجہ سے نہ اس میں ہوں نہ اس میں ہوں

مگر دیوانہ خواہم شد دریں سودا کہ شب تا روز
میں شاید اس سودا میں دیوانہ ہو جاؤں گا کہ رات کو صبح تک

سخن با ماہ میگویم پری در خواب می بینم
چاند سے باتیں کرتا ہوں، پری کو خواب میں دیکھتا ہوں

چو ہر خاکے کہ باد آورد فیضے بود و انعامے
ہوا جو خاک لائی ہے، وہ ایک فیض اور انعام تھا

ز حالِ بندہ یاد آور کہ خدمتگارِ دیرینم
غلام کے حال کو یاد رکھ کہ میں قدیم خدمتگار ہوں

نہ ہر ؎۳ کو نقش نظمے زد کلامش دلپذیر آمد
ایسا نہیں ہے جس شخص نے بھی نظم لکھی اس کا کلام دلپذیر ہوا

تذرو طرفہ میگیرم کہ چالاک ست شاہینم
میں عجب کبک پکڑتا ہوں، اس لیے کہ میرا باز چالاک ہے

وگر باور نمیداری رو از صورتگر چیں پرس
اور اگر تجھے یقین نہیں ہے، جا اور چین کے نقاش سے پوچھ

کہ مانی نسخہ میخواہد ز نوکِ کلک مشکینم
کہ مانی، میرے مشکیں قلم کا نسخہ مانگتا ہے

وفاداری و حق گوئی نہ کارِ ہر کسے باشد
وفاداری اور حق گوئی ہر شخص کا کام نہیں ہوتا

غلامِ آصفِ دوراں جلال الحق والدینم
میں آصفِ دوراں جلال الحق والدین کا غلام ہوں

رموزِ عشق و سرمستی ز من بشنو نہ از حافظ
عشق اور مستی کے راز مجھ سے سُن، نہ کہ حافظ سے

کہ با جام و قدح ہر شب حریفِ ماہ و پروینم
اس لیے کہ میں ہر رات کو جام اور قدح کے ساتھ ماہ اور پروین کا ساتھی ہوں

ایں ؎۴ چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
یہ کیا شور ہے جو میں دورِ قمر میں دیکھتا ہوں

ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم
تمام جہاں کو فتنہ اور شر سے پُر دیکھتا ہوں

ہر ؎۵ کسے روزِ بہی می طلبد از ایام
ہر شخص زمانہ سے بہتر دن چاہتا ہے

مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم
مشکل یہ ہے کہ میں ہر روز کو بد تر دیکھتا ہوں

ابلہاں ؎۶ را ہمہ شربت ز گلاب و قند ست
بیوقوفوں کے لیے تمام تر گلاب اور قند کا شربت ہے

قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم
عقلمند کی ساری روزی خونِ جگر سے دیکھتا ہوں

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں
تازی گھوڑا، پالان کے نیچے زخمی ہو گیا

طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم
سونے کے طوق، تمام تر گدھے کی گردن میں دیکھتا ہوں

؎۱ اگر بن پڑا تو دوست کی صحبت کا لطف اٹھاؤں گا شراب نوشی اور گل چینی کروں گا۔

؎۲ تیرے ہونٹوں نے مستوں کو شکر بانٹی تیری آنکھوں نے شراب نوشوں کو شراب پلائی لیکن ہمارا شمار نہ مستوں میں ہوا نہ میخواروں میں۔

؎۳ ہر شاعر کا کلام بہتر نہیں ہوتا ہے چونکہ حافظ کی طبیعت تیز ہے اس لیے بہترین کلام کہتا ہے۔

؎۴ احوال زمانہ کے تغیر پر خواجہ صاحب نے یہ بہترین غزل کہی ہے۔

؎۵ ہر انسان کی خواہش ہے کہ کل آج سے بہتر ہو لیکن ہم روز بروز زیادہ خرابیاں دیکھ رہے ہیں۔

؎۶ کم عقل مزے اڑا رہے ہیں عقلمند خونِ جگر پی رہے ہیں۔

؎۷ جلال الدین توران شاہ شاہ شجاع کا وزیر تھا اس غزل میں اس کو آصف دوراں کہا ہے۔

دختراں راہمہ جنگ ست و جدل با مادر
لڑکیوں کی ماؤں سے تمام تر جنگ اور لڑائی ہے
پسراں راہمہ بدخواہِ پدر می بینم
تمام لڑکوں کو باپ کا بدخواہ دیکھتا ہوں

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
بھائی، بھائی پر کوئی رحم نہیں کرتا ہے
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم
باپ کی لڑکے پر، کوئی شفقت نہیں دیکھتا ہوں

پندِ حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
اے خواجہ حافظ کی نصیحت سن، جا، اور نیکی کر
زانکہ ایں پند بہ از دُرّ و گہر می بینم
اس لیے کہ اس نصیحت کو موتی اور گوہر سے بہتر دیکھتا ہوں

أَلَمْ يَأْتِ لِلْأَحْبَابِ أَنْ يَتَرَحَّمُوا
کیا دوستوں کے لیے یہ وقت نہیں آیا کہ وہ رحم کریں؟
وَلِلنَّاقِضِينَ الْعَهْدَ أَنْ يَتَنَدَّمُوا
اور عہد کو توڑنے والوں کے لیے کہ وہ شرمندہ ہوں

أَلَمْ يَأْتِهِمْ أَنْبَاءُ مَنْ فَاتَ عَهْدُهُمْ
کیا انہیں اس کی خبر نہیں پہنچیں جس سے اُن کی ملاقات ختم ہو گئی؟
وَفِي صَدْرِهِ نَارُ الْهَوَى تَتَضَرَّمُ
اور اُس کے سینہ میں محبت کی آگ بھڑک رہی ہے

فَيَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا جَرَى
اے کاش، میری قوم جان لیتی جو کچھ کہ گذرا
عَلَى مُرْتَجٍ مِنْهُمْ فَيَعْفُوا وَيَرْحَمُوا
انہیں سے ایک امیدوار پر، پھر وہ معاف کریں اور رحم کریں

حَكَى الدَّمْعُ عَنِّي بِالْحَوَائِجِ أُضْمِرَتْ
آنسوؤں نے میری پوشیدہ ضرورتوں کو بیان کر دیا!
فَيَا عَجَبًا مِنْ صَامِتٍ يَتَكَلَّمُ
پس ایسے خاموش پر تعجب ہے جو بات کرتا ہے

بَنُو عَمِّنَا جُودُوا عَلَيْنَا بِجُرْعَةٍ
اے ہمارے چچیرے بھائیو ایک گھونٹ عنایت کرو
وَلِلْفَضْلِ أَسْبَابٌ بِهَا يُتَوَسَّمُ
اور بڑائی کی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانی جاتی ہے

أَيَا مَنْ فَاقَ كُلَّ السَّلَاطِينِ سَطْوَةً
اے وہ جو تمام بادشاہوں پر دبدبے کے لحاظ سے غالب آگیا ہے
تَرَحَّمْ جَزَاكَ اللّٰهُ وَالْخَيْرَ يَغْنَمُوا
تو رحم کر خدا تجھ کو بدلہ دے اور لوگ نیکی کو غنیمت جانتے ہیں

أَتَى مَوْسِمُ النَّيْرُوزِ وَاخْضَرَّتِ الرُّبَى
نیروز کا زمانہ آگیا اور ٹیلے سرسبز ہو گئے
وَيَرِقُّ خَمْرٌ وَالنَّدَامَى تَرَنَّمُوا
اور شراب رقیق ہو رہی ہے اور ساتھی گا رہے ہیں

شُهُورٌ بِهَا الْأَقْنَاءُ تَقْتَضِي الْغِنَى
یہ مہینے وہ ہیں جن میں انگور کے خوشے ہیں، جو مالداری چاہتے ہیں
وَفِي شَأْنِنَا عَيْشُ الرَّبِيعِ مُحَرَّمُ
اور ہمارے لیے موسم ربیع کا عیش، محرم بنا ہے

بِكُلٍّ مِنَ الْخُلَّانِ ذُخْرٌ وَمِنَّةٌ
دوستوں میں سے ہر ایک کے لیے ذخیرہ ہے اور احسان کرتا ہے
وَلِلْحَافِظِ الْمِسْكِينِ فَقْرٌ وَمَغْرَمُ
اور مسکین حافظ کے لیے فقر، اور تاوان ہے

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر می گویم
میں نے بارہا کہا ہے، اور پھر کہتا ہوں
کہ منِ دل شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم
کہ میں دل گم شدہ اس راستہ پر خود نہیں دوڑ رہا ہوں

در پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند
انھوں نے مجھے آئنہ کے پیچھے، طوطی کی طرح رکھا ہے
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم
جو کچھ ازل کے استاد نے کہا ہے وہی میں کہہ رہا ہوں

۱؎ اب وہ وقت ہے کہ دوست رحم کریں اور بدعہد اپنی بدعہدی پر شرمندہ ہوں۔
۲؎ عاشق دوستوں سے بچھڑ گیا اور اسکے سینہ میں عشق کی آگ شعلہ زن ہے۔
۳؎ آنسو خاموش ہیں لیکن انھوں نے میری تمام حالت کہدی۔
۴؎ شراب کا گھونٹ پلا دینا بڑی فضیلت کی بات ہے۔
۵؎ موسم بہار میں شراب میں رقت آجاتی ہے۔
۶؎ یہ زمانہ تو وہ تھا کہ جس میں مالداری ہوتی اور ذخیرہ پاس ہوتا تاکہ عیش کیا جاسکتا۔
۷؎ طوطی کو آئنہ کے پیچھے رکھدیا جاتا ہے تاکہ آئنہ میں وہ اپنی صورت کی دوسری طوطی دیکھے اور آئنہ کے دوسری طرف سکھانے والا بولنا شروع کر دیتا ہے وہ اپنی تصویر کو یہ سمجھ کر کہ دوسری طوطی بول رہی ہے خود بھی اسی طرح سے بولنا شروع کر دیتی ہے خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ در حقیقت خدا کہلوا رہا ہے۔

من اگر خارم اگر گُل چمن آرائے ہست
میں خواہ کانٹا ہوں، خواہ پھول، کوئی چمن آرا ہے
کہ از آں دست کہ می پرورَدَم می رویم
کہ جس طرح سے مجھے پالتا ہے اسی طرح میں اُگتا ہوں

دوستاں عیب من بیدلِ حیراں مکنید
اے دوستو! مجھ بے دل حیران پر عیب نہ لگاؤ
گوہرے دارم و صاحب نظرے می جویم
میرے پاس ایک جوہر ہے اور میں کسی صاحب نظر کو ڈھونڈتا ہوں

گرچہ با دلق مُلمّع مے گلگوں عیب ست
اگرچہ ریا[1] کی گدڑی کے ساتھ گلاب جیسی شراب عیب ہے
مکنم عیب کز و رنگِ ریا می شویم
میرے اوپر عیب نہ لگا میں اس سے ریاکاری کا رنگ دھوتا ہوں

خندہ و گریۂ عُشّاق زجائے دگرست
عاشقوں کا ہنسنا، اور رونا دوسری وجہ سے ہے
می سرائیم بشب وقتِ سحر می موئیم
میں رات کو گاتا ہوں اور صبح کے وقت روتا ہوں

حافظم گفت کہ خاکِ درِ میخانہ مبوی
حافظ نے مجھ سے کہا میخانہ کے دروازے کی خاک نہ سونگھ
گو مکن عیب کہ من مشکِ خُتن می بویم
کہدے عیب نہ لگائے میں ختن کا مشک سونگھتا ہوں

باز آئی ساقیا کہ ہوا خواہِ خدمتم
ساقی لوٹ آ، میں خدمت کا خیر خواہ ہوں
مُشتاقِ بندگی و دعاگوئے دولتم
غلامی کا مشتاق، اور دولت کا دعاگو ہوں

زانجا کہ فیضِ جامِ سعادت فروغ تست
چونکہ سعادت کی روشنی والے جام کا فیض تیرا ہی ہے
بیروں شدن نمائی زظلماتِ حیرتم
میری حیرت[2] کی تاریکیوں سے نکلنے میں رہنمائی کر دے

ہر چند غرقِ بحرِ گناہم زشش جہت
اگرچہ ہر طرف سے گناہوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں
تا آشنائے عشق شدم زاہلِ رحمتم
جب سے عشق کا آشنا بنا ہوں، قابل رحم ہوں

عیبم مکن برندی و بدنامی اے فقیہ[3]
اے فقیہ! بدنامی، اور رندی کا مجھ پر عیب نہ لگا
کایں بود سر نوشت زدیوانِ فطرتم
اس لیے کہ فطرت کے دفتر سے میری یہی تقدیر تھی

مے خور کہ عاشقی نہ بکسب ست و اختیار
شراب پی کیونکہ عاشقی کسب اور اختیار سے نہیں ہے
کایں بود سر نوشت زدیوانِ قسمتم
کیونکہ یہی تھا، جو تقسیم کے دفتر سے میرے لئے مقدر ہوا ہے

گردم زنی ز طرۂ مشکین آں نگار[4]
اگر تو اس محبوب کے مشکیں زلف کا دم بھرتی ہے
فکرے کن اے صبا زمکافاتِ غیرتم
اے صبا میری غیرت کے بدلے کی ذرا فکر کر

در ابروئے تو تیرِ نظر تا بگوشِ ہوش[5]
تیرے ابرو میں نظر کا تیر، گوش ہوش تک
آوردہ و کشیدہ و موقوفِ فرصتم
لایا ہوا اور کھینچا ہوا ہے، اور میری فرصت پر موقوف ہے

من کز وطن سفر نگزیدم بعمرِ خویش
میں، جس نے اپنی تمام عمر اپنے وطن سے سفر نہیں کیا ہے
در عشقِ دیدنِ تو ہوا خواہِ غربتم
تیرے دیکھنے کے عشق میں، سفر کا خواہشمند ہوں

دریا و کوہ در رہ و من خستہ و ضعیف
راستہ میں دریا اور پہاڑ ہیں اور میں خستہ اور ضعیف ہوں
اے خضرِ پے خجستہ مدد کن بہمّتم
اے مبارک قدم خضر! باطنی توجہ سے میری مدد کر

دُورم[6] بصورت از درِ دولت سرائے دوست
میں دوست کی دولت سرائے سے بظاہر دور ہوں
لیکن بجان و دل زمُقیمانِ حضرتم
لیکن دل اور جان سے دربار کے مقیموں میں سے ہوں

[1] میں گدڑی پر سے ریا کے دھبے شراب سے دھو رہا ہوں۔
[2] میں حیرت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہوں مجھے ان سے باہر نکال دے۔
[3] چونکہ رندی اور بدی ہمارے مقدر سے ہے لہٰذا اس پر عیب جوئی مناسب نہیں ہے۔
[4] اے صبا اگر تو اس کی زلف کا دم بھرتی ہے تو میری غیرت سے بھی ڈرتی رہ۔
[5] تیر جب چلایا جاتا ہے چلّے کو کھینچ کر کان کی برابر لایا جاتا ہے تاکہ تیر دور جا کر گرے۔
[6] بظاہر اگرچہ دور ہوں لیکن دل کے اعتبار سے قریب ہوں۔

حافظ بہ پیشِ چشمِ تو خواہد سپرد جاں
حافظ تیری آنکھوں کے سامنے جان دینا چاہتا ہے
درایں خیالم ار بدہد عمر مُہلتم
میں اسی خیال میں ہوں اگر عمر مجھے فرصت دے

برخیز تا طریقِ تکلف رہا کنیم
اٹھ تاکہ تکلف کے طریقہ کو چھوڑیں
دُکانِ معرفت بدو جو بُر بہا کنیم
معرفت کی دکان کو دو جو سے پر رونق بنائیں

بردیگراں نگارِ قباپوش بگذرد
قباپوش معشوق دوسرے کے پاس سے گذرتا ہے
ما نیز جامہ ہائے صبوری قبا کنیم
ہم بھی، صبر کا جامہ چاک کر دیں

مفتاد زلت از نظرِ خلق در حجاب
مخلوق کی نگاہ سے پوشیدہ ہو کر ستر غلطیاں پردہ میں
بہتر ز طاعتے کہ بروی و ریا کنیم
اس عبادت سے بہتر ہیں جو دکھاوے اور ریا سے کریں

آنکو بغیرِ سابقہ چندیں نواخت کرد
وہ جس نے پہلی پہچان بدوں اس قدر نوازشیں کیں
ممکن بود کہ عفو کند گر خطا کنیم
ممکن ہے معاف کردے اگر ہم غلطی کریں

گر یک شبے بدستِ من افتد نگارِ من
اگر میرا معشوق ایک رات میرے ہاتھ لگ جائے
مُشکل بود کہ دامنش از کف رہا کنیم
مشکل ہوگا کہ ہم اس کا دامن ہاتھ سے چھوڑیں

گفتم نگشت کامِ دلم حاصل از لبت
میں نے اس سے کہا تیرے ہونٹوں سے میرے دل کا مقصد پورا ہوا
گفتا تو صبر کن کہ مرادت روا کنیم
وہ بولا صبر کرتا کہ ہم تیری مراد پوری کریں

حافظ وفا نمی کند ایامِ سُست عہد
اے حافظ بد عہد زمانہ وفا نہیں کرتا ہے
ایں پنج روزہ عمر بیا تا وفا کنیم
آ. اس پانچ روزہ زندگی میں، کہ ہم وفا کریں

بُشریٰ اِذَا السَّلَامَۃُ حَلَّتْ بِذِی سَلَمٖ
خوشخبری ہو، جبکہ سلامتی ذی سلم میں اتری ہے
لِلّٰہِ حَمْدُ مُعْتَرِفٍ غَایَۃَ النِّعَمٖ
لاانتہا، نعمتوں کے اعتراف کرنیوالے کی تعریف خدا کیلئے ہے

آں خوشخبر کجاست کزیں فتح مژدہ داد
وہ خوشخبر کہاں ہے جس نے اس فتح کی خوشخبری دی
تا جاں فشانمش چو زر و سیم در قدم
تاکہ میں چاندی اور سونے کی طرح اس کے قدموں پر جان نثار کروں

از باز گشتِ شاہ چہ خوش طرفہ نقش بست
شاہ کی واپسی کیوجہ سے کیا عمدہ عجیب نقش بنایا
آہنگِ خصمِ او بسراپردہ عدم
اس کے دشمن کے ارادے نے عدم کے سراپردہ پر

پیماں شکن ہر آئنہ گردد شکستہ دل
وعدہ توڑنے والا، لامحالہ شکستہ دل ہوتا ہے
اِنَّ الْعُھُوْدَ عِنْدَ مُلُوْکِ النُّھٰی ذِمَمٖ
عہد، عقل کے بادشاہوں کے نزدیک ذمہ داریاں ہیں

در نیلِ غم فتاد و سپہرش بطعنہ گفت
وہ غم کے نیل میں جا گرا اور اس سے آسمان نے طعنہ کے طور پر کہا
اَلْآنَ قَدْ نَدِمْتَ وَمَا یَنْفَعُ النَّدَمٖ
اب تو شرمندہ ہوا حالانکہ ندامت مفید نہیں ہے

میجست از سحابِ امل رحمتے ولے
وہ امید کے بادل سے رحمت ڈھونڈتا تھا، لیکن
جز دیدہ اش معائنہ بیروں نداد نم
اس کی آنکھوں کے سوا کسی چیز نے باہر نمی نہ دکھائی

ا۔ اگر زندگی نے مہلت دی تو حافظ تیری نظروں کے سامنے جان دینا چاہتا ہے۔
۲۔ معرفت کی دکان دو جوسے ہی چمک اٹھتی ہے ریا کے ڈھیر بھی ہوں تو بیکار ہیں۔
۳۔ ریا کی عبادت سے چھپ کر ستر گناہ کرنا بہتر ہیں۔
۴۔ کسی بادشاہ کی فتحمندی پر خواجہ صاحب نے یہ غزل کہی ہے۔
۵۔ بادشاہ کی آمد پہ دشمن معدوم ہوگیا۔
۶۔ عہد شکن شرمندہ ہوتا ہے اور بالآخر ایسے وقت رنج کرتا ہے جب رنج اس کو مفید نہیں ہوتا ہے۔

ساقی بیا کہ دورِ گل ست و زمانِ عیش
اے ساقی آجا پھول کا موسم اور عیش کا زمانہ ہے
پیش آر جام و ہیچ مخور غم ز بیش و کم
جام سامنے لا، اور زیادتی، اور کمی کا غم نہ کر

اےؔ دل تو جامِ جم بطلب مُلکِ جم مخواہ
اے دل تو جامِ جم چاہ، جمشید کی سلطنت نہ چاہ
کیں بود قولِ بُلبُلِ بستانسرائے جم
اس لیے کہ جمشید کے پائیں باغ کی بلبل کا یہی قول تھا

چوںؔ خونِ خصم ہمچو صراحی بریختی
جب تو نے دشمنوں کا خون صراحی کی طرح بہا دیا
با دوستاں بعیش و طرب گیر جامِ جم
دوستوں کے ساتھ عیش، اور مستی میں جامِ جم تھام

بشنوؔ ز جامِ بادہ کہ ایں زالِ نو عروس
شراب کے جام سے سن کہ اس نئی دلہن بڑھیا نے
بسیار گشت شوہرِ چوں کیقباد و جم
کیقباد اور جمشید جیسے بہت سے شوہر مار ڈالے ہیں

حافظؔ بکنجِ میکدہ دارد قرارگاہ
حافظ کو سکون کی جگہ شراب خانہ کے گوشہ میں ملتی ہے
کَالطَّیْرِ فِی الْحَدِیْقَةِ وَاللَّیْثِ فِی الْاَجَمِ
جیسا کہ پرند کو باغ میں، اور شیر کو کچھار میں

بعزمِ توبہ سحر گفتم استخارہؔ کنم
میں نے صبح کو کہا توبہ کے ارادہ سے استخارہ کروں گا
بہارِ توبہ شکن میرسد چہ چارہ کنم
توبہ شکن بہار آرہی ہے، کیا تدبیر کروں؟

سخن درست بگویم نمی توانم دید
سچی بات کہتا ہوں، میں نہیں دیکھ سکتا
کہ مے خورند حریفان و من نظارہ کنم
کہ رقیب شراب پئیں اور میں دیکھتا رہوں

بدورؔ لالہ دماغِ مرا علاج کنید
لالہ کے زمانہ میں، میرے دماغ کا علاج کرو
گر از میانۂ اہلِ طرب کنارہ کنم
اگر میں مستوں کے درمیان سے، کنارہ کروں

اگر شبےؔ بزبانم حدیثِ توبہ رود
اگر کسی رات کو میری زبان سے، توبہ کی بات نکلے
ز بے طہارتی آنرا بمے غرارہ کنم
ناپاکی کی وجہ سے اس کا شراب سے غرارہ کروں

بتختِ گل بنشانم بتے چو سلطانے
ایک بادشاہ کی طرح ایک معشوق کو پھولوں کے تخت پر بٹھاؤں
ز سنبل و سمنش سازِ طوق و یارہؔ کنم
اس کے لیے سنبل، اور سمن سے ہار، اور کنگن تیار کروں

مرا کہ نیستؔ رہ و رسمِ لقمہ پرہیزی
جبکہ پرہیز کے لقمہ کی میرے لئے راہ، اور رسم نہیں ہے
ہماں بہ است کہ میخانہ را اجارہ کنم
یہی بہتر ہے، کہ شراب خانہ کا ٹھیکہ لے لوں

ز روئے دوست مرا چوں گلِ مراد شگفت
جبکہ دوست کے چہرے سے میری مراد کا پھول کھل گیا ہے
حوالۂ سرِ دشمن بسنگِ خارہ کنم
تو دشمن کے سر کو سنگِ خارہ کے حوالہ کروں

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بیں
میں شراب خانہ کا فقیر ہوں، لیکن مستی کے وقت دیکھ
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم
کہ فلک پر ناز، اور ستارے پر حکم کرتا ہوں

اگر ز لعلِ لبِ یار بوسہ یابم
اگر میں یار کے لعل جیسے ہونٹ کا ایک بوسہ پاؤں
جواں شوم ز سر و زندگی دوبارہ کنم
از سر نو جوان ہو جاؤں، اور دوبارہ زندگی حاصل کر لوں

چو غنچہ با لبِ خنداں بیادِ مجلسِ شاہ
شاہ کی مجلس کی یاد پر مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ غنچہ کی طرح
پیالہ گیرم و از شوق جامہ پارہ کنم
پیالہ تھاموں اور شوق کی وجہ سے کپڑے پھاڑوں

---

۱ جمشید کا ملک فانی ہے جام جم حاصل کرنا چاہیے تاکہ دوام پیدا ہو۔
۲ تو نے دشمنوں پر فتح حاصل کر لی ہے اب دوستوں کے ساتھ محفل طرب قائم کر۔
۳ کیقباد اور جمشید جیسے بہت سے اس دنیا کے مالک بنے ہیں اور پھر اس دنیا نے ان کو فنا کر دیا ہے۔
۴ مجھے شراب خانہ کے گوشہ میں وہی سکون حاصل ہوتا ہے جو پرند کو باغ یا شیر کو کچھار میں۔
۵ استخارہ کے معنی بھلائی طلب کرنا ہیں، شرعی حکم ہے کہ اگر انسان کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا چاہے تو دو رکعت نفل پڑھے پھر استخارہ کی مشہور دعا پڑھے اور سو جائے پھر جس طرف دل کا رجحان ہو وہ کام کرے انشاء اللہ اس میں اس کی بھلائی ہوگی۔
۶ جو شخص موسم بہار میں اہل طرب سے کنارہ کرے اس کا دماغ خراب ہے۔
۷ توبہ کا لفظ منہ سے نکالنے سے منہ گندا ہو جائیگا شراب سے کلیاں کرنی چاہییں۔
۸ یارہ پھولوں کے گچھے کو کہا جاتا ہے۔ ۹ جبکہ حلال مقدر نہیں ہے تو بہتر ہے کہ شراب خانہ کا ٹھیکہ لیا جائے اور اس کی کمائی کھائی جائے۔

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب فقیہ
میں نہ قاضی ہوں، نہ مدرس نہ محتسب ہوں، نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منع شراب خوارہ کنم
مجھے کیا فائدہ کہ شراب خور کو روکوں؟

زبادہ خوردنِ پنہا ملول شد حافظ
حافظ، چھپ کر شراب پینے سے تنگدل ہو گیا
ببانگِ بربط و نے رازش آشکارہ کنم
بربط اور بانسری کی آواز سے اس کے راز کو فاش کرتا ہوں

بغیر از آنکہ بشد دین و دانشش از دستم
اس کے علاوہ کہ دین اور عقل میرے ہاتھ سے جاتے رہے
دگر بگو کہ ز عشقت چہ طرف بر بستم
بتا تیرے عشق سے مجھے اور کیا فائدہ ہوا؟

اگر چہ خرمنِ عمرم غمِ تو داد بباد
اگرچہ تیرے غم نے میری عمر کا کھلیان برباد کر دیا ہے
بخاکِ پائے عزیزت کہ عہد نشکستم
تیرے قدموں کی پیاری خاک کی قسم کہ میں نے عہد نہیں توڑا ہے

چو ذرہ گرچہ حقیرم ببین بدولتِ عشق
اگرچہ میں ذرہ کی طرح حقیر ہوں، عشق کی دولت کی برکت سے
کہ در ہوائے رخت چوں بمہر پیوستم
تیرے رخ کے عشق میں کس طرح سورج سے جا ملا ہوں

بیار بادہ کہ عمریست تا من از سرِ مہر
شراب لا اس لیے کہ ایک عمر گزر گئی جب سے میں محبت کیوجہ سے
بکنجِ عافیت از بہرِ عیش ننشستم
عافیت کے گوشہ میں عیش کے لیے نہیں بیٹھا ہوں

اگر ز مردمِ ہشیاری اے نصیحت گو
اے نصیحت گو! اگر تو عقلمند انسانوں میں سے ہے
سخن بخاک میفگن چرا کہ من مستم
بات مٹی میں نہ ملا، اس لیے کہ میں مست ہوں

چگونہ سر ز خجالت بر آورم بر دوست
دوست کے سامنے شرمندگی سے کس طرح سر اٹھاؤں؟
کہ خدمتے بسزا بر نیامد از دستم
اس لیے کہ میرے ہاتھ سے کوئی مناسب خدمت نہیں ہوئی ہے

بسوخت حافظ و آں یارِ دلنواز نگفت
حافظ جل گیا، اور اس دلنواز یار نے نہ کہا
کہ مرہمے بفرستم چو خاطرش خستم
کہ میں کوئی مرہم بھیجدوں، جبکہ میں نے اس کا دل زخمی کیا ہے

بگذار تا بشارعِ میخانہ بگذریم
چھوڑ، تاکہ ہم شراب خانہ کی سڑک پر سے گزریں
کز بہرِ جرعۂ ہمہ محتاجِ ایں دریم
اس لیے کہ ہم سب ایک گھونٹ کے لیے اس دروازہ کے محتاج ہیں

جائیکہ تخت و مسندِ جم میرود بباد
جس جگہ جمشید کا تخت اور مسند برباد ہو جاتے ہیں
گر غم خوریم خوش نبود بہ کہ مے خوریم
اگر غم کھائیں تو اچھا نہ ہوگا، بہتر ہے کہ شراب پئیں

تا بو کہ دست در کمرِ او تواں زدن
تاکہ ایسا ہو کہ ہاتھ اس کی کمر میں ڈالا جا سکے
در خونِ دل نشستہ چو یاقوتِ احمریم
سرخ یاقوت کی طرح دل کے خون میں ہم بیٹھے ہیں

روزِ نخست چوں دمِ رندی زدیم و عشق
پہلے دن سے جب ہم نے رندی اور عشق کا دم بھرا
شرط آں بود کہ جز رہِ ایں شیوہ نسپریم
شرط یہی ہے کہ اس راستہ کے سوا کوئی راستہ نہ چلیں

واعظ مکن نصیحتِ شوریدگاں کہ ما
واعظ! دیوانوں کو نصیحت نہ کر اس لیے کہ ہم
با خاکِ کوئے دوست بفردوس ننگریم
دوست کے کوچہ کی خاک کے سامنے جنت کو نہیں دیکھتے

۱ شراب خواری سے روکنا ان لوگوں کا کام ہے میرا کام نہیں ہے۔
۲ عشق سے مجھے تو یہی فائدہ ہوا کہ دین بھی گیا اور عقل بھی گئی۔
۳ ذرہ کو سورج کا عاشق قرار دیا گیا ہے، ذرہ سورج سے نور حاصل کرتا ہے۔
۴ عقلمند انسان ایسی بات نہیں کہتا جو رائگاں جائے۔
۵ چونکہ دوست کے لائق کوئی خدمت انجام نہیں دی جا سکی لہٰذا ہم شرمندہ ہیں۔
۶ دنیا نے جب کہ جمشید کے تخت و تاج کو بھی ختم کر دیا تو وہ ناقابل بھروسہ ہے۔
۷ وفاداری کا تقاضہ ہے کہ اب راہِ عشق پر قائم رہا جائے۔
۸ ہم دوست کے کوچہ کی خاک کے مقابلہ میں جنت کو بھی نظر میں نہیں لاتے ہیں لہٰذا ہمیں نصیحت کرنا بے سود ہے۔

زاں پیشتر کہ عمرِ گرانمایہ بگذرد
اس سے قبل کہ قیمتی عمر گذر ے

بگذار تا قیامتِ روئے تو بنگریم
موقع دے، کہ تیرے چہرے کی قیامت کو ہم دیکھ لیں

چوں صوفیاں بحالت و رقصند در سماع
جبکہ صوفی سماع میں، حال اور رقص میں ہیں

مانیز ہم بشعبدہ دستے بر آوریم
ہم بھی شعبدہ کے طور پر، کچھ ہاتھ نکالیں

از جرعۂ[1] تو خاکِ زمیں قدرِ لعل یافت
تیرے گھونٹ سے، زمین کی خاک نے لعل کا مرتبہ پا لیا

بیچارہ ماکہ پیشِ تو از خاک کمتریم
ہم بیچارے ہیں کہ تیرے سامنے خاک سے بھی کمتر ہیں

حافظ چو رہ بکنگرۂ کاخ وصل نیست
اے حافظ جب وصل کے محل کے کنگرہ کا راستہ نہیں ہے

با خاکِ آستانۂ ایں در بسر بریم
اس دروازہ کی چوکھٹ کی خاک پر بسر کر لیں

بہ تیغم[2] گر زند دستش نگیرم
اگر وہ مجھے تلوار سے مارے، اس کا ہاتھ نہ پکڑ وں

وگر تیرم زند منت پذیرم
وہ اگر میرے تیر مارے، اس کا شکر گذار ہوں

کمانِ[3] ابروئے ما را گو مزن تیر
ہمارے کمان جیسے ابرو والے سے کہہ دے کہ تیر نہ مارے

کہ پیشِ دست و بازویت بمیرم
تاکہ تیرے ہاتھ اور بازو پر جان دوں

غمِ گیتی چو از پایم در آورد
دنیا کے غم نے، جبکہ مجھے پچھاڑ دیا ہے

بجز ساغر نباشد دستگیرم
ساغر کے علاوہ، میرا کوئی دستگیر نہ ہوگا

بر آ اے آفتابِ[4] صبحِ امید
اے امید کی صبح کے آفتاب نکل آ

کہ در دستِ شبِ ہجراں اسیرم
کیونکہ میں شبِ ہجر کے ہاتھوں میں قیدی ہوں

چو طفلاں[5] تا کے اے واعظ فریبی
اے واعظ تو بچوں کی طرح کب تک بہلائے گا؟

بسیبِ بوستان و جوئے شیرم
مجھ کو باغ کے سیب اور دودھ کی نہر کے ذریعہ

منِ[6] آں مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ
میں وہ پرندہ ہوں، جو ہر صبح اور شام

رسد تا سدرہ آوازِ صفیرم
سدرہ تک میری سیٹی کی آواز پہنچتی ہے

بفریادم رس اے پیرِ خرابات
اے پیرِ خرابات، میری فریاد کو پہونچ

بیک جرعہ جوانم کن کہ پیرم
ایک گھونٹ سے مجھے جوان بنادے میں بوڑھا ہوں

بگیسوئے تو خوردم دوش سوگند
کل میں نے تیری زلفوں کی قسم کھائی ہے

کہ از پائے تو من سر بر نگیرم
کہ میں تیرے پیروں سے سر نہ اٹھاؤں گا

بسوز ایں خرقۂ تقوی چو حافظ
حافظ کی طرح تقوے کی اس گدڑی کو جلادے

کہ گر آتش شوم در وے نگیرم
اس لیے کہ میں اگر آگ بھی بنتا ہوں اسمیں اثر نہیں کرتا ہوں

بمژگانِ سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم
تو نے کالی پلکوں سے میرے دین میں ہزاروں رخنے پیدا کر دئے

بیا کز چشمِ بیمارت ہزاراں درد برچینم
آ، تاکہ تیری بیمار آنکھوں سے میں ہزاروں درد حاصل کروں

---

[1] تیری توجہ سے خاک بھی لعل بن گئی لیکن ہم محروم ہی ہیں۔
[2] دوست کا قتل کرنا ہمارے لئے باعثِ احسان ہے۔
[3] ہم تو محبوب کے دست و بازو پر خود ہی جان قربان کرتے ہیں اس کو ابرو سے تیر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔
[4] آفتابِ صبحِ امید سے مراد معشوق ہے۔
[5] ہمیں بچوں کی طرح سیب اور دودھ کی نہروں سے نہیں بہلایا جاسکتا ہے۔
[6] ہم تو سدرہ تک کی سیر کرتے ہیں۔

۱ الا اے ہمنشینِ دل کہ یارانت برفت از یاد
آگاہ، اے دل کے ہم نشین کہ دوست تیری یاد سے چلے گئے
مرا روزی مبادا آں دم کہ بے یادِ تو بنشینم
وہ وقت میرے مقدر میں نہ ہو کہ تیری یاد کے بدوں بیٹھوں

زتابِ آتش دوری شدم غرقِ عرق چوں گل
دوری کی آگ کی گرمی سے پھول کی طرح پسینہ میں نہا گیا ہوں
بیار اے بادِ شبگیری نسیمے زاں عرق چینم ۲
اے بادِ صبا ایسی نسیم لا جس سے میں اپنا پسینہ خشک کروں

۳ شبِ رحلت ہم از بستر روم تا قصرِ حور العین
سفر کی رات میں بستر سے حور العین کے محل تک پہنچوں گا
اگر در وقتِ جاں دادن تو باشی شمعِ بالینم
اگر جان دینے وقت تو میرے سرہانے کی شمع ہو گا

۴ صباح الخیر زد بلبل کجائی ساقیا برخیز
بلبل نے صباح الخیر کا نعرہ لگایا اے ساقی تو کہاں ہے اٹھ
کہ غوغا میکند در سر خمارِ خمرِ دوشینم
اس لیے کہ کل شب کی شراب کا خمار میرے سر میں شور کر رہا ہے

۵ اگر بر جائے من غیرے گزیند دوست حاکم اوست
اگر وہ میری بجائے کسی اور کو دوست بنائے وہ حاکم ہے
حرامم باد اگر من جاں بجائے دوست بگزینم
میرے لیے حرام ہو گا اگر میں اس کی بجائے جان کو بھی پسند کروں

جہاں پیر است بے بنیاد ازیں فرہاد کش فریاد
دنیا ایک بے حقیقت بوڑھی ہے اس فرہاد کو مار ڈالنے والی سے فریاد ہے
کہ کرد افسون و نیرنگش ملول از جانِ شیرینم
اس لیے کہ اس کے جادو اور شعبدہ نے مجھے شیریں جان سے بیزار کر دیا ہے

جہانِ فانی و باقی فدائے شاہد و ساقی
فانی اور باقی عالم شاہد اور ساقی پر قربان ہے
کہ سلطانی عالم را طفیلِ عشق می بینم
اس لیے کہ میں دنیا کی بادشاہت کو عشق کے طفیل دیکھ رہا ہوں

رموزِ عشق و سرمستی ز من بشنو نہ از واعظ
مستی اور عشق کے راز مجھ سے سن، نہ کہ واعظ سے
کہ با جام و قدح ہر شب قرینِ ماہ و پروینم
اس لیے کہ میں ہر شب جام اور پیالہ کے ساتھ چاند اور پروین کا ساتھی ہوں

حدیثِ آرزو مندی کہ در ایں نامہ ثبت افتاد
آرزو مندی کی جو بات اس دفتر میں لکھی ہے
ہمانا بے غلط باشد کہ حافظ داد تلقینم
یقیناً صحیح ہو گی اس لیے کہ حافظ نے مجھے پڑھائی ہے

۶ بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
آ تاکہ پھول برسائیں اور ساغر میں شراب ڈالیں
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم
آسمان کی چھت کو پھاڑ ڈالیں اور نئی بنیاد قائم کریں

۷ اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد
اگر غم لشکر کشی کرے تاکہ عاشقوں کی خون ریزی کرے
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
میں اور ساقی متفق ہو جائیں، اور اس کی جڑ اکھاڑ پھینکیں

چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش
جبکہ تیرے ہاتھ میں اچھا باجا ہے، اے مطرب اچھا گانا گا
کہ دست افشاں غزل خوانیم و پا کوباں سر اندازیم
تاکہ رقص کرتے ہوئے ہم غزل پڑھیں اور ناچتے ہوئے سر دھنیں

۸ صبا خاکِ وجودِ ما بآں عالی جناب انداز
اے صبا ہمارے وجود کی خاک کو اس بلند دربار میں ڈال دے
بود کاں شاہِ خوباں را نظر بر منظر اندازیم
ہو سکتا ہے کہ ہم اس حسینوں کے بادشاہ کے رخ کو دیکھ لیں

۹ یکے از عشق می لافد دگر طامات می بافد
ایک عشق کی ڈینگیں مارتا ہے، دوسرا کرامات کی بکواس کرتا ہے
بیا کایں داوریہا را بہ پیشِ داور اندازیم
آؤ ہم ان جھگڑوں کو خدا کے سامنے پیش کر دیں

بہشتِ عدن اگر خواہی بیا با ما بمیخانہ
اگر تو بہشتِ عدن چاہتا ہے ہمارے ساتھ میخانہ میں چل
کہ از پائے خمت یکسر بحوضِ کوثر اندازیم
کہ تجھے پائے خم سے سیدھا حوضِ کوثر میں ڈال دیں

---

۱ تو نے تو ہمیں بھلا دیا خدا وہ وقت نہ لائے کہ ہم تجھے بھلا سکیں۔
۲ عرق چینم کو اکثر محشیوں نے ایک خوشبو لکھا اس بتایا ہے جو کسی لغت میں مجھے نہ ملا۔ لغت میں اس کے معنی کلاہ کے نیچے کی ٹوپی یا رومال لکھے ہیں جو اس شعر میں مناسب نہیں ہیں۔ لہٰذا میں نے عرق چینم کو اسم فاعل ترکیبی قرار نہیں دیا بلکہ چینم کو فعل قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔
۳ اگر نزع کے وقت محبوب سرہانے ہو گا تو ہم سیدھے جنت میں جائیں گے۔
۴ صباح الخیر صبح کے وقت کا سلام ہے۔
۵ محبوب حاکم ہے وہ ہماری بجائے دوسرے کو دوست بنا سکتا ہے لیکن ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی بجائے جان کو بھی دوست بنائیں۔
۶ آ، شراب پئیں اور دنیا کی رفتار بدل ڈالیں۔
۷ اگر غم کا لشکر حملہ کریگا تو میں اور ساقی مل کر اس کو شکست دیں گے۔
۸ ہماری خاک کو محبوب کے کوچہ میں اڑا کر لیجا تاکہ ہم محبوب کا دیدار کر سکیں۔
۹ صوفیوں کے بلند بانگ عشق کے دعووں کو اور کشف و کرامات کی ڈینگوں کو خدا کے دربار میں پیش کر دیں۔

شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم ۔ نسیم عطر گرداں را شکر در مجمر اندازیم
سرخ شراب کے پیالے میں گلاب ملائیں ۔ خوشبو پھیلانے والی نسیم کی انگیٹھی میں شکر ڈالیں

بیا جاناں منور کن ز رویت مجلس ما را ۔ کہ در پیشت غزل خوانیم و در پایت سر اندازیم
آ، اے جاناں اپنے چہرے سے ہماری مجلس کو پرنور کر دے ۔ تاکہ ہم تیرے سامنے غزل پڑھیں اور تیرے پیروں میں سر ڈالیں

سخندانی و خوشخوانی نمی ورزند در شیراز
سخندانی اور خوش الحانی شیراز میں پسند نہیں کرتے ہیں
بیا حافظ کہ ما خود را بملک دیگر اندازیم
آ، حافظ تاکہ ہم اپنے آپ کو دوسرے ملک میں پھینک دیں

بے تو اے سرو رواں باگل و گلشن چہ کنم ۔ زلف سنبل چہ کشم عارض سوسن چہ کنم
اے سرو رواں تیرے بدون میں پھول اور چمن کو کیا کروں؟ ۔ سنبل کی زلف کو کیا کھینچوں سوسن کے رخسار کو کیا کروں؟

آه کز طعنۂ بدخواه ندیدم رویت ۔ نیست چوں آئینہ ام روئے ز آہن چہ کنم
افسوس دشمن کے طعنہ کی وجہ سے میں نے تیرا چہرہ نہ دیکھا ۔ آئینہ کی طرح میرا چہرہ لوہے کا نہیں ہے، میں کیا کروں؟

برو اے زاہد و بر دُردکشاں خردہ مگیر ۔ کارفرمائے قدر میکند این من چہ کنم
اے زاہد چلا جا، اور تلچھٹ پینے والوں پر عیب نہ لگا ۔ تقدیر کا کارفرما یہ کرتا ہے، میں کیا کروں؟

برق غیرت چو چنیں میجہد از مکمن غیب ۔ تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم
غیب کی کمیں گاہ سے جبکہ غیرت کی بجلی اس طرح کوندتی ہے ۔ تو بتا، میں کھلیان جلا ہوا کیا کروں؟

مددے گر بچراغے نکند آتش طور ۔ چارۂ تیرہ شب وادیٔ ایمن چہ کنم
اگر طور کی آگ، ایک چراغ سے میری کوئی مدد نہ کرے ۔ وادیٔ ایمن کی اندھیری رات کی کیا تدبیر کروں

شاہ ترکاں چو پسندید و بچاہم انداخت ۔ دستگیر ار نشود دست تہمتن چہ کنم
ترکوں کے شاہ نے جب پسند کیا اور مجھے کنویں میں ڈال دیا ۔ تہمتن کا ہاتھ اگر دستگیری نہ کرے تو میں کیا کروں؟

خون من ریختی از ناوک دلدوز فراق ۔ خود بگو با تو من اے دیدۂ روشن چہ کنم
دل کو چھید دینے والے فراق کے تیر سے تو نے میرا خون بہایا ۔ اے دیدۂ روشن تو مجھے خود بتا میں تیرے ساتھ کیا کروں

حافظا خلد بریں خانۂ موروث من ست
اے حافظ! خلد بریں میرا موروثی گھر ہے
اندریں منزل ویرانہ نشیمن چہ کنم
اس ویران منزل میں، کیا نشیمن بناؤں؟

برو اے طبیب از سر کہ خبر ز سر ندارم ۔ بخدا رہا کنم جاں کہ ز جاں خبر ندارم
اے طبیب میرے پاس سے چلا جا اس لئے کہ مجھے سر کی خبر نہیں ہے ۔ خدا کے لئے میری جان چھوڑ، مجھے جان کی خبر نہیں ہے

بعیادتم قدم نہ کہ ز بیخودی شوم بہ ۔ مے ناب نوش و ہم دہ کہ غم دگر ندارم
میری بیمار پرسی کے لئے قدم دھر تاکہ بیہوشی سے اچھا ہو جاؤں ۔ خالص شراب پی اور دے اس لئے کہ مجھے کوئی دوسرا غم نہیں ہے

غمم ار خوری ازیں پس نکنم ز غمخوری بس ۔ نظرے بجز تو باکس بکسے دگر ندارم
اگر تو میری غمخواری کرے گا، میں اس کے بعد غمخواری سے بس نہ کروں گا ۔ میری نظر، تیرے سوا کسی پر نہیں ہے

۱ خوشبو پھیلانے کے لیے عود کو شکر میں ملا کر دھونی کے لیے انگیٹھی میں ڈالا جاتا تھا۔
۲ اب سخندانی اور خوش الحانی کی شیراز میں قدر نہیں رہی کسی دوسرے ملک میں چلنا چاہیے۔
۳ سکندر اعظم نے غالباً آئینہ لوہے کا بنوایا تھا اس لیے اس لفظ کی اصل آہنہ بتائی جاتی ہے۔
۴ ہماری دُرد کشی مقدر سے ہے اس پر طعنہ زنی مناسب نہیں ہے
۵ جب محبوب کی غیرت خرمن کو جلا رہی ہے تو ہمارا اس میں کیا دخل ہے
۶ مشہور قصہ ہے کہ بیژن رستم کا بھانجہ شکاری جانوروں کے پیچھے افراسیاب کے ملک میں پہنچ گیا اور افراسیاب کی بیٹی پر عاشق ہو گیا افراسیاب نے اس کو اندھیرے کنویں میں قید کر دیا جب رستم کو پتہ چلا تو وہ تاجر بن کر گیا اور اسکو چھڑا لایا ترکوں کے شاہ سے افراسیاب، اور تہمتن سے رستم مراد ہے اور اس شعر میں افراسیاب سے شیطان اور رستم سے مرشد کامل مراد ہے۔
۷ جنت حضرت آدم کی قیام گاہ تھی لہذا ہمارے باوا دادا کا موروثی مکان ہے

۸ شعر: از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب ٭ دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

زررت کنند زیور بزرت کشند در بر
سونے سے تیرا زیور بناتے ہیں، سونے کے ذریعہ تجھے بغل میں لیتے ہیں

من بینوائے مضطر چہ کنم کہ زر ندارم
میں مفلس، مجبور کیا کروں کہ میرے پاس سونا نہیں ہے،

دگرم مگو کہ خواہم کہ ز در گہت برانم
پھر مجھے نہ کہنا کہ میں چاہتا ہوں، کہ تجھے دربار سے نکال دوں

تو برین و من بر آنم کہ دل از تو بر ندارم
تو اس پر ہے، اور میں اس پر کہ تجھ سے دل نہ ہٹاؤں گا

من اگرچہ مے پرستم نہ ہیدمے بدستم
میں اگرچہ شراب پرست ہوں، میرے ہاتھ میں شراب نہ دو

مبر ید دل ز دستم کہ دلِ دگر ندارم
میرے ہاتھ سے دل نہ لیجا کہ اس لیے کہ میرے پاس دوسرا دل نہیں ہے

دلِ حافظ ار بجوئی غمِ دل بہ تند خوئی
اگر تو حافظ کی دل جوئی کرے، بد مزاجی کی وجہ سے دل کا غم

چہ بگویمت بگوئی سرِ دردِ سر ندارم
تجھ سے کیا کہوں، تو کہتا ہے میں دردِ سر نہیں برداشت کرتا ہوں

تا سایۂ مبارکت افتاد بر سرم
جب سے تیرا مبارک، سایہ میرے سر پر پڑا ہے

دولت غلامِ من شد و اقبال چاکرم
دولت میری غلام ہوگئی ہے، اور اقبال میرا خادم ہوگیا ہے

شد سالہا کہ از سرِ من بخت رفتہ بود
کئی سال گذرے کہ میرے سر سے مقدر دور ہوگیا تھا

از دولتِ وصالِ تو باز آمد از درم
تیرے وصال کی دولت سے پھر میرے دروازہ سے واپس آگیا ہے

بیدار در زمانہ ندیدے کسے مرا
زمانہ میں پھر کوئی مجھے بیدار نہ دیکھتا

در خواب اگر خیالِ تو گشتے مصوّرم
اگر نیند میں تیرا خیال، میرے لیے مصور ہو جاتا

من عمر در غمِ تو بپایاں برم و لے
میں تیرے غم میں عمر ختم کردوں گا لیکن

باور مکن کہ بے تو زمانے بسر برم
یقین نہ کر کہ تیرے بدون تھوڑا سا وقت گذاروں گا

زاں شب کہ باز در دلِ تنگم در آمدی
جس رات سے تو پھر میرے تنگ دل میں آیا

صد شمع در گرفت دماغِ معطّرم
میرے معطر دماغ میں، سو شمعیں روشن ہوگئیں

دردِ مرا طبیب نداند دوا کہ من
طبیب میرے درد کی دوا نہیں جانتا ہے اس لیے کہ میں

بے دوست خستہ خاطر و با دوست خوشترم
بغیر دوست کے خستہ طبیعت اور دوست کے ساتھ بہت خوش ہوں

گفتی بیار رختِ اقامت بکوئے ما
تو نے کہا ہمارے کوچہ میں ٹھہرنے کا سامان لے آ

من خود بجانِ تو کہ ازیں کوئے نگذرم
تیری جان کی قسم، میں خود اس کوچے سے نہ جاؤں گا

گردوں چو کرد نظمِ ثریّا بنامِ شاہ
جبکہ آسمان نے ثریا کو بادشاہ کے نام پر نظم کیا ہے

من نظمِ خود چرا نکنم از کہ کمترم
میں کس سے کم ہوں، میں اپنی نظم کیوں نہ بناؤں؟

ہر کس غلامِ شاہے و مملوکِ صاحبے ست
ہر شخص ایک بادشاہ کا غلام ہے اور ایک آقا کا مملوک ہے

حافظ کمینہ بندۂ سلطانِ کشورم
میں حافظ ملک کے بادشاہ کا ادنیٰ غلام ہوں

تو ہمچو صبحی و من شمعِ خلوتِ سحرم
تو صبح کی طرح ہے، اور میں سحر کی شمعِ خلوت ہوں

تبسّمے کن و جاں بیں کہ چوں ہمی سپرم
تو ذرا مسکرا دے اور دیکھ میں کس طرح جان دیتا ہوں

ا شعر [illegible]

۲ اگر خواب میں بھی تیرا تصور آجائے تو تمام عمر سوتا رہوں اور اس خوف سے کبھی بیدار نہ ہوں کہ تیرا تصور چلا جائے گا۔

۳ میرے درد کی دوا طبیب کیا کرے گا۔ میرا مرض یہ ہے کہ بے دوست مریض ہوں اور دوست کے ساتھ صحت مند ہوں۔

۴ میں سامان لانے کے بعد بھی تیرے کوچے سے باہر قدم نہ رکھوں گا۔

۵ شعر
ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر طرفِ کج کلاہے

چنیں کہ در دلِ من داغِ زلفِ سرکشِ تست
میرے دل میں تیری سرکش زلف کا ایسا داغ ہے
بنفشہ زار شود تُربتم چو در گذرم
کہ جب میں مرجاؤں گا، میری قبر بنفشہ زار ہوگی

بر آستانِ امیدت کشادہ ام درِ چشم
میں نے تیری امید کی چوکھٹ پر، آنکھ کا در کھولا ہے
کہ یک نظر فگنی چوں فگندی از نظرم
تاکہ تو ایک نظر ڈال دے، جبکہ تو نے مجھے نظر سے گرادیا ہے

غلامِ مردمِ چشمم کہ با سیاہ دلی
میں آنکھ کی پتلی کا غلام ہوں کہ باوجود سیاہ دلی کے
ہزار قطرہ ببارد چو دردِ دل شمرم
ہزاروں قطرے برساتی ہے جب دل کا درد گنتا ہوں

چہ شکر گویمت اے خیلِ غم عفاک اللہ
اے غم کے لشکر میں تیرا شکریہ کیا ادا کروں خدا تجھے بخشے؟
کہ روزِ بیکسی آخر نمی روی ز سرم
اس لیے کہ بیکسی کے دن بھی تو میرے سر سے نہیں جاتا ہے

بہر نظر بتِ ما جلوہ می کند لیکن
ہمارا بت ہر نظر میں، جلوہ فرما ہے، لیکن
کس آں کرشمہ نہ بیند کہ من ہمی نگرم
کوئی وہ ادا نہیں دیکھتا ہے جو میں دیکھتا ہوں

بخاکِ حافظ اگر یار بگذرد چو نسیم
اگر یار نسیم کی طرح حافظ کی خاک پر سے گزرے
چو غنچہ در لحدِ تنگ خود کفن بدرم
میں اپنی تنگ لحد میں، غنچہ کی طرح کفن پھاڑ لوں

چرا نہ در پئے عزمِ دیارِ خود باشم
میں اپنے وطن کے ارادے کے درپے، کیوں نہ ہوں؟
چرا نہ خاکِ کفِ پائے یارِ خود باشم
اپنے یار کے پیر کی خاک، کیوں نہ بنوں؟

غمِ غریبی و غربت چو بر نمی تابم
جب بے وطنی، اور مسافرت کے غم کی مجھے برداشت نہیں ہے
بشہرِ خود روم و شہریارِ خود باشم
اپنے شہر جاؤں، اور اپنا بادشاہ بنوں

زمحرمانِ سراپردۂ وصال شوم
وصل کے محل کے محرموں میں سے بنوں
زبندگانِ خداوندگارِ خود باشم
اپنے بادشاہ کے غلاموں میں سے بنوں

چو کارِ عمر نہ پیدا است بارے آں اولیٰ
جبکہ عمر کا معاملہ واضح نہیں ہے، اب یہی مناسب ہے
کہ روزِ واقعہ پیشِ نگارِ خود باشم
کہ موت کے دن، اپنے محبوب کے سامنے رہوں

زدستِ بختِ گراں خواب و کارِ بیساماں
گہری نیند سونے والے نصیبہ کے ہاتھ اور بے سروسامان کام کا
اگر کنم گلہ، رازدارِ خود باشم
اگر میں کوئی گلہ کروں تو اپنا راز دار ہوں گا

ہمیشہ پیشۂ من عاشقی و رندی بود
میرا پیشہ ہمیشہ، عاشقی اور رندی تھا
دگر بکوشم و مشغولِ کارِ خود باشم
میں پھر کوشش کروں گا اور اپنے کام میں مشغول ہوں گا

بود کہ لطفِ ازل رہنموں شود حافظ
ہوسکتا ہے کہ اے حافظ! خدائی عنایت رہنما بن جائے
وگرنہ تا بابد شرمسارِ خود باشم
ورنہ قیامت تک اپنے آپ سے شرمندہ رہوں گا

چل سال بیش رفت کہ من لاف میزنم
چالیس سال گزر گئے ہیں کہ میں ڈینگیں مارتا ہوں
کز چاکرانِ پیرِ مغاں کمتریں منم
کہ میں پیرِ مغاں کے کمترین غلاموں میں سے ہوں

۱؎ تیری زلف سے اس درجہ تعلق ہے کہ مرنے کے بعد میری قبر سے بنفشہ اُگے گی، بنفشہ کو زلف سے تشبیہ دیجاتی ہے۔

۲؎ حالانکہ سیاہ دل بے رحم ہوتا ہے۔ لیکن میری کالی آنکھ میرے درد پر روتی ہے۔

۳؎ میں غم کے لشکر کا شکر گذار ہوں کہ وہ بیکسی کی حالت میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتا ہے۔

۴؎ نسیم سحری سے غنچہ کھل جاتا ہے۔

۵؎ خواجہ صاحب شیراز سے باہر تو کبھی نہیں نکلے لہذا یہاں وطن سے مراد عالم آخرت ہے یعنی جبکہ سفرِ دنیا سے گھبرا گیا ہوں اپنے وطن لوٹنا چاہیے اور اپنے حقیقی بادشاہ کے پاس وقت گذارنا چاہیے۔

۶؎ عمر کا انجام معلوم نہیں لہذا قیامت سے پہلے ہی محبوب کے دربار میں پہونچ جانا چاہیے۔

۷؎ اگر ازلی مہربانی رہنمائی نہ کریگی تو ہمیشہ شرمندگی رہے گی۔

۸؎ چالیس سال سے پیرِ مغاں کی غلامی کا دعویٰ ہے۔

ہرگز بیمن عاطفتِ پیرِ مے فروش
اے فروش پیر کی مہربانی کی برکت سے کبھی بھی

ساغر تہی نشد زمئے صافِ روشنم
صاف روشن شراب سے میرا ساغر خالی نہ ہوا

درحقِ من بُدردکشی ظنِ بدمبر
تلچھٹ پینے کی وجہ سے میرے بارے میں بدگمانی نکر

کآلودہ گشت خرقہ ولے پاک دامنم
کہ گدڑی آلودہ ہوگئی ہے لیکن میں پاک دامن ہوں

شہبازِ دستِ پادشہم ایں چہ حالت ست
میں بادشاہ کے ہاتھ کا شہباز ہوں یہ کیا حالت ہے؟

کز یاد بردہ اند ہوائے نشیمنم
کہ کارکنانِ قضا و قدر نے مجھ سے نشیمن کی محبت بھلادی ہے

حیف است بلبلے چو من اکنوں دریں قفس
افسوس، مجھ جیسی بلبل اب اس پنجرے میں

با ایں لسانِ عذب کہ خامش چو سوسنم
اس میٹھی زبان کے ہوتے ہوئے میں سوسن کی طرح چپ ہوں

آب و ہوائے پارس عجب سفلہ پرور ست
فارس کی آب و ہوا، عجب کمینہ پرور ہے

کو ہمرہے کہ خیمہ ازیں خاک برکنم
ساتھی کہاں ہے کہ میں اس سرزمین سے خیمہ اکھاڑوں؟

توران شہ خجستہ کہ دارد مزید فضل
مبارک، توران شاہ جس کا مزید کرم ہے

شد منتِ مواہبِ او طوقِ گردنم
اس کے عطیوں کے احسان کا میری گردن کا طوق بن گیا ہے

از یُمنِ شاہ و دولتِ رندانِ پاکباز
بادشاہ کے فیض اور پاکباز رندوں کے اقبال کے باعث

پیوستہ صدرِ مصطبہ ہا بود مسکنم
میرا مسکن ہمیشہ شراب خانوں کا صدر مقام تھا

حافظ بزیرِ خرقہ قدح تا بکے کشی
اے حافظ گدڑی کے نیچے کب تک شراب نوشی کرے گا؟

در بزمِ خواجہ پردہ ز کارت برافگنم
خواجہ کی محفل میں تیرے کام سے پردہ اٹھادوں گا

حاشا کہ من بموسمِ گُل ترکِ مے کنم
ہرگز نہیں کہ میں موسم بہار میں شراب چھوڑوں

من لافِ عقل میزنم ایں کار کے کنم
میں عقل کی ڈینگیں مارتا ہوں، میں یہ کام کب کرسکتا ہوں؟

مطرب کجاست تا ہمہ محصولِ زہد و علم
مطرب کہاں ہے، تاکہ زہد، اور علم کا ماحصل

در کارِ بانگِ بربط و آوازِ نے کنم
بربط، اور بانسری کی آواز کے معاملہ میں لگادوں

از قال و قیلِ مدرسہ حالے دلم گرفت
مدرسہ کے قال و قیل سے اب میں تنگدل ہوگیا ہوں

یک چند نیز خدمتِ معشوق و مے کنم
تھوڑی دیر کے لیے معشوق اور شراب کی بھی خدمت کروں

کو پیکِ صبح تا گلہ ہائے شبِ فراق
صبح کا قاصد کہاں ہے تاکہ شبِ فراق کے شکوے

با آں خجستہ طالعِ فرخندہ پے کنم
اس مبارک نصیب، مبارک قدم والے سے کروں

کے بود در زمانہ وفا جامِ مے بیار
زمانہ میں وفا کب تھی، شراب کا جام لا!

تا من حکایتِ جم و کاؤس و کے کنم
تاکہ میں جمشید اور کاؤس اور کیخسرو کا قصہ بیان کروں

از نامۂ سیاہ نترسم کہ روزِ حشر
میں سیاہ نامۂ اعمال سے خوف زدہ نہیں ہوں اس لیے کہ حشر کے دن

با فیضِ لطفِ او صد ازیں نامہ طے کنم
اس کی مہربانی کے فیض سے اس قسم کے سو اعمال نامے طے کردوں گا

خاکِ مرا چو در ازل از مے سرشتہ اند
جبکہ ازل میں میری مٹی کو شراب سے گوندھا ہے

با مدعی بگو کہ چرا ترکِ مے کنم
رقیب سے کہدو میں اس کو کیوں چھوڑوں؟

۱؎ ظاہر اگرچہ خراب ہے لیکن باطن اچھا ہے لہٰذا بدگمانی مناسب نہیں ہے۔

۲؎ میں بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھنے والا شہباز تھا مجھے اپنے اصلی نشیمن کی یاد رکھنی چاہئے۔

۳؎ حافظ جیسی خوش الحان بلبل عنصری جسم میں پھنس کر خاموش رہے، یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔

۴؎ توران شاہ کے احسانات کا طوق میری گردن میں ہے۔ توران شاہ خواجہ قوام کے قتل ہوجانے کے بعد شاہ شجاع کا وزیر ہوا تھا یہ بھی خواجہ صاحب کا بہت قدردان تھا۔

۵؎ عقل کا دعویٰ ہوتے ہوئے یہ بے عقلی کا کام ممکن نہیں ہے۔

۶؎ مدرسہ کی بحثوں سے اب تھک گیا ہوں کچھ دنوں کے لئے معشوق و شراب کی خدمتگاری کرنی چاہئے۔

۷؎ جبکہ اس جیسا مہربان موجود ہو تو سیاہ اعمالنامہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۸؎ ازل میں ہمارا خمیر شراب سے تیار ہوا ہے تو ہم شراب کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

ایں جانِ عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست
یہ مانگی ہوئی جان جو دوست نے حافظ کے سپرد کی ہے
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم
ایک دن اس کا چہرہ دیکھوں گا اور اس کے سپرد کر دوں گا

حالیا[1] مصلحتِ وقت درآں می بینم — کہ کشم رخت بمیخانہ و خوش بنشینم
اب میں مصلحتِ وقت اسی میں دیکھتا ہوں — کہ سامان شراب خانہ میں لیجاؤں، اور آرام سے بیٹھوں

جز صراحی و کتابم نبود یار و ندیم — تا حریفانِ دغا را بجہاں کم بینم
صراحی اور کتاب کے علاوہ میرا یار اور شریک محفل کوئی نہ ہو — تاکہ دغاباز دوستوں کو دنیا میں نہ دیکھوں

بسکہ در خرقۂ[2] سالوس زدم لافِ صلاح — شرمسارِ رخِ ساقی و مے رنگینم
مکر کی گدڑی میں، میں نے نیکی کی بہت ڈینگیں ماریں — ساقی کے رخ اور سرخ شراب سے میں شرمندہ ہوں

جامِ مے گیرم و از اہلِ ریا دور شوم — یعنی از اہلِ جہاں پاکدلی بگزینم
شراب کا جام لوں، اور ریاکاروں سے دور ہو جاؤں — یعنی دنیا والوں سے پاک دلی اختیار کرلوں

سر[3] بآزادگی از خلق برآرم چوں سرو — گر دہد دست کہ دامن ز جہاں برچینم
سرو کی طرح، دنیا سے آزادگی میں سر کو بلند کروں — اگر موقع لگ جائے، کہ دنیا سے دامن کھینچ لوں

سینۂ تنگِ من و بارِ غمِ او ہیہات — مرد ایں بارِ گراں نیست دلِ مسکینم
میرا تنگ سینہ، اور اس کے غم کا بوجھ، افسوس! — میرا مسکین دل اس بھاری بوجھ کا مرد نہیں ہے

دلِ[4] و جانم بخیالِ سرِ زلفِ تو بسوخت — ور گوا بایدت اینک نفسِ مشکینم
میرا دل اور جان تیری زلف کے خیال میں جل گیا — اگر تجھے گواہ چاہئے، یہ میری مشکیں سانس ہے

بر دلم گردِ ستمہاست خدارا مپسند — کہ مکدر شود آئینۂ مہر آگینم
میرے دل پر ظلموں کی گرد ہے، خدا کے لئے پسند نہ کر — کہ میرا محبت بھرا آئینہ مکدر ہو

بندۂ[5] آصفِ عہدم دلم آزردہ مکن — کہ اگر دم زنم از چرخ بخواہد کینم
میں آصفِ زمانہ کا غلام ہوں، میرے دل کو آزردہ نہ کر — اس لیے کہ اگر آہ کر دوں گا وہ آسمان سے میرا انتقام لیگا

من[6] اگر رندِ خراباتم و گر حافظِ شہر
میں خواہ خرابات کا رند ہوں، خواہ شہر کا حافظ
ایں متاعم کہ تو می بینی و کمتر زینم
میری یہی پونجی ہے جو تو دیکھتا ہے اور میں اس سے کم ہوں

حجابِ[7] چہرۂ جاں میشود غبارِ تنم — خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم
میرے جسم کا غبار جان کے چہرے کا حجاب بنتا ہے — وہ وقت کیا اچھا ہوگا، جب اس چہرے سے پردہ اٹھاؤنگا

چنیں قفس نہ سزائے من خوش الحان ست — روم بگلشنِ رضواں کہ مرغِ آں چمنم
مجھ جیسے خوش الحان کے لیے ایسا پنجرا مناسب نہیں ہے — میں رضوان کے باغ میں جاؤنگا اس لیے کہ میں اس چمن کا پرندہ ہوں

عیاں[8] نشد کہ چرا آمدم کجا بودم — دریغ و درد کہ غافل ز کارِ خویشتنم
یہ نہ کھلا کہ میں کیوں آیا، کہاں تھا؟ — افسوس! اور درد ہے کہ میں اپنے کام سے غافل ہوں

[1] فتنہ و فساد کا وقت ہے ہمیں شراب خانہ میں گوشہ نشین ہو جانا چاہیے۔
[2] مکر کی گدڑی پہنکر نیکی کی بہت ڈینگیں ماری ہیں اس لیے ہم شرمندہ ہیں۔
[3] اگر دنیا سے دامن چھڑالوں تو آزاد سرو کی طرح سربلند ہو جاؤنگا۔
[4] سانس سے دھواں برآمد ہو رہا ہے یہ اس بات کا گواہ ہے کہ جان اور دل جل گیا ہے۔
[5] آصفِ زمانہ سے عماد بن محمود سلطان قطب الدین کا وزیر مراد ہے جو خواجہ صاحب کا خاص مربی تھا۔
[6] شعر
بترازانم کہ خواہی گفت آنی
کہ دانم عیب من چوں من ندانی
[7] خاکی جسم روح کے چہرے کا حجاب ہے۔
[8] ہم پہلے کہاں تھے اور اس دنیا میں کیوں آئے ہیں ہمیں یہ پتہ نہ چلا اور اسی وجہ سے ہم اپنے کام سے غافل ہیں۔

چگونہ[۱] طوف کنم در فضائے عالمِ قُدس
میں عالمِ قدس کی فضا میں، کس طرح گھوموں؟

چو در سراچۂ ترکیب تختہ بندِ تنم
جبکہ ترکیب کی سرائے میں جسم سے میری تختہ بندی کردی گئی ہے

اگر ز خونِ دلم بوئے عشق می آید[۲]
اگر میرے دل کے خون سے، عشق کی بو آتی ہے

عجب مدار کہ ہمدردِ نافۂ ختنم
تو تعجب نہ کر، اس لیے کہ میں ختن کے نافہ کا ہمدرد ہوں

مرا کہ منظرِ حور ست مسکن و ماویٰ
جبکہ میرا مسکن، اور ماویٰ حور کا منظر ہے

چرا بکوئے خراباتیاں بود وطنم
خراباتیوں کے کوچہ میں، میرا وطن کیوں ہو؟

طرازِ پیرہنِ زرکشم مبیں چو شمع
میرے زردوزی کے لباس کی زینت کو نہ دیکھ، اسلیئے کہ شمع کی طرح

کہ سوزہاست نہانی درونِ پیرہنم
میرے لباس کے نیچے، بہت سی سوزشیں ہیں

بیا و ہستیِ[۳] حافظ ز پیشِ او بردار
آجا، اور حافظ کے وجود کو اس کے سامنے سے اٹھا دے

کہ با وجودِ تو کس نشنود ز من کہ منم
اس لیے کہ تیرے وجود کے سامنے کوئی مجھ سے نہیں سنے گا کہ میں ہوں

خرّم[۴] آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم
مبارک ہوگا وہ دن جبکہ میں اس ویران مکان سے جاؤں گا

راحتِ جاں طلبم وز پے جاناں بروم
جان کی راحت طلب کروں گا اور جاناں کے پیچھے جاؤں گا

گرچہ دانم کہ بجائے نبرد راہِ غریب
اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اجنبی راستہ کسی جگہ پر نہیں پہونچاتا ہے

من ببوئے خوشِ آں زلفِ پریشاں بروم
میں اس پریشان زلف کی خوشبو پر جاؤں گا

چوں صبا با دلِ بیمار و تنِ بے طاقت
بیمار دل اور بے طاقت جسم کے ساتھ صبا کی طرح

بہواداریِ آں سروِ خراماں بروم
اس سروِ خراماں کی محبت میں جاؤں گا

دلم از وحشتِ[۵] زندانِ سکندر بگرفت
سکندر کے قید خانہ کی وحشت سے میں تنگدل ہوگیا ہوں

رخت بر بندم و تا ملکِ سلیماں بروم
سامان باندھوں گا اور سلیمان کے ملک کو جاؤں گا

در رہِ او چو قلم گر بسرم باید رفت
اس کے راستہ میں، اگر چہ مجھے قلم کی طرح سر کے بل چلنا پڑے

با دلِ دردکش و دیدۂ گریاں بروم
دردمند دل، اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ جاؤنگا

نذر کردم[۶] کہ گر ایں غم بسر آید روزے
میں نے منت مانی ہے کہ اگر کسی دن یہ غم ختم ہوگیا

تا درِ میکدہ شادان و غزلخواں بروم
میکدے کے دروازہ تک، خوش اور غزل پڑھتا ہوا جاؤنگا

بہواداریِ او ذرہ صفت رقص کناں
اس کی محبت میں، ذرے کی طرح ناچتا ہوا

تا لبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں بروم
چمکدار، سورج کے چشمہ کے کنارے تک جاؤں گا

نازکاں را چو غمِ حالِ گرفتاراں نیست
نازکوں کو جبکہ قیدیوں کی حالت کا غم نہیں ہے

ساربانان مددے تا خوش و آساں بروم
اے اونٹ والو، مدد کرو، تاکہ خوشی اور آسانی سے جاؤں

ور چو حافظ نبرم رہ ز بیاباں بیروں
اور اگر حافظ کی طرح بیابان سے باہر نکلنے کا راستہ نہ پاؤں

ہمرہِ کوکبۂ[۷] آصفِ دوراں بروم
آصفِ دوراں کی سواری کے ساتھ، چلا جاؤں گا

---

۱ تختہ بند ہونا یعنی قیدی ہونا۔ سراچۂ ترکیب سے دنیا مراد ہے چونکہ یہ عناصرِ اربعہ کا ایک مرکب ہے۔

۲ ہرن کے نافے کے متعلق مشہور ہے کہ ایک وقت میں ہرن کی ناف میں خون جمع ہوجاتا ہے خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ہرن کا یہ خون جو خوشبودار بنتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو بھی معشوق کی زلف سے عشق ہے اور یہی وجہ ہے کہ میرے خون سے عشق کی بو آتی ہے۔

۳ اگرچہ میرا ظاہر خوبصورت ہے لیکن دل زخمی ہے

۳ جبکہ تیرے وجود کے ہوتے ہوئے ہمارا وجود معدوم ہے لہٰذا اس وجود کو ختم کردینا ہی مناسب ہے۔

۴ جس دن دنیا سے عالمِ آخرت کی طرف کوچ ہوگا وہ دن بہت خوب ہوگا۔

۵ مشہور ہے کہ شہر یزد میں ایک تہخانہ ہے جس میں سکندر کا تابوت رکھا ہوا ہے یہاں انسان کا عنصری جسم مراد ہے۔

۶ منت پوری کرنیکے لیے غزلخوانی کرتے ہوئے شراب خانہ تک جاؤں گا۔ ۷ آصفِ دوراں سے عماد بن محمود، سلطان قطب الدین کا وزیر مراد ہے۔

خیالِ روئے تو در کارگاہِ دیدہ کشیدم
میں نے آنکھ کے کارخانہ میں تیرے چہرے کا نقشہ کھینچا
بصورتِ تو نگارے ندیدم و نشنیدم
تیری صورت کا کوئی معشوق نہ میں نے دیکھا، نہ سنا

امیدِ خواجگیم بود بندگیِ تو کردم[1]
مجھے آقائی کی تمنا تھی، میں نے تیری غلامی کی
ہوائے سلطنتم بود خدمتِ تو گزیدم
مجھے سلطنت کی تمنا تھی، میں نے تیری خدمتگاری اختیار کی

اگرچہ در طلبت ہمعنانِ بادِ شمالم
اگرچہ تیری طلب میں، شمالی ہوا کا ساتھی ہوں
بگردِ سروِ خرامانِ قامتت نرسیدم
میں تیرے قد کے خراماں، سرو کی گرد تک نہ پہونچا

امید در سرِ زلفت بروزِ عہد بہ بستم[2]
عہد کے دن میں نے تیری زلف سے امید باندھی
طمع بدورِ دہانت ز کامِ دل بہ بریدم
تیرے منہ کے دور میں، دل کے مقصد کا لالچ نکال دیا

گناہِ چشمِ سیاہِ تو بود و ناوکِ غمزہ[3]
تیری کالی آنکھ، اور ادا کے تیر کی خطا تھی
کہ من چو آہوئے وحشی ز آدمی برمیدم
کہ میں وحشی ہرن کی طرح آدمیوں سے بھاگنے لگا

ز شوقِ چشمۂ نوشت چہ قطرہا کہ فشاندم
تیرے شہد کے چشمے کے شوق میں میں نے کس قدر قطرے بہائے
ز لعلِ روح فزایت چہ عشوہا کہ خریدم
تیرے روح افزا ہونٹ کے، کس قدر ناز میں نے اٹھائے

ز غمزہ[4] بر دلِ ریشم چہ تیرہا کہ گشادی
میرے زخمی دل پر تو نے اداؤں کے کس قدر تیر چلائے ہیں
ز غصہ بر سرِ کویت چہ بارہا کہ کشیدم
تیرے کوچہ میں غم کے کس قدر بوجھ ہیں جو میں نے اٹھائے ہیں

ز کوئے یار بیار اے نسیمِ صبح غبارے
اے صبح کی نسیم! یار کے کوچے کا کچھ غبار لا
کہ بوئے خونِ دلِ ریش ازاں غبار شنیدم
اس لیے کہ زخمی دل کے خون کی خوشبو میں نے اس غبار سے سونگھی ہے

چو غنچہ بر سرم از کوئے او گذشت نسیمے
مجھ پر غنچہ کی طرح اس کے کوچے سے ایسی نسیم گذری
کہ پردہ بر دلِ خونیں ز بوئے او بدریدم
کہ اس کی خوشبو سے میں نے خونی دل کا پردہ چاک کر دیا

بخاکِ پائے تو سوگند نورِ دیدۂ حافظ
اے حافظ کی آنکھ کی روشنی تیرے پیر کی خاک کی قسم
کہ بے رُخِ تو فروغ از چراغِ دیدہ ندیدم
کہ تیرے رُخ کے بدوں، میں نے آنکھ کے چراغ کا نور نہ دیکھا

خیالِ روئے تو گر بگذرد بگلشنِ چشم[5]
اگر تیرے چہرے کا خیال، آنکھ کے باغ میں جاتا ہے
دل از پئے نظر آید بسوئے روزنِ چشم
دل آنکھوں کے سوراخ کی طرف دیکھنے کے لیے آتا ہے

بیا کہ لعل و گہر در نثارِ مقدمِ تو[6]
آجا، کہ تیری تشریف آوری پر نثار کرنے کے لیے لعل اور گہر
ز گنج خانۂ دل میکشم بمخزنِ چشم
دل کے خزانہ سے آنکھ کے خزانہ میں لا رہا ہوں

سزائے تکیہ گہت منظرے نمی بینم[7]
تیری تکیہ گاہ کے لائق میں کوئی منظر نہیں دیکھتا ہوں
منم بہ عالم و ایں گوشۂ معینِ چشم
دنیا میں میں ہوں اور یہ آنکھ کا معین گوشہ

سحر سرشکِ روانم سرِ خرابی داشت
صبح، میرے جاری آنسوؤں نے تباہی کا خیال کر لیا تھا
گرم نہ خونِ جگر میگرفت دامنِ چشم
اگر میرے جگر کا خون آنکھ کا دامن نہ پکڑ لیتا

نخست روز کہ دیدم رخِ تو دل می گفت
پہلے دن جب میں نے تیرا رخسار دیکھا تو دل کہتا تھا
اگر رسد ضررے خونِ من بگردنِ چشم
اگر کوئی نقصان پہونچا تو میرا خون آنکھ کی گردن پر ہے

---

[1] تیرے در کی خدمتگذاری سے خواجگی اور سلطانی حاصل ہوتی ہے۔

[2] روزِ عہد سے مراد ازل ہے جبکہ اَلَستُ بِرَبِّکُم کا عہد لیا گیا تھا یعنی ہم منہ کے وصل سے تو مایوس ہیں زلف سے امید وابستہ ہے۔

[3] تیری آنکھوں کے عشق کا نتیجہ ہے کہ ہم میں بھی انسانوں سے وحشت پیدا ہو گئی ہے۔

[4] محبوب کے غمزے کے بہت سے تیر دل پہ کھائے ہیں اور رنج کے بہت بار برداشت کئے ہیں۔

[5] جب محبوب کا خیال آتا ہے اسکے دیدار کے لئے دل آنکھوں کے حلقوں کی طرف دوڑتا ہے۔

[6] یعنی سفید اور خونیں آنسو جو دل میں جمع ہیں وہ آنکھوں میں آ جاتے ہیں۔

[7] محبوب کی منزل بننے کے لائق صرف ہمارا گوشۂ چشم ہے۔

[illegible]

بوئے مژدۂ وصلِ تو تا سحر ہمہ شب
تیرے وصل کی خوشخبری کی امید پر، تمام رات صبح تک

براہِ باد نہادم چراغِ روشن چشم
آنکھ کا روشن چراغ میں نے ہوا کے راستہ پر رکھا

بمردمی کہ دلِ دردمندِ حافظ را
انسانیت کی قسم، کہ حافظ کے دردمند دل کو

مزن بناوکِ دلدوزِ مردم افگن چشم
دل کو زخمی کرنیوالے، بہادروں کو پچھاڑنیوالے آنکھ کے تیرے نہ مار

خیز تا از درِ میخانہ کشادے طلبیم
اٹھو، تاکہ شراب خانہ کے دروازے سے کچھ کشادگی چاہیں

بر درِ دوست نشینیم و مرادے طلبیم
دوست کے دروازے پر بیٹھیں اور کوئی مراد مانگیں

زادِ راہِ حرمِ دوست نداریم مگر
دوست کے حرم کے سفر کا توشہ ہمارے پاس نہیں ہے لیکن

بگدائی ز درِ میکدہ زادے طلبیم
شراب خانہ کے دروازے سے بھیک میں، ہم توشہ چاہتے ہیں

اشکِ آلودۂ ما گرچہ روان ست و لے
ہمارے ناپاک آنسو اگرچہ جاری ہیں، لیکن

برسالت سوئے آں پاک نہادے طلبیم
اس کی طرف بھیجنے کے لئے کسی پاک فطرت کو تلاش کرتے ہیں

لذتِ داغِ غمت بر دلِ ما باد حرام
تیرے غم کے داغ کی لذت ہمارے دل پر حرام ہو

اگر از جورِ غمِ عشقِ تو دادے طلبیم
اگر تیرے عشق کے غم کے ظلم کا ہم انصاف چاہیں

نقطۂ خالِ تو بر لوحِ بصر نتواں زد
بینائی کی تختی پر تیرے تل کا نقش نہیں بنایا جا سکتا

مگر از مردمکِ دیدہ مدادے طلبیم
ہاں آنکھ کی پتلی سے ہم کچھ روشنائی مانگ لیں

بوسہ از لبِ شیرینِ تو دل خواست بجاں
دل نے جان کے بدلے، تیرے شیریں ہونٹ کا ایک بوسہ مانگا

بشکر خندہ لبت گفت مزادے طلبیم
تیرے ہونٹ نے مسکرا کر کہا، ہم کچھ زیادہ چاہتے ہیں

تا بود نسخۂ عطرے دلِ سودا زدہ را
تاکہ سودائی دل کے لیے عطر کا ایک نسخہ ہو جائے

از خطِ غالیہ سائے تو سوادے طلبیم
تیرے خوشبو والے خط سے ہم سیاہی طلب کرتے ہیں

چوں غمت را نتواں یافت مگر در دلِ شاد
چونکہ سوائے خوش دل کے تیرا غم نہیں پایا جا سکتا ہے

ما بامیدِ غمت خاطرِ شادے طلبیم
ہم تیرے غم کی آرزو میں ایک شاداں دل چاہتے ہیں

بر درِ مدرسہ تا چند نشینی حافظ
اے حافظ مدرسہ کے دروازہ پر کب تک بیٹھا رہے گا؟

خیز تا از درِ میخانہ کشادے طلبیم
اٹھ تاکہ میخانہ کے دروازہ سے ہم کشادگی طلب کریں

خیز تا خرقۂ صوفی بخرابات بریم
اٹھو، تاکہ صوفی کی گدڑی کو شراب خانہ میں لیجائیں

زرق و طامات ببازارِ خرافات بریم
مکر اور کرامت کی ڈینگوں کو خرافات کے بازار میں لیجائیں

تا ہمہ خلوتیاں جامِ صبوحی گیرند
تاکہ سب خلوت نشین، صبوحی کا جام حاصل کر لیں

چنگِ صبحی بدرِ پیر مناجات بریم
صبح کی چنگ کو سرگوشی کے پیر کے دروازے پر لیجائیں

ور نہد در رہِ ما خارِ ملامت زاہد
اگر زاہد ہمارے راستہ میں ملامت کے کانٹے بچھائے

از گلستانش بزندانِ مکافات بریم
اُسے باغ سے سزا کے قید خانہ میں لیجائیں

ا۔ کشادگی در میخانہ سے ہی حاصل ہوگی وہیں سے مراد پوری ہوگی۔
۲۔ دوست تک جانیکے لیے زادِ راہ، میکدہ پر گدائی کرنے سے حاصل ہوگی۔
۳۔ دوست تک پیغام پہونچانے کے لئے کوئی پاک قاصد ہونا چاہیے، ہمارے آنسو ناپاک ہیں۔
۴۔ اگر ہم عشق کے ظلم کی داد رسی چاہیں تو پھر ہم پر دل کے داغ کی لذت حرام ہے۔
۵۔ ہم تیرے خطِ رخسار سے سیاہی کے طالب ہیں تاکہ دیوانے دل کے لئے وہ عطر کا کام کرے۔
۶۔ تیرے غم کی جگہ۔ چونکہ دلِ شاد ہے لہذا اسی وجہ سے ہم دلکی خوشی کے خواہشمند ہیں۔
۷۔ پیرِ مغاں کے دروازہ پر چنگ بجائیں تاکہ وہ ہمارے سالانہ نذر کی وجہ سے سب کو شراب دیدے۔

شرم می آیدم از خرقۂ آلودۂ خویش
اپنی ناپاک گدڑی سے مجھے شرم آتی ہے
کہ بدیں فضل و ہنر نام کرامات بریم
کہ اس بزرگی اور ہنر کے ہوتے ہوئے ہم کرامات کا نام لیں

قدر وقت ار نشناسد دل و کارے نکند
اگر دل وقت کی قدر نہ پہچانے اور کوئی کام نہ کرے
بس خجالت کہ ازیں حاصل اوقات بریم
بڑی شرمندگی ہوگی جو اوقات کے اس ناحصل سے ہم اٹھائیں گے

سوئے رندان قلندر برہ آورد سفر
قلندر رندوں کے لئے سوغات کے طور پر
دلق پشمینہ و سجادہ بطامات بریم
اونی گدڑی، اور لاف و گزاف کا مصلیٰ ہم لیجائیں گے

باتو آں عہد کہ در وادی ایمن بستیم
وہ عہد جو ہم نے تجھ سے وادئ ایمن میں کیا تھا
ہمچو موسیٰ ارنی گوی بمیقات بریم
موسیٰ کی طرح ارنی کہتے ہوئے وعدہ گاہ تک لیجائیں گے

فتنہ میبارد ازیں طاق مقرنس برخیز
اس بلند محراب سے، فتنے برستے ہیں، اٹھ
تا بمیخانہ پناہ از ہمہ آفات بریم
تاکہ میخانہ میں، تمام آفتوں سے پناہ پکڑ لیں

در بیابان فنا گم شدن آخر تا چند
فنا کے جنگل میں گم ہونا، آخر کب تک؟
رہ بپرسیم مگر پے بمہمات بریم
راستہ پوچھیں، شاید مہمات تک راستہ طے کرلیں

بادہ نوشیدن پنہاں نہ نشان کرم ست
چھپ کر شراب پینا، سخاوت کی نشانی نہیں ہے
ایں میانجی بر ارباب کرامات بریم
اس پیغام کو کرامت والوں کے پاس لیجائیں گے

خاک کوئے تو بصحرائے قیامت فردا
کل کو قیامت کے میدان میں، تیرے کوچہ کی خاک کو
ہمہ بر فرق سر از بہر مباہات بریم
تمام تر سر پر رکھ کر، فخر کے لئے ہم لیجائیں گے

کوس ناموس تو بر کنگرۂ عرش زنیم
تیری عزت کا نقارہ ہم عرش کے کنگرہ پر بجائیں گے
علم عشق تو بر بام سموات بریم
تیرے عشق کا جھنڈا آسمانوں کے بالا خانہ تک لیجائیں گے

حافظ آب رخ خود بر در ہر سفلہ مریز
اے حافظ! اپنی آبرو، ہر کمینے کے دروازے پر نہ بہا
حاجت آں بہ کہ بر قاضی حاجات بریم
ضرورت وہی اچھی ہے جو حاجتوں کے پورا کرنے والے کے پاس لیجائیں

(★)

در خرابات مغاں گر گذر افتد بازم
مغوں کے شرابخانہ میں، اگر میرا پھر گذر ہو جائے
حاصل خرقہ و سجادہ رواں در بازم
گدڑی، اور مصلے کے ناحصل کو فوراً ہار دوں

حلقۂ توبہ گر امروز چو زہاد زنم
اگر زاہدوں کی طرح آج توبہ کی کنڈی کھٹکھٹاؤں
خازن میکدہ فردا نکند در بازم
شراب خانہ کا خزانچی، کل کو میرے لیے دروازہ نہ کھولیگا

ور چو پروانہ دہد دست فراغ البالی
اگر پروانہ کی طرح فارغ البالی حاصل ہو جائے
جز بداں عارض شمعے نبود پروازم
اس شمع کے رخسار کے علاوہ، میری پرواز نہ ہوگی

ماجرائے دل سرگشتہ نگویم با کس
پریشان دل کا قصہ، کسی سے نہیں کہتا ہوں
زانکہ جز تیغ غمت نیست کسے دمسازم
اس لیے کہ تیرے غم کی تلوار کے سوا، میرا کوئی ساتھی نہیں ہے

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور
میں حور کی صحبت نہیں چاہتا ہوں اس لیے کہ عین غلطی ہوگی
با خیال تو اگر با دگرے پردازم
تیرے خیال کے ہوتے ہوئے اگر میں کسی دوسرے میں مشغول ہوں

سر سودائے تو در سینہ بماندے پنہاں
تیرے عشق کا راز سینہ میں پوشیدہ رہتا
چشم تر دامن اگر فاش نکردے رازم
تردامن والی آنکھ، اگر میرا راز فاش نہ کرتی

۱ اپنی بے عملی کو فضل و ہنر طنزاً کہا ہے۔
۲ رہ آورد و سفر ان تحفوں کو کہا جاتا ہے جو سفر سے واپسی پر تقسیم کئے جاتے ہیں یعنی رندوں کے لئے یہ چیزیں بالکل بے اصل ہیں۔
۳ عہد سے مراد عہد الست ہے حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر ارنی کہا تھا یعنی اے خدا تو اپنے آپ کو مجھے دکھا دے۔ میقات سے یہاں میدان قیامت مراد ہے۔
۴ مقام فنا میں کبتک رہیں، اب مقام بقا حاصل کرنا چاہئے۔
۵ ارباب کرم سے کہہ دو کہ چھپ کر تنہا پینا سخاوت کے خلاف ہے۔
۶ قاضی الحاجات ضرورتوں کو پورا کرنیوالا یعنی خدائے تعالیٰ مطلب یہ ہے کہ اپنی حاجتیں خدا کے سامنے پیش کرنی چاہئیں ہر کمینہ کے سامنے اپنی حاجت رکھ کر اپنی آبروریزی نہ کرنی چاہئے۔
۷ شرابخانہ میں اگر پہنچنا ہو گیا تو جس قدر ریاکاری کے اسباب ہیں سب ختم کر دونگا۔
۸ اگر توبہ کروں گا تو کل کو پیر میخانہ لینا دروازہ بند کر لیگا۔

۹ محبوب کے ہوتے ہوئے حور کا تصور کرنا بھی غلطی ہے۔

مُرغ ساں از قفسِ خاک ہوائی گشتم
خاک کے پنجرے سے، پرند کی طرح میں اُڑ گیا

بامیدے کہ مگر صید کند شہبازم
اس امید پر کہ شاید شہباز میرا شکار کرے[1]

ہمچو چنگم بکنار آر و بدہ کامِ دلم
چنگ کی طرح مجھ کو بغل میں لے لے اور میرے دل کا مقصد پورا کر دے

یا چو نے از لبِ خود یک نفسے بنوازم
یا بانسری کی طرح اپنے ہونٹ سے تھوڑی دیر کے لیے مجھے نواز[2]

گر بہ ہر موئے سرے بر تنِ حافظ باشد
اگر حافظ کے بدن پر، ہر ہر بال کی جگہ سر ہو

ہمچو زلفت ہمہ را در قدمت اندازم
تیری زلف کی طرح، سب کو تیرے قدموں پر ڈال دوں

در خراباتِ مُغاں نورِ خدا می بینم[3]
مغوں کے شراب خانہ میں، میں خدا کا نور دیکھتا ہوں

ویں عجب بیں کہ چہ نورے ز کجا می بینم
اس تعجب انگیز بات کو دیکھو کیا نور ہے اور کہاں سے دیکھتا ہوں

کیست دُردی کشِ ایں میکدہ یا رب کہ درش
ایسا اس شراب خانہ کا تلچھٹ پینے والا کون ہے کہ اس کا دروازہ

قبلۂ حاجت و محرابِ دعا می بینم
میں حاجت کا قبلہ اور دعا کی محراب دیکھتا ہوں

جلوہ[4] بر من مفروش اے مَلِکُ الحاج کہ تو
اے حاجیوں کے سردار میرے سامنے خود نمائی نہ کر اس لیے کہ تو

خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم
گھر کو دیکھتا ہے، اور میں گھر کے مالک کو دیکھتا ہوں

سوزِ دل اشکِ رواں آہِ سحر نالۂ شب
دل کی سوزش، بہتے آنسو، صبح کی آہ، رات کا رونا

ایں ہمہ از اثرِ لطفِ شما می بینم
میں ان سب کو، آپ کی مہربانی کا اثر خیال کرتا ہوں

خواہم[5] از زلفِ بُتاں نافہ کشائی کردن
میں معشوقوں کی زلف سے نافہ کشائی کرنا چاہتا ہوں

فکرِ دور است ہمانا کہ خطا می بینم
یہ دور کا خیال ہے، بیشک میں غلط خیال کر رہا ہوں

ہر دم از روئے تو نقشے زندم راہِ خیال
ہر آن تیرے چہرے کا ایک نیا نقشہ میرے خیال پر ڈاکہ مارتا ہے

با کہ گویم کہ دریں پردہ چہا می بینم
میں کس سے کہوں، کہ اس پردے میں کیا کیا دیکھتا ہوں

کس ندیدست[6] ز مُشکِ خُتن و نافۂ چیں
ختن کے مشک اور چین کے نافے سے کسی نے نہیں دیکھا ہے

آنچہ من ہر سحر از بادِ صبا می بینم
جو کچھ کہ میں، ہر صبح کو بادِ صبا سے دیکھتا ہوں

نیست در دائرہ یک نقطہ خلاف از کم و بیش[7]
دائرہ میں ایک نقطے کے بھی کم و بیش کا اختلاف نہیں ہے

کہ من ایں مسئلہ بے چون و چرا می بینم
میں اس مسئلہ کو بے چون و چرا دیکھتا ہوں

منصبِ عاشقی و رندی و شاہد بازی
عاشقی کا منصب اور رندی، اور معشوق بازی

ہمہ از تربیتِ لُطفِ شما می بینم
یہ سب آپ کی مہربانی کی تربیت سے سمجھتا ہوں

دوستاں عیبِ نظر بازیِ حافظ مکنید
اے دوستو، حافظ کی نظر بازی پر عیب نہ لگاؤ

کہ من او را ز مُحبانِ خدا می بینم[8]
اس لیے کہ میں اس کو خدا کے دوستوں میں سے دیکھتا ہوں

دردم از یار است و درماں نیز ہم
میرا درد بھی دوست کی جانب سے ہے، اور دوا بھی

دل فدائے او شد و جاں نیز ہم
دل، اس پر فدا ہو گیا، اور جان بھی

---

1. محبوب کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں شاید کوئی معشوق مل جائے اور وہ مجھے شکار کرے۔
2. چنگ کو بغل میں رکھ کر بجایا جاتا ہے بانسری بجاتے وقت ہونٹوں سے لگتی ہے۔
3. میکدہ میں نور خدا نظر آ جانا تعجب خیز بات ہے۔
4. حاجی صرف خانۂ کعبہ کو دیکھتا ہے جو خدا کا گھر ہے ہم خدا کو دیکھتے ہیں۔
5. نافہ کشائی کرنا، خوشبو حاصل کرنا یعنی اس محبوب کی زلف سے خوشبو حاصل کروں یہ میری خام خیالی ہے
6. ختن کے مشک اور چین کے نافہ میں بھی وہ خوشبو نہیں ہے جو زلفِ یار میں ہے۔
7. یعنی دورِ فلک اسی یکسانیت سے چل رہا ہے کہ اس میں ذرا بھی فرق نہیں ہے اور کسی چیز میں بھی کمی بیشی کا امکان نہیں ہے۔

شعر
قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

8. چونکہ حافظ اولیاء اللہ میں سے ہے لہذا اس پر نکتہ چینی مناسب نہیں ہے۔

آنکہ میگویند[1] آن بہتر ز حسن
لوگ جو یہ کہتے ہیں، آن حسن سے بہتر ہے
یارِ ما ایں دارد و آں نیز ہم
میرا دوست یہ بھی رکھتا ہے، اور وہ بھی

ہر دو عالم یک فروغِ روئے اوست
دونوں جہاں اس کے چہرے کا معمولی نور ہیں
گفتمت پیدا و پنہاں نیز ہم
میں نے تجھ سے یہ کھلم کھلا بھی کہا ہے اور پوشیدہ بھی

داستاں[2] در پردہ میگویم ولے
میں پردے میں داستان کہہ رہا ہوں لیکن
گفتہ خواہد شد بدستاں نیز ہم
وہی قصہ اور کہانی کے طور پر بھی بیاں کی جائے گی

یار باز اکنوں بقصدِ جانِ ما
یار نے اب پھر ہماری جان کے ارادے سے
عہد را بشکست و پیماں نیز ہم
عہد کو توڑ ڈالا، اور پیمان کو بھی

خونِ ما آں نرگسِ مستانہ ریخت
اس مستانہ نرگس نے، ہمارا خون بہا دیا
واں سرِ زلفِ پریشاں نیز ہم
اور اس پریشان زلف نے بھی

عاشق[3] از مفتی نترسد مے بیار
عاشق مفتی سے نہیں ڈرتا، شراب لا
بلکہ از یرغوی سلطاں نیز ہم
بلکہ بادشاہ کی، سزا سے بھی

اعتمادے[4] نیست بر کارِ جہاں
دنیا کے کام پر، کوئی بھروسہ نہیں ہے
بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم
بلکہ چکر کھانے والے آسمان پر بھی

چوں[5] سر آمد دولتِ شبہائے وصل
جبکہ وصل کی راتوں کی دولت ختم ہو گئی
بگذرد ایامِ ہجراں نیز ہم
تو گذر جائیں گے، ہجر کے ایام بھی

از جہانِ[6] کہنہ ما ہم بگذریم
پرانی دنیا سے، ہم بھی چلے جائیں گے
چوں گدا بگذشت و سلطاں نیز ہم
جبکہ فقیر بھی چلا گیا، اور بادشاہ بھی

نقشِ خالش خونِ چشمم بارہا
اس کے تل کے نقش نے، میری آنکھوں کا خون بارہا
آشکارا خورد و پنہاں نیز ہم
کھلم کھلا بھی پیا، اور پوشیدہ بھی

محتسب[7] داند کہ حافظ مے خورد
محتسب جانتا ہے، کہ حافظ شراب پیتا ہے
و آصفِ ملکِ سلیماں نیز ہم
اور سلیمان کے ملک کا، آصف بھی

دوستاں[8] وقتِ گل آں بہ کہ بعشرت کوشیم
اے دوستو! بہار کے موسم میں یہی بہتر ہے کہ ہم عیش کی کوشش کریں
سخن پیرِ مغانست بجاں مے نوشیم
پیرِ مغاں کا قول ہے کہ ہم دل و جان سے شراب پئیں

نیست در کس کرم و وقتِ طرب میگذرد
کسی میں سخاوت نہیں، اور مستی کا وقت گذر رہا ہے
چارہ آنست کہ سجادہ بمے بفروشیم
تدبیر یہی ہے کہ مصلیٰ شراب کے بدلے بیچ دیں

خوش ہوائے ست فرح بخش خدایا بفرست
ہوا اچھی اور فرحت بخش ہے، اے خدا بھیج دے!
نازنینے کہ بروئش مے گلگوں نوشیم
ایسے نازنین کو جس کے سامنے سرخ شراب پئیں

ارغنوں[9] سازِ فلک رہزنِ اہلِ ہنر ست
آسمان، ارغن (باجا) بجانے والا اہلِ ہنر کا رہزن ہے
چوں ازیں غصہ ننالیم و چرا نخروشیم
اس غصہ سے ہم کیوں نالاں نہ ہوں، اور کیوں شور نہ کریں!

[1] لوگ کہتے ہیں محبوب کی آن حسن سے بہتر ہے میرے معشوق میں آن اور حسن دونوں ہیں۔
[2] جو داستان ہم آج درپردہ بیان کر رہے ہیں کل داستانِ محفل ہوگی۔
[3] عاشق شراب نوشی میں نہ مفتی سے ڈرتا ہے نہ بادشاہ سے
[4] دنیا اور آسمان کے کام ناقابلِ اعتماد ہیں۔
[5] جس طرح وصل کا زمانہ گذر گیا ہجر کا وقت بھی کٹ جائے گا لہذا پریشان نہ ہونا چاہیے۔
[6] دنیائے فانی ہے جس طرح ہر فقیر اور امیر گذرا ہم بھی چلے جائیں گے یہاں کی زندگی چند روزہ ہے۔
[7] حافظ کی شراب نوشی محتسب بھی جانتا ہے اور عماد بن محمود، سلطان قطب الدین کا وزیر بھی خوب جانتا ہے۔
[8] موسم بہار گذر رہا ہے اور کوئی سخی شراب پلانے والا نظر نہیں آتا لہذا اب جانماز بیچ کر پینی پڑے گی۔
[9] آسمان اپنا ساز بجا کر اہلِ ہنر پر ڈاکہ ڈالتا ہے ہم اس ظلم سے نالے اور خروش میں ہیں۔

گل بجوش آمد واز مے نہ زدیمش آبے
پھول جوش میں آیا اور ہم نے اس پر شراب کا پانی چھڑکا

لاجرم ز آتشِ حرمانِ ہوس میجوشیم
ہم لامحالہ اپنی خواہش کی محرومی کی آگ سے جل رہے ہیں

میکشیم از قدحِ بادہ شرابِ موہوم
ہم شراب کے پیالے سے خیالی شراب پی رہے ہیں

چشم بد دور کہ بے مُطرب و مے در جوشیم
چشم بد دور کہ بے مُطرب اور شراب کے ہم جوش میں ہیں

حافظ ایں حالِ عجب باکہ تواں گفت کہ ما
اے حافظ یہ عجب حالت کس سے کہی جا سکتی ہے کہ ہم؟

بلبلانیم کہ در موسمِ گل خاموشیم
وہ بُلبلیں ہیں، جو پھول کے موسم میں خاموش ہیں

دوش بیماریٔ چشمِ تو ببرد از دستم
رات تیری آنکھ کی بیماری، مجھے ہاتھ سے لے گئی تھی

لیکن از لطفِ لبت صورتِ جاں می بستم
لیکن تیرے ہونٹوں کی مہربانی سے میں نے جان کی صورت پیدا کی

عشقِ من با خطِ مشکینِ تو امروزی نیست
تیرے سیاہ خط سے میرا عشق آج کا نہیں ہے

دیر گاہست کزیں جامِ ہلالی مستم
عرصہ گذر گیا ہے کہ میں اس ہلالی جام سے مست ہوں

عافیت چشم مدار از منِ میخانہ نشیں
مجھ میخانہ نشین سے عافیت کی امید نہ رکھ

کہ دم از خدمتِ رنداں زدہ ام تا ہستم
کیونکہ میں نے رندوں کی خدمت کا دم بھرا ہے جب تک زندہ ہوں

در رہِ عشق از آں سوئے فنا صد خطر ست
عشق کے راستہ میں فنا کے اس طرف سو بھی سو خطرے ہیں

تا نگوئی کہ چو عمرم بسر آمد رستم
ہرگز نہ کہنا کہ جب میری زندگی ختم ہوگئی تو میں چھوٹ جاؤنگا

بوسہ بر دُرجِ عقیقِ تو حلال ست مرا
تیری عقیق کی ڈبیہ کا بوسہ میرے لیے جائز ہے

کہ بافسونِ جفا عہدِ وفا نشکستم
اس لیے کہ ظلم کے منتر سے میں نے وفا کا عہد نہیں توڑا

بعد ازینم چہ غم از تیرِ کج اندازِ حسود
اس کے بعد مجھے ٹیڑھے تیر چلانے والے حاسد کا کیا غم؟

کہ بمحبوبِ کماں ابروئے خود پیوستم
کیونکہ میں اپنے کمان جیسے ابرو والے محبوب کے ساتھ مل گیا ہوں

از ثباتِ خودم ایں نکتہ خوش آمد کہ بجور
اپنی ثابت قدمی کا یہ نکتہ مجھے پسند آیا کہ ظلم کی وجہ سے

بر سرِ کوئے تو از پائے طلب ننشستم
تیرے کوچہ کے کونے پر میں طلب چھوڑ نہیں بیٹھا

صنمِ لشکریم غارتِ دل کرد و برفت
لشکری صنم نے میرا دل لوٹا، اور چلا گیا

آہ اگر عاطفتِ شاہ نگیرد دستم
افسوس ہوگا اگر بادشاہ کی مہربانی میری دستگیری نہ کرے

رُتبتِ دانشِ حافظ بفلک بر شدہ بود
حافظ کی سمجھ کا رتبہ آسمان سے بھی اونچا ہو چکا تھا

کرد غمخواریِ بالائے بلندت پستم
تیرے بلند قد کی غمخواری نے، مجھے پست کر دیا

دوش سودائے رخش گفتم ز سر بیروں کنم
میں نے کل کہا اس کے رخسار کا عشق سر سے نکال دوں

گفت کو زنجیر تا تدبیرِ ایں مجنوں کنم
وہ بولا کہ زنجیر کہاں ہے تاکہ اس پاگل کا بندوبست کروں؟

قامتش را سرو گفتم سر کشید از من بخشم
میں نے اس کے قد کو سرو کہا اس نے غصہ سے منہ پھیر لیا

دوستاں از راست میرنجد نگارم چوں کنم
اے دوستو میرا معشوق سچی بات سے رنجیدہ ہوتا ہے میں کیا کروں؟

۱ہم خیالی شراب پی رہے ہیں اور مُطرب و شراب بدروں ہی مست ہیں۔
۲محبوب کی بیمار آنکھ نے تو بالکل مار ڈالا تھا لیکن ہونٹوں نے زندگی بخش دی۔
۳جام ہلالی سے دائرۂ خط مراد ہے یعنی ہم معشوق کے خط رخسار پر ازل سے عاشق ہیں۔
۴شعر
اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
۵جبکہ ہمیں وصل میسر آگیا تو رقیب کے تیروں کا کوئی خوف نہیں ہے۔
۶ہم عشق کے کوچہ میں ہار کر نہ بیٹھے یہیں اپنی روش بہت پسند ہے۔
۷میرا محبوب ایک لشکری تھا جو مجھے لوٹ کر چلا گیا اب بادشاہ ہی مہربانی کرے تو کام بنے گا۔
۸شعر
عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
۹میں نے رخسار سے آزادی حاصل کرنی چاہی تو معشوق نے کہا دیوانہ ہے زلف کی زنجیر سے باندھ دو۔
۱۰محبوب حقیقتاً سرو ہے

نکتۂ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار
اے دلبر! معذور سمجھ، میں نے ناموزوں نکتہ کہہ دیا

عشوۂ فرمائی تا من طبع را موزوں کنم
ذرا ناز دکھا دے، تاکہ میں طبیعت کو موزوں کر لوں

زرد روئی میکشم زاں طبعِ نازک بیگناہ
اس نازک طبع کی جانب سے[1] میں بے خطا زرد روئی برداشت کر رہا ہوں

ساقیا جامے بدہ تا چہرہ را گلگوں کنم
اے ساقی جام دے تاکہ چہرے کو گلاب کی طرح کر لوں

منکہ[2] رہ بردم بگنجِ حسنِ بے پایانِ دوست
میں جو دوست کے لاانتہا حسن کے خزانہ تک پہونچ گیا

صد گدائے ہمچو خود را بعد ازیں قاروں کنم
اس کے بعد اپنے جیسے سو فقیروں کو قارون بنا دوں گا

اے نسیم[3] حضرتِ سلمیٰ خدا را تا بکے
اے سلمیٰ کے دربار کی نسیم! خدا کے لیے کب تک

رَبع را برہم زنم اطلال را جیحوں کنم
گھر کو برباد کروں گا، ٹیلوں کو جیحون بناؤں گا؟

اے مہِ نامہرباں از بندہ حافظ یاد کن
اے نامہربان چاند، حافظ غلام کو یاد کر

تا دعائے دولتِ آں حسنِ روز افزوں کنم
تاکہ اس روز مرہ بڑھنے والے حسن کی دولت کو دعائیں دوں

دیدہ دریا کنم و رخت بصحرا افگنم
آنکھ کو دریا بناتا ہوں، سامان کو جنگل میں پھینکتا ہوں

و اندریں کارِ دلِ خویش بدریا فگنم
اور اس کام میں اپنے دل کو دریا میں ڈالتا ہوں

از دلِ تنگِ گنہگار برآرم آہے[4]
تنگ، گنہگار دل سے ایسی ایک آہ کرتا ہوں

کآتش اندر گنہِ آدم و حوا فگنم
کہ آدم، اور حوا کے گناہ میں آگ لگا دوں

خوردہ ام تیرِ فلک بادہ بدہ تا سرمست
میں نے آسمان کا تیر کھایا ہے، شراب لا تاکہ مست ہو کر

عقدہ در بندِ کمرِ ترکشِ جوزا[5] فگنم
جوزا کے ترکش کے کمر بند پر گرہ لگا دوں

جرعۂ جام بریں تختِ رواں افشانم
اس تختِ رواں پر، جام کا ایک گھونٹ چھڑکتا ہوں

غلغلِ چنگ دریں گنبدِ مینا فگنم
اس نیلے گنبد میں، چنگ کا شور پیدا کرتا ہوں

مایۂ خوشدلی آنجاست کہ دلدار آنجاست
خوشدلی کا سرمایہ وہاں ہے جہاں معشوق ہے

میکنم جہد کہ خود را مگر آنجا فگنم
کوشش کر رہا ہوں، شاید اپنے آپ کو وہاں پہونچا دوں

بندِ برقع بکشا اے مہِ خورشید لقا
اے سورج کی صورت والے چاند، برقع کا بند کھول

تا چو زلفت سرِ سودا زدہ در پا فگنم
تاکہ تیری زلف کی طرح دیوانے سر کو پیروں پر ڈال دوں

حافظا تکیہ بر ایام چو سہوست و خطا[6]
اے حافظ! جبکہ زمانہ پر بھروسہ کرنا غلطی اور بھول ہے

من چرا عشرتِ امروز بفردا فگنم
میں آج کے عیش کو، کل پر کیوں ڈالوں؟

در نہانخانۂ عشرت صنمے خوش دارم
عشرت کے خلوتخانہ میں میں ایک خوبصورت صنم رکھتا ہوں

کز سرِ زلف و رخش نعل در آتش[7] دارم
کہ اس کی زلف اور رخسار کے خیال سے آگ میں نعل رکھتا ہوں

گر بکاشانۂ رنداں قدمے خواہی زد[8]
اگر تو رندوں کے گھر میں قدم رنجہ فرمائے گا

نقلِ شعرِ شکریں و مئے بیغش دارم
تو میٹھے شعروں کا نقل، اور خالص شراب رکھتا ہوں

[1] محبوب کے فراق میں زرد رو ہوں شراب ملے تو چہرہ پر سرخی دوڑے۔
[2] حسن کے خزانہ سے اس قدر دولت ہاتھ آجائے گی کہ اپنے جیسے ہزاروں فقیروں کو قارون بنا دوں گا۔
[3] فراق میں روتے روتے معشوق کی قیام گاہ کو درہم برہم کر دیا ہے، کھنڈرات میں دریائے جیحون پیدا کر دیا ہے۔ لہٰذا اب تو اے باد صبا محبوب کا پیام لا۔
[4] ایسی آہ کروں گا کہ جس سے حضرت آدم اور حوا کا گیہوں کھانے کا گناہ تک جل کر خاک ہو جائیگا
[5] جوزا منطقۃ البروج کے جنوب میں ایک انسانی شکل مانی گئی ہے جو ایک ہاتھ میں عصا لیے ہوئے کمر بستہ ہے اور گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے ہے۔ یعنی مست ہو کر میں جوزا کے ترکش کے کمربند پر گرہ لگانا چاہتا ہوں تاکہ وہ مجھ پر تیر نہ چلا سکے
[6] دنیا پر بھروسہ غلط بات ہے لہٰذا آج کے عیش کو کل پر نہ ٹالنا چاہیے۔
[7] نعل در آتش ہونا بے قرار ہونا مشہور ہے کہ اگر کسی کو بیقرار کرنا ہو تو نعل پر مطلوب کا نام لکھ دیا جائے اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے اور اس پر منتر پڑھ دیا جائے تو مطلوب بیقرار ہو جائے گا
[8] اگر ہم جیسے رندوں کے یہاں آؤ گے تو اشعار الطبع

ور توزیں دست مرا بے سروساماں داری
اور اگر تو اسی طور پر، مجھے بے سرو سامان رکھے گا
من بآہِ سحرت زلف مشوّش دارم
میں صبح کی آہ سے تیری زلفوں کو پریشان رکھوں گا

عاشق و رندم و میخوارہ بآوازِ بلند
میں عاشق، اور رند ہوں، اور علی الاعلان شراب نوش
اینہمہ منصب از آں شوخِ پریوش دارم
اس شوخ پری جیسی صورت والے کی وجہ سے میں یہ تمام منصب رکھتا ہوں

گر چنیں جلوہ نماید خطِ زنگاریِ دوست
اگر معشوق کا سبز خط اسی طرح جلوہ نمائی کرے گا
منِ رخِ زرد بخونابہ منقّش دارم
میں زرد رخسار کو خالص خون سے نقشین رکھوں گا

ناوکِ غمزہ بیاور زرہِ زلف کہ من
زلف کے راستے سے غمزہ کا تیر لا، اس لیے کہ میں
جنگہا بادلِ مجروحِ بلاکش دارم
زخمی، بلاکش، دل کے ساتھ لڑائیاں رکھتا ہوں

یک سرِ موئے بدستِ من و یک سر بادوست
بال کا ایک سرا میرے ہاتھ میں اور ایک سرا دوست کے ہاتھ میں ہے
سالہا بر سرِ ایں موئے کشاکش دارم
سالوں سے اس بال پر کشمکش رکھتا ہوں

حافظا چوں غم و شادیِ جہاں درگذرست
اے حافظ چونکہ دنیا کی خوشی، اور غم گذر جانے والا ہے
بہتر آنست کہ من خاطرِ خود خوش دارم
بہتر یہی ہے کہ میں اپنے دل کو خوش رکھوں

دی شب بسیلِ اشک رہِ خواب میزدم
کل رات میں آنسوؤں کے بہاؤ سے نیند پر ڈاکہ ڈالتا تھا
نقشے بیادِ خطِ تو بر آب میزدم
تیرے خط کی یاد کا نقشہ، پانی پر بناتا تھا

روئے نگار در نظرم جلوہ می نمود
معشوق کا چہرہ میری نظر میں جلوہ دکھاتا تھا
وز دور بوسہ بر رخِ مہتاب میزدم
اور میں چاند کے چہرے کا دور سے بوسہ لیتا تھا

ابروئے یار در نظر و خرقہ سوختہ
یار کا ابرو نگاہ میں تھا، اور گدڑی جلا کر
جامے بیادِ گوشۂ محراب میزدم
محراب کے گوشہ کی یاد میں جام اڑاتا تھا

چشمم بروئے ساقی و گوشم بقولِ چنگ
میری نگاہ ساقی کے چہرے پر تھی اور کان چنگ کی بات پر
فالے بچشم و گوش دریں باب میزدم
اس بارے میں آنکھ، اور کان سے میں فال لے رہا تھا

نقشِ خیالِ روئے تو تا وقتِ صبحدم
تیرے چہرے کے خیال کا نقش، صبح تک
بر کارگاہِ دیدۂ بیخواب میزدم
بے نیند، آنکھ کے کارخانہ میں بناتا تھا

ہر مرغ فکر کز سرِ شاخِ طرب بجست
فکر کا جو پرند، مستی کی شاخ سے اڑتا تھا
بازش ز طرۂ تو بمضراب میزدم
تیری زلف کی مضراب سے میں اس کو پھر مارتا تھا

ساقی بصوتِ ایں غزلم کاسہ میگرفت
میری اس غزل کی آواز پر ساقی پیالہ تھامتا تھا
می گفتم ایں سرود و مئے ناب میزدم
میں یہ گانا گاتا تھا اور خالص شراب پیتا تھا

خوش بود وقتِ حافظ و فالِ مرادِ کام
حافظ کا وقت اچھا تھا، اور مقصد کی مراد کی فال
بر نامِ عمر و دولتِ احباب میزدم
دوستوں کی دولت اور عمر کے نام پر میں نکالتا تھا

۱؎ مجھے اگر تو بیقرار رکھے گا میں بھی اپنی آہوں سے تیری زلف کو پریشان کردوں گا۔
۲؎ اپنے زرد رخسار کو خون کے آنسوؤں سے منقّش رکھوں گا۔
۳؎ چونکہ میری دل سے لڑائی ہے لہٰذا اس پر میں محبوب کی نگاہ کا تیر جو زلفوں کی راہ سے آئے یعنی ترچھی نگاہ کا تیر چلانا چاہتا ہوں۔
۴؎ بال سے مراد باہمی تعلق ہے۔
۵؎ آب سے مراد آنسو ہیں۔
۶؎ قرب تو حاصل نہ تھا ہم دور سے بوسہ لے رہے تھے۔
۷؎ ہم نے یہ فال لی کہ جب ساقی پر نظر اور چنگ کی آواز کان میں آرہی ہے تو اب وصل میسّر آجائیگا۔
۸؎ یعنی دل میں اگر کبھی خوشی کا خیال آتا بھی ہے تو تیری زلف پھر پریشانی پیدا کردیتی ہے۔

دیدار شد میسّر و بوس و کنار ہم
دیدار میسر آگیا، اور بغل میں لینا، اور بوسہ لینا بھی
از بخت شکر دارم و از روزگار ہم
نصیبہ کا بھی شکر گذار ہوں، اور زمانہ کا بھی

زاہد برو کہ طالع اگر طالع من ست
زاہد چلا جا، اگر میرا نصیبہ اچھا نصیبہ ہے
جامم بدست باشد و زلفِ نگار ہم
تو میرے ہاتھ میں جام بھی ہوگا اور معشوق کی زلف بھی

ما عیب کس برندی و مستی نمی کنیم
ہم کسی پر مستی، اور رندی کا عیب نہیں لگاتے ہیں
لعلِ بتاں خوش ست و مئے خوشگوار ہم
معشوقوں کا ہونٹ بھی اچھی چیز ہے اور خوشگوار شراب بھی

اے دل بشارتے دہمت محتسب نماند
اے دل میں تجھے خوشخبری دیتا ہوں، محتسب نہیں رہا
وز مے جہاں پرست و بتِ میگسار ہم
اور دنیا شراب سے بھری ہے اور شراب پلانیوالے معشوق بھی

آں شد کہ چشمِ بد نگراں بود از کمیں
وہ وقت گیا، کہ گھات سے بُری آنکھ نگراں تھی
خصم از میاں برفت و سرشک از کنار ہم
دشمن درمیان سے چلا گیا، اور گود سے آنسو بھی

خاطر بدست تفرقہ دادن نہ زیرکی ست
طبیت کو تفرقہ کے سپرد کرنا، عقلمندی نہیں ہے
مجموعۂ بخواہ و صراحی بیار ہم
ایک اطمینان چاہ، اور صراحی بھی لا

بر خاکیانِ عشق فشاں جرعۂ لبش
عشق کے خاک نشینوں پر اس کے ہونٹ کا ایک گھونٹ چھڑک دے
تا خاک لعل گوں شود و مشکبار ہم
تاکہ مٹی، لعل جیسی ہو جائے اور مشک پھیلانے والی بھی

چوں آبروئے لالہ و گل فیضِ حسنِ تست
چونکہ لالہ اور گل کی آبرو تیرے حسن کا فیض ہے
اے ابرِ لطف برمنِ خاکی ببار ہم
اے مہربانی کے ابر! مجھ خاکی پر بھی برس

چوں کائنات جملہ بروئے تو زندہ اند
جب کہ ساری کائنات تیرے چہرے کی بدولت زندہ ہے
اے آفتاب سایہ زمن برمدار ہم
اے آفتاب! مجھ سے بھی سایہ نہ ہٹا

اہلِ نظر اسیرِ تو انداز خدا بترس
اہلِ نظر تیرے قیدی، ہیں خدا سے ڈر
وز انتصافِ آصفِ جم اقتدار ہم
اور جمشید جیسے اقتدار والے، آصف کے انصاف لینے سے بھی

بر یادِ روئے انورِ او آفتابِ صبح
صبح کا آفتاب، اس کے منور چہرہ کی یاد پر
جاں میکند فدا و کواکب نثار ہم
جان قربان کرتا ہے اور ستاروں کو بھی نچھاور کرتا ہے

گوئے زمیں ربودۂ چوگانِ عدلِ تست
زمین کی گیند تیرے انصاف کے بلّے کی جیتی ہوئی ہے
ویں برکشیدہ گنبدِ نیلی حصار ہم
اور یہ نیلے حصار والا، تنا ہوا گنبد بھی

تا از نتیجۂ فلک و طورِ دورِ اوست
جب تک آسمان کے نتیجہ، اور اس کے چکّر کے طریقہ سے ہے
تبدیلِ سال و ماہ و خزان و بہار ہم
سال اور مہینہ کی تبدیلی، اور خزاں اور بہار بھی

ق

خالی مباد کاخِ جلالت ز سروراں
تیرے جلال کا محل، سرداروں سے خالی نہ ہو
وز ساقیانِ سرو قدِ گلعذار ہم
اور سرو جیسے قد والے، پھول جیسے رخسار والے ساقیوں سے بھی

برہانِ ملک و دیں کہ ز دستِ وزارتش
ملک اور دین کا برہان کہ اس کی وزارت کے ہاتھ سے
ایام کاں یمیں شد و دریا یسار ہم
زمانہ کی کان داہنا ہاتھ ہوگئی ہے اور دریا بھی بایاں ہاتھ ہوگیا ہے

عزمِ سبک عنانِ تو در جنبش آورد
تیرا تیز رو ارادہ، حرکت میں لے آتا ہے
ایں پائدار مرکزِ عالی مدار ہم
اس عالی مدار، پائدار مرکز کو بھی

---

۱ یعنی اگر ہم خوش نصیب ہیں تو محبوب کی زلف اور جام و شراب سے بہرہ ور ہوں گے۔

۲ تیری نصیحت بیکار ہے

۳ جبکہ محتسب کا ڈر بھی نہیں ہے اور شراب اور معشوق بھی موجود ہے تو اس سے زیادہ اور کیا خوشخبری ہوگی۔

۴ دل کی پریشانی پیدا کرنا عقلمندی نہیں ہے اطمینانِ خاطر اور صراحی حاصل کرنی چاہئے۔

۵ نظر باز تیرے قیدی ہیں ان کے بارے میں خدا سے ڈر اور عماد بن محمود وزیر سلطان قطب الدین سے ڈر۔

۶ یہ اور اگلا شعر ملکر مفہوم پورا ہوگا۔ یعنی جب تک آسمان کی گردش سے سال اور مہینے بنیں تیرا گھر آباد رہے

۷ برہان الدین والملک وزیر کا نام ہے یعنی اسکے وجود سے زمانہ مالامال ہے زر و جواہر کی کان زمانے کا داہنا ہاتھ بن گئی ہے اور دریا کے موتی بایاں ہاتھ

۸ یعنی تیرے ارادے کے ساتھ زمین بھی حرکت میں آجاتی ہے۔

دیوارِ[۱] درمیانہ چو برگِ گلِ دو رُوست — ہمسایۂ ہمند خزان و بہار ہم
درمیان کی دیوار، دو رخے پھول کی پتی کی طرح ہے — آپس میں ہمسایہ ہیں، خزاں اور بہار بھی

حافظ[۲] کہ در ثنائے تو چندیں گہر فشاند
حافظ جس نے تیری تعریف میں بہت سے موتی نثار کئے

پیشِ کفِ تو شد خجل و شرمسار ہم
تیرے ہاتھ کے سامنے شرمندہ ہو گیا اور شرمسار بھی

روزِ[۳] عید است و من امروز در ایں تدبیرم — کہ دہم حاصلِ سی روزہ و ساغر گیرم
عید کا دن ہے، اور میں آج اس تدبیر میں ہوں — کہ تیس روزوں کی کمائی دیدوں اور ساغر لے لوں

چند روز یست کہ دُورم زرخِ ساقی و جام — بس خجالت کہ پدید آمد ازیں تقصیرم
کتنے دن ہو گئے ہیں، کہ میں ساقی کے رخ اور جام سے دور ہوں — بہت شرمندگی ہے، جو رونما ہوئی، میری اس کوتاہی سے

من[۴] بخلوت نہ نشینم پس ازیں ور مثل — زاہدِ صومعہ بر پائے نہد زنجیرم
اس کے بعد میں خلوت میں نہ بیٹھوں گا، خواہ مثلاً — عبادت خانہ کا زاہد میرے پیر میں بیڑی ڈال دے

پندِ پیرانہ دہد واعظِ شہرم لیکن — من نہ آنم کہ دِگر پندِ کسے بپذیرم
شہر کا واعظ، مجھے بزرگانہ نصیحت کرتا ہے لیکن — میں وہ نہیں ہوں، جو اب کسی کی نصیحت مانوں

آنکہ[۵] بر خاکِ درِ میکدہ جا داشت کجاست — تا نہم بر قدمم او سر و پیشش میرم
جس کی شراب خانہ کے دروازے پر جگہ تھی وہ کہاں ہے، — تاکہ اس کے قدموں پر سر رکھ دوں اور اسکے سامنے جان دیدوں

میکشیدم مے و سجادۂ تقویٰ بر دوش — آہ اگر خلق شوند آگہ ازیں تزویرم
میں شراب پی رہا تھا، اور تقوے کا مصلیٰ کاندھے پر تھا — آہ ہے، اگر لوگ میری اس مکاری سے واقف ہو جائیں

جز صراحی و کبابم نہ بوَد یار و ندیم — تا حریفانِ دغا را ز جہاں کم بینم
صراحی اور کباب کے سوا میرا کوئی دوست اور ہم مجلس نہ ہوگا — تاکہ دغا باز دوستوں کو دنیا میں کم دیکھوں

خلق گویند کہ حافظ سخنِ پیر نیوش
لوگ کہتے ہیں کہ اے حافظ بوڑھے کی بات سن

سالخوردہ[۶] مَیَم امروز بہ از صد پیرم
آج میرے لیے، پرانی شراب سو بوڑھوں سے بہتر ہے

روزگارے شد کہ در میخانہ خدمت میکنم — دَر[۷] لباسِ فقر کارِ اہلِ دولت میکنم
ایک زمانہ گذر گیا کہ میں میخانہ میں خدمتگاری کرتا ہوں — فقیری کے لباس میں دولتمندوں کا کام کرتا ہوں

تا مگر در دامِ وصل آرم تذروِ خوشخرام — در کمینم انتظارِ وقتِ فرصت میکنم
تاکہ حسین چال والی چکور کو وصل کے جال میں پھانس لوں — میں گھات میں ہوں، فرصت کے وقت کا انتظار کرتا ہوں

واعظِ[۸] ما بوئے حق نشنید بشنو ایں سخن — در حضورش نیز میگویم نہ غیبت میکنم
یہ بات سن لے، ہمارے واعظ نے حق کی خوشبو نہیں سونگھی ہے — میں اسکے سامنے بھی کہتا ہوں، غیبت نہیں کرتا ہوں

چوں صبا افتان و خیزاں میروم تا کوئے دوست — و ز رفیقِ راہ استمدادِ ہمت میکنم
دوست کے کوچہ تک صبا کی طرح گرتا پڑتا جاتا ہوں — اور راستہ کے ساتھی سے باطنی توجہ کی مدد طلب کرتا ہوں

[۱] یعنی جو دیوار میرے اور محبوب کے درمیان میں حائل ہے اس کے دو رخ ہیں میری طرف خزاں ہے اور محبوب کی طرف بہار۔
[۲] تو نے حافظ کو مدح سے زیادہ دیا اس لئے وہ شرمندہ ہے۔
[۳] رمضان میں تیس روزے رکھکر جو ثواب کمایا ہے اس کو ایک ساغر کے عوض دے ڈالوں۔
[۴] اب اگر زاہد پیروں میں بیڑیاں بھی ڈال دیگا میں خلوت نشینی اختیار کروں گا۔
[۵] میکدہ کا خاک نشیں کہاں ہے تاکہ اس کے قدموں پر سر دھروں، اور جان دیدوں۔
[۶] پرانے لوگوں کی نصیحت سے پرانی شراب بہت بہتر ہے۔
[۷] لباس فقیرانہ ہے، لیکن عشق کی دولت سے مالا مال ہوں۔
[۸] میں نے واعظ کے منہ پر کہدیا ہے کہ اس نے تو حق کی بُو بھی نہیں سونگھی ہے۔

خاکِ[1] کوئیت برنتابد زحمتِ مابیش ازیں
تیرے کوچہ کی خاک ہماری زحمت کی اس سے زیادہ برداشت نہ کریگی

لطفہا کردی بتا تخفیفِ زحمت میکنم
اے بت تو نے بہت مہربانیاں کیں ہیں میں تکلیف دہی میں کمی کرتا ہوں

زلفِ[2] دلبر دامِ راہ و غمزہ اش تیرِ بلاست
معشوق کی زلف راستہ کا جال ہے اور اس کی ادا بلا کا تیر ہے

یاد دار اے دل کہ چندینت نصیحت میکنم
اے دل یاد رکھنا، تجھے میں کس قدر نصیحتیں کر رہا ہوں

دیدۂ[3] بد بیں بپوشاں اے کریمِ عیب پوش
اے عیب چھپانے والے سخی اور دشمن کی نظر سے چھپا

زیں دلیریہا کہ من در کنجِ خلوت میکنم
ان دلیریوں کو، جو میں تنہائی کے گوشہ میں کرتا ہوں

حاش[4] للہ کز حسابِ روزِ حشرم باک نیست
خدا کی پناہ کہ مجھے حشر کے دن کے حساب کی پروا نہیں ہے

فالِ فردا میزنم امروز عشرت میکنم
کل کی فال لیتا ہوں، آج عیش کرتا ہوں

از یمینِ عرش آمیں میکند روح الامیں
جبرئیل عرش کی داہنی جانب سے آمین کہتے ہیں

چوں دعائے پادشاہِ ملک و ملت میکنم
جب میں ملک اور ملت کے بادشاہ کو دعا دیتا ہوں

خسروا امیدِ جاہ و مال دارم زیں سبب
اے بادشاہ میں مرتبہ اور مال کا امیدوار ہوں اسی وجہ سے

التماسِ آستاں بوسیِ حضرت میکنم
کہ دربار کی آستان بوسی کی درخواست کرتا ہوں

حافظم در محفلے دُردی کشم در مجلسے
میں ایک محفل میں حافظ ہوں ایک مجلس میں تلچھٹ پینے والا ہوں

بنگر ایں شوخی کہ چوں با خلق صحبت میکنم
اس شرارت کو دیکھ مخلوق کے ساتھ میں کیسے گذارا کرتا ہوں

زدستِ کوتہِ خود زیر بارم
میں اپنے کوتاہ ہاتھ سے اس قدر زیر بار ہوں

کہ از بالا بلنداں شرمسارم
کہ بلند قد والوں سے شرمندہ ہوں

مگر[5] زنجیرِ زلفت گیردم دست
شاید، تیری زلف کی زنجیر میری دستگیری کردے

وگرنہ سر بشیدائی بر آرم
ورنہ میں دیوانگی میں مشہور ہو جاؤں گا

زچشمِ من بپرس اوضاعِ گردوں
آسمان کی حالتیں، میری آنکھ سے پوچھ

کہ شب تا روز اختر می شمارم
کہ رات سے صبح تک میں اختر شماری کرتا ہوں

چہ مے خوردم من از میخانۂ عشق
عشق کے شراب خانے سے میں نے کیسی شراب پی ہے

کہ ہشیاری[6] و بیداری ندارم
کہ میں ہوشیاری، اور بیداری نہیں رکھتا ہوں

باین[7] شکرانہ می بوسم لبِ جام
میں جام کے لب کے، اس شکرانہ میں بوسے لیتا ہوں

کہ کرد آگہ ز دورِ روزگارم
کہ اس نے، مجھے زمانہ کے چکر سے آگاہ کردیا

من[8] از بازوئے خود دارم بسے شکر
میں اپنے بازوؤں کا، بہت شکر گذار ہوں

کہ زورِ مردم آزاری ندارم
کہ مجھ میں، مردم آزاری کا زور نہیں ہے

اگر گفتم[9] دعائے میفروشاں
اگر میں نے، شراب فروشوں کے لیے دعا کی

چہ باشد شکرِ نعمت میگزارم
تو کیا ہوا، میں تو نعمت کا شکر یہ ادا کرتا ہوں

مکن[10] عیبم زخوں خوردن دریں دشت
اس جنگل میں، خون پینے سے، مجھ پر عیب نہ لگا

کہ کار آموزِ آہوئے تتارم
کیونکہ، میں تاتار کے ہرن کا استاد ہوں

۱ ہم نے تیرے کوچہ کو بہت زحمتیں دیں اب زیادہ زحمت نہ دیں گے۔
۲ اگر نصیحت نہ مانے گا جال میں پھنس جائیگا، اور مصیبت کے تیر کھائے گا۔
۳ خدا کرے میری تنہائی کی برائیوں سے دشمن واقف نہ ہو۔
۴ جب اللہ نے آج عیش دئے ہیں تو یہ نیک فال ہے حشر میں عیش میسر آجائیگا۔
۵ اگر ہم زلف کے پابند نہ ہوئے تو مجنوں بنکر جنگل کو نکل جائینگے۔
۶ بلکہ مستی اور مدہوشی ہے۔
۷ چونکہ جام نے زمانہ کے مکر و فریب ہم پر کھول دئیے ہیں اس لیے ہم اسکی لب بوسی کرتے ہیں۔
۸ ہم اپنے بازوؤں کے شکر گذار ہیں کہ ان میں لوگوں کو ستانے کی طاقت نہیں ہے۔
۹ چونکہ مے فروشوں کا ہم پر احسان ہے لہذا احسان کی شکر گذاری میں ہم ان کو دعائیں دیتے ہیں۔
۱۰ مشک خون سے بنتا ہے تو جب تک ہم بھی خونِ جگر نہ پئیں گے مشک کی خاصیت ۳ پیدا نہ ہوگی۔

تو از خاکم نخواہی بر گرفتن تو، مجھے زمین سے نہ اٹھائے گا	بجائے اشک اگر گوہر ببارم اگر میں آنسوؤں کی بجائے، موتی برساؤں

سرے دارم چو حافظ مست لیکن
میں حافظ کا سا، دیوانہ سر، رکھتا ہوں لیکن

بر لطفِ آں پری اُمیدوارم
اس پری کی مہربانی کا امید وار ہوں

زلف[1] بر باد مدہ تا ندہی بر بادم زلف کو پریشان نہ کر، تاکہ تو مجھے برباد نہ کرے	نازِ بنیاد مکن تا نکنی بنیادم ناز کی بنیاد نہ ڈال، تاکہ تو میری بنیاد نہ اکھاڑے
رُخ[2] برافروز کہ فارغ کنی از برگِ گُلم چہرے کو فروزاں کر، تاکہ تو مجھے پھول کی پتی سے بے نیاز کرے	قد برافراز کہ از سرو کنی آزادم قد بلند کر، تاکہ تو مجھے سرو سے آزاد کرے
زلف[3] را حلقہ مکن تا نہ کنی در بندم زلف میں گرہ نہ لگا، تاکہ تو مجھے قید نہ کرے	چہرہ را آب مدہ تا ندہی بر بادم چہرے کو رونق نہ دے، تاکہ تو مجھے برباد نہ کرے
شہرۂ[4] شہر مشو تا نہ نہم سر در کوہ شہر میں مشہور نہ ہو، تاکہ میں پہاڑوں کا رخ نہ کروں	شورِ شیریں منما تا نکنی فرہادم شیریں کی شہرت نہ پیدا کر، تاکہ تو مجھے فرہاد نہ بنائے
مے[5] مخور با دگراں تا نخورم خونِ جگر دوسروں کے ساتھ شراب نوشی نہ کر، تاکہ میں خونِ جگر نہ پیوں	سرکش تا نکشد سر بفلک فریادم سرکشی نہ کر، تاکہ میری فریاد سر بفلک نہ ہو
سرم از دست بشد وصلِ تو ننمود جمال میرا سر ہاتھ سے گیا، تیرے وصل نے جمال نہ دکھایا	دست گیرم کہ ز ہجرِ تو زپا افتادم میری دستگیری کر، اس لیے کہ تیرے ہجر کی وجہ سے میں گر گیا ہوں
یارِ بیگانہ مشو تا نبری از خویشم غیر کا دوست نہ بن، تاکہ تو مجھے بے خود نہ بنائے	غمِ اغیار مخور تا نکنی ناشادم غیروں کا غم نہ کھا، تاکہ تو مجھے ناخوش نہ کرے
رحم[6] کن بر منِ مسکین و بفریادم رس مجھ مسکین پر رحم کر، اور میری فریاد رسی کر	تا بخاکِ درِ آصف نرسد فریادم تاکہ میری فریاد آصف کے دروازہ کی خاک تک نہ پہونچے
چوں فلک جور مکن تا نکشی زار مرا آسمان کی طرح ظلم نہ کر، تاکہ تو مجھے عاجز کر کے نہ مارے	رام شو تا بدمد طالعِ فرّخ زادم فرمانبردار بن، تاکہ میرا مبارک نصیب چمک اٹھے

حافظ از جورِ تو حاشا کہ بنالد روزے
حاشا للہ، کہ حافظ کسی دن تیرے ظلم سے نالاں ہو

من ازاں روز کہ در بندِ توام آزادم
میں جس دن سے تیری قید میں ہوں، آزاد ہوں

سالہا[7] پیرویِ خدمتِ رنداں کردم میں نے سالوں، رندوں کی خدمت کی پیروی کی	تا بفتوائے خرد حرص بزندان کردم تب عقل کے فتوے سے، حرص کو قید کیا
من بسر منزلِ عنقا نہ بخود بردم راہ میں خود عنقا کی منزل تک نہیں پہونچا	قطعِ ایں مرحلہ با مُرغِ[8] سلیماں کردم میں نے اس مرحلہ کو سلیمان کے پرندے کے ساتھ طے کیا

[1] تو زلف کو پریشان کرے گا تو میں برباد ہو جاؤں گا، تو ناز کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔
[2] تو رخ دکھا تاکہ مجھے پھول کی ضرورت نہ رہے، تیرے قد کو دیکھ کر مجھے سرو سے آزادی حاصل ہو جائے گی۔
[3] زلف میں گرہ نہ لگا ورنہ میں قیدی بن جاؤں گا، چہرے کو پُر رونق کرے گا تو میں برباد ہو جاؤں گا۔
[4] تیری شہرت ہوگی تو میں دیوانہ وار جنگلوں کو نکل جاؤں گا، تو شیریں بنے گا تو میں فرہاد ہو جاؤں گا۔
[5] تو دوسروں کے ساتھ شراب نوشی کرے گا، تو میں خونِ جگر پیوں گا، تو سرکشی کرے گا تو میری آہیں آسمان تک پہونچیں گی۔
[6] مجھ پر رحم کر ورنہ علاء الدین محمود قطب الدین کے وزیر کے دربار میں جا کر فریاد کروں گا۔
[7] رندوں کی برسوں خدمت گذاری کر کے حرص کو قید کر سکا ہوں۔
[8] مرغ سلیمان سے ہُد ہُد مراد ہے جس نے بلقیس کی خبر لا کر دی تھی۔

از خلاف آمدِ عادت بطلب کام کہ من
مقصد کو خلافِ عادت چیزوں سے طلب کر اس لیے کہ میں نے

کسبِ جمعیت ازاں زلفِ پریشاں کردم
اس پریشان زلف سے دل جمعی حاصل کی ہے

سایۂ بر دلِ ریشم فگن اے گنجِ مراد
اے مراد کے خزانے! میرے زخمی دل پر ایک سایہ ڈال

کہ من ایں خانہ بسودائے تو ویراں کردم
اس لیے کہ میں نے اس گھر کو تیرے عشق میں ویران کیا ہے

توبہ کردم کہ نبوسم لبِ ساقی وکنوں
میں نے توبہ کی تھی کہ ساقی کے لب کو بوسہ نہ دوں گا اور اب

میگزم لب کہ چرا گوش بناداں کردم
میں ہونٹ کاٹتا ہوں کہ نادان کی بات پر کیوں کان دھرا

نقشِ مستوری و مستی نہ بدستِ من و تست
زہد اور مستی کا نقش میرے اور تیرے ہاتھ میں نہیں ہے

آنچہ استادِ ازل گفت بکن آں کردم
جو استادِ ازل نے کہا کر، میں نے وہ کیا

دارم از لطفِ ازل منزلِ فردوس طمع
ازل کی مہربانی سے میں فردوس کے مکان کی طمع کرتا ہوں

گرچہ دربانیِ میخانہ فراواں کردم
اگرچہ میں نے شراب خانہ کی دربانی بہت کی ہے

اینکہ پیرانہ سرم صحبتِ یوسف بنواخت
اس بڑھاپے میں یوسف کی صحبت نے جو مجھے نوازا ہے

اجرِ صبریست کہ در کلبۂ احزاں کردم
یہ اس صبر کا بدلہ ہے جو میں نے غموں کی کوٹھری میں کیا

گر بدیوانِ غزل صدر نشینم چہ عجب
اگر غزل کی مجلس میں میں صدر نشین ہوں تو کیا تعجب ہے؟

سالہا بندگیِ صاحبِ دیواں کردم
میں نے سالوں امیرِ مجلس کی خدمت کی ہے

ہیچ کس را نرسد در خمِ محرابِ فلک
آسمان کی محراب کے دائرہ میں کسی شخص کو نہ حاصل ہوں گے

آں تنعم کہ من از ہمتِ سلطاں کردم
وہ عیش جو میں نے بادشاہ کی توجہ سے کئے ہیں

صبح خیزی و سلامت طلبی چوں حافظ
حافظ کی طرح، صبح کو اٹھنا، اور سلامت طلبی

ہرچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآں کردم
جو کچھ میں نے کیا یہ سب قرآن کی بدولت کیا ہے

سرم خوش ست و ببانگِ بلند میگویم
میں مست ہوں اور علی الاعلان کہتا ہوں

کہ من نسیمِ حیات از پیالہ میجویم
کہ میں زندگی کی نسیم، پیالہ سے ڈھونڈتا ہوں

عبوسِ زہد بوجہِ خمار بنشیند
زہد کی ترشروئی، خمار کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے

مریدِ ہمتِ دردی کشانِ خوشخویم
میں خوش اخلاق، تلچھٹ پینے والوں کی باطنی توجہ کا مرید ہوں

گرم نہ پیرِ مغاں در بروئے بکشاید
اگر پیرِ مغاں میرے لیے دروازہ نہ کھولے

کدام در بزنم چارہ از کجا جویم
میں کونسا دروازہ کھٹکھٹاؤں، کہاں سے تدبیر ڈھونڈوں!

مکن دریں چمنم سرزنش بخود روئی
اس چمن میں میرے خود رَو ہونے پر مجھے نہ جھڑک

چنانکہ پرورشم مید ہند میرویم
میری جس طرح سے پرورش کرتے ہیں میں اگتا ہوں

تو خانقاہ و خرابات در میانہ مبیں
تو خانقاہ اور شراب خانہ کو درمیان میں نہ دیکھ

خدا گواہ بہر جا کہ ہست با اویم
خدا گواہ ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہے میں اُسکے ساتھ ہوں

ز شوقِ نرگسِ مست و بلند بالائے
ایک بلند قد اور مست نرگس کے عشق میں

چو لالہ با قدح افتادہ برلبِ جویم
میں لالہ کی طرح، ہاتھ میں پیالہ لئے، نہر کے کنارے پڑا ہوں

لے شعر [illegible]

ٹے نیکی اور بدی اختیاری نہیں ہے سب منجانب اللہ ہے۔

ٹے اگرچہ پرانا گنہگار ہوں لیکن جنت الفردوس کا امیدوار ہوں۔

ٹے کلبۂ احزان، غموں کی کوٹھری، وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں حضرت یعقوب نے، حضرت یوسف کے فراق کے دن بسر کیے تھے۔

ٹے حافظ کو صبح خیزی اور سلامت روی سب قرآن کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔

ٹے زہد کی بد مزاجی کو ہم شراب کے ذریعہ مٹاتے ہیں ہم تو خوش اخلاق تلچھٹ نوشوں کے مرید ہیں۔

ٹے یہ ملامت نہ کر کہ ہم خود رَو پودے کی طرح ہیں، ہمیں تو قدرت نے جیسا بنایا ہے ویسے بنے ہیں۔

ٹے لالہ کے بارے میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑا ہے۔

شدم نشانہ بسرگشتگی و ابروئے دوست
میں دیوانگی کا نشانہ بنا ہوں، اور دوست کے ابرو نے

کشیدہ درخمِ چوگانِ خویش چوں گویم
مجھے گیند کی طرح اپنے بلّے کے موڑ میں لے لیا ہے

غبارِ[1] راہِ طلب کیمیائے بہروزی ست
طلب کے راستہ کا غبار، کامیابی کی کیمیا ہے

غلامِ دولتِ آں خاکِ عنبریں بویم
میں اس عنبر جیسی خوشبو والی خاک کی دولت کا غلام ہوں

نصیحتم[2] چہ کنی ناصحا چہ میدانی
اے ناصح! مجھے کیا نصیحت کرتا ہے، تجھے کیا پتہ ہے؟

کہ من نہ معتقدِ مردِ عافیت جویم
میں عافیت تلاش کرنیوالے انسان کا معتقد نہیں ہوں

بیار[3] مے کہ بفتوائے حافظ از دلِ پاک
شراب لا تاکہ حافظ کے فتوے کے مطابق پاک دل سے

غبارِ زرق بفیضِ قدح فروشویم
مکاری کے غبار کو میں پیالہ کے فیض سے دھو ڈالوں

صنما با غمِ عشقِ تو چہ تدبیر کنم
اے صنم، تیرے عشق کے غم کی کیا تدبیر کروں؟

تا بکے در غمِ تو نالۂ شبگیر کنم
تیرے غم میں کب تک رات بھر کا رونا رویا کروں!

دلِ[4] دیوانہ ازاں شد کہ پذیرد درماں
دیوانہ دل اس سے تو گذر گیا کہ علاج کو قبول کرے

مگرش ہم زِ سرِ زلفِ تو زنجیر کنم
مگر ہاں اس کو تیری زلف کی زنجیر سے قید کروں

آنچہ[5] در مدتِ ہجرِ تو کشیدم ہیہات
افسوس ہے، جو کچھ میں نے تیرے فراق کی مدت میں برداشت کیا ہے

در دو صد نامہ محال ست کہ تحریر کنم
ناممکن ہے دو سو خطوں میں بھی اس کو لکھ سکوں

با سرِ زلفِ تو مجموعِ پریشانیِ خویش
تیری زلف کے خیال میں اپنی پریشانی کے مجموعے کو

کو مجالے کہ یکایک ہمہ تقریر کنم
کہاں مجال، کہ ایک دم سب کا سب بیان کر سکوں

رندِ یکرنگم و با شاہد و مے ہمصحبت
میں یک رنگ رند ہوں، اور معشوق اور شراب کا ساتھی ہوں

نتوانم کہ دگر حیلہ و تزویر کنم
اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا، کہ پھر حیلہ اور مکاری کروں

آں[6] زماں کارزوئے دیدنِ جانم باشد
جب مجھے اپنی جان کے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے

در نظر نقشِ رخِ خوب تو تصویر کنم
تیرے خوبصورت چہرے کا نقشہ آنکھوں میں کھینچ لیتا ہوں

گر بدانم کہ وصالِ تو بدیں ست دہد
اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرا وصل اس طور پر حاصل ہو جائیگا

دل و دیں را ہمہ در بازم و توفیر کنم
دل اور دین سب کو ہار دوں اور وقف کر دوں

دور[7] شو از برم اے واعظ و افسانہ مگو
اے واعظ میرے پاس سے چلا جا، اور افسانہ گوئی نہ کر

من نہ آنم کہ دگر گوش بہ تزویر کنم
میں وہ نہیں ہوں، کہ اب مکاری پر کان دھروں

نیست امکانِ خلاص از غمِ او اے حافظ
اے حافظ اس کے غم سے چھوٹنے کا کوئی امکان نہیں ہے

چونکہ تقدیر چنیں بود چہ تدبیر کنم
جبکہ تقدیر ہی ایسی تھی، اب میں کیا تدبیر کروں؟

صلاح[8] از ما چہ میجوئی کہ مستاں را صلا گفتیم
ہم سے نیکی کیا ڈھونڈتا ہے، کیونکہ ہم نے مستوں کو دعوت دیدی ہے؟

بدورِ نرگسِ مستت سلامت را دعا گفتیم
تیری مست نرگس کے دور میں سلامتی کو الوداع کہدیا ہے

[1] معشوق کی طلب کے راستہ کا غبار انسان کو کندن بنا دیتا ہے۔
[2] ناصح مصائب سے ڈراتا ہے، حالانکہ ہم تو مشکل پسند انسان کے ہی معتقد ہوتے ہیں۔
[3] شراب کا پیالہ ریاکاری کو دھو ڈالتا ہے۔
[4] یہ دیوانہ دل قابلِ علاج نہیں ہے، اب تو اس کو زلف کی زنجیر میں ہی باندھنا چاہیے۔
[5] ہجر کے مصائب کو دو سو خطوں میں بھی تحریر نہیں کیا جا سکتا ہے۔
[6] محبوب ہماری جان ہے جب ہم جان کو دیکھنا چاہتے ہیں محبوب کی تصویر دیکھ لیتے ہیں۔
[7] واعظ کی ساری تقریر افسانہ گوئی اور مکر ہے ہم اس پر دھیان نہیں دیتے ہیں۔
[8] مستوں سے مراد، محبوب کی آنکھیں ہیں یعنی جب ہم نے اس کی آنکھوں کو دعوت دیدی ہے اب عافیت اور صلاح کہاں ہے۔

در میخانه رابگشا که هیچ از خانقه نکشود
میخانہ کے دروازہ کو کھول، اس لیے کہ خانقاہ سے کچھ حاصل نہ ہوا
گرت باور بود ورنه سخن این بود وما گفتیم
اگر تجھے یقین آئے، ورنہ بات یہی تھی اور ہم نے کہدی

من از چشم خوش ساقی خراب افتاده ام لیکن
میں ساقی کی حسین آنکھ سے مست پڑا ہوں، لیکن
بلائے کز حبیب آمد هزارش مرحبا گفتیم
جو مصیبت دوست کی طرف سے آئی ہم نے اس کو ہزار خوش آمدید کہا ہے

قدت گفتم که شمشاد ست وبس خجلت ببار آورد
میں نے تیرے قد کو شمشاد کہا اور بہت شرمندگی کا پھل لایا
که این نسبت چرا کردیم واین بهتاں چرا گفتیم
کہ یہ نسبت ہم نے کیوں کی، اور یہ بہتان کیوں باندھا

اگر برمن نبخشائی پشیمانی خوری آخر
اگر تو مجھ پر بخشش نہ کرے گا، آخرکار شرمندہ ہوگا
بخاطر دار این معنی که در خدمت کجا گفتیم
اس بات کو یاد رکھنا، ہم نے تجھ سے کس موقع پر کہی ہے

جگر چوں نافه ام خوں گشت وے بدزینم نمی باشد
میرا جگر نافہ کی طرح خون ہوگیا اور میرے لیے اس سے بہتر نہیں ہوسکتی
جزائے آنکه با زلفش سخن از چین خطا گفتیم
اس کی سزا کہ اس کی زلف کے سامنے ہم نے غلطی سے چین کی بات کہی

تو آتش گشتی اے حافظ ولے با یار در نگرفت
اے حافظ تو آگ بن گیا، لیکن یار پر اثر نہ ہوا
ز بدعهدی گل گوئی حکایت با صبا گفتیم
گویا کہ ہم نے پھول کی بد عہدی کی بات صبا سے کہی

صوفی بیا که خرقهٔ سالوس برکشیم
اے صوفی آ، کہ مکر کی گدڑی کو اتار دیں
وین دلق زرق را خط بطلاں بسر کشیم
اور اس مکر کی گدڑی پر، باطل ہونے کا نشان بنا دیں

نذر و فتوح صومعه در وجه مے نهیم
عبادتخانہ کے چڑھاووں اور نذرانوں کو شراب میں خرچ کردیں
دلق ریا بآب خرابات برکشیم
ریا کی گدڑی کو شرابخانہ کے پانی کے عوض اتار ڈالیں

سر قضا که در تتق غیب منزوی ست
قضا کا راز جو غیب کے پردے میں گوشہ نشین ہے
مستانه اش نقاب ز رخسار برکشیم
مستانہ وار اس کے رخسار سے، نقاب الٹ دیں

بیروں جهیم سرخوش واز بزم مدعی
مست ہوکر باہر نکلیں، اور رقیب کی مجلس سے
غارت کنیم باده و شاهد بر کشیم
شراب لوٹ لیں، اور معشوق کو بغل میں لے لیں

کام جهاں برآر که بخشد خدا گناه
دنیا کا مقصد پورا کرلے، اس لیے کہ خدا گناہ بخش دے گا
روزے که رخت جاں بجهان دگر کشیم
جس دن جان کا سامان ہم دوسری دنیا میں لیجائیں گے

کو عشوه ز ابروئے تو تا چو ماه نو
تیرے ابرو کی ادا کہاں ہے تاکہ ہلال کی طرح
گوئے سپهر در خم چوگان زر کشیم
آسمان کی گیند کو زریں بلے کے موڑ میں لے لیں

فردا اگر نه روضهٔ رضواں بما دهند
کل اگر رضوان کا باغ، ہمیں نہیں دیں گے
غلماں ز غرفه حور ز جنت بدر کشیم
غلمان کو کھڑکی سے، حور کو جنت سے ہم باہر کھینچ لیں گے

حافظ نه حد تست چنیں لاف ها زدن
اے حافظ اس طرح کی لاف زنی کرنا تیری حد میں نہیں ہے
پا از گلیم خویش چرا بیشتر کشیم
ہم اپنی چادر سے باہر پیر کیوں نکالیں؟

۱ تجھے یقین آئے یا نہ آئے ہم نے سچی بات تجھے بتادی ہے۔
۲ محبوب کی جانب سے آنیوالی ہر مصیبت کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔
۳ محبوب کے قد کو شمشاد درخت سے تشبیہ دینا محبوب کے قد کی توہین ہے۔
۴ میں نے غلطی سے زلف کی خوشبو کو تاتاری مشک کی خوشبو سے تشبیہ دیدی۔
۵ جس طرح سے گل کی شکایت صبا سے کرنے سے گل متاثر نہیں ہوتا ہے
۶ عبادتخانہ میں جو چڑھاوے آتے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان کو شراب نوشی میں صرف کردیا جائے
۷ ہمیں مست ہوکر نکلنا چاہیے اور رقیبوں سے شراب اور معشوق چھین لینا چاہیے۔
۸ دنیا کا عیش اٹھانا چاہیے آخرت میں خدا مددگار ہے۔
۹ اگر جنت میں جانیکا موقع نہ دیں گے تو ہم حور و غلمان کو باہر کھینچ لائیں گے۔
۱۰ پہلے شعر میں جو لاف زنی کی ہے وہ حافظ کے مرتبہ سے اونچی بات ہے ہر شخص کو چادر کے بقدر پیر پھیلانے چاہییں۔

عاشقِ روئے جوانے خوش نو خاستہ ام
میں ایک خوبصورت، نوخیز، جوان کے چہرے کا عاشق ہوں

وز خدا صحبت او را بدعا خواستہ ام
اور میں نے خدا سے دعا کر کے اس کی صحبت مانگی ہے

عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش
میں عاشق اور رند، اور نظر باز ہوں، اور کھلم کھلا کہتا ہوں

تا بدانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام
تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میں اتنے ہنروں سے آراستہ ہوں

شرمم از خرقۂ آلودۂ خود می آید
مجھے اپنی ناپاک گدڑی سے شرم آتی ہے

کہ بہ ہر پارہ دو صد شعبدہ پیراستہ ام
جس کے ہر ٹکڑے کو میں نے دو سو شعبدوں سے آراستہ کیا ہے

خوش بسوز از غمش اے شمع کہ امشب من نیز
اے شمع! اس کے غم میں اچھی طرح جل کیونکہ آج کی رات میں نے بھی

بہمیں کار کمر بستہ و برخاستہ ام
اسی کام پر کمر باندھی ہے، اور اٹھا ہوں

باچنیں حیرتم از دست بشد صرفۂ کار
کام کا فائدہ ایسی حیرت میں میرے ہاتھ سے چلا گیا ہے

در غم افزودہ ام آنچہ از دل و جاں کاستہ ام
جو کچھ میں نے دل اور جان سے گھٹایا ہے غم میں بڑھایا ہے

پاسبانِ حرمِ دل شدہ ام شب ہمہ شب
میں ساری ساری رات دل کے حرم کا چوکیدار بنا ہوں

بو کہ سیرے بکند آں مہِ ناکاستہ ام
ہو سکتا ہے کہ میرا پورا چاند سیر کرنے آ جائے

ہمچو حافظ بخرابات روم جامہ قبا
کپڑوں کو پھاڑ کر حافظ کی طرح میں شراب خانہ میں جاتا ہوں

بو کہ در بر کشد آں دلبرِ نو خاستہ ام
ہو سکتا ہے کہ وہ نوخیز دلبر مجھے بغل میں لے لے

عمریست تا من در طلب ہر روز گامے میزنم
ایک عمر گذر گئی ہے کہ میں ہر روز طلب کے راستے میں ایک قدم بڑھاتا ہوں

دستِ شفاعت ہر دمے در نیکنامے میزنم
ہر وقت سفارش کا ہاتھ کسی نیک نام تک پہنچاتا ہوں

بے ماہِ مہر افروزِ خود تا بگذرانم روزِ خود
اپنے سورج کو روشن کرنے والے چاند کے بدون کب تک اپنے دن گذاروں

دامے براہے می نہم مرغے بدامے میزنم
راستہ پر ایک جال بچھاتا ہوں، کسی پرندکو ایک جال میں پھنساتا ہوں

تا بو کہ یابم آگہی زاں سایۂ سروِ سہی
تاکہ ہو سکتا ہے کہ اس سرو سہی کے سایہ کا پتہ لگا لوں

گلبانگِ عشق از ہر طرف بر خوشخرامے میزنم
ہر جانب سے ہر خوشخرام کو عشق کی آواز دیتا ہوں

ہر چند آں آرامِ دل دانم نہ بخشد کامِ دل
ہر چند کہ یہ جانتا ہوں کہ وہ دل کا آرام دل کا مقصد پورا نہ کریگا

نقشِ خیالی میکشم فالِ دوامے میزنم
خیالی نقش بناتا ہوں اور ہمیشگی کی فال نکالتا ہوں

اورنگ کو گلچہر کو نقشِ وفا و مہر کو
اورنگ کہاں ہے گلچہر کہاں، وفا اور مہر کا نقش کہاں ہے؟

حالے من اندر عاشقی دادِ تمامے میزنم
اب تو میں عاشقی میں کمال کی داد دیتا ہوں

دانم سر آید قصہ ام چنداں نماند غصہ ام
میں جانتا ہوں، میرا قصہ ختم ہوگا میرا رنج زیادہ دن نہ رہیگا

زیں آہِ خوں افشاں کہ من ہر صبح و شامے میزنم
اس خون چھڑکنے والی آہ سے جو میں ہر صبح و شام کرتا ہوں

باآنکہ از خود غائبم وز مے چو حافظ تائبم
باوجودیکہ میں اپنے آپ سے غائب ہوں اور شراب سے حافظ کی طرح تائب ہوں

در مجلسِ روحانیاں گہ گاہ جامے میزنم
روحانی لوگوں کی مجلس میں کبھی کبھی ایک پیالہ پی لیتا ہوں

۱۔ یہ ہماری تمام ہنر مندیاں ہیں جس کا ہم اعلان کر رہے ہیں۔
۲۔ گدڑی کپڑوں کے ٹکڑے جوڑ کر بنائی جاتی ہے یعنی گدڑی کے ہر پیوند میں شعبدہ بازی ہے۔
۳۔ دل اور جان جتنی گھٹتی ہے اس کا اسی کے بقدر غم بڑھتا ہے۔
۴۔ قبا ڈھیلی ہوتی ہے جامہ کو قبا بنانا یعنی اس کو چاک کرنا۔
۵۔ محبوب کے وصل کیلئے ہر روز ہم ایک قدم بڑھاتے ہیں اور ہر نیک آدمی سے سفارش کراتے ہیں۔
۶۔ ہر حسین کو عشق کی صدا دیتا ہوں شاید ان میں کہیں میرا معشوق بھی ملجائے۔
۷۔ خیالِ وصل سے فال نکالتا ہوں کہ جب عالمِ خیال میں وصل ہو گیا ہے تو اب حقیقتاً بھی وصل ہو جائیگا۔
۸۔ اورنگ ایک مشہور عاشق اور گلچہر ایک مشہور معشوقہ گذری ہے یعنی اگر چہ اب ان کے قصے ختم ہو گئے ہیں لیکن ہم ان کے عشق و محبت کی تکمیل کر رہے ہیں۔

عشقبازی[1] و جوانی و شرابِ لعل فام
عشقبازی، اور جوانی، اور لعل جیسی شراب
مجلسِ انس و حریفِ ہمدم و شُربِ مدام
محبت کی مجلس اور ہمدم دوست، اور دائمی شراب نوشی

ساقیِ شکر دہان و مُطربِ شیریں سخن
شیریں دہن ساقی، اور شیریں کلام مطرب
ہمنشینِ نیک کردار و حریفِ نیکنام
نیک کردار ہمنشیں، اور نیکنام دوست

شاہدے[2] در لطف و پاکی رشکِ آبِ زندگی
ایسا معشوق، جو لطافت اور پاکی میں آبِ حیات کے لئے باعثِ رشک ہو
دلبرے در حسن و خوبی غیرتِ ماہِ تمام
ایسا دلبر جو حسن و خوبی میں چودھویں کے چاند کیلئے باعثِ غیرت ہو

بادۂ گلرنگ و تلخ و عذب و خوشخوار و سبک
پھول کے رنگ کی شراب جو کڑوی اور شیریں اور خوشگوار اور ہلکی ہو
نُقلے[3] از لعلِ نگار و نقلے از یاقوتِ جام
ایک نقل محبوب کے ہونٹ کا اور ایک نقل جام کے یاقوت کا

بزمگاہے دلنشیں چوں قصرِ فردوسِ بریں
فردوس بریں کے محل کی طرح دلنشین بزمگاہ
گلشنے پیرامنش چوں روضۂ دار السّلام
ایسا گلشن، جس کے چاروں طرف جنت جیسے باغیچے ہوں

صف نشیناں نیکخواہ و پیشکاراں باادب
نیک خواہ صف نشین ہوں، اور باادب خدمت گار ہوں
دوست داراں صاحب سر و حریفاں دوست[4] کام
راز دار دوست ہوں اور مقصد کو دوست رکھنے والے ساتھی ہوں

غمزۂ ساقی بیغمائے خرد آہختہ تیغ
ساقی کی ادا، عقل کی لوٹ مار پر تلوار سونتے ہوئے ہو
زلفِ دلبر از برائے صیدِ دل گسترده دام
دلبر کی زلف دل کو شکار کرنے کے لئے جال بچھائے ہو

ہر کہ[1] ایں صحبت بجوید خوشدلی بروے حلال
جو شخص ایسی صحبت چاہے، اس پر خوشدلی حلال ہے
وانکہ ایں عشرت نخواہد زندگی بروے حرام
جو اس قسم کا عیش نہ چاہے اس پر زندگی حرام ہے

نکتہ دانے بذلہ گو چوں حافظِ شیریں سخن
نکتہ داں، اور بذلہ گو شیریں سخن حافظ جیسا ہو
بخشش آموزِ جہاں افروز چوں حاجی[5] قوام
بخشش آموز اور جہاں کو روشن کرنے والا حاجی قوام جیسا ہو

عمریست تا براہِ غمت رُو نہادہ ایم
ایک عمر گزری ہے، جب ہم نے تیرے غم کے راستے کا رخ کیا ہے
روی و ریائے خلق بیکسو نہادہ ایم
اور ہم نے مخلوق کے دکھاوے اور ریا کو ایک طرف دھر دیا ہے

ہم[6] جاں بداں دو نرگسِ جادو سپردہ ایم
ہم نے جان کو بھی جادو بھری ان دو آنکھوں کے سپرد کر دیا ہے
ہم دل براں دو سنبلِ ہندو نہادہ ایم
ہم نے دل کو بھی اُن دو کالی زلفوں پر رکھ دیا ہے

ما ملکِ[7] عافیت نہ بلشکر گرفتہ ایم
ہم نے عافیت کے ملک پر لشکر سے قبضہ نہیں کیا ہے
ما تختِ سلطنت نہ بیازو نہادہ ایم
ہم نے سلطنت کا تخت قوتِ بازو سے نہیں بچھایا ہے

در گوشۂ اُمید چو نظارگانِ ماہ
امید کے گوشہ میں، چاند دیکھنے والوں کی طرح
چشمِ طلب برآں خمِ ابرو نہادہ ایم
ہم نے طلب کی آنکھ کو اس ابرو کے خم پر لگا دیا ہے

بے بوئے زلفِ تو سرِ سودائی از ملال
تیری زلف کی خوشبو کے بدون، رنج کی وجہ سے دیوانے سر کو
ہمچوں[8] بنفشہ بر سرِ زانو نہادہ ایم
بنفشہ کی طرح، ہم نے گھٹنے پر رکھ دیا ہے

نہادہ ایم بارِ جہاں بر دلِ ضعیف
دنیا کا بار ہم نے کمزور دل پر نہیں رکھا ہے
وایں[9] کار و بار بستہ بیکسو نہادہ ایم
اور اس کاروبار کو باندھ کر ہم نے ایک طرف دھر دیا ہے

[1] یہ پوری غزل قطع بند ہے اور مضمون مسلسل ہے یعنی ان خوبیوں کی مجلس کا جو شخص خواہشمند نہ ہو اس پر خوشدلی حرام ہے۔
[2] آبِ زندگی، آبِ حیات ماہِ تمام، چودھویں کا چاند۔
[3] نُقل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو شراب کے کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔
[4] اس شعر پر اگر غزل کا مضمون مکمل ہوا ہے۔
[5] حاجی قوام، ابو اسحاق بادشاہ کا وزیر تھا اس نے خواجہ صاحب کیلئے ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا جس میں خواجہ صاحب فقہ اور تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔
[6] جان آنکھوں کو دیدی ہے دل زلفوں کو، ہندو کمعنی سیاہ مستعمل ہوتا ہے۔
[7] عافیت کا ملک اور اس کی سلطنت کا تخت لشکر اور قوتِ بازو سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔
[8] بنفشہ کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ رنج میں سر نیچے کو ڈالے ہوئے ہے۔
[9] دنیا کے غموں سے ہم فارغ البال ہیں۔

تا سحرِ چشمِ یار چہ بازی کند کہ باز
دیکھئے یار کی آنکھ کا جادو کیا کھیل دکھاتا ہے اس لئے کہ پھر

بنیاد بر کرشمۂ جادو نہادہ ایم
ہم نے جادو کے کرشمہ پر بنیاد رکھی ہے

طاق و رواقِ مدرسہ و قیل و قالِ فضل[1]
مدرسہ کا طاق، اور چھت، اور بزرگی کی قیل و قال

زینہا بخاکِ کوئے تو ما رو نہادہ ایم
ان کو چھوڑ کر ہم نے تیرے کوچہ کی خاک کا رخ کیا ہے

عمرے گذشت و ما با امیدِ اشارتے
ایک عمر گذر گئی ہے اور ہم نے ایک اشارے کی امید پر

چشمے براں دو نرگسِ جادو نہادہ ایم
جادو بھری ان دو آنکھوں پر آنکھ رکھی ہے

ناموسِ چند سالۂ اجدادِ نیکنام[2]
نیکنام باوا، دادا کی سالہا سال کی آبرو کو

در راہِ جام و ساقیِ مہرو نہادہ ایم
ہم نے جام اور چاند جیسے چہرے والے ساقی کے راستے میں رکھ دیا ہے

ہشیار و عاقلیم کہ بر دست و پائے دل
ہم ہوشیار اور عقلمند ہیں کہ دل کے ہاتھ، اور پاؤں پر

زنجیر و بند زاں خمِ گیسو نہادہ ایم
اس زلف کے خم کی زنجیر، اور بیڑی ڈال دی ہے

اے دل بعیش کوش کہ ما نقدِ عقل و ہوش
اے دل عیش کی کوشش کر اسلئے کہ ہم نے عقل اور ہوش کے نقد کو

در راہِ یار سلسلہ گیسو نہادہ ایم
دراز گیسو والے یار کی راہ میں ڈال دیا ہے

فرما اشارتے کہ دو چشمِ امیدوار
کوئی اشارہ کر، اس لیے کہ ہم نے دو امیدوار آنکھوں کو بھی

پیوستہ بر دو گوشۂ ابرو نہادہ ایم
ابرو کے دونوں گوشوں پر، لگا رکھا ہے

گفتی کہ حافظا دلِ سرگشتہ ات کجاست[3]
تو نے کہا کہ اے حافظ تیرا دیوانہ دل کہاں ہے؟

در حلقہ ہائے آں خمِ گیسو نہادہ ایم
ہم نے اس خم گیسو کے حلقوں میں رکھا ہے

غمِ زمانہ کہ ہیچش کراں نمی بینم[4]
زمانہ کا غم، جس کا میں کوئی کنارہ نہیں دیکھتا ہوں

دواش جز مے چوں ارغواں نمی بینم
میں اسکی دوا، ارغوانی شراب کے سوا نہیں دیکھتا ہوں

نشانِ مردِ خدا عاشقی ست با خود آئی[5]
مرد خدا کی پہچان، عاشقی ہے، ہوش میں آ

کہ در مشائخِ شہر ایں نشاں نمی بینم
اس لیے کہ شہر کے بزرگوں میں میں، یہ علامت نہیں دیکھتا ہوں

دریں خمار کسم جرعۂ نمی بخشد
اس خمار میں کوئی مجھے ایک گھونٹ نہیں بخشتا ہے

ببیں کہ اہلِ دلے در جہاں نمی بینم
دیکھ، میں دنیا میں کوئی صاحب دل نہیں دیکھتا ہوں

ز آفتابِ قدح ارتفاعِ عیش بگیر
پیالہ کے آفتاب سے، عیش کی بلندی حاصل کر

چرا کہ طالعِ وقت آنچناں نمی بینم
اس لیے کہ وقت کا ستارہ میں ایسا نہیں دیکھتا ہوں

نشانِ موئے میانش کہ دل درو بستم[6]
اس کی کمر کے بال کا پتہ، جس میں میں نے دل باندھا ہے

ز من مپرس کہ خود در میاں نمی بینم
مجھ سے نہ پوچھ اس لیے کہ میں خود اس کو نہیں دیکھتا ہوں

بریں دو دیدۂ حیرانِ من ہزار افسوس[7]
میری ان دو حیران آنکھوں پر، ہزاروں افسوس ہیں

کہ با دو آئینہ رویش عیاں نمی بینم
کہ دو آئینوں کے ہوتے ہوئے اسکے چہرہ کو صاف نہیں دیکھتا ہوں

قدِ تو تا بشد از جوئبارِ دیدۂ من
میری آنکھ کی نہر سے جب سے تیرا قد غائب ہوا ہے

بجائے سرو جز آبِ رواں نمی بینم
سرو کی جگہ، سوائے جاری پانی کے میں نہیں دیکھتا ہوں

---

[1] ظاہری قیل و قال کو ترک کرکے اب ہم کوئے یار کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔

[2] ہم نے اپنی نسلی عزت کو جو سالہا سال میں حاصل ہوئی تھی جام و ساقی پر قربان کر دیا ہے

[3] پہلے مصرعہ میں سوال ہے دوسرے مصرع میں اسکا جواب۔

[4] بھلا تھا غم کا علاج سرخ شراب ہی ہے۔

[5] جس میں عشق نہیں وہ مرد خدا نہیں ہے، اور اس چیز سے تمام مشائخ وقت خالی ہیں۔

[6] محبوب کی کمر کو معدوم فرض کیا جاتا ہے۔

[7] آنکھ کے دو آئینے موجود ہیں لیکن ہم محبوب کے چہرے کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکتے۔

بترکِ صحبتِ پیرِ مغاں نخواہم گفت
پیرِ مغاں کی صحبت کے ترک کو میں نہ کہوں گا
چراکہ مصلحت خود در آں نمی بینم
اس لیے کہ اپنی مصلحت میں اس میں نہیں دیکھتا ہوں

من[1] و سفینۂ حافظ کہ جز دریں دریا
میں ہوں اور حافظ کا دیوان، اس لیے کہ اس دریا کے سوا
بضاعتِ سخنِ دُر فشاں نمی بینم
موتی برسانے والے کلام کا سرمایہ میں نہیں دیکھتا ہوں

فاش میگویم واز گفتۂ خود دلشادم
کھلم کھلا کہتا ہوں، اور اپنے کہے سے خوش ہوں
بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم
میں عشق کا بندہ ہوں، اور دونوں جہان سے آزاد ہوں

طائرِ گلشنِ قدسم چہ دہم شرحِ فراق
میں پاک باغ کا پرندہ ہوں، فراق کی تشریح کیا کروں؟
کہ دریں دامگہِ حادثہ چوں افتادم[2]
کہ اس حادثہ کے جال کی جگہ میں کس طرح پھنس گیا ہوں

من ملک بودم و فردوسِ بریں جایم بود
میں فرشتہ تھا، اور فردوس بریں میرا مقام تھا
آدم[3] آورد دریں دیرِ خراب آبادم
اس خراب آباد، مندر میں مجھے آدم لے آئے

سایۂ طوبیٰ و دلجوئیِ حور و لبِ حوض
طوبیٰ کا سایہ، اور حور کی دل جوئی، اور حوض کا کنارہ
بہوائے سرِ کوئے تو برفت از یادم
تیرے کوچہ کی محبت میں میری یاد سے نکل گئے

نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ یار[4]
میرے دل کی تختی پر یار کے قد کے الف کے سوا کچھ نہیں
چہ کنم حرفِ دگر یاد نداد استادم
کیا کروں استاد نے مجھے دوسرا حرف یاد نہیں کرایا

کوکبِ بختِ مرا ہیچ منجم نشناخت
میرے نصیبہ کے ستارے کو کوئی نجومی نہ پہچانا
یارب از مادرِ گیتی بچہ طالع زادم
اے خدا میں دنیا کی ماں سے کس ستارے کے ساتھ پیدا ہوا ہوں؟

تا شدم[5] حلقہ بگوشِ درِ میخانۂ عشق
جب سے میں عشق کے میخانہ کا حلقہ بگوش بنا ہوں
ہر دم آید غمے از تو بمبارک بادم
ہر وقت تیرا ایک غم مجھے مبارکباد دینے آتا ہے

گر خورد خونِ دلم مردمکِ دیدہ رواست
اگر آنکھ کی پتلی میرے دل کا خون پئے تو مناسب ہے
کہ چرا دل بجگر گوشۂ مردم دادم
کہ میں نے کیوں انسان کے جگر گوشہ کو دل دیا ہے؟

پاک کن چہرۂ حافظ بسرِ زلف زاشک[6]
زلف سے حافظ کے چہرے کو آنسوؤں سے صاف کرے
ورنہ ایں سیلِ دمادم بکند بنیادم
ورنہ یہ مسلسل بہاؤ، میری بنیاد اکھاڑ دے گا

فتوئ[7] پیرِ مغاں دارم و عہدیست قدیم
میرے پاس پیر مغاں کا فتویٰ ہے اور قدیم دستور ہے
کہ حرام ست مے آنرا کہ نہ یارست و ندیم
کہ شراب اس کے لیے حرام ہے جس کا نہ کوئی یار ہو نہ ساتھی

چاک خواہم زدن ایں دلقِ ریائی چہ کنم
ریاکی اس گدڑی کو پھاڑنا چاہتا ہوں کیا کروں؟
روح را صحبتِ ناجنس[8] عذابیست الیم
ناجنس کی صحبت روح کے لئے دردناک عذاب ہے

تا مگر[9] جرعہ فشاند لبِ جاناں بر من
تاکہ شاید معشوق کا ہونٹ مجھ پر ایک گھونٹ چھڑک دے
سالہا زاں شدہ ام بر درِ میخانہ مقیم
اسی وجہ سے میں سالوں سے میخانہ کے در پر مقیم ہوں

---

۱ حافظ کے دیوان کے علاوہ کوئی دیوان معانی سے پُر نہیں ہے۔
۲ ہمارا تعلق عالمِ قدس سے تھا ہم اس دنیا میں کیسے پھنسے یہ بتانا مشکل ہے
۳ حضرتِ آدم کی لغزش ہمارے دنیا میں پھنسنے کا سبب بنی ورنہ جنت میں مقیم رہتے۔
۴ محبوب کے قد کو الف سے تشبیہ دیجاتی ہے عشق کے استاد نے ہمیں حرف الف تک ہی سبق دیا ہے
۵ عشق کا غلام بننے سے ہمیں مصیبتوں نے گھیر لیا ہے۔
۶ اگر حافظ کے آنسو زلف کے ذریعہ تو نہ پوچھے گا وہ روتے روتے اپنے آپ کو تباہ کریگا۔
۷ دوست اور شریکِ مجلس بدون شراب پینا ناجائز ہے۔
۸ ناجنس سے ریا کی گدڑی مراد ہے۔
۹ عرصہ دراز سے ہم شراب خانہ کے دروازے پر اس اُمید سے مقیم ہیں کہ شاید وہ اپنے لب کا ایک گھونٹ ہمیں پلادے۔

مگرش صحبتِ دیرینِ من ازیاد برفت[1]
شاید، میری پرانی دوستی وہ بھول گیا ہے

اے نسیمِ سحری یاد دہش عہدِ قدیم
اے صبح کی نسیم! اس کو پرانا زمانہ یاد دلا دے

بعدِ صد سال اگر بر سرِ خاکم گذری
سو سال بعد بھی اگر تو میری خاک پر سے گذرے گا

سر بر آرد ز گِلم رقص کناں عظمِ رمیم
تو پرانی ہڈی ناچتی ہوئی میری مٹی سے سر نکالے گی

فکرِ بہبودِ خود اے دل زدرِ دیگر کن[2]
اے دل اپنی بھلائی کی فکر دوسرے دروازہ سے کر

دردِ عاشق نشود بہ ز مداوائے حکیم
عاشق کا درد حکیم کی دوا سے اچھا نہیں ہوتا ہے

گوہرِ معرفت[3] اندوز کہ با خود بری
معرفت کے موتی جمع کرتا کہ اپنے ساتھ لیجائے

کہ نصیبِ دگر انست نصابِ زر و سیم
کیونکہ چاندی اور سونے کی مقدار دوسروں کا حصہ ہے

دام سخت است مگر یار شود لطفِ خدا
جال سخت ہے، شاید خدا کی مہربانی یاری کرے

ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطانِ رجیم
ورنہ انسان، مردود شیطان سے بازی نہیں جیت سکتا

غنچہ گو تنگدل از کارِ فروبستہ مباش
غنچہ سے کہدو، بند کام سے تنگدل نہ ہو

کز دمِ صبح مدد یابی و انفاسِ نسیم
اس لیئے کہ صبح کے وقت اور نسیم کے جھونکوں سے تو مدد پائیگا

دلبر از ما بصد امید گرفت اوّل دل
معشوق نے پہلے تو امیدیں دلا کر ہم سے دل لے لیا

ظاہراً عہد فرامُش نکند خُلقِ کریم
بظاہر اس کا اچھا اخلاق، عہد کو فراموش نہ کرے گا

حافظ ار سیم و زرت نیست برو شاکر باش
اے حافظ! اگر تیرے پاس سونا چاندی نہیں ہے، جا شکر کر

چہ بہ از دولتِ لطفِ سخن و طبعِ سلیم
کلام کی پاکیزگی، اور طبع سلیم کی دولت سے بڑھ کر کیا ہوگا

کو فرصتے کہ خدمتِ پیرِ مُغاں کنم
موقع کہاں ہے کہ میں پیرِ مُغاں کی خدمت کروں؛

و ز پندِ پیر دولتِ خود را جواں کنم
اور بوڑھے کی نصیحت سے اپنے نصیب کو جوان کروں

من[6] سالہا مجاورِ میخانہ بودہ ام
میں سالوں سے، میخانہ کا مجاور رہا ہوں

باقیش ہم بخدمتِ آں آستاں کنم
باقی عمر بھی، اس چوکھٹ کی خدمت کروں گا

دی شیشہ دید با من و بشکست مُحتسب
کل محتسب نے میرے پاس بوتل دیکھ لی اور توڑ دی

امروز زیرِ دلقِ ملمّع نہاں کنم
آج ملمّع کی گدڑی کے نیچے، چھپالوں گا

مُنکر رسید تا شکند شیشہء شراب
منکر پہونچ گیا تاکہ شراب کی بوتل کو توڑ دے

تدبیرِ امن از و تو کن من[7] چناں کنم
تو اس سے بچاؤ کی تدبیر کر، میں ویسا ہی کروں گا

شیخم[8] بگوش گفت حرام است مے مخور
شیخ نے میرے کان میں کہا، شراب نہ پی، حرام ہے

گفتم بچشم ہر چہ تو گوئی ہماں کنم
میں نے کہدیا، بسر و چشم، جو تو کہے گا میں وہی کروں گا

حافظ مکن فرار ز جورِ رقیبِ سگ
اے حافظ! رقیب کتے، کے ظلم سے نہ بھاگ

کاندر پناہِ یار ترا در اماں کنم
اس لیے کہ میں یار کی پناہ میں تجھے امن دے دوں گا

---

[1] قدیم دوستی کا خیال کر اور ہمیں ہجر میں مبتلا نہ کر۔

[2] شعر [3] شعر

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب
دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست
[illegible]

[4] معرفت خداوندی ساتھ جائیگی چاندی سونا دنیا میں پڑا رہجائیگا۔

[5] عاشق کو اپنی ناکامیوں، دل گرفتہ نہ ہونا چاہیے انجام کار وصل حاصل ہوجائے گا۔

[6] سالوں سے شرابخانہ کا مجاور ہوں بقیہ زندگی بھی اسی حالت میں کاٹوں گا۔

[7] جیسا کہ پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں کہا ہے یعنی گدڑی کے نیچے بوتل چھپالوں گا۔

[8] یعنی جھگڑا ختم کرنیکے لیے میں نے کہدیا کہ آپکے فرمان کی تعمیل کروں گا۔

گرازیں منزلِ غربت بسوئے خانہ روم
اگر اس سفر کی منزل سے، گھر کی طرف جاؤں گا

نذر کردم کہ ہم از راہ بمیخانہ روم
تو میں نے منت مانی، کہ راستہ میں سے شرابخانہ جاؤں گا

زیں سفر گر بسلامت بوطن باز رسم
اگر میں اس سفر سے خیریت سے گھر واپس پہونچ جاؤں گا

دگر آنجا کہ روم عاقل و فرزانہ روم
پھر جہاں بھی جاؤں گا، عقلمند اور دانا بن کر جاؤں گا

تابگویم کہ چہ کشفم شد ازیں سیرِ سلوک
تاکہ بتاؤں کہ اس سلوک کی سیر میں مجھ پر کیا کشف ہوا

بردرِ میکدہ بابربط و پیمانہ روم
شراب خانہ کے در پر سارنگی اور پیمانہ لیکر جاؤں گا

آشنایانِ رہِ عشق گرم خوں بخورند
عشق کے راستہ کے دوست اگر میرا خون بھی پییں

کافرم گر بشکایت برِ بیگانہ روم
میں کافر ہوں، اگر غیر کے پاس شکایت لیکر جاؤں

بعد ازیں دستِ من و زلفِ چو زنجیرِ نگار
اس کے بعد میرا ہاتھ ہوگا، اور محبوب کی زنجیر جیسی زلف

تا بکے از پئے کامِ دلِ دیوانہ روم
دیوانے دل کے مقصد کے پیچھے، کب تک دوڑوں

گر ببینم خمِ ابروئے چو محرابش باز
اس کے محراب جیسے ابرو کے خم کو اگر میں پھر دیکھوں

سجدۂ شکر کنم در پئے شکرانہ روم
شکر کا سجدہ کروں گا، اور شکرانہ ادا کرنے جاؤں گا

خرم آں دم کہ چو حافظ بتولائے وزیر
وہ وقت مبارک ہوگا، کہ وزیر کی دوستی کے بدولت حافظ کی طرح

سرخوش از میکدہ بادوست بکاشانہ روم
میکدہ سے مست ہوکر دوست کے ساتھ گھر جاؤں گا

گرچہ از آتشِ دل چوں خمِ مے در جوشم
اگرچہ دل کی آگ سے میں شراب کے مٹکے کی طرح جوش میں ہوں

مُہر برلب زدہ خوں میخورم و خاموشم
ہونٹ پر مہر لگائے ہوں، خون پی رہا ہوں اور خاموش ہوں

قصدِ جان ست طمع در لبِ جاناں کردن
معشوق کے ہونٹ کی تمنا کرنا، جان کو ہلاک کرنا ہے

تو مرا بیں کہ دریں کار بجاں میکوشم
تو مجھے دیکھ کہ اس کام میں جان سے کوشاں ہوں

من کے آزاد شوم از غمِ دل چوں ہر دم
میں دل کے غم سے کب آزاد ہو سکتا ہوں جبکہ ہر دم؟

ہندوِ زلفِ بتے حلقہ کند در گوشم
کسی معشوق کی کالی زلف، مجھے حلقہ بگوش بناتی ہے

حاش للہ کہ نیم معتقدِ طاعتِ خویش
حاشاللہ، میں اپنی اطاعت کا معتقد نہیں ہوں

ایں قدر ہست کہ گہ گہ قدحے می نوشم
اتنا تو ہے، کہ کبھی کبھی کوئی پیالہ پی لیتا ہوں

ہست امیدم کہ علی الرغمِ عدو روزِ جزا
مجھے امید ہے کہ دشمن کے علی الرغم، قیامت کے دن

فیضِ عفوش ننہد بارِ گنہ بر دوشم
اسکے عفو کا فیض، گناہ کا بوجھ میرے کندھے پر نہ دھرے گا

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
میرے باپ نے بہشت، دو گیہوں میں بیچ ڈالی

ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم
میں ناخلف ہوں گا، اگر ایک جَو میں نہ بیچوں گا

خرقہ پوشیِ من از غایتِ دینداری نیست
میری خرقہ پوشی انتہائی دینداری کی وجہ سے نہیں ہے

پردۂ بر سرِ صد عیبِ نہاں میپوشم
سو چھپے عیبوں پر، ایک پردہ ڈالتا ہوں

من نخواہم کہ ننوشم بجز از راوقِ خم
میں نہیں چاہتا کہ مٹکے کی بغیر صاف کی ہوئی شراب پیوں

چہ کنم گر سخن پیرِ مغاں ننیوشم
کیا کروں، پیرِ مغاں کے کہنے سے پیتا ہوں؟

۱ راستہ میں شراب نوشی کرکے گھر پہونچوں گا۔
۲ جب سارنگی اور پیمانہ ہوگا تب وہ مکاشفات بیان کیئے جائیں گے۔
۳ ہم ابرو کی محراب میں سجدۂ شکر ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔
۴ دل میں اگرچہ جوش ہے لیکن ہم بالکل خاموش ہیں۔
۵ محبوب کے لب کی تمنا کرنا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔
۶ صرف یہی معمولی سی اطاعت ہے کہ کبھی کبھی قدح نوشی کرلیتا ہوں۔
۷ حضرت آدم گیہوں کی بدولت جنت سے نکلے تو گویا جنت کو گیہوں کے بدلے فروخت کردیا۔
۸ ہم تو صاف چھنی ہوئی شراب پینا چاہتے ہیں لیکن پیرمغاں کے حکم سے تلچھٹ پیتے ہیں۔

گرازیں دست زند مطرب مجلس رہِ عشق
اگر مجلس کا مطرب اسی طریقہ پر نغمۂ عشق گائے گا

شعرِ حافظ بر د وقتِ سماع ازہوشم
حافظ کے شعر، سماع کے وقت مجھے بیہوش کردیں گے

گرچہ[1] افتاد ز زلفش گرہے در کارم
اگرچہ میرے کام میں اس کی زلف کیوجہ سے گرہ پڑگئی ہے

ہمچناں چشمِ اُمید از کرمش میدارم
میں اسی طرح سے اس کے کرم کا امید وار ہوں

بطرب[2] حمل مکن سرخیِ رُویم کہ چو جام
میرے چہرے کی سرخی کو خوشی پر محمول نہ کر اس لئے کہ جام کیطرح

خونِ دل عکس بروں میدہد از رخسارم
میرے رخساروں سے دل کا خون جھلک رہا ہے

پردۂ مطربم از دست بروں خواہد برد
مطرب کا پردہ، مجھے بے قابو کردے گا

آہ اگر زآنکہ درآں پردہ نباشد بارم
افسوس ہوگا، اگر اُس پردے میں مجھے باریابی نہ ہوئی

منم[3] آں شاعرِ ساحر کہ ز افسونِ سخن
میں وہ جادو نگار شاعر ہوں کہ کلام کے جادو کیوجہ سے

از نے کلک ہمہ شہد و شکر میبارم
قلم کی نے سے، تمام تر شہد و شکر برساتا ہوں

بصد امید نہادیم دریں بادیہ پائے
سو امیدوں کے ساتھ، ہم نے اس جنگل میں پیر رکھا ہے

اے دلیلِ دلِ گم گشتہ فرو مگذارم
اے گم شدہ دل کے رہبر مجھے چھوڑ نہ دینا

چوں[4] منش در گذرِ باد نمی یارم دید
جب میں اس کو ہوا کی گذرگاہ میں بھی نہیں دیکھ پاتا ہوں

باکہ گویم کہ بگوید سخنے با یارم
تو کس سے کہوں کہ میرے دوست سے کوئی بات کہدے

دیدۂ[5] بخت بافسانۂ او شد در خواب
اُس کے افسانے سے نصیبہ کی آنکھ سو گئی

کو نسیمے ز عنایت کہ کند بیدارم
مہربانی کی نسیم کہاں ہے جو مجھے جگادے

اعلم[6] اللہ کہ خیالے ز تنم بیش نماند
خدا جانتا ہے میرا بدن ایک خیال سے زیادہ نہیں رہا ہے

بلکہ آں نیز خیالست کہ می پندارم
بلکہ جو کچھ میں سمجھ رہا ہوں، یہ بھی ایک خیال ہے

پاسبانِ حرمِ دل شدہ ام شب ہمہ شب
میں تمام رات دل کے حرم کا چوکیدار بنا رہا ہوں

تا دریں پردہ جز اندیشۂ او نگذارم
تاکہ اس پردے میں اس کے خیال کے سوا کسی کو آنے دوں

دوش میگفت کہ حافظ ہمہ رویست و ریا
کل وہ کہتا تھا کہ حافظ بالکل ڈھونگ دکھاوا ہے

بجز از خاکِ درت باکہ بگو رُو آرم
تو بتا کہ تیرے در کی خاک کے سوا، اور میں کس طرف رُخ کروں

گرچہ ما بندگانِ پادشہیم
اگرچہ ہم بادشاہ کے غلام ہیں

پادشاہانِ مُلکِ صبحگہیم
صبح کے وقت کے مُلک کے بادشاہ ہیں

گنج در آستین و کیسہ تہی
خزانہ آستین میں ہے، اور تھیلی خالی ہے

جامِ گیتی نما و خاکِ رہیم
ہم جامِ جہاں نما ہیں، اور راہ کی خاک ہیں

ہوشیارِ حضور و مستِ غرور
ہم حضور کے ہوشیار ہیں اور غرور کے مست ہیں

بحرِ توحید و غرقۂ گنہیم
توحید کے سمندر ہیں، اور گناہ میں غرق ہیں

[1] اگرچہ زلف کی بدولت ہمارے تمام کاموں میں گرہیں لگ گئی ہیں لیکن پھر بھی ہم کرم کے امیدوار ہیں۔
[2] چہرے کی سرخی کو میری مستی کیوجہ سے نہ سمجھو بلکہ دل کا خون ہے جو رخساروں میں جھلک رہا ہے۔
[3] میں جادو بیان شاعر ہوں میرے کلام سے شہد و شکر ٹپکتا ہے۔
[4] جب اس کو سرِ راہ بھی نہیں دیکھ سکتے تو اس تک اپنا پیغام کیسے پہونچائیں۔
[5] اس کا افسانہ سنتے سنتے میرا نصیبہ سو گیا اب اس کی عنایت کی نسیم ہی اس کو بیدار کرسکے گی۔
[6] اتنا لاغر ہوگیا ہوں کہ میرا جسم محض خیالی ہے اور یہ بھی میرا خیال ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ بالکل معدوم ہوگیا ہو۔
[7] صبح کے وقت ہمیں روحانی بادشاہی حاصل ہوتی ہے۔
[8] چونکہ ہمیں شہود اور حضور حاصل ہے اس لئے ہم بحرِ توحید ہیں اور چونکہ ہم دنیا میں بھی مست ہیں اس لئے گنہگار ہیں۔

شاہدِ بخت چوں کرشمہ کند
نصیبہ کا معشوق، جب ادا دکھائے
ماش آئینہ رخِ چو مہیم
ہم اس کے چاند جیسے چہرے کا آئینہ ہیں

شاہِ بیدار بخت[1] را ہر شب
بیدار بخت، بادشاہ کے لئے ہر شب
ما نگہبانِ افسر و کلہیم
ہم تاج، اور کلاہ کے نگہبان ہیں

گو غنیمت شمار صحبتِ ما
کہدو، ہماری صحبت کو غنیمت سمجھے
کہ تو در خواب و ما بدید ہیم
کہ تو سویا ہے، اور ہم پہرہ داری کی جگہ میں ہیں

شاہِ[2] منصور واقف ست کہ ما
شاہ منصور، واقف ہے کہ ہم
روئے ہمت بہر کجا کہ نہیم
ق جس طرف بھی باطنی توجہ کرتے ہیں

دشمناں را زخوں کفن سازیم
دشمنوں کا خون سے، کفن تیار کردیتے ہیں
دوستاں را قبائے فتح دہیم
دوستوں کو فتح کی قبا دیدیتے ہیں

رنگِ[3] تزویر پیشِ ما نبود
دھوکے کا رنگ، ہمارے پیشِ نظر نہیں ہوتا
شیرِ سرخیم و افعیِ سیہیم
ہم سرخ شیر، اور سیاہ سانپ ہیں

وامِ[4] حافظ بگو کہ باز دہند
کہو کہ حافظ کا قرض ادا کردیں
کردہ اعتراف و ما گوہیم
تو نے اقرار کیا ہے، اور ہم گواہ ہیں

گر دست دہد خاکِ کفِ پائے نگارم
اگر معشوق کے پیر کی خاک، میرے ہاتھ لگ جائے
بر لوحِ بصر خطِّ غباری[5] بنگارم
بینائی کی تختی پر، غباری خط لکھوں

پروانۂ او گر برسد در طلبِ جاں
اگر جان کی طلبی کے لئے، اس کا پروانہ آجائے
چوں شمع ہماندم بدمے جاں بسپارم
شمع کی طرح، اسی وقت ایک دم میں جان دیدوں

گر قلبِ[6] دلم را ننہد دوست عیاری
اگر معشوق، میرے دل کے کھوٹے سکہ کو قیمتی نہ سمجھے
من نقدِ رواں در دمش از دیدہ ببارم
فوراً اس کے سامنے چالو سکہ، آنکھوں سے برسادوں

دامن مفشاں بر منِ خاکی کہ پس از مرگ
مجھ خاکی سے منہ نہ پھیر، اس لیے کہ مرنےکے بعد بھی
زیں در نتواند کہ برد باد غبارم
اس در سے ہوا میرے غبار کو نہ لیجا سکے گی

از بوئے کنارِ تو شدم غرقہ امید
تیرے پہلو کی تمنا میں، میں امید میں ڈوب گیا ہوں
از موجِ سرشکم کہ رساند بکنارم
میرے آنسوؤں کی موج سے، مجھے کنارے پر کون لگائے گا؟

زلفینِ[7] سیاہِ تو بدلداریِ عشّاق
تیری دو کالی زلفوں نے، عشّاق کی دلداری
دادند قرارے و بربردند قرارم
کا اقرار کیا، اور میرے قرار کو لے گئیں

امروز مکش سر ز وفائے من و اندیش
آج میری وفا سے، سرکشی نہ کر، اور اندیشہ کر
زاں[8] شب کہ من از غم بدعا دست برآرم
اس رات سے کہ میں غم کیوجہ سے دعا کیلئے ہاتھ اٹھاؤں

اے ساقی ازاں بادہ یکے جرعہ بیاور
اے ساقی! اس شراب کا ایک گھونٹ لادے
کاں بوئے شفا میدہد از رنجِ خمارم
جو خمار کے رنج سے، مجھکو شفا کی امید دلادے

۱۔ شاید بیدار بخت سے مراد شاہ منصور ہے جو کہ شاہ یحییٰ کو شکست دیکر شیراز کا بادشاہ بنا تھا اس بادشاہ کا کئی غزلوں میں خواجہ صاحب نے ذکر کیا ہے۔
۲۔ یہ شعر قطعہ بند ہے اگلے شعر سے ملکر اس کا مضمون مکمل ہوتا ہے۔
۳۔ ہم شاہ منصور کے مخلص ہیں ہم دوغلے نہیں ہیں۔
۴۔ صلہ کا لطیف تقاضا ہے یعنی شاہ خود ہمارے قرض کا اقراری ہے۔
۵۔ خطِ غبار ایک قسم کی تحریر کا نام ہے جسمیں دوہری لائنوں سے حروف بنائے جاتے ہیں اور ان میں باریک باریک نقطے یا کوئی باریک تحریر بھر دی جاتی ہے۔
۶۔ اگر ہمارا کھوٹا دل محبوب کو پسند نہیں ہے تو ہم آنسوؤں کا خالص سکہ اس کو دینگے
۷۔ تیری زلفوں نے عاشقوں کی دلداری کا وعدہ کیا لیکن میرے دل سے رقابت برتی اور اسکو بیقرار کر دیا۔
۸۔ مظلوم کی دعا اثر کرتی ہے۔ شعر ہے
مترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن ؛ اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

حافظ لبِ لعلش چو مرا جان عزیزست
اے حافظ! اس کا لعل جیسا ہونٹ جب مجھے جان کی طرح پیارا ہے

عمرے بود آں لحظہ کہ جاں را بلب آرم
وہ تھوڑا سا وقت ایک عمر ہوگا کہ جان کو ہونٹوں پر لاؤں گا

گر دست رسد در خمِ زلفینِ تو بازم
اگر تیری دو زلفوں کے خم میں میرا ہاتھ پھر پہونچ جائے

چوں گوئے چہ سرہا کہ بچوگانِ تو بازم
بہت سے سر ہوں گے جن سے گیند کی طرح تیرے بلّے سے کھیلوں گا

زلفِ[1] تو مرا عمرِ عزیزست ولے نیست
تیری زلف، میری عمرِ عزیز ہے، لیکن نہیں ہے

در دست سرِ موئے از آں زلفِ درازم
میرے ہاتھ میں اس دراز زلف کا ایک بال

پروانۂ راحت بدہ اے شمع کہ امشب
اے شمع! راحت کا پروانہ دیدے اس لیے کہ آج کی رات

از آتشِ دل پیشِ تو چوں شمع گدازم
دل کی گرمی سے میں تیرے سامنے شمع کی طرح پگھل رہا ہوں

چوں[2] نیست نمازِ منِ آلودہ نمازے
چونکہ مجھ گنہگار کی نماز، کوئی نماز نہیں ہے

در میکدہ زاں کم نشود سوز و گدازم
اس کی وجہ سے میکدہ میں میرا سوز و گداز کم نہیں ہوتا ہے

در مسجد و میخانہ خیالت اگر آید
مسجد، اور میخانہ، میں اگر تیرا خیال آئے

محرابِ، و کمانچہ زدو ابروئے تو سازم
تو تیرے دو ابرو کو کمانچہ اور محراب بناؤں

گر خلوتِ[3] ما را شبے از رخ بفروزی
اگر کسی رات تو، ہماری خلوت کو رخ سے روشن کردے

چوں صبح در آفاقِ جہاں سر بفرازم
میں صبح کی طرح دنیا کے اطراف میں سربلند ہو جاؤں

آندم[4] کہ بیک خندہ دہم جاں چو صراحی
جب صراحی کی طرح میں ایک قہقہہ میں جان دیدوں تو

مستانِ تو خواہم کہ گزارند نمازم
میں چاہتا ہوں کہ تیرے مست میری نماز پڑھیں

محمود[5] بود عاقبتِ کار دریں راہ
اس راہ میں انجام کار، قابلِ تعریف ہوگا

ور سر برود در سرِ سودائے ایازم
خواہ ایاز کے عشق میں، میرا سر چلا جائے

حافظ غمِ دل باکہ بگویم کہ دریں دور
اے حافظ! دل کا غم کس سے کہوں اس لیے کہ اس زمانہ میں

جز جام نشاید کہ بود محرمِ رازم
جام کے سوا، کوئی اس کے لائق نہیں ہے کہ میرا محرم راز بنے

گر من[6] از سرزنشِ مدعیاں اندیشم
اگر رقیبوں کی جھڑکی سے، میں ڈروں

شیوۂ مستی و رندی نرود از پیشم
مجھ سے مستی، اور رندی کا شیوہ پورا نہو گا

زہدِ[7] رندانِ نو آموختہ راہے بدہ است
نوآموز رندوں کا زہد، گاؤں تک پہونچانیوالا راستہ ہے

منکہ بدنامِ جہانم چہ صلاح اندیشم
میں جو کہ دنیا میں بدنام ہوں، نیکی کی کیا سوچوں؟

شاہِ شوریدہ سراں خواں منِ بے ساماں را
مجھ بے ساماں کو، دیوانوں کا سردار کہہ

زانکہ در کم خردی از ہمہ عالم بیشم
اس لیے کہ کم عقلی میں تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہوں

بر جبیں[8] نقش کن از خونِ دلِ من خالے
پیشانی پر میرے خون دل کا قشقہ کھینچ

تا بدانند کہ قربانِ تو کافر کیشم
تاکہ لوگ جان جائیں میں تجھ کافر پر قربان ہوں

[1] تیری زلف میری زندگی ہے لیکن اس کا ایک بال بھی میرے ہاتھ میں نہ آیا۔
[2] چونکہ ہماری نماز صحیح نماز نہیں ہے اسلئے میکدہ میں وہی سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔
[3] اگر کسی شب تو ہمیں دیدار کرادیگا تو ہم صبح کی طرح سربلند ہوجائیں گے۔
[4] صراحی سے جو قُلقُل کی آواز ہوتی ہے وہ اس کا قہقہہ ہے اور اس قہقہہ سے ہی اس کی جان نکلتی ہے یعنی شراب باہر آتی ہے
[5] محمود اور ایاز عشق میں مشہور ہیں لہذا دونوں میں لفظی تجنیس ہے۔
[6] جو رقیبوں کا خوف کرے گا مستی اور رندی میں ناقص رہیگا
[7] نوآموز رندوں کے لیے زہد کا رستہ بھی منزلِ مقصود تک پہونچا دینے والا ہے۔
[8] شعر

عشق بنمود گرمت مراز روے جبیں
صندل قشقہ شدم زخون ناز شدم

اعتمادے بنما و بگذر بہرِ خدا
بھروسہ ظاہر کر، اور خدا کے لیے درگذر کر
تا بدانی کہ دریں خرقہ چہ نادرویشم
تاکہ تجھے یہ معلوم ہوجائے کہ میں اس گدڑی میں کیسا نادرویش ہوں

شعرِ[۱] خونبارِ من اے دوست برِ یار بخواں
اے دوست! میرے خون برسانے والے اشعار اس دوست کے پاس پڑھ
کہ ز مژگانِ سیہ بر رگِ جاں زد نیشم
کیونکہ کالی پلکوں سے اس نے میری شہ رگ پر ڈنک مارا ہے

دامن از رشحۂ خونِ دلِ ما در ہم چیں
ہمارے دل کے خون کے چھینٹوں سے دامن سمیٹ لے
کہ اثر در تو کند گر بخراشی ریشم
اس لیے کہ تجھ پر بھی اثر کرے گا اگر تو ہمارے زخم کو چھیلے گا

من اگر رندم و گر شیخ چہ کارم باکس
میں خواہ رند ہوں خواہ شیخ، مجھے کسی سے کیا واسطہ؟
حافظِ[۲] رازِ خود و عارفِ وقتِ خویشم
میں اپنے راز کا نگہبان اور زمانہ کا عارف ہوں

ما بر آریم شبے دست و دعائے بکنیم
ہم کسی رات کو ہاتھ اٹھائیں، اور دعا کریں
غمِ ہجرانِ ترا چارہ ز جائے بکنیم
کسی جگہ سے، تیرے ہجر کے غم کا علاج کریں

دلِ بیمار شد از دست رفیقاں مددے
اے دوستو! مدد کرو، بیمار دل ہاتھ سے نکل گیا
تا طبیبش بسر آریم و دوائے بکنیم
تاکہ طبیب کو اس کے پاس لائیں، اور کوئی دوا کریں

خشک[۳] شد بیخِ طرب راہِ خرابات کجاست
خوشی کی جڑ خشک ہوگئی، خرابات کا راستہ کدھر ہے؟
تا دراں آب و ہوا نشو و نمائے بکنیم
تاکہ اس آب و ہوا میں، اس کی نشو و نما کریں

آنکہ بے جرم[۴] برنجید و بہ تیغم زد و رفت
جو بدوں خطا کے رنجیدہ ہوا اور مجھے تلوار سے مارا اور چلا گیا
باز ش آرید خدارا کہ صفائے بکنیم
خدا کیلئے اسے دوبارہ لاؤ تاکہ ہم صلح صفائی کرلیں

در رہِ نفس[۵] کزو سینۂ ما بتکدہ شد
اس نفس کے معاملہ میں جس سے ہمارا سینہ بتخانہ بن گیا ہے
تیرِ آہے بکشائیم و غزائے بکنیم
ہم ایک آہ کا تیر چلائیں، اور جہاد کریں

مدد از خاطرِ رنداں طلب اے دل ورنہ
اے دل! رندوں کے دل سے مدد حاصل کر ورنہ
کارِ صعب ست مبادا کہ خطائے بکنیم
کام سخت ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی غلطی ہوجائے

سایۂ[۶] طائرِ کم حوصلہ کارے نکند
کم حوصلہ پرند کا سایہ، کوئی مدد نہیں کرتا ہے
طلبِ سایۂ میمونِ ہمائے بکنیم
کسی ہما کے بابرکت سائے کی، ہم طلب کریں

دلم[۷] از پردہ بشد حافظِ خوش لہجہ کجاست
ہمارا دل پردے سے باہر آگیا خوش لہجہ حافظ کہاں ہے؟
تا بقول و غزلش ساز و نوائے بکنیم
تاکہ اس کے قول اور غزل سے ساز و نوا کا بندوبست کریں

ما سرِ خوشانِ مست دل از دست دادہ ایم
ہم مست سرخوشوں نے، ہاتھ سے دل دیدیا ہے
ہمرازِ عشق و ہمنفسِ جامِ بادہ ایم
ہم عشق کے ہم راز، اور شراب کے جام کے ساتھی ہیں

بر[۸] ما بسے کمانِ ملامت کشیدہ اند
ہم پر بہت لوگوں نے ملامت کی کمان کھینچی ہے
تا کارِ خود ز ابروئے جاناں کشادہ ایم
جب کہ ہم نے اپنے کام میں معشوق کے ابرو سے کشادگی پیدا کی ہے

---

۱ چونکہ اس کی پلکوں نے شہ رگ پر نیش زنی کی ہے لہٰذا میرے خوں بار اشعار اس کو سناؤ تاکہ اس کو احساس ہو۔

۲ میں اپنے راز کا نگہبان ہوں اور اپنے وقت کو پہچانتا ہوں۔ مجھے کسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۳ خوشی کی جڑ خشک ہوگئی ہے شرابخانہ کی آب و ہوا میں اس کی نشو و نما کرنی چاہیے۔

۴ جو معشوق بلا خطا ہمیں قتل کر کے چلا گیا اس کو واپس لے آؤ ہم اس سے صفائی کرلیں گے۔

۵ نفس کی خواہشات کی وجہ سے ہمارا سینہ بتکدہ بنا ہوا ہے ہمیں آہ کے تیر سے اس نفس سے جہاد کرنا چاہیے۔

۶ کم حوصلہ پرندے سے مقصد پورا نہ ہوگا ہما کی طلب کرنی چاہیے۔

۷ ہمارا دل بے چین ہے حافظ کی غزلوں سے اسے سکون حاصل ہوگا۔

۸ ہمیں جب سے معشوق سے تعلق ہوا ہے ہم پر لوگ ملامت کے تیر چلا رہے ہیں۔

اے گُل تو دوش جامِ صبوحی کشیدۂ
اے پھول تو نے کل صبح کی شراب کا جام پیا ہے
ما آں شقائقیم کہ با داغ زادہ ایم
ہم ایسے گلِ لالہ ہیں جو داغ کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں

پیرِ مُغاں ز توبۂ ما گر ملول شد[1]
پیرِ مغاں اگر ہماری توبہ سے رنجیدہ ہوا ہے
گو بادہ صاف کن کہ بعذر ایستادہ ایم
کہدو شراب کو چھانے ہم عذر خواہی کے لیے کھڑے ہیں

کار از تو میرود مددے اے دلیلِ راہ
اے راستہ کے رہبر مدد کر، کام تیرے قابو سے نکلا جا رہا ہے
انصاف میدہیم کہ از رہ فتادہ ایم
ہم انصاف سے کہتے ہیں کہ ہم راستہ سے بھٹک گئے ہیں

چوں[2] لالہ مے مبین و قدح در میانِ کار
ہمارے معاملہ میں لالہ جیسی شراب اور پیالے کو نہ دیکھ
ایں داغ بیں کہ بر دلِ خونیں نہادہ ایم
اس داغ کو دیکھ، جو ہم نے خونی دل پر لگایا ہے

گفتی کہ حافظ اینہمہ رنگ و خیال چیست
تو نے کہا اے حافظ! یہ سب رنگ اور خیال کیا ہے
نقشِ غلط مخواں کہ ہماں لوحِ سادہ ایم
غلط نقش نہ پڑھ، ہم اسی طرح سے سادہ تختی ہیں

ما وِردِ[3] سحر بر درِ میخانہ نہادیم
ہم نے صبح کے ورد کو میخانہ کے دروازے پر رکھدیا ہے
اوقاتِ دعا در رہِ جانانہ نہادیم
دعا کے اوقات کو معشوق کے راستہ میں رکھدیا ہے

سُلطانِ ازل گنجِ غمِ عشق بما داد
ازل کے بادشاہ نے عشق کے غم کا خزانہ ہمیں دیا ہے
تا رُوی دریں منزلِ ویرانہ نہادیم
جبکہ ہم نے اس ویران منزل کی طرف رخ کیا ہے

در[4] خرمنِ صد عاقل و زاہد زند آتش
سو عقلمندوں اور زاہدوں کے خرمن میں آگ لگا دیگا
ایں داغ کہ ما بر دلِ دیوانہ نہادیم
یہ داغ، جو ہم نے دیوانے دل پر لگایا ہے

در[5] دل ندہم رہ پس ازیں مہرِ بتاں را
اس کے بعد بتوں کی محبت کو دل میں راستہ نہ دوں گا
مُہرِ لبِ او بر درِ ایں خانہ نہادیم
ہم نے اس گھر کے دروازے پر اس کے ہونٹ کی مہر لگادی ہے

آں بوسہ[6] کہ زاہد ز پئش داد بما دست
زاہد نے، جس بوسہ کے لئے ہمیں ہاتھ دیا
از روئے صفا بر لبِ جانانہ نہادیم
صفائی کی وجہ سے ہم نے معشوق کے منہ کو دیا

چوں میرود[7] ایں کشتیِ سرگشتہ کہ آخر
چونکہ یہ کشتی ڈگمگاتی چلتی ہے تو آخرکار
جاں در سرِ ایں گوہرِ یکدانہ نہادیم
ہم نے اس دُرِ یکتا کے خیال میں جان لگادی

اَلمنّۃُ لِلّٰہ کہ چو ما بیدل و دیں بود
خدا کا احسان ہے کہ ہماری طرح بے دل اور بے دین تھا
آنرا کہ خرد پرور و فرزانہ نہادیم[8]
جس کو ہم نے عقل پرور اور دانا سمجھا

در[9] خرقہ ازیں بیش منافق نتواں بود
گدڑی میں اس سے زیادہ منافق نہیں ہوا جا سکتا ہے
بنیادش ازیں شیوۂ رندانہ نہادیم
ہم نے اس کی بنیاد اس رندانہ طریقہ سے رکھی ہے

قانع بخیالے ز تو بودیم چو حافظ
ہم، حافظ کی طرح تیرے ایک خیال پر قانع تھے
یارب چہ گدا ہمّت و شاہانہ نہادیم
اے خدا ہم کیسے گدا ہمت اور شاہانہ طبیعت والے ہیں

---

[1] اگر ہماری توبہ سے پیرِ مُغاں ملول ہے تو ہم توبہ سے معذرت کے لئے حاضر ہیں۔
[2] لالہ کو قدح پرست مانا گیا ہے یعنی ہماری ظاہری شراب نوشی پر نہ جاؤ ہمارے دل کو دیکھو
[3] صبح کے ورد اور دعا کے اوقات کو معشوق پر قربان کر دیا ہے۔
[4] ہمارے دل کا داغ سو عقلمندوں کی گدڑی جلا دیگا۔
[5] اب ہمارے دل میں دوسروں کے عشق کی گنجائش نہیں ہے اس کی محبت کی مہر لگ چکی ہے۔
[6] زاہد نے چونکہ صفائی قلب سے ہمیں بوسہ کیلئے ہاتھ دیا ہم نے وہ بوسہ محبوب کے منہ کو دیدیا۔
[7] یعنی عمر کی کشتی ڈگمگا رہی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ جان جائے تو دُرِ یکتا کے پیچھے جان جائے۔
[8] جو اپنے آپ کو عقلمند اور دانا کہتے ہیں وہ بھی ہماری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہیں۔
[9] ہم نے رندی اسی لیے اختیار کی ہے کہ گدڑی پہنکر منافقت برتنا اچھی بات نہیں ہے۔

ما دریں در نہ پئے حشمت و جاہ آمدہ ایم
ہم اس دروازے پر دولت اور مرتبہ کیلئے نہیں آئے ہیں
از بدِ حادثہ اینجا بہ پناہ آمدہ ایم
حادثہ کے ہاتھ سے ہم اس جگہ پناہ لینے آئے ہیں

رہروِ منزلِ عشقیم و ز سرحدِ عدم
ہم منزلِ عشق کے مسافر ہیں اور عدم کی سرحد سے
تا باقلیمِ وجود ایں ہمہ راہ آمدہ ایم
وجود کے ملک تک یہ سب راستہ طے کرکے آئے ہیں

سبزۂ خطِ تو دیدیم و ز بستانِ بہشت
ہم نے تیرے رخسار کا سبزہ دیکھا اور بہشت کے باغ سے
بطلبگاریِ ایں مہر گیاہ آمدہ ایم
ہم اس مہر گیاہ کی طلب میں، ہم آئے ہیں

باچنیں گنج کہ شد خازنِ او روحِ امیں
ایسے خزانے کے ہوتے ہوئے کہ جس کے خزانچی جبرئیل ہیں
بگدائی بدرِ خانۂ شاہ آمدہ ایم
ہم بھیک مانگنے بادشاہ کے گھر کے دروازے پر آئے ہیں

لنگرِ حلمِ تو اے کشتیِ توفیق کجاست
اے توفیق کی کشتی، تیری بردباری کا لنگر کہاں ہے؟
کہ دریں بحرِ کرم غرقِ گناہ آمدہ ایم
کہ ہم کرم کے اس سمندر میں گناہ میں ڈوبے ہوئے آئے ہیں

آبرو میرود اے ابرِ خطاپوش ببار
اے خطا کو چھپانے والے بادل! آبرو جا رہی ہے برس پڑ
کہ بدیوانِ عمل نامہ سیاہ آمدہ ایم
اس لیے کہ ہم عمل کے دفتر میں سیاہ نامۂ اعمال لیکر آئے ہیں

حافظ ایں خرقۂ پشمینہ بیند از کہ ما
اے حافظ! اس اونی گدڑی کو پھینک دے، اس لئے کہ ہم
از پئے قافلہ با آتش و آہ آمدہ ایم
قافلے کے پیچھے پیچھے آگ، اور آہ لیکر آئے ہیں

ما ز یاراں چشمِ یاری داشتیم
ہم نے دوستوں سے، دوستی کی امید کی
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم
وہ خود ہی غلط تھا، جو ہم نے سمجھا

تا درختِ دوستی کے بر دہد
دیکھو! دوستی کا درخت کب پھل دے؟
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم
فی الحال ہم آگئے ہیں، اور بیج بو آئے ہیں

گفتگو آئینِ درویشی نبود
باتیں کرنا، درویشی کا طریقہ نہ تھا
ورنہ با تو ماجراہا داشتیم
ورنہ، تجھ سے ہمیں بہت سی باتیں کرنی تھیں

شیوۂ چشمت فریبِ جنگ داشت
تیری آنکھوں کا شیوہ، لڑائی کا دھوکا رکھتا تھا
ما غلط کردیم و صلح انگاشتیم
ہم نے غلطی کی، اور صلح سمجھ لی

نکتہ ہا رفت و شکایت کس ندید
نکتہ بازی ہوئی، اور کوئی شکایت نہ سمجھا
جانبِ حرمت فرونگذاشتیم
ہم نے، احترام کے پہلو کو نہ چھوڑا

گلبنِ حسنت نہ خود شد دلفریب
تیرے حسن کی شاخ خود بخود دلفریب نہیں بن گئی ہے
ما دمِ ہمت برو بگماشتیم
بلکہ ہم نے اس پر، باطنی توجہ کی طاقت لگادی

چوں نہادی دل بمہرِ دیگراں
جب تو نے دوسروں کی محبت میں دل لگا دیا
ما امید از وصلِ تو برداشتیم
ہم نے تجھ سے، وصل کی امید اٹھالی

گفتی خود دادی بما دل حافظا
اس نے کہا اے حافظ! تو نے ہمیں خود دل دیا
ما محصّل بر کسے نگماشتیم
ہم نے کسی پر محصّل مقرر نہیں کیا

۱۔ ہم دولت اور مرتبہ کے خواہشمند بنکر نہیں آئے ہیں، حوادث سے پناہ لینے کے لئے آئے ہیں۔
۲۔ مہر گیاہ ایک گھاس ہے جس کی جڑ انسانی شکل کی ہوتی ہے مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص اس گھاس کو اپنے پاس رکھے تو تمام لوگ اس پر مہربان ہوجاتے ہیں معشوق کے سبزۂ خط کو مہر گیاہ قرار دیا ہے۔
۳۔ جبکہ عشق کی آگ اور آہ ہو، اس کے ساتھ اونی گدڑی مناسب نہیں ہے۔
۴۔ دوستوں سے دوستی کی امید رکھنا خود ہماری غلطی تھی۔
۵۔ شکایتیں کرنا عشق کے شیوہ کے خلاف تھا ورنہ ہمیں بہت شکایتیں ہیں۔
۶۔ آنکھوں سے دوستی کا اظہار محض ایک جنگی فریب تھا۔
۷۔ میں نے محبوب کے احترام کو ملحوظ رکھا اور اشاروں میں شکایتیں کیں تاکہ کوئی اور نہ سمجھ سکے
۸۔ تونے خود دل دیا ہے ہم نے اپنا کوئی محصّل تیرے پاس نہیں بھیجا تھا۔

مانگوئیم بد و میل بناحق نکنیم
ہر کسی کو برا نہیں کہتے ہیں اور ناحق کی طرف میلان نہیں کرتے ہیں

جامۂ کس سیہ و دلقِ خود ازرق نکنیم
کسی کے جامہ کو سیاہ اور اپنی گدڑی کو نیلا نہیں بناتے ہیں

رقمِ مغلطہ بر دفترِ دانش نہ کشیم
ہم عقلمندی کی کتاب پر غلطی کا نشان نہیں بناتے ہیں

سرِ حق با ورقِ شعبدہ ملحق نہ کنیم
حق کے راز کو، شعبدہ بازی کے ورق سے نہیں جوڑتے ہیں

عیبِ درویش و توانگر بہ کم و بیش بد است
فقیر اور مالدار کو عیب لگانا تھوڑے اور بہت کی وجہ سے بری بات ہے

کارِ بد مصلحت آنست کہ مطلق نہ کنیم
مناسب تو یہی ہے، کہ ہم برائی کا کام بالکل نہ کریں

خوش برانیم جہاں در نظرِ راہرواں
رہرووں کی نگاہ میں دنیا کو ہم اچھی طرح چلاتے ہیں

فکرِ اسپِ سیہ و زینِ مغرق نہ کنیم
ہم کالے گھوڑے، اور جڑاؤ زین کی فکر نہیں کرتے ہیں

آسماں کشتیِ اربابِ ہنر می شکند
آسمان، ہنرمندوں کی کشتی توڑ دیتا ہے

تکیہ آں بہ کہ بریں بحرِ معلق نہ کنیم
یہی بہتر ہے کہ ہم، اس معلق سمندر پر بھروسہ نہ کریں

شاہ اگر جرعۂ رنداں نہ بحرمت نوشد
شاہ اگر رندوں کے گھونٹ کو عزت سے نہ پئے

التفاتے بمئے صاف و مروق نہ کنیم
ہم صاف اور چھنی ہوئی شراب کی طرف توجہ نہ دیں

گر بدے گفت حسودے و رفیقے رنجید
اگر کسی حاسد نے کچھ برا کہا، اور کوئی دوست رنجیدہ ہو گیا

گو تو خوش باش کہ ما گوش باحمق نہ کنیم
تو کہہ دو کہ تو خوش رہ ہم احمق کیطرف کان نہیں لگاتے ہیں

حافظ ار خصم خطا گفت نگیریم برو
اے حافظ! اگر دشمن نے غلط کہا تو ہم اس کی گرفت نہیں کرتے ہیں

ور بحق گفت جدل با سخنِ حق نہ کنیم
اور اگر اس نے صحیح کہا ہے تو ہم صحیح بات پر جھگڑا نہیں کرتے ہیں

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم
میرا معشوق سے وعدہ ہے کہ جب تک بدن میں جان رکھتا ہوں

ہواداریِ کویش را چو جانِ خویشتن دارم
اس کے کوچہ کی محبت کو اپنی جان کی طرح رکھوں گا

صفائے خلوتِ خاطر ازاں شمعِ چگل جویم
دل کی خلوت کی صفائی اس چگل کی شمع سے ڈھونڈتا ہوں

فروغِ چشم و نورِ دل ازاں ماہِ ختن دارم
آنکھ کی روشنی، اور دل کا نور اس ختن کے چاند سے رکھتا ہوں

بکام و آرزوئے دل چو دارم خلوتے حاصل
جب مجھے دل کے مقصد اور آرزو کے مطابق ایک خلوت حاصل ہے

چہ فکر از خبثِ بدگویاں میانِ انجمن دارم
تو انجمن میں برائی کرنیوالوں کی خباثت کی کیا فکر کروں؟

شرابِ خوشگوارم ہست و یارِ مہرباں ساقی
مجھے خوشگوار شراب حاصل ہے، اور مہربان دوست ساقی ہے

ندارد ہیچکس یارے چنیں یارے کہ من دارم
ایسا دوست کسی کا نہیں ہے، جیسا دوست میں رکھتا ہوں

مرا در خانہ سروے ہست کاندر سایۂ قدش
میرے گھر میں ایسا سرو ہے جس کے قد کے سایہ میں

فراغ از سروِ بستانی و شمشادِ چمن دارم
مجھے باغ کے سرو، اور چمن کے شمشاد سے بے نیازی ہے

سزد کز خاتمِ لعلش زنم لافِ سلیمانی
اس کے لعل جیسے ہونٹوں کی انگوٹھی کی وجہ سے اگر میں سلیمان ہونے کی ڈینگیں ماروں تو زیبا ہے

چو اسمِ اعظم باشد چہ باک از اہرمن دارم
جب مجھے اسمِ اعظم حاصل ہو تو مجھے شیطان کا کیا ڈر ہے

خدارا اے رقیب امشب زمانے دیدہ برہم نہ
اے رقیب! خدا کے لیے آج کی رات تھوڑی دیر کے لئے سو جا

کہ من با لعلِ خاموشش نہانی صد سخن دارم
اس لیے کہ مجھے اس کے خاموش ہونٹ سے سینکڑوں باتیں چھپ کر کرنی ہیں

ا۔ حق و باطل کو خلط ملط کر کے اپنی عقلمندی پر ہم دھبہ نہیں لگاتے ہیں۔
۲۔ خواہ کوئی مالدار ہے یا فقیر، کسی پر بھی عیب لگانا درست نہیں ہے
۳۔ آسمان کو بحرِ معلق قرار دیا ہے اس لیے کہ آسمان بھی سمندر کی طرح نیلگوں ہے۔
۴۔ اگر شاہ شراب کی عزت نہ کریگا تو ہم بھی اس سے بے نیازی برتیں گے۔
۵۔ دشمن اگر غلط بات کہتا ہے تو وہ خود غلط ہے ہمیں لڑائی کی ضرورت نہیں ہے اور اگر صحیح بات کہتا ہے تو صحیح بات پر جھگڑا مناسب نہیں ہے
۶۔ چگل، ترکستان کا ایک مشہور حسن خیز شہر ہے ختن، چین کا وہ علاقہ ہے جہاں کے ہرنوں میں نافہ پیدا ہوتا ہے۔
۷۔ خلوت میں جبکہ دل کا مقصد پورا ہو رہا ہے اگر انجمن میں بدگو برائی کرے تو ہمیں کیا پرواہ ہے
۸۔ جب سے محبوب کے قد کے سایہ میں آیا ہوں چمن کے سرو اور شمشاد کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے
۹۔ حضرت سلیمان کی انگشتری پر اسمِ اعظم کندہ ہوا تھا اسی وجہ سے وہ انسانوں کے علاوہ

[illegible]

گرم صد لشکر از خوباں بقصد دل کمیں سازند
حسینوں کے سو لشکر اگر میرے دل کو لوٹنے کی گھات لگائیں

بحمد اللہ والمنۃ بتے لشکر شکن دارم
خدا کا احسان اور شکر ہے، میں ایک لشکر شکن معشوق رکھتا ہوں

الا اے پیر فرزانہ مکن عیبم ز میخانہ
اے عقلمند پیر! میخانہ کی وجہ سے مجھ پر عیب نہ لگا

کہ من در ترک پیمانہ دل پیماں شکن دارم
اس لیے کہ پیمانہ چھوڑنے کے بارے میں عہد شکن دل رکھتا ہوں

چو در گلزار اقبالش خرامانم بحمد اللہ
چونکہ میں اُسکے اقبال کے چمن میں ٹہلتا ہوں خدا کا شکر ہے

نہ میل لالہ و نسریں نہ برگ یاسمن دارم
مجھے لالہ اور نسرین، اور یاسمن کے پھول کی خواہش نہیں ہے

بہ رندی شہرہ شد حافظ پس از چندیں ورع اما
اس قدر پرہیزگاری کے بعد، حافظ رندی میں مشہور ہو گیا لیکن

چہ غم دارم چو در عالم امین الدین حسن دارم
مجھے کیا غم ہے، جب مجھے دنیا میں امین الدین حسن حاصل ہے

مرحبا طائر فرخ رخ و فرخندہ پیام
اے مبارک رو، مبارک پیام پرندے خوش آمدید

خیر مقدم چہ خبر یار کجا راہ کدام
تیرا آنا مبارک ہو، کیا خبر ہے، یار کہاں ہے، راستہ کونسا ہے

یارب ایں قافلہ را لطف ازل بدرقہ باد
اے خدا! اس قافلہ کی، ازلی مہربانی، نگہبان ہو

کہ از و خصم بدام آید و معشوق بکام
کہ جس سے دشمن جال میں پھنسے اور دوست مقصد کے مطابق حاصل ہو جائے

ماجرائے من و معشوق مرا پایاں نیست
میرے اور میرے معشوق کے قصہ کی انتہا نہیں ہے

ہر چہ آغاز ندارد نہ پذیرد انجام
جس چیز کی ابتدا نہیں ہے، اس کی انتہا نہیں ہوتی ہے

چشم خونبار مرا خواب نہ در خور باشد
میری خون برسانے والی آنکھ کے لئے نیند مناسب نہیں ہے

مَن لَہُ القتلُ دواءٌ عجباً کیف ینام
قتل ہو جانا جس کی دوا ہو، تعجب ہے وہ کیسے سوئے

تو ترحم نکنی بر من بیدل دانم
مجھے معلوم ہے، تو مجھ بے دل پر رحم نہ کرے گا

ذاک دعوای وہا انت و تلک الایام
یہ میرا دعوی ہے، اور تو ہے، اور یہ زمانہ ہے

گل ز حد برد تنعم ز کرم رخ بنمائے
پھول نے حد سے زیادہ مزے اڑائے، کرم کرکے چہرہ دکھا

سرو می نازد و خوش نیست خدا را بخرام
سرو ناز کرتا ہے، اور اچھی بات نہیں ہے خدا کیلئے ٹہل

مرغ روحم کہ ہمیں زد ز سر سدرہ صفیر
میری روح کا پرندہ جو سدرہ پر سے چہچہاتا تھا

عاقبت دانۂ خال تو فگندش در دام
انجام کار، تیرے تل کے دانہ نے اس کو جال میں پھنسا دیا

زلف دلدار چو زنار ہمی فرماید
محبوب کی زلف، جب زنار کا حکم دیتی ہے

برو اے شیخ کہ شد بر تنم ایں خرقہ حرام
تو اے شیخ! چلا جا، اس لیے کہ میرے اوپر یہ گدڑی حرام ہو گئی ہے

حافظ ار میل بابروئے تو دارد شاید
حافظ اگر تیری ابرو کی خواہش کرتا ہے، تو مناسب ہے

جائے در گوشۂ محراب کنند اہل کلام
اہل علم، محراب کے گوشہ میں جگہ بنا لیتے ہیں

مرو کہ در غم ہجر تو از جہاں برویم
تو نہ جا، اس لیے کہ تیرے ہجر کے غم میں دنیا سے چل بسیں گے

بیا کہ پیش تو از خویش ہر زماں برویم
تو آ جا، تاکہ تیرے سامنے ہر وقت ہم بیخود رہیں

۱؎ میں ایسے محبوب پر فریفتہ ہوا ہوں کہ اب حسینوں کا لشکر میرے دل پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا ہے۔

۲؎ امین الدین حسن، شاہ ابو اسحاق کے دور کے ایک بزرگ ہیں جنکو خواجہ صاحب نے اس دور کی پانچ مشہور شخصیتوں میں گنایا ہے خواجہ صاحب ان کے معتقد تھے۔

۳؎ شعر: ۴؎ جس شخص کی بیماری کا علاج ہی قتل ہو اسکو سونا مناسب نہیں ہے

۵؎ میرا دعوی ہے کہ تو کبھی رحم نہ کرے گا تو بھی زندہ ہے اور زمانہ بھی موجود ہے میرا دعوی خود ثابت ہو جائے گا۔

۶؎ پھول اور سرو محبوب کے رخ اور قد کے رونما ہو جانے سے ہی شرمائیں گے۔

۷؎ حافظ چونکہ اہل علم میں سے ہے اور وہ گوشۂ محراب اختیار کرلیتے ہیں اس لیے حافظ نے محبوب کے ابرو کی محراب اختیار کرلی ہے۔

۸؎ محبوب کی جدائی موت کا سبب، اور موجودگی بیخودی کا سبب ہے۔

سخن بگوئی کہ پیشِ لبِ تو جاں بدہیم | رہا مکن کہ دریں حسرت از جہاں برویم
بات کرتا کہ تیرے ہونٹوں کے سامنے ہم جان دیدیں | آزاد نہ کر، کہ اسی حسرت میں ہم دنیا سے چل بسیں

روا مدار کہ جاں برلب ست و ما زجہاں | ندیدہ کامِ دل ازآں لب و دہاں برویم
اس کو مناسب نہ سمجھ، کہ جان ہونٹوں پر ہے اور ہم دنیا سے | ان ہونٹوں اور منہ سے دل کا مقصد پورا کئے بدون چلے جائیں

خوش آں زماں کہ ببینیم بر دہاں لبِ تو | تو خود بگوئی کہ ما از برت چساں برویم
وہ وقت کیا خوب ہوگا، کہ ہم منہ پر تیرے ہونٹ دیکھیں | تو خود بتادے، ہم تیرے پاس سے کس طرح چلے جائیں

گدائے کوئے شمائیم و حاجتے داریم | روا مدار کہ محروم از آستاں برویم
ہم تیرے کوچہ کے فقیر ہیں، اور ہم ضرورتمند ہیں | اس کو جائز نہ سمجھ کہ ہم چوکھٹ سے محروم چلے جائیں

نشانِ وصل بمادہ بہر طریق کہ ہست | کہ بارے ازپئے وصلِ تو بر نشاں برویم
ہمیں وصل کی نشان دہی کر، جس راستہ سے بھی ہو | تاکہ اب تیرے وصل کے لئے ہم نشانات پہ چلے جائیں

مگو کہ حافظ ازیں در برو برائے خدا
خدا کے لئے یہ نہ کہہ، کہ حافظ اس دروازے سے چلاجا
کہ ہرچہ رائے تو باشد جز ایں بر آں برویم
اس لئے کہ اس کے علاوہ جو کچھ تیری رائے ہو ہم اس پر چلیں گے

مزن بر دل زنوکِ غمزہ تیرم | کہ پیشِ چشمِ بیمارت بمیرم
ادا کی نوک سے، میرے دل پر تیر نہ مار | کیونکہ میں تیری بیمار آنکھ کے سامنے مرجاؤں گا

نصابِ حسن در حدِ کمال ست | زکاتم دہ کہ مسکین و فقیرم
حسن کا نصاب، مکمل ہے | مجھے زکوٰۃ دیدے، اس لیے کہ میں مسکین اور فقیر ہوں

قدح پُر کن کہ من از دولتِ عشق | جواں بختِ جہانم گرچہ پیرم
پیالہ بھردے، اس لیے کہ میں عشق کی دولت کی وجہ سے | دنیا کا جواں بخت ہوں، اگرچہ بوڑھا ہوں

چناں پُر شد فضائے سینہ از دوست | کہ فکرِ خویش گم شد از ضمیرم
دوست سے، سینے کی فضا اس قدر پُر ہوگئی ہے | کہ میرے دل سے اپنی فکر گم ہوگئی ہے

مبادا جز حسابِ مطرب و مے | اگر حرفے کشد کلکِ دبیرم
خدا کرے مطرب اور شراب کے حساب کے سوا کچھ نہ ہو | اگر میرے منشی کا قلم، کوئی حرف لکھے

دراں غوغا کہ کس کس را نپرسد | من از پیرِ مغاں منت پذیرم
اس شور و غل میں کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا | میں اپنے پیرِ مغاں کا شکر گزار ہوں گا

چو طفلاں زاہدا تا کے فریبی | بسیبِ بوستان و شہد و شیرم
اے زاہد! بچوں کی طرح کب تک مجھے پھسلائے گا | باغ کے سیب، اور شہد، اور دودھ سے

من آں مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ | ز بامِ عرش می آید صفیرم
میں وہ پرندہ ہوں، کہ ہر شام اور صبح کو | عرش کے بالا خانہ سے میری آواز آتی ہے

قرارے کردہ ام با مے فروشاں | کہ روزِ غم بجز ساغر نگیرم
میں نے شراب فروشوں سے عہد کیا ہے | کہ غم کے دن، ساغر کے سوا کچھ نہ تھاموں گا

۱ ہم جاں بلب ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حسرت دل ہی میں لیجائیں۔
۲ ضرورتمند فقیر کو محروم کرنا مناسب نہیں ہوتا ہے۔
۳ دروازے سے چلے جانیکا حکم تو ہمارے لیے ناممکن العمل ہے اس کے علاوہ جو تیرا حکم ہو ہم پورا کرینگے۔
۴ نصاب، مال کی وہ مقدار کہلاتی ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔
۵ سینہ میں اب اس قدر گنجائش نہیں کہ خود ہمیں اپنا بھی خیال آسکے۔
۶ اگر حساب کتاب لکھنے والے میرے اعمالنامہ میں کچھ لکھیں تو خدا کرے شراب اور قوال کے علاوہ کچھ نہ لکھ پائیں۔
۷ جب ایسی پریشانی ہوگی کہ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا میرا پیرِ مغاں مجھ پر کرم کرے گا۔
۸ یہ شعر
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
۹ غم کو شراب کا پیالہ ہی ٹال سکتا ہے۔

خوشا[1] آں دم کہ استغنائے مستی
وہ وقت کیا خوب ہو گا کہ جب مستی کی بے نیازی

فراغت بخشد از شاہ و وزیرم
مجھے بادشاہ اور وزیر سے بے نیاز بنا دے گی

فراواں[2] گنجِ غم در سینہ دارم
سینہ میں غم کا بھرپور، خزانہ رکھتا ہوں

اگرچہ مدّعی بیند فقیرم
اگرچہ رقیب مجھے فقیر، سمجھتا ہے

من آندم بر گرفتم دل ز حافظ
میں نے اس وقت سے حافظ سے دل ہٹا لیا

کہ ساقی گشت یارِ ناگزیرم
جب سے ساقی میرا جگری دوست بن گیا ہے

مژدۂ[3] وصلِ تو کو کز سرِ جاں برخیزم
تیرے وصل کی خوشخبری کہاں ہے تاکہ جان سے ہاتھ دھو لوں

طائرِ قدسم و از دامِ جہاں برخیزم
میں عالمِ قدس کا پرندہ ہوں، اور دنیا کے جال سے نکل جاؤں

یارب از ابرِ ہدایت برساں بارانے
اے خدا ہدایت کے ابر سے بارش برسا دے

پیشتر زآنکہ چو گردے ز میاں برخیزم
اس سے پہلے کہ میں گرد کی طرح درمیان سے اٹھوں

بولائے[4] تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی
تیری محبت کی قسم، اگر تو مجھے اپنا غلام، کہہ دے

از سرِ خواجگیِ کون و مکاں برخیزم
کون و مکاں کی بادشاہی سے میں دست بردار ہو جاؤں

بر سرِ تربتِ من بے مے و مطرب منشیں
میری قبر پر، شراب اور مطرب کے بدون نہ بیٹھ

تا ببویت ز لحد رقص کناں برخیزم
تاکہ تیری خوشبو کی وجہ سے لحد سے رقص کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوں

گرچہ[5] پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر
اگرچہ میں بوڑھا ہوں، تو ایک رات کو مجھے خوب بغل میں دبا لے

تا سحرگہ ز کنارِ تو جواں برخیزم
تاکہ صبح کو تیری بغل سے جوان اٹھوں

تو مپندار کہ از خاکِ سرِ کوئے تو من
تو یہ نہ سمجھ، کہ تیرے کوچہ کی خاک سے میں

بجفائے فلک و جورِ زماں برخیزم
آسمان کے ظلم سے، اور زمانہ کی زیادتی سے اٹھ کھڑا ہوں گا

برنخیزم ز سرِ کوئے تو تا جاں دارم
جب تک جان ہے، تیرے کوچہ سے نہ اٹھوں گا

ور رسد کار بجاں از سرِ جاں برخیزم
اور اگر معاملہ جان تک بھی پہونچ جائیگا تو جان سے ہاتھ دھولوں گا

سرو[6] بالا بنما اے بتِ شیریں حرکات
اے میٹھی ادا‌ؤں والے بت، بلند سرو دکھا

کہ چو حافظ ز سرِ جان و جہاں برخیزم
تاکہ حافظ کی طرح، جان اور دنیا سے ہاتھ دھولوں

منِ[7] ترکِ عشقبازی و ساغر نمیکنم
میں عشقبازی، اور ساغر کو نہیں چھوڑتا ہوں

صد بار توبہ کردم و دیگر نمیکنم
سو بار توبہ کر چکا ہوں، اور اب نہیں کروں گا

باغِ بہشت و سایۂ طوبیٰ و قصر و حور
بہشت کا باغ، اور طوبیٰ کا سایہ، اور محل اور حور

با خاکِ کوئے دوست برابر نمیکنم
دوست کے کوچہ کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا ہوں

تلقین[8] درسِ اہلِ نظر یک اشارت ست
اہلِ نظر کے درس کی تعلیم ایک اشارے سے ہے

کردم اشارتے و مکرر نمیکنم
میں نے ایک اشارہ کر دیا ہے اور مکرر نہیں کروں گا

---

[1] عشق کی مستی دنیاداروں سے بے نیاز کرتی ہے۔
[2] محبوب کا غم بے پایاں خزانہ ہے۔
[3] یہ غزل خواجہ کے لوحِ مزار پر کندہ ہے یعنی اگر تیرے وصل کا مژدہ ملجائے تو اپنی جان قربان کردوں اس دنیا سے عالمِ قدس کو جو میرا اصل مقام ہے چلا جاؤں۔
[4] اگر تو مجھے اپنا غلام کہدے تو کون و مکاں کی بادشاہی میرے لیے ہیچ ہو جائے۔
[5] تیرا وصل میسّر آجائے تو بڑھاپے کے باوجود جوان ہو جاؤں۔
[6] محبوب کا قد دیکھ لوں تو پھر میرے لئے دنیا ہیچ ہے۔
[7] سو بار توبہ کرکے توڑ چکا ہوں اب توبہ نہ کروں گا۔
[8] اہلِ نظر ایک اشارے سے مکمل تعلیم کردیتے ہیں اہلِ ظاہر دسوں سال پڑھاتے ہیں۔

ہرگز نمی شود زسرِ خود خبر مرا
مجھے اپنے سر کی بھی خبر نہیں ہوتی ہے
تا در میانِ میکدہ سر بر نمیکنم
جب تک شرابخانہ میں سر نہیں اٹھاتا ہوں

شیخم بطنز گفت حرام ست مے مخور
شیخ نے مجھ سے طنزاً کہا، شراب حرام ہے، نہ پی
گفتم مگو کہ گوش بہ ہر خر نمیکنم
میں نے کہا نہ کہہ، میں ہر گدھے کی بات نہیں سنا ہوں[1]

پیرِ مغاں حکایتِ معقول میکند
پیرِ مغاں، سمجھ میں آنیوالی باتیں کرتا ہے
معذورم ار محالِ تو باور نمیکنم
اگر میں تیری ناممکن بات کا یقین نہیں کرتا ہوں تو میں معذور ہوں

ایں تقویٰ ام بس ست کہ چوں زاہدانِ شہر
میرے لیے اس قدر تقویٰ کافی ہے کہ شہر کے زاہدوں کی طرح
ناز و کرشمہ بر سرِ منبر نمیکنم
منبر پر بیٹھ کر، ناز اور ادا نہیں دکھاتا ہوں

زاہد بطعنہ گفت برو ترکِ عشق کن
زاہد نے طعنہ سے کہا، جا عشق کو چھوڑ
محتاجِ جنگ نیست برادر نمیکنم
بھائی! لڑائی کی کوئی ضرورت نہیں، میں نہیں کرتا ہوں

حافظ جنابِ پیرِ مغاں مامنِ وفاست
اے حافظ! پیرِ مغاں کا دربار، وفا کا مامن ہے
من ترکِ خاک بوسیِ ایں در نمیکنم
میں اس در کی خاک بوسی کو نہیں چھوڑتا ہوں

من دوستدارِ روئے خوش و موئے دلکشم
میں حسین چہرے اور دلکش بالوں کا عاشق ہوں
مدہوشِ چشمِ مست و مے صافِ بیغشم
مست آنکھ، صاف اور خالص شراب سے مدہوش ہوں

در عاشقی گریز نباشد ز سوز و ساز
عاشقی میں، سوز و ساز کے سوا چارہ نہیں
استادہ ام چو شمع مترساں ز آتشم
میں شمع کی طرح کھڑا ہوں، مجھے آگ سے نہ ڈرا

من آدمِ بہشتیم امّا دریں سفر
میں تو جنتی آدمی ہوں، مگر اس سفر میں
حالی اسیرِ عشقِ جوانانِ مہوشم
فی الحال چاند جیسے نوجوانوں کی محبت کا قیدی ہوں

بخت ار مدد کند کہ کشم رخت سوئے دوست
نصیبہ اگر مدد کرے کہ میں دوست کے پاس چلا جاؤں
گیسوئے حور گرد فشاند ز مفرشم
تو حوروں کے گیسو میرے فرش کی جگہ کو جھاڑیں گے

شیراز معدنِ لبِ لعل ست و کانِ حسن
شیراز، لعل جیسے ہونٹوں کی معدن اور حسن کی کان ہے
من جوہریِ مفلس ازاں رو مشوشم
میں مفلس جوہری، اسی وجہ سے پریشان ہوں

ازبسکہ چشمِ مست دریں شہر دیدہ ام
میں نے اس شہر میں بہت سی مست آنکھیں دیکھی ہیں
حقّا کہ مے نمیخورم اکنوں و سرخوشم
بیشک میں اب شراب نہیں پیتا ہوں اور مست ہوں

شہریست پر کرشمہ و خوباں ز شش جہت
ناز و انداز سے بھرا ایک شہر ہے اور ہر طرف حسین ہیں
چیزیم نیست ورنہ خریدارِ ہر ششم
میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، ورنہ میں چھوؤں جانب کا خریدار ہوتا

گفتی ز سرِ عہدِ ازل نکتہ بگوئی
تو نے یہ کہا، کہ ازلی عہد کے راز کا کوئی نکتہ بتا
آنگہ بگویمت کہ دو پیمانہ درکشم
جب بتاؤں گا، جب دو پیمانے چڑھالوں گا

حسنِ عروسِ طبع مرا جلوہ آرزوست
میری طبیعت کی دلہن کے حسن کو رونمائی کی آرزو ہے
آئینہ ندارم ازاں آہ می کشم
میرے پاس کوئی آئینہ نہیں ہے، اسی وجہ سے میں آہیں بھرتا ہوں

---

[1] پیرِ مغاں کی باتیں معقول ہیں تو زاہد سمجھ میں نہ آنیوالی باتیں کرتا ہے۔
[2] میں واعظوں کی طرح منبر پر بیٹھ کر ریاکاری نہیں کرتا ہوں میرے لیے یہی پرہیزگاری کافی ہے۔
[3] پیرِ مغاں کا دربار وفاداروں کا ٹھکانا ہے، لہٰذا میں اس کو نہ چھوڑونگا
[4] عشق میں سوز و ساز ضروری ہے میں جبکہ عشق میں شمع کی طرح جل رہا ہوں اب مجھے آگ سے کیا ڈرایا جاسکتا ہے۔
[5] چونکہ ہم آدم کی اولاد ہیں جو جنت سے آئے تھے لہٰذا ہمیں جنت ہی میں جانا ہے دنیا کی زندگی تو ایک سفر کی حالت ہے اس میں حسینوں سے کچھ عشق کر رہا ہوں۔
[6] جو جوہری ہو اور جوہر کو بیچتا بھی ہو اور پھر افلاس کی وجہ سے نہ خرید سکے تو بہت پریشان ہوگا۔
[7] بغیر پئے مست آنکھوں کو دیکھ کر مست ہو رہا ہوں۔
[8] مفلس ہوں ورنہ تو ہر شش جہت کے حسینوں کو خرید لیتا۔
[9] عہدِ ازل کے راز شراب کی مستی ہی میں کھلتے ہیں۔ [10] چونکہ میرے کلام کے قدردان نہیں ہیں اس لیے آہیں بھرتا ہوں۔

حافظ ز تابِ فکرتِ بیجا صلے بسوخت
حافظ بے نتیجہ فکر کی سوزش سے جل گیا

ساقی کجاست تا زند آبے بر آتشم
ساقی کہاں ہے، تاکہ میری آگ پر کچھ پانی ڈالے

من[1] کہ باشم کہ بر آں خاطرِ عاطر گذرم
میں کون ہوں جو اس معطر خیال میں گذروں

لطفہا میکنی اے خاکِ درت تاجِ سرم
تو مہربانیاں کرتا ہے، اے وہ کہ تیرے در کی خاک میرے سر کا تاج ہے

دلبرا بندہ نوازیت کہ آموخت بگو
اے دلبر بتا، تجھے بندہ نوازی کس نے سکھائی ہے

کہ من ایں ظن برقیبانِ تو ہرگز نبرم
میں تیرے رقیبوں پر ہرگز یہ بدگمان نہیں کرتا ہوں

همتم[2] بدرقۂ راہ کن اے طائرِ قدس
اے عالم قدس کے پرند! باطنی توجہ کو میرا راہبر بنادے

کہ درازست رہِ مقصد و من نوسفرم
کیونکہ مقصد کا راستہ دراز ہے اور میں نیا مسافر ہوں

اے نسیمِ سحری بندگیِ ما برساں
اے صبح کی نسیم ہماری درخواست پہونچادے

کہ فراموش مکن وقتِ دعائے سحرم
کہ صبح کی دعا میں، مجھے فراموش نہ کر

خرم[3] آں روز کزیں مرحلہ بربندم رخت
وہ دن بڑا مبارک ہوگا جب میں اس پڑاؤ سے سامان باندھونگا

در سرِ کوئے تو پرسند رفیقاں خبرم
تیرے کوچہ میں، ساتھی میری خبریں پوچھیں گے

پایۂ[4] نظم بلندست و جہانگیر بگو
نظم کا مرتبہ بلند، اور جہاں گیر ہے، کہہ دو

تا کند پادشہِ بحر دہاں پُر گہرم
تاکہ سمندر کا بادشاہ میرے منہ کو موتیوں سے بھردے

راہِ خلوتگہِ خاصم بنما تا پس ازیں
مجھے خاص خلوت گاہ کی راہنمائی کردے تاکہ اس کے بعد

مے خورم با تو و دیگر غمِ دنیا نخورم
تیرے ساتھ شراب پیوں اور پھر دنیا کا غم نہ کھاؤں

حافظا شاید اگر در طلبِ گوہرِ وصل
اے حافظ مناسب ہے اگر وصل کے موتی کی تلاش میں

دیدہ دریا کنم از اشک و در غوطہ خورم
آنسوؤں سے آنکھ کو دریا بنادوں، اور اس میں غوطہ لگاؤں

من[5] نہ آں رندم کہ ترکِ شاہد و ساغر کنم
میں وہ رند نہیں ہوں جو معشوق اور ساغر کو چھوڑ دوں

محتسب داند کہ من ایں کارہا کمتر کنم
محتسب جانتا ہے، میں یہ کام بہت کم کرتا ہوں

چوں[6] صبا مجموعۂ گل را بآبِ لطف شست
جبکہ صبا نے مہربانی کے پانی سے تمام پھولوں کو دھو دیا ہے

کج دلم خواں گر نظر بر صفحۂ دفتر کنم
مجھے کج دل کہنا اگر میں کتاب کے صفحے پر نظر ڈالوں

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و بر ما نامِ فسق
لالہ ساغر تھامنے والا اور نرگس مست، اور ہم پر فسق کا الزام

داوری دارم بسے یارب کرا داور کنم
اے خدا میری بہت سی شکایتیں ہیں، کس کو منصف بناؤں

عشق دُردانہ است و من غواص و دریا میکدہ
عشق موتی ہے، میں غوطہ خور، اور شراب خانہ دریا ہے

سر فرو بردم در آنجا تا کجا سر بر کنم
اس جگہ میں نے غوطہ لگالیا ہے دیکھئے، کہاں سر اٹھاؤں گا

گرچہ[7] گرد آلودِ فقرم شرم باد از ہمتم
اگرچہ میں فقر سے گرد آلود ہوں، مجھے اپنی ہمت سے شرم آنی چاہئے

گر بآبِ چشمۂ خورشید دامن تر کنم
اگر خورشید کے چشمہ کے پانی سے دامن تر کروں

[1] میں حقیر اس قابل نہیں ہوں کہ اس کو میرا خیال آئے۔
[2] پرانا مسافر ہوتا تو راہبر کے بغیر بھی راستہ طے کر پاتا۔
[3] چونکہ میں تیری گلی سے رخصت ہو جاؤں گا میرے ساتھی مجھے تیری گلی میں ڈھونڈتے پھریں گے
[4] جو نظم میں نے کہی ہے وہ دنیا میں مشہور ہو جائیگی، ایسی حالت میں بادشاہ کو چاہیے کہ موتیوں سے میرا منہ بھردے۔
[5] محتسب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں مسلسل شاہد بازی اور شراب نوشی کرتا ہوں۔
[6] اب کتب بینی کا وقت نہیں ہے چمن کی سیر کا وقت ہے۔
[7] یعنی باوجود افلاس کے اگر میں دوسروں سے نفع اندوزی کا خیال کروں تو مجھے شرم آنی چاہیے۔

منکه دارم در گدائی گنج سلطانی بدست — کے طمع در گردشِ گردونِ دوں پرور کنم

میں جو کہ فقیری میں شاہی خزانہ ہاتھ میں رکھتا ہوں — کمینہ پرور آسمان کی گردش سے کب طمع کر سکتا ہوں،

عاشقاں[۱] را گر در آتش می پسندد لطفِ دوست — تنگ چشمم گر نظر بر چشمۂ کوثر کنم

اگر دوست کی مہربانی، عاشقوں کو آگ میں پسند کرتی ہے — اگر میں کوثر کے چشمے پر نظر کروں تو میں تنگ نظر ہوں

عہد و پیمانِ فلک را نیست چنداں اعتبار — عہد با پیمانہ بندم شرط با ساغر کنم

آسمان کے عہد و پیمان کا کچھ اعتبار نہیں ہے — پیمانہ کے ساتھ عہد کروں گا ساغر کے ساتھ شرط باندھوں گا

باز کش یکدم عنان اے ترکِ شہر آشوبِ من — تا ز اشک و چہرہ راہت پُر زر و گوہر کنم

اے شہر کو فتنے میں مبتلا کر دینے والے میرے معشوق ذرا لگام کھینچ لے — تاکہ چہرے اور آنسوؤں سے تیرے راستہ کو زر و جواہر سے بھر دوں

با وجودِ بینوائی رُو سیہ بادم چو ماہ[۲] — گر قبولِ فیضِ خورشیدِ بلند اختر کنم

بے سر و سامانی کے باوجود میں چاند کی طرح روسیاہ ہو جاؤں — اگر میں بلند ستارہ، آفتاب کا فیض قبول کروں

منکه امروزم[۳] بہشتِ نقد حاصل میشود — وعدۂ فردائے زاہد را چرا باور کنم

مجھے جبکہ آج نقد بہشت حاصل ہوتی ہے — زاہد کے کل کے وعدہ پر کیوں یقین کروں!

شیوۂ رندی نہ لائق بود وضعم را ولے — چوں در افتادم چرا اندیشۂ دیگر کنم

رندی کا طریقہ، میری وضع کے مناسب نہ تھا، لیکن — اس میں جب پڑ گیا ہوں تو دوسرا خیال کیوں کروں!

دوش[۴] لعلت عشوہ ہا میداد عاشق را ولے — من نہ آنم کز وے ایں افسانہا باور کنم

تیرا ہونٹ کل عاشق کو فریب دیتا تھا، لیکن — میں وہ نہیں ہوں کہ اس کے ان افسانوں پر یقین کروں

گوشۂ محرابِ ابروئے تو میخواہم ز بخت — تا در آنجا ہمچو مجنوں درسِ عشق از بر کنم

نصیبہ سے میں تیرے ابرو کی محراب کے گوشہ کا خواستگار ہوں — تاکہ اس جگہ مجنوں کی طرح عشق کے سبق کو حفظ کر لوں

وقتِ گل گوئی[۵] کہ زاہد شو بچشم و جان و دل — میروم تا مشورت با شاہد و ساغر کنم

موسم بہار میں تو کہتا ہے، زاہد بن جا! بسر و چشم — میں جاتا ہوں تاکہ معشوق اور ساغر سے مشورہ کر لوں

من کہ عیبِ[۶] توبہ کاراں کردہ باشم بارہا — توبہ از مے وقتِ گل دیوانہ باشم گر کنم

جبکہ میں نے بارہا توبہ کرنے والوں کو عیب لگایا ہے — موسم بہار میں اگر میں توبہ کروں تو میں دیوانہ ہونگا

زہد وقتِ گل چہ سودائے ست حافظ گوش دار

موسم بہار میں زہد، کیسی دیوانگی ہے، حافظ سن

تا اعوذے[۷] خوانم و اندیشۂ دیگر کنم

تاکہ میں اَعُوذُ پڑھوں، اور دوسرے خیال میں لگوں

مرا می بینی و دردم[۸] زیادت میکنی دردم — ترا می بینم و شوقم زیادت میشود ہر دم

تو مجھے دیکھتا ہے، اور فوراً میرے درد میں اضافہ کر دیتا ہے — میں تجھے دیکھتا ہوں، اور ہر گھڑی، میرا عشق بڑھتا ہے

بسامانم نمیپرسی نمیدانم چہ سر داری — بدرمانم نمیکوشی نمیدانی مگر دردم

تو میرے سامان کے بارے میں نہیں پوچھتا ہے، مجھے معلوم نہیں تیرا کیا خیال ہے؟ — تو میرے علاج میں کوشش نہیں کرتا ہے شاید تو میرے درد سے واقف نہیں ہے

نہ راہست اینکہ بگذاری مرا جاناں و بگریزی — گذارے آر و بازم پرس تا خاکِ رہت گردم

یہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ اے محبوب تو مجھے چھوڑ دے اور بھاگ جائے — تشریف لا! اور پھر مجھے پوچھ، تاکہ میں تیرے راستہ کی خاک بن جاؤں

۱ ہم راضی برضا ہیں اگر دوست ہمیں جہنم میں بھیجنا پسند کرے تو ہم کوثر کی طرف نظر بھر کر بھی نہ دیکھیں گے

۲ چاند کا اپنا ذاتی نور نہیں ہے بلکہ وہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے چاند کی روسیاہی اس کی چھائیاں ہیں۔

۳ جب مجھے آج دوست کا وصل حاصل ہے تو میں زاہد کے کل کے وعدہ کا کیوں اعتبار کروں۔

۴ تو کل میٹھی میٹھی باتیں کر کے عاشقوں کو فریب دیرہا تھا لیکن میں اُن باتوں کو افسانہ سمجھتا ہوں۔

۵ ظاہر ہے کہ معشوق اور ساغر کب توبہ کا مشورہ دیسکتے ہیں اور وہ بھی موسم بہار میں۔

۶ توبہ کرنیوالوں کا عیب توبہ کرنا ہے۔

۷ جب فاسد خیالات آتے ہیں تو اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیا جاتا ہے۔

۸ تو مجھے دیکھتا ہے تو درد میں اضافہ ہوتا ہے میں تجھے دیکھتا ہوں تو عشق بڑھتا ہے۔

ندارم[1] دست از دامن بجز در خاک و آندم ہم
خاک میں ملجانیکے بغیر، تیرے دامن سے دست بردار نہیں ہونگا اور اسوقت بھی
چو بر خاکم گذار آری بگیرد دامنت گردم
جب تو میری خاک پر سے گذریگا تو میری خاک ترا دامن پکڑے گی

فرو رفت از غم عشقت دمم دم میدہی تا کے
تیرے عشق کے غم سے میرا سانس گھٹ گیا تو کب تک دھوکے دیگا
دمار از من بر آوردی نمیگوئی بر آوردم
تو نے مجھے مار ڈالا، نہیں کہتا ہے کہ میں نے مارا

شبے دل را بتاریکی ز زلفت باز می جستم
ایک رات میں تیری زلف کی تاریکی میں دل کو ڈھونڈتا تھا
رخت میدیدم و جامے ز لعلت باز میخوردم
تیرا چہرہ دیکھتا تھا اور پھر تیرے ہونٹ سے جام پیتا تھا

کشیدم در برت ناگاہ و شد در تاب گیسویت
تجھے میں نے اچانک بغل میں لے لیا اور تیرے گیسو بل کھا گئے
نہادم بر لبت لب را و جان و دل فدا کردم
میں نے تیرے ہونٹوں پر ہونٹ رکھدیئے اور جان و دل کو قربان کردیا

بعزم سبزۂ صحرا چو میگردی رواں بے ما
جنگل کے سبزے کی سیر کے ارادے سے جبکہ تو ہمارے بغیر چلا جاتا ہے
سرشک سرخ میگردد رواں از چہرۂ زردم
میرے زرد چہرے سے سرخ آنسو جاری ہو جاتے ہیں

تو خوش میباش با حافظ برو گو خصم جاں میدہ
تو حافظ سے خوش رہ، جا دشمن سے کہدے وہ جان دیدے
چو گرمی از تو می بینم چہ باک از خصم دم سردم
جب میں تیری جانب سے گرم جوشی دیکھتا ہوں مجھے ٹھنڈے سانسوں والے دشمن کی کیا پرواہ ہے

نماز شام غریباں[3] چو گریہ آغازم
مسافروں کی شام کی نماز کیوقت میں جب رونا شروع کرتا ہوں
بمویہ ہائے غریبانہ قصہ پردازم
عجیب و غریب نالوں کے ساتھ، قصہ بیان کرتا ہوں

بیاد یار و دیار[4] آنچناں بگریم زار
یار اور وطن کی یاد میں میں ایسا زار زار روتا ہوں
کہ از جہاں رہ و رسم سفر براندازم
کہ دنیا سے سفر کی راہ و رسم کو اٹھادوں گا

من از دیار حبیبم نہ از بلاد رقیب
میں دوست کے وطن کا ہوں، نہ کہ رقیب کے شہروں کا
مہیمنا[5] برفیقان خود رساں بازم
اے نگہبان! پھر مجھے اپنے دوستوں کے پاس پہونچادے

خدائے را مددے اے دلیل راہ کہ من
اے راستہ کے راہبر! خدا کے لئے کچھ مدد کر، تاکہ میں
بکوئے[6] میکدہ دیگر علم برافرازم
پھر میکدہ کے کوچہ میں، جھنڈا بلند کروں

خرد[7] ز پیری من کے حساب برگیرد
عقل میرے بڑھاپے کو کب گنتی میں لائے گی
کہ باز با صنمے طفل عشق می بازم
کیونکہ میں پھر کمسن معشوق کے ساتھ عشق بازی کر رہا ہوں

بجز صبا و شمالم نمی شناسد کس
مجھے، صبا اور شمالی ہوا کے سوا کوئی نہیں پہچانتا ہے
عزیز من کہ بجز باد نیست ہمرازم
اے میرے عزیز کیونکہ ہوا کے علاوہ میرا کوئی ہمراز نہیں ہے

ہوائے منزل یار آب زندگانی ماست
محبوب کے مکان کی ہوا، ہمارا آب حیات ہے
صبا بیار نسیمے ز خاک شیرازم
اے صبا! میرے پاس شیراز کی خاک کی ذرا سی ہوا لا

سرشکم[8] آمد و عیبم بگفت روئے بروی
میرے آنسو نکل آئے اور منہ در منہ میرا عیب کہدیا
شکایت از کہ کنم خانگی ست غمازم
میں کس کی شکایت کروں، میرے گھر کا ہی چغلخور ہے

ز چنگ زہرہ شنیدم کہ صبحدم میگفت
زہرہ کے چنگ سے میں نے سنا کہ صبح کیوقت کہہ رہی تھی
مرید حافظ خوش لہجہ و خوش آوازم
میں خوش لہجہ، خوش آواز، حافظ کی مرید ہوں

---

[1] زندگی میں تیرے دامن سے وابستہ رہوں گا مرنیکے بعد میری خاک تیرے دامن سے لگی رہے گی۔
[2] جب محبوب راضی ہے تو دشمن کی ناراضی کی کیا پرواہ ہے۔
[3] دنیا کی زندگی مسافرانہ ہے اس زندگی کے مصائب کو نماز میں رو رو کر بیان کرتا ہوں۔
[4] وطن کی یاد میں ایسا روتا ہوں کہ اگر لوگ سن پائیں تو سفر کرنا چھوڑ دیں۔
[5] مہیمن نگہبان اللہ کے ناموں میں سے بھی ہے۔
[6] تاکہ میں وطن میں لوٹ کر پھر شرابخانہ میں جھنڈا بلند کروں۔
[7] جبکہ میرا معشوق کمسن ہے تو عقل میرے بڑھاپے کو کس گنتی میں لائیگی۔
[8] آنسو میرے اپنے ہیں انہی نے میری چغلخوری کی اب شکایت کس کے متعلق کروں۔

[۱] ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر چند بوڑھا، اور خستہ دل اور کمزور ہو گیا ہوں
ہر گہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم
جس وقت تیرے چہرے کی یاد کر لی جوان ہو گیا

شکرِ خدا کہ ہر چہ طلب کردم از خدا
خدا کا شکر ہے کہ خدا سے میں نے جو بھی طلب کیا
بر منتہائے مطلب خود کامراں شدم
اپنے مطلب کے آخیر پر میں کامیاب ہو گیا

در شاہراہِ دولتِ سرمد بتختِ بخت
ہمیشگی کی دولت کے راستہ میں نصیبہ کے تخت پر
با جامِ مے بکامِ دلِ دوستاں شدم
شراب کے جام کے ساتھ دوستوں کے دل کے منشاء کے مطابق پہونچا

[۲] از آں زماں کہ فتنۂ چشمت بما رسید
جب سے تیری آنکھوں کا فتنہ ہمارے پاس آیا ہے
ایمن ز شرِ فتنۂ آخر زماں شدم
آخری زمانہ کے فتنے کے شر سے، میں مطمئن ہو گیا

اے گلبنِ جواں برِ دولت بخور کہ من
اے پھولوں کی جوان شاخ! دولت کا پھل کھا کہ میں
در سایۂ تو بلبلِ باغِ جناں شدم
تیرے سایہ میں جنت کے باغ کا بلبل ہو گیا ہوں

[۳] اوّل ز حرفِ لوحِ وجودم خبر نبود
پہلے تو مجھے وجود کی تختی کے ایک حرف کا بھی پتہ نہ تھا
در مکتبِ غمِ تو چنیں نکتہ داں شدم
تیرے غم کے مکتب میں، میں ایسا نکتہ داں ہو گیا ہوں

[۴] قسمت حوالتم بخرابات می کند
قسمت، مجھے شراب خانہ کے حوالے کرتی ہے
ہر چند ایں چنیں شدم و آنچناں شدم
ہر چند کہ میں اِس طرح ہوا اور اُس طرح ہوا

[۵] من پیرِ سال و ماہ نیم یار بیوفاست
میں سال اور مہینہ کا بوڑھا نہیں ہوں، دوست بیوفا ہے
بر من چو عمر میگذرد پیر از آں شدم
میرے پاس سے وہ عمر کی طرح گذر جاتا ہے اسلیے بوڑھا ہو گیا ہوں

[۶] آں روز بر دلم درِ معنی کشادہ شد
میرے دل پر معانی کا دروازہ اس دن کھلا
کز ساکنانِ درگہِ پیرِ مغاں شدم
جبکہ میں پیرِ مغاں کی درگاہ کے ساکنوں میں بن گیا

[۷] دوشم نوید داد و بشارت کہ حافظا
کل اس نے مجھے خوشخبری اور بشارت دی کہ اے حافظ!
باز آ کہ من بعفوِ گناہت ضماں شدم
واپس آجا، میں تیرے گناہوں کی معافی کا ضامن بن گیا ہوں

ردیفِ نون

اے شام بکوئے ما گذر کن
اے شام! ہمارے کوچہ سے گذر
[۸] وے صبح بحالِ ما نظر کن
اور اے صبح! ہمارے حال کو دیکھ

[۹] از ظلمتِ شب تنم بفرسود
رات کی تاریکی سے، میرا بدن فرسودہ ہو گیا
یارب شبِ ظلمتم سحر کن
اے خدا! میری اندھیری رات کو صبح کر دے

اے بادِ سحر بگوئی با یار
اے بادِ سحر! دوست سے کہدے
خود را تہِ تیغ او سپر کن
اپنے آپ کو اس کی تلوار کے نیچے ڈھال بنا دے

گر کشتہ شوم بداغِ ہجراں
اگر میں ہجر کے داغ سے مارا جاؤں
بر کشتۂ خویشتن نظر کن
اپنے شہید پر نظر کر

[۱] عمر کے اعتبار سے بوڑھا ہوں اور خستہ دل بھی ہوں لیکن محبوب کی یاد مجھے جوان بنا دیتی ہے۔
[۲] چونکہ محبوب کی آنکھوں کا فتنہ ان تمام فتنوں سے بڑھا ہوا ہے جو قیامت کے قریب برپا ہوں گے لہذا آنکھوں کے فتنے میں مبتلا ہو جانیکے بعد اس کا ڈر دل سے نکل گیا۔
[۳] عشق نے سربستہ رازوں کا نکتہ داں بنا دیا ورنہ ہم جاہل تھے۔
[۴] یعنی کتنا ہی زاہد اور پارسا تھا لیکن تقدیر غالب آ کر رہی۔
[۵] یعنی سالوں اور مہینوں کے حساب سے میں بوڑھا نہیں ہوں ہجر نے بوڑھا بنا دیا ہے۔
[۶] حقائق اور معارف شراب خانہ میں پہونچکر کھلے۔
[۷] پیرِ مغاں نے پکارا اور کہا کہ واپس لوٹ آ گناہوں کی مغفرت کا میں ضامن ہوں۔
[۸] شام اور صبح ہماری حالت پر رحم کر۔
[۹] رات کی تاریکی نے جسم گھلا ڈالا، اے خدا اس رات کو صبح کر دے۔

اززلفِ کمانکشش بپرہیز[1]
اس کی کمان کھینچنے والی زلف سے بچ
وزناوکِ غمزہ اش حذر کن
اور اس کی ادا کے تیر سے ڈر

اے دل اگرت ہوائے وصل ست
اے دل! اگر تجھے وصل کی خواہش ہے
برخیز روان و ترکِ سر کن
جلد اٹھ، اور سر سے ہاتھ دھولے

چوں یارسرِ وفا ندارد
چونکہ یار کو وفا کا خیال نہیں ہے
برخیز و زشہرِ خود سفر کن
اٹھ، اور اپنے شہر سے چلدے

حافظ چو نمیرسی بمقصود[2]
اے حافظ جبکہ تو مقصود تک نہیں پہونچتا ہے
دم درکش و قصہ مختصر کن
چپ رہ، اور قصہ کو مختصر کر

اے نورِ چشمِ من سخنے ہست گوش کن[3]
اے میری آنکھوں کے نور! ایک بات ہے، سن
تا ساغرت پرُست بنوشان و نوش کن
جب تک تیرا ساغر بھرا ہے، پلا اور پی

پیراں سخن بتجربہ گفتند گفتمت
بوڑھوں نے تجربہ کی بات کہی ہے میں نے تجھ سے کہدیا
ہاں اے پسر کہ پیر شوی پند گوش کن
ہاں اے بیٹا! تاکہ تو بوڑھا بنے، نصیحت سن

بر ہوشمند سلسلہ ننہادہ است عشق[4]
عشق نے، عقلمند سے سلسلہ نہیں رکھا ہے
خواہی کہ زلفِ یار کشی ترکِ ہوش کن
تو چاہتا ہے کہ محبوب کی زلف کھینچے تو ہوش چھوڑدے

تسبیح و خرقہ لذّتِ مستی نبخشدت
تسبیح، اور گدڑی تجھے مستی کی لذت نہ بخشے گی
ہمّت دریں عمل طلب از میفروش کن
اس کام میں مے فروش سے باطنی توجہ چاہ

بادوستاں مضائقہ درعمر و مال نیست[5]
دوستوں کے ساتھ جان و مال سے دریغ نہیں ہے
صد جاں فدائے یارِ نصیحت نیوش کن
نصیحت سننے والے دوست پر سو جانیں قربان کردے

درراہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست[6]
عشق کے راستہ میں، شیطان کا بہت کچھ اندیشہ ہے
ہشدار و گوشِ دل بہ پیامِ سروش کن
ہوشیار ہوجا، اور غیبی پیغام پر دل کا کان لگا

برگ و نوا تبہ شد و سازِ طرب نماند
ساز و سامان تباہ ہوگیا، اور مستی کا ساز نہیں رہا
اے چنگ نالہ برکش و اے دف خروش کن[7]
اے چنگ! نالہ کر، اور اے دف! شور کر

ساقی کہ جامت از مے صافی تہی مباد
اے ساقی! تیرا جام خالص شراب سے خالی نہ ہو
چشمِ عنایتے بمنِ دُرد نوش کن
مجھ تلچھٹ پینے والے کی طرف نظرِ عنایت کر

سرمست در قبائے زرافشاں چو بگذری
زرافشاں قبا میں، مست ہوکر تو جب گزرے
یک بوسہ نذرِ حافظِ پشمینہ پوش کن
کمبل پوش، حافظ کو ایک بوسہ نذر کردے

افسرِ سلطانِ گل پیدا شد از طرفِ چمن[8]
چمن کی طرف سے، پھول کے بادشاہ کا تاج رونما ہوا
مقدمش یارب مبارکباد بر سرو و سمن
اے خدا! اس کا آنا سرو، اور سمن کو مبارک ہو

[1] زلف کو تیر انداز اور ادا کو تیر قرار دیا ہے۔
[2] جبکہ وصل کی توقع نہیں ہے تو قصہ گوئی سے کیا فائدہ ہے۔
[3] یہی بات کہنی ہے کہ جب تک بھی ساغر میں شراب ہے خود بھی پی اور دوسروں کو بھی پلا۔
[4] عشق، عقل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اگر عشق کرنا ہے تو مدہوشی پیدا کرو۔
[5] جو مخلص دوست ہیں ان پر جان و مال قربان کردینا چاہیئے۔
[6] عشق کے معاملہ میں غیبی آواز پر کان رکھنا چاہیئے، ورنہ شیطان وساوس ڈالے گا اور انسان گمراہ ہوجائیگا۔
[7] گویا کہ چنگ اور دف کو اپنی ناتوانی پر نالہ اور نوحہ کرنا چاہیئے۔
[8] یعنی موسم بہار آگیا ہے۔

خوش بجائے خویشتن بود ے نشست خسروے
بادشاہ، کا اپنی جگہ پر بیٹھنا، اچھا ہوتا
تا نشیند ہر کسے اکنوں بجائے خویشتن
تاکہ ہر شخص اب اپنی جگہ بیٹھ جائے

تا ابد معمور باد ایں خانہ کز خاک درش
خدا کرے یہ گھر ہمیشہ آباد رہے اس لیے کہ اسکے در کی خاک سے
ہر نفس با بوئے رحماں می وزد بادِ یمن
یمن کی ہوا ہر سانس میں رحمان کی خوشبو لیکر چلتی ہے

خاتمِ جم را بشارت دہ بحسنِ خاتمہ
جمشید کی انگوٹھی کو، حسنِ خاتمہ کی بشارت دیدے
کاسمِ اعظم کرد ازو کوتاہ دستِ اہرمن
اس لئے کہ اسمِ اعظم نے شیطان کے ہاتھ کو اس سے کوتاہ کر دیا ہے

خنگِ چوگانی چرخت رام شد در زیرِ زیں
آسمان کا چوگان کا گھوڑا تیری زین کے نیچے رام ہو گیا ہے
شہسوارا خوش بمیداں آمدی گوئے بزن
اے شہسوار تو میدان میں خوب آیا، گیند مار

جوئبارِ ملک را آب از سرِ شمشیرِ تست
ملک کے چشمہ میں پانی، تیری تلوار کی نوک کی وجہ سے ہے
تو درختِ عدل بنشاں بیخ بد خواہاں بکن
تو انصاف کا پودا لگا، دشمنوں کی جڑ اکھاڑ

شوکتِ پورِ پشنگ و تیغِ عالمگیرِ او
پشنگ کے بیٹے کا دبدبہ اور اس کی عالمگیر تلوار
در ہمہ شہنامہ باشد داستانِ انجمن
تمام شاہناموں میں انجمن کی داستان ہوگی

بعد ازیں نشگفت اگر با نکہتِ خلقِ خوشت
کوئی تعجب نہیں ہے اسکے بعد اگر تیرے اچھے اخلاق کی خوشبو کی وجہ سے
خیزد از صحرائے ایراں نافۂ مشکِ ختن
ختن کے مشک کا نافہ ایران کے جنگل سے پیدا ہو

گوشہ گیراں انتظارِ جلوۂ خوش میکشند
گوشہ نشین، اچھے جلوے کا انتظار کر رہے ہیں
برشکن طرفِ کلاہ و برقع از رخ برفگن
ٹوپی کا کنارہ ٹیڑھا کر، اور رخ سے برقع اتار پھینک

اے صبا بر ساقیِ بزمِ اتابک عرضہ دار
اے صبا! اتابک کی مجلس کے ساقی کو پیغام پہونچا دے
تا ازاں جامِ زر افشاں جرعۂ بخشد بمن
تاکہ اس زر افشاں جام سے مجھے ایک گھونٹ بخشدے

مشورت با عقل کردم گفت حافظ مے بنوش
میں نے عقل سے مشورہ کیا، اس نے کہا اے حافظ شراب پی
ساقیا مے دہ بقولِ مستشارِ مؤتمن
اے ساقی! با اعتماد مشیر کے قول کے مطابق شراب دیدے

اے خسروِ خوباں نظرے سوئے گدا کن
اے حسینوں کے بادشاہ! فقیر پر ایک نظر کر
رحمے بمنِ سوختۂ بے سر و پا کن
مجھ جلے ہوئے، بے سر و پا پر، رحم کر

دارد دلِ درویش تمنائے نگاہے
فقیر کا دل، ایک نگاہ کا آرزو مند ہے
زاں چشمِ سیہ مست بیک غمزہ روا کن
اس مست، کالی آنکھ کی ایک ادا سے حاجت روائی کر دے

گر لاف زند ماہ کہ ماند بجمالت
اگر چاند ڈینگیں مارے کہ تیرے حسن کے مشابہ ہے
بنمائی رخِ خویش و مہ انگشت نما کن
اپنا رخ دکھا دے، اور چاند پر انگشت نمائی کر دے

اے سروِ چماں از چمن و باغِ زمانے
اے سرو خراماں! چمن اور باغ سے تھوڑی دیر کے لئے
بخرام دریں بزم و دو صد جامہ قبا کن
اس محفل میں ٹہل، اور سینکڑوں پیرہن چاک کر دے

شمع و گل و پروانہ و بلبل ہمہ جمع اند
شمع، گل، پروانہ اور بلبل سب جمع ہیں
اے دوست بیا رحم بہ تنہائیِ ما کن
اے دوست! آجا، ہماری تنہائی پر رحم کر

۱؎ اگر میرا انجمن آجاتا ہے تو پھر سب اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ جاتے ہیں۔
۲؎ ایک حدیث کا مضمون ہے حضور نے فرمایا مجھے یمن کی طرف سے رحمان کے سانس کی خوشبو آتی ہے۔
۳؎ تیری تلوار ملک کی آبیاری کر رہی ہے تو انصاف کی شجر کاری کر۔
۴؎ پشنگ، افراسیاب کے باپ کا نام ہے۔ پور بمعنی لڑکا شاہ نامہ شاہی کارناموں کی تاریخ ہوتی ہے۔
۵؎ تیرے اچھے اخلاق سے ایران کی سرزمین مہک رہی ہے اور اس میں سے مشکِ ختن کی خوشبو آرہی ہے۔
۶؎ عقل کا مشورہ یہی ہے کہ شراب نوشی کیجائے۔
۷؎ اگر چاند برابری کا دعویٰ کرے تو اپنا رخ دکھا دے وہ بدنام ہو جائے گا۔
۸؎ جامہ کو قبا کرنا یعنی اس کو چاک کرنا۔
۹؎ دوسرے عاشق و معشوق جمع ہیں اور میں عاشق مہجور ہوں۔

بادل شدگاں جور و جفا تا بکے آخر
بے دلوں پر آخر کب تک ظلم و ستم کرے گا؟
آہنگِ وفا ترکِ جفا بہر خدا کن
خدا کے لئے وفا کا ارادہ کر، اور جفا چھوڑ دے

مشنو سخنِ دشمنِ بد گوئے خدارا
خدا کے لیے، بدگو دشمن کی بات نہ سُن

با حافظِ مسکینِ خود اے دوست وفا کن
اے دوست! اپنے مسکین، حافظ کے ساتھ وفا کر

اے روئے ماہ منظرِ تو نو بہارِ حسن
اے کہ تیرا چاند جیسا چہرہ، حسن کی نوبہار ہے
خال و خطِ تو مرکزِ لطف و مدارِ حُسن
تیرا تل اور خط، پاکیزگی کا مرکز، اور حسن کا مدار ہے

در چشمِ پُر خمارِ تو پنہاں فسونِ سحر
تیری خمار بھری آنکھوں میں جادو کا منتر پوشیدہ ہے
در زلفِ بیقرارِ تو پیدا قرارِ حُسن
تیری بے قرار زلف میں حسن کا ٹھکاؤ ظاہر ہے

ماہے نتافت چوں رخت از برجِ خسروی
شاہی برج سے تیرے چہرے جیسا کوئی چاند نہ چمکا
سروے نخاست چوں قدت از جوئبارِ حُسن
حسن کی نہر سے تیرے قد جیسا کوئی سرو نہیں ابھرا

خرم شد از ملاحتِ تو عہدِ دلبری
تیری ملاحت سے، دلبری کا زمانہ خوشگوار و خرم ہو گیا
فرخ شد از لطافتِ تو روزگارِ حُسن
تیری پاکیزگی سے حسن کا زمانہ بابرکت ہو گیا

از دامِ زلف و دانۂ خالِ تو در جہاں
تیری زلف کے جال اور تل کے دانہ سے، دنیا میں
یک مُرغِ دل نماند نگشتہ شکارِ حُسن
دل کا ایک پرند نہیں بچا، جو حسن کا شکار بن گیا ہو

دائم بلطف دایۂ طبع از میانِ جاں
فطرت کی دایہ دل و جان سے، مہربانی کے ساتھ ہمیشہ
می پرورد بناز ترا در کنارِ حُسن
تجھے حسن کی گود میں، ناز سے پالتی ہے

گردِ لبت بنفشہ ازاں تازہ و تر ست
تیرے ہونٹوں کے چاروں طرف بنفشہ اس وجہ سے ترو تازہ ہے
کآبِ حیات میخورد از جوئبارِ حُسن
کہ حسن کی نہر سے آبِ حیات پی رہا ہے

مثلِ تو گلرخے نتواں یافت در جہاں
تجھ جیسا پھول جیسے چہرے والا دنیا میں نہ پایا جا سکا
در گلشنِ زمانہ تو داری بہارِ حُسن
زمانہ کے باغ میں تو حسن کی بہار رکھتا ہے

حافظ طمع برید کہ بیند نظیرِ دوست
حافظ نے یہ لالچ ختم کر دیا کہ دوست کی مثال دیکھے

دیّار نیست غیرِ تو اندر دیارِ حُسن
حسن کے ملک میں تیرے سوا کوئی آباد نہیں ہے

اے لبت آبِ حیات و اے قدت سرو چمن
اے وہ کہ تیرا ہونٹ آبِ حیات ہے، اور تیرا قد چمن کا سرو ہے
اے رخت خورشیدِ خاور و اے خطت مُشکِ ختن
اے وہ کہ تیرا رخ مشرق کا سورج ہے اور تیرا خط ختن کا مشک ہے

ہمچو ابرویت بچشمِ من کم آید ماہِ نو
کوئی نیا چاند، میری نظر میں تیرے ابرو جیسا نہیں ہے
چوں لبِ لعلت نمیباشد عقیق اندر یمن
تیرے لبِ لعل جیسا، یمن میں کوئی عقیق نہ ہو گا

تا رخت دیدہ است گل در باغ اے سرو رواں
اے چلتے پھرتے سرو! جب باغ میں پھول نے تیرا رخسار دیکھا ہے
بر تنِ خود چاک میسازد ز خجلت پیرہن
شرمندگی سے اپنے بدن پر لباس چاک کر رہا ہے

۱؎ آج تک تجھ جیسا حسین رُخ اور حسین قد کوئی پیدا نہیں ہوا۔
۲؎ کوئی دل نہیں جو تیری زلف کے دام اور تل کے دانہ میں نہ پھنسا ہو۔
۳؎ قدرت نے تجھے حسن کی گود میں ناز سے پالا ہے۔
۴؎ سبزۂ خط کو بنفشہ اور ہونٹوں کو آبِ حیات کی نہر قرار دیا ہے۔
۵؎ ملکِ حسن کا صرف تو ہی ایک باشندہ ہے۔
۶؎ میری نظر میں ہلال تیری ابرو سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے اور تیرے ہونٹوں کے مقابلہ میں یمنی عقیق ہیچ ہے۔

رشتۂ جانِ من ست آں یا مُوئے بتاں ذرّۂ خورشید یا دُرج دُرست آں یا دہن
وہ میری جان کا دھاگا ہے، یا معشوقوں کا بال ہے وہ آفتاب کا ذرّہ ہے، یا موتیوں کی ڈبیہ، یا مُنھ ہے

بوسہ میخواہم زتو لب را بدنداں میگزی میکنی جانم جراحت بارِ دیگر جانِ من
میں تجھ سے بوسہ مانگتا ہوں، تو دانتوں سے ہونٹ کاٹتا ہے اے میری جان! تو میری جان کو دوبارہ زخمی کرتا ہے

عاشقِ روئے توام اے شاہِ خوبانِ جہاں ایں حکایت را بدانند آشکارا مرد و زن
اے حسینانِ عالم کے بادشاہ! میں تیرے چہرے کا عاشق ہوں اس قصّہ کو مرد و زن کھلّم کھلاّ جانتے ہیں

مُرد حافظ در غمت در گردنِ تو خونِ من
تیرے غم میں حافظ مرگیا، میرا خون تیری گردن پر ہے

دادِ من بستاند از تو روزِ محشر ذُوالمِنَن
خدا حشر کے دن تجھ سے میرا بدلہ لے گا

بالا بلند عشوہ گرِ سروِ نازِ من کوتاہ کرد قصّۂ زہدِ درازِ من
میرے بلند قد، عشوہ گر، سروِ ناز نے میرے دراز زہد کے قصّہ کو مختصر کردیا

دیدی دِلا کہ آخرِ پیری و زہد و علم بامن چہ کرد دیدۂ معشوقہ بازِ من
اے دل! تو نے دیکھا کہ بڑھاپے اور زہد، اور علم کے آخر میں میری معشوقہ باز آنکھوں نے میرے ساتھ کیا کیا؟

از آبِ دیدہ بر سرِ آتش نشستہ ام کو فاش کرد در ہمہ آفاق رازِ من
میں آنکھوں کے آنسوؤں سے بیقرار ہوگیا ہوں اس لیے کہ انھوں نے تمام زمانے میں میرا راز فاش کردیا

میترسم از خرابیِ ایماں کہ می برد محرابِ ابروئے تو حضور از نمازِ من
مجھے ایمان کی خرابی کا ڈر ہے، اس لئے کہ لیجاتی ہے تیری ابرو کی محراب میری نماز سے دل کی لگن کو

مست ست یار و یادِ حریفاں نمیکند یادش بخیر ساقیِ مسکیں نوازِ من
دوست مست ہے، اور عاشقوں کو یاد نہیں کرتا ہے میرے مسکین نواز، ساقی کی یاد بخیر ہو

یارب کے آں صبا بوزد کز نسیمِ او گردد شمامۂ کرمش کارسازِ من
اے خدا! وہ صبا کب چلے گی جس کی نسیم سے؟ اُس کے کرم کی خوشبو میری کارساز بن جائے

بر خود چو شمع خندہ زناں گریہ میکنم تا با تو سنگدل چہ کند سوز و سازِ من
میں شمع کی طرح، اپنے اوپر ہنستا ہوا روتا ہوں دیکھیے، تجھ سنگدل پر میرا سوز و ساز کیا اثر کرتا ہے؟

نقشے بر آب میزنم از گریہ حالیا تا کے شود قرینِ حقیقت مجازِ من
فی الحال تو میں بے نتیجہ روتا ہوں دیکھیے میرا مجاز کب حقیقت کے قریب ہوتا ہے؟

محمود را دمے کہ بآخر رسید عمر میداد جاں بزاری و میگفت ایازِ من
جس وقت محمود کی عمر آخر پر پہونچی عاجزی کے ساتھ جان دے رہا تھا اور کہتا تھا "اے میرے ایاز"

گفتم بدلقِ زرق بپوشم نشانِ عشق غمّاز بود اشک و عیاں کرد رازِ من
میں نے کہا تھا، مکر کی گدڑی سے عشق کا نشان چھپالوں گا آنسو چغلخور تھے، اور انہوں نے میرا راز کھولدیا

زاہد ازیں نمازِ تو کارے نمیرود ہم مستیِ شبانہ و راز و نیازِ من
اے زاہد! تیری اس نماز سے کچھ کام نہیں چلتا میری رات کی مستی، اور راز و نیاز سے بھی

۲ موجب وصال بن رہی ہے نہ میری مستی اور راز و نیاز۔

۱۔ محبوب کا بال میری جان کا دھاگا ہے، اس کا مُنھ آفتاب کا ذرّہ ہے یا موتیوں کی ڈبیہ۔
۲۔ بوسہ کے سوال پر غصّہ میں دانتوں سے ہونٹ کاٹتا ہے جو میری جان ہیں۔
۳۔ میرے محبوب نے میرا پرانا زہد و تقویٰ ختم کر ڈالا۔
۴۔ پوری زندگی زہد و علم میں گذاری اب آخر عمر میں عشقباز آنکھوں نے سب کچھ ختم کردیا۔
۵۔ بر سرِ آتش نشستن، بیقرار ہوجانا۔
۶۔ نماز میں اگر تیری ابرو کے محراب کا تصوّر آجاتا ہے تو نماز میں دل نہیں لگتا یہ ایمان کی خرابی کی دلیل ہے۔
۷۔ شمع کو خنداں اور گریاں مانا جاتا ہے اس کا نور خندہ ہے اور پگھلنا رونا ہے۔
۸۔ عاشق نزع کے وقت بھی معشوق کو یاد کرتا ہے محمود ایاز ایاز کہتا دنیا سے گیا۔
۹۔ زہد کی گدڑی میں عشق چھپانا چاہتا تھا لیکن آنسوؤں نے چغلی کھادی۔
۱۰۔ نہ زاہد کی نماز ۲

یاراں بناز و نعمت و ماغرقِ محنتیم
دوست ناز و نعمت میں ہیں، اور ہم مصیبت میں ڈوبے ہیں

بارے بساز کارِ من اے کارسازِ من
اے میرے کارساز! اب تو میرا کام بنا دے

حافظ ز غصّہ سوخت بگو حالش اے صبا
حافظ رنج سے جل مرا، اے صبا! اس کی حالت بتا دے

باشاہِ دوست پرورِ دشمن گدازِ من
میرے دوست پرور، دشمن سوز، بادشاہ کو

بہارِ گُل طرب انگیز گشت و توبہ شکن
پھولوں کی بہار مستی پیدا کرنے والی، اور توبہ شکن بن گئی ہے

بشادیِ رُخ گُل بیخ غم ز دل برکن
پھول کے رُخ کی خوشی میں، غم کی جڑ دل سے اکھاڑ پھینک

طریقِ صدق[۱] بیاموز ز آبِ صاف اے دل
اے دل! صاف پانی سے دل کی سچائی کا طریقہ سیکھ لے

براستی طلب آزادگی ز سروِ چمن
چمن کے سرو سے، سچائی کے ساتھ آزادی طلب کر

رسید[۲] بادِ صبا غنچہ از ہواداری
بادِ صبا آپہنچی، محبت میں غنچہ

ز خود بروں شد و بر تن درید پیراہن
آپے سے باہر ہو گیا، اور جسم پر پیرہن کو چاک کر ڈالا

ز دستبرد[۳] صبا گردِ گُل کلالہ ببیں
صبا کی دستبرد سے، گُل کے چاروں طرف زلف کو دیکھ

شکنج گیسوئے سنبل نگر بروئے سمن
سمن کے چہرے پر، سنبل کے گیسو کے بل دیکھ

عروسِ غنچہ بدیں زیور و تبسّم خوش
غنچہ کی دلہن اس زیور، اور حسین تبسّم کے ذریعہ

معائنہ دل و دیں میبرد بوجہِ حسن
اچھے طریقے پر کھلّم کھلّا دل اور دین لیے جا رہی ہے

صفیرِ بلبل شوریدہ و نفیرِ ہزار[۴]
پریشان بلبل کی چہچہاہٹ، اور ہزار داستان کی آواز

برائے وصلِ گُل آمد بروں ز قلبِ حزن
غمگین دل سے وصلِ گُل کے لئے باہر نکلی ہے

حدیث قصّۂ دوراں ز جام جو حافظ
اے حافظ! زمانہ کے قصّے کی بات، جام سے سُن

بقولِ مطرب و فتوائے پیرِ صاحبِ فن
مطرب کے قول، اور صاحب فن پیر کے فتوے کے مطابق

بفگن بر صفِ رنداں نظرے بہتر ازیں
رندوں کی صف پر، اس سے اچھی نظر ڈال

بر درِ میکدہ می کن گذرے بہتر ازیں
میکدہ کے در پر، اس سے اچھی طرح گذر

در حقِ من لبت آں لطف کہ میفرماید
میرے بارے میں جو مہربانی تیرے ہونٹ کرتے ہیں

گرچہ خوبست ولیکن قدرے بہتر ازیں
اگرچہ اچھی ہے، لیکن ذرا اس سے اور اچھی

آنکہ فکرش گرہ از کارِ جہاں بکشاید
جس کی فکر، دنیا کے کام کی گرہ کھولتی ہے

گو دریں نکتہ[۵] بفرما نظرے بہتر ازیں
اس سے کہدو، کہ اس نکتہ میں اس سے بہتر غور و فکر کرے

دل بداں رودِ گرامی چہ کنم گر ندہم
اس معزز لڑکے کو دل نہ دوں، تو کیا کروں

مادرِ دہر ندارد پسرے بہتر ازیں
زمانہ کی ماں کے پاس اس سے بہتر کوئی لڑکا نہیں ہے

ناصحم گفت[۶] کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق
مجھ سے ناصح نے کہا، غم کے سوا عشق کیا ہنر رکھتا ہے

گفتم اے خواجۂ عاقل ہنرے بہتر ازیں
میں نے کہا! اے عقلمند خواجہ اس سے بہتر ہنر اور کونسا ہے؟

۱ صاف پانی اپنے ہر خس و خاشاک کو ظاہر کر دیتا ہے اس لئے صدق دل پانی سے سیکھنی چاہیے سرو چمن آزاد ہے اس سے آزادی کا سبق حاصل کرنا چاہیے۔

۲ غنچہ بھی عشق کی وجہ سے اپنی پتیاں کھول دیتا ہے اور باہر نکل آتا ہے۔

۳ ہوا نے گل کے چاروں طرف سنبل کی زلفیں بکھیر دی ہیں۔

۴ ہزار بلبل کی ایک قسم ہے یعنی بلبل و ہزار کا نالہ بھی طلب وصل کے لیے ہے۔

۵ عشق کے معاملہ میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔

۶ ناصح نے طنزاً کہا عشق میں غم کے سوا اور کیا ہے میں نے کہا اس ہنر سے بہتر اور کونسا ہنر ہو سکتا ہے۔

گر بگویم کہ قدح گیر و لبِ ساغر بوس — بشنو اے جاں کہ نگوید دگرے بہتر ازیں
اگر میں کہوں کہ پیالہ تھام، اور ساغر کا ہونٹ چوم — اے جان! سن لے اسلیے کہ کوئی دوسرا اس سے بہتر بات نہیں کہ سکتا ہے

کلکِ حافظ شکریں شاخِ نباتست بچیں
حافظ کا قلم، گنے کی میٹھی شاخ ہے، چن لے

کہ دریں باغ نہ بینی ثمرے بہتر ازیں
اس لیے کہ اس باغ میں تو اس سے بہتر پھل نہ دیکھے گا

چنداں کہ گفتند غم با طبیباں — درماں نکردند مسکیں غریباں
انھوں نے ہرچند، طبیبوں کو غم بتایا — غریب مسکین علاج نہ کر سکے

آں گُل کہ ہر دم در دستِ خارست — گو شرم بادت از عندلیباں
جو پھول، ہر وقت کانٹے کے ہاتھ میں ہے — اس سے کہدو! تجھے بلبلوں سے شرم آنی چاہیے

ما دردِ پنہاں با یار گفتیم — نتواں نہفتن درد از طبیباں
ہم نے چھپا ہوا درد دوست سے کہہ دیا — طبیبوں سے درد نہیں چھپایا جاسکتا ہے

یارب اماں دہ تا باز بیند — چشمِ محبّاں روئے حبیباں
اے خدا! امن دے تاکہ پھر دیکھ لے — دوستوں کی آنکھ، معشوقوں کے چہرے کو

دُرجِ محبّت بر مُہرِ خود نیست — یارب مبادا کامِ رقیباں
محبت کی ڈبیہ پر اپنی مہر نہیں ہے — اے خدا! رقیبوں کا مقصد پورا نہ ہو

اے مُنعم آخر بر خوانِ وصلت — تا چند باشم از بے نصیباں
اے دولتمند! تیرے وصل کے دسترخوان پر آخر — میں کب تک بے نصیبوں میں سے بنا رہوں گا

با آہ و دردم با روئے زردم — مانندِ باراں سر در بیاباں
میں آہ اور درد میں ہوں، زرد چہرے والا ہوں — بارش کی مانند، جنگل میں سر دھرے ہوں

حافظ نہ گشتی رسوائے گیتی
اے حافظ! تو رسوائے عالم نہ ہوتا

گر می شنیدی پندِ ادیباں
اگر ادب سکھانے والوں کی نصیحت سن لیتا

چو گُل ہر دم بہ بویت جامہ بر تن — کنم چاک از گریباں تا بدامن
تیری خوشبو کی وجہ سے، پھول کی طرح ہر وقت بدن پر کپڑے — پھاڑتا ہوں، گریبان سے دامن تک

تنت را دیدہ گُل گوئی کہ در باغ — چو مستاں جامہ را بدرید بر تن
گویا کہ پھول نے تیرے جسم کو دیکھ لیا ہے کیونکہ باغ میں — مستوں کی طرح جسم پر لباس کو چاک کر لیا ہے

من از دستِ غمت مشکل برم جاں — ولے دل را تو آساں بردی از من
میں تیرے غم کے ہاتھ سے مشکل سے جان بچاتا ہوں — لیکن تو آسانی سے مجھ سے دل لے گیا

بقولِ دشمناں برگشتی از دوست — نگردد ہیچکس با دوست دشمن
دشمنوں کے کہنے سے تو دوست سے برگشتہ ہوگیا — کوئی شخص دوست کا دشمن نہیں ہوا کرتا

ا۔ کوئی دوسرا اس سے بہتر نصیحت نہیں کر سکتا
۲۔ مرضِ عشق کا علاج طبیبوں کے پاس نہیں ہے۔
۳۔ جو معشوق رقیبوں میں پھنسا ہے اس کو عاشق سے شرم آنی چاہیے۔
۴۔ کیونکہ میرے مرض کا طبیب معشوق ہی ہے۔
۵۔ چونکہ محبوب اپنے اختیار میں نہیں ہے رقیبوں سے خلا ملا ہے خدا کرے ان کا مقصد پورا نہ ہو۔
۶۔ پھول نے اپنے کپڑے تیرے عشق میں پھاڑے ہیں۔
۷۔ مجھے جان بچانا مشکل ہے تجھے دل لے لینا آسان ہے۔

تنت در جامہ چوں در جام بادہ
کپڑوں میں تیرا بدن، جیسا کہ جام میں شراب
دلت در سینہ چوں در سیم آہن
سینہ میں تیرا دل، جیسا کہ چاندی میں لوہا

ببار اے شمع اشک از دیدہ چوں میغ
اے شمع! ابر کی طرح آنکھوں سے آنسو بہا
کہ سوزِ دل شود بر خلق روشن
تاکہ لوگوں پر دل کی جلن واضح ہو جائے

مرو کز سینہ ام آہِ جگر سوز
نہ جا، اس لیے کہ میرے سینے سے جگر سوز آہ
بر آید ہمچو دود از راہِ روزن
اس طرح نکلتی ہے جس طرح سوراخ کے راستے سے دھواں

دلم را مشکن و در پا میانداز
میرا دل نہ توڑ، اور پیروں میں نہ ڈال
کہ دارد در سرِ زلفِ تو مسکن
اس لیے کہ وہ تیری زلف میں ٹھکانا رکھتا ہے

چو دل را بست در زلفِ تو حافظ
جبکہ حافظ نے دل کو تیری زلف سے وابستہ کر دیا ہے
بدینساں کارِ او در پا میفگن
اس طرح سے اس کے کام کو پیروں میں نہ ڈال

چو شوم خاکِ رہش دامن بیفشاند ز من
جب میں اُس کے راستہ کی خاک بنتا ہوں، مجھ سے دامن جھاڑتا ہے
ور بگویم دل بگرداں رو بگرداند ز من
اور اگر میں کہتا ہوں دل پھیر دے، مجھ سے منہ پھیر لیتا ہے

گر چو شمعش پیش میرم بر غمم خندد چو صبح
اگر شمع کی طرح اسکے سامنے مرتا ہوں، میرے غم پر صبح کی طرح ہنستا ہے
ور برنجم خاطرِ نازک برنجاند ز من
اگر میں رنجیدہ ہوتا ہوں، نازک دل کو مجھ سے رنجیدہ کر لیتا ہے

عارضِ رنگیں بہر کس مینماید ہمچو گل
پھول جیسا رنگین رخسار، سب کو دکھاتا ہے
ور بگویم باز پوشاں باز پوشاند ز من
اور اگر میں کہتا ہوں چھپالے، تو مجھ سے چھپا لیتا ہے

دوستاں جاں دادم از بہرِ دہانش بنگرید
اے دوستو! اسکے منہ کے لیے میں نے جان دیدی دیکھو
گو بچیزے مختصر چوں باز میماند ز من
گو اتنی مختصر چیز کے لیے بھی وہ مجھ سے دریغ کرتا ہے

او بخونم تشنہ و من بر لبش تا چوں شود
وہ میرے خون کا پیاسا ہے، میں اسکے ہونٹ کا، دیکھو کیا ہوتا ہے
کام بستانم ازو یا داو بستاند ز من
میں اس سے مقصد حاصل کرتا ہوں یا وہ مجھ سے داؤ جیت لے

چشمِ خود را گفتم آخر یک نظر سیرش بہ بیں
میں نے اپنی آنکھ سے کہا، بالآخر اسکو جی بھر کر ایک نظر دیکھ لے
گفت میخواہی مگر تا جوئے خوں راند ز من
اُس نے کہا، شاید تو یہ چاہتا ہے وہ مجھ سے خون کی ندی بہادے

گر چو فرہادم بتلخی جاں بر آید حیف نیست
اگر کڑواہٹ سے فرہاد کی طرح میری جان نکل جائے کوئی افسوس نہیں
بس حکایتہائے شیریں باز میماند ز من
بہت سی میٹھی حکایتیں تو میری باقی رہجائیں گی

ختم کن حافظ کہ گر زینگونہ خوانی درسِ عشق
اے حافظ ختم کردے، اگر تو عشق کا سبق اسی طرح پڑھتا رہے گا
خلق در ہر گوشہ افسانہ خواند ز من
لوگ ہر گوشہ میں میرا ہی افسانہ پڑھیں گے

خدارا کم نشیں با خرقہ پوشاں
خدا کے لیے، گدڑی پہننے والوں کے ساتھ کم بیٹھ
رُخ از رندانِ بیساماں مپوشاں
بے سامان، رندوں سے رُخ نہ چھپا

١ سینہ چاندی ہے اور دل لوہا۔
٢ تیرے چلے جانے سے جگر سوز آہیں اس طرح نکلیں گی جیسے سوراخ سے دھواں نکلتا ہے۔
٣ دل کا مسکن جبکہ تیری زلف ہے اس کو پامال نہ کر۔
٤ خاک بنکر بھی دامن پر بیٹھنا نصیب نہیں ہے، دل واپس کرنیکو کہتا ہوں تو دل بھی واپس کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔
٥ میں جان دیتا ہوں تو وہ ہنستا ہے میں اظہارِ غم کرتا ہوں تو خفا ہوتا ہے۔
٦ سب کو چہرہ دکھاتا ہے میں منع کرتا ہوں تو مجھ ہی سے منہ چھپا لیتا ہے۔
٧ ہم نے تو اس کو جان دے دی وہ اپنا ذرا سا منہ بھی نہیں دیتا ہے۔
٨ داؤ ستاندن بازی جیت لینا یعنی وہ میرے خون کا پیاسا ہے اور میں اسکے ہونٹوں کا پیاسا ہوں اب یا تو میرا ہی مقصد حاصل ہو گیا اس کا ہی۔
٩ معمولی نظر نے تو یہ حال کر دیا ہے دل بھر کر دیکھوں گا تو خون کی ندیاں جاری ہو جائیں گی۔ ١٠ گدڑی پہننے والے بدباطن ہیں، رند صاف باطن ہیں۔

درین خرقہ بسے آلودگی ہست
اس گدڑی میں بڑی گندگی ہے

خوشا وقتِ قبائے مے فروشاں
مے فروشوں کی قبا کا وقت اچھا ہے

چو مستم کردہ مستور منشیں
جب تونے مجھے مست کر دیا ہے، چھپ کر نہ بیٹھ

چو نوشم دادۂ زہرم منوشاں
جب تونے مجھے شہد دیا ہے، تو زہر نہ پلا

تو نازک طبعی و طاقت نیاری
تو نازک طبع ہے، اور برداشت نہ کرے گا

گرانی ہائے مشتے دلق پوشاں
مٹھی بھر گدڑی پہننے والوں کی ناگواری کو

دریں صوفی وشاں دردے ندیدم
ان صوفی نما لوگوں میں، میں نے درد نہیں دیکھا

کہ صافی باد عیشِ دُرد نوشاں
خدا کرے تلچھٹ پینے والوں کا عیش صاف رہے

لبِ میگون و چشمِ مست بکشائی
شراب جیسے ہونٹ، اور مست آنکھ کھول

کہ از شوقت مئے لعل ست جوشاں
کیونکہ تیرے شوق سے سُرخ شراب جوش میں ہے

بیا و زرقِ این سالوسیاں بیں
آ، اور ان مکاروں کی مکاری دیکھ

صراحی خوں دل و بربط خروشاں
صراحی کا دل خون ہو رہا ہے اور بربط شور کر رہی ہے

تو در خوابی کجا دانی کہ عاشق
تو خواب میں ہے، تجھے کیا معلوم ہے کہ عاشق

بسر در کوئے میگردد خروشاں
سر کے بل کوچہ میں شور کرتا پھر رہا ہے

زدل گرمیِ حافظ پُر حذر باش
حافظ کے دل کی گرمی سے ڈرتا رہ

کہ دارد سینۂ چوں دیگ جوشاں
اس لیے کہ اس کا سینہ دیگ کی طرح جوش مار رہا ہے

بہتر از فکرِ مے و جام چہ خواہد بودن
شراب اور جام کے خیال سے اور کیا بہتر ہوگا؟

تا بہ بینیم سرانجام چہ خواہد بودن
آخر ہم دیکھیں سرانجام کیا ہوگا؟

پیرِ میخانہ چہ خوش گفت مُعمائے دوش
میخانہ کے پیر نے، کل شب کیا اچھا معمہ بتایا

از خطِ جام کہ فرجام چہ خواہد بودن
جام کے خط سے، کہ انجام کیا ہوگا؟

بادہ خور غم مخور و پندِ مُقلّد مشنو
شراب پی، غم نہ کر، اور مقلد کی بات نہ سُن

اعتبارِ سخنِ عام چہ خواہد بودن
عوام کی بات کا کیا اعتبار ہوگا؟

غمِ دل چند تواں خورد کہ ایّام نماند
دل کا غم کب تک کھایا جائے، کہ زمانہ نہیں رہا

گو نہ دل باش و نہ ایام چہ خواہد بودن
کہہ دو، نہ دل رہے، نہ زمانہ کیا رہے گا؟

مُرغِ کم حوصلہ را گو سرِ خود گیر و برو
کم حوصلہ پرندکو کہہ دو جائے، اپنا کام کرے

رحم آنکس کہ نہد دام چہ خواہد بودن
جو شخص جال بچھائے، اُس کا رحم کیا ہوگا؟

دستِ رنجِ تو ہماں بہ کہ شود صرف بکام
تیری وہ تکلیف بہتر ہے، جو مقصد میں صرف ہو

تا بہ بینم کہ بنا کام چہ خواہد بودن
دیکھئے! نا کام کا کیا ہوگا

بُردم از رہ دلِ حافظ بدف و چنگ و غزل
دف اور چنگ، اور غزل کے ذریعہ میں نے حافظ کے دل کو راستہ سے ہٹا دیا

تا جزائے منِ بدنام چہ خواہد بودن
دیکھئے! مجھ بدنام کی کیا سزا ہوگی؟

---

۱ جبکہ دیدار کا شہد پلایا ہے فراق کا زہر نہ دے۔

۲ تیرے ہونٹوں کی سرخی اور آنکھوں کی مستی کو دیکھ کر شراب جوش میں آرہی ہے۔

۳ صراحی میں شراب نہیں ہے بلکہ صراحی کے دل کا خون ہے جو کہ زاہدوں کی مکاریوں کو دیکھ کر ہو رہا ہے، اور بربط بھی اسی کی فریادی ہے۔

۴ خطِ جام سے مراد وہ نشان ہوتا ہے جو مقدار متعین کرنے کے لیے لگا دیا جاتا ہے یعنی پیر نے جام کے خط سے یہ معمہ پڑھا ہے کہ دیکھو انجام کیا ہوتا ہے۔

۵ مقلد عوام میں سے ہے اور عوام کی بات ناقابلِ اعتبار ہے۔

۶ جو صیاد سے رحم کی توقع کرے وہ کم حوصلہ پرندہ ہے۔

دانی کہ چیست[۱] دولت دیدار یار دیدن | در کوئے او گدائی بر خسروی گزیدن
تو جانتا ہے کہ یار کے دیکھنے کی دولت کیا ہے؟ | اس کے کوچہ کی گداگری کو بادشاہت پر ترجیح دینا ہے

از جاں[۲] طمع بریدن آساں بود ولیکن | از دوستانِ جانی مشکل بود بریدن
جان سے توقع اٹھا لینا آسان ہے لیکن | جانی دوستوں سے قطع تعلق کرنا مشکل ہوتا ہے

خواہم[۳] شدن بہ بستاں چوں غنچہ با دلِ تنگ | وآنجا بہ نیکنامی پیراہنے دریدن
غنچہ کی طرح تنگدل ہو کر باغ میں جانا چاہتا ہوں | اور اس جگہ نیکنامی کے ساتھ جامہ چاک کرنا چاہتا ہوں

ق

گہ چوں[۴] نسیم با گل رازِ نہفتہ گفتن | گہ سرِ عشقبازی از بلبلاں شنیدن
کبھی نسیم کی طرح پھول سے چھپے راز کہنا | کبھی عشقبازی کے راز بلبلوں سے سننا

بوسیدن[۵] لبِ یار اوّل ز دست مگذار | کآخر ملول گردی از دستِ لب گزیدن
شروع ہی سے دوست کے ہونٹ کے بوسہ کو ہاتھ سے نہ دے | کیونکہ آخر ہونٹ کاٹنے کے ہاتھوں رنجیدہ ہو گا

فرصت[۶] شمار صحبت کز ایں دو راہہ منزل | چوں بگذریم نتواں دیگر بہم رسیدن
صحبت کو غنیمت سمجھ اس لیے کہ اس دوراستہ والی منزل سے | جب ہم نکل جائیں گے، پھر جمع نہ ہو سکیں گے

گوئی برفت حافظ از یادِ شاہ منصور[مہ]
گویا کہ، حافظ، منصور بادشاہ کے حافظ سے نکل گیا ہے

یا رب بیادش آور درویش پروریدن
اے خدا! اس کو فقرا پروری یاد دلا دے

دلم[۷] را در سرِ زلفِ تو مسکن | بدینسانش فرو مگذار و مشکن
میرے دل کا گھر، تیری زلف میں ہے | اس طرح سے اس کو نہ چھوڑ، اور مت توڑ

وگر[۸] دل سر کشد چوں زلف از خط | بدست آرش و لے در پاش مفگن
اور اگر دل تیرے حکم سے زلف کی طرح سرکشی کرے | اس کو قابو میں کرلے لیکن اس کو پیروں میں نہ ڈال

چو شمع[۹] ار پیشم آئی در شبِ تار | شود چشمم بدیدارِ تو روشن
اگر تو اندھیری رات میں شمع کی طرح میرے سامنے آئے | تو تیرے دیدار سے میری آنکھیں روشن ہو جائیں

بہ گلزارِ[۱۰] ارم چہ کار اکنوں کہ گشتہ است | جہاں بر چشمم از رویت چو گلشن
مجھے اب چمن سے کیا کام، اس لیے کہ بن گیا ہے | جہاں میری آنکھ میں تیرے چہرہ کی وجہ سے باغ جیسا

ز سروِ[۱۱] قامتت ننشینم آزاد | ہمہ تن گر زباں باشم چو سوسن
تیرے قد کے سرو سے میں فارغ ہو کر نہ بیٹھوں گا | اگرچہ میں سوسن کی طرح ہمہ تن زبان بن جاؤں

ز مہرت[۱۲] گر بتابم ذرّہ روی | چو خورشیدم فرود آید ز روزن
اگر میں تیری محبت سے ذرّہ برابر منہ موڑوں | سورج کی طرح وہ سوراخ سے میرے اوپر اتر آئے

کجا بر تنگ شکر دست یابد | گر اندیشد مگس از بادِ بیزن
شکر کے بورے پر کب قابو پا سکتی ہے | اگر مکھی پنکھے کا خوف کرے

چو[۱۳] حافظ ماجرائے عشقبازی | نمی گوید کسے بر وجہِ احسن
عشقبازی کا قصہ، حافظ کی طرح | کوئی اچھے طریقہ پر بیان نہیں کرتا ہے

---

۱ یار کے دیدار سے ایسی دولت حاصل ہو جاتی ہے کہ عاشق یار کے کوچہ کو بادشاہی پر ترجیح دیتا ہے۔
۲ دوستوں سے جدا ہونا مشکل ہے جان دینا آسان ہے۔
۳ غنچہ جب تنگ بند ہے تو گویا دل گرفتہ ہے باغ میں جب کھلتا ہے اور اپنا پیراہن چاک کرتا ہے تو اس کو نیکنامی حاصل ہوتی ہے۔
۴ نسیم پھول کے کان میں راز کہتی ہے بلبل چھپا کر عشق کے راز بیان کرتی ہے۔
۵ محبوب کے ہونٹ کا بوسہ لینا نہ چھوڑ ورنہ شرمندہ ہو گا۔
۶ دنیا ایک ایسا مکان ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک آنے کا ایک جانے کا جب جانیکے راستے دو دوست نکل جاتے ہیں پھر آپس میں ملاقات ممکن نہیں ہے۔
۷ میرا دل تیری زلف میں رہتا ہے لہٰذا اسکو ذلیل نہ کر۔
۸ زلف کو سرکش مانا گیا ہے یعنی دل اگر سرکشی کرے تو اس کو پکڑ لے پامال نہ کر۔
۹ تیرے چہرے کی وجہ سے تمام عالم چمن ہے اب مجھے چمن میں جانیکی ضرورت نہیں ۱۱ اگر میرا رونگٹا رونگٹا تیرے قد کی تعریف کرے تو بھی حق ادا نہیں ہو سکتا ہے ۱۲ ذرہ اور خورشید کا تعلق ہے، خورشید کی روشنی ہر سوراخ سے اندر آجاتی ہے ۱۳ عشقیہ مضامین جس طرح حافظ بیان کرتا ہے۔ اس خوبی سے اور کوئی بیان نہیں کرسکتا ہے۔ مہ شاہ منصور شاہ شجاع کے بعد شیراز پر قابض ہوا تھا۔

دلبر[1] جانانِ من بُرد دل و جانِ من — بُرد دل و جانِ من دلبرِ جانانِ من
میرا دلبر، معشوق میرا دل، اور جان لے گیا — میرا دل، اور جان لے گیا، میرا دلبر، معشوق

از لبِ جانانِ من زنده شود جانِ من — زنده شود جانِ من از لبِ جانانِ من
میرے محبوب کے ہونٹوں سے، میری جان زندہ ہوتی ہے — میری جان زندہ ہوتی ہے، میرے محبوب کے ہونٹوں سے

روضۂ رضوانِ من خاکِ سرِ کوی دوست — خاکِ سرِ کوئے دوست روضۂ رضوانِ من
میرا روضۂ رضوان، دوست کے کوچہ کی خاک ہے — دوست کے کوچہ کی خاک، میرا روضۂ رضوان ہے

ایں دلِ حیرانِ من والہ و شیدائے تست — والہ و شیدائے تست ایں دلِ حیرانِ من
یہ میرا حیران دل، تیرا دیوانہ اور عاشق ہے — تیرا دیوانہ اور عاشق ہے، یہ میرا حیران دل

یوسفِ کنعانِ من مصرِ ملاحت تراست — مصرِ ملاحت تراست یوسفِ کنعانِ من
اے میرے یوسفِ کنعان، ملاحت کا ملکِ مصر تیرا ہے — ملاحت کا ملکِ مصر تیرا ہے، اے میرے یوسفِ کنعان

سروِ گلستانِ من قامتِ دلجوئے تست — قامتِ دلجوئے تست سروِ گلستانِ من
میرے باغ کا سرو، تیرا دل جو قد ہے — تیرا دل جو قد، میرے باغ کا سرو ہے

حافظِ خوش خوانِ من نقدِ کمالِ غیاث
میرا خوش الحان حافظ، فریاد کے کمال کا نقد ہے
نقدِ کمالِ غیاث حافظِ خوشخوانِ من
فریاد کے کمال کا نقد، میرا خوش الحان حافظ ہے

ز در درآ و شبستانِ ما منوّر کن — دماغِ مجلسِ روحانیاں معطّر کن
دروازے سے آجا، اور ہمارا گھر روشن کر — روحانی لوگوں کی مجلس کے دماغ کو خوشبودار بنا

بچشم و ابروئے جاناں سپردہ ام دل و جاں — بیا بیا[2] و تماشائے طاق و منظر کن
میں نے دل و جان، محبوب کی چشم و ابرو کے سپرد کر دیئے ہیں — آ، آ، اور طاق و منظر کی سیر کر

از آں[3] شمائلِ الطاف و حسن خوش کہ تراست — میانِ بزمِ حریفاں چو شمع سر بر کن
اس مہربانیوں کی عادت اور خوبصورتی کی وجہ سے جو تجھے حاصل ہے — دوستوں کی مجلس میں شمع کی طرح سر بلند کر

بگو[4] بخازنِ جنت کہ خاکِ ایں مجلس — بتحفہ بر سوئے فردوس، و عودِ مجمر کن
جنت کے پہرہ دار سے کہدو کہ اس مجلس کی خاک کو — بطور تحفہ فردوس میں لیجائے اور انگیٹھی کی عود بنائے

طمع[5] بنقدِ وصالِ تو حدِّ ما نبود — حوالتیم بلبِ لعلِ ہمچو شکر کن
تیرے نقدِ وصال کی طمع، ہمارے مرتبہ کی نہیں ہے — مجھے شکر جیسے لبِ لعل کے حوالے کر دے

چو شاہدانِ چمن زیرِ دستِ حسنِ تواند — کرشمہ بر سمن دہ ناز بر صنوبر کن
جبکہ چمن کے معشوق، تیرے حسن کے ماتحت ہیں — سمن کو ادا، اور صنوبر کو ناز دکھا

ستارۂ[6] شبِ ہجراں نمی فشاند نور — ببامِ قصر بر آ و چراغِ مہ بر کن
شبِ ہجر کا ستارہ، روشنی نہیں دیتا ہے — محل کے بالا خانہ پر آ اور چاند کے چراغ کو روشن کر دے

ازیں مرقعِ پشمینہ نیک در تنگم — بیک کرشمۂ صوفی وشم قلندر کن
اس ادنی گدڑی سے میں بہت تنگ ہوں — مجھ کو ایک صوفیانہ ادا سے قلندر بنا دے

[1] اس پوری غزل میں دوسرا مصرع پہلے مصرع کے الفاظ کو ردوبدل کرکے کہا گیا ہے یہی اس غزل میں صنعت ہے اور کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔

[2] طاق سے محبوب کے ابرو اور منظر سے محبوب کی آنکھیں مراد ہیں اور خطاب عام ہے۔

[3] یہ حسن و اخلاق کی دولت کا تقاضا ہے کہ اس کی نمائش کی جائے۔

[4] محبوب کے کوچہ کی خاک اس قابل ہے کہ اس سے جنت کو معطر کیا جائے۔

[5] ہماری یہ حیثیت تو نہیں ہے کہ وصال میسر آسکے ایک بوسہ ہی دیدے۔

[6] چاند اور ستارے تیرے چہرے سے نور حاصل کرتے ہیں۔

فضولِ نفس حکایت بسے کند ساقی
اے ساقی! نفس بہت سی فضول باتیں کرتا ہے
تو کارِ خود مدہ از دست و مے بساغر کن
تو اپنا کام نہ چھوڑ، اور ساغر میں شراب ڈال

لبِ پیالہ ببوس آنگہاں بمستاں دہ
پیالے کے ہونٹ چوم، پھر مستوں کو دے
بایں لطیفہ مشامِ خرد معطر کن
اس لطیفے سے عقل کے دماغ کو خوشبودار بنادے

وگر فقیہ نصیحت کند کہ مے مخورید
اور اگر فقیہ نصیحت کرے کہ شراب نہ پیو
پیالۂ بدہش گو دماغ را تر کن
اس کو ایک پیالہ دے اور کہدے کہ دماغ کو تر کرلے

حجابِ دیدۂ ادراک شد شعاعِ جمال
جمال کی شعاعیں، ادراک کی آنکھ کا پردہ بن گئیں
بیا و خرگہِ خورشید را منور کن
آ اور خورشید کی قیام گاہ کو روشن کردے

شنیدم از در و دیوارِ کوئے او صد بار
میں نے سو بار اس کے کوچہ کے در و دیوار سے سنا ہے
کہ خاکِ راہ شو اینجا و خاک بر سر کن
کہ اس جگہ راستے کی خاک بنجا، اور سر پہ خاک ڈال

پس از ملازمتِ عیش و عشقِ مہر دیاں
عیش کی پابندی، اور حسینوں کے عشق کے بعد
ز کارہا کہ کنی شعرِ حافظ از بر کن
جو کام تو کرے، حافظ کے اشعار کو یاد کرلے

شاہِ شمشاد قداں خسروِ شیریں دہناں
شمشاد جیسے قد والوں کا بادشاہ، شیریں دہن والوں کا شاہ
کہ بمژگاں شکند قلبِ ہمہ صف شکناں
جو پلکوں سے تمام صف شکنوں کا دل توڑ دے

مست بگذشت و نظر برمنِ درویش انداخت
مست ہوکر گذرا، اور مجھ فقیر پر نظر ڈالی
ق گفت کاے چشم و چراغِ ہمہ شیریں سخناں
بولا، اے تمام شیریں کلام والوں کے چشم و چراغ

تا کے از سیم و زرت کیسہ تہی خواہد بود
کب تک چاندی اور سونے سے تیری تھیلی خالی رہے گی
پندِ ما بشنو و برخور ز ہمہ سیم تناں
ہماری نصیحت سن لے، اور تمام چاندی جیسے جسم والوں سے نفع اٹھا

کمتر از ذرہ نۂ پست مشو مہر بورز
تو ذرہ سے تو کمتر نہیں ہے، پست نہ بن، محبت اختیار کر
تا بخلوتگہِ خورشید رسی چرخ زناں
تاکہ آفتاب کی خلوت گاہ میں چکر لگاتا ہوا پہونچ جائے

پیرِ پیمانہ کشِ ما کہ روانش خوش باد
ہمارے پیمانہ کش پیر نے، خدا کرے اس کی روح خوش رہے
گفت پرہیز کن از صحبتِ پیماں شکناں
کہا، وعدہ شکنوں کی صحبت سے بچ

دامنِ دوست بدست آر و ز دشمن بگسل
دوست کا دامن تھام لے، اور دشمن سے قطع تعلق کرلے
ق مردِ یزداں شو و ایمن گذر از اہرمناں
مردِ خدا بن، اور شیطانوں سے بچ نکل

بر جہاں تکیہ مکن ور قدحے مے داری
دنیا پر بھروسہ نہ کر، اور اگر تیرے پاس کوئی شراب کا پیالہ ہے
شادیِ زہرہ جبیناں خور و نازک بدناں
تو زہرہ جبیں، اور نازک بدن معشوقوں کی خوشی میں پی

با صبا در چمنِ لالہ سحر می گفتم
لالہ کے چمن میں صبح، میں صبا سے میں پوچھتا تھا
کہ شہیدانِ کہ اند ایں ہمہ خونیں کفناں
کہ یہ خونی کفن والے، کس کے شہید ہیں؟

گفت حافظ من و تو محرمِ ایں راز نہ ایم
اس نے کہا، اے حافظ میں اور تو اس راز کے محرم نہیں ہیں
از مے لعل حکایت کن و سیمیں ذقناں
سرخ شراب، اور چاندی جیسی ٹھوڑی والوں کی بات کر

ا نفس کے بہلانے میں نہ آ، ہمیں شراب دیئے جا۔ ۲ فقیہ کی یہ دیوانگی کی باتیں دماغ کی خشکی کی وجہ سے ہیں پیالہ سے اس کے دماغ کو تر کردے۔ ۳ عیش اور عشق کے بعد تیسرا کام یہ ہونا چاہیے کہ حافظ کی غزلیں یاد کیجائیں۔ ۴ اس غزل کے پہلے چار شعر قطعہ بند ہیں، میرا معشوق جو حسینوں کا شاہ ہے میرے پاس سے گذرا اور مجھ سے کہا تو شیریں کلام شاعروں کا سرتاج ہے تیری جیب تو ہمیشہ خالی رہیگی لہٰذا سیم تن معشوقوں سے دل لگا تو ذرہ سے تو کم نہیں ہے آفتاب سے عشق پیدا کر اس تک پہونچ ہی جائے گا۔ ۵ یہ تین شعر بھی قطعہ بند ہیں یعنی ہمارے پیر مغاں نے سمجھایا ہے کہ بدعہدوں سے دوستی نہ کرنی چاہیے، دوست کا دامن پکڑ لینا چاہیے تب مرد خدا بنے گا دنیا ناقابل اعتبار ہے حسین معشوق کی یاد میں شراب نوشی کرنی چاہیے۔ ۶ یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں یعنی لالہ کے باغ میں صبا سے میں نے دریافت کیا لالہ خونی کفن کس کا شہید ہے اس نے کہا اس راز کا نہ تجھے علم ہے نہ مجھے اپنے کام میں لگ شراب اور معشوق کی بات کر۔

شرابِ لعل کش و روئے مہ جبیناں بیں
لعل جیسی شراب پی، اور چاندی جیسی پیشانی والوں کا چہرہ دیکھ
خلافِ مذہبِ آناں جمالِ اِیناں بیں
اُن کے مذہب کے خلاف، اِن کا حسن دیکھ

بزیرِ دلق مُلمع کمندہا دارند
ملمع کی گدڑی کے نیچے بہت سی کمندیں رکھتے ہیں
درازدستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں
ان چھوٹی آستین والوں کی دراز دستی دیکھ

بخرمنِ دو جہاں سر فرو نمی آرند
دونوں جہان کے کھلیان کے لئے بھی، سر نہیں جھکاتے ہیں
دماغِ کبرِ گدایانِ خوشہ چیناں بیں
خوشہ چیں، فقیروں کے متکبر دماغ کو دیکھ

گرہ ز ابروئے پُرچیں نمیکشاید یار
پُرشکن ابرو سے، دوست گرہ نہیں کھولتا ہے
نیازِ اہلِ دل و نازِ نازنیناں بیں
اہلِ دل کی عاجزی اور نازنینوں کے ناز کو دیکھ

حدیثِ عہدِ محبت زکس نمی شنوم
محبت کے عہد کی بات، میں کسی سے نہیں سنتا ہوں
وفائے صحبتِ یاران و ہمنشیناں بیں
دوستوں اور ہم نشینوں کی صحبت کی وفا کو دیکھ

اسیرِ عشق شدن چارۂ خلاصِ من ست
میرے چھٹکارے کی تدبیر، عشق کا قیدی ہو جانا ہے
ضمیرِ عاقبت اندیشِ پیش بیناں بیں
دور اندیشوں کی عاقبت اندیش طبیعت کو دیکھ

غبارِ خاطرِ حافظ بَرد صیقلِ عشق
عشق کی صیقل نے حافظ کی طبیعت کے غبار کو ختم کر دیا
صفائے نیتِ پاکان و پاک دیناں بیں
پاکوں، اور پاک دین والوں کی نیت کی صفائی کو دیکھ

صبح ست ساقیا قدحے پُر شراب کن
اے ساقی! صبح ہے شراب سے ایک پیالہ بھر دے
دورِ فلک درنگ ندارد شتاب کن
آسمان کی گردش دیر نہیں کرتی ہے، جلدی کر

زاں پیشتر کہ عالمِ فانی شود خراب
اس سے پہلے کہ فنا ہونے والا عالم اُجڑے
مارا ز جامِ بادۂ گلگوں خراب کن
ہمیں سرخ شراب کے جام سے مست کر دے

خورشیدِ مے ز مشرقِ ساغر طلوع کرد
شراب کا سورج، ساغر کے مشرق سے نکل آیا ہے
گر برگِ عیش میطلبی ترکِ خواب کن
اگر عیش کا سامان چاہتا ہے، نیند کو ختم کر دے

روزیکہ چرخ از گِلِ ما کوزہا کند
جس دن آسمان، ہماری مٹی سے پیالے بنائے گا
زنہار کاسۂ سرِ ما پُر شراب کن
دیکھنا! ہمارے سر کے پیالے کو شراب سے بھر دینا

ما مردِ زہد و توبہ و طامات نیستیم
ہم زہد، اور توبہ، اور ڈینگوں کے مرد نہیں ہیں
با ما بجامِ بادۂ صافی خطاب کن
صاف شراب کے پیالے کے متعلق ہم سے بات کر

ہمچوں حباب دیدہ بروئے قدح کشائی
بلبلے کی طرح پیالے کے رُخ پر آنکھ کھول
ویں خانہ را قیاس اساس از حباب کن
اور اس گھر کو بلبلے کی بنیاد پر قیاس کر

ایامِ گل چو عمر برفتن شتاب کرد
موسمِ بہار نے، زندگی کی طرح جانے میں جلدی کی
ساقی بدورِ بادۂ گلگوں شتاب کن
اے ساقی، سرخ رنگ کی شراب کے دور میں جلدی کر

کارِ صواب بادہ پرستی ست حافظا
اے حافظ! شراب پرستی صحیح کام ہے
برخیز و روئے عزم بکارِ صواب کن
اٹھ، اور صحیح کام کی طرف ارادہ کا رخ کر

۱ آناں، سے زاہد مراد ہیں اور اِیناں، سے حسین معشوق۔
۲ یہ شعر حافظ کے مشہور شعروں میں سے ہے یعنی بظاہر نیک ہیں لیکن بڑے مکار ہیں شرع کے پابند لوگ چونکہ آستین زیادہ لمبی نہیں رکھتے تھے اس لیے ان کو کوتاہ آستین کہا ہے۔
۳ گدائے متکبر دونوں جہان کے ماحصل کی طرف بھی سر نہیں جھکاتا ہے۔
۴ زمانہ کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے پیالہ بھرنے میں جلدی کر۔
۵ عالم کے فنا ہونے سے پہلے ہمیں شراب سے مست کر دے۔
۶ مرنے کے بعد جب ہماری مٹی سے کمہار پیالے بنائے تو میرے سر کی مٹی کے پیالے میں شراب بھر دینا تاکہ مستی قائم رہے۔
۷ صراحی سے جب پیالہ میں شراب ڈالتے ہیں تو پیالے میں بلبلے پیدا ہو جاتے ہیں، دنیا کی مثال بلبلے سے زیادہ نہیں ہے۔
۸ موسم بہار عمر کی طرح جلد گذر رہا ہے لہذا شراب پلانے میں جلدی کر۔

فاتحہ چو آمدی بر سرِ خستہ بخواں
جب تو کسی خستہ کے سرہانے پہونچے، تو کچھ فاتحہ پڑھ

لب بکشا کہ میدہد لعلِ لبت بمردہ جاں
لب کشائی کر، اس لیے کہ تیرا لعل جیسا ہونٹ مرے ہوں میں جان ڈال دیتا ہے

آنکہ بپرسش آمد و فاتحہ خواند و میرود
وہ جو پرسش کے لیے آیا، اور فاتحہ پڑھی، اور جا رہا ہے

گو نفسے کہ روح را میکنم از پیش رواں
وہ سانس کہاں ہے، کہ روح کو اس کے پیچھے روانہ کر دوں!

اے کہ طبیبِ خستۂ روی و زبانِ من ببیں
اے وہ کہ تو زخمی کا طبیب ہے، میرا چہرہ اور زبان دیکھ

کیں دم و دود سینہ ام بارِ دل است بر زباں
اس لیے کہ یہ سینہ کا سانس اور دھواں زبان کیلئے بارِ دل بنا ہوا ہے

گرچہ تبِ استخوانِ من کرد ز مہر گرم و رفت
اگرچہ بخار نے میری ہڈیوں کو محبت سے گرم کر دیا اور وہ جا رہا

ہمچو تبم نمیرود آتشِ مہر از استخواں
محبت کی آگ میری ہڈیوں سے بخار کی طرح نہیں جاتی ہے

باز نشاں حرارتم ز آبِ دو دیدہ و ببیں
دو آنکھوں کے پانی سے، میری گرمی کو پھر ختم کر دے

نبضِ مرا کہ میدہد ہیچ ز زندگی نشاں
اور میری نبض کو دیکھ اگر زندگی کا کچھ پتہ دے رہی ہے؟

حالِ دلم چو خالِ تو ہست در آتش وطن
میرے دل کا حال تیرے تِل کی طرح ہے، جس کا وطن آگ ہے

جسمم از آں دو چشمِ تو خستہ شدہ است و ناتواں
میرا جسم تیری ان دو آنکھوں سے خستہ اور ناتواں ہو گیا ہے

آنکہ مدام شیشہ ام از مئے لعل دادہ است
جس نے ہمیشہ، مجھے لعل جیسی شراب کی بوتل دی ہے

شیشہ ام از چہ میبرد پیشِ طبیب ہر زماں
ہر وقت میرے قارورے کو طبیب کے سامنے کیوں لیجاتا ہے

حافظ از آبِ زندگی شعرِ تو داد شربتم
اے حافظ تیرے شعروں نے مجھے آبِ حیات کا شربت پلایا ہے

ترکِ طبیب کن بیا نسخۂ شعرِ من بخواں
طبیب کو چھوڑ، آ، اور میرے اشعار کی کتاب پڑھ

کرشمہ کن و بازارِ ساحری بشکن
ادا دکھا دے، اور جادوگری کا بازار ٹھنڈا کر دے

بغمزہ رونقِ بازارِ سامری بشکن
اور آنکھ کے اشارے سے سامری کے بازار کی رونق ختم کر دے

بباد دہ سر و دستارِ عالمے یعنی
ایک جہان کے سر اور دستار کو برباد کر دے یعنی

کلاہِ گوشہ بآئینِ دلبری بشکن
گوشہ دار ٹوپی کو معشوقانہ انداز سے ٹیڑھا کر دے

برون خرام و ببر گوئے خوبی از ہمہ کس
باہر ٹہل، اور سب سے حسن کی بازی جیت لے

سزائے حور دہ و رونقِ پری بشکن
حور کو سزا دے، اور پری کی رونق ختم کر دے

بآہوانِ نظر شیرِ آفتاب بگیر
نگاہ کے ہرنوں کے ذریعہ، آفتاب کے شیر کو پکڑ لے

بابروانِ دوتا قوسِ مشتری بشکن
دُہری ابروؤں کے ذریعہ مشتری کی کمان توڑ دے

چو عطر سائے شود زلفِ سنبل از دمِ باد
ہوا کے جھونکے سے جب سنبل کی زلف عطر چھڑکے

تو قیمتش ز سرِ زلفِ عنبری بشکن
تو اس کی قیمت عنبری زلف سے گھٹا دے

بزلف گوئی کہ آئینِ سرکشی بگذار
زلف سے کہدے کہ سرکشی کا طریقہ چھوڑ دیجے

بغمزہ گوئی کہ قلبِ ستمگری بشکن
ادا سے کہدے کہ ستمگری کے دل کو توڑ دے

چو عندلیب فصاحت فروش شد حافظ
اے حافظ جبکہ بلبل فصاحت فروش ہو گئی

تو رونقش بسخن گفتنِ دری بشکن
تو فارسی کلام کہکر، اس کی رونق گھٹا دے

لہ تیرے لعل جیسے ہونٹ میں یہ تاثیر ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے لہذا میری قبر پر آکر فاتحہ پڑھ دینا۔

ٹہ محبوب فاتحہ پڑھ کر واپس ہو رہا ہے میرے پاس اب جان نہیں ورنہ پیچھے روانہ کر دیتا۔

سہ طبیب منہ اور زبان دیکھ کر مرض کی تشخیص کرتے ہیں۔

گہ محبت کی گرمی نے بخار کی گرمی تو ختم کر دی لیکن اب اس گرمی سے شفا کی امید نہیں ہے۔

ھ معشوق کا تِل رخسار کی آگ میں ہے اور میرا دل ہجر کی آگ میں۔

لہ میرا علاج شیشۂ شراب سے متعلق ہے نہ کہ قارورہ کی شیشی سے

کہ معشوق اور اس کی ادا کے سامنے سامری اور اس کا جادو ہیچ ہے سامری شہر سامرہ کا رہنے والا وہ جادوگر ہے جس نے جادو کا بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو اس کی پوجا میں لگا دیا تھا جبکہ حضرت موسیٰ کوہِ طور پر گئے ہوئے تھے۔

ہ کج کلاہی کے ساتھ رونمائی کر سارا عالم دیوانہ بن جائے گا۔

ہ تیرے حسن کے سامنے حور اور پری ہیچ ہو جائیں گی

سنہ شیر آفتاب برج اسد کو کہا جاتا ہے بشتری ستارے کو بشکلِ انسانی ہاتھ میں کمان لیے دکھایا جاتا ہے محبوب کی آنکھوں کو ہرن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلا حافظ کے اشعار کے بالمقابل بلبل کی فصاحت

گلبرگ[1] را ز سنبلِ مُشکیں نقاب کن
پھول کی پتیوں پر مشکیں سنبل کا نقاب ڈال دے
یعنی کہ رخ بپوش و جہانے خراب کن
یعنی چہرہ چھپانے اور دنیا کو ویران کردے

بکشا بعشوہ نرگسِ مست و خراب را
ادا سے، بدمست و مخمور نرگس کو کھول دے
وز رشکِ چشمِ نرگسِ رعنا پر آب کن
اور رشک کی وجہ سے نرگس رعنا کی آنکھ کو آنسو سے بھر دے

بفشاں عرق ز چہرہ و اطرافِ باغ را
چہرے سے پسینہ چھڑک دے اور باغ کے اطراف کو
چوں شیشہائے دیدۂ ما پر گلاب کن
ہماری آنکھوں کے شیشوں کی طرح گلاب سے بھر دے

بوئے بنفشہ بشنو و زلفِ نگار گیر
بنفشہ کی خوشبو سونگھ اور معشوق کی زلف تھام
بنگر برنگِ لالہ و عزمِ شراب کن
لالہ کے رنگ کو دیکھ، اور شراب کا ارادہ کر

ز آنجا[2] کہ رسم و عادتِ عاشق کُشی تست
چونکہ تیری عادت، اور رسم عاشق کشی ہے
شمشیرِ کیں بخونِ دلِ ما خضاب کن
کینہ کی تلوار کو ہمارے دل کے خون سے رنگ لے

ما بختِ خویش و خوئے ترا آزمودہ ایم
ہم نے اپنا نصیبہ، اور تیری عادت آزمائی ہے
با دشمناں قدح کش و با ما عتاب کن
دشمنوں کے ساتھ پیالہ پی، اور ہم پر عتاب کر

حافظ وصال می طلبد از رہِ دعا
حافظ، دعا کے ذریعہ وصل چاہتا ہے
یارب دعائے خستہ دلاں مستجاب کن
اے خدا! خستہ دلوں کی دعا قبول فرما

ما سر خوشیم[3] بادۂ ما در پیالہ کن
ہم سرور میں ہیں، ہماری شراب پیالہ میں ڈال دے
بدمست را بغمزۂ ساقی حوالہ کن
مدہوش کو، ساقی کے اشارۂ چشم کے حوالے کر دے

در جامِ ماہ بادۂ چوں آفتاب ریز
چاند کے جام میں، سورج جیسی شراب ڈال دے
بر روئے روز سنبلِ مشکیں کلالہ کن
دن کے چہرے پر مشکیں زلف والی، سنبل ڈال دے

اے[4] پیرِ خانقہ بخرابات شو دمے
اے خانقاہ کے بوڑھے! تھوڑی دیر کے لیے شرابخانہ میں جا
غسلے بر آر و توبۂ ہفتاد سالہ کن
نہا، اور ستر سالہ توبہ کر

صوفی بگریہ چہرۂ مجلس بشو چو شمع
اے صوفی! شمع کی طرح گریہ سے مجلس کا چہرہ دھو
آہنگِ رقصِ ما ہمہ از آہ و نالہ کن
آہ اور نالہ کے ساتھ ہم سب کے رقص کا ساتھ دے

گر نو عروسِ[5] عشق در آید بعقدِ تو
اگر عشق کی دلہن، تیرے نکاح میں آئے
مہرِ دو کون حافظش اندر قبالہ کن
تو اے حافظ! دونوں جہانوں کا مہر اس کے قبالہ میں لکھ دے

مُرغ[6] دلم طائریست قدسیِ عرش آشیاں
میرا مرغِ دل، قدسی پرندہ ہے، جس کا آشیانہ عرش ہے
از قفسِ تن ملول سیر شدہ از جہاں
بدن کے پنجرے سے رنجیدہ، دنیا سے دل بھرا ہوا

از درِ ایں خاکداں چوں بپرد مُرغِ ما
اس خاکدان کے در سے جب ہمارا پرندہ اڑے گا
باز نشیمن کند بر سرِ آں آشیاں
اس گھونسلے میں، پھر اپنا ٹھکانا بنا دے گا

---

[1] گلبرگ سے چہرہ اور سنبلِ مشکیں سے زلفیں مراد ہیں۔
[2] چونکہ تیری عادت ہی عاشق کشی ہے لہذا مناسب ہے ہمارے خون سے تلوار رنگ لے۔
[3] سرخوش۔ وہ کہلائیگا جس کو نشہ سے صرف سرور ہو۔ بدمست، مدہوش کہلائیگا۔
[4] ستر سالہ عمر جو خانقاہ میں گذری ہے اس سے توبہ کر۔
[5] عشق کی دولت دونوں جہان خرچ کرکے حاصل ہوجائے تو بھی غنیمت ہے۔
[6] میرا دل عالم قدس کا پرندہ ہے دنیا سے تنگ آچکا ہے۔

چونؔ پرد زیں جہاں سدرہ بود جائے او | تکیہ گہ باز ما کنگرہ عرش داں
جب اس جہان سے اڑے گا، اس کی جگہ سدرہ ہوگی | ہمارے باز کے بیٹھنے کی جگہ، عرش کا کنگرہ سمجھ

سایۂ دولت فتد بر سرِ عالم بسے | گر بزند مرغِ ما بال و پرے در جہاں
دنیا کے سر پر بہت زیادہ دولت کا سایہ پڑے گا | اگر دنیا میں ہمارا پرندہ پکھ بال و پر پھیلا جائے گا

در دو جہانش مکاں نیست بجز فوقِ عرش | کانِ وے از معرفت جائے وے از لامکاں
دونوں جہان میں اس کا مکان نہیں ہے سوائے عرش کی بلندی کے | اس کی کان معرفت ہے، اس کی جگہ لامکان ہے

عالمِ علوی بود جلوہ گہِ مرغِ ما | آبخورِ او بود گلشنِ باغِ جناں
ہمارے پرند کی جلوہ گاہ، اوپر والا عالم ہے | اس کے پانی کا گھاٹ، جنتوں کے باغ کا گلشن ہے

چوں دمِ وحدتؔ زنی حافظِ شوریدہ حال
اے شوریدہ حال حافظ جبکہ تو وحدت کا دم بھرتا ہے

خامۂ توحید کش بر ورقِ انس و جاں
انسانوں اور جنوں کے ورق پر توحید کا قلم پھیر دے

منمؔ کہ شہرۂ شہرم بعشق ورزیدن | منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بد دیدن
میں وہ ہوں کہ عشق اختیار کرنے میں تمام شہر میں مشہور ہوں | میں وہ ہوں جس نے برا دیکھنے سے اپنی آنکھ کو گندہ نہیں کیا ہے

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم | کہ در طریقتِ ما کافری ست رنجیدن
ہم وفا کرتے ہیں، ملامت برداشت کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں | اس لیے کہ ہماری طریقت میں رنجیدہ ہونا کفر ہے

بمےؔ پرستی از آں نقشِ خود بر آب زدم | کہ تا خراب کند نقشِ خود پرستیدن
شراب نوشی سے میں نے اپنے آپ کو اس لیے نقش بر آب بنایا ہے | تاکہ وہ خود پرستی کے نقش کو مٹا دے

بہ پیرِ میکدہ گفتم کہ چیست راہِ نجات | بخواست جامِ مے و گفت بادہ نوشیدن
میں نے میکدہ کے پیر سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے | اس نے شراب کا جام منگایا، اور کہا شراب پینا

عناں بمیکدہ خواہیم تافت زیں مجلس | کہ وعظِ بے عملاں واجبست نشنیدن
ہم اس مجلس سے، میکدہ کی طرف باگ موڑیں گے | اس لئے کہ بے عملوں کا وعظ نہ سننا واجب ہے

مرادؔ ما ز تماشائے باغِ عالم چیست | بدستِ مردمِ چشم از رخِ تو گل چیدن
دنیا کے باغ کی سیر سے، ہمارا کیا مقصد ہے؟ | آنکھوں کی پتلیوں کے ذریعہ تیرے رخسار سے پھول چننا

برحمتؔ سرِ زلفِ تو واثقم ورنہ | کشش نبود چو زاں سو چہ سود کوشیدن
میں تیری زلف کے کرم سے واقف ہوں ورنہ | جب ادھر سے کشش نہ ہو کوشش کرنے سے کیا فائدہ ہے

ز خطِ یارؔ بیاموز مہر با رخ خوب | کہ گرد عارضِ خوباں خوش ست گردیدن
حسین رخ کی محبت، یار کے خط سے سیکھ لے | حسینوں کے رخسار کے گرد چکر کاٹنا بہت خوب ہے

مبوسؔ جز لبِ معشوق و جامِ مے حافظ
اے حافظ معشوق کے ہونٹ اور شراب کے جام کے سوا کسی کا بوسہ نہ لے

کہ دستِ زہد فروشاں خطاست بوسیدن
اس لیے کہ زہد فروشوں کا ہاتھ چومنا غلطی ہے

۱؎ عالمِ بالا میں عرش کے کنگرے پر اپنا آشیانہ بنائے گا۔

۲؎ خود کو ہما قرار دیا ہے جس کا سایہ پڑ جانے سے سلطنت حاصل ہوتی ہے۔

۳؎ شعر
[illegible]

۴؎ میری آنکھ نے صرف لوگوں کی بھلائی کو دیکھا ہے کسی کی برائی کا میں کبھی جویاں نہیں ہوا ہوں۔

۵؎ شراب کی مستی کے ذریعہ میں اپنی خودی کو فنا کرتا ہوں۔

۶؎ میں دنیا کی ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

۷؎ شعر
این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نبخشد خدائے بخشندہ

۸؎ معشوق کا سبز خط معشوق کے رخسار کا عاشق ہے۔

۹؎ زہد فروشوں کی دست بوسی گناہ ہے، معشوق اور جام کی لب بوسی چاہیئے۔

میسوزم از فراقت رُو از جفا بگرداں
میں تیرے فراق سے جل رہا ہوں، ظلم سے رخ پھیرلے

ہجراں بلائے ما شد یارب بلا بگرداں
ہجر ہمارے لیے بلا ہے، اے خدا! بلا کو پھیر دے

مہ[1] جلوہ مینماید بر سبز خنگِ گردوں
چاند، آسمان کے سبز گھوڑے پر جلوہ نمائی کر رہا ہے

تا او بسر در آید بر رخش پا بگرداں
گھوڑے پر سوار ہو تاکہ وہ اوندھا گرے

یغمائے[2] عقل و دیں را بیروں خرام سرمست
عقل اور دین کی لوٹ مار کے لیے مست ہوکر باہر نکل

بر سر کلاہ بشکن در بر قبا بگرداں
سر پر ٹوپی ٹیڑھی کرلے، بدن پر قبا چست کرلے

مرغولہ را بگرداں یعنی برغمِ سنبل
بل دار زلفوں کو گھمادے، یعنی سنبل کی ذلت کے لئے

گردِ چمن بخورے ہمچوں صبا بگرداں
چمن کے چاروں طرف صبا کی طرح ایک دھونی دیدے

اے نورِ چشمِ مستاں در عینِ انتظارم
اے مستوں کے نور چشم میں عینِ انتظار میں ہوں

چنگِ[3] حزین و جامے بنواز یا بگرداں
غمگین چنگ کو نواز، یا جام کو گردش میں لا

دوراں[4] چو مینویسد بر عارضِ بتاں خط
زمانہ چونکہ معشوقوں کے رخسار پر خط لکھتا ہے

یارب نوشتۂ بد از یارِ ما بگرداں
اے خدا! بری لکھائی کو ہمارے یار سے پھیر دے

حافظ ز خوبرویاں قسمت جز اینقدر نیست
اے حافظ حسینوں سے، تیری تقدیر میں اسکے سوا کچھ نہیں ہے

گر نیستت رضائے حکمِ قضا بگرداں
اگر تیری رضا مندی نہیں ہے، تقدیر کا حکم لوٹا دے

نکتۂ[5] دلکش بگویم خالِ آں مہرو ببیں
میں تجھ سے ایک دلکش نکتہ کہتا ہوں اس چاند جیسے چہرے والے کا تل دیکھ

عقل و جاں را بستۂ زنجیرِ آں گیسو ببیں
عقل اور جان کو اس گیسو کی زنجیر میں بندھا ہوا دیکھ

عیبِ دل[6] کردم کہ وحشی طبع و ہرجائی مباش
میں نے دل پر عیب لگایا کہ وحشی طبع اور ہرجائی نہ بن

گفت چشمِ نیم مست و غنج آں آہو ببیں
اس نے کہا، اس ہرن کی نیم مست آنکھ اور ادا کو دیکھ

عاشقانِ[7] آفتاب از دلبرِ ما غافل اند
سورج کے عاشق، ہمارے معشوق سے بے خبر ہیں

اے نصیحت گو خدا را رُو مبیں و رُو ببیں
اے نصیحت گر! خدا کیلئے طرفداری نہ کر اور، چہرہ دیکھ

لرزہ بر اعضائے مہر از رشکِ آں مہرو نگر
سورج کے اعضاء پر اس مہرو کے رشک سے لرزہ دیکھ

نافہ را خوں در جگر زاں زلفِ عنبر بو ببیں
نافہ کے جگر میں اس عنبر کی سی خوشبو والی زلف سے، خون دیکھ

حلقۂ[8] زلفش تماشا خانۂ بادِ صبا ست
اس کی زلف کا حلقہ، بادِ صبا کی تماشا گاہ ہے

جانِ صد صاحبدل آنجا بستۂ یکمو ببیں
سو صاحبدلوں کی جان اس جگہ ایک بال میں بندھی ہوئی دیکھ

زلفِ دلبندش صبا را بند در گردن نہد
اس کی دلبند زلف، صبا کی گردن میں پھندا ڈالتی ہے

با ہوادارانِ رہرو حیلۂ ہندو ببیں
عاشق، مسافروں کے ساتھ چور کا داؤ دیکھ

آنکہ من در جستجویش از خرد بیروں شدم
وہ جس کی تلاش میں، میں عقل سے بیگانہ ہو گیا

کس ندیدست و نہ بیند مثلش از ہر سو ببیں
اُس جیسا کسی نے نہیں دیکھا اور، نہ دیکھے گا، ہر طرف دیکھ

از مرادِ شاہِ منصور[9] اے فلک رخ بر متاب
اے آسمان! شاہ منصور کی مراد سے روگردانی نہ کر

تیزیِ شمشیر بنگر نیروئے بازو ببیں
تلوار کی تیزی دیکھ، بازو کی قوت دیکھ

---

[1] چاند نیلگوں آسمان پہ سوار ہو کر رونمائی کر رہا ہے، تو اپنا چہرہ دکھا دے وہ اوندھا ہو کر گر جائیگا۔

[2] محبوب جب چست قبا پہنکر اور ٹیڑھی ٹوپی اوڑھ کر نکلتا ہے تو دین اور عقل پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔

[3] چونکہ چنگ کبڑی ہوتی ہے اور اس سے نالہ نکلتا ہے اس لیے اس کو غمگین قرار دیا جاتا ہے۔

[4] معشوق کا خطِ رخسار گویا ایک نوشتۂ بد ہے، خدا ہمارے محبوب کو اس سے بچائے۔

[5] نکتۂ دلکش یہی ہے کہ محبوب کے تل کو دیکھ۔

[6] لہٰذا ان آنکھوں اور ادا کو دیکھ کر کون وحشی اور ہرجائی نہ بنیگا۔

[7] آفتاب پرست اگر میرے معشوق کا چہرہ دیکھ لیں تو آفتاب پرستی چھوڑ دیں۔

[8] بادِ صبا جو زلف کو چھیڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سینکڑوں دلوں کو پھنسا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔

[9] اے آسمان منصور بادشاہ کی مراد کو پورا کردے ورنہ اس کی تلوار اور قوت کے مقابلہ میں تو کچھ نہیں ہے۔

حافظ ار در گوشۂ محراب ِ او نالد رواست
اگر حافظ اس کی محراب کے گوشے میں نالہ کرتا ہے تو درست ہے
اے نصیحت گو خدارا آں خم ِ ابرو ببیں
اے نصیحت گر! خدا کے لیے ابرو کے اس خم کو دیکھ

[1]

یارب آں آہوئے مشکیں بختن باز رساں
اے خدا! اس مشکین ہرن کو، ختن میں واپس پہونچا
واں سہی سرو ِ رواں را بچمن باز رساں
اور اس دراز قد، سرو ِ رواں کو چمن میں واپس پہونچا

دل ِ آزردۂ ما را بہ نسیمے بنواز
ہمارے آزردہ دل کو، ایک نسیم سے نواز
یعنی آں جان ِ زتن رفتہ بتن باز رساں
یعنی اس جسم سے نکلی ہوئی جان کو جسم میں واپس پہونچا

ماہ[2] و خورشید بامر ِ تو بمنزل چو رسند
جبکہ تیرے حکم سے چاند اور سورج منزل تک پہونچتے ہیں
یار ِ مہ روئے مرا نیز بمن باز رساں
میرے چاند جیسے چہرے والے معشوق کو بھی مجھ تک واپس پہونچا

سخن[3] ایں است کہ ما بے تو نخواہیم حیات
بات یہ ہے کہ ہم تیرے بغیر زندگی کے خواہاں نہیں ہیں
بشنو اے پیک ِ سخن گیر و سخن باز رساں
اے بات لینے والے، قاصد سن، اور پھر جواب پہونچا

سنگ[4] و گل گشت عقیق از اثر ِ گریۂ من
میرے رونے کے اثر سے، پتھر، اور مٹی عقیق بن گئے
یارب آں گوہر ِ رخشاں بیمن باز رساں
اے خدا! اس چمکدار گوہر کو یمن میں واپس پہونچا

برو اے طائر ِ میمون ِ ہمایوں طلعت
اے مبترک، اور بابرکت چہرے والے پرندے جا
پیش ِ عنقا سخن از زاغ و زغن باز رساں
عنقا کے پاس، کوّے اور چیل کی بات پھر پہونچا

آنکہ[5] بودے وطنش دیدۂ حافظ یارب
جس کا وطن حافظ کی آنکھ تھی، اے خدا!
بمرادش زغریبی بوطن باز رساں
اس کو بامراد، سفر سے وطن میں واپس پہونچا

ردیف ِ واؤ

اے آفتاب آئینہ دار ِ جمال ِ تو
اے وہ کہ آفتاب، تیرے جمال کا آئینہ دار ہے
مشک ِ سیاہ مجمرہ[6] گردان ِ خال ِ تو
سیاہ مشک، تیرے تل کو دھونی دینے والا ہے

اے نوبہار ِ ما رخ ِ فرخندہ فال ِ تو
اے کہ! ہماری نوبہار تیرا مبارک فال والا چہرہ ہے
مشروح کارنامۂ خوبی جمال ِ تو
تیرا جمال، حسن کے کارنامہ کی شرح ہے

صحن[7] سرائے دیدہ بشستم ولے چہ سود
میں نے آنکھوں کا صحن سرائے دھو لیا لیکن کیا فائدہ
کایں گوشہ نیست درخور ِ خیل ِ خیال ِ تو
جبکہ یہ گوشہ تیرے خیال کے لشکر کے مناسب نہیں ہے

مطبوع تر ز روئے تو صورت نبست ہیچ
تیرے چہرے سے زیادہ پسندیدہ، کوئی صورت نہیں بنائی
طغرانویس ِ ابروئے مشکیں مثال ِ تو
تیرے، مشکین مثال ابرو کے طغرا نویس نے

در اوج ِ ناز و نعمتی اے پادشاہ ِ حسن
اے حسن کے بادشاہ تو ناز و نعمت کی بلندی پر ہے
یارب مباد تا بقیامت زوال ِ تو
خدا کرے، قیامت تک تیرا زوال نہ ہو

---

[1] یہ غزل خواجہ صاحب نے کسی دوست کے سفر میں چلے جانے پر کہی ہے۔
[2] خدا کے حکم سے چاند اور سورج بھی اپنی منزل میں پہونچتے ہیں معشوق کو بھی وہی واپس پہونچائے گا۔
[3] یہ محبوب کے لیے پیغام ہے۔
[4] عقیق یعنی میرے سُرخ آنسوؤں سے پیدا ہوا ہے۔
[5] وہ دوست میری آنکھوں میں رہتا تھا
[6] مجمرہ: انگیٹھی مجمرہ گردان: دھونی دینے والا۔
[7] تجھے فروکش کرنے کیلئے میں نے اپنی آنکھیں دھوئیں لیکن وہ اس قابل کہاں کہ اس میں تیری تصویر فروکش ہو۔

تا پیشوائے بختِ روم تہنیت کناں — کو مژدۂ زمقدمِ عیدِ وصالِ تو
تاکہ نصیب کی پیشوائی میں مبارکباد دیتا ہوا جاؤں — تیرے وصال کی عید کے آنے کی خوشخبری کہاں ہے؟

تا آسماں زحلقہ بگوشانِ ما شود — کو عشوۂ زابروئے ہمچوں ہلالِ تو
تاکہ آسمان ہمارے حلقہ بگوشوں میں ہو جائے — تیرے، ہلال جیسے ابروؤں کی ادا کہاں ہے؟

در چینِ زلفش اے دلِ مسکیں چگونۂ — کآشفتہ گفت بادِ صبا شرحِ حالِ تو
اے مسکین دل! تو اس کی زلف کے پیچ میں کیسا ہے — کہ بادِ صبا نے تیرے حال کی تفصیل پریشان بتائی

برخاست بوئے گل زدرِ آشتی درآئی — اے نوبہارِ ما رخِ فرخندہ فالِ تو
پھول کی خوشبو مہک گئی ہے، صلح کے راستے سے آجا — اے کہ! تیرا مبارک فال والا چہرہ، ہماری نوبہار ہے

در صدرِ خواجہ عرضِ کدامیں جفا کنم — شرحِ نیازمندیِ دل یا ملالِ تو
خواجہ کے دربار میں کون کونسی جفا بیان کروں؟ — دل کی نیازمندی کی شرح، یا تیرا رنجیدہ ہونا

آں نقطۂ سیاہ کہ آمد مدارِ نور — عکسیست در حدیقۂ بینش زخالِ تو
وہ کالا نقطہ، جو نور کا مدار ہے — تیرے تل کا ایک عکس ہے، آنکھ کے باغ میں

حافظ دریں کمند سرِ سرکشاں بسے ست
اے حافظ! اس کمند میں بہت سے سرکشوں کے سر ہیں

سودائے کج مپز کہ نباشد مجالِ تو
بیہودہ خیال نہ پکا، کہ تیری طاقت نہیں ہے

اے پیکِ راستاں خبرِ سروِ ما بگو — احوالِ گل بہ بلبلِ دستاں سرا بگو
اے سچوں کے قاصد! ہمارے سرو کی خبر بتا — پھول کے احوال، داستان گو بلبل کو بتا

ما محرمانِ خلوتِ انسیم غم مخور — با یارِ آشنا سخنِ آشنا بگو
ہم محبت کی خلوت کے محرم ہیں، غم نہ کھا — آشنا کی باتیں، آشنا دوست سے کہہ

دلہا زدامِ طرہ چو بر خاک می فشاند — باآں غریبِ ما چہ گذشت اے صبا بگو
زلف کے جال سے جب وہ دلوں کو خاک پر جھاڑ رہا تھا — اے صبا! بتا، ہمارے مسافر پر کیا گزری؟

پُر چیں چو میشد آں سرِ زلفینِ مشکبار — با ما سرِ چہ داشت زبہرِ خدا بگو
جب وہ دونوں مشکیں زلفیں، پُرشکن بنی تھیں — اس کا ہمارے بارے میں کیا خیال ہوتا تھا، خدا کیلئے بتا

گر دیگرت برآں درِ دولت گذر فتد — بعد از ادائے خدمت و عرضِ دعا بگو
اگر تیرا، دوبارہ اس درِ دولت پر گذر ہو — آداب بجا لانے، اور دعا کے بعد کہنا ق

ہر کس کہ گفت خاکِ درِ دوست توتیاست — گو ایں سخن معائنہ در چشمِ ما بگو
جس نے یہ کہا ہے کہ دوست کے دروازے کی خاک توتیا ہے — کہد و کہ یہ بات علانیہ ہماری آنکھوں کے سامنے کہے

مرغِ چمن بمویۂ من دوش میگریست — آخر تو واقفی کہ چہ رفت اے صبا بگو
بلبل، کل میری آہ وزاری پر رو رہی تھی — اے صبا! تو جانتی ہے، بتا نتیجہ کیا ہوا؟

در راہِ عشق فرقِ غنی و فقیر نیست — اے پادشاہِ حُسن سخن با گدا بگو
عشق کی راہ میں، مالدار اور فقیر کا فرق نہیں ہے — اے حسن کے بادشاہ! فقیر سے بات کر

۱ے تیرے وصال کا مژدہ ملجائے تو میں اپنے نصیب کی پیشوائی میں مبارکباد پیش کرتا ہوا جاؤں۔

۲ے آسمان اپنے چاند پر فخر کر رہا ہے تو اپنا ہلالی ابرو دکھادے تاکہ وہ سمجھ لے کہ جو چیز ہمیں حاصل ہے یعنی ابرو وہ اس کو میسر نہیں ہے۔

۳ے موسم بہار آگیا ہے اس میں تیری ناراضی کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

۴ے ہماری آنکھ کی پتلی کا کالا نقطہ تیرے تل کا عکس ہے۔

۵ے اس کمند سے خلاصی کا خیال پاگل پن ہے۔

۶ے شعر [illegible]

۷ے اس کی بات کرے کہ ہماری آنکھ دلیل ہے اس کی خاک نے ہماری آنکھوں میں توتیا کا کام کیا ہے۔

آں مے کہ در سبو دلِ صوفی بعشوہ بُرد
وہ شراب جو صراحی میں ہوتے ہوئے اداسے صوفی کا دل لے گئی
کے در قدح کرشمہ کند ساقیا بگو
اے ساقی بتا وہ پیالہ میں کب ناز دکھائے گی؟

آنکس کہ منعِ ما ز خرابات می کند
جو شخص ہمیں خرابات سے روکتا ہے
گو در حضورِ پیرِ[۱] من ایں ماجرا بگو
اس سے کہدے کہ میرے پیر کی موجودگی میں یہ بات کہے

جاں[۲] پرورست قصۂ اربابِ معرفت
معرفت والوں کا قصہ، جان پرور ہے
رمزے از و بپرس و حدیثے بما بگو
اس کا کوئی نکتہ معلوم کر، اور ہم سے کوئی بات کہہ

ہر چند ما بدیم تو مارا بداں مگیر
اگرچہ ہم برے ہیں، لیکن اس پر ہماری گرفت نہ کر
شاہانہ[۳] ماجرائے گناہِ گدا بگو
شاہانہ انداز پر، فقیر کے قصور کا ذکر کر

برایں فقیر نامۂ آں محتشم بخواں
اس فقیر کے سامنے، اس باحشمت کا خط پڑھ
باایں گدا حکایتِ آں پادشا بگو
اس فقیر سے، اس بادشاہ کا قصہ بیان کر

حافظ گرت بمجلسِ او راہ مید ہند
اے حافظ! اگر تجھے اس کی محفل میں جانے دیں
مے نوش و ترکِ زرق برائے خدا بگو
شراب نوشی کر، اور خدا کے لیے مکاری چھوڑ دے

اے[۴] خونبہائے نافۂ چیں خاکِ راہِ تو
اے وہ کہ تیرے راستہ کی خاک، چین کے نافہ کا خون بہا ہے
خورشید سایہ پرورِ طرفِ کلاہِ تو
سورج، تیری ٹوپی کے گوشہ کے سایہ کا پروردہ ہے

نرگس کرشمہ میبرد از حد بروں خرام
نرگس حد سے زیادہ ادائیں دکھا رہی ہے، باہر ٹہل
اے جاں فدائے شیوۂ چشمِ سیاہِ تو
اے وہ کہ جان، تیری کالی آنکھ کی ادا پر قربان ہے

خونم بخور[۵] کہ ہیچ ملک باچنیں جمال
میرا خون پی لے، اس لیے کہ ایسے حسن کے ہوتے ہوئے کوئی فرشتہ
از دل نیایدش کہ نویسد گناہِ تو
دل سے اس پر راضی نہ ہوگا، کہ تیرا گناہ لکھے

آرام و خوابِ خلقِ جہاں را سبب توئی
مخلوق کے آرام، اور نیند کا تو ہی سبب ہے
زاں شد کنارِ دیدہ و دل تکیہ گاہِ تو
اسی لیے آنکھ، اور دل کی گود، تیری تکیہ گاہ ہے

با ہر[۶] ستارۂ سرو کارست ہر شبم
مجھے ہر رات میں، ہر ستارہ سے سروکار ہے
از حسرتِ فروغِ رخِ ہمچو ماہِ تو
تیرے چاند جیسے چہرہ کے نور کی حسرت کی وجہ سے

یارانِ ہمنشیں ہمہ از ہم جدا شدند
ہمنشیں دوست، سب ایک دوسرے سے جدا ہوگئے
ماییم و آستانۂ دولت پناہِ تو
ہم ہیں اور تیرا دولت پناہ آستانہ

یارِ بداں مباش کہ مانند بختِ نیک
بروں کا دوست نہ بن، تاکہ اچھے نصیبہ کی طرح
یارِ تو باد ہر کہ بود نیک خواہِ تو
تیرا وہی دوست ہو، جو تیرا نیک خواہ ہو

فردائے[۷] روزِ حشر کہ عرضِ خلائق ست
کل حشر کے دن، جبکہ مخلوق کی پیشی ہے
باشد در آں میاں بمن افتد نگاہِ تو
شاید ایسا ہو کہ اس درمیان میں، تیری نگاہ مجھ پر پڑ جائے

حافظ طمع مبُر ز عنایت کہ عاقبت
اے حافظ! مہربانی سے، امید قطع نہ کر اس لئے کہ انجام کار
آتش زند بخرمنِ غم دودِ آہِ تو
تیری آہ کا دھواں غم کے کھلیان میں آگ لگا دے گا

[۱] ہمارے پیر کے پاس پہونچے گا تو اس کی کرامت سے خود بھی خراباتی بن جائے گا۔
[۲] معرفت والوں سے معرفت کے رموز دریافت کرکے ہمیں بتا۔
[۳] بادشاہ گدا کی باتوں پر گرفت نہیں کرتے ہیں، تو بھی ہمارے ساتھ یہی معاملہ کر۔
[۴] تیرے راستہ کی خاک اور چین کے نافے کی ایک قیمت ہے، خون بہا، خون کا بدلہ،
[۵] چونکہ فرشتے بھی تیرے حسن پر فریفتہ ہیں لہذا تیرا گناہ نہ لکھیں گے۔
[۶] شب بیداری اور اختر شماری کرتا ہوں۔
[۷] اگر محبوب کی نظر قیامت کے دن مجھ پر پڑ جائے تو سب مصیبتیں حل ہو جائینگی

اے قبائے پادشاہی راست بر بالائے تو
اے وہ کہ بادشاہی قبا تیرے قد پر موزوں ہے
زینتِ[۱] تاج و نگیں از گوہرِ والائے تو
تاج اور مہر کی رونق تیرے بلند جوہر سے ہے

آفتابِ[۲] فتح را ہر دم طلوعے میدہد
فتحمندی کے سورج کو ہر وقت ایک طلوع بخشتا ہے
از کلاہِ خسروی رخسارِ مہ سیمائے تو
تیرا چاند جیسا رخسار، شاہی تاج سے

جلوہ[۳] گاہِ طائرِ اقبال گردد ہر کجا
اقبال کے پرندکی جلوہ گاہ بنجاتی ہے، وہ جگہ
سایہ انداز د ہمائے چترِ گردوں سائے تو
جہاں تیرا آسمان سے لگنے والے چتر کا ہما سایہ ڈال دے

از[۴] رسوم شرع و حکمت با ہزاراں اختلاف
ہزاروں اختلاف کے باوجود، شرع اور دانائی کے طریقوں کا
نکتۂ ہرگز نشد فوت از دلِ دانائے تو
ایک نکتہ بھی، تیرے دانا دل سے نہیں چھوٹا ہے

آبِ[۵] حیوانش ز منقارِ بلاغت میچکد
اس کی بلاغت کی چونچ، سے آب حیات ٹپکتا ہے
طوطیِ خوش لہجہ یعنی کلکِ شکر خائے تو
خوش لہجہ طوطی، یعنی تیرے شکر چبانیوالے قلم سے

گرچہ خورشیدِ فلک چشم و چراغِ عالم ست
اگرچہ آسمان کا سورج، دنیا کا چشم و چراغ ہے
روشنائی بخشِ چشم اوست خاکِ پائے تو
تیرے پیر کی خاک اس کی آنکھ کو روشنی بخشنے والی ہے

آنچہ[۶] اسکندر طلب کرد و ندادش روزگار
جو چیز سکندر نے چاہی، اور زمانہ نے اس کو نہ دی
جرعۂ بود از زُلالِ جامِ جاں افزائے تو
وہ تیرے جان کو بڑھانے والے جام کے زلال کا ایک گھونٹ تھا

عرضِ حاجت در حریمِ حرمتت محتاج نیست
تیری حرمت کے احاطہ میں، حاجت پیش کرنیکی ضرورت نہیں ہے
رازِ کس مخفی نماند بر فروغِ رائے تو
تیری رائے کے نور پر کسی کا راز چھپا ہوا نہیں رہتا ہے

خسروا پیرانہ سر حافظ جوانی میکند
اے بادشاہ! بڑھاپے میں حافظ جوانی کرتا ہے
بر امید عفوِ جاں بخش گنہ فرسائے تو
تیری جان بخشنے والی، گناہ کو مٹا دینے والی معافی کی امید پر

اے[۷] در چمنِ خوبی رویت چو گلِ خودرو
اے وہ کہ، حسن کے چمن میں تیرا چہرہ خودرو پھول کی طرح ہے
چینِ شکنِ زلفت چوں نافۂ چیں خوشبو
تیری زلف کی شکن کے پیچ، چین کے نافہ کی طرح خوشبودار ہیں

ماہ[۸] است رخت یا روز مشک است خطت یا شب
تیرا چہرہ چاند ہے یا دن، تیرا خط مشک ہے یا رات
سیم است برت یا عاج سنگ است دلت یا رو
تیرا جسم چاندی ہے یا ہاتھی دانت، تیرا دل پتھر ہے یا کانسی

لعلت بدرِ دنداں بشکست لبِ پستہ
تیرے ہونٹوں نے دانتوں کے موتیوں کے ذریعہ پستہ کے ہونٹ کو شکست دیدی ہے
زلفت بخمِ چوگاں بر بود دلم چوں گو
تیری زلفیں بلے کے موڑ کے ذریعہ میرے دل کو گیند کی طرح لے گئیں

آں رائحۂ زلفت یا لخلخۂ[۹] عنبر
وہ زلف کی خوشبو ہے، یا عنبر کا لخلخہ
یا غالیہ میساید در باغچۂ حُسنِ او
یا وہ زلف اس کے حسن کے باغ میں غالیہ کو رگڑ رہی ہے

گفتی سخنِ خود را با یار بباید گفت
تو نے کہا، اپنی بات دوست سے کہنی چاہیے
اے کاش توانستم گفتن سخنے با او
اے کاش! میں کوئی بات اس سے کہہ سکتا

بدگوئے تو آں باشد کز یار کند منعت
تیرا بدگو، وہ ہوگا جو تجھے دوست سے روکے
گر یار نکو باشد مشنو سخنِ بدگو
اگر دوست اچھا ہو، تو بدگو کی بات نہ سن

---

۱ تاج اور نگین کی رونق تیری ذات سے ہے۔
۲ رخسار کو آفتاب اور کلاہِ خسروی کو مطلع قرار دیا ہے۔
۳ چتر شاہی کو ہما قرار دیا ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ جس پر اس کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔
۴ شریعت اور حکمت کے مسئلوں میں اگرچہ بہت سے اختلافات ہیں لیکن اس کی نظر ہر پہلو پر ہے۔
۵ قلم کو طوطی سے تشبیہ دی ہے اور مضامین کو آب حیات قرار دیا ہے۔
۶ سکندر جس آب حیات کی طلب میں مارا مارا پھرا وہ تیرے جام کا ایک گھونٹ ہے۔
۷ چہرہ کو خودرو پھول سے تشبیہ دی ہے اور زلف کی خوشبو کو چین کے نافہ سے۔
۸ چہرہ کو چاند اور دن سے، خط کو مشک اور رات سے، بدن کو چاندی اور ہاتھی دانت سے، دل کو پتھر اور کانسی سے تشبیہ دی ہے۔
۹ لخلخہ اس مرکب کو کہا جاتا ہے جو سونگھنے کے لیے چند خوشبوؤں سے بنایا جاتا ہے۔

باما بہ ازیں میباش تا راز نگردد فاش
ہمارے ساتھ تو اس سے اچھا معاملہ کرتا کہ راز نہ کھلے

نبود بد اگر باشی با دل شدگاں نیکو
اگر عاشقوں کے ساتھ تو بھلائی کریگا، تو کوئی برائی نہ ہوگی

استادِ غزل سعدی ست پیشِ ہمہ کس اَمّا
سب کی نظر میں، سعدی غزل کا استاد ہے لیکن

دارد سخنِ حافظ طرزِ سخنِ خاجو
حافظ کا کلام، خاجو کے کلام کا انداز رکھتا ہے

بجانِ پیرِ خرابات و حقِ صحبتِ او
پیرِ خرابات کی جان، اور اس کے حق صحبت کی قسم

کہ نیست در سرِ من جز ہوائے خدمتِ او
کہ میرے سر میں اس کی خدمت کی خواہش کے سوا کچھ نہیں ہے

بہشت اگرچہ نہ جائے گناہگاران ست
بہشت، اگرچہ گنہگاروں کی جگہ نہیں ہے

بیار بادہ کہ مستظہرم برحمتِ او
شراب لا، اس لیے کہ مجھے اس کی رحمت پر بھروسہ ہے

چراغِ صاعقۂ آں شراب روشن باد
خدا کرے اس شراب کی بجلی کا چراغ روشن رہے

کہ زد بخرمنِ من آتشِ محبّتِ او
جس نے اس کی محبت کی آگ میرے کھلیان میں لگادی ہے

برآستانۂ میخانہ گر سرے بینی
اگر میخانہ کی چوکھٹ پر، تو کوئی سر دیکھے

مزن بپائے کہ معلوم نیست نیّتِ او
اس کو ٹھوکر نہ مار، اس لیے کہ اسکی نیت معلوم نہیں ہے

بیار بادہ کہ دوشم سروشِ عالمِ غیب
شراب لا، اس لیے کہ کل مجھکو عالمِ غیب کے فرشتے نے

نوید داد کہ عام ست فیضِ رحمتِ او
خوشخبری دی ہے، کہ اس کی رحمت کا فیض عام ہے

مکن بچشمِ حقارت نگاہ برمنِ مست
مجھ مست پر، حقارت سے نگاہ نہ ڈال

کہ نیست معصیت و زہد بے مشیّتِ او
اس لیے کہ کوئی گناہ اور زہد اس کی منشاء کے بغیر نہیں ہے

نمیکند دلِ من میلِ زہد و توبہ ولے
میرا دل، زہد اور توبہ کی طرف میلان نہیں کرتا ہے لیکن

بنامِ خواجہ بکوشم و فرِّ دولتِ او
خواجہ اور اس کی دولت کے دبدبہ کے نام پر کوشش کرتا ہوں

دلا طمع مبر از لطفِ بے نہایتِ دوست
اے دل! دوست کی لا انتہا مہربانی سے امید نہ توڑ

کہ نیست جز کرم و رحم خلق رغبتِ او
اس لیے کہ مخلوق پر رحم و کرم کے سوا اسکو کسی چیز کی رغبت نہیں

مدام خرقۂ حافظ ببادہ در گروست
حافظ کی گدڑی، ہمیشہ شراب میں گروی ہے

مگر ز خاکِ خرابات بود فطرتِ او
شاید، شراب خانہ کی خاک سے اس کی پیدائش تھی

تابِ بنفشہ میدہد طرۂ مشکسائے تو
تیری مشکبار زلف، بنفشہ کو بل دے رہی ہے

پردۂ غنچہ میدرد خندۂ دلکشائے تو
تیری دلکشا مسکراہٹ، غنچہ کی پردہ دری کر رہی ہے

اے گلِ خوش نسیمِ من بلبلِ خویش را مسوز
اے میرے خوشبو دار پھول! اپنی بلبل کو نہ جلا

کز سرِ صدق میکند شب ہمہ شب دعائے تو
اسلیے کہ وہ سچائی کے ساتھ پوری پوری رات تجھے دعا دیتی ہے

دشمن و دوست گو بگو ہر غرضے کہ ممکن ست
دشمن اور دوست سے کہدے کہ جو اس کا جی چاہے کہے

جورِ ہمہ جہانیاں میکشم از برائے تو
میں تیری خاطر، تمام دنیا والوں کا ظلم برداشت کرتا ہوں

۱؎ اگر ہم سے بہتر سلوک نہ کرے گا ہماری آہ وزاری عشق کا راز فاش کردیگی۔
۲؎ خاجو فارسی کے مشہور شاعر ہیں خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگرچہ تمام شعراء نے سعدی کو غزل کا استاد مانا ہے۔ لیکن ہمیں خاجو کا طرز پسند ہے۔
۳؎ ممکن ہے وہ خودی مٹاتے اس جگہ آیا ہو۔
۴؎ چونکہ نیکی اور بدی سب اللہ کے اختیار سے ہے لہذا میری بدی کو برا کہنا اللہ کی مشیت کی برائی کرنا ہے۔
۵؎ بنفشہ میں بل اس کی زلف سے آتے ہیں اس کی مسکراہٹ غنچہ کی مسکراہٹ کو شرماتی ہے۔
۶؎ بلبل کو نہ جلا وہ تیری دعا گو ہے
۷؎ مجھے اب دوست دشمن کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں ہے۔

خرقۂ زہد و جامِ مے گرچہ نہ درخورِ من ست
زہد کی گدڑی اور شراب کا جام، اگرچہ میرے لائق نہیں ہے
اینہمہ نقش میزنم در طلبِ وفائے تو
تیری وفا کی طلب میں، میں یہ سب نقشے بنا رہا ہوں

شورِ شراب و سوزِ عشق آں نفسم رود زیاد[1]
شراب کا شور اور عشق کی سوزش میں اس وقت بھولوں گا
کایں سرِ پُر ہوس شود خاکِ درِ سرائے تو
جب یہ تمناؤں بھرا سر، تیرے گھر کے در کی خاک بن جائیگا

منکہ ملول گشتمے از نفسِ فرشتگاں[2]
میں، جو کہ فرشتوں کے سانس سے بھی رنجیدہ ہوتا تھا
قال و مقالِ عالمے میکشم از برائے تو
تیرے لئے ایک دنیا کی باتیں برداشت کر رہا ہوں

مہرِ رخت سرشتِ من خاکِ درت بہشتِ من
تیرے رخ کی محبت میری سرشت ہے، تیرے در کی خاک میری بہشت ہے
عشقِ تو سرنوشتِ من راحتِ من رضائے تو
تیرا عشق میرا نوشتۂ تقدیر ہے، میری راحت تیری رضامندی ہے

دلقِ گدائے عشق را گنج بود در آستیں[3]
عشق کے بھکاری کی گدڑی کی آستین میں خزانہ ہوتا ہے
زود بسلطنت رسد ہر کہ بود گدائے تو
سلطنت پر جلد پہونچ جائے گا، جو تیرا بھکاری ہوگا

دولتِ عشق بیں کہ چوں از سرِ فخر و احتشام
عشق کی دولت کو دیکھ، کہ فخر و عزت کی وجہ سے کس طرح
گوشۂ تاجِ سلطنت میشکند گدائے تو
تیرا بھکاری سلطنت کے تاج کے گوشے کو خم دیتا ہے

شاہ نشینِ چشمِ من تکیہ گہِ خیالِ تست[4]
میری آنکھ کا شاہ نشین، تیرے خیال کی آرامگاہ ہے
جائے دعاست شاہِ من بیتو مباد جائے تو
اے میرے شاہ! دعا کا موقع ہے، خدا کرے تیری جگہ تیرے بغیر نہ ہے

خوش چمنے ست عارضت خاصہ کہ در بہارِ حسن
تیرا رخسار حسین چمن ہے، خصوصاً جبکہ حسن کی بہار میں
حافظِ خوش کلام شد مرغِ سخن سرائے تو
خوش کلام حافظ تیرا چہکنے والا پرند بن گیا ہے

خطِ عذارِ یار کہ بگرفت ماہ ازو[5]
یار کے رخسار کا وہ خط، جس سے چاند رنجیدہ ہے
خوش حلقہ ایست لیک بدر نیست راہ ازو
پیارا حلقہ ہے لیکن اس سے نکلنے کا راستہ نہیں ہے

ابروئے دوست گوشۂ محرابِ دولت ست
دوست کی ابرو، اقبال کی محراب کا گوشہ ہے
آنجا بسائے چہرہ و حاجت بخواہ ازو
وہاں چہرہ رگڑ، اور اس سے ضرورت مانگ

اے جرعہ نوشِ مجلسِ جم سینہ پاک دار
اے جمشید کی مجلس کے، جرعہ نوش! سینے کو پاک رکھ
کائینہ ایست جامِ جہاں بیں کہ آہ ازو
کیونکہ، جامِ جہاں بیں (سینہ) ایک ایسا آئینہ ہے جسکو پاک رکھنا مشکل ہے

سلطانِ غم ہر آنچہ تو اند بگو بکن[6]
غم کے بادشاہ سے کہدو، جو کر سکے کر
من بردہ ام بہ بادہ فروشاں پناہ ازو
میں نے اس سے شراب فروشوں کی پناہ لے لی ہے

صوفی مرا بمیکدہ برد از طریقِ عقل[7]
صوفی نے عقل کے راستہ سے مجھے شراب خانہ میں پہونچا دیا
ایں دود بیں کہ نامۂ من شد تباہ ازو
اس دھوئیں کو دیکھو کہ اس سے میرا اعمالنامہ تباہ ہوگیا ہے

کردارِ اہلِ صومعہ ام کرد مے پرست
عبادت خانہ والوں کے عمل نے مجھے شراب پرست بنادیا
بنگر کہ کارِ من بچساں شد تباہ ازو
دیکھ اس سے میرا کام کیسا تباہ ہوگیا

ساقی چراغِ مے برہِ آفتاب دار[8]
اے ساقی! شراب کا چراغ، سورج کے راستے میں رکھ
گو بر فروز مشعلۂ صبحگاہ ازو
کہدو کہ وہ صبح کی مشعل اس سے روشن کرے

---

1. جب تیری چوکھٹ پر جان دیدوں گا۔ تو یہ سب کچھ مصیبتیں ختم ہو جائیں۔
2. پہلے اس قدر نازک طبع تھا کہ فرشتوں کا سانس بھی ناگوار گزرتا تھا۔
3. آستین میں جیب بنائی جاتی تھی۔
4. میری آنکھوں میں ہر وقت تیرا تصور سمایا ہوا ہے خدا کرے یہ آنکھیں اس سے محروم نہ ہوں۔
5. خطِ یار کا حسن دیکھ کر چاند شرمندہ ہوتا ہے لیکن جو اس حلقہ میں پھنس گیا وہ پھر نہیں نکل سکتا ہے۔
6. غم اب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے ہم نے شراب فروشوں کی پناہ لے لی ہے۔
7. صوفیوں کے کارناموں سے نفرت کھا کر میں شراب خانہ میں پہونچ گیا۔
8. سورج کو اپنی روشنی شراب سے حاصل کرنی چاہیے۔

آبے بروز[1] نامۂ اعمالِ ما فشاں
ہمارے اعمال کے روز نامچہ پر، پانی چھڑک کے

بتواں مگر سترد حروفِ گناہ ازو
شاید گناہوں کے حروف اس سے دھوئے جاسکیں

آخر دریں خیال کہ دارد گدائے شہر
بالآخر، اس خیال کی وجہ سے جو شہر کا فقیر رکھتا ہے

روزے شود کہ یاد کند پادشاہ ازو
کوئی دن ہوگا، کہ بادشاہ اس کو یاد کرے گا

حافظ کہ سازِ مجلسِ عُشّاق ساز کرد
وہ حافظ، جس نے عاشقوں کی مجلس کے ساز کو تیار کیا ہے

خالی مباد عرصۂ ایں بزم گاہ ازو
خدا کرے، اس مجلس کا میدان اس سے خالی نہ ہو

گفتا بروں[2] شدی بتماشائے ماہِ نو
اس نے کہا تو نیا چاند دیکھنے باہر نکلا!

از ماہِ ابروانِ منت شرم نیست رو
تجھے، میرے ابروؤں کے چاند سے شرم نہ آئی، نکل جا

عمریست تا دلم زمُقیمانِ زلفِ تست
ایک زمانہ گذر گیا، جب سے میرا دل تیری زلف کے ساکنوں میں سے ہے

غافل زحفظِ جانبِ یارانِ خود مشو
اپنے دوستوں کی جانب کی نگرانی کرنے سے غافل نہ ہو

مفروش عطرِ عقل بہندوئے[3] زلفِ یار
یار کی کافر زلف کے پاس عقل کا عطر نہ بیچ

کانجا ہزار نافۂ مُشکیں بہ نیم جو
اس لیے کہ اس جگہ مشک کے ہزار نافے، آدھے جو کے برابر ہیں

تخمِ وفا و مہر دریں کشت زارِ عشق
اس عشق کے کھیت میں وفا، اور محبت کا بیج

آنگہ عیاں شود کہ رسد[4] موسمِ درو
جب پھوٹتا ہے جب کٹنے کا وقت آجاتا ہے

ساقی بیار بادہ کہ رمزے بگویمت
اے ساقی، شراب لا کہ میں تجھ سے ایک راز کہوں

از سِرِ اخترانِ کہن سال و ماہِ نو
پرانی عمر کے ستاروں اور نئے چاند کے سِر کا

شکلِ[5] ہلال بر سرِ مہ میدہد نشاں
مہینہ کے شروع میں چاند کی شکل پتہ دیتی ہے

ق

از افسرِ اتابک و پرِّ کلاہِ گو
اتابک کے تاج، اور کسی بہادر کی ٹوپی کے پر کا

حافظ جنابِ پیرِ مُغاں مامنِ وفاست
اے حافظ! پیرِ مغاں کی بارگاہ، وفا کا مامن ہے

درسِ وفا و مہر بر و خواں و زو شنو
وفا اور محبت کا سبق اس کو سنا اور اس سے سن

گلبنِ عیش میدمد ساقیٔ گلعذار کو
عیش کے پھولوں کی شاخ کھل رہی ہے، گلعذار ساقی کہاں ہے؟

بادِ بہار می وزد بادۂ خوشگوار کو
بہار کی ہوا چل رہی ہے، خوش گوار شراب کہاں ہے؟

ہر گلِ نو زگلرُخے یاد ہمی کند ولے
ہر نیا پھول، ایک گلرخ کو یاد کر رہا ہے لیکن

گوشِ سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو
بات سننے والا کان، عبرت حاصل کرنیوالی آنکھ کہاں ہے؟

مجلسِ بزمِ عیش را غالیۂ مراد نیست
عیش کی مجلس میں، مراد کی خوشبو نہیں ہے

اے دمِ صبحِ خوش نفس نافۂ زلفِ یار کو
اے خوش نفس صبح کے جھونکے! یار کی زلف کا نافہ کہاں ہے؟

حُسن فروشیٔ گُلم نیست تحمّل اے صبا
اے صبا! پھول کی حسن فروشی کی مجھ میں برداشت نہیں ہے

دست زدم بخونِ دل بہرِ خدا نگار کو
دل کے خون میں میں نے ہاتھ مارا ہے خدا کے لیے دوست کہاں ہے؟

[1] ہمارے اعمالنامہ پر شراب چھڑک دینا وہ گناہ دھودیگی۔
[2] معشوق کی ابروؤں کو دیکھ لینے کے بعد چاند دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
[3] زلف کے مقابلہ میں عقل کا عطر کوئی کام نہیں دیتا ہے۔
[4] عشق کا بیج بڑی مدت میں اُگتا ہے۔
[5] شراب پی کر چاند اور ستاروں کے راز بتاسکتا ہوں۔
[6] گو بمعنی شجاع۔ چاند کے تغیرات دنیا کی ناپائیداری کا اشارہ کرتے ہیں۔
[7] شعر

غالب

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

شمع سحر بزم گہ لاف بعارضِ تو زد
مجلس میں صبح کی شمع نے تیرے رخسار کے مقابلہ کی ڈینگیں ماریں

خصم زباں دراز شد خنجر آبدار کو
دشمن زبان دراز ہو گیا ہے، آبدار خنجر کہاں ہے؟

گفت[1] مگر ز لعلِ من بوسہ نداری آرزو
اس نے کہا، شاید تجھے میرے ہونٹ کے بوسہ کی آرزو نہیں ہے

مُردم ازیں ہوس ولے قدرت و اختیار کو
میں اس تمنا میں مر گیا لیکن قدرت اور اختیار کہاں ہے؟

حافظ اگرچہ در سخن خازنِ گنجِ حکمت ست
حافظ، اگرچہ بات کہنے میں دانائی کے خزانہ کا خزانچی ہے

از غمِ روزگارِ دوں طبعِ سخن گزار کو
کمینہ، زمانہ کے غم کی وجہ سے بات ادا کرنے والی طبیعت کہاں ہے؟

مرا چشمے[2] ست خوں افشاں زچشمِ آں کماں ابرو
میری آنکھ خون چھڑکنے والی ہے اس کمان جیسے ابرو والے کی وجہ سے

جہاں پر فتنہ می بینم ازاں چشم و ازاں ابرو
میں دنیا کو اس آنکھ اور اس ابرو سے فتنوں بھری دیکھتا ہوں

غلامِ چشمِ آں ترکم کہ در خوابِ خوشِ مستی
میں اس معشوق کی آنکھ کا غلام ہوں کہ مستی کی میٹھی نیند میں

نگاریں گلشنش روئے ست و مشکیں سایباں ابرو
اس کا چہرہ خوبصورت باغ اور اسکا ابرو مشکیں سائبان ہے

ہلالی[3] شد تنم زیں غم کہ با طغرائے مشکینش
اس غم میں، میرا جسم کبڑا ہو گیا کہ اسکے مشکیں طغرے کی موجودگی میں

کہ باشد مہ کہ بنماید ز طاقِ آسماں ابرو
چاند کون ہوتا ہے کہ آسمان کے طاق سے ابرو دکھائے

ہمیشہ چشمِ مستش را کمانِ حسن در زہ باد
خدا کرے اسکی مست آنکھ پر حسن کی کمان کا چلہ ہمیشہ چڑھا رہے

کہ از پشتی تیرِ او کشد بر مہ کماں ابرو
اس لیے کہ اسکے تیر کی مدد سے ابرو، چاند پر کمان کھینچتا ہے

روانِ گوشہ گیراں را جبینش طرفہ گلزار یست
گوشہ نشینوں کی روح کے لیے اس کا حسن ایک عجیب باغ ہے

کہ بر طرفِ سمن زارش ہمیگردد چماں ابرو
کہ اسکے چنبیلی کے قطعہ کے کنارے پر ابرو ٹہل رہی ہے

رقیباں[4] غافل اند از ما کز آں چشمِ سیہ ہر دم
رقیب ہم سے غافل ہیں، اسلیے کہ اس کالی آنکھ سے ہر وقت

ہزاراں گونہ پیغام ست و حاجب در میاں ابرو
ہزاروں قسم کے پیغام ہیں اور ابرو پردہ دار ہے

دگر حور و[5] پری را کس نگوید با چنیں حسنے
ایسے حسن کے ہوتے ہوئے پھر حور اور پری کی نسبت کوئی نہ کہیگا

کہ ایں را اینچنیں چشم ست و آں را آنچناں ابرو
کہ اس کی آنکھ ایسی ہے اور اس کا ابرو ویسا ہے

تو کافر دل نمی بندی نقابِ زلف و میترسم
اے کافر دل! تو زلف کا نقاب نہیں ڈالتا ہے اور میں ڈرتا ہوں

کہ محرابم[6] بگرداند خمِ آں دلستاں ابرو
کہ اس دل چھیننے والے ابرو کا خم میری محراب پلٹ دے گا

اگرچہ مرغِ زیرک بود حافظ در وفاداری
اگرچہ حافظ، وفاداری میں چالاک پرند تھا

بہ تیرِ غمزہ صیدش کرد چشمِ آں کماں ابرو
اس کمان جیسے ابرو والے کی آنکھ نے ناز کے تیر سے اسکا شکار کر لیا

مزرعِ[7] سبزِ فلک دیدم و داسِ مہِ نو
میں نے آسمان کا سبز کھیت، اور چاند کی درانتی دیکھی

یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگامِ درو
مجھے اپنی کھیتی اور کھیتی کاٹنے کا وقت یاد آ گیا

گفتم اے بخت بخسپیدی و خورشید دمید
میں نے کہا، اے نصیبے! تو سو گیا، اور سورج نکل آیا

گفت با ایں ہمہ از سابقہ نومید مشو
اس نے کہا کہ با ایں ہمہ تقدیر سے ناامید نہ ہو

[1] پہلا مصرع سوال ہے دوسرا مصرع جواب ہے۔
[2] اس کی چشم و ابرو نے مجھے ہی نہیں رلایا بلکہ تمام دنیا فتنوں میں مبتلا ہو گئی ہے۔
[3] ابروؤں کو اگرچہ ہلال سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن میرے معشوق کے ابروؤں کے سامنے ہلال کی کوئی حقیقت نہیں۔
[4] اس کی ابرو اس کی آنکھ کے ہزاروں پیغام ادا کر دیتی ہے لیکن رقیبوں کو پتہ نہیں چلتا ہے۔
[5] اگر لوگ میرے محبوب کا حسن دیکھ لیں تو حور و پری کی تعریفیں کرنا چھوڑ دیں۔
[6] یعنی مسجد کی محراب میں سجدہ کرنا چھوڑ دونگا۔
[7] آسمان کا سبز کھیت اور چاند کی درانتی دیکھ کر مجھے اپنی ناپائیداری کا احساس ہوا۔

تکیہ۱؎ بر اخترِ شبگرد مکن کیں عیّار
ڈاکو ستارے پر بھروسہ نہ کر، اسلیے کہ اس چالاک نے

تاجِ کاؤس ربود و کمرِ کے خسرو
کاؤس کا تاج، اور کیخسرو کی پیٹی چھین لی ہے

گر روی پاک و مجرّد چو مسیحا بہ فلک
اگر پاک اور مجرد ہو کر مسیحا کی طرح تو آسمان پر جائے گا

از فروغِ تو بخورشید رسد صد پر تو
تیرے نور سے، سورج تک سو جلوے پہنچیں گے

آسماں۲؎ گو مفروش ایں عظمت کاندر عشق
آسمان سے کہدو، اپنی عظمت کی اتنی ڈینگیں نہ مارے اسلیے کہ عشق میں

خرمنِ مہ بجوے خوشۂ پرویں بدو جو
چاندوں کا انبار ایک جو کی اور ثریا کا خوشہ دو جو کی قیمت رکھتا ہے

جامِ جمشید بمن دہ کہ نیرزد برِ من
جمشید کا جام مجھے دے، اس لیے کہ میرے نزدیک قیمت نہیں رکھتا ہے

گنجِ قاروں بجو و ملکِ سلیماں بدو جو
قارون کا خزانہ ایک جو کی، اور سلیمان کا ملک دو جو کی

گوشوارِ۳؎ دُر و لعل ارچہ گراں دارد گوش
موتی اور لعل کے گوشوارے اگرچہ کان کو بھاری معلوم ہوتے ہیں

دورِ خوبی گذران ست نصیحت بشنو
نصیحت سن لے، حسن کا زمانہ گذر جانے والا ہے

چشمِ بد دور ز خالِ تو کہ در عرصۂ حسن
تیرے تل سے چشمِ بد دور، کہ حسن کی بساط پر

بیذقے راند کہ بُرد از مہ و خورشید گرو
اس نے ایسا پیادہ چلا جو چاند، اور سورج سے بازی لے گیا

ہر کہ در۴؎ مزرعِ دل تخمِ وفا سبز نکرد
جس نے دل کے کھیت میں وفا کا بیج سرسبز نہ کیا

زرد روئی کشد از حاصلِ خود گاہِ درو
کاٹنے کے وقت اپنی پیداوار سے شرمندہ ہوگا

اندریں۵؎ دائرہ میباش چو دف حلقہ بگوش
دف کی طرح حلقہ بگوش بنکر اس دائرہ میں رہ

ور قفائے خوری از دائرۂ خویش مرو
ورنہ طمانچہ کھائے گا۔ اپنے دائرے سے نہ نکل

آتشِ زرق و ریا خرمنِ دیں خواہد سوخت
فریب، اور ریا کی آگ، دین کا کھلیان جلا دے گی

حافظ ایں خرقۂ پشمینہ بینداز و برو
اے حافظ اس اونی گدڑی کو پھینک، اور چل دے

مُطربِ خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بنو
اے خوش آواز مطرب، تازہ بتازہ نو بنو گا

بادۂ دلکشا بجو تازہ بتازہ نو بنو
دلکشا شراب ڈھونڈ، تازہ بتازہ، نو بنو

با صنمے چو لُعبتے خوش بنشیں بخلوتے
گڑیا جیسے بت کے ساتھ تنہائی میں مزے سے بیٹھ

بوسہ ستاں بکام ازو تازہ بتازہ نو بنو
مقصد کے مطابق اس کے بوسے لے، تازہ بتازہ نو بنو

ساقیِ سیم ساقِ من نیست مُیَسّم بیار پیش
اے میرے چاندی جیسی پنڈلی والے ساقی، میرے پاس شراب نہیں ہے، جلد میرے سامنے

زود کہ پُر کنم سبو تازہ بتازہ نو بنو
تاکہ میں تازہ بتازہ، نو بنو صراحی بھر لوں

بر زحیات کے خوری گر نہ مُدام مے خوری
تو زندگی کا پھل کب کھائیگا، اگر ہمیشہ شراب نہ پئے گا

بادہ بخور بیادِ او تازہ بتازہ نو بنو
اس کی یاد میں تازہ بتازہ، نو بنو شراب پی

شاہدِ دلربائے من میکند از برائے من
میرا دلربا معشوق، میرے لئے

نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو
تازہ بتازہ نو بنو، نقش و نگار، رنگ و بو اختیار کرتا ہے

بادِ صبا چو بگذری بر سرِ کوئے آن پری
اے بادِ صبا اگر تو اس پری کے کوچہ سے گذرے

قصۂ حافظش بگو تازہ بتازہ نو بنو
تو اسے حافظ کا تازہ بتازہ، نو بنو قصہ سنا دے

۱؎ شبگرد، چور چونکہ ستارے رات میں نکلتے ہیں اس لئے ان کو شبگرد کہا ہے یعنی ان ستاروں نے سینکڑوں بادشاہوں کو ختم کر دیا ہے۔

۲؎ عاشق کی نظر میں نہ چاند کی قدر ہے نہ ثریا کی نہ وہ آسمان کی عظمت کا قائل ہے۔

۳؎ گوشوارِ دُر و لعل سے نصیحت کی باتیں مُراد ہیں۔

۴؎ جس دل میں وفاداری نہیں اس کو انجام کار شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

۵؎ گونج پیدا کرنے کیلئے دف کے چاروں طرف گھونگروؤں کا حلقہ کس دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو حلقہ بگوش کہا ہے۔

۶؎ مطلب زندگی یہی ہے کہ محبوب کی یاد پر مستقل شراب نوشی کی جائے۔

ردیفِ ہائے ہوّز

از خونِ[۱] دل نوشتم نزدیکِ یار نامہ
میں نے دل کے خون سے دوست کے پاس خط لکھا ہے
اِنِّی رَاَیْتُ دَھْرًا مِنْ ھَجْرِكَ الْقِیَامَۃ
میں نے تیرے ہجر میں زمانہ کو قیامت سمجھا ہے

ہر[۲] چند کازمودم از وے نبود سودم
میں نے ہر چند آزمایا، اس سے مجھے فائدہ نہ پہونچا
مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِہِ النَّدَامَۃ
جس نے تجربہ شدہ چیز کا تجربہ کیا، وہ شرمندہ ہوا

دارم من از فراقت در دیدہ صد علامت
میں تیرے فراق کی وجہ سے آنکھ میں سو علامتیں رکھتا ہوں
لَیْسَتْ دُمُوْعُ عَیْنِیْ ھٰذَا لَنَا الْعَلَامَۃ
میری آنکھ کے یہ آنسو ہی ہمارے لئے علامت نہیں ہیں؟

پرسیدم از طبیبے احوالِ دوست گفتا
میں نے طبیب سے دوست کے احوال پوچھے، وہ بولا
فِیْ بُعْدِھَا عَذَابٌ فِیْ قُرْبِھَا النَّدَامَۃ
اس کی دوری میں عذاب ہے، اس کے قرب میں ندامت ہے

گفتم ملامت آرد گر گردِ دوست گردم
میں نے کہا وہ ملامت کرتا ہے، اگر دوست کے چاروں طرف چکر کاٹتا ہوں
وَاللہِ مَا رَاَیْنَا حُبًّا بِلَا مَلَامَۃ
خدا کی قسم ہم نے کوئی محبت، ملامت کے بغیر نہیں دیکھی ہے

حالِ درونِ ریشم محتاجِ شرح نبود
میرے زخمی دل کا حال، شرح کا محتاج نہیں ہے
خود میشود محقق از آبِ چشمِ خامہ
قلم کی آنکھ کے پانی سے خود ثابت ہو رہا ہے

بادِ صبا ز حالم ناگہ نقاب برداشت
میرے حال سے، بادِ صبا نے اچانک نقاب اٹھا دیا
کَالشَّمْسِ فِیْ ضُحَاھَا تَطْلُعْ مِنَ الْغَمَامَۃ
جیسا کہ سورج چاشت کے وقت میں ابر سے نکل آئے

حافظ[۳] چو طالب آمد جامے و جانِ شیریں
جبکہ حافظ طلبگار بنکر آیا ہے، ایک جام سے اور شیریں جان سے
حَتّٰی یَذُوْقَ مِنْہُ کَاْسًا مِنَ الْکَرَامَۃ
تاکہ وہ اس سے، بزرگی کا ایک جام چکھ لے

اے[۴] از فروغِ رویت روشن چراغِ دیدہ
اے کہ تیرے چہرے کے نور سے آنکھوں کا چراغ روشن ہے
مانندِ چشمِ مستت چشمِ جہاں ندیدہ
تیری مست آنکھ جیسی دنیا کی آنکھ نہیں دیکھی

ہمچوں تو نازنینے سرتاپا لطافت
تجھ جیسا نازنین، از سر تا پا لطافت
گیتی نشاں ندادہ ایزد نیا فریدہ
دنیا نے نہیں دکھایا، خدا نے نہیں پیدا کیا

ہر زاہدے[۵] کہ دیدہ یاقوتِ مے فروشت
جس زاہد نے، تیرے شراب فروش سرخ ہونٹ کو دیکھ لیا
سجادہ ترک دادہ پیمانہ در کشیدہ
اس نے مصلّے کو چھوڑا، شراب پینے لگا

در قصدِ[۶] خونِ عاشق ابرو و چشمِ شوخت
عاشق کے خون کے ارادے سے تیرے ابرو اور تیری شوخ آنکھ نے
گہ ایں کمیں کشادہ گہ آں کماں کشیدہ
کبھی اس نے گھات لگائی، کبھی اس نے کمان کھینچی

تا کے کبوترِ[۷] دل چوں مرغِ نیم بسمل
دل کا کبوتر نیم بسمل پرندہ کی طرح کب تک؟
باشد ز تیرِ ہجرت در خاک و خوں طپیدہ
تیرے ہجر کے تیر سے، خاک اور خون میں تڑپے گا

تا کے فرو گزاری چوں زلفِ خود دلم را
اپنی زلفوں کی طرح تو میرے دل کو کب تک چھوڑے رکھے گا
سرگشتہ و پریشاں اے نورِ ہر دو دیدہ
سرگشتہ اور پریشان، اے دونوں آنکھوں کے نور!

---

۱ یعنی میں نے فراق کی کیفیت محبوب کو خون سے لکھ کر بھیجی ہے۔
۲ محبوب کو بار بار آزمایا لیکن شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔
۳ حافظ تیرا چاہنے والا ہے جان لے اور ایک جام محبت اسکو پلا کر باعزت کر دے۔
۴ میری آنکھیں تیرے چہرے کے نور سے روشن ہیں۔
۵ جو زاہد تیرے ہونٹ دیکھ لے گا مصلّے چھوڑ کر شراب خانے پہونچ جائے گا۔
۶ یعنی آنکھ نے گھات لگائی ہے اور ابرو نے کمان کھینچی ہے۔
۷ میرا دل ہجر میں نیم بسمل پرندہ کی طرح تڑپتا ہے۔

میلے اگر ندارد باعارضِ تو ابرو
اگر ابرو کو تیرے رخسار کا عشق نہیں ہے
پیوستہ از چہ باشد چوں قدِ من خمیدہ
تو میرے قد کی طرح ہمیشہ، جھکا ہوا کیوں رہتا ہے؟

گر بر لبم نہی لب یابم حیاتِ باقی
اگر تو میرے ہونٹوں پر ہونٹ رکھدیگا تو مجھے حیاتِ جاوید مل جائیگی
آندم کہ جانِ شیریں باشد بلب رسیدہ
جبکہ شیریں جان، ہونٹوں پر پہونچ چکی ہوگی

از سوزِ سینہ ہر دم دودم بسر بر آید
میرے سینہ کی سوزش سے ہر وقت دھواں اٹھتا ہے
چوں عود چند باشم در آتش آرمیدہ
عود کی طرح میں کب تک آگ میں پڑا رہوں گا

در خارِ خارِ ہجراں افتادہ در کشاکش
میں ہجر کے کانٹوں ہی کانٹوں کی کشمکش میں پڑا ہوں
وز گلبنِ وصالت ہرگز گلے نچیدہ
اور تیرے وصل کی شاخ سے ہرگز کوئی پھول نہ چنا

بر چہرہ بختِ نیکت تعویذِ چشمِ بد را
تیرے نیک نصیبہ نے چہرہ پر نظر بد کے تعویذ کے لئے
ہر دم وَاِنْ یَّکَادُ وز اخلاص بر دمیدہ
ہر وقت اخلاص سے وَاِنْ یَّکَادُ پڑھ کر دم کیا

گر دستِ من نگیری با خواجہ باز گویم
اگر تو میری دستگیری نہ کرے گا، تو میں خواجہ سے کہدونگا
کز عشوہ دل ز حافظ چوں بردہ او بدیدہ
کہ وہ حافظ کا دل ادا سے آنکھ کے ذریعہ کس طرح لے گیا ہے

از من جدا مشو کہ توام نورِ دیدہ
مجھ سے جدا نہ ہو، کیونکہ تو میری آنکھ کا نور ہے
آرامِ جان و مونسِ قلبِ رمیدہ
جان کا آرام ہے اور وحشی دل کا غمخوار ہے

از دامنِ تو دست ندارند عاشقاں
عاشق تیرے دامن سے ہاتھ نہ ہٹائیں گے
پیراہنِ صبوریِ ایشاں دریدہ
تونے ان کے صبر کا لباس چاک کر دیا ہے

از چشمِ زخمِ دہر مبادت گزند از آنک
خدا کرے زمانہ کی نظرِ بد سے تجھے نقصان نہ پہونچے، کیونکہ
در دلبری بغایتِ خوبی رسیدہ
دلبری میں تو انتہائی خوبی کو پہونچ گیا ہے

منعم کنی ز عشقِ وے اے مفتیِ زماں
اے مفتیِ دوراں! تو مجھے اس کے عشق سے روکتا ہے
معذور دارمت کہ تو او را ندیدہ
میں تجھے معذور سمجھتا ہوں، کیونکہ تونے اس کو دیکھا نہیں ہے

چشمِ بد از تو دور کہ در طرزِ دلبری
تجھ سے نظر بد دور رہے، اس لیے کہ دلبری کے طرز میں
خط بر جمالِ یوسفِ کنعاں کشیدہ
تونے کنعان کے یوسف کے جمال پر خط کھینچ دیا ہے

پایم نمی رسد بزمیں دیگر از نشاط
اب خوشی سے میرا پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا ہے
تا سوئے من بلطف و عنایت تو دیدہ
جب سے تونے مہربانی اور عنایت سے میری طرف دیکھا ہے

داری خیالِ پرسشِ عشاقِ بینوا
بے ساز و سامان، عاشقوں کی پرسش کا تجھے خیال ہے
گویا کہ بوئے صدق از ایشاں شنیدہ
گویا کہ تونے ان سے سچائی کی بو سونگھ لی ہے

زیں سرزنش کہ کرد ترا دوست حافظا
اے حافظ! دوست نے جو تجھے یہ سرزنش کی ہے
بیش از گلیمِ خویش مگر پا کشیدہ
شاید تونے اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلائے ہیں

---

۱ تیری ابرو بھی تیرے رخ پر عاشق ہے اسی لیے جھک جھک کر اس کو دیکھتا ہے۔
۲ مجھے کبھی وصال میسر نہ آیا ہمیشہ ہجر میں تڑپتا رہا ہوں۔
۳ آیت وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ نظر بد سے بچانے کے لیے پڑھ کر دم کیجاتی ہے۔
۴ چونکہ تونے عاشقوں کو بے صبر بنا دیا ہے لہذا اب وہ تیرے دامن سے دست کش نہ ہوں گے۔
۵ اگر مفتی میرے محبوب کو دیکھ لے تو کبھی مجھے نہ روکے۔
۶ جب سے تیری نظر عنایت ہوئی خوشی سے اچھل رہا ہوں۔
۷ چونکہ تونے اپنے مرتبہ سے بڑھ کر کوئی حرکت کی اسی لیے دوست نے تجھے جھڑک دیا ہے۔

اےؔ کہ با سلسلۂ زلفِ دراز آمدۂ
اے وہ کہ تو زلفِ دراز کی زنجیر لیکر آیا ہے
فرصتت باد کہ دیوانہ نواز آمدۂ
خدا تیری عمر دراز کرے کیونکہ تو دیوانہ نواز واقع ہوا ہے

آبؔ و آتش بہم آمیختۂ از لبِ لعل
لعل جیسے ہونٹ سے تونے آگ اور پانی کو آپس میں ملا دیا ہے
چشمِ بد دور کہ خوش شعبدہ باز آمدۂ
چشم بد دور، تو اچھا شعبدہ باز واقع ہوا ہے

چشمِؔ تو گرچہ بہر غمزہ دلم برباید
تیری آنکھیں اگرچہ ہر ادا سے میرے دل کو اچک لیتی ہیں
لیک صد حیف کہ بیگانہ نواز آمدۂ
لیکن صد افسوس کہ تو بیگانہ نواز واقع ہوا ہے

ساعتے ناز مفرمای و بگرداں عادت
تھوڑی دیر کے لیے ناز نہ دکھا، اور عادت بدل لے
چوں بپرسیدنِ اربابِ نیاز آمدۂ
جبکہ تو نیاز مندوں کو پوچھنے آیا ہے

آفریںؔ بر دلِ نرمِ تو کہ از بہرِ ثواب
تیرے نرم دل کو شاباش ہے اسلیے کہ تو ثواب کی خاطر
کشتۂ غمزۂ خود را بنماز آمدۂ
اپنی ادا کے شہید کی نماز پڑھنے آیا ہے

زہدِؔ من با تو چہ سنجد کہ بیغمائے دلم
تیرے سامنے میرے زہد کا کیا وزن ہے جبکہ تو میرا دل لوٹنے
مست و آشفتہ بخلوتگہِ راز آمدۂ
مست اور برہم ہوکر راز کی خلوت گاہ میں آیا ہے

پیشِ بالائے تو میرم چہ بصلح و چہ بجنگ
میں تیرے قد پر جان دیتا ہوں، خواہ صلح ہو خواہ جنگ
کہ بہر حال بر اندازۂ ناز آمدۂ
اس لیے کہ تو ہر حال میں ناز کے ایک انداز کے ساتھ آیا ہے

گفت حافظ دگرت خرقہ شراب آلودہ است
اس نے کہا کہ حافظ تیری گدڑی پھر شراب آلود ہے
مگر از مذہبِ ایں طائفہ باز آمدۂ
شاید تو اس گروہ کے مذہب سے پھر گیا ہے

چراؔغِ روئے ترا شمع گشت پروانہ
تیرے چہرے کے لیے شمع، پروانہ بن گئی ہے
مرا ز عشقِ تو از حالِ خویش پروانہ
مجھے تیرے عشق کی وجہ سے اپنے حال کی پروا نہیں ہے

خرد کہ قیدِ مجانینِ عشق می فرمود
وہ عقل، جو عشق کے دیوانوں کو قید کرنے کا حکم فرماتی تھی
ببوئے حلقۂ زلفِ تو گشت دیوانہ
تیری زلف کے حلقہ کی خوشبو سے دیوانی بن گئی ہے

بمژؔدہ جاں بصبا داد شمع در نفسے
شمع نے فوراً ہی خوشخبری کے بدلے صبا کو جان دیدی
ز شمع روئے تواش چوں رسید پروانہ
جب تیرے چہرے کی شمع سے اس کے پاس خبر پہونچی

ببوئے زلفِ تو گر جاں بباد رفت چہ شد
تیری زلف کی خوشبو کی وجہ سے اگر جان برباد ہوئی تو کیا ہوا؟
ہزار جانِ گرامی فدائے جانانہ
سیکڑوں معزز جانیں، محبوب پر قربان ہیں

بر آتشِ رُخِ زیبائے تو بجائے سپند
تیرے حسین رخسار کی آگ پر، کالے دانے کی بجائے
بغیر خالِ سیاہت کہ دید بہدانہ
تیرے سیاہ تل کے سوا، بہتر دانہ کس نے دیکھا ہے

چہؔ نقشہا کہ برانگیختیم و سود نداشت
کتنے نقش ہیں جو ہم نے کھینچے اور انہوں نے کوئی فائدہ نہ دیا
فسونِ ما برِ او گشتہ است افسانہ
ہمارا جادو اس پر، افسانہ بن گیا

مرا بدور لبِ دوست ہست پیمانے
دوست کے ہونٹ کے دور سے میرا عہد ہے
کہ بر زباں نبرم جز حدیثِ پیمانہ
کہ زبان پر پیمانہ کی بات کے سوا کچھ نہ لاؤں گا

ؔا زلف کی دیوانہ نوازی یہی ہے کہ اس کو باندھ دے۔
ؔ ہونٹوں کی سرخی آگ ہے اور ان کی بات آبِ حیات ہے آگ اور پانی کو شعبدے باز جمع کر دیتے ہیں۔
ؔ تو دل تو میرا لے گیا اور تیری نوازشیں دوسروں پر ہیں۔
ؔ محبوب کیا ہی نرم دل ہے قتل کیا اور پھر نماز پڑھنے آیا۔ شعر
کہ مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا
ؔ تو جب مست و برہم ہوکر دل لوٹنے کے لیے آئے تو میرا زہد اس کا کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے۔
ؔ پہلے مصرع میں پروانہ اپنے معروف معنی میں ہے دوسرے مصرع میں کوانہ بمعنی "پروانیست" ہے۔
ؔ شمع صبا سے بجھ جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادِ صبا نے تیرے رُخ کی خوشخبری اس کو دیدی تو فوراً اس نے بطور انعام جان دیدی۔
ؔ ہمارے تمام منتر اور جادو بیکار ثابت ہوئے
ؔ شعر:
چشم بد دور خال در رخ او
ہمچو ہندو بر آتش افتادہ است

من غریب ز غیرت فتادم از پا دوش
میں غریب، کل غیرت سے گر پڑا

نگارِ خویش چو دیدم بدستِ بیگانہ
جب میں نے اپنے معشوق کو غیر کے قابو میں دیکھا

حدیثِ مدرسہ و خانقہ مگوے کہ باز
مدرسہ اور خانقاہ کی بات نہ کر اس لیے کہ پھر

فتادہ در سرِ حافظ ہوائے میخانہ
حافظ کے سر میں میخانہ کی محبت سمائی ہے

خنک نسیمِ معنبر شمامۂ دلخواہ
دلپسند، عنبر جیسی خوشبو والی نسیم، مبارک ہے

کہ در ہوائے تو برخاست بامدادِ پگاہ
جو تیری محبت میں، صبح کے وقت چل پڑی ہے

دلیلِ راہ شو اے طائرِ خجستہ لقا
اے مبارک رخ پرند! راستہ کا راہبر بن

کہ دیدہ آب شد از شوقِ خاکِ آں درگاہ
اس لیے کہ اس درگاہ کی خاک کے شوق میں آنکھیں پانی بن گئی ہیں

منم کہ بے تو نفس میزنم زہے خجلت
میں جو کہ تیرے بغیر سانس لے رہا ہوں، بہت شرمندگی ہے

مگر تو عفو کنی ورنہ چیست عذرِ گناہ
شاید کہ تو معاف کر دے، ورنہ گناہ کا عذر کیا ہے؟

ببین بشخصِ نزارم کہ غرقِ خونِ دلست
میرے لاغر جسم کو دیکھ، جو دل کے خون میں ڈوبا ہے

ہلال را ز کنارِ شفق کنند نگاہ
ہلال کو شفق کے کنارے سے دیکھتے ہیں

ز دوستانِ تو آموخت در طریقتِ مہر
تیرے عاشقوں سے سیکھا ہے، محبت کے راستہ میں

سپیدہ دم کہ صبا چاک زد شعارِ سیاہ
صبح کے وقت جو صبا نے سیاہ لباس چاک کیا ہے

بعشقِ روئے تو روزے کہ از جہاں بردم
جس دن کہ میں دنیا سے جاؤں گا، تیرے چہرے کے عشق کی وجہ سے

ز تربتم بدمد سرخ گل بجائے گیاہ
میری قبر سے گھاس کی بجائے سرخ پھول اگیگا

مدہ بخاطرِ نازک ملالت از منِ راہ
میری طرف سے نازک طبیعت میں رنج کو راستہ نہ دے

کہ حافظِ تو ہمیں لحظہ گفت بسم اللہ
اس لیے کہ تیرے حافظ نے اسی وقت بسم اللہ کہدی ہے

دامن کشاں ہمی شد در شربِ زرکشیدہ
وہ کتان کا زری کا لباس پہنے، دامن کھینچتا ہوا جاتا تھا

صد ماہرو ز رشکش جیبِ قصب دریدہ
سیکڑوں ماہرو اس پر رشک سے کتان کے لباس کا گریبان چاک کیے ہوئے تھے

از تابِ آتشِ مے بر گردِ عارضش خوی
شراب کی آگ کی گرمی سے اسکے رخساروں کے چاروں طرف پسینہ تھا

چوں قطرہائے شبنم بر برگِ گل چکیدہ
جیسے کہ گلاب کی پتیوں پر شبنم کے قطرے ٹپکے ہوئے ہوں

یاقوتِ جانفزایش از آبِ لطف زادہ
اس کے جانفزا ہونٹ، لطافت کے پانی سے بنے ہوئے ہیں

شمشادِ خوشخرامش از ناز پروریدہ
اس کا خوبصورت رفتار، سرو ناز سے پلا ہوا ہے

لفظِ فصیح شیریں قدِ بلند چابک
اس کے فصیح الفاظ میٹھے ہیں، اس کا بلند قد چست ہے

روئے لطیف نازک چشمِ خوش کشیدہ
اس کا لطیف چہرہ نازک ہے، اس کی حسین آنکھیں لمبی ہیں

آں لعلِ دلکشش بیں و آں خندۂ پر آشوب
اس کے وہ دلکش ہونٹ، اور پر فتنہ ہنسی دیکھ

واں رفتنِ خوشش بیں واں گام آرمیدہ
اور اس کی حسین وہ چال، اور ناز بھرے قدم دیکھ

---

۱ اپنے دوست کو غیروں کے ساتھ دیکھکر ایسی غیرت آئی کہ میں گر پڑا۔
۲ صبح کو نسیم تیری محبت میں چل پڑی ہے۔
۳ تیرے بغیر میرا زندہ رہنا میری ایسی خطا ہے جس کا میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔
۴ لاغر جسم کو ہلال اور خونِ دل کو شفق قرار دیا ہے۔
۵ صبا نے سیاہ لباس کا گریبان چاک کرنا تیرے عاشقوں سے سیکھا ہے۔
۶ حافظ کو تیری تنگدلی منظور نہیں ہے اگر تو اسکی موجودگی سے رنجیدہ ہے تو وہ ابھی بسم اللہ کہکر تجھ سے رخصت ہوتا ہے۔
۷ شرب۔ کتان کا باریک کپڑا۔ مشہور ہے کہ السی کی چھال کا بنا ہوا قیمتی کپڑا چاندنی میں پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔
۸ رخسار کو گل سے اور پسینہ کو شبنم سے تشبیہ دی ہے۔

آں آہوئے سیہ چشم از دامِ ما بروں شد
وہ کالی آنکھ والا ہرن، ہمارے جال سے نکل گیا
یاراں چہ چارہ سازم بااین دلِ رمیدہ
یارو! اس بھاگتے ہوئے دل کی میں کیا تدبیر کروں؟

تا کے کشم عتابت از چشمِ نیم خوابت
تیرا غصہ، تیری نیم خواب آنکھوں سے کب تک برداشت کروں
روزے کرشمۂ کن اے نورِ ہر دو دیدہ
اے دونوں آنکھوں کی روشنی! کسی دن انداز دکھا دے

زنہار تا توانی اہلِ نظر میازار
خبردار جب تک تجھ سے ہو سکے، اہلِ نظر کو نہ ستا
دنیا وفا ندارد اے یارِ برگزیدہ
اے منتخب دوست! دنیا وفادار نہیں ہے

بس شکر باز گویم در بندگیِ خواجہ
خواجہ کی خدمت میں بہت کچھ شکریہ پھر ادا کروں
گر اوفتد بدستم آں میوۂ رسیدہ
اگر وہ پکا پھل، میرے ہاتھ لگ جائے

ہر بد کہ گفت دشمن در حقِ ما شنیدی
دشمن نے جو ہماری برائی کی، تو نے سن لی
یارب کہ مدعی را باد از زباں بریدہ
اے خدا! رقیب کی زبان کٹ جائے

گر خاطرِ شریفت رنجیدہ شد ز حافظ
اگر تیرا مزاجِ شریف، حافظ سے رنجیدہ ہوا ہے
باز آ کہ توبہ کردیم از گفتہ و شنیدہ
واپس آ جا، کہ کہے، سنے سے ہم نے توبہ کی

در سرائے مغاں رُفتہ بود و آب زدہ
مغوں کی سرائے کا دروازہ، جھاڑو دیا ہوا اور چھڑکاؤ کیا ہوا تھا
نشستہ پیر و صلائے بشیخ و شاب زدہ
پیرِ مغاں بیٹھا ہوا تھا اور بوڑھے اور نوجوان کو بلا رہا تھا

سبو کشاں ہمہ در بندگیش بستہ کمر
سب صراحی کش اس کی خدمت میں کمر بستہ تھے
ولے ز طرفِ کُلہ خیمہ بر سحاب زدہ
لیکن ٹوپی کے کنارے سے ابر پر خیمہ لگائے ہوئے تھے

فروغِ جام و قدح نورِ ماہ پوشیدہ
پیالے اور جام کی روشنی چاند کے نور کو چھپائے ہوئے تھی
عذارِ مغبچگاں راہِ آفتاب زدہ
مغبچوں کے رخسار، سورج کو مات کر رہے تھے

گرفتہ ساغرِ عشرت فرشتۂ رحمت
رحمت کے فرشتے نے عیش کا ساغر تھاما تھا
ز جرعہ بر رُخِ حور و پری گُلاب زدہ
حور اور پری کے رخسار پر شراب کے گھونٹ سے گلاب چھڑکا ہوا تھا

ز شور و عربدۂ شاہدانِ شیریں کار
شیریں کار، معشوقوں کے شور، اور فساد سے
شکر شکستہ سمن ریختہ رباب زدہ
شکر بکھری ہوئی، پھول گرے ہوئے ستار ٹوٹا ہوا تھا

عروسِ بخت در آں حجلہ با ہزاراں ناز
اس چھپر کھٹ میں، نصیبہ کی دلہن ہزاروں ناز کے ساتھ
کشیدہ وسمہ و بر برگِ گُل گلاب زدہ
وسمہ لگائے ہوئے تھی اور گلاب کی پتیوں پر گلاب چھڑکے ہوئے تھی

سلام کردم و با من بروئے خنداں گفت
میں نے سلام کیا، اور اس نے مجھ سے ہنس کر کہا
کہ اے خمار کشِ مفلسِ شراب زدہ
اے مفلس نشہ باز! شراب کے مارے ہوئے ق

کہ کرد اینکہ تو کردی بضعفِ ہمت و رائے
یہ کس نے کیا ہے جو تو نے کیا، کمزور ہمت اور کمزور رائے کے ساتھ
ز کنج خانہ شدہ خیمہ بر خراب زدہ
گھر کے گوشہ سے نکل آیا اور شراب خانہ میں ڈیرہ جما لیا

وصالِ دولتِ بیدار ترسمت ندہند
مجھے ڈر ہے، تجھے بیدار دولت کا وصل نہ دیں گے
کہ خفتہ تو در آغوشِ بختِ خواب زدہ
کیونکہ تو خواب زدہ نصیبہ کی گود میں سویا پڑا ہے

ا محبوب کا چلا جانا دل کا چلا جانا ہے۔
۲ ہماری ہر برائی تو رقیب کی زبان سے سن لیتا ہے خدا کرے اس کی زبان ہی کٹ جائے تاکہ برا نہ کہہ سکے۔
۳ ہمارا کہا سنا معاف کر دے اور واپس آ جا۔
۴ یعنی پیر کے اگرچہ خادم تھے لیکن بڑے باعظمت تھے۔
۵ مجلسوں میں گلاب پاشی کی جاتی تھی تاکہ مجلس معطر رہے۔
۶ معشوقوں کی باہمی چھیڑ چھاڑ سے شکر جو نُقل کے کام آتی ہے بکھری پڑی ہے، پھول گرے پڑے ہیں ستار بھی ٹوٹ گیا ہے۔
۷ یہ مع آئندہ دو شعروں کے قطعہ بند ہے۔
۸ شراب خانہ میں آ کر مقیم ہونا ہمت والوں کا کام ہے۔

فلک جنیبہ کشِ شاہ نصرۃ الدین باد
آسمان، شاہ نصرت الدین کا کوتل گھوڑا کھینچنے والا ہو
بیا ببین فلکش دست در رکاب زدہ
آ، دیکھ، آسمان نے اس کی رکاب تھام رکھی ہے

ہلال[1] تا کہ مگر نعلِ مرکبش گردد
ہلال نے، تاکہ اُس کی سواری کا نعل بن جائے
زبامِ عرش صدش بوسہ بر تراب زدہ
عرش کے بالاخانہ سے اس کی مٹی کو سینکڑوں بوسے دئے ہیں

خرد کہ ملہمِ غیب ست بہرِ کسبِ شرف
عقل جو غیبی باتوں کا الہام کرنے والی ہے شرافت حاصل کرنے کیلئے
ز روئے صدق صدش بوسہ بر جناب زدہ
صدق دلی سے اسکی بارگاہ کو سینکڑوں بوسے دیتی ہے

بیا بمیکدہ[2] حافظ کہ بر تو عرضہ کنم
اے حافظ! میکدہ میں آ، تاکہ تجھ پر پیش کروں

ہزار صف ز دعاہائے مستجاب زدہ
قبول شدہ، دعاؤں کی ہزاروں صفیں

دوش[3] رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
کل، میں شراب خانہ کے دروازہ پر خواب آلودہ چلا گیا
خرقہ تردامن و سجادہ شراب آلودہ
کفنی تردامن تھی، اور مصلّیٰ شراب آلود تھا

آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش
بادہ فروش مغبچہ، افسوس کرتا ہوا آیا
گفت بیدار شو اے رہرو خواب آلودہ
بولا، اے خواب آلود مسافر! بیدار ہو جا

شست و شوی کن و آنگہ بخرابات خرام
نہا دھو لے، پھر شراب خانہ میں چل پھر
تا نگردد ز تو ایں دیرِ خراب آلودہ
تاکہ تجھ سے یہ بتخانہ گندا نہ ہو جائے

بہوائے[4] لبِ شیریں دہناں چند کنی
شیریں دہن، معشوقوں کے عشق میں کب تک کرے گا
جوہرِ روح بیاقوتِ مذاب آلودہ
روح کے جوہر کو پگھلے ہوئے یاقوت سے آلودہ

بطہارت[5] گذراں منزلِ پیری و مکن
بڑھاپے کی منزل کو پاکی سے گزار، اور
خلعتِ شیب بتشریفِ شباب آلودہ
بڑھاپے کے خلعت کو جوانی کے لباس سے گندا نکر

آشنایان[6] رہِ عشق دریں بحرِ عمیق
عشق کے راستہ کے شناسا، اس گہرے سمندر میں
غرقہ گشتند و نگشتند بآب آلودہ
ڈوب گئے، لیکن پانی سے آلودہ نہوئے

پاک و صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آئی
پاک و صاف بن، اور طبیعت کے کنویں سے باہر نکل
کہ صفائے ندہد آبِ تراب آلودہ
اس لیے کہ مٹی ملا ہوا پانی، صفائی نہیں دیتا ہے

گفتم[7] اے جانِ جہاں دفترِ گل عیبے نیست
میں نے کہا، اے جانِ جہاں! کوئی عیب نہیں ہے کہ پھول کی کتاب
کہ شود وقتِ بہار از مئے ناب آلودہ
بہار کے موسم میں خالص شراب سے آلودہ ہو جائے

گفت[8] حافظ برو و نکتہ بیاراں مفروش
بولا اے حافظ! چلا جا، اور دوستوں کے سامنے نکتہ فروشی نہ کر

آہ ازیں لطف بانواعِ عتاب آلودہ
غصہ کی قسموں سے ملی ہوئی اس مہربانی پر افسوس ہے

سحر[9] گاہاں کہ مخمورِ شبانہ
صبح کے وقت، جبکہ میں رات کا مخمور تھا
گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ
میں نے چنگ، اور چغانہ کے ساتھ شراب تھامی

[1] ہلال گھوڑے کے نعل کے مشابہ ہوتا ہے یعنی ہلال کی تمنا ہے کہ اس کے گھوڑے کا نعل بنجائے۔
[2] یعنی میخانہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔
[3] ان تینوں شعروں کا مضمون مسلسل ہے یعنی میں کل نیم خوابی کی حالت میں شراب خانہ میں آیا وہاں ایک مغبچہ آگیا اور بولا نہا دھولے ورنہ شراب خانہ گندا ہو جائے گا۔
[4] یہ بھی مغبچہ نے کہا، یاقوت مذاب سے سرخ آنسو مراد ہیں۔
[5] بڑھاپے کو پاکی سے گذار اور بڑھاپے میں جوانی کے کارنامے چھوڑ دے۔
[6] یعنی عاشق دنیا میں رہتے ہیں اور دنیا کی گندگیوں سے آلودہ نہیں ہوتے ہیں۔
[7] میں نے مغبچہ کے جواب میں کہا کہ اگر موسم بہار میں کچھ تھوڑی بہت پی لیجائے تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔
[8] مغبچہ نے کہا، جا یہ نکتہ بازی ہم سے نہ کر، یہ اس مغبچہ کی غصے سے ملی جلی مہربانی تھی۔
[9] رات بھر شراب نہ ملی صبح کو میں نے چنگ کے ساتھ شراب نوشی کی اور بے خود ہو گیا۔

نہادم عقل را زادِ رہ از مے
میں نے عقل کو شراب کا توشہ دیا

ز شہرِ ہستیش کردم روانہ
ہستی کے شہر سے، میں نے اس کو روانہ کر دیا

نگارِ مے فروشم عشوہ داد
میرے شراب فروش معشوق نے ایسی ادا دکھائی

کہ ایمن گشتم از مکرِ زمانہ
کہ میں زمانہ کے مکر سے محفوظ ہو گیا

ز ساقیِ کماں ابرو شنیدم
کمان جیسے ابرو والے ساقی سے میں نے سنا ق

کہ اے تیرِ ملامت را نشانہ
کہ اے وہ جو کہ ملامت کے تیر کا نشانہ ہے!

نہ بندی[1] زاں میاں طرفے کمر وار
اس کمر سے تو خادمانہ کوئی نفع نہ حاصل کرے گا

اگر خود را بہ بینی در میانہ
اگر اپنے آپ کو درمیان میں دیکھے گا

برو[2] ایں دام بر مرغِ دگر نہ
جا، یہ جال دوسرے پرند پر ڈال

کہ عنقا را بلندست آشیانہ
اس لیے کہ عنقا کا آشیانہ بلند ہے

ندیم[3] و مطرب و ساقی ہمہ اوست
شراب کا ساتھی اور مطرب اور ساقی سب وہی ہے

خیالِ آب و گِل در رہ بہانہ
راستہ میں پانی اور مٹی کا خیال ایک بہانہ ہے

کہ بندد[4] طرفِ وصل از حسنِ شاہے
ایسے شاہ کے حسن سے کون وصل کا فائدہ اٹھا سکتا ہے!

کہ با خود عشق ورزد جاودانہ
جو ہمیشہ خود اپنے آپ سے عشق کرے

بدہ کشتیِ مے تا خوش برآئیم
شراب کی کشتی عنایت کر دے تاکہ ہم اچھی طرح باہر آ سکیں

ازیں دریائے ناپیدا کرانہ
اس دریائے ناپیدا کنارے

سرا خالی ست از بیگانہ مے نوش
مکان غیروں سے خالی ہے، شراب پی

کہ نبود جز تو اے مردِ یگانہ
کیونکہ اے یگانہ مرد تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے

وجودِ[5] ما معمّائیست حافظ
اے حافظ! ہمارا وجود ایک معمّا ہے

کہ تحقیقش فسون ست و فسانہ
کہ جس کی تحقیق ایک منتر اور افسانہ ہے

عید[6] ست و موسمِ گل ساقی بیار بادہ
عید ہے اور موسم بہار، اے ساقی شراب لا!

ہنگامِ گل کہ دیدست بے مے قدح نہادہ
شراب کے بغیر رکھا ہوا پیالہ موسم بہار میں کس نے دیکھا ہے!

زیں زہد و پارسائی بگرفت خاطرِ من
اس زہد اور پارسائی سے میں رنجیدہ ہو گیا ہوں

ساقی پیالہ دہ تا دل شود کشادہ
اے ساقی ایک پیالہ دے! تاکہ دل کھلے

واعظ کہ دی نصیحت میکرد عاشقاں را
جو واعظ، کل عاشقوں کو نصیحت کر رہا تھا

امروز دیدمش مست تقوی بباد دادہ
آج میں نے اس کو مست دیکھا، تقوے کو برباد کئے ہوئے

ایں[7] یک دو روزِ دیگر گل را غنیمتے داں
بہار کے ان دو ایک باقی دنوں کو غنیمت سمجھ

گر عاشقی طرب کن با ساقیانِ سادہ
اگر تو عاشق ہے، سادہ رو ساقیوں کے ساتھ عیش کر

در مجلسِ صبوحی[8] دانی چہ خوش نماید
تجھے معلوم ہے صبح کی شراب کی مجلس میں کس قدر اچھا لگتا ہے؟

عکسِ عذارِ ساقی بر جامِ مے فتادہ
شراب کے جام پر ساقی کے رخسار کا عکس پڑا ہوا

---

[1] جب تک محبوب کی کمر کی طرح خود کو معدوم نہ کرے گا، کمر سے لطف اندوز نہ ہوگا، محبوب کی کمر کو معدوم تصور کیا جاتا ہے۔

[2] نادر محبوب کے حاصل کرنے میں بہت ہی زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔

[3] اس شعر میں خواجہ صاحب نے وحدت الوجود کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی یہ تعینات ظاہری محض ایک بہانہ ہیں ورنہ موجود صرف ایک ذات واحد ہے

[4] جو خود پرست معشوق ہو اس سے کوئی عاشق کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

[5] ہمارا وجود ایک معمہ ہے جس کو نہ موجود ہی کہا جا سکتا ہے نہ معدوم، اور اس کی تحقیق بھی پوری طرح نہیں ہو سکتی ہے۔

[6] موسم بہار ہو اور عید تو پھر کوئی بھی بغیر شراب و جام کے نہیں رہ سکتا ہے۔

[7] موسم بہار عارضی ہے اس میں امرد معشوقوں سے مستی کرنی چاہئے۔

[8] صبوحی کی مجلس میں سب پُر لطف منظر یہ ہے کہ ساقی کا عکس شراب میں نظر آئے۔

گُل رفت اے حریفاں غافل چرا نشینید — بے بانگِ رود و چنگ و بے یار و جامِ بادہ
اے دوستو! موسمِ بہار جا رہا ہے، تم غافل کیوں بیٹھے ہو؟ — رود اور چنگ کی آواز کے بغیر، اور یار اور شراب کے جام کے بغیر

مُطرب چو پردہ سازد شاید اگر بخواند
مُطرب جب ساز درست کرے، مناسب ہوگا اگر پڑھے

از طرزِ شعرِ حافظ در بزمِ شاہزادہ
حافظ کے اشعار کے طرز پر شاہزادہ کی مجلس میں

عیشم مدام ست از لعلِ دلخواہ — کارم بکام ست الحمدللہ
دلپسند ہونٹ سے مجھے، دائمی عیش حاصل ہے — خدا کا شکر ہے میرا کام مقصد کے مطابق ہے

[1]اے بختِ سرکش تنگش بر کش — گہ جامِ زر کش گہ لعلِ دلخواہ
اے سرکش نصیبہ! اس کو زور سے بغل میں دبا — کبھی سنہرا پیالہ پی، کبھی دلخواہ ہونٹ سے لطف حاصل کر

مارا بمستی افسانہ کردند — پیرانِ جاہل شیخانِ گمراہ
ہمیں مستی میں مشہور کر دیا — جاہل پیروں، اور گمراہ شیخوں نے

[2]از قولِ زاہد کردیم توبہ — وز فعلِ عابد استغفر اللہ
ہم نے زاہد کے قول سے توبہ کی — اور عابد کے فعل سے استغفر اللہ

جاناں چہ گویم شرحِ فراقت — [3]چشمے و صد نم جانے و صد آہ
اے جاناں! میں تیرے فراق کی کیا شرح کروں؛ — ایک آنکھ ہے اور سو آنسو، ایک جان ہے اور سو آہیں

[4]کافر مبیناد ایں غم کہ دیدہ است — از قامتت سرو از عارضت ماہ
خدا کرے یہ غم کافر بھی نہ دیکھے، جو دیکھا ہے — سرو نے تیرے قد سے اور چاند نے تیرے رخسار سے

رُو بر نتابم از راہِ خدمت — سر بر ندارم از خاکِ درگاہ
خدمت کے راستے، میں روگردانی نہ کروں گا — درگاہ کی خاک سے، میں سر نہ اٹھاؤں گا

از صبرِ عاشق خوشتر نباشد — صبر از خدا خواہ صبر از خدا خواہ
عاشق کے صبر سے، کوئی چیز بہتر نہ ہوگی — صبر خدا سے چاہ، صبر خدا سے چاہ

[5]دلقِ مُلمع زنارِ راہ است — صوفی نداند ایں رسم و ایں راہ
ملمع کی گدڑی، راہ کا زنار ہے — صوفی اس رسم، اور اس راہ کو نہیں جانتا ہے

دیشب بروُیش خوش بود وقتم — از وصلِ جاناں صد [6]لوحش اللہ
کل رات میں اس کے چہرے سے خوش وقت تھا — جاناں کے وصل سے سو آفریں ہے

شوقِ رخت بُرد از یادِ حافظ
حافظ کو، تیرے رخ کے شوق نے بھلا دیا

وردِ شبانہ درسِ سحر گاہ
رات کا وظیفہ، صبح کا درس

[7]گر تیغ بارد در کوئے آں ماہ — گردن نہادیم الحکم للہ
اُس چاند کے کوچہ میں، اگر تلوار برسے — ہم نے تو گردن رکھدی ہے، حکم خدا کا ہے

---

[1] معشوق کو بغل میں دبا کبھی جام کا بوسہ لے کبھی اس کے ہونٹ کا۔

[2] زاہدوں کے قول سے توبہ کرنی چاہئے اور عابدوں کے افعال پر استغفراللہ پڑھنی چاہئے۔

[3] ایک آنکھ ہے اور سو سو آنسو ہیں ایک جان ہے اور سو سو آہیں ہیں۔

[4] سرو اس کا قد دیکھ کر اور چاند اس کا چہرہ دیکھ کر ایسے غم میں مبتلا ہیں جو خدا دشمن کو کبھی نہ دکھائے۔

[5] راہِ عشق میں ریا کی گدڑی زنار کا کام کرتی ہے ریاکار صوفی ان باتوں سے واقف نہیں ہے۔

[6] لوحش اللہ لا اوحشہ اللہ کا مخفف ہے اس کا لفظی ترجمہ ہے خدا اس کو وحشت میں نہ ڈالے دعا اور تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے۔

[7] ہم نے تو تلواروں کے نیچے سر دھر دیا ہے اب خدا جو چاہے فیصلہ کرے۔

من[1] رند و عاشق آنگاہ توبہ
میں رند اور عاشق ہوں، اور پھر توبہ،

اَستَغفِرُ اللہ اَستَغفِرُ اللہ
استغفر اللہ ، استغفر اللہ

آئینِ تقوے[2] ما نیز دانیم
تقوے کے طریقے ہم بھی جانتے ہیں

اما چہ چارہ با بخت گمراہ
لیکن گمراہ نصیبے کے ہوتے ہوئے کیا چارہ ہے؟

ما شیخ و زاہد کمتر شناسیم
ہم شیخ، اور زاہد کو بہت کم پہچانتے ہیں

یا جامِ بادہ یا قصہ کوتاہ
یا شراب کا جام، یا قصہ مختصر

مہرِ[3] تو عکسے بر ما نیفگند
تیری محبت نے ہم پر ذرا سا بھی عکس نہیں ڈالا

آئینہ رویا آہ از دلت آہ
اے آئینہ جیسے چہرے والے! تیرے دل سے آہ ہے آہ

اَلصَّبرُ مُرٌّ اَلعُمرُ فَانٍ
صبر کڑوا ہے، زندگی فنا ہونیوالی ہے

یَا لَیتَ شِعرِی حَتّٰی مَ اَلقَاہ
اے کاش میں جان جاتا، کب تک اس سے ملوں گا؟

عاشق مخور غم گر وصل خواہی
اے عاشق! غم نہ کر، اگر تو وصل چاہتا ہے

خوں بایدت خورد در گاہ و بیگاہ
موقع اور بے موقع تجھے خون پینا چاہیے

حافظ نبودی زینگونہ بیدل
اے حافظ! تو اس قسم کا بے دل نہ بنتا

گر می شنیدی پندِ نکو خواہ
اگر تو خیر خواہ کی نصیحت سنتا

ماہِ من[4] پردہ بر انداختہ یعنی چہ
اے میرے چاند! تونے پردہ اٹھا دیا ہے کیوں؟

مست از خانہ بروں تاختہ یعنی چہ
تو مست ہو کر گھر سے نکل آیا ہے آخر کیوں؟

شاہِ خوبانی و منظورِ گدایاں شدہ[5]
تو حسینوں کا شاہ ہے، اور فقیروں کا منظورِ نظر ہو گیا ہے

قدرِ ایں مرتبہ نشناختہ یعنی چہ
نہ معلوم اس مرتبہ کی قدر تونے کیوں نہیں پہچانی ہے؟

زلف در دستِ صبا گوش بہ پیغامِ رقیب
زلف صبا کے ہاتھ میں، کان رقیب کے پیغام پر

اینچنیں با ہمہ در ساختہ یعنی چہ
نہ معلوم کیوں تونے اس طرح سب کے ساتھ سازباز کر لی ہے؟

نہ سرِ زلفِ خود اول تو بدستم دادی
کیا تونے پہلے اپنی زلف میرے ہاتھ میں نہ پکڑائی تھی؟

بازم از پائے در انداختہ یعنی چہ
نہ معلوم پھر کیوں مجھے تو نے گرا دیا ہے؟

سخنت[6] رمزِ دہاں گفت و کمر سرِ میاں
تیری گفتگو نے منہ کا، اور پتلی نے کمر کا راز ظاہر کر دیا

وز میاں تیغ بما آختہ یعنی چہ
نہ معلوم ہم پر تونے میان سے کیوں تلوار سونتی ہے!

ہر کس از مہرۂ مہرِ تو بشغلے مشغول
ہر شخص تیری محبت کے مہرے سے ایک شغل میں مشغول ہے

عاقبت با ہمہ در باختہ یعنی چہ
آخر تو نے سب کے ساتھ کیوں بازی لگائی ہے؟

حافظا در[7] دلِ تنگت چو فرود آید یار
اے حافظ! تیرے تنگ دل میں یار کس طرح آئے؟

خانہ از غیر نپرداختہ یعنی چہ
تونے کیوں گھر کو غیر سے خالی نہیں کیا؟

[1] رند اور عاشق توبہ کرے اس خیال پر بھی استغفراللہ پڑھنا چاہیے۔
[2] شعر
جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی
[3] تونے ہم پر تھوڑی سی مہربانی بھی نہ کی تیرے سخت دل پر آہ ہے۔
[4] میرے معشوق نے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے اور مست ہو کر نہ معلوم کیوں گھر سے نکل کھڑا ہوا ہے یہ کسی طرح پر مناسب نہ تھا، فتنہ بپا ہو جائے گا۔
[5] فقیروں کا منظورِ نظر بنجانا بہت بڑا مرتبہ ہے
[6] تیرے منہ اور کمر کا لوگوں کو علم نہ تھا تونے بات کی اور پیٹی کس لی اس لئے ان دونوں چیزوں کا راز ظاہر ہو گیا اس میں ہم بے قصور ہیں۔
[7] جب تک تو غیر کی محبت سے دل کو خالی نہ کریگا محبوب تیرے دل میں فروکش نہ ہوگا۔

نصیبِ من چو خرابات کردہ است الٰہ
خدا نے جب شراب خانہ میرے مقدر میں کر دیا ہے

دریں میانہ بگو زاہدا مرا چہ گناہ
اے زاہد! بتا اس میں میرا کیا گناہ ہے؟

کسیکہ در ازلش جامِ مے نصیب افتاد
ازل میں جس کے نصیب میں شراب کا جام واقع ہوا ہے

چرا بحشر کنند ایں گناہ را در خواہ
اس گناہ کا سوال، حشر میں کیوں کرتے ہیں؟

بگو بزاہدِ سالوسِ خرقہ پوشِ دو روی
دو رخے گدڑی پوش، مکار، زاہد سے کہد و

کہ دستِ زرق دراز ست و آستیں کوتاہ
کہ مکر کا ہاتھ دراز، اور آستین کوتاہ ہے

تو خرقہ راز برائے ہوا ہمی پوشی
تو گدڑی، خواہشِ نفسانی کے لیے پہنتا ہے

ق کہ تا بزرق بری بندگانِ حق از راہ
تاکہ مکاری سے بندگانِ خدا کو راستے سے بھٹکا دے

غلامِ ہمتِ رندانِ بے سر و پایم
ہیں مفلس رندوں کی باطنی توجہ کا غلام ہوں

کہ ہر دو کون نیرزد بہ پیشِ شاں یک کاہ
کہ ان کی نظر میں دونوں جہاں ایک تنکے کے برابر نہیں ہیں

مرادِ من ز خرابات چونکہ حاصل شد
چونکہ میرا مقصد شراب خانہ سے پورا ہو گیا ہے

دلم ز مدرسہ و خانقاہ گشت سیاہ
میرا دل مدرسہ اور خانقاہ سے بیزار ہو گیا ہے

برو گدائے درِ ہر گدائے شو حافظ
اے حافظ! جا اور ہر گدا کے در کا گدا بن

تو ایں مراد نیابی مگر بشیئاً للہ
بجز وشیئاً للہ کے تو یہ مراد نہ پائے گا

وصالِ او ز عمرِ جاوداں بہ
اس کا وصل عمرِ جاوداں سے بہتر ہے

خداوندا مرا آں دہ کہ آں بہ
اے خدا! مجھے وہ دے کیونکہ وہ بہتر ہے

بہ شمشیرم زد و با کس نگفتم
اس نے مجھے تلوار سے مارا، اور میں نے کسی سے نہ کہا

کہ رازِ دوست از دشمن نہاں بہ
دوست کا راز، دشمن سے چھپانا بہتر ہے

شبے میگفت چشمِ کس ندیدہ است
ایک شب وہ کہہ رہا تھا، کسی کی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے

ز مروارید گوشم در جہاں بہ
دنیا میں، میرے کان کے موتی سے بہتر

دلا دائم گدائے کوئے او باش
اے دل! ہمیشہ اس کے کوچے کا فقیر بنا رہ

بحکم آنکہ دولت جاوداں بہ
اس لئے کہ مستقل دولت بہتر ہوتی ہے

بخلدم زاہدا دعوت مفرمای
اے زاہد! مجھے جنت کی دعوت نہ دے

کہ ایں سیبِ زنخ زاں بوستاں بہ
اس لیے کہ یہ ٹھوڑی کا سیب اس باغ سے بہتر ہے

بداغِ بندگی مردن بریں در
اس در پر غلامی کا داغ لے کر مرنا

بجانِ او کہ از ملکِ جہاں بہ
اس کی جان کی قسم، دنیا کی سلطنت سے بہتر ہے

گُلے کاں پایمالِ سروِ ما گشت
جو پھول ہمارے سرو کے پائمال ہوا

بود خاکش ز خونِ ارغواں بہ
اس کی خاک، ارغواں کے خون سے بہتر ہے

خدا را از طبیبِ من بپرسید
خدا کے لئے! میرے طبیب سے پوچھو

کہ آخر کے شود ایں ناتواں بہ
کہ آخر یہ بیمار کب اچھا ہو گا!

ؔ جبکہ میرے مقدر میں شراب نوشی لکھی ہے تو میرا کیا قصور ہے اور مجھ سے حشر میں کیوں باز پرس ہے۔

ؔ زاہدوں اور فقیہوں کی آستین چھوٹی ہوتی تھی یعنی اُن کی آستیں تو چھوٹی ہے لیکن مکاری میں بڑے دراز دست ہیں۔

ؔ شیئاً للہ مجھے خدا کے لئے کچھ دو یہ فقیروں کی صدا ہے جو دروازے پر جا کر لگاتے ہیں۔

ؔ معشوق کا وصال عمرِ جاودانی سے بہتر ہے اے خدا مجھے وصل ہی عنایت فرما دے۔

ؔ مستقل دولت اُسکے کوچہ کی گداگری ہے۔

ؔ محبوب کی غلامی میں جان دینا دنیا کی سلطنت سے بہتر ہے۔

ؔ جو پھول محبوب کے پیروں پائمال ہو گیا اس کی خاک ارغواں کے خون سے بہتر ہے۔

جوانا[1] سر متاب از پندِ پیراں
اے جوان! بوڑھوں کی نصیحت سے روگردانی نہ کر
کہ رائے پیر از بختِ جواں بہ
اس لیے کہ بوڑھے کی رائے جوان نصیبہ سے بہتر ہے

اگرچہ زندہ[2] رود آبِ حیات ست
اگرچہ زندہ رود، آبِ حیات ہے
ولے شیرازِ ما از اصفہاں بہ
لیکن ہمارا شیراز اصفہان سے بہتر ہے

سخن اندر دہانِ دوست گوہر
دوست کے منہ میں بات، گوہر ہے
ولیکن گفتۂ حافظ ازآں بہ
لیکن حافظ کا کلام، اس سے بہتر ہے

ردیفِ یائے تحتانی

آں غالیہ خط گر سوئے[3] ما نامہ نوشتے
اگر وہ غالیہ جیسے خط والا، ہمیں خط لکھتا
گردوں[4] ورقِ ہستیِ ما در ننوشتے
تو آسمان ہماری ہستی کے ورق کو طے نہ کرتا

ہر[5] چند کہ ہجراں ثمرِ وصل برآرد
اگرچہ ہجر، وصل کا پھل لاتا ہے
دہقانِ ازل کاش کہ ایں تخم نہ کشتے
کاش کہ ازل کا کاشتکار یہ بیج نہ بوتا

آمرزشِ[6] نقد ست کسے راکہ درینجا
اس کو نقد عطا حاصل ہے، جس کا یہاں
یارے ست چو حورے و سرائے چو بہشتے
حور جیسا دوست ہے اور بہشت جیسا گھر ہے

مفروش بباغِ ارم و نخوتِ شدّاد
باغِ ارم، اور شدّاد کے تکبّر کے بدلے نہ بیچ
یک[7] شیشہ مے و نوشِ لبے و لبِ کشتے
شراب کی ایک بوتل کو اور ہونٹ کے شہد اور کھیت کے کنارے کو

تنہا نہ منم کعبۂ دل بتکدہ کردہ
تنہا میں ہی اپنے دل کو بتکدہ بنائے نہیں ہوں
در ہر قدمے[8] صومعہ ہست و کنشتے
ہر قدم پر ایک صومعہ اور ایک آتشکدہ ہے

در مصطبۂ عشق تنعّم نتواں کرد
عشق کے شراب خانہ میں عیش پرستی نہیں کی جاسکتی ہے
چوں بالشِ زر نیست بسازیم بخشتے
جب سونے کا تکیہ نہیں ہے، ہم کسی اینٹ کا بنا لیں گے

کلکت[9] کہ مریزاد زبانِ شکر ئیش
تیرے قلم نے، خدا اس کی میٹھی زبان نہ گرائے
مہر از تو ندید ارنہ جوابے بنوشتے
تیری محبت نہ دیکھی، ورنہ کوئی جواب لکھتا

معمارِ وجود[10] ار نہ زدے رنگِ تو از عشق
وجود کا معمار، اگر تجھ میں عشق کی رنگ آمیزی نہ کرتا
در آبِ محبت گِلِ آدم نہ سرشتے
آدم کی مٹی کو محبت کے پانی سے نہ گوندھتا

تا کے غمِ دنیائے دنی اے دلِ ناداں
اے نادان دل! کمینی دنیا کا غم کب تک
حیف[11] ست زخوبے کہ شود عاشقِ زشتے
افسوس ہے! اس حسین پر جو برے کا عاشق بنے

آلودگیِ خرقہ خرابیِ جہان ست
گدڑی کی گندگی، دنیا کی بربادی ہے
کو راہروے پاک دلے خوب سرشتے
ایسا راہبر کہاں ہے، جو پاک دل، نیک طبیعت ہو

[1] جو خوبی بوڑھوں کی تدبیر میں ہے وہ جوان تقدیر میں بھی نہیں ہے۔
[2] زندہ رود اصفہان کی ایک نہر کا نام ہے
[3] یعنی ہم فراق سے نہ مرتے۔
[4] ہجر کے بعد اگرچہ وصل میسر آجاتا ہے لیکن کیا اچھا ہوتا کہ ہجر ہی نہ ہوتا۔
[5] جنّت کی حور و قصور تو اُدھار ہے یہاں جس کو اچھا دوست اور اچھا گھر میسر آجائے اس کو یہ چیزیں نقد حاصل ہیں۔
[6] شراب کا شیشہ اور معشوق کا بوسہ اور کھیتی کا کنارہ دیکر اگر باغ ارم جو شدّاد نے جنت بنائی تھی اور شدّاد کا تکبر بھی ملے تو نہ لینا چاہیے۔
[7] ہر قدم پر اس کا جلوہ ہے۔
[8] تیرے قلم نے چونکہ تجھ میں محبت کا رنگ نہ پایا اس لیے ہمیں جواب نہ لکھا۔
[9] تیری ذات ایسی ہی ہے کہ اس سے عشق کیا جائے اگر منظور قدرت یہ نہ ہوتا تو آدم کی مٹی کو محبت کے پانی سے نہ گوندھا جاتا۔
[10] انسان کو خدا نے جو حسین ساخت عنایت کی ہے تو اب دنیا جیسی کمینی چیز پر عاشق ہونا بری بات ہے۔

ازدست چراہشت سرِ زلفِ تو حافظ
حافظ نے تیری زلف کیوں ہاتھ سے چھوڑی!
تقدیر چنیں بود چہ کردے کہ نہشتے
تقدیر ہی ایسی تھی، کیا کرتا اگر نہ چھوڑتا

اَتَتْ رَوَائِحُ رَنْدِ الْحِمٰی وَزَادَ غَرَامِیْ
حمٰی کے رند کی خوشبوئیں آئیں، اور میرا عشق بڑھادیا
مَنِ الْمُبَلِّغُ عَنِّیْ اِلٰی سُعَادَ سَلَامِیْ
میری جانب سے میرا سلام، سعاد کو پہونچانیوالا کون ہے؟

پیامِ دوست شنیدن سعادت ست و سلامت
دوست کا پیغام سننا سعادت اور سلامتی ہے
فدائے خاکِ درِ دوست باد جانِ گرامی
خدا کرے ہماری بزرگ جان، دوست کے در پر فدا ہوجائے

بیا بشامِ غریبان و آبِ دیدۂ من بیں
شامِ غریباں میں آ، اور میری آنکھ کے آنسوؤں کو دیکھ
بسانِ بادۂ صافی در آبگینۂ شامی
صاف شراب کی طرح، شامی شیشے میں

اِذَا تَقَرَّبَ عَنْ ذِی الْاَرَاكِ طَائِرُ خَیْرٍ
بھلائی کا پرندجب ذی الاراک کے قریب آئے
فَلَا تَفَرَّدَ عَنْ رَوْضِهَا اَنِیْنُ حَمَامِیْ
تو میرے کبوتر کا رونا اس کے باغ سے جدا نہ ہو

خوشا دمے کہ درآئی و گوئیمت بسلامت
وہ وقت کیا اچھا ہوگا کہ تو آئے، اور میں تجھے سلامتی سے کہوں
قَدِمْتَ خَیْرَ قُدُوْمٍ نَزَلْتَ خَیْرَ مَقَامٍ
تو خوب آیا، بہترین جگہ اُترا

بسے نماند کہ روزِ فراقِ ما بسر آید
زیادہ وقت نہیں رہا کہ ہمارے فراق کا زمانہ ختم ہوجائے
رَاَیْتُ مِنْ بُقْعَاتِ الْحِمٰی قِبَابَ خِیَامٍ
میں نے حمٰی کے چٹیل میدانوں میں خیموں کے قبے دیکھے ہیں

من ارچہ ہیچ ندارم سزائے خدمتِ شاہاں
میں اگرچہ بادشاہوں کے دربار کے لائق کچھ نہیں رکھتا ہوں
زہر کارِ صوابم قبول کن بغلامی
میرے درست کاموں کی وجہ سے مجھے غلامی میں قبول کرلے

امید ہست کہ زودت بکامِ خویش ببینم
امید ہے کہ میں جلد تجھے اپنے مقصد کے مطابق پاؤں گا
تو شاد گشتہ بفرماندہی و من بغلامی
کہ تو آقائی میں خوش ہوگیا ہے، اور میں غلامی میں

بَعُدْتُ مِنْكَ وَقَدْ صِرْتُ ذَائِبًا كَهِلَالٍ
میں تجھ سے دور ہوا اور میں پگھل کر ہلال جیسا ہوگیا
اگرچہ روئے چو ماہت ندیدہ ام بتمامی
اگرچہ میں نے تیرا چاند جیسا چہرہ، مکمل نہیں دیکھا

وَاِنْ دُعِیْتُ بِلَحْدٍ وَصِرْتُ نَاقِضَ عَهْدٍ
اور اگر میں لحد میں بلایا جاؤں اور میں عہد شکن ہوگیا ہوں
فَمَا تَطَیَّبَ نَفْسِیْ وَمَا اسْتَطَابَ مَنَامِیْ
تو خدا کرے میں بے خوش نہوں اور نیند خوشگوار نہو

چو سلکِ درِ خوشابست شعرِ نظمِ تو حافظ
اے حافظ! تیری نظم کے اشعار آبدار موتیوں کی لڑی کی طرح ہیں
کہ گاہِ لطف سبق می برد ز نظمِ نظامی
کہ لطف کے وقت نظامی کی نظم سے سبقت لیجاتے ہیں

اکنوں کہ ز گل باز چمن شد چو بہشتے
اب جبکہ چمن پھول کی وجہ سے پھر ایک بہشت جیسا ہوگیا ہے
ساقی مئے گلگوں لطلب بر لبِ کشتے
اے ساقی! کسی کھیتی کے کنارے سرخ شراب منگا

اے کاج قضا نامۂ عمرم ننوشتے
اے کاش، قضا میرا عمرنامہ نہ لکھتی
واکنوں کہ نوشتت بزودی ننوشتے
اور اب جبکہ اس نے لکھدیا ہے، تو جلدی نہ لکھتی

۱؎ سعاد محبوبہ کے جنگل کی خوشبو نے میرے عشق کو بھڑکا دیا کوئی میرا سلام ہی اس تک پہونچا دے۔ رَند ایک خوشبودار درخت ہے حمٰی چراگاہ یہاں سعاد کی منزل مراد ہے۔
۲؎ اراک، پیلو کا درخت، ذی الاراک پیلو کا جنگل، مراد مقامِ محبوب ہے۔
۳؎ اگر میری موت اس حالت میں ہو کہ میں وفادار نہ رہوں تو مجھے قبر کی اچھی حالت میسر نہ آئے۔
۴؎ موسم بہار آگیا ہے شراب نوشی ہونی چاہیے۔
۵؎ یا تو ہم پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے اب ہوگئے ہیں تو ذرا دراز عمر ملنی چاہیے تھی۔

زنگِ غمت از دل مے گلرنگ زداید
گو رنگ شراب تیرے دل سے غم کے زنگ کو صاف کردیگی
بشنو کہ چنیں گفت مرا پاک سرشتے
سن! مجھ سے ایک پاک طبیعت نے ایسا ہی کہا ہے

گر محتسبت بر کدوئے بادہ زند سنگ
اگر محتسب تیری شراب کی تومڑی پر پتھر مارے
بشکن تو کدوئے سرِ او نیز بخشتے
تو بھی اس کے سر کا کدو ایک اینٹ سے توڑ دے

جہلِ[۱] من و علمِ تو فلک را چہ تفاوت
میری نادانی، اور تیرے علم میں آسمان کے لیے کیا فرق ہے؟
آنجا کہ بصر نیست چہ خوبے و چہ زشتے
جہاں بینائی نہیں ہے، کیا اچھائی اور کیا برائی؟

زاہد[۲] نکنم نسیہ حکایت کہ بنقدم
اے زاہد! مجھ سے ادھار کا قصہ بیان نہ کر اسلیے کہ مجھے نقد حاصل ہے
ترکیست چو حورے و سرائے چو بہشتے
حور جیسا ایک معشوق، اور بہشت جیسا ایک مکان

بر خاکِ رہِ خواجہ کہ ایوانِ کمال ست
خواجہ کے راستہ کی خاک پر، جو کہ کمال کا محل ہے
گر بالشِ زر نیست بسازیم بخشتے
اگر سونے کا تکیہ حاصل نہیں ہے، کسی اینٹ پر گذارا کرلیں گے

ترسا[۳] بچہ دوش ہمی گفت کہ حافظ
اک ترسا بچہ، کل کہہ رہا تھا کہ حافظ
حیف ست کہ ہر دم کند آہنگِ کنشتے
افسوس ہے، ہر وقت آتشکدہ کا قصد کرتا ہے

اے[۴] باد، نسیمِ یار داری
اے ہوا! تیرے پاس یار کی خوشبو ہے
زاں نفحہ مشکبار داری
اسی وجہ سے تیری مشکبار خوشبو ہے

زنہار مکن دراز دستی
ہرگز، دراز دستی نہ کر
با طرۂ او چہ کار داری
تیرا، اس کی زلف سے کیا مطلب ہے؟

اے[۵] گل تو کجا و روئے زیباش
اے پھول! کہاں تو اور کہاں اس کا حسین چہرہ!
او مشک تر و تو خار داری
وہ تازہ مشک ہے، اور تو خار دار ہے

ریحاں تو کجا و خطِ سبزش
اے ریحان! کجا تو اور کجا اس کا سبز خط!
او تازہ و تو غبار داری
وہ تازہ ہے، اور تو غبار دار ہے

نرگس[۶] تو کجا و چشمِ مستش
اے نرگس! کجا تو اور کجا اس کی مست آنکھ!
او سرخوش و تو خمار داری
وہ مست ہے، اور تجھ پر خمار ہے

اے سرو تو با قدِ بلندش
اے بلند سرو! تو اس کے بلند قد کے مقابلہ میں
در باغ چہ اعتبار داری
باغ میں کیا عزت رکھتا ہے!

اے[۷] عقل تو با وجودِ عشقش
اے عقل! تو اس کے عشق کے ہوتے ہوئے
در دست چہ اختیار داری
اپنے ہاتھ میں کیا، اختیار رکھتی ہے!

روزے برسی بوصلِ حافظ
اے حافظ! تو ایک دن وصل تک پہونچ جائیگا
گر طاقتِ انتظار داری
اگر تو انتظار کی طاقت رکھتا ہے

۱ آسمان اندھا ہے اس کے سامنے جہل وعلم یکساں ہیں۔
۲ زاہد اُدھار کا وعدہ کرتا ہے ہمیں حور و قصور نقد حاصل ہیں۔
۳ حافظ مسلمان ہوکر ہروقت آتشکدہ کا رخ کرتا ہے۔
۴ ہوا اس لیے مشکبار بنی ہوئی ہے کہ اس میں محبوب کی خوشبو مل گئی ہے۔
۵ پھول میں کانٹا ہے محبوب کا رخسار اس عیب سے بری ہے۔
۶ محبوب کی آنکھ مست ہے اور نرگس خمار میں مبتلا ہے۔
۷ عشق کے سامنے عقل بے اختیار ہے۔

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
اے بے خبر! کوشش کر تاکہ تو صاحبِ خبر بنے
تا راہرو نباشی تو کے راہبر شوی
جب تک تو مسافر نہ بنے گا، راہبر کیسے بنے گا

در مکتبِ وجود بپیشِ ادیبِ عشق
زندگی کے مکتب میں، عشق کا ادب سکھانے والے کے سامنے
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی
ہاں اے بیٹا کوشش کر تاکہ کسی دن باپ بنے

دست از مس وجود چو مردانِ رہ بشوئی
مردانِ راہ کی طرح، وجود کے تانبے سے ہاتھ دھولے
تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی
تاکہ تو عشق کی کیمیا، پالے اور سونا بنجائے

خواب و خورت ز مرتبۂ عشق دور کرد
تجھے سونے اور کھانے نے عشق کے مرتبہ سے دور کردیا ہے
آندم رسی بدوست کہ بیخواب و خور شوی
تو دوست تک اس وقت پہونچے گا جب کہ خواب و خور بنجائیگا

گر نورِ عشقِ حق بدل و جانت او فتد
اگر اللہ کے عشق کا نور تیرے دل اور جان پر پڑجائے
باللہ کز آفتابِ فلک خوب تر شوی
خدا کی قسم تو آسمان کے سورج سے بہتر ہوجائے گا

از پائے تا سرت ہمہ نورِ خدا شود
تیرے سر سے پیر تک، سب خدا کا نور ہوجائے گا
در راہِ ذوالجلال چو بے پاؤ سر شوی
جب تو ذوالجلال کی راہ میں بے سر و پا بن جائے گا

بنیادِ ہستی تو چو زیر و زبر شود
تیری ہستی کی بنیاد جب زیر و زبر ہوجائے
در دل مدار ہیچ کہ زیر و زبر شوی
کچھ دل میں نہ لا، کہ تو زیر و زبر ہوجائے گا

وجہِ حقیقت ار شودت منظرِ نظر
اگر تیرے پیشِ نظر، حقیقت کا چہرہ ہوجائے گا
زیں پس شکے نماند کہ صاحب نظر شوی
اس کے بعد کوئی شک نہیں کہ تو صاحب نظر ہوجائیگا

گر در سرت ہوائے وصال ست حافظا
اے حافظ! اگر تیرے سر میں وصل کی تمنا ہے
باید کہ خاکِ درگہِ اہلِ بصر شوی
تجھے چاہیے کہ تو اہلِ بصر کی درگاہ کی خاک بن جائے

اے پادشہِ خوباں داد از غمِ تنہائی
اے حسینوں کے بادشاہ! تنہائی کے غم سے فریاد ہے
دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی
تیرے بغیر دل جان سے عاجز آگیا ہے، وقت ہے کہ تو لوٹ آئے

اے دردِ توام درماں در بسترِ ناکامی
اے وہ کہ ناکامی کے بستر میں تیرا درد میرا علاج ہے
وے یادِ توام مونس در گوشۂ تنہائی
اے وہ کہ گوشۂ تنہائی میں تیری یاد میری مونس ہے

مشتاقی و مہجوری دور از تو چنانم کرد
عشق اور ہجر نے، تجھ سے دور ہوکر، مجھے ایسا کردیا
کز دست بخواہد شد دامانِ شکیبائی
کہ صبر کا دامن، ہاتھ سے چھوٹ جائے گا

دائم گلِ ایں بستاں شاداب نمی ماند
اس باغ کا پھول، ہمیشہ شاداب نہیں رہتا ہے
دریاب ضعیفاں را در وقتِ توانائی
طاقت کے وقت کمزوروں کی دلجوئی کر

صد بادِ صبا اینجا بے سلسلہ میرقصند
اس جگہ سیکڑوں بادِ صبا، بدون زنجیر کے رقص کرتی ہیں
انیست حریف اے دل تا بادیہ پیمائی
اے دل یہ دوست موجود ہے تاکہ تو صحرا نوردی کرے

در دائرہ قسمت ما نقطۂ پرکاریم
ہم قسمت کے دائرہ میں، پرکار کا نقطہ ہیں
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی
مہربانی وہی ہے جو تو خیال کرے، حکم وہ ہے جو تو دے

---

۱ انسان محنت سے باخبر بنتا ہے جب سفر کی مصیبتیں اٹھاتا ہے تب رہبری کرسکتا ہے۔
۲ مکتبِ عشق میں جب تو محنت کریگا تب ہی بڑا بنے گا۔
۳ جب انسان خودی کو مٹادیتا ہے کامل بنجاتا ہے۔
۴ انسان کا سونا اور کھانا راہِ عشق میں رکاوٹیں ہیں۔
۵ عشقِ الٰہی کا نور انسان کو آفتاب سے افضل بنادیتا ہے۔
۶ اگر تو اپنے وجود کو مٹائے گا تو یہ نہ سمجھ کہ تو تباہ ہوجائے گا
۷ تیرا درد ہی میری دوا ہے۔
۸ حسن ناپائیدار چیز ہے اس کے ہوتے ہوئے ناتوانوں پر رحم کر۔
۹ سیکڑوں بادِ صبا اس کی زلف میں رقص کرتی ہیں اگر تجھے صحرا نوردی کرنی ہے تو یہ تیری دوست ہیں۔
۱۰ ہم دائرۂ قسمت میں پرکار کے نقطہ کی طرح بے اختیار ہیں۔

فکرِ خود و رائے خود در عالمِ رندی نیست — کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی
رندی کی دنیا میں اپنی فکر اور اپنی رائے نہیں ہوتی ہے — اس مذہب میں خود بینی، اور خود رائی کفر ہے

یارب۱؎ بکہ بتواں گفت ایں نکتہ کہ در عالم — رخسارہ بکس ننمود آں شاہدِ ہر جائی
اے خدا یہ نکتہ کس سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں؛ — اُس ہر جائی معشوق نے کسی کو رخسار نہیں دکھایا ہے

دیشب۲؎ گلہ زلفت با بادِ صبا کردم — گفتا غلطی بگذر زیں فکرتِ سودائی
کل رات میں نے تیری زلف کا شکوہ بادِ صبا سے کیا — اُس نے کہا تو غلطی پر ہے، اس پاگل پن کو چھوڑنے

ساقی۳؎ چمن گل را بے روئے تو رنگے نیست — شمشاد خراماں کن تا باغ بیارائی
اے ساقی پھول کے چمن میں تیرے چہرے کے بغیر کوئی رونق نہیں ہے — شمشاد کو ٹہلا تاکہ تو باغ کو رونق بخشے

زیں دائرۂ مینا خونیں جگرم مے دہ — تا حل کنم ایں مشکل زیں ساغرِ مینائی
اس مینائی دائرہ سے میں خونی جگر ہوں شراب دے — تاکہ اس جڑاؤ ساغر سے میں اس مشکل کو حل کروں

حافظ شبِ ہجراں شد بوئے خوشِ صبح آمد
اے حافظ ہجر کی رات ختم ہوئی، صبح کی خوشبو آئی
شادیت مبارکباد اے عاشقِ شیدائی
اے شیدائی عاشق! تجھے خوشی مبارک ہو

اے۴؎ در رخِ تو پیدا انوارِ پادشاہی — در فکرتِ تو پنہاں صد حکمتِ الٰہی
اے وہ کہ تیرے رخ میں بادشاہی نور ظاہر ہیں — تیری فکر میں، سو خدائی حکمتیں پوشیدہ ہیں

کلکِ۵؎ تو بارک اللہ در ملک و دیں کشادہ — صد چشمۂ آبِ حیواں از قطرۂ سیاہی
خدا تیرے قلم میں برکت دے جسنے ملک اور دین کے معاملہ میں کھولدیئے ہیں — سیاہی کے ایک قطرے سے آبِ حیات کے سینکڑوں چشمے

بر۶؎ اہرمن نتابد انوارِ اسمِ اعظم — ملک آنِ تست و خاتم فرما ہر آنچہ خواہی
شیطان پر اسمِ اعظم کے نور نہیں چمکتے ہیں — ملک اور انگوٹھی تیری ملکیت ہے، تو جو چاہے حکم دے

در حشمتِ سلیماں ہر کس کہ شک نماید — بر عقل و دانشِ او خندند مرغ و ماہی
سلیمان کے دبدبہ میں، جو شخص شک ظاہر کرے — پرندے اور مچھلیاں اس کی عقل اور سمجھ پر ہنسیں گی

تیغے۷؎ کہ آسمانش از فیضِ خود دہد آب — تنہا جہاں بگیرد بے منتِ سپاہی
وہ تلوار، جس پر آسمان اپنے فیض سے آب چڑھائے — سپاہیوں کے احسان کے بغیر، تنہا ملک فتح کرے گی

گر۸؎ پر توے ز تیغت بر کان و معدن افتد — یاقوتِ سرخ رو را بخشند رنگِ کاہی
اگر تیری تلوار کا ذرا سا عکس کان اور معدن پر پڑ جائے — سرخ رو یاقوت کو، کاہی رنگ دیدیں گے

دانم دلت ببخشد بر اشکِ شب نشیناں — گر حالِ ما بپرسی از بادِ صبح گاہی
مجھے معلوم ہے تیرا دل رحم کھائے گا شب نشینوں کے آنسوؤں پر — اگر تو صبح کی ہوا سے ہمارا حال دریافت کرے گا

ساقی۹؎ بیار آبے از چشمۂ خرابات — تا خرقہ ہا بشوئیم از عُجبِ خانقاہی
اے ساقی! شراب خانہ کے چشمے سے پانی لا — تاکہ ہم خانقاہی تکبر سے گدڑی دھولیں

باز۱۰؎ ار چہ گاہ گاہے بر سر نہد کلاہے — مرغانِ قاف دانند آئینِ پادشاہی
اگرچہ کبھی کبھی، باز بھی سر پر تاج رکھتا ہے — بادشاہی کے طریقے، کوہِ قاف کے پرندے جانتے ہیں

۱؎ خدا ظاہر جلوہ ہے لیکن اسکو کسی نے نہیں دیکھا ہے۔
۲؎ اس کی قید سے رہائی ممکن نہیں ہے لہذا شکوہ بیکار ہے۔
۳؎ چمن کی رونق محبوب سے ہی ہے جب وہ خرام ناز سے چلیگا تب رونق آئے گی۔
۴؎ یہ قصیدہ شاہ منصور کی تعریف میں ہے جس نے شاہ یحییٰ کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کرلیا تھا۔
۵؎ تیرا قلم لوگوں کے لیے آبِ حیات کا کام کرتا ہے۔
۶؎ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کی انگشتری پر اسم اعظم کندہ تھا جس کی وجہ سے وہ انسانوں اور جنوں پر حکومت کرتے تھے صخرہ نامی دیو نے وہ انگوٹھی چرالی تھی لیکن پھر بھی حکومت اس کو راس نہ آئی۔
۷؎ تیری تلوار کو آسمانی تائید حاصل ہے بلا لشکر کے بھی تو ملک فتح کر سکتا ہے۔
۸؎ اگر تیری تلوار کا عکس کانوں پر پڑ جائے تو یاقوت خوف کی وجہ سے زرد رنگ ہو جائے۔
۹؎ عبادت کا تکبر شراب سے ہی دھویا جاسکتا ہے۔

۱۰؎ باز سے مراد شاہ یحییٰ ہے یا امیر تیمور جس نے اس کو شیراز پر قابض بنا دیا تھا مشہور ہے ہما کوہ قاف میں رہتا ہے مرغانِ قاف سے مراد شاہ منصور ہے۔

در دودمانِ آدم تا وضعِ سلطنت ہست
آدم کے خاندان میں جب سے سلطنت کا طریقہ ہے

مثلِ تو کس ندیدہ است ایں علم را کماہی
اس علم کو کما حقہٗ تیری طرح کسی نے نہیں جانا ہے

کلکِ[1] تو خوش نویسد در شانِ یار و اغیار
تیرا قلم دوستوں، اور غیروں کے حق میں خوب لکھتا ہے

تعویذِ جانفزائی و افسونِ عمر کاہی
جانفزائی کا تعویذ، اور عمر گھٹانے کا منتر

عمریست پادشاہا کز مے تہی ست جامم
اے بادشاہ! کافی وقت گذر گیا ہے کہ شراب سے میرا جام خالی ہے

اینک ز بندہ دعویٰ وز محتسب گواہی
یہ بندہ کا دعویٰ ہے، اور محتسب کی گواہی ہے

اے عنصرِ تو مخلوق از کیمیائے عزت
اے وہ! کہ تیری حقیقت عزت کی کیمیا سے بنی ہے

وے دولتِ تو ایمن از صدمتِ تباہی
اور وہ! کہ تیری دولت تباہی کے صدمے سے محفوظ ہے

جائے[2] کہ برقِ عصیاں بر آدمِ صفی زد
جس جگہ، کہ گناہ کی بجلی آدم صفی اللہ پر گری

مارا چہ گونہ زیبد دعوائے بیگناہی
ہمیں بے گناہی کا دعوے کیسے زیب دے سکتا ہے!

یا ملجاء البرایا یا واہب العطایا
اے مخلوق کے ملجا! اے عطیوں کے دینے والے!

عطفاً علیٰ مقلٍ حلت بہ الدواھی
مہربانی کر، اس تنگدست پر جس پر مصیبتیں نازل ہو گئیں ہیں

جور[3] از فلک نیاید تا تو ملک صفاتی
جب تک تو فرشتہ صفت موجود ہے، آسمان ظلم نہ کر سکے گا

ظلم از جہاں بروں شد تا تو جہاں پناہی
دنیا سے ظلم غائب ہو گیا ہے جب تک تو دنیا کی پناہ ہے

حافظ چو دوست از تو گہ گاہ میبرد نام
اے حافظ! جبکہ دوست تیرا کبھی کبھی نام لیتا ہے

رنجش ز بخت منما باز آ بعذر خواہی
نصیبے سے رنجیدہ نہ ہو، عذر خواہی کے لئے واپس آجا

اے[4] دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی
اے دل! یہ بہتر ہے کہ تو سرخ شراب سے مست ہو

بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی
بغیر سونے اور خزانے کے، قارون کی سی سیکڑوں حشمتوں سے تو بسا ہو

در مقامے کہ صدارت بفقیراں بخشند
جس جگہ کہ فقیروں کو صدارت دیں

چشم دارم کہ بجاہ از ہمہ افزوں باشی
مجھے توقع ہے، کہ تو مرتبہ میں سب سے بڑھا ہوا ہوگا

تاجِ[5] شاہی طلبی گوہرِ ذاتی بنما
اگر تو شاہی تاج چاہتا ہے، ذاتی جوہر دکھا

ور خود از گوہرِ جمشید و فریدوں باشی
اگرچہ تو جمشید اور فریدوں کی نسل سے ہو

در رہِ[6] منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
لیلیٰ کی منزل کے راستہ میں، جان کے لیے بہت خطرے ہیں

شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی
پہلے ہی قدم کے لئے یہ شرط ہے کہ تو مجنوں بن جائے

کارواں[7] رفت و تو در خواب و بیاباں در پیش
قافلہ چلا گیا اور تو نیند میں ہے اور آگے جنگل ہے

کے روی رہ ز کہ پرسی چہ کنی چوں باشی
کب چلے گا، راستہ کس سے پوچھے گا، کیا کرے گا، کیسے رہیگا؟

نقطۂ عشق نمودم بتو ہاں سہو مکن
میں نے تجھے عشق کا نقطہ دکھا دیا ہے، دیکھنا بھول نہ جانا

ورنہ چوں بنگری از دائرہ بیروں باشی
ورنہ جب تو نہ دیکھے گا دائرے سے باہر نکل جائے گا

ساغرے نوش کن و جرعہ بر افلاک فشاں
ایک ساغر پی، اور آسمانوں پر ایک گھونٹ چھڑک

تا بچند از غمِ ایام جگر خوں باشی
کب تک زمانہ کے غم سے جگر کو خون کئے رکھے گا؟

[1] تیرے قلم کے ذریعہ دوستوں کی عمر بڑھتی اور دشمنوں کی عمر گھٹتی ہے۔

[2] جب حضرت آدم گناہ سے نہ بچ سکے تو ہم کیا بچیں گے۔

[3] جب تک تیری بادشاہت ہے آسمان کوئی ظلم نہیں کر سکتا ہے اور دنیا سے ظلم ختم ہو گیا ہے۔

[4] دل میں اگر دولتِ عشق ہے تو پھر بغیر خزانوں کے قارون کی دولت میسر ہے۔

[5] بادشاہت کیلئے ذاتی جوہر درکار ہے صرف نسلی شرافت سے کام نہیں چلتا ہے۔

[6] عشق کے راستہ میں جان کے لیے بہت خطرے ہیں، پہلا قدم رکھنے کی یہ شرط ہے کہ انسان مجنوں صفت بنے۔

[7] انسان اگر خوابِ غفلت میں پڑا رہے گا تو پھر منزل طے نہ کر سکے گا۔

حافظ از فقر مکن نالہ کہ گر شعر اینست
اے حافظ! افلاس سے نالاں نہ ہو، اس لئے کہ اگر یہی شعر ہیں

ہیچ خوشدل نہ پسندد کہ تو محزوں باشی
کوئی خوش دل یہ نہ پسند کرے گا کہ تو غمگین رہے

اے دل بکوئے عشق گذارے نمیکنی
اے دل! تو عشق کے کوچہ میں کیوں نہیں گذرتا ہے

اسباب جمع داری و کارے نمیکنی
تیرے پاس سارے اسباب ہیں اور تو کوئی کام نہیں کرتا ہے

چوگانِ کام در کف و گوئے نمیزنی
ہاتھ میں مقصد کا بلا ہے، اور گیند نہیں مارتا ہے

بازے چنیں بدست و شکارے نمیکنی
ایسا باز ہاتھ میں ہے، اور تو کوئی شکار نہیں کرتا ہے

ایں خوں کہ موج میزند اندر جگر چرا
یہ خون جو جگر میں موجیں مار رہا ہے، کیوں

در کارِ رنگ و بوئے نگارے نمیکنی
کسی معشوق کے رنگ و بو کے کام میں نہیں لگاتا ہے؟

مشکیں ازاں نشد دمِ خلقت کہ چوں صبا
تیرے اخلاق کا سانس اسی وجہ سے مشکیں نہیں ہوا ہے کہ صبا کی طرح

بر خاکِ کوئے دوست گذارے نمیکنی
تو دوست کے کوچہ کی خاک پر سے نہیں گذرتا ہے

گر دیگراں بجاں غمِ جاناں خریدہ اند
اگر دوسروں نے محبوب کا غم جان کے بدلے خریدا ہے

اے دل تو ایں معاملہ بارے نمیکنی
اے دل! تو یہ معاملہ اب کیوں نہیں کرتا ہے؟

ترسم کزیں چمن نبری آستینِ گل
مجھے ڈر ہے کہ تو اس چمن سے پھولوں بھری آستین نہیں لیجا سکیگا

کز گلبنش تحملِ خارے نمیکنی
اس لئے کہ تو اس کی شاخ سے کسی کانٹے کی برداشت نہیں کرتا ہے

در آستینِ کام تو صد نافہ مندرج
تیرے مقصد کی آستین میں، سیکڑوں نافے بھرے ہیں

وانرا فدائے طرۂ یارے نمیکنی
تو ان کو یار کی زلف پر قربان نہیں کرتا ہے

ساغر لطیف و دلکش و مے افگنی بخاک
ساغر لطیف اور دلکش ہے اور تو شراب خاک پر بہا رہا ہے

واندیشہ از بلائے خمارے نمیکنی
اور تو خمار کی مصیبت کی فکر نہیں کرتا ہے

حافظ برو کہ بندگیِ بارگاہِ دوست
اے حافظ! جا، دوست کی بارگاہ کی غلامی

گر جملہ می کنند تو بارے نمیکنی
اگر سب کرتے ہیں، تو ایک بار بھی نہیں کرتا ہے

اے دل اگر از چاہِ زنخداں بدر آئی
اے دل! اگر تو ٹھوڑی کے کنوئیں سے باہر نکلے گا

ہر جا کہ روی زود پشیماں بدر آئی
جہاں بھی جائیگا، جلد پشیمان ہو کر واپس آجائیگا

ہشدار کہ گر وسوسۂ عقل کنی گوش
ہوشیار رہ، اگر عقل کے وسوسہ کی طرف کان لگائیگا

آدم صفت از روضۂ رضواں بدر آئی
آدم کی طرح رضوان کے باغ سے باہر نکل آئے گا

تا کے چو صبا بر تو گمارم دمِ ہمت
صبا کی طرح کب تک تجھ پر اپنی ہمت کو متوجہ رکھوں

کز غنچہ چو گل خرم و خنداں بدر آئی
کہ غنچہ سے پھول کی طرح تو ہنسی، خوشی باہر نکل آئے

در تیرہ شبِ ہجرِ تو جانم بلب آمد
تیرے ہجر کی تاریک رات میں، میری جان ہونٹوں پر آگئی

وقت ست کہ ہمچوں مہ تاباں بدر آئی
وقت ہے کہ روشن چاند کی طرح تو باہر نکل آئے

۱۔ اگر حافظ کے اشعار کی یہی خوبی ہے تو اس کو فقر کی شکایت نہ رہیگی۔
۲۔ جب سارے اسباب مہیا ہیں تو عشق کی راہ میں کچھ کام کرنا چاہئے۔
۳۔ اگر خونِ جگر کسی محبوب کے کام نہ آیا تو بیکار ہے۔
۴۔ اخلاق میں مشک کی خوشبو جب پیدا ہوگی جب تیرا دوست کے کوچہ سے گذر ہوگا۔
۵۔ اگر کانٹے کی برداشت نہ کرے گا آستین کو پھولوں سے نہ بھر سکے گا۔
۶۔ جو دل معشوق سے رہائی چاہیگا شرمندہ ہوگا۔
۷۔ عقل بہکاتی ہے اگر اس کی بات کی طرف دھیان کیا تو جنت ہاتھوں سے جاتی رہیگی۔

جاں میدہم از حسرتِ آں لعلِ رواں بخش
اس روح بخش ہونٹ کی حسرت میں میں جان دیتا ہوں

باشد کہ چو خورشیدِ درخشاں بدر آئی
ہو سکتا ہے کہ چمکدار، سورج کی طرح تو باہر نکل آئے

شاید کہ باآبے فلکت دست بگیرد[1]
شاید کہ آسمان کچھ پانی سے تیری دست گیری کرے

گر تشنہ لب از چشمۂ حیواں بدر آئی
اگر تو چشمۂ حیوان سے پیاسا باہر نکل آئے

در خانۂ غم چند نشینی بملامت
غم کے گھر میں تو کب تک ملامت کی وجہ سے بیٹھا رہے گا؟

وقت ست کہ از دولتِ سلطاں بدر آئی
وقت ہے کہ بادشاہ کی دولت کی وجہ سے تو باہر نکلے

برخاکِ درت بستہ ام از دیدہ دو صد جوی[2]
تیرے در کی خاک پر میں نے آنکھوں سے سینکڑوں نہریں جاری کی ہیں

باشد کہ تو چوں سروِ خراماں بدر آئی
ہو سکتا ہے کہ تو سروِ خراماں کی طرح باہر نکل آئے گا

حافظ مکن اندیشہ کہ آں یوسفِ مصری
اے حافظ! فکر نہ کر، کیونکہ وہ مصری یوسف

باز آید و از کلبۂ احزاں[3] بدر آئی
لوٹ آئے گا، اور تو غموں کی کوٹھری سے باہر نکل آئے گا

اے قصۂ بہشت[4] ز کویت حکایتے
اے دوست کہ بہشت کا قصہ تیرے کوچہ کی ایک معمولی کہانی ہے

شرحِ جمالِ حور ز رویت روایتے
حور کے حسن کی شرح تیرے چہرے کی ایک حقیر روایت ہے

انفاسِ عیسیٰ[5] از لبِ لعلت لطیفۂ
حضرتِ عیسیٰ کے سانس تیرے ہونٹوں کا معمولی نکتہ ہیں

و آبِ خضر ز نوشِ لبانت کنایتے
اور آبِ خضر تیرے ہونٹوں کے شہد کا ایک اشارہ ہے

کے عطر سائے مجلسِ روحانیاں شدے
روحانی لوگوں کی مجلس میں، عطر مہکانے والا کب ہوتا

گل را اگر نہ بوئے تو کردے رعایتے
اگر تیری خوشبو پھول کے ساتھ رعایت نہ برتتی

در آرزوئے[6] خاکِ درِ دوست سوختیم
دوست کے در کی خاک کی آرزو میں ہم جل گئے

یاد آور اے صبا کہ نکردی حمایتے
اے صبا! یاد رکھنا تو نے کوئی حمایت نہیں کی

در آتش[7] ار خیالِ رخش دست میدہد
آگ میں اگر اس کے رخ کا خیال حاصل ہو جاتا ہے

ساقی بیا کہ نیست ز دوزخ شکایتے
تو اے ساقی تو آجا کیونکہ دوزخ کی کوئی شکایت نہیں ہے

بوئے دلِ کبابِ من آفاق را گرفت[8]
میرے کباب شدہ دل کی بو نے تمام دنیا کو گھیر لیا

ویں آتش اندر او بکند ہم سرایتے
اور یہ آگ اس میں بھی سرایت کرے گی

اے دل بہ ہرزہ دانش و دینت ز دست رفت
اے دل! تیری عقل اور دین بیکار ہاتھ سے گئے

صد مایہ داشتی و نکردی کفایتے
تو بہت سرمایہ رکھتا تھا اور تو نے کوئی کفایت شعاری نہ کی

ہر پارہ[9] از دلِ من و از غصہ قصۂ
میرے دل کا ہر ایک ٹکڑا، رنج و غم کا ایک قصہ ہے

ہر سطرے از خیالِ تو از رحمت آیتے
تیرے خیال کی ہر سطر، رحمت کی ایک آیت ہے

دانی مرادِ حافظ ازیں آہ و نالہ چیست
تجھے معلوم ہے اس آہ اور نالے سے حافظ کا کیا مقصد ہے؟

از تو کرشمۂ و ز خسرو عنایتے
تیری ایک ادا اور بادشاہ کی ایک عنایت

---

[1] محرومیوں کے بعد بھی حضرت حق دستگیری کرتے ہیں۔
[2] سرو نہروں کے کنارے پر لگایا جاتا ہے۔
[3] کلبۂ احزان وہ کوٹھری کہلاتی ہے جہاں حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے فراق کے دن گذارے تھے۔
[4] تیرے کوچہ کی سی رونق بہشت میں کہاں ہے حور کو تیرا حسن میسر نہیں ہے
[5] حضرتِ عیسیٰؑ کے سانس سے مردہ زندہ ہو جاتا تھا تیرے ہونٹوں میں اس سے بڑھ کر اثر ہے، تیرے ہونٹ آبِ حیات سے بڑھ کر ہیں۔
[6] اگر صبا اس کی خوشبو لے آتی تو ہمارا یہ حال نہ بنتا۔
[7] اگر محبوب کے رخسار کا خیال جہنم میں بھی حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شراب سے بچنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ شراب نوشی کی سزا جہنم ہو سکتی ہے جو ہمارے اصل مقصد یعنی خیالِ یار سے مانع نہیں ہوگی۔
[8] فراق میں ہمارا دل کباب بن گیا ہے اور اس کی خوشبو دنیا میں پھیل رہی ہے شاید معشوق تک بھی پہونچ جائے اور وہ رحم کردے۔
[9] میرا دل پارہ پارہ ہو گیا اور ہر پارہ میں ایک رنج کا قصہ مضمر ہے، تیرے خیال کی ہر سطر میرے لیے رحمت کی آیت ہے۔

اے ز شرمِ عارضت گُل کردہ خوئی
اے وہ کہ تیرے رخسار کی شرم سے پھول پسینے پسینے ہے

در عَرَق پیشِ عقیقت جامِ مے
تیرے عقیق لب کے سامنے شراب کا جام پسینہ میں ڈوبا ہوا ہے

ژالہ[1] بر لالہ است یا بر گُلِ گلاب
لالہ پر اوس ہے، یا گُل پر گلاب

یا بر آتش آب یا بر رُوت خُوے
یا آگ پر پانی ہے، یا تیرے چہرے پر پسینہ

میشد از چشم آں کمان ابرو و دل
وہ کمان جیسے ابروؤں والا آنکھوں سے اوجھل ہو رہا تھا اور دل

از پَیَش میرفت و گُم می کرد پے
اس کے پیچھے جا رہا تھا، اور راستہ بھول رہا تھا

امشب[2] از زلفش نخواہم داشت دست
آج کی رات اس کی زلف سے ہاتھ نہ ہٹاؤں گا

رو مؤذّن بانگ بر میزن کہ حے
مؤذّن جا، اذان دے کہ آؤ

چوں بنی عامر[3] بسے مجنوں شوند
بنی عامر کی طرح بہت سے مجنوں ہو جائیں گے

گر بروں آید یکے لیلیٰ ز حے
اگر تھوڑی دیر کے لئے لیلیٰ قبیلے سے باہر آ جائے

نے[4] دمے لب بر لبِ مُطرب نہاد
نے نے تھوڑی دیر کے لیے مُطرب کے ہونٹ پر ہونٹ رکھا

چنگ را در زیرِ ناخن کرد نے
نے نے چنگ کو ناخن میں کر دیا

آنکہ بر ہر جرعۂ جاں میدہد
جو شخص ہر گھونٹ پر جان دیتا ہے

جاں از و بستان و جامے دہ بوے
اس سے جان لے لے اور اس کو ایک جام دے

عُود بر آتش نہ و منقل بسوز
آگ پر عود رکھ، اور انگیٹھی سلگا

غم مدار از کثرتِ سرمایِ دے[5]
دے (مہینہ) کے زیادہ جاڑے کا غم نہ کر

باتو زیں[6] پس گر فلک خواری کند
اس کے بعد، اگر تجھے آسمان ذلیل کرے

باز گو در حضرتِ دارائے رے
رے کے بادشاہ کے دربار میں جا کر کہہ دے

خسروِ آفاقِ بخشش کز سخا
بخشش کی دنیا کا بادشاہ کہ سخاوت کی وجہ سے

نامۂ حاتم[7] ز نامش گشت طے
حاتم نامہ اس کے نام کی وجہ سے طے ہو گیا

چنگ را بر دستِ مُطرب[8] دہ دمے
تھوڑی دیر کے لیے چنگ کو مُطرب کے ہاتھ پر رکھ

گو رگش بخراش و بخروشم زوے
کہہ دے کہ اس کی رگ کو چھیل اور میں اس سے شور کروں

جامِ مے[8] پیش آر و چوں حافظ مخور
شراب کا پیالہ سامنے رکھ، اور حافظ کی طرح نہ کھا

غم کہ جم کے بود یا کاؤس کے
غم، کہ جمشید کب تھا، اور کاؤس کب

ایکہ بر[9] ماہ از خطِ مشکیں نقاب انداختی
اے وہ کہ تو نے مشکی خط سے چاند پر نقاب ڈالا ہے

لطف کردی سایۂ بر آفتاب انداختی
تو نے مہربانی کی، آفتاب پر ایک سایہ ڈالا ہے

تا چہ خواہد کرد بر ما تابِ زلفِ عارضت
دیکھیے تیرے رخسار کی زلف کی چمک ہم سے کیا کرتی ہے!

حالیا[10] نیرنگ رنگ خوش بر آب انداختی
فی الحال تو تو نے ایک خوشرنگ نقش پانی پر کھینچا ہے

گوئے خوبی بردی از خوبانِ عالم شادباش
شاباش! دنیا کے حسینوں سے تو حسن کی بازی جیت لے گیا

جامِ کیخسرو طلب کافرا[11]سیاب انداختی
کیخسرو کا جام طلب کر کیونکہ تو نے افراسیاب کو پچھاڑ دیا ہے

---

۱ محبوب کے عرق آلود رُخ کی یہ تشبیہات ہیں۔
۲ مؤذن اذان میں حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے "نماز کے لیے آؤ" یعنی ہم مؤذن کی اس پکار کی پرواہ نہ کریں گے اور محبوب سے جدا نہ ہوں گے۔
۳ قیس جس کو مجنون کہا جاتا ہے بنی عامر قبیلہ کا تھا "حے" بمعنی قبیلہ۔
۴ بانسری کو یہ مرتبہ ملا کہ اس نے مُطرب کے لب پر لب دھرا اس غم میں چنگ لاغر ہو کر اس قابل ہو گئی کہ اس کو ناخن میں رکھ لیا جائے چنگ کو ناخن سے بجایا جاتا ہے۔
۵ دے جاڑوں کا مہینہ ہے جو عموماً نومبر دسمبر میں پڑتا ہے۔
۶ "رے" وہی شہر ہے جہاں کے امام فخر الدین رازی رہنے والے تھے یہ شعر حاکم "رے" کی تعریف میں ہے۔
۷ ممدوح کی بخشش حاتم طائی سے بڑھی ہوئی ہے اسی لئے اس کا کارنامہ طے کر کے رکھ دیا گیا ہے اس کو کوئی نہیں پڑھتا ہے۔
۸ دنیا کی ناپائیداری کا غم نہ کر اور شراب پی۔ ۹ سبزۂ خط کو مشکی نقاب اور رخ کو آفتاب و ماہتاب سے تشبیہ دی ہے ۱۰ چہرہ کو آب اور زلف کو نقش برآب قرار دیا ہے۔ ۱۱ افراسیاب توران کا بادشاہ [illegible]

گرچہ از مستی خرابم طاعتِ من رد مکن
اگرچہ میں مستی کی وجہ سے خراب ہوں، میری بندگی کو تو رد نہ کر
کاندریں شغلم بامیدِ ثواب انداختی
کیونکہ تو نے مجھے اس شغل میں ثواب کی امید پر لگایا ہے

گنجِ عشقِ خود نہادی در دلِ ویرانِ من
تو نے میرے ویران دل میں اپنے عشق کا خزانہ رکھ دیا ہے
سایۂ دولت بریں کنجِ خراب انداختی
اس برباد گوشہ پر تو نے دولت کا سایہ ڈال دیا ہے

خوابِ[۱] بیداراں ببستی آنگہ از نقشِ خیال
تو نے بیداروں کی نیند کو باندھ دیا ہے پھر خیال کے نقش سے
تہمتے بر شبروانِ خیلِ خواب انداختی
نیند کے لشکر کے ڈاکوؤں پر تو نے تہمت رکھ دی ہے

پردہ از رُخ برفگندی یک نظر در جلوہ گاہ
جلوہ گاہ میں تھوڑی دیر کے لیے تو نے رُخ سے پردہ اٹھا دیا ہے
وز حیا حور و پری را در حجاب انداختی
اور حیا کی وجہ سے تو نے حور و پری کو پردے میں ڈال دیا

از برائے صیدِ دل در گردنم زنجیرِ زلف
دل کے شکار کے لیے میری گردن میں زلف کی زنجیر
چوں کمندِ خسروِ مالک رقاب انداختی
گردنوں کے مالک، بادشاہ کی کمند کی طرح تو نے ڈال دی

نصرۃ الدین[۲] شاہ یحییٰ اے کہ تاجِ آفتاب
اے نصرۃ الدین بادشاہ یحییٰ! آفتاب کے تاج کو
از سرِ تعظیم و قدرت در تُراب انداختی
تعظیم اور قدرت کی وجہ سے تو نے مٹی میں ملا دیا

داورِ دارا شکوہ اے آنکہ تاجِ آفتاب
اے دارا کے دبدبہ والے بادشاہ! آفتاب کے تاج کو
از سرِ تعظیم بر خاکِ جناب انداختی
تعظیم کی وجہ سے اپنی بارگاہ کی خاک پر تو نے گرا دیا ہے

زینہار از آبِ شمشیرت کہ شیراں را از آں
تیری تلوار کی آب سے پناہ ہے کہ شیروں کو اس سے
تشنہ میکردی و گرداں را در آب انداختی
تو نے پیاسا کر دیا، اور پہلوانوں کو پانی میں گرا دیا

بادہ[۳] نوش از جامِ عالم بیں کہ بر اورنگِ جم
جہاں بیں جام سے شراب پی، اس لیے کہ جمشید کے تخت پر
شاہدِ مقصود را از رُخ نقاب انداختی
مقصود کے معشوق کے رخ سے تو نے نقاب الٹ دیا

ہر[۴] کسے با شمعِ رخسارت بنوعے عشق داشت
ہر شخص تیرے رخسار کی شمع سے ایک قسم کا عشق رکھتا ہے
زیں میاں پروانہ را در اضطراب انداختی
ان میں سے پروانے کو تو نے پریشانی میں ڈال دیا ہے

از فریبِ نرگسِ مخمور و چشمِ مے پرست
نشیلی نرگس، اور شراب پرست آنکھوں کے فریب کی وجہ سے
حافظِ خلوت نشیں را در شراب انداختی
گوشہ نشین حافظ کو تو نے شراب میں مبتلا کر دیا ہے

اے[۵] کہ دائم بخویش مغروری
اے وہ کہ تو ہمیشہ خودی میں مغرور ہے
گر ترا عشق نیست معذوری
اگر تجھے عشق نہیں ہے، تو تو معذور ہے

گردِ دیوانگانِ عشق مگرد
عشق کے دیوانوں کے چاروں طرف چکر نہ کاٹ
کہ بعقلِ عقیلہ مشہوری
کیونکہ تو بلند رتبہ عقل میں مشہور ہے

مستیِ[۶] عشق نیست در سرِ تو
تیرے سر میں عشق کی مستی نہیں ہے
رَو کہ تو مستِ آبِ انگوری
جا تو انگور کے پانی کا مست ہے

روئے زرد است و آہِ درد آلود
زرد چہرہ، اور درد بھری آہ
عاشقاں را گواہِ رنجوری
عاشقوں کی بیماری کے، گواہ ہیں

---

۱ تیرے خیال نے عاشقوں کی نیند اڑا دی ہے اور تہمت نیند کے لشکر پر دھری جا رہی ہے کہ وہ حملہ میں ناکام ہے۔
۲ شاہ یحییٰ وہ بادشاہ ہے جس کو امیر تیمور نے شیراز فتح کرنے کے بعد گدی پر بٹھا دیا تھا۔
۳ چونکہ تو جمشید کے تخت کا مالک ہے لہٰذا جامِ جہاں نما سے شراب پی۔
۴ ہر شخص کو ایک خاص قسم کا عشق ہے پھر پروانہ ہی کیوں مضطرب رہے۔
۵ خود پسندی کیساتھ دولتِ عشق حاصل نہیں ہوتی ہے۔
۶ عشق کی مستی ہونی چاہئے شراب کی مستی بے حقیقت ہے۔

بگذر از ننگ و نامِ خود حافظ
اے حافظ! اپنی ذلت و عزت کو چھوڑ
ساغرِ مے طلب کہ مخموری
شراب کا ساغر مانگ، کیونکہ تو خمار میں ہے

اے کہ در کشتنِ ما ہیچ مدارا نکنی
اے وہ کہ تو ہمارے قتل کرنے میں کوئی رعایت نہیں کرتا ہے
سود و سرمایہ بسوزی و محابا نکنی
تو نفع اور سرمایہ کو جلاتا ہے اور کوئی خوف نہیں برتتا ہے

دردمندانِ غمت زہرِ ہلاہل نوشند
تیرے غم کے بیمار، قاتل زہر پیتے ہیں
قصدِ ایں قوم خطا باشد ہیں تا نکنی
اس قوم کو قتل کرنا، غلطی ہوگی، ہرگز نہ کرنا

رنجِ ما را کہ تواں برد بیک گوشۂ چشم
ہمارا رنج، جو ایک گوشۂ چشم سے دور کیا جا سکتا ہے
شرطِ انصاف نباشد کہ مداوا نکنی
انصاف نہ ہوگا اگر تو اس کا علاج نہ کرے

دیدۂ ما کہ بامیدِ تو دریاست چرا
ہماری آنکھ جو تیری تمنا میں دریا ہے کیوں
بتفرج گذرے بر لبِ دریا نکنی
تفریح کے لیے، تو دریا کے کنارے نہیں جاتا ہے؟

نقلِ ہر جور کہ از خلقِ کریمت گویند
تیرے شریف اخلاق کا لوگ، جو ظلم بیان کرتے ہیں
قولِ صاحب غرضان ست تو اینہا نکنی
وہ خود غرضوں کی بات ہے، تو یہ نہیں کرتا ہے

بر تو گر جلوہ کند شاہدِ ما اے زاہد
اے زاہد! اگر ہمارا معشوق تجھے جلوہ دکھاوے
از خدا جز مے و معشوق تمنا نکنی
تو شراب اور معشوق کے سوا تو خدا سے کوئی تمنا نہ کرے

حافظا سجدہ بمحرابِ دو ابرویش کن
اے حافظ! اس کے دونوں ابروؤں کی محراب میں سجدہ کر
کہ دعائے ز سرِ صدق جز آنجا نکنی
اس لیے کہ سچی دعا اس جگہ کے سوا تو نہیں کر سکتا ہے

اے کہ در کوئے خرابات مقامے داری
اے وہ کہ تو شراب خانہ کے کوچہ میں قیام رکھتا ہے
جمِ وقتِ خودی ار دست بجامے داری
اگر تیرے ہاتھ میں جام ہے تو تو اپنے وقت کا جمشید ہے

اے کہ با زلف و رخِ یار گذاری شب و روز
اے وہ کہ تو دن رات دوست کی زلف اور رخ کے ساتھ گذارتا ہے
فرصتت باد کہ خوش صبحے و شامے داری
تجھے زیادہ موقع ملے کیونکہ تو اچھی صبح و شام رکھتا ہے

اے صبا سوختگاں بر سرِ رہ منتظر اند
اے صبا! جلے ہوئے راستہ پر منتظر ہیں
اگر از یارِ سفر کردہ پیامے داری
اگر سفر میں گئے ہوئے دوست کا تیرے پاس کوئی پیغام ہے

بوئے جاں از لبِ خندانِ قدح میشنوم
میں جان کی خوشبو، پیالے کے ہنستے ہوئے ہونٹ سے سونگھتا ہوں
بشنو اے خواجہ تو گر زانکہ مشامے داری
اے خواجہ! اگر تیرے پاس دماغ ہے تو بھی سونگھ

کامِ ار می طلبد از تو غریبے چہ شود
اگر تجھ سے کوئی پردیسی کسی مقصد کا طلبگار ہے تو کیا ہو جائیگا؟
توئی امروز دریں شہر کہ نامے داری
تو ہی ہے، جو آج اس شہر میں مشہور ہے

خالِ سر سبز تو خوش دانۂ عیشے ست ولے
تیرا ابھرا ہوا تِل عیش کا بہترین دانہ ہے لیکن
بر کنارِ چمنش وہ کہ چہ دامے داری
ہائے! اس کے چمن کے کنارے تو کیا جال رکھتا ہے

۱ جب تک خام عشق ہوتا ہے انسان نام و ننگ میں مبتلا رہتا ہے۔ مکمل عشق ان چیزوں کو ختم کر دیتا ہے۔

۲ تو نے ہمارا سب کچھ تباہ کر دیا پھر بھی ہم سے مروت نہیں برتتا ہے۔

۳ زہرِ ہلاہل، قاتل زہر جو کسی دوا سے اچھا نہ ہو۔ ہلاہل چین کے علاقہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اس پر ایک بوٹی اگتی ہے اس کی جڑ قاتل زہر ہے۔

۴ شعر [illegible]

۵ تیرے ظلم و جفا کے قصے مطلب کے بندے بیان کرتے پھرتے ہیں جن کی بات ناقابلِ اعتبار ہے۔

۶ اگر شراب خانہ میں کسی کے ہاتھ میں جام ہے تو وہ اپنے وقت کا جمشید ہے۔

۷ جس کو محبوب کا رخ اور زلف میسر آ جائے وہ بڑا خوش وقت ہے۔

۸ فراق میں جلے ہوئے عاشق منتظر کھڑے ہیں اے صبا کوئی پیغام

۹ اس شہر میں تیرا ہی نام مشہور ہے اگر کسی پردیسی کی حاجت روائی کر دیگا تو تیرا کیا بگڑ جائے گا۔ ۱۰ حسن سبزت بخطِ سبز مرا کرد اسیر ٭ دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

گو بہنگام¹ وفا گرچہ ثباتت نبود
کہ بد دوف کے وقت اگرچہ تیرا ٹکاؤ نہیں ہے
میکنم شکر کہ بر جور دوامے داری
میں شکر گذار ہوں، کہ ظلم پر تو جماؤ رکھتا ہے

مہرباں شد فلک و ترکِ جفاکاری کرد
آسمان مہربان بنا، اور اس نے جفا کاری چھوڑ دی
تو نئی ایجاں کہ دریں شیوہ قوامے داری
اے جان تو ہی ہے جو اس طریقہ میں مستقل ہے

اے کہ با وصلِ دلآرام گزیدی خلوت
اے وہ! کہ تو معشوق کے وصل کے ساتھ خلوت نشیں بنا
بغنیمت شمر ایں عیش کہ کامے داری
اس عیش کو غنیمت سمجھ، کہ تو بامراد ہے

بس² دعائے سحرت حافظِ جاں خواہد بود
صبح کی بہت سی دعا تیری جان کی نگہبان ہو گی
تو کہ چوں حافظِ شب خیز غلامے داری
چونکہ تو شب بیدار، حافظ جیسا غلام رکھتا ہے

اے کہ مہجوریِ عشّاق روا میداری
اے وہ کہ عاشقوں کی مہجوری کو تو جائز رکھتا ہے
بندگاں را ز برِ خویش جدا میداری
غلاموں کو اپنے پاس سے، تو علیحدہ رکھتا ہے

تشنۂ³ بادیہ را ہم بزلالے دریاب
جنگل کے پیاسہ کی بھی صاف پانی سے مدد کر
بامیدے کہ دریں رہ بخدا میداری
اس امید پر جو تو اس راستہ میں خدا سے رکھتا ہے

دل⁴ ربودی و بحل کردمت ایجاں لیکن
تو دل لے گیا، اور اے جان میں نے تجھے معاف کردیا لیکن
بہ ازیں دار نگاہش کہ مرا میداری
اس کی حفاظت اس سے زیادہ کر، جتنی تو میری کرتا ہے

ساغرِ ما کہ حریفانِ دگر می نوشند
ہمارا وہ ساغر جو دوسرے حریف پی رہے ہیں
ما تحمل نکنیم ار تو روا میداری
ہم برداشت نہیں کرتے ہیں، اگر تو جائز رکھتا ہے

اے مگس⁵ عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہِ تست
اے مکھی! سیمرغ کا میدان تیری جولانگاہ نہیں ہے
عرضِ خود میبری و زحمتِ ما میداری
تو اپنی آبرو ریزی کرتی ہے اور ہمیں تکلیف پہونچاتی ہے

تو⁶ بتقصیرِ خود افتادی ازیں در محروم
تو اپنی کوتاہی سے اس در سے محروم ہوا ہے
از کہ می نالی و فریاد چرا میداری
کس سے نالہ کرتا ہے، اور کیوں فریاد کرتا ہے؟

اے دلِ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار
اے خام تمنا والے دل! اس معاملہ سے ذرا شرم کر
کارِ ناکردہ چہ امیدِ عطا میداری
کام کئے بغیر، تو بخشش کی کیا اُمید کرتا ہے؟

حافظا عادتِ خوباں ہمہ جورست و جفا
اے حافظ؛ حسینوں کی عادت تو سراسر ظلم و زیادتی ہے
تو کہ زیں طائفہ امیدِ وفا میداری
تو کون ہے جو اس گروہ سے وفا کی امید رکھتا ہے؟

ایں⁷ خرقہ کہ من دارم در رہنِ شراب اولیٰ
یہ گدڑی جو میں پہنے ہوئے ہوں، اس کا شراب میں رہن ہونا بہتر ہے
ویں دفترِ بیمعنیٰ غرقِ مئے ناب اولیٰ
اور اس بے معنیٰ دفتر کا خالص شراب میں ڈوبنا بہتر ہے

چوں⁸ عمر تبہ کردم چندانکہ نگہ کردم
چونکہ میں نے عمر تباہ کردی ہے، جس قدر بھی میں نے غور کیا
در کنجِ خراباتے افتادہ خراب اولیٰ
کسی شرابخانہ کے گوشے میں، مست پڑا رہنا بہتر ہے

---

۱. تو وفا میں مستقل مزاج نہیں ہے، جفا میں بڑا مستقل مزاج ہے۔ اسی پر ممنون ہوں،
۲. شب بیدار حافظ تیرا غلام ہے اور صبح کے وقت تیرے لئے دعا کرتا ہے جو عموماً مقبول ہوتی ہے۔
۳. پیاسے کو پانی پلانا بڑے ثواب کا کام ہے
۴. تو نے دل چرالیا ہے اور میں نے تجھے معاف کردیا ہے۔ تو نے میری توبلندی کی ہے اسکی بے قدری نہ کرنا۔
۵. عشق کے میدان میں جانبازی ہمت والوں کا کام ہے۔ کم ہمت خود بھی ذلیل ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی پریشان کرتا ہے۔
۶. جبکہ انسان اپنی ہی بے عملی کیوجہ سے محروم ہو تو پھر نالہ اور فریاد لغو ہے۔
۷. دفتر سے مراد علوم ظاہری کی وہ کتابیں ہیں جو تصوف سے خالی ہیں۔
۸. باقی عمر کو بکار آمد بنانا چاہئے اور اس کی یہی صورت ہے۔

من حالِ دلِ شیدا با خُلق نخواہم گفت
میں دیوانے دل کا حال، لوگوں سے نہ کہوں گا
کایں قصہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ
اس لیے کہ اگر میں یہ قصہ بیان کروں تو چنگ و رباب کے ساتھ بیان کرنا بہتر ہے

تا بے سروپا باشد اوضاعِ فلک زیں ساں
جب تک آسمان کے حالات اسی طرح بے سروپا رہیں گے
در سر ہوسِ ساقی در دست شراب اولیٰ
تو سر میں ساقی کا عشق، اور ہاتھ میں شراب رہنا بہتر ہے

از ہمچو تو دلدارے دل بر نکنم آرے
تجھ جیسے معشوق سے میں دل نہ ہٹاؤں گا، ہاں
گر تاب کشم بارے زاں زلفِ بتاب اولیٰ
اگر اب میں اس پر شکن زلف سے رنج اٹھاؤں تو بہتر ہے

چوں مصلحت اندیشی دور است ز درویشی
چونکہ درویشی سے مصلحت اندیشی بعید ہے
ہم سینہ پر آتش بہ ہم دیدہ پر آب اولیٰ
سینہ کا آگ سے بھرا ہوا ہونا بہتر ہے، آنکھوں کا پرنم رہنا بہتر ہے

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو
اے حافظ! جب تو بوڑھا ہو گیا ہے، شرابخانہ سے باہر چلا جا
رندی و ہوسناکی در عہدِ شباب اولیٰ
رندی، اور عشقبازی، جوانی میں بہتر ہے

الحمد للہ علیٰ معدلۃ السلطان
میں شاہ کے انصاف پر خدا کی تعریف کرتا ہوں
احمدِ شیخ اویسِ حسنِ ایلخانی
جو احمد شیخ اویس حسن، ایلخانی ہے

خانِ بن خان شہنشاہِ شہنشاہ نژاد
وہ خان کا بیٹا خان، شہنشاہ کا بیٹا شہنشاہ ہے
آنکہ می زیبد اگر جانِ جہانش خوانی
اگر تو اس کو جانِ جہاں کہے، تو مناسب ہے

دیدہ نادیدہ باقبالِ تو ایماں آورد
آنکھ بن دیکھے، تیرے اقبال پر ایمان لائی
مرحبا اے بہمہ لطف خدا ارزانی
خوش آمدید، تو خدا کی، تمام مہربانیوں کے لائق ہے

بر شکنِ طرۂ ترکانہ کہ در کاکلِ تست
تیری کاکلوں میں، جو ترکوں والا طرہ ہے اس کی شکن پر
بخشش و کوششِ قاآنی و چنگز خانی
قاآنی اور چنگیز خانی بخشش، اور کوشش ہے

ماہ اگر بے تو بر آید بدو نیمش بزنند
اگر تیرے بغیر چاند نکلے تو اس کے دو ٹکڑے کر دیں
دولتِ احمدی و معجزۂ سبحانی
احمدی دولت، اور خدائی معجزہ

جلوۂ حسنِ تو دل میبرد از شاہ و گدا
تیرے حسن کا جلوہ شاہ و گدا کا دل اچک لیتا ہے
چشمِ بد دور کہ ہم جانی و ہم جانانی
چشم بد دور کہ تو جان بھی ہے، اور جاناں بھی

گرچہ دوریم بیادِ تو قدح مینوشیم
اگر چہ ہم دور ہیں، تیری یاد میں پیالہ پی رہے ہیں
بُعدِ منزل نبود در سفرِ روحانی
روحانی سفر میں، منزل کی دوری نہیں ہوتی ہے

از گلِ فارسیم غنچۂ عیشے نشگفت
فارس کی مٹی سے میرے عیش کا کوئی غنچہ نہ کھلا
حبذا دجلۂ بغداد و مئے روحانی
بغداد کے دجلے، اور روحانی شراب پر آفریں ہے

سرِ عاشق کہ نہ خاکِ درِ معشوق بود
عاشق کا وہ سر جو معشوق کے در کی خاک نہ بنے
کے خلاصش بود از محنتِ سرگردانی
اس کو سرگردانی کی تکلیف سے کب نجات ملسکتی ہے؟!

ہمہ اطراف گرفت و ہمہ آفاق کشاد
تمام اطراف پر قبضہ کر لیا، پورے آفاق کو فتح کر لیا
صیتِ مسعودیِ دادارِ شہِ سلطانی
انصاف کرنے والے بادشاہ کی مبارک شہرت نے

۱ فقیروں کا کام مصلحت اندیشی نہیں ہے لہٰذا ہر وقت سینہ میں عشق کی آگ اور آنکھوں میں آنسو رہنے چاہئیں۔
۲ یہ قصیدہ سلطان احمد ابن شیخ اویس ابن حسن الخاقانی کی تعریف میں کہا ہے جو بغداد کا حاکم تھا۔
۳ قاآن، چنگیز خاں کا لڑکا تھا جو نہایت سخی تھا، چنگیز خاں ترکستان کا مشہور بہادر بادشاہ تھا جس کی پیدائش ۵۲۹ھ میں ہوئی۔ اس نے بغداد سے عباسی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا، یہ خود آتش پرست تھا۔ اس کے بعد اس کا پوتا توبلا قاآن مسلمان ہوا ہے۔
۴ دجلہ بغداد کا مشہور دریا ہے۔ بغداد کی آبادی اسی دریا کے دونوں کناروں پر ہے۔
۵ جو عاشق معشوق کے در کی خاک نہ بنیگا ہمیشہ پریشان رہیگا۔

ای نسیمِ سحری خاکِ رہِ یار بیار
اے صبح کی نسیم! دوست کے راستہ کی خاک لا

تاکند حافظ ازآں دیدۂ جاں نورانی
تاکہ حافظ اس سے جان کی آنکھ کو نورانی بنائے

ای بادِ صبا بگذر آنجا کہ تو میدانی
اے بادِ صبا! اس جگہ جا، جس کو تو جانتی ہے

احوالِ دلم برگو پیدا کہ تو میدانی
میرے دل کے احوال صاف صاف بتادے جیسا کہ تو جانتی ہے

در پردۂ اسرارش ہر گہ کہ شوی محرم
جب تو اس کے راز کے پردوں کی محرم بن جائے

ہر زیست بگو با او زآنہا کہ تو میدانی
ان رازوں میں سے وہ راز اس سے کہدے جو تو جانتی ہے

چوں جور و جفائش را دیدی کہ زحد بگذشت
جب تونے دیکھلیا ہے کہ اس کا ظلم و جور حد سے بڑھ گیا ہے

پیشش تو بیاں فرما از ماکہ تو میدانی
ہماری وہ حالت، جو تو جانتی ہے اس سے کہدے

دردِ دلِ ریشم را چوں نیست دوا پیدا
میرے زخمی دل کی جبکہ کوئی دوا موجود نہیں ہے

لطفے کن و درمانش فرما کہ تو میدانی
تو ہی مہربانی کر اور اس کا علاج کر کیونکہ تو جانتا ہے

چوں سرمۂ بینائی در دیدہ کشم گردے
گرد کو بینائی کے سرمہ کی طرح آنکھ میں لگالوں

گر بادِ صبا آرد زآنجا کہ تو میدانی
اگر بادِ صبا، اس جگہ سے لے آئے جو تجھے معلوم ہے

گفتم زلبت بوسہ وز حافظِ مسکیں جاں
میں نے کہا، تیرے ہونٹ کا بوسہ اور مسکین حافظ کی جان

ہستی تو بدیں راضی گفتا کہ تو میدانی
تو اس پر راضی ہے، اس نے کہا کہ تو جانتا ہے

بچشمِ مہر اگر با من مہم را یک نظر بودے
میرے چاند کی اگر میری طرف مہربانی کی آنکھ سے ایک نظر ہوتی

ازآں سیمیں بدن کامم بخوبی ہمچو زر بودے
تو اس چاندی جیسے بدن والے سے میرا مقصد رونق میں سونے کی طرح ہوتا

زشوق افشاندمے ہر دم سرے در پائے جانانم
اپنے محبوب کے قدموں پر ہر گھڑی شوق سے ایک سر نثار کرتا

دریغا گر متاعِ من نہ ازایں مختصر بودے
ہائے افسوس اگر میری پونجی اس سے بھی مختصر نہ ہوتی

اگر برقع برافگندے ازآں روئے چو مہ روزے
اگر کسی دن وہ اس چاند جیسے رخ سے برقع الٹ دیتا

مدام از نرگسِ مستش جہاں پر شور و شر بودے
تو اس کی مست آنکھ سے دنیا ہمیشہ شور و شر سے بھری رہتی

ہمش مہر آمدے بر من زمہر آں شاہِ خوباں را
اس حسینوں کے بادشاہ کو بھی مجھ پر محبت کی وجہ سے رحم آتا

گر از دردِ دلِ زارم یکے روزش خبر بودے
اگر میرے دل زار کے درد کی اس کو ایک دن بھی خبر ہو جاتی

بوصلش گر مرا روزے زہجراں فرصتے بودے
اس کے وصل کے ذریعہ اگر میرے لئے کسی دن ہجر سے چھٹکارا ہوتا

مبارک ساعتے بودے چہ خوش بودے اگر بودے
مبارک وقت ہوتا، کیا اچھا ہوتا اگر ایسا ہوتا

شبے ناگہ گر افتادے میانش در کنارِ من
اگر کسی شب یکایک اس کی کمر میری بغل میں آجاتی

نثارِ خاکِ راہِ او مرا ایں جان و سر بودے
میری یہ جان اور سر اس کے راستہ کی خاک پر قربان ہوجاتا

نہ گفتے کس بشیرینی چو حافظ شعر در عالم
مٹھاس میں دنیا کے اندر حافظ کی طرح کوئی شعر نہ کہتا

اگر طوطی طبعش را ز لعلِ او شکر بودے
اگر اس کی طبیعت کی طوطی کو اس کے ہونٹ کی شکر حاصل ہوتی

---

۱ یعنی محبوب کی منزل۔
۲ کہ ہجر میں انتہائی تکالیف میں مبتلا ہے۔
۳ وہ راز یہی ہے کہ ہم اس کے عاشق ہیں اور ہجر میں مبتلا ہیں۔
۴ ہم جور و جفا کی وجہ سے انتہائی رنج و غم میں مبتلا ہیں۔
۵ تیری عنایت اور مہربانی ہی اس کا علاج ہے۔
۶ یعنی محبوب کے کوچہ کی گرد۔
۷ میں نے کہا ایک بوسہ دیدے اور جان لے لے اُس نے کہا کہ یہ سودا بڑا گراں ہے تیری جان میرے بوسے کی قیمت نہیں ہوسکتی ہے۔
۸ افسوس ایک ہی سر ہے جو ایک بار ہی نثار کیا جاسکتا ہے۔
۹ اگر حافظ کو محبوب کے لب کا ایک بوسہ میسّر آجائے تو پھر اشعار کی مٹھاس میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی — تا بیخبر بمیرد در رنجِ خود پرستی
ڈینگیے مارنے والے سے مستی اور عشق کے راز نہ کہو — تاکہ خود پرستی کے رنج میں، بےخبر ہی مر جائے

با ضعف[1] و ناتوانی ہمچوں نسیم خوش باش — بیماری اندریں غم خوشتر ز تندرستی
ضعف اور کمزوری کے باوجود نسیم کی طرح خوش رہ — اس غم میں بیماری، تندرستی سے اچھی ہے

تا فضل[2] و علم بینی بے معرفت نشینی — یک نکتہ ات بگویم خود را مبیں کہ رستی
جب تک علم و فضل پر نظر رکھے گا معرفت سے خالی بیٹھا رہیگا — تجھ سے ایک نکتہ کہتا ہوں، خود بینی نہ کر نجات پا جائیگا

در آستانِ جاناں از آسماں میندیش — کز اوجِ سربلندی افتی بخاکِ پستی
معشوق کی چوکھٹ پر، آسمان کا خیال نہ کر — کیونکہ سربلندی کے اوج سے، پستی کی خاک پر گر جائے گا

عاشق شو[3] ارنہ روزے کارِ جہاں سر آید — ناخواندہ نقشِ مقصود از کارگاہِ ہستی
عاشق بن، ورنہ ایک دن دنیا کا کام ختم ہو جائے گا — وجود کے کارخانہ سے مقصود کا نقش پڑھے بغیر

آں روز[4] دیدہ بودم ایں فتنہا کہ برخاست — کز سرکشی زمانے با ما نمی نشستی
میں نے یہ فتنے اسی دن دیکھ لئے تھے، کہ اٹھے تھے — جبکہ سرکشی کیوجہ سے تھوڑی دیر بھی تو ہمارے پاس بیٹھتا تھا

خار ار چہ[5] جاں بکاہد گل عذرِ آں بخواہد — سہل ست تلخیٔ مے در جنبِ ذوقِ مستی
کانٹا اگرچہ جان کو گھٹاتا ہے، پھول اسکی عذر خواہی کرتا ہے — مستی کے ذوق کے پہلو میں شراب کی تلخی آسان ہے

صوفی پیالہ پیما ساقی قرابہ پُر کن — اے کوتہ[6] آستیناں تا کے دراز دستی
اے صوفی! پیالہ تھام، اے ساقی صراحی بھر دے — اے چھوٹی آستین والو! دراز دستی کب تک؟

در حلقۂ مُغانم دوش آں پسر چہ خوش گفت — با کافراں چہ کارت گر بت نمیپرستی
مُغوں کے حلقے میں، کل اس لڑکے نے کیا اچھی بات کہی — تجھے کافروں سے کیا واسطہ، اگر تو بت پرستی نہیں کرتا ہے

در مذہبِ طریقت خامی نشانِ کفرست — آرے طریقِ رنداں چالاکیست و چستی
طریقت کے مذہب میں کچا پن، کفر کی علامت ہے — ہاں رندوں کا طریقہ، چالاکی اور چستی ہے

سلطانِ ما خدا را زلفت شکست ما را — تا کے کند سیاہے چندیں دراز دستی
اے ہمارے بادشاہ خدا کے لئے تیری زلف نے ہمیں شکستہ کر دیا — ایک حبشی کب تک اتنی دراز دستی کرے گا

گر خرقہ[7] بینی مشغولِ کارِ خود باش — ہر قبلہ کہ باشد مشغولِ خود پرستی
اگر تو کوئی گدڑی دیکھے، اپنے کام میں لگ جا — جو کوئی بھی قبلہ ہے، خود پرستی میں مشغول ہے

در گوشۂ سلامت مستور چوں تواں بود — تا نرگسِ تو گوید با ما رموزِ مستی
سلامتی کے گوشہ میں کس طرح چھپ جا سکتا ہے — جب تک آنکھیں ہم سے مستی کے راز کہہ رہی ہیں

عشقت[8] بدستِ طوفاں خواہد سپرد ایجاں — چوں برق ازیں کشاکش پنداشتی کہ رستی
اے جان! تجھے عشق طوفان کے حوالے کر دے گا — تو نے سمجھا ہے کہ بجلی کی طرح اس کشمکش سے چھوٹ جائیگا

از راہِ دیدہ حافظ تا دیدہ زلفِ پستت
حافظ نے جب سے آنکھوں سے تیری نیچی زلفوں کو دیکھا ہے

با جملہ سربلندی شد پایمالِ پستی
تمام سربلندیوں کے ہوتے ہوئے پستی سے پائمال ہو گیا ہے

[1] نسیم بھی اس کی عاشق ہے لیکن باوجود ضعف اور کمزوری کے خوش رہتی ہے۔
[2] جب تک انسان میں اپنے علم و فضل کا غرور ہے وہ خود بینی میں مبتلا ہے اور معرفتِ خداوندی اسکو حاصل نہیں ہے۔
[3] رندی کا مقصد حصولِ عشق ہے۔
[4] جب تو نے بیر غمی برتی تھی ہم جب ہی سمجھ گئے تھے کہ اب مصیبتوں میں پھنسیں گے۔
[5] اچھائی کے لئے برائی برداشت کرنی پڑتی ہے۔
[6] کوتاہ آستین سے مراد فقہا اور علما ہیں یہ لوگ چھوٹی آستینوں کا چوغہ پہنتے تھے۔
[7] جو لوگ فقیرانہ لباس پہنے ہوئے ہیں اور قبلۂ عالم کہلاتے ہیں عموماً خود پرست ہیں، ان سے تعلق نہ رکھنا چاہیے۔
[8] یہ تیرا خیال غلط ہے کہ عشق کی مصیبتوں سے جلد نجات پا جائے گا، عشق تو تجھے طوفانِ غم میں مبتلا کر دیگا۔

بجانِ او کہ گرم دسترس بجاں بودے
اس کی جان کی قسم اگر میرا جان پر قابو ہوتا

کمینہ پیشکشِ بندگانش آں بودے
اس کے غلاموں کے لیے، وہ حقیر پیش کش ہوتی

اگر دلم نشدے پائے بندِ طرّۂ او
اگر میرا دل اس کی زلف کا پابند نہ ہوتا

کیَم قرار دریں تیرہ خاکداں بودے
اس اندھیرے خاکدان میں مجھے کب قرار ہوتا

بگفتمے کہ بہا چیست خاکِ پائے ترا
میں کہتا کہ تیرے پیروں کی خاک کی کیا قیمت ہے

اگر حیاتِ گرانمایہ جاوداں بودے
اگر قیمتی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہوتی

بخواب نیز نمی بینمش چہ جائے وصال
میں اس کو خواب میں بھی نہیں دیکھتا ہوں چہ جائیکہ وصال

چو ایں نبود و ندیدیم بارے آں بودے
جب یہ نہ تھا اور ہم نے نہ دیکھا تو کاش وہی ہوتا

بہ بندگیِ قدش سرو معترف گشتے
سرو اس کے قد کی غلامی کا اقرار کرتا

اگر چو سوسنِ آزادہ دہ زباں بودے
اگر آزاد سوسن کی طرح، دس زبانوں والا ہوتا

زپردہ نالۂ حافظ بروں کے افتادے
حافظ کا نالہ پردے سے باہر کب آتا

اگر نہ ہمدمِ مرغانِ صبح خواں بودے
اگر وہ صبح کو چہکنے والے، پرندوں کا ساتھی نہ ہوتا

بچشم کردہ ام ابروئے ماہ سیمائے
ایک چاند جیسے چہرے والے کے ابرو کو میں نے آنکھ میں رکھ لیا ہے

خیالِ سرو قدے نقش بستہ ام جائے
ایک سرو قد کے خیال کا میں نے ایک جگہ نقش بنالیا ہے

زمامِ دل بکسے دادہ ام منِ مسکیں
مجھ مسکین نے دل کی باگ اس کو پکڑوا دی ہے

کہ نیستش بکس از تاج و تخت پروائے
کہ جس کو کسی کے تخت و تاج کی پرواہ نہیں ہے

سرم ز دست شد و چشم از انتظار بسوخت
میرا سر ہاتھ سے جاتا رہا اور آنکھیں انتظار میں جل گئیں

در آرزوئے سرِ و چشم مجلس آرائے
کسی مجلس کو آراستہ کرنیوالے کے خیال اور انتظار کی آرزو میں

زہے کمال کہ منشورِ عشقبازیِ من
بہت کمال ہوگا کہ میری عشقبازی کا حکمنامہ

ازاں کمانچۂ ابرو رسد بطغرائے
اس ابرو کے کمانچہ سے دستخط شدہ پہونچ جائے

مرا کہ از رخِ تو ماہ در شبستان است
میرے گھر میں جبکہ تیرے رخ کی وجہ سے چاند موجود ہے

کجا بود بفروغِ ستارہ پروائے
تو ستارے کی روشنی کی، کیا پرواہ ہوگی

مکدر است دل آتش بخرقہ خواہم زد
دل مکدر ہے، گدڑی میں آگ لگادوں گا

بیا ببیں تو اگر می کنی تماشائے
آجا، دیکھ، اگر تو کچھ تماشا دیکھنا چاہتا ہے

بروزِ واقعہ تابوتِ ما ز سرو کنید
موت کے دن، ہمارا تابوت سرو کا بنانا

کہ مردہ ایم ز داغِ بلند بالائے
اس لیے کہ ہم ایک بلند قد والے کا داغ لیکر مرے ہیں

دراں مقام کہ خوباں بغمزہ تیغ زنند
جس جگہ حسین، ادا کی تلوار مارتے ہیں

عجب مکن ز سرے کو فتادہ در پائے
اگر کوئی سر کسی پیر پر پڑا ہوا ہو، تو تعجب نہ کر

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
فراق اور وصل کیا ہوتا ہے، دوست کی رضامندی چاہ

کہ حیف باشد ازو غیرِ او تمنائے
کیونکہ اس سے اس کے غیر کی کوئی تمنا کرنا، ظلم ہے

۱؎ ہمیں تو اس کی زلف کی پابندی نے دنیا میں ٹھہرا رکھا ہے ورنہ ہمارا یہاں کیا کام تھا۔

۲؎ فانی زندگی اس کی خاک پا کی قیمت کے لائق نہیں ہے۔ اگر عمر جاودانی ہوتی تو وہ دیکر اس کی خاک پا حاصل کرتا۔

۳؎ وصل تو کجا، خواب میں بھی اس کو دیکھنا میسر نہیں ہے۔ "یہ" سے مراد وصل ہے "آں" سے اس کا خواب میں آنا مراد ہے

۴؎ سوسن کے پھول کی دس پتیاں زبان کی شکل کی ہوتی ہیں، اس لیے سوسن کو دس زبانوں والا کہا جاتا ہے۔

۵؎ محبوب کی ابرو آنکھوں میں اور اسکے قد کا خیال دل میں جما ہوا ہے۔

۶؎ منشور، شاہی حکم، طغرائے مراد وہ مہر ہے جس میں شاہی آداب و نام ہوتا تھا جو حکمنامے پر لگادی جاتی تھی۔

۷؎ چونکہ مجھے سرو قد سے عشق ہے لہذا مرنے کے بعد سرو کی لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دفن کرنا۔

زشوق سر بدر آرند ماہیاں از آب
شوق کی وجہ سے مچھلیاں پانی سے سر ابھار لیں گی
اگر سفینۂ حافظ رسد بدریائے
اگر حافظ کا دیوان کسی دریا پر پہونچے گا

بڑو زاہد بامیدے کہ داری — کہ دارم ہمچناں امیدواری
اے زاہد تو اس امید کو لئے پھر جو تو رکھتا ہے — اس لیےکہ میں اسی طرح کی امیدواری رکھتا ہوں
بجز ساغر کہ دارد لالہ در دست — بیا ساقی بیاور آنچہ داری
اس ساغر کے سوا کہ جو لالہ ہاتھ میں لئے ہے — ساقی آجا، جو کچھ تیرے پاس ہے، لے آ
مرا در رشتۂ دیوانگاں کش — کہ مستی خوشتر ست از ہوشیاری
مجھے دیوانوں کے دھاگے میں پرو دے — اس لیے کہ ہوشیاری سے مستی بہتر ہے
بپرہیز از من اے صوفی بپرہیز — کہ کردم توبہ از پرہیزگاری
بچ، اے صوفی! مجھ سے، بچ — اس لیے کہ میں نے پرہیزگاری سے توبہ کرلی ہے
بیا دل در خمِ گیسوئے او بند — اگر خواہی خلاص و رستگاری
آ، اس کی زلفوں کے پیچ میں دل کو باندھ — اگر خلاصی اور چھٹکارا چاہتا ہے
بوقتِ گل خدارا توبہ بشکن — کہ عہدِ گل ندارد استواری
بہار کے موسم میں خدا کے لیے توبہ توڑ ڈال — اس لیے کہ موسم بہار میں پائداری نہیں ہے
عزیزا نو بہارِ عمر بگذشت — چو بر طرفِ چمن بادِ بہاری
اے پیارے! عمر کی بہار گذر گئی — جس طرح کہ بادِ بہاری، چمن کے کنارے پرے

بیا حافظ بہ پندِ تلخ کن گوش
اے حافظ! آ، کڑوی نصیحت سن لے
چرا عمرے بغفلت میگذاری
عمر کو کیوں غفلت میں گذار رہا ہے؟

بشنو ایں نکتہ کہ خود راز غم آزادہ کنی — خوں خوری گر طلبِ روزیِ ننہادہ کنی
یہ نکتہ سن لے، تاکہ تو اپنے آپ کو غم سے آزاد کرلے — اگر مقدر نہ کی ہوئی روزی کی طلب کرے گا، خون پئے گا
آخر الامر گِلِ کوزہ گراں خواہی شد — حالیا فکرِ سبو کن کہ پُر از بادہ کنی
انجام کار تو کمہاروں کی مٹی بنے گا — اب تدبیر کرلے، تاکہ صراحی کو شراب سے بھر لے
جہد بنما کہ در ایّامِ گل و عہدِ شباب — عیش با آدمیِ چند پریزادہ کنی
کوشش کر کہ جوانی اور بہار کے زمانے میں — چند، پریزاد، آدمیوں کے ساتھ عیش کرے
تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف — مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کنی
بکواس سے بزرگوں کی جگہ پر تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا جاسکتا — مگر یہ کہ تو بزرگی کے تمام اسباب جمع کرلے
اجرہا باشدت اے خسروِ شیریں حرکات — گر نگاہے سوئے فرہادِ دل افتادہ کنی
اے میٹھی حرکتوں والے بادشاہ! تجھے بہت ثواب ملیگا — اگر دل گم شدہ فرہاد کی جانب ذرا نگاہ کریگا

ؔ تو اپنی تمنا میں خوش رہ میں اپنی تمنا میں لگا ہوں۔
ؔ شعر
آرزو در وفقِ دل ما شد لیکن اما — اور ہست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
بہار عمر خواہ اے دل وگرنہ — اور ہست فرزانہ کہ فرزانہ نشد

ؔ دنیا کے افکار اور غموں سے نجات کی یہی صورت ہے کہ زلفِ یار میں گرفتار ہوجائے
ؔ جس طرح بادِ بہاری تیزی سے چمن سے گذر جاتی ہے اسی طرح میری عمر گذر رہی ہے۔
ؔ جو روزی مقدر میں نہیں ہے اسکی طلب، خونِ جگر پینا ہے۔
ؔ انجام کار انسان مٹی میں ملتا ہے اور کمہار اس سے کوزے تیار کرتا ہے۔

خاطرت کے رقمِ فیض پذیرد ہیہات
افسوس تیرا دل فیض کا نقش کب قبول کرسکتا ہے؛

مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی
سوائے اس کے کہ ورق کو بیہودہ نقوش سے صاف کرے

اے صبا بندگیِ خواجہ جلال الدین کن
اے صبا، خواجہ جلال الدین کی غلامی کر

کہ چمن پُر سمن و سوسنِ آزادہ کنی
تاکہ تو چمن کو سمن، اور آزاد سوسن سے بھر دے

کارِ خود گر بخدا باز گزاری حافظ
اے حافظ! اگر تو اپنے کام کو خدا پر چھوڑے گا

اے بسا عیش کہ با بختِ خداداد کنی
خداداد نصیبہ کی بدولت، بہت عیش کرے گا

بصوتِ بلبل و قمری اگر ننوشی مے
بلبل اور قمری کی صدا پر اگر تو شراب نہ پیئے گا

علاجِ کے کنمت آخر الدواء الکے
میں تیرا علاج داغ سے کروں گا، آخری علاج داغ دینا ہے

ذخیرۂ بنہ از رنگ و بوئے فصلِ بہار
فصلِ بہار کے رنگ و بو سے، کوئی ذخیرہ جمع کرلے

کہ میرسند زرہ رہزنانِ بہمن و دے
اس لیے کہ بہمن اور دے کے ڈاکو راستے سے آرہے ہیں

زمانہ ہیچ نبخشد کہ باز نستاند
زمانہ کوئی ایسی چیز نہیں بخشتا ہے، جو واپس نہ لے

مجو ز سفلہ مروّت مجو ز ناکس شے
کمینے سے انسانیت اور ناکس سے کسی چیز کا طلبگار نہ بن

چو گل نقاب برافگند و مرغ زد ہوہو
جب پھول نے نقاب پلٹ دی، اور پرندے نے ہوہو کے نعرے لگائے

منہ ز دست پیالہ چہ میکنی ہے ہے
ہاتھ سے پیالہ نہ رکھ، ہائے ہائے، کیا کرتا ہے؟

خزینہ داریِ میراث خوارگاں کفرست
میراث خوروں کا خزانہ جمع کرنا، کفر ہے

بقولِ مطرب و ساقی بفتوئے دف و نے
مطرب اور ساقی کے قول، دف اور نے کے فتوے کے مطابق

چو ہست آبِ حیاتت بدست تشنہ ممیر
جبکہ آبِ حیات تیرے ہاتھ میں ہے پیاسا نہ مر

فَلَا تَمُتْ وَمِنَ الْمَاءِ كُلُّ شَيْءٍ حَيّ
پس نہ مر، اور پانی سے ہر چیز زندہ ہے

نوشتہ اند بر ایوانِ جنۃ الماویٰ
جنۃ الماویٰ کے محل پر لکھا ہے

کہ ہر کہ عشوۂ دنیا خرید وائے بوے
کہ جس نے دنیا کی ادا خریدی اس پر افسوس ہے

سخا نماند سخن طے کنم بیا ساقی
سخاوت نہیں رہی، بات طے کرتا ہوں، ساقی آجا

بدہ بشادیِ روحِ روانِ حاتمِ طے
اور حاتم طائی کے روح اور ان کی خوشی کی خاطر شراب پلا

شکوہِ سلطنت و حکم کے ثباتے داشت
حکم اور سلطنت کا دبدبہ کب باقی رہ سکا ہے

ز تختِ جم سخنے ماندہ است و افسرِ کے
جمشید کے تخت، اور کیخسرو کے تاج کی باتیں ہی باقی ہیں

بخیل بوئے خدا نشنود بیا حافظ
بخیل خدا کی خوشبو نہیں سونگھتا ہے، حافظ آجا

پیالہ گیر و کرم کن کہ الضمان علی
پیالہ تھام، اور سخاوت کر، مجھ پر ذمہ داری ہے

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ روئے
دل جمعی کے ساتھ تھوڑی دیر کیلئے کسی ماہرو کی طرف دیکھنا

بہ از آنکہ چترِ شاہی ہمہ روز و ہای و ہوئے
اس سے بہتر ہے کہ شاہی چتر ہو اور دن بھر ہاؤ ہو

۱؎ انسان کو غیر کے تصور سے دل کو صاف کرلینا چاہیے جب کہیں محبوب کا نقش دل پر قائم ہوتا ہے۔
۲؎ جلال الدین توران شاہ، شاہ شجاع کا وزیر تھا جو خواجہ قوام کے قتل کے بعد برسرِ اقتدار آیا تھا۔
۳؎ آخر الدواء الکیّ آخری علاج داغ لگانا ہے جب اور دوائیں مفید نہوں تو پھر آخر میں لوہا گرم کرکے عضو کو داغ دیا جاتا ہے یعنی اگر بلبل و قمری کی آواز بھی تجھے شراب نوشی پر آمادہ نہیں کرسکتی تو اب تیرا علاج سوائے داغ دینے کے اور کچھ نہیں ہے۔
۴؎ بہمن اور دے، جاڑے کے مہینے ہیں جو خزاں کا موسم ہوتا ہے۔
۵؎ دیکر واپس لینا کمینہ پن ہے لہٰذا زمانہ کمینہ ہے اس سے کوئی چیز نہ مانگنی چاہیئے۔
۶؎ ہائے ہائے کیا کرتا ہے پیالہ ہاتھ سے نہ رکھنا۔
۷؎ میراث خوارگان وہ لوگ کہلاتے ہیں جو باپ دادا کی کمائی پر گزارا کریں اور خود کمانے کی فکر نہ کریں۔
۸؎ وجعلنا من الماء کل شیءٍ حی ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے، یہ قرآن پاک کی آیت ہے یعنی شراب آبِ حیات ہے اگر یہ نہ پیئے گا تو تجھے زندگی میسر نہ ہوگی۔ ۹؎ انسان مرجاتا ہے اس کے کارنامے زندہ رہتے ہیں، حاتم طائی مرگیا لیکن اس کی سخاوت کا تذکرہ زندہ ہے۔ ۱۰؎ الضمان علی: میں ذمہ دار ہوں یعنی اگر تو سخاوت کرے گا تو تیرے لیے جنت کا میں ذمہ دار ہوں ۱۱؎ تمام عمر کی بادشاہت اور ہائے و ہو سے تھوڑی دیر کے لیے معشوق کو دیکھ لینا بہتر ہے۔

بخدا کہ رشکم آید بدو چشم روشن خود ۱
خدا کی قسم، مجھے اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے

کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے
کہ ایسے پاکیزہ چہرہ کو دیکھنا، افسوس کی بات ہے

دلِ من شد و ندانم چہ شد آں غریب مارا
میرا دل گم ہوگیا، اور مجھے معلوم نہیں کہ ہمارا وہ مسافر کیا ہوا

کہ گذشت عمر و نامد خبرے ز ہیچ سوئے
اس لیے کہ ایک عمر گذر گئی، اور کسی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی

نفسم بآخر آمد نظرم ندید سیرت
میرا سانس ختم ہونے پر آگیا، میری نگاہ نے تیری رفتار نہ دیکھی

بجز ایں نماند مارا ہوسے و آرزوئے
اسکے علاوہ ہماری کوئی ہوس اور آرزو نہیں رہی

مکن اے صبا مشوش سر زلفِ آں پری را
اے صبا! اس پری کی زلفوں کو پریشان نہ کر

کہ ہزار جانِ حافظ بفدائے تارِ موئے
کہ حافظ کی ہزار جانیں ایک بال پر قربان ہیں

بگرفت کارِ حسنت چوں عشقِ من کمالے ۲
تیرے حسن کے کام نے بھی میرے عشق کی طرح کمال حاصل کرلیا ہے

خوش باش زانکہ نبود ایں ہر دو را زوالے
خوش رہ، اسلیے کہ ان دونوں کو زوال نہیں ہوگا

در وہم می نگنجد کاندر تصورِ عقل
یہ بات وہم میں بھی نہیں آتی ہے کہ عقل کے تصور میں

آید بہیچ معنیٰ زیں خوب تر مثالے
کسی اعتبار سے بھی اس سے بہتر تصویر آ سکے گی

شد حظِ عمر حاصل گر زانکہ با تو مارا ۳
زندگی کا لطف ملا، اگر ہمیں تجھ سے

یکدم بعمر روزے روزی شود وصالے
زندگی میں کسی دن، ذرا سی دیر کے لیے بھی وصل میسر آجائے

آندم کہ با تو باشم یکسال ہست روزے
جس وقت میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں، ایک سال ایک دن ہوتا ہے

و آندم کہ بے تو باشم یک روز ہست سالے
اور جس وقت تیرے بغیر ہوتا ہوں، ایک دن ایک سال ہوتا ہے

من چوں خیالِ رویت جاناں بخواب بینم ۴
اے جاناں! میں تیری خیالی تصویر کو خواب میں کس طرح دیکھوں؟

کز خواب می نہ بیند چشمم بجز خیالے
اس لیے کہ میری آنکھیں، سوائے خیالی نیند کے اور کچھ نہیں دیکھتی ہیں

رحم آر بر دلِ من کز مہرِ روئے خوبت
میرے دل پر رحم کر، اس لیے کہ تیرے حسین چہرے کی محبت کے

شد شخصِ ناتوانم باریک چوں ہلالے
میرا کمزور جسم ہلال کی طرح باریک ہوگیا ہے

حافظ مکن شکایت گر وصلِ یار خواہی
اے حافظ! اگر تو وصلِ یار چاہتا ہے شکایت نہ کر

زیں بیشتر بباید بر ہجر احتمالے
ہجر کا اس سے بھی زیادہ احتمال ہے

بلبل ز شاخِ سرو بگلبانگِ پہلوی ۵
بلبل سرو کی شاخ سے فارسی صدا میں

میخواند دوش درسِ مقاماتِ معنوی
کل، معنوی مقامات کا سبق پڑھ رہی تھی

یعنی بیا کہ آتشِ موسیٰ نمود گل
یعنی آجا، اس لیے کہ پھول نے موسیٰ کی آگ دکھادی ہے

تا از درخت نکتۂ تحقیق بشنوی
تاکہ تو درخت سے، تحقیق کا نکتہ سنے

مرغانِ باغ قافیہ سنجند و بذلہ گو
باغ کے پرند، قافیہ سنج، اور بذلہ گو ہیں

تا خواجہ مے خورد بغزلہائے پہلوی
تاکہ، فارسی غزلوں کے ساتھ خواجہ شراب پئے

۱ شعر [illegible]

۲ تیرا حسن اور میرا عشق دونوں مکمل ہیں اب ان کو زوال نہ ہوگا۔

۳ اگر ایک لمحہ بھی وصل میسر آجائے تو زندگی کا لطف حاصل ہوجائے۔

۴ شعر [illegible] میری آنکھیں نیند سے ناآشنا ہیں لہذا میں تجھے خواب میں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

۵ بلبل سرو کی شاخ سے صدا دے رہی تھی کہ پھول نے آتشِ موسوی کو ظاہر کردیا ہے۔ حضرت موسیٰ آگ کو دیکھ کر آگے بڑھے تھے وہاں درخت سے یہ آواز آئی تھی کہ میں خدا ہوں۔

جمشید جز حکایتِ جام از جہاں نبرد
جمشید دنیا سے، جام کے قصہ کے سوا کچھ نہ لے گیا
زنہار دل مبند بر اسبابِ دنیوی
خبردار، دنیوی اسباب سے دل نہ جوڑ

خوش فرشِ بوریا و گدائی و خوابِ امن
بوریئے کا فرش، اور گدائی، اور اطمینان کی نیند خوب ہے
کایں عیش نیست در خورِ اورنگِ خسروی
اس لیے کہ یہ عیش شاہی تخت کے بھی لائق نہیں ہے

درویشم و گدا و برابر نمی کنم
میں درویش اور گدا ہوں، اور برابر نہیں کرتا ہوں
پشمیں کلاہِ خویش بصد تاجِ خسروی
اپنی کمبل کی ٹوپی کے، سو شاہی تاجوں کو

ایں قصۂ عجب شنو از بختِ واژگوں
یہ عجیب قصہ سن، اوندھے نصیبہ کی وجہ سے
مارا بکشت یار بانفاسِ عیسوی
عیسوی سانسوں سے، ہمیں دوست نے قتل کردیا

چشمت بغمزہ خانۂ مردم خراب کرد
تیری آنکھوں نے، ادا سے لوگوں کے گھر برباد کردیئے
مخموریت مباد کہ خوش مست میروی
تجھے اعضا شکنی نہ ہو کیونکہ تو بہت مست ہو کر چلتا ہے

دہقانِ سالخوردہ چہ خوش گفت با پسر
بوڑھے کاشتکار نے لڑکے سے کیا اچھی بات کہی
کاے نورِ چشمِ من بجز از کشتہ ندروی
اے میرے نورِ چشم! بوئے ہوئے کے سوا تو کچھ نہ کاٹے گا

مے خور بشعرِ بندہ کہ دلتنگیت مباد
بندے کے اشعار پر شراب پی خدا کرے تجھے دل تنگی نہ ہو
بعد از تو خاک بر سرِ اسبابِ دنیوی
تیرے بعد، دنیا کے اسباب کے سر پر خاک

ساقی مگر وظیفۂ حافظ زیادہ داد
شاید ساقی نے، حافظ کو زیادہ مقدار دیدی
کاشفتہ گشت طرۂ دستارِ مولوی
اس لیے کہ مولوی کی پگڑی کا طرہ بگڑ گیا

بگردِ مہ ز عنبر خط کشیدی
تو نے چاند کے چاروں طرف عنبر کا خط کھینچا
دو ہفتہ ماہ را در خط کشیدی
چودھویں کے چاند کو، تو نے غلام بنالیا

عطارد را اگر خواہی خط آموخت
تو شاید تو عطارد کو لکھنا سکھائے گا
کہ بر سطحِ قمر سر خط کشیدی
اس لیے کہ تو نے چاند پر نقشے کھینچے ہیں

نہادی خارِ غم آں لحظہ گل را
پھول پر، تو نے اس وقت غم کا کانٹا چبھویا
کہ چوں لالہ ز عنبر خط کشیدی
جبکہ لالہ کی طرح، تو نے عنبر کا خط کھینچا

گر افسونِ تبِ عشقم نہ کردی
اگر تو نے میرے عشق کے بخار کا تعویذ نہیں کیا ہے
چرا بر گردِ عنبر خط کشیدی
تو تو نے، عنبر کی گرد پر خط کیوں کھینچا ہے؟

غمِ دردِ دلِ حافظ نداری
تجھے حافظ کے دل کے درد کا، غم نہیں ہے
کہ گردِ روئے دلبر خط کشیدی
اس لیے، کہ تو نے دلبر چہرے کے گرد خط کھینچا ہے

بتا با ما گذار ایں کینہ داری
اے محبوب ہم سے یہ کینہ پروری چھوڑ دے
کہ حقِ صحبتِ دیرینہ داری
کیونکہ، تجھ پر قدیم دوستی کا حق ہے

۱ آرام کی نیند جس طرح بوریئے پر فقیری میں آتی ہے بادشاہی میں وہ میسر نہیں ہے
۲ حالانکہ عیسیٰ کے سانس سے مُردے زندہ ہوتے تھے۔
۳ حافظ کو آج شراب مقدار سے زیادہ مل گئی ہے اسی لیے دستار بگڑ گئی ہے۔
۴ محبوب کا رخ بناؤ سنگھار سے ایسا حسین ہوگیا ہے کہ اس نے چودھویں رات کے چاند کو محکوم بنالیا ہے در خط کشیدن بمعنے محکوم ساختن۔
۵ عطارد کو آسمان کا منشی مانا گیا ہے تو نے اس کو خط سکھانے کے لیے چاند پر نقشے کھینچ دیئے ہیں۔
۶ مشک و عنبر سے تعویذ لکھے جاتے ہیں۔

نصیحت گوش کن کایں دُر بسے بہ | ازآں گوہر کہ در گنجینہ داری
نصیحت سن لے، اس لیے کہ یہ موتی بہت بہتر ہے | اس موتی سے، جو تو خزانہ میں رکھتا ہے

بفریادِ خمارِ مُفلساں رس | خدارا اگر مے دوشینہ داری
مفلسوں کے خمار کی فریاد رسی کر | خدا کیلئے، اگر تیرے پاس رات کی بچی ہوئی شراب ہے

ولیکن کے نمائی رُخ بزنداں | تو کز خورشید و مہ آئینہ داری
لیکن تو رندوں کو چہرہ کب دکھا سکتا ہے! | جبکہ تو آفتاب اور ماہتاب کا آئینہ رکھتا ہے

بدِ رنداں مگو اے شیخ ہُشدار | کہ با حکمِ خدائے کینہ داری
اے شیخ! ہوشی کر، رندوں کو برا نہ کہہ | اس لیے کہ تو خدا کے حکم کے ساتھ کینہ رکھتا ہے

نمی ترسی زآہِ آتشینم | تو دانی خرقۂ پشمینہ داری
میری آتشیں آہ سے، تو نہیں ڈرتا ہے | تجھے معلوم ہے، تو اونی گدڑی رکھتا ہے

ندیدم خوشتر از شعرِ تو حافظ
میں نے، اے حافظ! تیرے اشعار سے زیادہ اچھے نہیں دیکھے
بقرآنے کہ اندر سینہ داری
اُس قرآن کی قسم، جو تو سینہ میں رکھتا ہے

بیار بادہ و بازم رہاں زرنجوری | کہ ہم ببادہ تواں کرد دفعِ مخموری
شراب لا، اور مجھے پھر رنج سے نجات دے | اسلئے کہ اعضا شکنی کو شراب ہی سے دور کیا جا سکتا ہے

بہیچ وجہ نباشد فروغِ مجلسِ اُنس | مگر برُوئے نگار و شرابِ انگوری
محبت کی مجلس کسی طریقہ پر منور نہیں ہوتی | محبوب کے چہرے، اور انگوری شراب کے سوا

زسحرِ غمزۂ فتانِ خویش غرّہ مباش | کہ آزمودم و سودے نداشت مغروری
اپنی غمزہ میں مبتلا کرنے والی ادا کے جادو پر گھمنڈ نہ کر | اس لیے کہ میں نے آزمایا ہے، اور گھمنڈ نے کوئی فائدہ نہیں دیا ہے

بیک فریب بدادم صلاحِ خویش ازدست | دریغ آنہمہ زہد و صلاحِ مستوری
ایک دھوکے پر میں نے، اپنی نیکی ہاتھ سے دیدی | اس تمام زہد، اور گوشہ نشینی کی نیکی پر افسوس ہے

ادیب چند نصیحت کنی کہ عشق مباز | اگرچہ نیست ادب ایں سخن چہ دستوری
اے ادیب! کتنی نصیحت کرے گا کہ عشق بازی نہ کر | اگرچہ یہ بات کہنا ادب نہیں ہے، تو کیسا آدمی ہے!

بعشق زندہ بُود جانِ مردِ صاحبدل | اگر تو عشق نداری برو کہ معذوری
صاحبِ دل انسان کی جان، عشق سے زندہ ہوتی ہے | اگر تو عشق نہیں رکھتا ہے تو جا کیونکہ تو معذور ہے

رسید دولتِ وصل و گذشت محنتِ ہجر | نہادہ کشورِ دل باز رہ بمعموری
وصل کی دولت آگئی، ہجر کی مشقت گزر گئی | دل کے ملک نے، پھر آبادی کی طرف رخ کیا ہے

بہر کسے نتواں گفت رازِ دلِ حافظ
اے حافظ! دل کا راز ہر کسی سے نہیں کہا جا سکتا
مگر بدانکہ کشیدہ است محنتِ دوری
سوائے اس کے جس نے فراق کی مصیبت سہی ہے

۱؎ ایں دُر سے نصیحت ہی مراد ہے
۲؎ اگر رات کی بچی ہوئی شراب ہے تو اس سے مفلسوں کے خمار کا علاج کر۔
۳؎ رندوں پر اعتراض کرنا خدائی حکم سے کینہ رکھنا ہے۔
۴؎ مجلس صرف محبوب کے چہرے اور انگوری شراب سے پُر رونق بنتی ہے۔
۵؎ اگرچہ میرا یہ کہنا بے ادبی ہے لیکن تیرا بار بار عشق بازی کو ترک کرنے کی نصیحت کرنا کونسا ادب ہے۔
۶؎ شعر
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما
۷؎ دل کا راز اسی کو بتایا جا سکتا ہے جو ہجر کے مصائب جھیل چکا ہو۔

پدید[1] آمد رسومِ بیوفائی — نماند از کس نشانِ آشنائی
بیوفائی کے نشانات ظاہر ہو گئے — کسی کی دوستی کا نشان، نہ رہا

برند از فاقہ پیشِ ہر خسیسے — کنوں اہلِ ہنر دست گدائی
ہر بخیل کے سامنے، فاقہ کی وجہ سے لیجاتے ہیں — اب اہل ہنر بھیک کا ہاتھ

کسے کو فاضل ست امروز در دہر — نمی بیند ز غم یکدم رہائی
آج جو زمانہ میں، صاحب فضیلت ہے — غم سے تھوڑی دیر کے لیے بھی رہائی نہیں دیکھتا ہے

کسے[2] کو جاہل ست اندر تنعم — متاعِ او بود ہر دم بہائی
جو جاہل ہے، عیش پرستی میں — اُس کا سامان ہر وقت قیمتی ہے

اگر شاعر[3] بخواند شعر چوں آب — کہ دل رازو فزاید روشنائی
اگر شاعر، پانی جیسے اشعار سنائے — جن سے دل میں نور پیدا ہو

نبخشندش جوے از بخل و امساک — اگر خود فی المثل باشد سنائی
بخل اور کنجوسی کی وجہ سے اس کو ایک جو نہ بخشیں گے — مثلاً، وہ اگر خود سنائی ہو

خرد در گوشِ ہوشم دوش میگفت — برو صبرے بکن در بینوائی
کل، عقل میرے ہوش کے کان میں کہہ رہی تھی — جا، بے سرو سامانی میں صبر کر

قناعت را بضاعت ساز و میسوز — دریں درد و عنا در بینوائی
صبر کو پونجی بنالے، اور جلتا رہ — اس درد، اور مشقت میں، بینوائی میں

بیا حافظ بجاں ایں پند منیوش
اے حافظ! آ جان سے یہ نصیحت سن لے
کہ گر[4] از پا بیفتی بر سر آئی
کہ اگر تو گرے گا، تو سربلند ہوگا

ترا کہ ہر چہ[5] مرادست در جہاں داری — چہ غم ز حالِ منِ زار و ناتواں داری
دنیا میں، جو تیری مرادیں ہیں وہ تجھے حاصل ہیں — تو مجھ لاغر، اور کمزور کے حال کا کیا غم رکھتا ہے؟

بخواہ[6] جان و دل از بندہ و رواں بستاں — کہ حکم بر سر آزادگاں رواں داری
بندہ سے جان، اور دل طلب کر، اور فوراً لے لے — اس لیے کہ آزاد لوگوں پر تیرا حکم جاری ہے

بنوش مے چو سبکروحی اے حریف مدام — علی الخصوص دریں دم کہ سرگراں داری
اے دوست! جو تم تو ہلکی روح والا ہے ہمیشہ شراب پی — خصوصاً اب، جبکہ تو خمار میں ہے

بیاض[7] روئے ترا نیست نقش در خور ازانکہ — سوادے از خطِ مشکیں در ارغواں داری
تیرے چہرے کی سفیدی کو نقش کی ضرورت نہیں ہے اسلیے کہ — تو ارغوان میں، مشکی خط کی ایک سیاہی رکھتا ہے

میاں[8] نداری و دارم عجب کہ ہر ساعت — میانِ مجمع خوباں کنی میاں داری
تو کمر نہیں رکھتا ہے، اور مجھے تعجب ہے کہ ہر وقت — حسینوں کے مجمع میں، تو سرداری کرتا ہے

مکن عتاب ازیں بیش و جور بر دلِ من — بکن[9] ہر آنچہ توانی کہ جائے آں داری
میرے دل پر اس سے زیادہ غصہ، اور ظلم نہ کر — جو کچھ تو کر سکتا ہے کر، تو اس کا حق رکھتا ہے

[1] یہ غزل زمانہ کے شکوے میں ہے یعنی دنیا میں کسی سے بھی وفا کی امید نہیں ہے۔
[2] ہر جاہل مزے اڑا رہا ہے، دنیا کا قیمتی سامان اس کو حاصل ہے۔
[3] کسی شاعری کی قدر نہیں خواہ وہ حکیم سنائی کیوں نہ ہو اس کو کوئی کوڑی نہیں دیتا ہے۔
[4] مصیبتوں کے بعد ہی سربلندی حاصل ہوتی ہے۔
[5] محبوب جبکہ بامراد ہے اس کو ہم جیسوں کی کیا پرواہ ہے۔
[6] تمام عاشق تیرے فرمانبردار ہیں جو چاہے حکم دے اگر جان مانگے گا وہ بھی تجھے دیدیں گے۔
[7] تیرا سبز خط بمنزلہ مشکی خط کے ہے جو سیاہ ہے اب یہ ممکن نہیں ہے کہ تیرے چہرے پر کوئی نقش و نگار بنایا جاسکے اس لیے کہ سیاہی پر کوئی نقش قائم نہیں ہو سکتا ہے۔
[8] میاندار، سردار وہ شخص جو دو کشتی لڑنے والوں کا بیچ بچاؤ کرنیکے لیے کھڑا رہتا ہے یعنی تیرے خود میان کمر نہیں ہے لیکن تو میاندار ہے۔
[9] یعنی عتاب اور ظلم کے سوا اور جو تیرا جی چاہے وہ کر۔

(۵۰)

باختیار گرت صد ہزار تیرِ جفاست
اگر تیرے اختیار میں ظلم کے لاکھ تیر ہیں
بقصدِ جانِ منِ خستہ در کماں داری
وہ میری خستہ جان کے ارادے سے تو کمان میں رکھتا ہے

بکش جفائے رقیباں مدام و دل خوش دار[1]
ہمیشہ رقیبوں کا ظلم برداشت کر اور دل کو خوش رکھ
کہ سہل باشد اگر یارِ مہرباں داری
کیونکہ یہ آسان ہے اگر تو وفادار دوست رکھتا ہے

وصالِ دوست گرت دست مید ہد روزے
اگر تجھے کسی دن دوست کا وصال حاصل ہو جائے
بر و کہ ہر چہ مرادست در جہاں داری
تو جا، کہ دنیا میں جتنی مرادیں ہیں، تجھے حاصل ہو گئیں ہیں

چو ذکرِ لعلِ لبت میکنم خرد گوید
میں جب تیرے لعل جیسے ہونٹ کا ذکر کرتا ہوں تو عقل کہتی ہے
حدیث یا شکرست اینکہ در دہاں داری
بات ہے یا شکر، یہ جو تو منہ میں رکھتا ہے

چو گُل بدامن ازیں باغ میبری حافظ
اے حافظ! جبکہ تو اس باغ سے دامن پھولوں سے بھر کر لیجاتا ہے
چہ غم ز نالہ و فریادِ باغباں داری
تو باغبان کے نالہ و فریاد کا کیا غم رکھتا ہے؟

تو مگر بر لبِ جوئے ز ہوس بنشینی[2]
تو شاید ہوس کی وجہ سے نہر کے کنارے پر بیٹھتا ہے
ورنہ ہر فتنہ کہ بینی ہمہ از خود بینی
ورنہ جو فتنہ تو دیکھتا ہے خود تیری ہی وجہ سے ہے

بخدائے کہ توئی بندۂ بگزیدۂ او
تجھے اس خدا کی قسم جس کا تو برگزیدہ بندہ ہے
کہ بجائے منِ بیدل دگرے نگزینی
کہ مجھ بیدل کی بجائے دوسرے کو منتخب نہ کر

صبر بر جورِ رقیباں چہ کنم گر نکنم
اگر رقیبوں کے ظلم پر صبر نہ کروں، تو کیا کروں؟
عاشقاں را نبود چارہ بجز مسکینی[3]
عاشقوں کے لیے مسکینی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے

ادب و شرم ترا خسروِ مہرویاں کرد
ادب اور شرم نے تجھے ماہرو لوگوں کا بادشاہ بنادیا
آفریں بر تو کہ شائستۂ صد تحسینی
تجھے شاباش ہے، کیونکہ تو سیکڑوں تعریفوں کا مستحق ہے

عجب از لطفِ تو اے گُل کہ نشینی باخار[4]
اے پھول! تیری مہربانی پر تعجب ہے کہ تو کانٹے کا ہم نشین ہے
ظاہراً مصلحتِ وقت در آں می بینی
لظاہر تو اس میں وقت کی مصلحت دیکھتا ہے

حیفم آید کہ خرامی بتماشائے چمن
مجھے افسوس ہوتا ہے، کہ تو چمن کی سیر کو جائے
کہ تو خوشتر ز گُل و تازہ تر از نسرینی
اس لیے کہ تو پھول سے زیادہ حسین اور نسرین سے زیادہ تازہ ہے

گر امانت[5] بسلامت برم باکے نیست
اگر میں امانت کو صحیح و سالم لیجاؤں تو پھر پرواہ نہیں ہے
بیدلی سہل بود گر نبود بیدینی
بیدل ہونا آسان ہے، اگر بے دینی نہ ہو

بادِ صبحی بہوایت ز گلستاں برخاست
صبح کی ہوا، تیری محبت میں باغ سے اٹھی
کہ تو خوشبو چو گُلِ سوری و چوں نسرینی
چونکہ تو گلِ سوری اور نسرین کی طرح خوشبودار ہے

سخنِ بیغرض[6] از بندۂ مخلص بشنو
بے غرض بات، مخلص خادم سے سن
اے کہ منظورِ بزرگانِ حقیقت بینی
اے وہ کہ تو حقیقت شناس بزرگوں کا منظورِ نظر ہے

نازنینے چو تو پاکیزہ رخ و پاک نہاد
تجھ جیسا پاکیزہ رخ، اور پاک باطن نازنین
بہتر آنست کہ با مردمِ بد ننشینی
بہتر یہ ہے، کہ تو بروں کے ساتھ نہ بیٹھے

---

[1] اگر دوست راضی ہو تو رقیبوں کے ظلم سہنے آسان ہوتے ہیں۔

[2] تو حسن کے نظارے کے لیے دریا کے کنارے کیوں جاتا ہے تو خود اس قدر حسین ہے کہ سب فتنے اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

شعر

[illegible]

[3] عاشق رقیبوں کا ظلم سہنے پر مجبور ہے۔

[4] گُل سے محبوب اور خار سے رقیب مراد ہے۔

[5] امانت سے صلاحیتِ ایمان مراد ہے جس کا ذکر اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ میں کیا گیا ہے یعنی انسان بیدل ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے بے دینی بری چیز ہے۔

[6] سخنِ بے غرض کی تشریح اگلے شعر کے دوسرے مصرع میں ہے۔

شیشہ بازیِ سرشکم نگری از چپ و راست
دائیں بائیں سے تو میرے آنسوؤں کی شیشہ بازی دیکھے گا

گر بدیں منظرِ بینش نفَسے بنشینی
اگر تو اس بینائی کے منظر میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے گا

بعد ازیں ما و گدائی بسرِ منزلِ عشق
اس کے بعد ہم ہوں گے اور عشق کی منزل کی فقیری ہوگی

راہرو را نبود چارہ بجز مسکینی
مسافر کے لئے مسکینی کے سوا چارہ نہیں ہے

تو بدیں دلکشی و نازکی اے مایۂ حُسن
اے حسن کے سرمایہ! تو اس دل کشی اور نزاکت کے ساتھ

لایقِ بزمگہِ خواجہ جلال الدینی
خواجہ جلال الدین کی مجلس کے لائق ہے

سیلِ ایں اشکِ رواں صبرِ دل حافظ برد
ان جاری آنسوؤں کا بہاؤ، حافظ کے صبر کو بہالے گیا

بَلَغَ الطَّاقَةُ يَا مُقْلَةَ عَيْنِي بِينِي
قوت ختم ہو گئی، اے میری آنکھ کی پتلی! تو جدا ہو جا

جاں فدائے تو کہ ہم جانی و ہم جانانی
جان تجھ پر قربان، کہ تو جان بھی ہے اور جاناں بھی ہے

ہر کہ شد خاکِ درت رُست ز سرگردانی
جو تیرے در کی خاک بن گیا پریشانی سے نجات پا گیا

سرِ ہری از سرِ کوئے تو نیارم برخاست
میں تیرے کوچہ سے آسانی سے نہیں اٹھ سکتا

کارِ دشوار نگیرند بدیں آسانی
اس آسانی سے، دشوار کام نہیں کرتے ہیں

خام را طاقتِ پروانۂ پرسوختہ نیست
خامکار میں پر جلے ہوئے پروانہ کی طاقت نہیں ہے

نازکاں را نرسد شیوۂ جاں افشانی
جان قربان کرنا نازک لوگوں کا شیوہ نہیں ہے

بے تو آرام گرفتن بود از ناکامی
تیرے بغیر آرام کرنا، ناکامی ہے

با تو گستاخ نشستن بود از حیرانی
تیرے پاس گستاخی سے بیٹھنا، حیرانی ہے

فاش کردند رقیبانِ تو سرِ دلِ من
تیرے رقیبوں نے میرے دل کا راز ظاہر کر دیا

چند پوشیدہ بماند خبرِ پنہانی
چھپی ہوئی خبر، کب تک چھپ سکتی ہے؟

تا بماند تر و شاداب نہالِ قدِ تو
تاکہ تیرے قد کا پودا تر اور شاداب رہے

واجب آنست کہ بر دیدۂ ما بنشانی
مناسب یہ ہے کہ تو ہماری آنکھوں پر لگا دے

در خمِ زلفِ تو دیدم دلِ خود را روزے
میں نے ایک دن اپنے دل کو تیری زلف کے پیچ میں دیکھا

گفتمش چونی و چوں میرہی اے زندانی
میں نے اس سے کہا، تو کیسا ہے اور اے قیدی تو کیسے چھوٹے گا؟

گفت آرے چہ کنی گر نبری رشکِ من
وہ بولا، ہاں تو کیا کرے اگر مجھ پر رشک نہ کرے

ہر گدا را نبود مرتبہ سلطانی
ہر فقیر کو، بادشاہی کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا ہے

راستی حدِّ تو حافظ نبود صحبتِ ما
سچ تو یہ ہے، اے حافظ تیرا رتبہ ہماری صحبت کے لائق نہیں ہے

بس اگر بر سرِ ایں کوئے کنی سگبانی
یہی کافی ہے، اگر تو اس کوچہ کے کتوں کی نگرانی کرے

جائے حضور و گلشنِ امنست ایں سرائے
یہ گھر حاضری کی جگہ، اور امن کا باغ ہے

زیں در بشادمانی و عیش و طرب در آئے
اس دروازہ سے خوشی، اور عیش اور مستی میں داخل ہو

ل شیشہ بازی، رقاصی کا ایک طریقہ ہے جس میں گلاب اور شراب سے شیشہ بھر کر سر پر رکھ کر ناچتے ہیں اور شیشہ کو سر پر سے نہیں گرنے دیتے یعنی تو میرے آنسوؤں کا رقص دیکھے گا۔

ت جلال الدین شاہ شجاع کا وزیر تھا جو حافظ کا ممدوح ہے۔

سے تیرے در سے آسانی سے اٹھنا ممکن نہیں ہے یعنی مشکل کام ہے اور مشکل کام آسانی سے کوئی نہیں کرتا مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔

ع معشوق کے بغیر آرام سے رہنا ناکامی کی دلیل ہے، تیرے سامنے بے ادبی سے بیٹھنا حیرانی کی بات ہے

ھ سرو عموماً نہروں کے کنارے پر بویا جاتا ہے۔

ت میں نے دل کو زلف میں پھنسا ہوا دیکھ کر کہا تو اس قید سے نجات نہ پا سکے گا، وہ بولا تو مجھ پر رشک کر، کیونکہ یہ رتبہ تجھے حاصل نہیں ہے۔

اے کاخِ دولت تو چہ کاخے کہ مدرجست
اے وہ کہ تیری دولت کا محل کیسا محل ہے کہ دلکش ہے!
درشا خسارِ گلشنِ تو سایۂ ہمائے
تیرے باغ کی شاخوں میں، کسی ہما کا سایہ

ہر صبح ذرِّ ہوائے درت میکند صبوح
تیرے دروازے کی خواہش میں ہر صبح کو صبوحی پیتا ہے
جمشیدِ تختِ چرخ بجامِ جہاں نمائے
جامِ جہاں نما کے ذریعہ، آسمان کے تخت کا جمشید

بادِ تو ہمچو آتشِ موسیٰ خجستہ پے
تیری ہوا، موسیٰ کی آگ کی طرح، مبارک قدم ہے
خاکِ تو ہمچو آبِ خضر زندگی فزائے
تیری خاک آبِ خضر کی طرح زندگی بڑھانیوالی ہے

فرخندہ نو گلِ تو چمن را حیات دہ
تیرا مبارک، تازہ پھول چمن کو زندگی عطا کرنیوالا ہے
جعدِ بنفشۂ تو صبا را گرہ کشائے
تیرے بنفشہ کے گھنگریالے بال صبا کی گرہ کھولنے والے ہیں

مرغولِ سنبل از دمِ کوئے تو خوش نسیم
سنبل کے بل دار بال تیرے کوچہ کی ہوا سے خوشبودار ہیں
زلفِ صبا ز خاکِ جنابِ تو مشکسائے
صبا کی زلف تیرے دربار کی خاک سے مشکبار ہے

خورشید در ہوائے تو چوں ذرہ پائے کوب
آفتاب تیری محبت میں، ذرہ کی طرح ناچ رہا ہے
جمشید در حریمِ تو چوں بندگاں بپائے
جمشید تیرے احاطہ میں غلاموں کی طرح کھڑا ہے

حافظ مقیم درگہِ اُو باش و عیش کن
اے حافظ! اس کے دربار میں مقیم ہوجا، اور عیش کر
کاندر بہشت بہتر ازیں گوشہ نیست جائے
اس لیے کہ اس گوشہ سے بہتر بہشت میں بھی جگہ نہیں ہے

چو سروِ گر بخرامی دمے بگلزارے
اگر تو تھوڑی دیر کے لیے، باغ میں سرو کی طرح ٹہلے
خورد ز غیرتِ روئے تو ہر گُلے خارے
تو تیرے چہرے کی غیرت سے ہر پھول خار کھائے

ز کفرِ زلفِ تو ہر حلقۂ و آشوبے
تیری زلف کے کفر کی وجہ سے ہر حلقہ میں ایک فتنہ برپا ہے
ز سحرِ چشمِ تو ہر گوشۂ و بیمارے
تیری آنکھ کے جادو سے، ہر گوشے میں ایک بیمار ہے

نثارِ خاکِ رہت نقدِ جانِ ما ہرچند
تیرے راستہ کی خاک پر ہماری نقدِ جان قربان ہے اگرچہ
کہ نیست نقدِ رواں را بر تو مقدارے
جان کی نقدی کی تیرے یہاں کوئی قدر نہیں ہے

مرو چو بختِ من اے چشمِ مستِ یار بخواب
اے یار کی مست آنکھ تو میرے نصیبہ کی طرح نہ سو
کہ در پئے ست ز ہر سوت آہِ بیدارے
اس لیے کہ ہر جانب سے ایک بیدار کی آہ تیرے درپے ہے

دلا ہمیشہ مزن لافِ زلفِ دلبنداں
اے دل! ہمیشہ حسینوں کی زلف کی ڈینگیں نہ مار
چو تیرہ رائے شدی کے کشایدت کارے
جب تو تاریک رائے ہوگیا، پھر تیرے کام کی کشادگی کہاں؟

سرم برفت و زمانے بسر نرفت ایں کار
میرا سر چلا گیا، اور یہ کام ایک زمانہ تک انجام کو نہ پہونچا
دلم گرفت و نبودت سرِ گرفتارے
میرا دل رنجیدہ ہوگیا، اور تجھے گرفتار کا خیال نہ آیا

چو نقطہ گفتمش اندر میانِ دائرہ آئے
میں نے اس سے کہا، نقطہ کی طرح دائرہ کے درمیان آجا
بخندہ گفت کہ حافظ برو چو پر کارے
اُس نے ہنسکر کہا کہ اے حافظ پرکار کی طرح چکر کاٹ

ا؎ اس محل کے گلستاں کی شاخوں کا جس پر سایہ پڑجائے اس کو سلطنت حاصل ہے، یہی ہما کے سایہ کی تاثیر ہے۔
۲؎ آفتاب ہر روز صبح کو تیرے در کی تمنا میں صبوحی کے جام پیتا ہے۔
۳؎ جس طرح حضرت موسیٰ کی آگ بابرکت ثابت ہوئی اسی طرح تیری ہوا بابرکت ہے
۴؎ نو گل سے رخسارہ اور بنفشہ سے محبوب کی زلف مراد ہے۔
۵؎ ذرہ کو آفتاب کا عاشق مانا جاتا ہے آفتاب تیرے در کا عاشق ہے۔
۶؎ محبوب کا دربار بہشت سے بھی زیادہ بہتر ہے۔
۷؎ تیری زلف کے ہر حلقہ نے ایک فتنہ پیدا کر دیا ہے تیری آنکھ کا ہر جانب ایک بیمار پڑا ہے۔
۸؎ چونکہ بیداروں کی آہیں درپے ہیں لہٰذا غافل سونا مناسب نہیں ہے۔
۹؎ میں نے اس سے کہا تو عاشقوں کے لیے اس طرح بن جا جس طرح دائرہ میں نقطہ ہوتا ہے م

۱۰؎ اس نے کہا تو پرکار کی طرح دور دور گھومتا پھر۔ نقطہ دائرہ میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔

چوں در جہانِ خوبی امروز کامگاری — شاید کہ عاشقاں را کامے ز لب بر آری
چونکہ تو آج حسن کی دنیا میں کامیاب ہے — مناسب ہے کہ تو عاشقوں کا کچھ مقصد ہونٹوں سے پورا کر دے

با عاشقانِ بیدل تا چند ناز و عشوہ — بر بیدلانِ مسکیں تا کے جفا و خواری
بے دل عاشقوں سے، ناز و ادا کب تک کرے گا؟ — بیدل مسکینوں پر ظلم اور ذلت کب تک رکھے گا؟

تا چند ہمچو چشمت در عینِ ناتوانی — تا چند ہمچو زلفت در تاب و بیقراری
تیری آنکھوں کی طرح میں کب تک عینِ ناتوانی میں رہونگا؟ — تیری زلفوں کی طرح کب تک پیچ و تاب اور بیقراری میں رہونگا؟

جور[۱]ے کہ از تو دیدم دردے کہ از تو بردم — گر شمۂ بدانی شاید کہ رحمت آری
تیرا جو ظلم میں نے دیکھا، تیرا جو درد میں نے اٹھایا — اگر اس کا تھوڑا سا بھی تو جان جائے، شاید تو رحم کرے

از بادۂ[۲] وصالت گر جرعۂ بنوشم — تا زندہ ام نورزم آئینِ ہوشیاری
اگر تیرے وصل کی شراب کا ایک گھونٹ میں پی لوں — جب تک زندہ ہوں ہوش کا طریقہ نہ اختیار کروں

در ہجر ماندہ بودم بادِ صبا رسانید — از بوستانِ وصلت بوئے امیدواری
میں ہجر میں تھک گیا تھا، بادِ صبا نے پہونچا دی — امید کی خوشبو، تیرے وصل کے باغ سے

ما بندہ ایم و عاجز تو خواجۂ و قادر — گر میکشی بزورم ور میکشی بزاری
ہم غلام ہیں اور عاجز، تو آقا ہے، اور قادر — خواہ مجھے زور سے کھینچ لے، خواہ مجھے بری طرح سے مار ڈالے

دُکانِ[۳] عاشقی را بسیار مایہ باید — دلہائے ہمچو آتش چشمانِ رودباری
عاشقی کی دکان کے لیے، بہت سرمایہ چاہیے — آگ جیسے دل، نہر دل جیسی آنکھیں

گرچہ[۴] ببوئے وصلت در حشر زندہ گردم — سر بر نیارم از خاک از روئے شرمساری
اگرچہ تیرے وصل کی خوشبو سے میں حشر میں زندہ ہو جاؤنگا — شرمندگی کی وجہ سے، مٹی سے سر نہ اٹھاؤں گا

آخر ترحمے کن بر حالِ زارِ حافظ
حافظ کے حالِ زار پر، آخر کچھ رحم کر
تا چند نا اُمیدی تا چند خاکساری
نا اُمیدی کب تک، خاکساری کب تک؟

چہ[۵] بودے ار دلِ آں ماہ مہرباں بودے — کہ کارِ ما نہ چنیں بودے ار چناں بودے
اگر اُس چاند کا دل، مہربان ہوتا تو کیا اچھا ہوتا — اگر ایسا ہوتا، تو ہمارا کام ایسا نہ ہوتا

بگفتمے[۶] کہ چہ ارزد نسیمِ طرّۂ دوست — گرم بہر سرِ موئے ہزار جاں بودے
میں بتاتا، کہ دوست کی زلف کی نسیم کس قیمت کی ہے — اگر میرے ہر بال میں، ہزار جانیں ہوتیں

براتِ[۷] خوشدلیِ ما چہ کم شدے یارب — گرش نشانِ اماں از یدِ زماں بودے
اے خدا کیا کمی آجاتی، ہماری خوشدلی کی دستاویز کو؟ — اگر زمانہ کے ہاتھ سے امان کا نشان ملجاتا

گرم زمانہ سرافراز داشتے و عزیز — سریر[۸] عزتم آں خاکِ آستاں بودے
اگر زمانہ مجھے سربلند، اور باعزت رکھتا — اس در کی خاک، میری عزت کا تخت ہوتی

خیال اگر نشدے سدِّ آبِ دیدۂ من — ہزار چشمہ بہر گوشۂ رواں بودے
اگر تیرا خیال، میری آنکھوں کے پانی کی روک نہ ہوتا — ہر طرف ہزاروں چشمے، رواں ہو جاتے

[۱] تیری وجہ سے جس قدر تکالیف میں مبتلا ہوں اگر تجھے ان کا علم ہو جائے تو تجھے ترس آنے لگے
[۲] تیرے وصل کی شراب کا ابدی نشہ ہوگا جس سے کبھی ہوش میں نہ آؤں گا
[۳] عاشقی کی دکان کا سرمایہ آگ جیسے دل، دریا جیسی آنکھیں ہیں۔
[۴] حشر میں تیرے وصل کی خوشبو سے زندہ ہو جاؤں گا لیکن شرمساری کی وجہ سے قبر سے سر باہر نہ نکالوں گا۔
[۵] یعنی اگر اس کی مہربانی ہوتی تو ہم اس قدر تکالیف میں نہ ہوتے۔
[۶] کیا کروں صرف ایک جان ہے اگر ہر بال میں ہزاروں جانیں ہوتیں تب بتاتا کہ اس کی زلف کی خوشبو کی کیا قیمت ہے یعنی وہ سب اس پر قربان کر دیتا۔
[۷] برات، دستاویز یعنی اگر ہماری خوش دلی کی دستاویز پر زمانہ سے امن کے لیے دستخط ہوتے تو اے خدا تیرے یہاں کیا کمی آجاتی۔
[۸] میرے لیے وجہ عزت یہی ہے کہ مجھے تیرے در کی خاک کا تخت میسر آجائے۔

کسے بکوئے ویم کاشکے نشاں دادے
کاش! کوئی مجھے اس کے کوچہ کا پتہ بتا دیتا
کہ تا[۱] فراغتے از باغ و بوستاں بودے
تاکہ باغ اور چمن سے کچھ فراغت ہو جاتی

بُرخ چو مہرِ فلک بے نظیرِ آفاق ست
وہ رخسار کے اعتبار سے آسمان کے سورج کی طرح دنیا میں بےمثال ہے
بدل دریغ کہ یک ذرہ مہرباں بودے
افسوس، دل کے اعتبار سے اگر ذرہ برابر مہربان ہوتا

زپردہ کاش بروں آمدے چو قطرۂ اشک
کاش! وہ پردے سے آنسوؤں کے قطرے کی طرح باہر آتا
کہ بر دو دیدۂ ما حکمِ او رواں بودے
تاکہ ہماری دونوں آنکھوں پر اس کا حکم جاری ہوتا

اگر نہ[۲] دائرۂ عشق راہ بر بستے
اگر عشق کا دائرہ راستہ بند نہ کرتا
چو نقطہ حافظِ بیدل در آنمیاں بودے
تو حافظ بے دل، نقطہ کی طرح اس کے درمیان ہوتا

چہ[۳] قامتے کہ زسر تا قدم ہمہ جانی
کیا قد ہے، کہ سر سے پیر تک سب جان ہے
چہ صورتے کہ بہیچ آدمی نمی مانی
کیا صورت ہے، کہ تو کسی آدمی کے مشابہ نہیں ہے؟

نہ صورتی کہ گلِ گلستانِ فردوسی
صورت نہیں ہے، بلکہ تو جنت کے باغ کا پھول ہے
نہ قامتی کہ سہی سروِ باغ و بستانی
قد نہیں ہے، بلکہ تو باغ، اور بستان کا سرو سہی ہے

بسے[۴] حکایتِ حسنت شنیدہ ام جاناں
اے جاناں! میں نے تیرے حسن کے بہت قصے سنے ہیں
کنوں کہ دیدمت الحق ہزار چندانی
اب جبکہ میں نے تجھے دیکھا، یقیناً تو ہزار گنا ہے

تنم چو چشمِ تو دارد نشانِ بیماراں
میرا جسم، تیری آنکھ کی طرح، بیماروں جیسا ہے
دلم چو زلفِ تو دارد سرِ پریشانی
میرا دل، تیری زلف کی طرح، پریشان ہے

زجستجوئے[۵] تو ننشینم ارچہ ہر نفسم
میں تیری طلب نہ چھوڑوں گا، اگرچہ مجھے ہر سانس میں
میانِ خونِ دل و آبِ دیدہ بنشانی
تو دل کے خون، اور آنکھ کے آنسوؤں میں بٹھائے

زخاکِ پائے عزیزِ تو سر نہ گردانم
تیرے پیر کی معزز خاک سے میں سر گردانی نہ کروں گا
گرم زدستِ فراقت بسر بگردانی
اگرچہ تو فراق کے ہاتھوں، مجھے سرگرداں کرے

تو[۶] چوں سپہرِ جفا پیشۂ و احوالم
تو آسمان کی طرح ظلم پیشہ ہے، اور میرے احوال نے
چو روزگار نہاد ست رُو بویرانی
زمانہ کی طرح، ویرانی کا رخ کیا ہے

زروئے[۷] لطف و ترحم چرا نہ بخشانی
تو از روئے مہربانی، اور رحم، بخشش کیوں نہیں کرتا ہے؟
چو دردو محنتِ حافظ یقیں ہمیدانی
جبکہ تو حافظ کے درد اور مشقت کو یقین سے جانتا ہے

خوشتر[۸] از کوئے خرابات نباشد جائے
شرابخانہ کے کوچہ سے بہتر کوئی جگہ نہ ہوگی
گر بہ پیرانہ سرم دست دہد ماوائے
اگر بڑھاپے میں، مجھے کوئی ٹھکانا میسر آجائے

آرزو[۹] میکندم از تو چہ پنہاں دارم
میری آرزو ہے، تجھ سے کیا چھپاؤں؟
شیشۂ بادہ و کنجے و رُخِ زیبائے
شراب کی بوتل، اور گوشہ، اور تیرا رُخ زیبا

---

۱ اس لیے کہ محبوب کا کوچہ باغ و بوستاں سے بہتر ہے۔
۲ حافظ کو موقع نہیں ملا ورنہ وہ دائرۂ عشق کا مرکز ہوتا۔
۳ اس قدر حسین قد ہے کہ سر سے قدم تک جانِ عاشقاں ہے۔
۴ میں نے تیرے حسن کے بہت سے قصے سُنے تھے لیکن جب دیکھا تو ان سے ہزار گنا زیادہ پایا۔
۵ اگرچہ میرا دل خون شدہ اور آنکھیں اشکبار ہیں لیکن میں تیری طلب سے دست کش نہ ہوں گا۔
۶ آسمان ظلم میں، اور زمانہ ویرانی میں ضرب المثل ہے۔
۷ جب کسی کے درد اور مشقت کا یقین ہو جاتا ہے تو رحم آہی جاتا ہے۔
۸ بڑھاپے میں اگر خرابات کا گوشہ میسر آجائے تو اس سے بہتر کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔
۹ تو حالِ دل سے واقف ہے تجھ سے کوئی تمنا چھپانی مناسب نہیں ہے۔ میری آرزو ہے کہ گوشۂ تنہائی، شیشۂ شراب اور تیرا چہرہ مل جائے۔

جائے من دیرِ مُغانست و مُروّج وطنے
میری جبکہ دیرِ مُغاں ہے ۔ اور یہ ایک مروّج وطن ہے

رأیِ من روئے بُتانست و مبارک رائے
میری رائے معشوقوں کا چہرہ ہے اور یہ مبارک رائے ہے

چہ کنی گوش کہ در دہر چو من شیدا نیست[۱]
کیا سنتا ہے، کہ زمانہ میں مجھ جیسا شیدا کوئی نہیں ہے

نیست ایں جز سخنِ بوالہوسے رعنائے
یہ محض ایک بوالہوس، احمق کی بات ہے

صنما غیرِ تو در خاطرِ ما کے گنجد
اے صنم! تیرا غیر ہمارے دل میں کب سما سکتا ہے

کہ مرا نیست بغیر از تو زکس پروائے
اس لیے کہ مجھے تیرے سوا کسی کی پرواہ نہیں ہے

بادب باش کہ ہرگز نتواند گفتن[۲]
باسلیقہ بن، اس لیے کہ ہرگز نہیں بتا سکتا ہے

سخنِ دیر مگر برہمنے دانائے
بُتخانہ کی بات ، سوائے عقلمند برہمن کے

رحم کن بر دلِ مجروحِ خرابِ حافظ
حافظ کے تباہ زخمی دل پر رحم کر

زانکہ ہست از پئے امروز یقیں فردائے[۳]
اس لیے کہ آج کے بعد یقیناً ایک کل ہے

خوش کرد یاوری فلکت روزِ داوری
آسمان نے انصاف کے دن تیری اچھی مدد کی

تا شکر چوں کنی و چہ شکرانہ آوری
دیکھئے تو کس طرح شکر کرتا ہے، اور کیا شکرانہ لاتا ہے؟

در کوئے عشق شوکتِ شاہی نمی خرند[۴]
عشق کے کوچہ میں شاہی دبدبہ نہیں خریدتے ہیں

اقرارِ بندگی کن و دعوائے چاکری
غلامی کا اقرار، اور نوکری کا دعویٰ کر

آنکس کہ اوفتاد خدایش گرفت دست
جو شخص گرا، خدا نے اس کا ہاتھ پکڑا

پس بر تو باد تا غمِ افتادگاں خوری
پس تیرا فرض ہو کہ گرے ہوؤں کا غم کھائے

ساقی بمژدگانیِ عیش از درم درآی
اے ساقی عیش کی خوشخبری کے انعام میں تو میرے دروازے کے اندر آ

تا یکدم از دلم غمِ دنیا بدر بری
تاکہ تھوڑی دیر کے لیے میرے دل سے دنیا کے غم کو نکال دے

در شاہراہِ جاہ و بزرگی خطر بسے ست[۵]
مرتبہ اور بڑائی کے راستہ میں بہت خطرے ہیں

آں بہ کزیں گریوہ سبکسار بگذری
یہ بہتر ہے کہ اس ٹیلہ سے تو ہلکا پھلکا گذرے

سلطان و فکرِ لشکر و سودائے تاج و گنج
بادشاہ ہے اور لشکر کا فکر، اور تاج اور خزانے کا جنون

درویش و امنِ خاطر و کنجِ قلندری
درویش ہے اور اطمینانِ خاطر اور فقیری کا گوشہ

نیلِ مراد بر حسبِ فکر و ہمت ست[۶]
مقصد کا حصول، فکر اور ہمت کے موافق ہے

از شاہ نذرِ خیر و ز توفیق یاوری
بادشاہ کی جانب سے نذر خیر ہے اور توفیق کیجانب سے مدد ہے

یک حرفِ صوفیانہ بگویم اجازت ست
میں ایک صوفیانہ بات کہتا ہوں، اجازت ہے؟

اے نورِ دیدہ صلح بہ از جنگ و داوری
اے نورِ چشم! صلح، لڑائی اور شاہی سے بہتر ہے

گر بر حسابِ روزِ جزا مُطّلع شوی[۷]
اگر تو، جزا کے دن کے حساب سے باخبر ہو جائے

درویشی اختیار کنی بر توانگری
مالداری سے ، درویشی کو پسند کرے

حافظ غبارِ فقر و قناعت ز رخ مشوی
اے حافظ! قناعت اور فقر کا غبار منہ پر سے نہ دھو

کایں خاک بہتر از عملِ کیمیاگری
اس لیے کہ یہ خاک کیمیاگری کے عمل سے بہتر ہے

---

[۱] یہ بات سننے کے قابل نہیں ہے یہ تو کوئی بوالہوس ہی کہہ سکتا ہے کہ میں ہی تیرا شیدائی ہوں تیرے تو لاکھوں شیدائی ہیں۔

[۲] دیر کے راز برہمن ہی بتا سکتا ہے اس سے معلوم کرنے چاہئیں۔

[۳] کل سے مراد قیامت ہے یعنی تو رحم کریگا تو کل تیرے اوپر رحم ہوگا۔

[۴] عشق کے کوچہ میں شاہی دبدبہ کام نہیں دیتا ہے، وہاں غلامی اور انکساری کام آتی ہے۔

[۵] دنیاوی جاہ اور بزرگی میں بہت خطرے ہیں اس لیے مناسب ہے رضا و قناعت اختیار کر لیجائے۔

[۶] شعر [illegible]

[۷] قیامت میں مالداروں کو بہت کچھ حساب دینا پڑے گا۔

در ہمہ[1] دیرِ مغاں نیست چو من شیدائے
کسی آتشکدہ میں مجھ جیسا شیدائی نہیں ہے
خرقہ جائے گرِو بادہ و دفتر جائے
کفنی ایک جگہ شراب میں رہن ہے، کتاب دوسری جگہ

دل کہ آئینہ شاہی ست غبارے دارد
جو دل شاہی آئینہ ہے، وہ دھندلا ہو گیا ہے
از خدا می طلبم صحبتِ روشن رائے
میں خدا سے کسی روشن رائے کی صحبت مانگتا ہوں

کردہ ام توبہ[2] بدستِ صنمے بادہ فروش
ایک شراب فروش بت کے ہاتھ پر میں نے توبہ کر لی ہے
کہ دگر مے نخورم بے رُخِ بزم آرائے
کہ پھر کبھی بزم آرا رُخ کے بغیر، شراب نہ پیوں گا

جوئیہا بستہ[3] ام از دیدہ بداماں کہ مگر
میں نے آنکھوں سے دامن میں نہریں بہادی ہیں کہ شاید
در کنارم بنشانند سہی بالائے
کسی سرو قد کو میرے پہلو میں بٹھادیں

سرِ[4] ایں نکتہ مگر شمع برآرد بزباں
اس نکتہ کا راز شاید شمع زبان پہ لے آئے
ورنہ پروانہ ندارد ز سخن پروائے
ورنہ پروانہ کو بات کرنے کی پرواہ نہیں ہے

کشتیِ[5] بادہ بیاور کہ مرا بے رُخِ دوست
شراب کی کشتی لا۔ اس لیے کہ دوست کے رُخ کے بغیر میری
گشتہ ہر گوشۂ چشم از غمِ دل دریائے
آنکھ کا ہر گوشہ دل کے غم سے ایک دریا بن گیا ہے

سخنِ غیر مگو با منِ معشوقہ پرست
مجھ معشوق پرست سے، غیر کی بات نہ کر
کز وے و جامِ مَیَم نیست بکس پروائے
اس لیے کہ اس کے اور شراب کے جام کے سوا مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے

نرگس[6] ار لاف زد از شیوۂ چشمِ تو مرنج
نرگس نے، اگر تیری آنکھ کے شیوے کی ڈینگیں ماریں تو رنجیدہ نہ ہو
نروند اہلِ نظر از پئے نابینائے
نظر والے، نابینا کے درپے نہ ہوں گے

عہد کردم کہ دگر خونِ دلِ خود نخورم
میں نے عہد کر لیا ہے کہ اب اپنے دل کا خون نہ پیوں گا
مگر از دستِ حریفے صنمے رعنائے
مگر کسی دوست کے ہاتھ سے جو حسین بت ہو

ہمہ شب گریہ کناں بر درِ میخانہ درآئی
ہر رات کو روتا ہوا، میخانہ کے دروازے پہ آ،
تا دہد بادِ صبا مژدہ بخاکِ پائے
تاکہ صبا کسی کی خاکِ پا کی تجھے خوشخبری دے

ایں حدیثم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت
یہ بات مجھے کیسی اچھی پسند آئی، کہ صبح وقت کہہ رہا تھا
بر درِ میکدۂ با دف و نے ترسائے
ایک آتش پرست شرابخانہ کے دروازے پر دف اور نے کے ساتھ

گر[7] مسلمانی از این ست کہ حافظ دارد
اگر مسلمانی ایسی ہی ہے، جو حافظ رکھتا ہے
آہ اگر از پئے امروز بود فردائے
تو اگر آج کے بعد کل ہو، تو آہ ہے

دو[8] یارِ زیرک و از بادۂ کہن دو منے
دو ذہین دوست ہوں، اور دو من پرانی شراب
فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے
فراغت ہو، اور کتاب اور کسی چمن کا گوشہ

زتُند بادِ حوادث نمی تواں دیدن
حوادث کی تیز ہوا کی وجہ سے، نہیں دیکھا جا سکا
دریں چمن کہ گلے بودہ است یا سمنے
کہ اس چمن میں کوئی پھول تھا یا کوئی چنبیلی

من[9] ایں مقام بدنیا و آخرت ندہم
میں اس مقام کو دنیا اور آخرت کے بدلے میں نہیں دوں گا
اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے
خواہ مخلوق گروہ در گروہ میرے پیچھے پڑے

[1] دیرِ مغاں میں مجھ جیسا دیوانہ اور دو سطر نہ ملے گا خرقہ اگر ایک جگہ شراب کے بدلے گروی کیا ہے تو کتاب دوسری جگہ۔
[2] میں نے ایک صنم کے ہاتھ پر توبہ کر لی ہے کہ بغیر معشوق کے کبھی شراب نہ پیوں گا۔
[3] سرو کو نہروں کے کناروں پر لگایا جاتا ہے۔
[4] شمع کی زبان مشہور ہے، شاید وہ عشق کا کچھ راز بتائے ورنہ پروانہ کو تو بات کرنے کی پرواہ نہیں ہے۔
[5] غم کے دریائے شراب کی کشتی ہی پار لگا سکتی ہے۔
[6] نرگس کی لاف زنی بالکل بیکار ہے وہ اندھی ہے محبوب کی آنکھ کو کب پہونچ سکتی ہے۔
[7] مشہور ہے کہ خواجہ صاحب اور علماء فقیہ میں چشمک پیدا ہو گئی تھی جو شاہ شجاع کے مقرب تھے انہوں نے خواجہ کی اس غزل کا مقطع شاہ شجاع کو سنا کر کہا کہ اس سے قیامت کا انکار لازم آتا ہے اس لیے کہ فردا سے مراد فردائے قیامت ہے شاہ شجاع نے خواجہ صاحب کو طلب کیا اور مقطع پر گفتگو چھیڑی تو خواجہ نے مقطع سے پہلے ایک شعر کا غزل میں اضافہ کر دیا اور کہا کہ یہ میرا قول نہیں ہے بلکہ ترسا کا مقولہ ہے۔ [8] دو یار ہوں اور دو من شراب۔

هر آنکه کنج قناعت بگنج دنیا داد — فروخت یوسف مصری بکمترین ثمنے
جس نے قناعت کے گوشہ کو دنیا کے خزانے کے بدلے میں دیدیا — اس نے کم داموں میں مصری یوسف کو بیچ ڈالا

بیا کہ رونق[1] ایں کارخانہ کم نشود — ز زہد ہمچو توئے یا ز فسق ہمچو منے
آ کیونکہ اس کارخانہ کی رونق کم نہ ہوگی — تجھ جیسے کے زہد، اور مجھ جیسے کے فسق سے

نگار خویش بدست خساں ہمی بینم — چنیں شناخت فلک حق خدمت چو منے
میں اپنے معشوق کو، کمینوں کے قبضے میں دیکھ رہا ہوں — مجھ جیسے کی خدمت کا حق، آسمان نے خوب پہچانا

ببیں در آئینہ نقشبند صورت غیب — گرت ز ملک قناعت ہوس کند وطنے
خدائی آئینہ میں، غیب کی صورت دیکھ — اگر ہوس قناعت کے ملک میں تیرا وطن بنا دے

ازیں سموم کہ بر طرف بوستاں بگذشت — عجب کہ رنگ گلے ماند و بوئے یاسمنے
یہ لُو جو باغ کی جانب چلی، اس سے — تعجب ہوگا اگر پھول کا رنگ، اور یاسمن کی خوشبو باقی رہے

بصبر[2] کوش تو اے دل کہ حق رہا نہ کند — چنیں عزیز نگینے بدست اہرمنے
اے دل تو صبر کی کوشش کر، اس لیے کہ اللہ نہیں چھوڑتا ہے — ایسا قیمتی نگینہ، کسی دیو کے ہاتھ میں

بگوشہ بنشیں سرخوش و تماشا کن — ز حادثات[3] زمانے رخ شکر دہنے
مست ہوکر گوشہ میں بیٹھ جا، اور سیر کر — کسی شکر جیسے منہ والے کے رخ کی، حوادث زمانہ سے بچ کر

بروز[4] حادثہ غم باشراب باید گفت — کہ اعتماد بکس نیست در چنیں زمنے
مصیبت کے دن، غم شراب سے کہنا چاہیئے — اس لیے کہ ایسے زمانہ میں، کسی پر بھروسہ نہیں ہے

مزاج[5] دہر بتر شد دریں بلا آرے — کجاست فکر حکیمے و رائے برہمنے
زمانہ کا مزاج بدتر ہوگیا، ہاں اس مصیبت میں — کسی حکیم کی فکر، اور کسی برہمن کی رائے کہاں ہے؟

بخواہ آئنہ جام و سیر در وے بیں — کہ کس بیاد نداد ست ایں چنیں زمنے
جام کا آئینہ مانگ، اور اس میں سیر کر — اس لیے کہ ایسا وقت کسی نے برباد نہیں کیا ہے

شنیدہ[6] ام کہ سگاں را قلادہ می بندی
میں نے سنا ہے، کہ تو کتوں کے پٹہ ڈالتا ہے
چرا بگردن حافظ نمی کنی رسنے
تو حافظ کی گردن میں تو رسی کیوں نہیں باندھتا ہے

دیدم بخواب دوش کہ ماہے بر آمدے — کز عکس روئے او شب ہجراں سر آمدے
میں نے کل رات خواب میں دیکھا کہ ایک چاند نکلا ہے — جس کے چہرے کے عکس سے، ہجر کی رات ختم ہوگئی

تعبیر رفت[7] یار سفر کردہ میرسد — اے کاش ہر چہ زود تر از در درآمدے
یہ تعبیر ہوئی، کہ سفر میں گیا ہوا دوست آرہا ہے — اے کاش! جس قدر بھی جلد ممکن ہو دروازے سے اندر آجائے

ذکرش بخیر ساقی فرخندہ فال من — کز در مدام با قدح و ساغر آمدے
اس کا ذکر خیر سے ہو، میرا مبارک فال والا ساقی — جو ہمیشہ پیالہ اور ساغر لیکر دروازے سے آتا تھا

فیض[8] ازل بزور و زر ار آمدے بدست — آب خضر نصیبۂ اسکندر آمدے
ازلی فیض، اگر طاقت، اور روپے سے ہاتھ آتا — تو آب حیات، سکندر کے نصیب میں ہوتا

---

۱ خدا کی خدائی میں نہ کسی کے زہد سے اضافہ ہوتا ہے نہ کسی کی رندی سے کمی۔
۲ صبر کر محبوب رقیب کے قبضے میں نہ رہیگا۔
۳ حوادثِ زمانہ سے قطع نظر کرکے انسان کو معشوق کا جلوہ دیکھنا چاہیئے۔
۴ غمِ دل شراب سے کہا جاسکتا ہے وہی رازدار ہے ہر شخص پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔
۵ ایک زمانہ میں ہندوستان کے برہمن علم و فن میں مشہور تھے یعنی دنیا کا فساد ناقابل علاج ہے
۶ حافظ تیرے در کا کتا ہے اس کے گلے میں بھی قلادہ ڈال دے۔
۷ خواب میں چاند دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ معشوق سفر سے واپس آجائے گا۔
۸ شعر
ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آں عہد یاد باد کہ از بام و در مرا — ہر دم پیامِ یار و خطِ دلبر آمدے
وہ زمانہ یاد ہے کہ بالاخانہ اور دروازے سے میرے پاس — ہر وقت یار کا پیام، اور دلبر کا خط آتا تھا

خوش بودے ار بخواب بدیدے دیارِ خویش — تا یادِ صحبتش سوئے ما رہبر آمدے
اچھا ہوتا، اگر وہ اپنا وطن خواب میں دیکھتا — تاکہ اس کی صحبت کی یاد ہماری طرف رہبر بن کر آتی

آنکو ترا بسنگدلی گشت رہنموں — اے کاشکے کہ پاش بسنگے برآمدے
جو شخص سنگدلی کے ساتھ تیرا رہنما بنا — اے کاش کہ اس کا پیر کسی پتھر پر پڑتا

کے یافتے رقیبِ تو چنداں مجالِ ظلم — مظلومے ار شبے بدرِ داور آمدے
تیرے رقیب کو اس قدر ظلم کا موقع کب ملتا — اگر مظلوم کسی رات منصف کے دروازے پر آجاتا

خامانِ رہ نرفتہ چہ دانند ذوقِ عشق — دریادلے بجوئی و دلیرے سرآمدے
راستہ طے نہ کیے ہوئے کچے لوگ عشق کا ذوق کیا جانیں — کسی دریادل اور دلیر بلند مرتبہ کو ڈھونڈ

جانہا نثار کردمے آں دلنواز را — گر ہمچو روح جلوہ کناں در بر آمدے
اس دلنواز پر، میں جانیں نثار کر دیتا — اگر وہ روح کی طرح جلوہ دکھاتا ہوا بغل میں آجاتا

گر دیگرے بشیوۂ حافظ زدے رقم
اگر کوئی دوسرا بھی حافظ کے طریقہ پر لکھتا
مقبولِ طبعِ شاہِ سخن پرور آمدے
تو وہ سخن پرور بادشاہ کی طبیعت کو پسند آجاتا

رفتم بباغ تا کہ بچینم سحر گلے — ق — آمد بگوش ناگہم آوازِ بلبلے
میں صبح کو باغ میں گیا تاکہ کوئی پھول توڑوں — اچانک میرے کان میں، ایک بلبل کی آواز آئی

مسکیں چو من بعشقِ گلے گشتہ مبتلا — واندر چمن فگندہ بفریاد غلغلے
وہ مسکین میری ہی طرح کسی پھول کے عشق میں مبتلا تھی — اور اس نے چمن میں فریاد سے شور مچا رکھا تھا

میگشتم اندر آں چمن و باغ دمبدم — ق — میکردم اندراں گل و بلبل تاملے
میں برابر اس چمن، اور باغ میں گشت کر رہا تھا — اس پھول اور بلبل کے بارے میں غور کر رہا تھا

چوں کرد در دلم اثر آوازِ عندلیب — گشتم چنانکہ ہیچ نماندم تحملے
بلبل کی آواز نے جب میرے دل پر اثر کیا — میں ایسا ہو گیا، کہ مجھ میں برداشت نہ رہی

بس گل شگفتہ میشود ایں باغ را و لے — کس بے جفائے خار نچیدست از و گلے
اس باغ میں بہت سے پھول کھلتے ہیں لیکن — کسی نے کانٹے کے ظلم کے بغیر اس سے پھول نہیں چنا ہے

گل یارِ خار گشتہ و بلبل قرینِ عشق — آنرا تغیرے و نہ ایں را تبدلے
پھول کانٹے کا یار بنا، اور بلبل عشق کی ساتھی — نہ اس میں کوئی تغیر ہے، نہ اس میں کوئی تبدیلی

حافظ مدار امیدِ فرح از مدار چرخ
اے حافظ! آسمان کی گردش سے، خوشی کی امید نہ رکھ
دارد ہزار عیب و ندارد تفضلے
وہ ہزاروں عیب رکھتا ہے، اور کوئی خوبی نہیں رکھتا ہے

۱ ایک زمانہ تھا کہ ہر وقت نامہ و پیام تھا اب بالکل فراموش کر دیا۔

۲ پا بسنگ برآمدن، مصیبت میں گرفتار ہونا یعنی جس نے سفر کے لئے محبوب کی رہنمائی کی وہ بڑا سنگدل تھا خدا اسے مصیبت میں مبتلا کرے۔

۳ ہم سخن سنج ہیں غالب کے طرفدار نہیں یعنی اگر کوئی دوسرا بھی حافظ جیسا کلام کہتا تو بادشاہ اس کی بھی قدر کرتا۔

۴ پھول توڑنے باغ میں گیا دیکھا وہاں بھی میری طرح بلبل پھول کے عشق میں مبتلا ہے اور فریاد کرتی پھر رہی ہے۔

۵ میں چمن کی سیر میں گل اور بلبل کے تعلق پر غور کر رہا تھا لیکن بلبل کے نالوں نے اس قدر متاثر کیا کہ برداشت نہ رہی۔

۶ باوجودیکہ پھول کا تعلق عاشق سے نہ ہوا بلکہ غیر سے ہوا لیکن عاشق نے اپنی وضعداری ترک نہ کی۔

روزگاریست[1] کہ ما را نگراں میداری
ایک زمانہ گذر گیا، کہ تو ہمیں انتظار میں رکھتا ہے
مخلصاں را نہ بوضعِ دگراں میداری
کیا تو مخلصوں کو غیروں کے طرز میں نہیں رکھتا ہے؟

گوشۂ چشمِ رضائے بمنت باز نشد
تیری رضا مندی کا گوشۂ چشم، مجھ پر نہ کھلا
اینچنیں عزتِ صاحب نظراں میداری
تو صاحب نظروں کی یہی عزت کرتا ہے؟

نہ گل[2] از داغِ غمت رُست نہ بُلبل در باغ
تیرے غم کے داغ سے، باغ میں نہ پھول چھوٹا نہ بُلبل
ہمہ را نعرہ زناں جامہ دراں میداری
تو نے سب کو نعرے مارنیوالا، کپڑے پھاڑنیوالا بنایا ہے

پدرِ[3] تجربہ آخر توئی اے دل زچہ روی
اے دل تو آخر بڑا تجربہ کار ہے، پھر کیوں؟
طمعِ مہر و وفا زیں پسراں میداری
محبت اور وفا کا لالچ، ان لڑکوں سے رکھتا ہے

گرچہ رندی و خرابی گنہِ ماست ولے
اگرچہ رندی، اور خرابی ہمارا گناہ ہے لیکن
عاشقے گفت کہ ما را تو براں میداری
ایک عاشق نے کہا، کہ تو ہی ہمیں اس حالت پر آمادہ کرتا ہے

جوہرِ جامِ[4] جم از کانِ جہانِ دگر ست
جامِ جم کا جوہر دوسرے جہان کی کان کا ہے
تو تمنا ز گلِ کوزہ گراں میداری
تو کمہاروں کی مٹی سے، تمنا کرتا ہے

کیسۂ سیم و زرت نیک بباید پرداخت
چاندی اور سونے کی تھیلی تجھے بالکل خالی کردینی چاہئے
زیں تمنا کہ تو از سیمبراں میداری
اس تمنا پر جو تو چاندی جیسے جسم والوں سے رکھتا ہے

اے[5] کہ در دلقِ مُلمع طلبی ذوقِ حضور
اے وہ کہ تو ملمع کی گدڑی میں ذوقِ حضور طلب کرتا ہے
چشمِ سیرے عجب از بے بصراں میداری
تعجب کی ہے، اندھوں سے سیر کی توقع رکھتا ہے

چوں توئی نرگسِ باغِ نظر اے چشم و چراغ
اے چشم و چراغ! چونکہ نظر کے باغ کی نرگس تو ہی ہے
سر چرا بر منِ دلخستہ گراں میداری
مجھ دل خستہ سے، تو سرگرانی کیوں رکھتا ہے؟

دین[6] و دل رفت ولے راست نمی آرم گفت
دین اور دل برباد ہو گیا لیکن میں سچی بات نہیں کہہ سکتا
کہ منِ سوختہ دل را تو براں میداری
کہ مجھ سوختہ دل کو، تو ان باتوں پر آمادہ کر رہا ہے

تا صبا بر گل و بُلبل ورقِ حسنِ تو خواند
جب سے صبا نے گل اور بُلبل کو تیرے حسن کا ورق پڑھکر سنایا ہے
ہمہ را شیفتہ و دل نگراں میداری
تو سب کو فریفتہ، اور پریشان رکھتا ہے

ساعد[7] آں بہ کہ بپوشی چو تو از بہرِ نگار
یہ بہتر ہے کہ تو کلائی کو نہ چھپائے، جبکہ تو نے نقش و نگار کی خاطر
دست در خونِ دلِ پُر ہنراں میداری
ہاتھ کو ہنر مندوں کے دل کے خون میں ڈالا ہے

مگذراں[8] روزِ سلامت بملامت حافظ
اے حافظ! سلامتی کے دن کو ملامت کی حالت میں نہ گذار
چہ توقع ز جہانِ گذراں میداری
تو گذرنے والی دنیا سے، کیا توقع رکھتا ہے؟

زاں مئے صاف کز و پختہ شود ہر خامے
اس صاف شراب کا جس سے ہر کچا، پکا بن جاتا ہے
گرچہ ماہِ رمضان ست بیاور جامے
اگرچہ رمضان کا مہینہ ہے، ایک جام لا

روزہا رفت کہ دستِ منِ مسکیں نگرفت
ایک زمانہ گذر گیا کہ مجھ مسکین کی دستگیری نہیں کی
ساقیِ شمشاد قدے ساعدِ سیم اندامے
شمشاد جیسے قد والے کی پنڈلی نے چاندی جیسے جسم والے کی کلائی نے

---

[1] یعنی مخلصوں کے ساتھ تیرا وہ طرز عمل ہے جو غیروں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔

[2] گل نے اپنا جامہ تیرے عشق میں چاک کیا ہے اور بُلبل تیرے عشق میں نعرے لگا رہی ہے۔

[3] پدرِ تجربہ یعنی بڑا تجربہ کار، پدر اور پسر کی مناسبت ظاہر ہے۔

[4] جامِ جم میں جو خوبی ہے وہ کوزے میں نہیں ہو سکتی
غالب نے کہا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے تو مرا جامِ سفال اچھا ہے

[5] جو لوگ ریا کی گدڑی پہنے ہیں انکو مشاہدہ حق حاصل نہیں ہو سکتا وہ اندھے ہیں ان سے ملکوت کی سیر کی توقع بیکار ہے

[6] بات تو سچی یہی ہے لیکن بے ادبی کی وجہ سے میں کہہ نہیں سکتا کہ تو نے ہی ہمیں بے دل اور بے دین بنایا ہے۔

[7] تاکہ مشتاق تیرے گہنے کو دیکھ سکیں۔

[8] سلامتی کے زمانہ میں کچھ کام کرلے دنیا پائیدار نہیں۔

روزہ ہر چند کہ مہمانِ عزیز ست دلا
اے دل! یقیناً روزہ معزز مہمان ہے
رفتنش موہبتے داں شدنش انعامے
اس کے جانے کو، عطا، اسکے ہونے کو انعام سمجھ

مرغِ زیرک بدرِ صومعہ اکنوں نپرد
اب سمجھدار پرند عبادت خانہ کے در پر پرواز نہ کرے گا
کہ نہادہ است بہر مجلسِ وعظے دامے
اس لیے کہ وعظ کی ہر مجلس میں ایک جال لگا ہوا ہے

گلہ از زاہدِ بدخو چہ کنم رسم ایں ست
بد مزاج، زاہد کا میں کیا شکوہ کروں، یہی طریقہ ہے
کہ چو صبحے بدمد در پیش افتد شامے
کہ جب صبح نمودار ہوتی ہے، شام اس کا پیچھا کرتی ہے

یارِ من چوں بخرامد بتماشائے چمن
میرا دوست جب چمن کی سیر کو جائے
برسانش ز من اے پیکِ صبا پیغامے
اے صبا کے قاصد! میرا اس کو ایک پیغام پہونچا دے

کو حریفے کہ شب و روز مئے صاف کشد
وہ دوست کہاں ہے جو دن رات صاف شراب پیتا ہے؟
بود آیا کہ کند یاد ز دُرد آشامے
کیا ایسا ہوگا کہ وہ کسی تلچھٹ پینے والے کو یاد کرے

حافظا گر ندہد دادِ دلت خسروِ عہد
اے حافظ! اگر وقت کا بادشاہ تیرے دل کی داد نہ دیگا
کام دشوار بدست آوری از خود کامے
ایک خود غرض سے تیرا مقصد مشکل سے حاصل ہوگا

ز دلبرم کہ رساند نوازشِ قلمے
معشوق کی جانب سے قلمی نوازش مجھ تک کون پہونچائیگا؟
کجاست پیکِ صبا گو بیا بکن کرمے
صبا کا قاصد کہاں ہے، کہدو آجائے، کرم کرے؟

دلم گرفت ز سالوس و طبلِ زیرِ گلیم
مکاری، اور چادر کے نیچے کے نقارے سے میں دل گرفتہ ہوں
خوشا دمے کہ بمیخانہ بر کنم علمے
وہ وقت کیسا اچھا ہوگا کہ میں شراب خانہ پر جھنڈا گاڑ دوں گا

حدیثِ چون و چرا دردِ سر دہد ساقی
اے ساقی! چون و چرا کی بات دردِ سر پیدا کرتی ہے
پیالہ گیر و بیاسا بعمرِ خویش دمے
پیالہ تھام، اور اپنی زندگی میں تھوڑی دیر آرام کرلے

طبیبِ راہ نشیں سرِ عشق نشناسد
راستہ پر بیٹھا ہوا، طبیب، عشق کا راز نہیں پہچانتا ہے
برو بدست کن اے مردہ دل مسیح دمے
اے مردہ دل! جا کسی مسیح جیسے سانس والے کو حاصل کر

قیاس کردن و تدبیرِ عقل در رہِ عشق
عشق کے راستہ میں قیاس آرائی اور عقل کی تدبیر
چو شبنمے ست کہ در بحر میکشد رقمے
اُس شبنم کی طرح ہے جو سمندر پر نشان بنائے

بیا کہ وقت شناساں دو کون بفروشند
آ، اسلیے کہ وقت کو پہچاننے والے، دونوں جہان کو بیچتے ہیں
بیک پیالۂ صافی و صحبتِ صنمے
ایک صاف پیالے، اور ایک بت کی صحبت کے بدلے

دوامِ عیش و تنعم نہ شیوۂ عشق ست
ہمیشہ عیش اور تنعم، عشق کا طریقہ نہیں ہے
اگر معاشرِ مائی بنوش جامِ غمے
اگر تو ہمارا ساتھی ہے، تو کوئی غم کا جام پی

نمیکنم گلہ لیکن ابرِ رحمتِ دوست
میں شکوہ نہیں کرتا ہوں لیکن دوست کے ابر رحمت نے
بکشتِ زارِ جگر خستگاں نداد نمے
جگر خستہ لوگوں کی کھیتی کو سیراب نہیں کیا

بیا کہ خرقۂ من گرچہ وقفِ میکدہ ہاست
آ، اگرچہ میری گدڑی، شرابخانوں میں گروی ہے
ز مالِ وقف نہ بینی بنامِ من درمے
تو وقف کے مال کا میرے نام ایک درہم نہ دیکھے گا

۱؎ رمضان ایک معزز مہمان ہے لیکن اسکے جانے پر عید منائی جاتی ہے۔
۲؎ وعظ کی ہر مجلس میں جال بچھا ہوا ہے ہوشیار آدمی کو وہاں نہ جانا چاہئے۔
۳؎ ہر صبح کے پیچھے شام لگی ہے اور ہر اچھی چیز کا بُری چیز پیچھا کر رہی ہے اگر زاہد میرا پیچھا کر رہا ہے، کیا شکوہ ہے۔
۴؎ معشوق کا وصل شاہِ وقت کی مدد ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔
۵؎ مکاری سے تنگ دل ہو چکا ہوں اب علی الاعلان رندی اختیار کرونگا طبل زیر گلیم بمعنی رازِ پوشیدہ۔
۶؎ شعر [illegible] عشق کی راہ میں عقل کی تدبیر ایسی ہے جیسے کہ شبنم دریا میں نقش بنائے۔
۷؎ عاشقوں کا کام مزے اڑانا نہیں ہے بلکہ غم کے گھونٹ پینا ہے
۹؎ ہم اپنی گدڑی تو شراب خانوں میں گروی کر دیتے ہیں لیکن اوقاف کی رقمیں ہضم نہیں کرتے ہیں۔

چرا یک نے قندش نمیخرند آنرا
اس کو ایک گنے کے بدلے میں بھی کیوں نہیں خریدتے ہیں؟
کہ کرد صد شکر افشانی از نئے قلمے
جس نے قلم کی نے سے شکر کے سیکڑوں چھڑکاؤ کردیئے

سزائے[1] قدرِ تو شاہا بدست حافظ چیست
اے بادشاہ! تیرے مرتبہ کے مناسب حافظ کے پاس کیا ہے؟
بجز نیازِ شبے یا دعائے صبحد مے
سوائے رات کی عاجزی، اور صبح کے وقت کی دعا کے

زہے[2] خوش رقم کہ بر گُلِ رخسار میکشی
اس حسین نقش ونگار سے جو تو رخسار پر بناتا ہے
خط بر صحیفۂ گُل و گُلزار میکشی
گل، اور گلزار کی کتاب پر تو خط کھینچتا ہے

اشکِ[3] حرم نشینِ نہانخانۂ مرا
میرے خانے کے حرم نشین، آنسو کو تو
زآنسوئے ہفت پردہ ببازار میکشی
سات پردوں کے پیچھے سے بازار کی طرف کھینچتا ہے

ہر دم بیادِ آں لبِ میگوں و چشمِ مست
ان شراب جیسے ہونٹوں اور مست آنکھوں کی یاد میں ہر وقت
از خلوتم بخانۂ خمّار میکشی
تو مجھے خلوت سے، شراب خانہ کی طرف کھینچتا ہے

گفتی[4] سرِ تو بستۂ فتراکِ ما سزد
تو نے کہا، تیرا سر ہمارے فتراک سے بندھنے کے لائق ہے
سہلست اگر تو زحمتِ ایں بار میکشی
آسان ہے، اگر تو اس بوجھ کی تکلیف برداشت کرے

با چشم و ابروئے تو چہ تدبیرِ دل کنم
تیری آنکھ اور ابرو کے مقابلہ میں، دل کی کیا تدبیر کروں!
وہ زیں کماں کہ بر سرِ[5] بیمار میکشی
اس کمان کو شاباش ہے جو تو ایک بیمار پر کھینچتا ہے

باز آکہ چشمِ بد ز رخت دور میکنم
لوٹ آ، تاکہ بدنظر کو تیرے رخ سے دور کردوں
اے تازہ گُل کہ دامن ازیں خار میکشی
اے وہ تازہ پھول، جو اس کانٹے سے دامن کھینچتا ہے

کاہل روے چو بادِ صبا را ببوئے زلف
بادِ صبا جیسی سست رفتار کو زلف کی خوشبو کے لیے
ہر دم بقیدِ سلسلہ درکار میکشی
ہر وقت زنجیر کی بیڑی کے ذریعہ، بیگار میں کھینچتا ہے

حافظ دگر چہ[6] می طلبی از نعیمِ دہر
اے حافظ! دنیا کی لذت تو اور کیا چاہتا ہے؟
مے می چشی و طرّۂ دلدار میکشی
تو شراب پیتا ہے، اور معشوق کی زلف کو کھینچتا ہے

زکوئے یار می آید نسیمِ بادِ نوروزی
معشوق کے کوچہ سے، نوروزی ہوا کی خوشبو آرہی ہے
ازیں باد ار مدد خواہی چراغِ دل برافروزی
اس ہوا سے اگر تو مدد چاہے گا دل کے چراغ کو روشن کریگا

چو گُل گر خردۂ[7] داری خدا را صرفِ عشرت کن
اگر تو پھول کی طرح زیرہ رکھتا ہے، خدا کیلئے عیش میں خرچ کر
کہ قاروں را غلطہا داد سودائے زر اندوزی
اس لیئے کہ قارون کو سونا جمع کرنیکی محبت نے نقصانات پہونچائے

سخن[8] در پردہ میگویم چو گُل از پردہ بیروں آئی
در پردہ بات کہتا ہوں، پھول کی طرح پردے سے باہر نکل آ
کہ بیش از پنج روزے نیست حکمِ میرِ نوروزی
اسلیئے کہ نوروز کے سردار کا حکم، پانچ دن سے زیادہ نہیں ہے

مئے دارم چو جانِ صافی و صوفی میکند عیبش[9]
میں جان جیسی صاف شراب رکھتا ہوں اور صوفی اس پر عیب لگاتا ہے
خدایا ہیچ عاقل را مبادا بختِ بدروزی
اے خدا! کسی عقلمند کا بدبخت مقدر نہ ہو

[1] حافظ بادشاہ کی خدمت میں رات کی دعائیں پیش کرسکتا ہے۔
[2] خط کشیدن، کسی چیز کو باطل قرار دینا یعنی تو اپنے چہرے کے نقش ونگار سے گل و گلزار کی کتاب کو باطل بنا رہا ہے۔
[3] آنکھ کے سات پردے ہیں یعنی میرے آنسو جو سات پردوں میں چھپے ہوئے تھے تو ان کو سرِ بازار لارہا ہے۔
[4] فتراک، شکار بند یعنی ہم اپنا سر پیش کرنے کو تیار ہیں اگر تو یہ بوجھ برداشت کرے۔
[5] بیمار سے، خود معشوق کی آنکھ یا عاشق مراد ہے۔
[6] دنیا میں اس سے زیادہ اور کیا چاہئے معشوق ہو اور جام شراب۔
[7] خردۂ گُل وہ ریزہ جو پھول کے اندر ہوتا ہے اس کو زرِ گُل بھی کہتے ہیں۔
[8] ایام نوروزی ناپائدار ہیں ان سے جلد لطف اندوز ہو۔
[9] میری صاف شراب پر صوفی عیب لگارہا ہے، بڑا بدبخت ہے۔

طریقِ کام جستن چیست ترکِ کامِ خود گفتن
مقصد تلاش کرنے کا طریقہ کیا ہے، اپنا مقصد چھوڑ دینا
کلاہِ[1] سروری اینست اگر این ترک بردوزی
سرداری کی ٹوپی یہی ہے، اگر تو یہ ٹوپی سی لے

جدا شد یارِ شیرینت کنوں تنہا نشیں اے شمع
اے شمع! تیرا شیریں یار جدا ہو گیا، اب اکیلی بیٹھی رہ
کہ حکمِ آسماں اینست اگر سازی و گر سوزی
کیونکہ آسمان کا حکم یہی ہے، خواہ تو موافقت کرے خواہ جلے

بعُجب[2] علم نتواں شد ز اسبابِ طرب محروم
علم کے غرور کے باعث مستی کے اسباب سے محروم نہیں ہو سکتے
بیا زاہد کہ جاہل را زیادت میرسد روزی
اے زاہد آ، اس لیے کہ جاہل کو روزی زیادہ پہونچتی ہے

ندانم نوحۂ قمری بطرفِ جویباراں چیست
مجھے معلوم نہیں قمری کا نوحہ نہر کے کنارے کیوں ہے؟
مگر او نیز ہمچوں من غمے دارد شبا روزی
شاید وہ بھی میری طرح دن رات کوئی غم رکھتی ہے

برو مے نوش و رندی ورز و ترکِ زرق کن زاہد
اے زاہد! جا شراب پی، رندی اختیار کر، اور مکر چھوڑ دے
کزیں بہتر ہنر دیگر عجب دارم گر آموزی
مجھے تعجب ہوگا اگر تو اس سے بہتر اور ہنر سیکھے گا

به بستاں[3] رو کہ از بلبل طریقِ عشق گیری یاد
باغ میں جا، تاکہ بلبل سے عشق کا طریقہ یاد کرے
بمجلس آئی کز حافظ سخن گفتن بیاموزی
مجلس میں آ، تاکہ حافظ سے بات کرنا سیکھ لے

ساقیا[4] سایۂ ابرست و بہار و لبِ جوی
اے ساقی! ابر کا سایہ ہے اور بہار ہے اور دریا کا کنارہ
من نگویم چہ کن از اہلِ دلی خود تو بگوی
میں نہیں کہتا، تو کیا کام کر تو صاحبدل ہے خود ہی بتا

بوئے[5] یکرنگی ازیں قوم نمی آید برخیز
یکرنگی کی خوشبو اس قوم سے نہیں آتی ہے، اٹھ
دلقِ آلودۂ صوفی بمئے ناب بشوی
صوفی کی گندی گدڑی کو، خالص شراب سے دھو

سفلہ طبع ست جہاں بر کرمش تکیہ مکن
دنیا کمینہ طبیعت ہے، اس کے کرم پر بھروسہ نہ کر
اے جہاندیدہ ثباتِ قدم از سفلہ مجوی
اے جہاندیدہ! کمینے سے ثابت قدمی نہ ڈھونڈھ

گوش بکشائی کہ بلبل بفغاں میگوید
کان کھول لے کہ بلبل چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے
خواجہ تقصیر مفرما گلِ توفیق ببوی
اے خواجہ! کوتاہی نہ کر، توفیق کا پھول سونگھ

یک نصیحت[6] کنمت بشنو و صد گنج ببر
میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں سن لے، اور سو خزانے لیجا
از رہِ عشق در آ و برہِ عیب مپوی
عشق کے راستہ چلا آ اور عیب کا راستہ نہ چل

شکر ایزد کہ دگر بار رسیدی بہ بہار
خدا کا شکر ہے، تو دوبارہ موسمِ بہار کو پہونچ گیا ہے
بیخِ نیکی بنشان و رہِ توفیق بجوی
نیکی کا بیج بو، اور توفیق کا راستہ ڈھونڈھ

روئے[7] جاناں طلبی آئنہ را قابل ساز
تو معشوق کے چہرے کا طالب ہے، تو آئینہ کو قابل بنا
ورنہ ہرگز گل و نسریں ندمد ز آہن و روی
ورنہ گل اور نسریں کبھی لوہے، اور کانسی سے نہیں اگتے ہیں

پیشتر زانکہ شوی خاک درِ میکدہ ہا
اس سے پہلے کہ تو شرابخانوں کے دروازے کی خاک بنے
یک دو روزے بسر اندر رہِ میخانہ بپوی
ایک دو روز شرابخانہ کے راستہ پر، سر کے بل چل

گفتی[8] از حافظِ ما بوئے ریا می آید
تو نے کہا، ہمارے حافظ سے ریاکاری کی بو آتی ہے
آفریں بر نفست باد کہ خوش بردی بوی
تیرے سانس کو شاباش، کہ خوب بو سونگھی

[1] انسان خود غرضی چھوڑ کر جب کام میں لگتا ہے تو مقصد حاصل ہوتا ہے اور جب ہی سرداری حاصل ہوتی ہے۔
[2] راہِ عشق میں علم ایک پردہ ہے، علم کے غرور کی وجہ سے مستی سے محروم نہ رہنا چاہئے۔
[3] باغ میں جا کر بلبل سے عشق کرنا سیکھ، مجلس میں آکر حافظ سے شعر کہنے کا سلیقہ حاصل کر۔
[4] ظاہر ہے کہ ساقی شراب نوشی ہی کا مشورہ دیگا۔
[5] مکار، صوفی مخلص نہیں ہیں بلکہ ان میں ریاکاری کا عیب ہے ان کی گدڑی کو شراب سے دھو کر ریاکاری سے پاک کرنا چاہیے۔
[6] یہ نصیحت سو خزانوں کے برابر ہے کہ عشق کا راستہ طے کر، اور برائی میں نہ لگ۔
[7] جب تک قلب کو صاف نہ کرے گا اس میں یار کا جلوہ نظر نہ آئے گا۔
[8] بیشک حافظ ریاکار ہے تو نے خوب پہچانا۔

ساقی[1] بیا کہ شد قدحِ لالہ پُر زمے
اے ساقی! آ کہ لالہ کا پیالہ شراب سے بھر گیا
طامات تا بچند و خرافات تا بکے
کرامات کی ڈینگیں کب تک، اور خرافات کب تک؟

بگذر[2] ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار
تکبر، اور ناز چھوڑ دے کیونکہ زمانہ دیکھ چکا ہے
چینِ قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے
قیصر کی قبا کی شکن، اور کیخسرو کی ٹوپی کا کنارہ

ہشیار[3] شو کہ مُرغِ سحر گشت مست ہاں
ہاں ہوشیار ہو جا، کہ صبح کا پرندہ مست ہو گیا ہے
بیدار شو کہ خوابِ عدم در پے ست ہے
خبردار! بیدار ہو جا، کہ خوابِ عدم درپے ہے

خوش نازکانہ می چمی اے شاخِ نوبہار
اے نوبہار شاخ! تو بہت خوب نزاکت سے ٹہل رہا ہے
کآشفتگی مبادت از آشوبِ بادِ دے
خدا کرے تجھے دَے کی ہوا کے فتنے سے پریشانی نہ ہو

بر[4] مہرِ چرخ و عشوۂ او اعتماد نیست
آسمان کی محبت، اور اس کی ادا پر بھروسہ نہیں ہے
اے وائے بر کسے کہ شد ایمن ز مکرِ وے
اس پر افسوس ہے، جو اس کے مکر سے مطمئن ہو گیا

فردا[5] شرابِ کوثر و حور از برائے ماست
کل کوثر کی شراب، اور حور ہمارے لیے ہے
و امروز نیز دلبرِ مہ روی و جامِ مے
اور آج بھی چاند جیسے رخ والا دلبر، اور جامِ مے حاصل ہے

بادِ صبا ز عہدِ صبیٰ یاد میدہد
بادِ صبا، بچپن کا زمانہ یاد دلاتی ہے
جاں داروئے کہ غم ببرد در دہ اے بُنے
اے لڑکے! جان کی دوا، جو غم دور کر دے، دے

حشمت[6] مبین و سلطنتِ گُل کہ گسترید
پھول کی سلطنت، اور دبدبہ دیکھ کر بکھا دیا ہے
فرّاشِ باد ہر ورقے را بزیرِ پے
ہوا کے فرّاش نے، ہر پتی کو پیر کے نیچے

در دہ بیادِ حاتمِ طے جامِ یک منی
حاتم طائی کی یاد پر، ایک منی جام دے
تا نامۂ سیاہِ بخیلاں کنیم طے
تاکہ ہم بخیلوں کا سیاہ نامۂ اعمال لپیٹ دیں

زاں[7] مے کہ داد رنگِ طبیعی بار غواں
وہ شراب جس نے ارغواں کو طبعی رنگ دیا
بیروں فگند لطفِ مزاج از رخش بخوے
مزاج کی پاکیزگی نے اس کے رخ سے پسینہ کے ذریعہ باہر پھینک دی

بشنو کہ مُطربانِ چمن راست کردہ اند
سُن، کیونکہ چمن کے مُطربوں نے درست کر لیا ہے
آہنگِ چنگ و بربط و طنبور و نای و نے
چنگ، بربط، طنبور، نائی، اور بانسری کی آواز کو

مسند بباغ بر کہ بخدمت چو بندگاں
مسند کو باغ میں لیجا کہ خدمت میں غلاموں کی طرح
استادہ[8] است سرو و کمر بستہ است نے
سرو کھڑا ہے، اور بانسری نے کمر باندھی ہے

اشیائے روزگار بمے ساز در گرو
دنیا کی چیزوں کو، شراب کے بدلے گروی رکھ دے
کز[9] مُردِ راہ باز نماندہ است ہیچ شے
اس لیے کہ راستہ کے مردے کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے

حافظ حدیثِ سحر فریبِ خوشت رسید
اے حافظ! تیری جادو کی طرح فریب دینے والی اچھی بات پہونچ گئی ہے
تا حدِّ[11] چین و شام و باقصائے روم و رے
چین اور شام کی حد تک، اور روم اور رے کے آخری حصہ تک

سحر بباد میگفتم حدیثِ آرزومندی
صبح کو ہوا سے میں کچھ آرزومندی کی بات کہہ رہا تھا
خطاب آمد کہ واثق شو بالطافِ خداوندی
آواز آئی، تو خدا کی مہربانیوں پر یقین رکھ

---

[1] لالہ کے بارے میں یہ مانا گیا ہے کہ گویا وہ شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا ہے یعنی بہار کا موسم آ گیا ہے اب شراب نوشی ہونی چاہیے
[2] زمانہ ناپائدار ہے اس نے قیصر اور کیخسرو جیسے بادشاہوں کی سلطنتیں دیکھیں لیکن کسی کو باقی نہ چھوڑا۔
[3] صبح ہو گئی ہے پرند مستی میں چہچہا رہے ہیں بیدار ہو جا کیونکہ موت سر پر کھڑی ہے۔
[4] آسمان کی محبت اور ناز و ادا بالکل ناقابلِ بھروسہ ہے۔
[5] ہمیں آج بھی معشوق اور جامِ شراب حاصل ہے اور قیامت میں شراب کوثر اور حور ملیگی۔
[6] پھول کی سلطنت اور جاہ و جلال کو بادِ خزاں پائمال کر دیتی ہے اس کی پتیاں جھڑتی ہیں اور پیروں میں روندی جاتی ہیں۔
[7] شراب نے ارغواں کو طبعی رنگ عطا کیا اس پر جو قطرات ہیں وہ پسینہ کی صورت میں وہی شراب ہے جو اس نے پی تھی۔
[8] بانسری پر پٹیاں کسی جاتی ہیں اسی لیے اس کو کمر بستہ قرار دیا ہے۔ [9] شعر: چند تصویر بتاں، چند حسینوں کے خطوط ۔ بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا ۔ [11] حافظ کے کلام کی شہرت دور دراز ممالک میں پہونچ چکی ہے۔

قلم را آں زباں نبود کہ سرِ عشق گوید باز
قلم کے لئے وہ زبان نہیں ہے کہ عشق کا راز کھل کر کہدے

ورائے حدِ تقریر ست شرحِ آرزومندی
آرزومندی کی تشریح تقریر کی حد سے آگے ہے

دل اندر زلفِ لیلیٰ بند و کارِ عشقِ مجنوں کن
لیلی کی زلف سے دل وابستہ کر، اور مجنوں کے عشق کا کارنامہ کر

کہ عاشق را زیاں دارد مقالاتِ خردمندی
اس لیے کہ عقلمندی کی باتیں، عاشق کو نقصان پہونچاتی ہیں

الا اے یوسفِ مصری کہ کردت سلطنت مغرور
آگاہ اے مصری یوسف! تجھے سلطنت نے مغرور بنا دیا

پدر را باز پرس آخر کجا شد مہرِ فرزندی
باپ کو پوچھ، آخر پسری محبت کہاں چلی گئی؟

بسحرِ غمزۂ فتاں دوا بخشی و درد انگیز
فتنہ برپا کرنیوالی آنکھوں کی ادا کے جادو سے تو دوا بخشنے والا اور بیمار کرنیوالا ہے

بچینِ زلفِ مشک افشاں فِی الآویزی و دلبندی
مشک چھڑکنے والی زلفوں کی شکن کے ذریعہ تو دل آویز اور دل کو قید کرنیوالا ہے

جہانِ پیرِ رعنا را مروت در جبلت نیست
بوڑھے، خوبصورت جہان کی فطرت میں مروت نہیں ہے

ز مہرِ او چہ میخواہی در و ہمت چہ می بندی
اس کی محبت سے تو کیا چاہتا ہے، اس کا ارادہ کیوں کرتا ہے؟

ہمائے چوں تو عالی قدر و مہرِ استخواں تا کے
تجھ جیسا بلند مرتبہ ہما، اور ہڈی کی محبت کب تک؟

دریغ ایں سایۂ دولت کہ بر نا اہل افگندی
اس دولت کے سایہ پر افسوس جو تو نے نا اہل پر ڈالا

دریں بازار اگر سود ست با درویش خرسند ست
اس بازار میں اگر نفع ہے، تو خوش و خرم فقیر کو ہے

خدایا منعمم گرداں بدرویشی و خرسندی
اے خدا! فقیری اور خوشی سے مجھے مالدار بنا دے

دعائے صبح و شامِ تو کلیدِ گنجِ مقصود ست
تیری صبح اور شام کی دعا، مقصود کے خزانے کی کنجی ہے

بایں راہ و روش میرو کہ با دلدار پیوندی
اس راستہ اور رفتار سے چلا چل، تو محبوب سے ملجائے گا

بخوباں دل مدہ دیگر ببیں آں بیوفائیہا
حسینوں کو دل نہ دے، اُن بیوفائیوں کو پھر دیکھ

کہ با تیغِ زباں کردند مکارانِ الوندی
جو زبان کی تلوار کے ذریعہ کوہ الوند کے رہنے والے مکاروں نے کی ہیں

زِ شعرِ حافظِ شیراز میگویند و میرقصند
شیراز کے حافظ کے اشعار کو پڑھتے ہیں اور رقص کرتے ہیں

سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی
کشمیری سیاہ چشم، اور سمرقندی معشوق

سحرگہ رہروے در سرزمینے
صبح کو ایک مسافر، ایک سرزمین میں

ہمی گفت ایں معما با قرینے
یہ معما، ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا

کہ اے صوفی شراب آنگہ بود صاف
کہ اے صوفی! شراب اس وقت صاف ہوتی ہے

کہ در شیشہ بماند اربعینے
جبکہ چالیس روز، بوتل میں رہتی ہے

گر انگشتِ سلیمانی نباشد
اگر سلیمان کی انگلی نہ ہو

چہ خاصیت دہد نقشِ نگینے
نگ کا نقش کیا تاثیر دکھائے گا؟

خدا زاں خرقہ بیزار ست صد بار
خدا اس گدڑی سے، سو بار ناراض ہے

کہ صد بت باشدش در آستینے
جس کی آستین میں، سو بت ہوں

درونہا تیرہ شد باشد کہ از غیب
باطن تاریک ہو گئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ غیب سے

چراغے بر کند خلوت نشینے
کوئی خلوت نشیں، چراغ روشن کر دے

۱؎ دیوانہ بنکر مجنوں کے کام میں لگ جا، عقلمندی نقصان پہونچاتی ہے۔
۲؎ معشوق کو زوال پذیر حسن پر مغرور ہوکر عاشق کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔
۳؎ تیری آنکھیں درد بھی پیدا کرتی ہیں اور دوا بھی دیتی ہیں تیری زلف دل کو خوش بھی کرتی ہے اور رنجیدہ بھی۔
۴؎ مشہور ہے کہ ہما کی خوراک صرف ہڈیاں ہیں دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تشریح ہے۔
۵؎ دنیا میں صرف خوش مزاج فقیر خوش رہ سکتا ہے۔
۶؎ انسان صبح و شام جدو جہد میں لگا رہتا ہے تو مقصود حاصل ہو ہی جاتا ہے۔
۷؎ معما یہی ہے کہ انسان مشقتیں برداشت کرتا ہے تب اس میں صفائی پیدا ہوتی ہے جس طرح شراب چالیس روز شیشے میں بند رہتی ہے تب نکھرتی ہے۔
۸؎ لوگ تاریک باطن ہو گئے ہیں۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

مُروّت گرچہ نامِ بے نشانست
مُروّت، اگرچہ بے معنیٰ لفظ ہے

نیازے عرضہ کن بر نازنینے
کسی نازنین کی خدمت میں، نیاز مندی پیش کر

ثوابت باشد اے دارائے خرمن
اے کھلیان رکھنے والے! تجھے ثواب ہوگا

اگر رحمے کنی بر خوشہ چینے
اگر تو کسی خوشہ چیں پر، ذرا رحم کرے گا

نمی بینم[1] نشاط و عیش در کس
میں کسی میں کبھی عیش و نشاط نہیں دیکھتا ہوں

نہ درمانِ دلے نے دردِ دینے
نہ کسی دل کا علاج، نہ دین کا درد

اگرچہ رسمِ خوباں تندخوئیست
اگرچہ بد مزاجی، حسینوں کی عادت ہے

چہ باشد گر بسازی با غمینے
کیا ہو جائے گا، اگر تو ایک غمگین کی دلجوئی کرلے گا؟

درِ میخانہ[2] بکشا تا بپرسم
میخانہ کا دروازہ کھول تاکہ میں دریافت کروں

مآلِ حالِ خود از پیش بینے
کسی پیش بیں سے، اپنے حال کا انجام

نہ ہمت را امیدِ سربلندیست
نہ ہمت کو سربلندی کی امید ہے

نہ دعوت را کلیدِ آہنینے
نہ دعا کے پاس، لوہے کی کنجی ہے

نہ حافظ را حضورِ درسِ قرآں
نہ حافظ کو، قرآن کے درس میں حضورِ قلب ہے

نہ دانشمند را علم[3] الیقینے
نہ فقیہ کو، علم الیقین حاصل ہے

سحرم[4] ہاتفِ میخانہ بدولتخواہی
صبح مجھے شراب خانہ کی غیبی آواز نے خیر خواہی کے طور پر

گفت باز آی کہ دیرینۂ ایں درگاہی
کہا کہ تو اس دربار کا پرانا رہنے والا ہے، لوٹ آ

ہمچو جم جرعۂ مے کش کہ ز سرّ ملکوت
جمشید کی طرح شراب کا گھونٹ پی تاکہ عالم بالا کے راز سے

پرتوِ جامِ جہاں بیں دہدت آگاہی
جہان بین جام کا عکس، تجھے خبردار کردے

باگدایانِ درِ میکدہ اے سالکِ راہ
اے راستے کے سالک! شرابخانہ کے دروازے کے فقیروں سے

باادب باش گر از سرّ خدا آگاہی
ادب کے ساتھ رہ، اگر تو خدائی راز سے باخبر ہے

بر درِ میکدہ رندانِ قلندر باشند
میکدے کے در پر، قلندر رند ہوتے ہیں

کہ ستانند و دہند افسرِ شاہنشاہی
جو شاہی تاج، اتارتے، اور عطا کرتے ہیں

خشت[5] زیرِ سر و بر تارکِ ہفت اختر پائے
سر کے نیچے اینٹ، اور پیر سات ستاروں کے سر پر

دستِ قدرت نگر و منصبِ صاحب جاہی
قدرت کا ہاتھ، اور رتبہ والے کا رتبہ دیکھ

اگرت[6] سلطنتِ فقر ببخشند اے دل
اے دل! اگر تجھے فقر کی بادشاہی دیدیں

کمتریں ملکِ تو از ماہ بود تا ماہی
تو تیرا، سب سے چھوٹا ملک، چاند سے، مچھلی تک ہوگا

قطعِ ایں مرحلہ بے ہمرہیِ خضر مکن
خضر کی ہمراہی کے بغیر، اس منزل کو طے نہ کر

ظلماتست بترس از خطرِ گمراہی
اندھیرے ہیں، گمراہی کے خطرے سے ڈر

سرِ ما و درِ میخانہ کہ طرفِ بامش
ہمارا سر ہے اور میخانہ کا در، اسلیے کہ اس کے بالا خانہ کا کنارہ

بفلک بر شدہ دیوار بایں کوتاہی
باوجود چھوٹے ہونے کے اس کی دیوار آسمان سے بلند ہے

[1] دنیا میں خلفشار ہے عیش و نشاط ختم ہوچکا ہے بے دینی عام ہے۔
[2] شاید میخانہ میں کوئی ایسا آدمی ملجائے جو پیش بیں ہو اس سے اپنا انجام معلوم کرلوں
[3] یقین کی تین قسمیں ہیں علم الیقین کسی چیز کی حقیقت کو جان کر یقین کرنا مثلاً یہ کہ زہر کھانے والا مرجاتا ہے عین الیقین آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنا مثلاً زہر کھاکر مرنے والے کو دیکھ کر یقین کرنا حق الیقین خود تجربہ کرکے یقین حاصل کرنا مثلاً زہر کھاکر اپنے آپ کو ہلاک کرکے زہر کے قاتل ہونیکا یقین کرنا۔
[4] غیبی آواز نے کہا تو پرانا رند ہے جامِ شراب پی تاکہ تجھے عالمِ بالا کی سیر نصیب ہو۔
[5] شعر
[illegible]
انہیں اینٹ کے علاوہ تکیہ بھی میسر نہیں لیکن ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔
[6] اگر کسی کو فقر کی سلطنت حاصل ہوجائے تو پوری کائنات اس کی سلطنت کا تھوڑا سا حصہ ہے۔

تو درِ فقر ندانی زدن از دست مده
تو فقر کے دروازے کو کھٹکھٹانا نہیں جانتا ہے، نہ چھوڑ
مسندِ خواجگی و مجلسِ توران شاہی
خواجگی کی مسند، اور توران شاہی مجلس کو

اے سکندر بنشین و غمِ بیہودہ مخور[۱]
اے سکندر! بیٹھا رہ، اور بیکار غم نہ کھا
کہ نہ بخشند ترا آبِ حیات از شاہی
اس لیے کہ شاہی کی وجہ سے تجھے آبِ حیات نہ دینگے

اے گدایانِ ترا عار ز شاہنشاہی[۲]
اے وہ کہ تیرے گداؤں کو شہنشاہی سے عار ہے
ہمہ کس را تو دہی منصبِ صاحب جاہی
سب کو تو ہی صاحبِ جاہ کا مرتبہ دیتا ہے

حافظِ[۳] خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار
اے غلط لالچ کرنے والے حافظ! اس قصہ سے کچھ شرم کر
عملت چیست کہ مزدش دو جہاں میخواہی
تیرا کام کیا ہے کہ تو اس کی اجرت دونوں جہان چاہتا ہے

سَلَامُ اللّٰهِ مَا كَرَّ اللَّيَالِيْ[۴]
اللہ کا سلام ہو، جب تک بھی راتیں مکرر ہوں
عَلٰى مَلِكِ الْمَكَارِمِ وَالْمَعَالِيْ
بزرگیوں، اور بلندیوں کے بادشاہ پر

عَلٰى وَادِي الْأَرَاكِ وَمَنْ عَلَيْهَا
پیلو کے جنگل پر، اور ان پر جو وہاں ہیں
وَدَارِيْ بِاللِّوٰى فَوْقَ الرِّمَالِ
اور میرے گھر پر جو لوٹی میں ریتیلی زمین پر ہے

دعا گوئے غریبانِ جہانم
میں دنیا کے مسافروں کا دعا گو ہوں
وَاَدْعُوْ بِالتَّوَاتُرِ وَالتَّوَالِيْ
اور میں متواتر، اور پے در پے دعا کرتا ہوں

منال[۵] اے دل کہ در زنجیرِ زلفش
اے دل! نالہ نہ کر اس لیے کہ اس کی زلف کی زنجیر میں
ہمہ جمعیت ست آشفتہ حالی
پریشان حالی، پورا اطمینان ہے

اَمُوْتُ صَابِرًا يَا لَيْتَ شِعْرِيْ
میں صبر کرتے کرتے مرا جاتا ہوں، اے کاش میں جان جاتا
مَتٰى نَطَقَ الْبَشِيْرُ عَنِ الْوِصَالِ
وصل کی خوشخبری دینے والا، کب بولے گا؟

فَحُبُّكَ رَاحَتِيْ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ
ہر گھڑی، تیری محبت، میری راحت ہے
وَذِكْرُكَ مُؤْنِسِيْ فِيْ كُلِّ حَالٍ
اور ہر حالت میں تیرا ذکر، میرا مونس ہے

سویدائے[۶] دلِ من تا قیامت
میرے دل کا سیاہ نقطہ، قیامت تک
مبادا از سوزِ سودائے تو خالی
خدا کرے تیرے عشق، کی جلن سے خالی نہ ہو

کجا یابم وصالِ چوں تو شاہے
تجھ جیسے بادشاہ کا میں وصل کب حاصل کر سکتا ہوں؟
منِ بدنام رندِ لا اُبالی
میں بدنام، لا پرواہ رند

زخطت صد جمالِ دیگر افزود
تیرے سبزۂ خط سے، سو حسن اور زیادہ ہو گئے
کہ عمرت باد صد سالِ ہلالی
خدا کرے تیری عمر، سو قمری سالوں کی ہو

بر آں نقاشِ قدرت آفریں باد
قدرت کے اس نقاش کو شاباش ہے
کہ گردِ مہ[۷] کشد خطِ ہلالی
جو چاند کے چاروں طرف ہلالی خط کھینچتا ہے

بہر منزل کہ رو آرد خدایا
وہ جس منزل کی طرف بھی رُخ کرے، اے خدا!
نگہدارش بحفظِ لایزالی
دائمی حفاظت سے، تو اس کی حفاظت کر

---

[۱] آبِ حیات سلطنت کے زور سے نہیں حاصل ہوتا ہے۔
[۲] تو تمام انسانوں کو منصبِ جاہ دیتا ہے لیکن تیرے در کے گدا شاہی کو عار سمجھتے ہیں۔
[۳] حافظ کے ایسے کون سے کارنامے ہیں جن کی اجرت میں دونوں جہان مانگتا ہے
[۴] بادشاہ پر اور محبوب پر جو پیلو کے جنگل میں مقیم ہے اور میرے گھر پر خدا کا سلام ہو۔
[۵] اس کی زلف میں گرفتار ہونے سے ہی دل جمعی حاصل ہے۔
[۶] سویدا خون کا ایک نقطہ ہے جو دل کے درمیان میں ہے اور وہی مدارِ زندگی ہے۔
[۷] مہ، سے چہرہ اور خطِ ہلالی سے سبزۂ خط مراد ہے۔

تومی باید کہ باشی ورنہ سہلست — زیانِ مایۂ جانی و مالی
چاہئے کہ تو رہے، ورنہ آسان ہے — جانی، اور مالی سرمایہ کا نقصان

خدا[1] داند کہ حافظ را غرض چیست
خدا جانتا ہے کہ حافظ کا کیا مدعا ہے؟

وَعِلْمُ اللّٰہِ حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ
اور میرے مانگنے کی بجائے اللہ کا جاننا میرے لیے کافی ہے

سلامے چو بوئے خوشِ آشنائی — بداں مردمِ دیدۂ روشنائی
آشنائی کی خوشبو جیسا، سلام — ان، روشن آنکھوں کی پتلی پر

درودے چو نورِ دلِ پارسایاں — بداں شمعِ خلوتگہِ پارسائی
نیکوں کے دلوں کے نور جیسا، سلام — اس، نیکی کی خلوت گاہ کی شمع پر

نمی بینم[2] از ہمدماں ہیچ برجا — دلم خوں شد از غصہ ساقی کجائی
میں ساتھیوں میں سے کسی کو بھی جگہ پر نہیں دیکھتا ہوں — اے ساقی! تو کہاں ہے، غم سے میرا دل خون ہوگیا ہے؟

زکوئے[3] مغاں رو مگرداں کہ آنجا — فروشند مفتاحِ مشکلکشائی
مغوں کے کوچہ سے روگردانی نہ کر اس لئے کہ وہاں — مشکل کشائی کی کنجی فروخت کرتے ہیں

عروسِ جہاں گرچہ در حدِ حسن ست — زحد می برد شیوۂ بیوفائی
دنیا کی دلہن، اگرچہ حسن کی حد میں ہے — بے وفائی کی عادت حد سے بڑھا رہی ہے

مے[4] صوفی افگن کجا می فروشند — کہ در تابم از دستِ زہدِ ریائی
صوفی کو پچھاڑنیوالی شراب کہاں بیچتے ہیں؟ — اس لیے کہ ریاکاری کے زہد کے ہاتھوں میں بل کھا رہا ہوں

رفیقاں چناں عہدِ صحبت شکستند — کہ گوئی نبود ست خود آشنائی
دوستوں نے دوستی کا عہد اس طرح توڑ ڈالا — کہ گویا، دوستی تھی ہی نہیں

دلِ[5] خستۂ من گرش ہمتے نیست — نخواہد ز سنگیں دلاں مومیائی
اگرچہ میرے ٹوٹے ہوئے دل میں ہمت نہیں ہے — وہ پتھر جیسے دل والوں سے مومیائی نہ مانگے گا

مرا گر تو بگذاری اے نفسِ طامع — بسے بادشاہی کنم در گدائی
اے لالچی نفس! اگر تو مجھے چھوڑ دے — فقیری میں، بہت بادشاہی کروں گا

بیا[6] موزمت کیمیائے سعادت — زہم صحبتِ بد جدائی جدائی
میں تجھے، نیک بختی کی کیمیا سکھاتا ہوں — برے ہم صحبت سے، جدائی ہی جدائی ہو

مکن حافظ از جورِ گردوں شکایت
اے حافظ زمانہ کے ظلم کی شکایت نہ کر

چہ دانی تو اے بندہ کارِ خدائی
اے بندے، خدائی کام کو تو کیا جانے!

سُلَیْمٰی[7] مُنْذُ حَلَّتْ بِالْعِرَاقِ — اُلَاقِیْ فِیْ ہَوَاہَا مَا اُلَاقِیْ
پیاری سلمیٰ، جب سے عراق میں مقیم ہوگئی ہے — میں اس کی محبت میں برداشت کر رہا ہوں جو کچھ برداشت کر رہا ہوں

---

[1] خدا میرا مدعا جانتا ہے لہٰذا مجھے سوال کرنیکی ضرورت نہیں ہے وہ بغیر مانگے دیگا۔

[2] دوست سب بچھڑ گئے رنج سے میرا دل خون ہو رہا ہے شراب پلا۔

[3] دیرِ مغاں میں ہی مشکلیں آسان ہونگی

[4] ایسی شراب درکار ہے جو صوفیوں کو پچھاڑ دے اس لیے کہ میں ان کی ریاکاری سے عاجز آگیا ہوں

[5] اگرچہ میرا دل بے ہمت ہو چکا ہے لیکن پھر بھی کمینوں کا احسان اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہے۔

[6] سعادت کی کیمیا یہ ہے کہ بُروں کی صحبت نہ اختیار کیجئے

[7] میری محبوبہ مجھ سے دور عراق میں جا بسی ہیں ہجر کے مصائب برداشت کر رہا ہوں

الا اے ساربانِ محملِ دوست
اے دوست کے کجاوے کے ساربان! بس

اِلٰی رُکبانِکُم طَالَ اشتیاقی
تمہارے سواروں کی طرف، میرا شوق بڑھ گیا ہے

بسازؔ اے مطربِ خوشخواں وخوشگوی
اے خوش خواں اور خوشگو، مطرب! گا

بشعرِ پارسی صوتِ عراقی
فارسی اشعار، عراقی لہجے میں

بیا ساقی بدہ رطلِ گرانم
ساقی آ، مجھے بھاری پیمانہ دے

سَقَاکَ اللّٰہُ مِن کاسٍ دِہَاقِ
خدا، تجھے لبالب پیالے سے سیراب کرے

جوانیؔ باز می آرد بیادم
مجھے جوانی، پھر یاد دلا رہی ہے

صدائے چنگ و نوشانوشِ ساقی
چنگ کی آواز، اور ساقی کی نوشانوش

مَے باقی بدہ تا مست و خوشدل
بچی ہوئی شراب دیدے، مست اور خوش دل ہوکر

بیاراں بر فشانم عمرِ باقی
دوستوں پر قربان کردوں بقیہ زندگی

درونم خوں شد از نادیدنِ دوست
دوست کے نہ دیکھنے سے، میرا دل خون ہوگیا

اَلا تَعْساً لِاَیّامِ الفِرَاقِ
فراق کے دنوں کے لیے، بلاکی ہو

دمےؔ با نیکخواہاں متفق باش
تھوڑی دیر کے لیے، خیرخواہوں کے ساتھ مل بیٹھ

غنیمت داں امورِ اتّفاقی
اتّفاقی باتوں کو غنیمت سمجھ

مسیحائے مجرّد را طرازد
مجرّد، مسیحا کو یہ بات زیب دیتی ہے

کہ با خورشید سازد ہم وثاقی
کہ آفتاب کے ساتھ، ہم خانہ ہو

عروسِ بس خوشی اے دخترِ رز
اے انگور کی بیٹی! تو بہت حسین دلہن ہے

ولے گہ گہ سزاوارِ طلاقی
لیکن کبھی کبھی، طلاق کے قابل ہے

رَبِیعُ العُمرِ فِی مَرعَیٰ حِمَاکُم
زندگی کا موسم بہار، تمہارے حمیٰ کی چراگاہ میں ہے

حَمَاکَ اللّٰہُ یَا عَہدَ التَّلاقِ
اے ملاقات کے زمانے، خدا تیری حفاظت کرے

خردؔ در زندہ رود انداز و مے نوش
عقل کو زندہ رود میں پھینک دے اور شراب پی

بگلبانگِ جوانانِ عراقی
عراقی جوانوں کی آواز پر

نَہانِی الشَّیبُ مِن کُلِّ العَذَارٰی
بڑھاپے نے، مجھے ہر باکرہ لڑکی سے روک دیا

سِوَیٰ تَقبِیلِ خَدٍّ وَاعتِنَاقِ
سوائے رخسار کے بوسہ لینے اور گلے لگانے کے

وصالِ دوستاں چوں روزیِ ماست
چونکہ دوستوں کا وصال، ہمارا مقدّر ہے

مگو واعظ سخنہائے فراقی
اے واعظ! جدائی کی باتیں نہ کر

دُمُوعِی ہَجرَکُم لَا تَحقِرُوہَا
ہمارے آنسو جو تمہارے فراق میں ہیں ان کو حقیر نہ سمجھو

فَکَم بَحرٍ جَمَعنَا مِن سَوَاقِ
بہت سے سمندر ہیں، جو ہم نے نہروں سے جمع کیے ہیں

مَضَت فُرَصُ الوِصَالِ وَمَا شَعَرنَا
وصل کی فرصتیں گذر گئیں، اور ہمیں پتہ نہ چلا

بگو حافظ غزلہائے فراقی
اے حافظ! اب فراق کی غزلیں گا

---

۱ چونکہ محبوب عراقی ہوگئی ہے لہذا اب مجھے فارسی اشعار عراقی لہجے میں پسند آتے ہیں۔
۲ چنگ کی آواز ساقی کی نوشانوش کی صدا، جوانی کا زمانہ یاد دلاتی ہے
۳ فراق کے زمانہ کا خدا برا کرے میرے دل کو خون بنادیا ہے
۴ تھوڑی دیر کے لیے ہم جیسے خیرخواہوں کے ساتھ مل بیٹھنے کو غنیمت سمجھ۔
۵ حضرت مسیح علیہ السلام نے شادی نہ کی تمام عمر عالم تجرّد میں گذاری اسی لئے ان کو چرخ چہارم پر جگہ ملی شعر
چو عیسیٰ گر توانی خفت بر جفت
مہ و نقدِ تجرّد از کف مفت
۶ ربیع، موسم بہار حمیٰ، وہ چراگاہ جو کوئی اپنے لیے مخصوص کرے
۷ زندہ رود، اصفہان کی مشہور ندی ہے جس کا پانی بہت ستھرا ہے۔
۸ بڑھاپے نے صرف اسکی اجازت دے رکھی ہے کہ باکرہ لڑکیوں سے بوس و کنار کرلوں۔
۹ وصال کی فرصتیں غفلت میں گذر گئیں اب سوائے فراق کی غزلیں پڑھنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

سَبَتْ سَلْمٰی بِصُدْغَیْهَا فُؤَادِیْ — وَرُوْحِیْ کُلَّ یَوْمٍ لِیْ یُنَادِیْ

اپنی دونوں زلفوں سے سلمٰی نے میرا دل قید کر لیا — اور میری روح، مجھے ہر روز پکارتی ہے

خدارا بر منِ بیدل ببخشای — وَوَاصِلْنِیْ عَلٰی رَغْمِ الْاَعَادِیْ

خدا کے لئے، مجھ بیدل پر بخشش کر — اور دشمنوں کی خواہش کے برخلاف، مجھے وصل عطا کر

اَمَنْ اَنْکَرْتَنِیْ عَنْ حُبِّ سَلْمٰی — غَرِیْقُ الْعِشْقِ فِیْ بَحْرِ الْوِدَادِ

اے وہ شخص کہ تو نے مجھے سلمٰی کی محبت سے روکا — میں محبت کے سمندر میں، عشق کا ڈوبا ہوا ہوں

نگارا در غمِ سودائے عشقت — تَوَکَّلْنَا عَلٰی رَبِّ الْعِبَادِ

اے محبوب! تیرے عشق کے جنون کے غم میں — ہم نے بندوں کے خدا پر توکل کیا ہے

دلِ حافظ شد اندر چینِ زلفت

تیری زلفوں کی شکن میں، حافظ کا دل گم ہو گیا

بِلَیْلٍ مُّظْلِمٍ وَاللّٰهُ هَادِ

اندھیری رات میں، اور خدا راستہ دکھانے والا ہے

سینہ مالا مالِ درد است اے دریغا مرہمے — دل ز تنہائی بجاں آمد خدارا ہمدمے

سینہ درد سے مالا مال ہے، ہائے افسوس مرہم ہوتا — دل تنہائی کی وجہ سے عاجز آگیا، خدا کے لئے کوئی ہمدم ہوتا

خیز تا خاطر بداں ترکِ سمرقندی دہیم — کز نسیمش بوئے زلفِ حوریاں آید ہمے

اٹھ، تاکہ ہم اس سمرقندی معشوق کو دل دیدیں — جس کی نسیم سے حوروں کی زلف کی خوشبو آرہی ہے

چشمِ آسائش کہ دارد زیں سپہرِ گرم رو — ساقیا جامے بیاور تا بیاسایم دمے

اس تیز رفتار، آسمان سے آرام کی امید کون رکھتا ہے؟ — اے ساقی جام دے، تاکہ تھوڑی دیر کے لئے میں آرام کر لوں

زیرکے را گفتم ایں احوال خود خندید و گفت — صعب کارے بوالعجب دردے پریشاں عالمے

میں نے ایک عقلمند کو اپنے یہ احوال سنائے وہ ہنسا اور بولا — سخت کام ہے، عجب درد ہے، ایک پریشان حالت ہے

سوختم در چاہِ صبر از بہرِ آں شمعِ چگل — شاہِ ترکاں غافلست از حالِ ما کو رستمے

اس چگل کی شمع کی خاطر، میں صبر کے کنوئیں میں جل اٹھا — ترکوں کا شاہ ہمارے حال سے غافل ہے، رستم کہاں ہے؟

در طریقِ عشقبازی امن و آسائش خطاست — ریش باد آں دل کہ با دردِ تو جوید مرہمے

عشقبازی کے راستہ میں اطمینان اور آرام غلطی ہے — خدا کرے وہ دل زخمی ہو، جو تیرے درد کے ہوتے ہوئے مرہم تلاش کرے

اہلِ کام و ناز را در کوئے رنداں راہ نیست — رہروے باید جہانسوزے نہ خامے بے غمے

غرض اور ناز والوں کے لئے رندوں کے کوچہ میں راستہ نہیں ہے — جہاں سوز مسافر درکار ہے، نہ کہ کچا اور بے غم

آدمِ خاکی بدیں عالم نمی آید بدست — عالمے دیگر بباید ساخت از نو آدمے

خاک نشیں آدمی اس دنیا میں دستیاب نہیں ہوتا ہے — ایک نئے آدم سے دوسرا عالم بنانا چاہئے

گریۂ حافظ چہ سازد پیشِ استغنائے دوست

دوست کی بے نیازی کے سامنے حافظ کا رونا کیا کام بنائیگا؟

کاندریں طوفاں نماید ہفت دریا شبنمے

اس لیے کہ اس طوفان میں ساتوں سمندر ایک شبنم ہیں

۱ سلمٰی ایک خاص معشوقہ کا نام تھا لیکن اب ہر معشوقہ کو سلمٰی کہا جاتا ہے جیسا کہ لیلیٰ۔

۲ تاریک رات سے زلفیں مراد ہیں جن میں دل اپنا راستہ بھول گیا ہے۔

۳ اس دنیا میں شراب سے سکون مل سکتا ہے۔

۴ کوئی عقلمند عشق کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔

۵ چگل، ترکستان میں ایک حسن خیز شہر ہے، مشہور ہے کہ کیخسرو کے دور میں رستم کا بھانجہ بیژن افراسیاب شاہ توران کی بیٹی منیژہ پر عاشق ہو گیا افراسیاب نے موقعہ پاکر بیژن کو گرفتار کر لیا اور کنوئیں میں قید کر دیا جب رستم کو پتہ چلا تو وہ تاجرانہ بھیس میں توران گیا اور بیژن کو چھڑا کر لایا اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

۶ اس دنیا میں خاکسار نہیں رہے اب کسی نئے آدم سے نئی دنیا بنانی چاہیے۔

شد بہار و گذشت موسمِ دَے
موسم بہار ختم ہوگیا، اور دے کا مہینہ گذر گیا

آگہی گر زچرخ و گردشِ وے
اگر تو آسمان، اور اس کی گردش سے باخبر ہے

سوئے[1] من یار آمد و بگذشت
یار میری جانب آیا، اور نکل گیا

رفت برباد عمرِ من ہے ہے
ہائے ہائے، میری عمر برباد ہوگئی

زیرِ ایں قصر صد ہزار گذشت
اس محل کے نیچے، لاکھوں گذر گئے

ہمچو کاؤس و قیصر و جم و کے
کاؤس، اور قیصر، اور جمشید، اور کیخسرو جیسے

دل[2] بدنیا مبند اگر مردی
اگر تو مرد ہے، دنیا سے دل نہ لگا

زانکہ دنیاست لاشہ و لاشے
اس لیے کہ دنیا مردار، اور ہیچ ہے

زندگی یافتم ز مے آرے
ہاں! میں نے شراب سے زندگی حاصل کی

وَ مِنَ الماءِ کُلُّ شَیءٍ حَیّ
اور ہر زندہ، پانی ہی سے ہے

یار[3] با ماست روز و شب حافظ
اے حافظ! یار دن رات ہمارے ساتھ ہے

ہمچو جانے کہ ہست در رگ و پے
اس جان کی طرح جو رگ، اور پٹھے میں ہے

شہریست پُر ظریفاں از ہر طرف نگارے
ظریفوں سے شہر بھرا پڑا ہے، اور ہر جانب ایک معشوق ہے

یاراں صلائے عشق ست ار میکنید کارے
اے یارو! عشق کی پکار ہے، اگر کوئی کام کرو

چشمِ فلک ندیدہ زیں خوبتر حریفے
اس سے زیادہ حسین دوست آسمان کی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے

در دامِ کس نیفتد زیں خوب تر شکارے
اس سے بہتر شکار کسی کے جال میں نہ پھنسے گا

اے روئے خوبت از گل صد بار نازنینی
اے دلکش تیرا چہرہ، پھول سے سوگنا نازنین ہے

یارب کہ رہ نیابد بر دامنِ تو خارے
خدا کرے تیرے دامن کی طرف، کانٹے کو راستہ نہ ملے

چشمے[4] کہ دیدہ باشد جسمے ز جاں مرکب
ایسا جسم جو جان سے بنا ہو کس کی آنکھ نے دیکھا ہوگا؟

بر دامنش مبادا زیں خاکداں غبارے
خدا کرے اس کے دامن پر اس خاکدان سے غبار نہ پڑے

چوں من شکستہ را از پیش خود چہ رانی
مجھ جیسے شکستہ کو اپنے سامنے سے تو کیوں بھگاتا ہے؟

کم[5] غایتِ تمنا بوسے ست یا کنارے
اس لیے کہ میری انتہائی تمنا، بوسہ ہے یا معانقہ

مے بیغش ست بشتاب وقتِ خوش ست دریاب
خالص شراب ہے جلدی کر، اچھا وقت ہے پالے

سالِ[6] دگر کہ دارد امیدِ نو بہارے
دوسرے سال نو بہار کی امید کون رکھتا ہے؟

چوں ایں گرہ کشایم ویں راز و انمایم
میں کس طرح یہ گرہ کھولوں اور اس راز کو کس طرح ظاہر کروں

دردے و صعب دردے کارے و سخت کارے
درد ہے اور سخت درد، کام ہے اور مشکل کام

در بوستاں حریفاں مانندِ لالہ و گل
یار لوگوں نے باغ میں لالہ و گل کی طرح

ہر یک گرفتہ جامے بر یادِ گلعذارے
ہر ایک نے جام تھام رکھا ہے کسی گل رخسار معشوق کی یاد میں

ہر تارِ[7] موئے حافظ در دستِ ترک شوخیست
حافظ کے بالوں کا ہر تار، ایک شوخ ترک کے ہاتھ میں ہے

مشکل تواں نشستن در اینچنیں دیارے
اس جیسے وطن میں، بیٹھنا مشکل ہے

۱؎ یار میرے پاس سے ہو کر گذر گیا اور ہمارے پاس نہ ٹھہرا، گویا ہماری عمر برباد گئی۔

۲؎ دنیا سے دل نہ لگانا چاہیے اس نے سیکڑوں بڑے آدمیوں کو ہلاک کیا ہے۔

۳؎ شعر
دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

۳؎ میرے معشوق جیسا آج تک نہیں پیدا ہوا اس سے زیادہ حسین شکار کسی کے جال میں نہیں پھنسا ہے۔

۴؎ اس کا جسم ہماری جان سے بنا ہے خدا اس کو مصائب سے بچائے۔

۵؎ کم، کہ مرا کا مخفف ہے یعنی میری تمنا صرف بوسہ و کنار ہے۔

۶؎ دوسرے موسم بہار تک کون جیتا ہے اسی موسم میں کام کرلے۔

۷؎ حافظ کا رونگٹا رونگٹا ایک شوخ معشوق کے ہاتھ میں ہے لہذا وہ چین سے کیسے بیٹھ سکتا ہے۔

صبا[۱] تو نکہت آں زلفِ مُشکبو داری
اے صبا! تو اس مُشک جیسی خوشبو والی زلف کی خوشبو رکھتی ہے
بیادگار بمانی کہ بوئے او داری
تو یادگار بنے گی کیونکہ تو اس کی خوشبو رکھتی ہے

دلم کہ گوہرِ اسرارِ حسن و عشق در وست
میرا وہ دل، جس میں حسن اور عشق کے راز کے موتی ہیں
تواں بدستِ تو دادن گرش نکو داری
تیرے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے، اگر تو اسکو اچھی طرح رکھے

درآں شمائلِ مطبوع، ہیچ نتواں گفت
ان پسندیدہ اخلاق کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے
جز ایں[۲] قدر کہ رقیبانِ تندخو داری
اس کے علاوہ کہ تو بد مزاج نگہبان رکھتا ہے

نوائے[۳] بلبلت اے گل کجا پسند افتد
اے پھول! تجھے بلبل کی آواز کب پسند آئے گی؟
کہ گوشِ ہوش بمرغانِ ہرزہ گو داری
اس لیے کہ تیرا ہوش کا کان، بیہودہ گو پرندوں کی طرف ہے

ز جرعۂ تو سرم مست گشت و نوشت باد
تیرے ایک گھونٹ سے میرا سر مست ہو گیا، خدا کرے تیرے لئے خوشگوار ہو
خود از کدام خمست اینکہ در سبو داری
یہ کون سے مٹکے کی ہے، جو تیری ٹھلیا میں ہے؟

قبائے حسن فروشی ترا بزیبد و بس
حسن فروشی کی قبا، صرف تجھے زیب دیتی ہے
کہ ہمچو گل ہمہ آئینِ رنگ و بو داری
اس لیے کہ تو پھول کی طرح رنگ، اور خوشبو کے سب طریقے رکھتا ہے

زمانہ[۴] گر ہمہ مُشکِ ختن دہد برباد
اگر زمانہ ختن کا سارا مُشک برباد کر دے
فدائے تو کہ خط و خال مُشکبو داری
میں تجھ پر قربان کہ تو مُشک کی خوشبو والے خط و خال رکھتا ہے

دم[۵] از ممالکِ خوبی چو آفتاب زدن
آفتاب کی طرح حسین غلاموں کا دم بھرنا
ترا سزد کہ غلامانِ ماہ رو داری
تجھے پھبتا ہے، کیونکہ تو چاند جیسے چہرے والے غلام رکھتا ہے

بسر کشیِ[۶] خود اے سروِ جویبار مناز
اے نہر کے سرو! اپنی سربلندی پر ناز نہ کر
کہ گر بأو رسی از شرم سر فرو داری
اس لیے کہ اگر تو اس کے پاس پہونچے گا شرم سے سر جھکا لیگا

دعاش گفتم و خنداں بزیرِ لب میگفت
میں نے اس کو دعا دی، اور وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا
کہ کیستی تو و با ما چہ گفتگو داری
کہ تو کون ہے، اور تجھے ہم سے کیا کہنا ہے؟

زکنجِ مدرسہ[۷] حافظ مجوئی گوہرِ عشق
اے حافظ! مدرسہ کے گوشہ میں عشق کا گوہر تلاش نہ کر
قدم بروں نہ اگر میلِ جستجو داری
اگر جستجو کی خواہش ہے، تو باہر قدم نکال

صبحست و ژالہ میچکد از ابرِ بہمنی[۸]
صبح ہے، اور بہمن کے مہینہ کے ابر سے برف برس رہی ہے
برگِ صبوح ساز و بدہ جامِ یکمنی
صبح کی شراب کا سامان تیار کر اور ایک من والا جام دے

در بحرِ[۹] مائی و منی افتادہ ام بیار
میں خودی اور انانیت کے سمندر میں پڑا ہوں، لا
مے تا خلاص بخشدم از مائی و منی
شراب، تاکہ وہ مجھے خودی اور انانیت سے نجات دیدے

خونِ پیالہ خور کہ حلالست خونِ او
پیالہ کا خون پی، اس لیے کہ اس کا خون حلال ہے
در کارِ یار کوش کہ کاریست کردنی
یار کے معاملہ میں کوشش کر، کیونکہ یہ کرنے کا کام ہے

گر صبحدم[۱۰] خمار ترا دردِ سر دہد
اگر تجھے خمار صبح کے وقت دردِ سر میں مبتلا کرے
پیشانیِ خمار ہماں بہ کہ بشکنی
یہی بہتر ہے کہ تو خمار کا سر پھوڑ دے

[۱] چونکہ صبا میں محبوب کی زلف جیسی خوشبو ہے لہٰذا وہ یادگار رہیگی۔
[۲] اس کی خوبیوں میں کوئی گفتگو کا موقع نہیں ہے بس اس قدر ہے کہ اس کے نگہبان سخت مزاج ہیں۔
[۳] چونکہ محبوب غیار کی طرف متوجہ ہے تو ہماری کب سنے گا۔
[۴] اگر زمانہ نے ختن کا مُشک مفقود ہو جائے تو کوئی حرج نہیں محبوب کے خد و خال کافی ہیں۔
[۵] دوسرے ستاروں کی روشنی آفتاب کی عطا کردہ ہے لہٰذا وہ اگر حسن کا دعویٰ کرے تو اس کو حق ہے۔ اسی طرح معشوق بمنزلہ آفتاب کے ہے اور دوسرے حسین ستارے ہیں۔
[۶] سرو محبوب کے سامنے جا کر اس کے قد کے مقابلہ میں شرما جائیگا۔
[۷] عشق کا موتی مدرسہ سے باہر قدم نکالنے سے حاصل ہو سکیگا۔
[۸] بہمن ایک فارسی مہینہ کا نام ہے، برگ، ساز و سامان، من، ایک سیر بارہ چھٹانک کا ہوتا ہے۔
[۹] شعر م

م بجز و یک لحظہ بودن صد خطر دار آتش وارد — خدا اجر دہد ے راکہ بے ما میکند مارا [۱۰] خمار وہ اعضا شکنی ہے جو نشہ کے اترتے وقت ہوتی ہے یعنی خمار کو شراب سے دور کر۔

ساقی بہوش باش کہ غم در کمین ماست
اے ساقی ہوشیار رہ کیونکہ غم ہماری گھات میں ہے
مُطرب نگاہ دار ہمیں رہ کہ میزنی
اے مُطرب اس سُر کا خیال رکھ جو تو گا رہا ہے

مے دہ کہ سر بگوشِ من آورد چنگ و گفت
شراب دے، اس لیے کہ چنگ[۱] میرے کان کے پاس لائی اور کہا
خوش باش و پند بشنو ازیں پیرِ مُنحنی
خوش رہ، اور اس کبڑے بوڑھے کی نصیحت سُن لے

ساقی بہ بے نیازیِ یزداں کہ مے بیار
اے ساقی! تجھے خدا کی بے نیازی کی قسم، شراب لا
تا بشنوی زصوتِ مُغنّی ہُوَ الغَنی
تاکہ تو مُطرب کی آواز سے "وہ بے نیاز ہے"[۲] سُنے

حافظ نہالِ قدِ تو در جوئبارِ چشم
حافظ نے تیرے قد کے پودے کو آنکھوں کی نہر میں
خوں خورد و بر نشاند و تو خواہی کہ برکنی
خون پیا، اور لگایا، اور تو چاہتا ہے کہ اکھیڑ دے

طفیلِ ہستیِ عشقند آدمی و پری
آدمی، اور پری عشق کے وجود کا طفیل[۳] ہیں
ارادتے بنما تا سعادتے ببری
ارادت ظاہر کر، تاکہ تو سعادت حاصل کرے

چو مستعدِ نظر نیستی وصال مجوی
جبکہ تجھ میں دیکھنے کی استعداد نہیں ہے وصال نہ ڈھونڈھ
کہ جامِ جم نہ دہد سُود وقتِ بے بصری
اس لیے کہ نابینائی کے وقت جامِ جم فائدہ نہیں دیتا ہے

مئے صبوح و شکر خوابِ صبحدم تا چند
صبوحی شراب، اور صبح کی میٹھی نیند کب تک؟
بعذرِ نیم شبی کوش و نالۂ سحری
آدھی رات کے وقت عذر، اور صبح کی گریہ وزاری کی کوشش کر

بوئے زلف و رخت میروند و می آیند
تیری زلف کی خوشبو اور رخ کے پاس آتے جاتے ہیں
صبا بغالیہ سائی و گل بجلوہ گری
صبا خوشبو مہکانے کے لئے اور پھول جلوہ دکھانے کی وجہ[۴] سے

بکوش خواجہ و از عشق بے نصیب مباش
اے خواجہ کوشش کر، اور عشق سے بے نصیب نہ رہ
کہ بندہ را نخرد کس بہ عیبِ بے ہنری
اس لیے کہ بے ہنری کا عیب ہوتے ہوئے غلام کو کوئی نہیں خریدتا ہے

بیا و سلطنت از ما بخر بمایۂ حُسن
آ، اور حسن کے سرمایہ کے بدلے ہم سے سلطنت خرید لے
ازیں معاملہ غافل مشو کہ حیف خوری
اس معاملے سے غافل نہ ہو، ورنہ افسوس کرے گا

دعائے گوشہ نشیناں بلا بگرداند
گوشہ نشینوں کی دعا، مصیبت ٹال دیتی ہے
چرا بگوشۂ چشمے بما نمی نگری
گوشۂ چشم سے، تو ہمیں کیوں نہیں دیکھتا ہے؟[۵]

مرا ازیں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
جس نے میری ان تاریکیوں میں راہنمائی کی
دعائے نیم شبی بود و گریۂ سحری
وہ آدھی رات کی دعا، اور صبح کا رونا تھا[۶]

ز ہجر و وصلِ تو در حیرتم چہ چارہ کنم
میں حیران ہوں، تیرے ہجر اور وصل کی کیا تدبیر کروں؟
نہ در برابرِ چشمی نہ غائب از نظری
نہ تو آنکھوں کے سامنے ہے، نہ نظر سے غائب ہے

طریقِ عشق طریقے عجب خطرناک ست
عشق کا راستہ عجب خطرناک راستہ ہے
نعوذُ باللہ اگر رہ بمامنے نبری
خدا کی پناہ اگر تجھے کسی امن کی جگہ کا راستہ نہ ملے[۷]

ہزار جانِ گرامی بسوخت زیں غیرت
اس غیرت سے ہزاروں قیمتی جانیں جل گئیں
کہ ہر صباح و مسا شمعِ مجلسِ دگری
کہ تو ہر صبح و شام دوسرے کی مجلس کی شمع ہے

---

[۱] پیرِ مُنحنی سے چنگ مراد ہے چونکہ وہ کبڑی ہوتی ہے اور چونکہ اس کا کنارہ مطرب کے کان کے پاس ہوتا ہے لہٰذا سرگوش آورد کہا ہے

[۲] خدا کی ذات بے نیاز ہے وہ ہماری شراب خوری پر کیا گرفت کرے گا، ہُوَ الغنی یعنی وہ اللہ بے نیاز ہے۔

[۳] ایک حدیث میں آیا ہے خدائے تعالےٰ نے فرمایا، میری ذات ایک مخفی خزانہ تھی میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، اسی پہچان کی خاطر جن و انس کو پیدا فرمایا

[۴] یعنی صبا اور پھول کی آمد و رفت اس لیے ہے کہ صبا تیری زلف سے خوشبو حاصل کرے اور پھول تیرے رُخ سے جلوہ گری حاصل کرے۔

[۵] ہماری طرف گوشۂ چشم سے التفات کر اور ہم گوشہ نشینوں کی دعائیں لے لے۔

[۶] دنیا کی تاریکیوں سے مجھے دعا اور رونے نے نجات دی ہے۔

[۷] اگر عشق کا راستہ کسی امن کی جگہ تک نہ پہونچائے تو پھر بہت ہی خطرے میں۔

چو ہر خبر کہ شنیدم رہے بحیرت داشت[1]
چونکہ میں نے جو خبر بھی سنی اس نے حیرت تک پہونچایا

ازیں سپس من و ساقی و وضعِ بیخبری
اس کے بعد میں ہوں گا، اور ساقی! اور بیخبری کی حالت

زمن بحضرتِ آصف[2] کہ می برد پیغام
میری جانب سے آصف کے دربار میں کون پیغام لیجاتا ہے؟

کہ یاد گیر دو مصرع[3] زمن بلفظِ دری
کہ فارسی زبان کے میرے دو مصرعے یاد کرلے

بیا کہ وضعِ جہاں را چنانکہ می بینم
آ، دنیا کی حالت جیسی میں دیکھ رہا ہوں

گر امتحاں بکنی مے خوری و غم نخوری
اگر تو آزمائیگا تو شراب پیے گا اور غم نہ کھائے گا

کلاہِ سروریت کج مباد بر سرِ حسن
حسن کے سر پر تیری بادشاہی کی ٹوپی ٹیڑھی نہ ہو

کہ زیبِ تخت و سزاوارِ بخت و تاج سری
اس لیے کہ تو تخت کی زینت اور اقبال کے لائق اور سر کا تاج ہے

بہ یُمنِ ہمتِ حافظ امید ہست کہ باز
حافظ کی باطنی توجہ کی برکت سے امید ہے کہ پھر

اُدَی اُسَامِرُ لَیلَایَ لَیلَۃَ القَمَرِ
میں اپنی لیلیٰ سے، چاندنی رات میں قصہ گوئی کرتے ہوئے دیکھوں گا

عمر بگذشت بہ بیحاصلی و بوالہوسی
ناکامی، اور بوالہوسی میں زندگی بیت گئی

اے پسر جامِ مَیَم دہ کہ بہ پیری برسی
اے لڑکے! مجھے شراب کا جام دے تاکہ تو بڑھاپے کو پہونچے

چہ شکر ہاست دریں شہر[4] کہ قانع شدہ اند
اس شہر میں کیا مٹھاس ہے، کہ قانع ہوگئے ہیں

شاہبازانِ طریقت بہ شکارِ مگسی
طریقت کے شاہباز مکھی کے شکار پر

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن
پر کھول اور، طوبےٰ کے درخت سے چہچہا

حیف باشد چو تو مرغے[5] کہ اسیرِ قفسی
افسوس ہے کہ تجھ جیسا پرند قفس کا قیدی ہے

کارواں رفت[6] و تو در خواب و بیاباں در پیش
قافلہ چلا گیا اور تو سویا ہے، اور گھات کی جگہ سامنے ہے

وہ کہ بس بیخبر از غلغلِ بانگِ جرسی
افسوس ہے کہ تو گھنٹہ کی آواز کے شور سے بہت بیخبر ہے

دوش[7] در خیلِ غلامانِ درش می رفتم
کل میں اس کے در کے نوکروں کے گروہ میں جارہا تھا

گفت کاے بیکس و بیچارہ تو یارِ چہ کسی
اس نے کہا کہ اے بے کس اور بے چارے تو کس کا دوست ہے!

تا چو مجمر[8] نفسے دامنِ جاناں گیرم
تاکہ انگیٹھی کی طرح تھوڑی دیر کے لئے معشوق کا دامن پکڑ لوں

دل بر آتش بنہادم زپئے خوش نفسی
میں نے دل کو آگ پر رکھدیا، سانس کو خوشبودار بنانے کے لئے

لَمَعَ البَرقُ مِنَ الطُّورِ وَآنَستُ بِہٖ
طور سے بجلی چمکی اور میں نے وہ دیکھی

فَلَعَلِّی لَکَ آتِی بِشِہَابٍ قَبَسٍ
پس، شاید کہ میں تیرے لیے ایک شعلہ لے آؤں

با دلِ خوں شدہ چوں نافہ[9] خوشش باید بود
نافہ کی طرح خوں شدہ دل پر اسکو خوش ہونا چاہیے

ہر کہ مشہورِ جہاں گشتہ بہ مشکیں نفسی
جو دنیا میں مشک جیسے سانس میں مشہور ہوگیا ہو

چند پوید بہوائے تو زہر سو حافظ
حافظ، ہر جانب سے تیرے عشق میں کتنا دوڑے

یَسَّرَ اللہُ طَرِیقاً بِکَ یَا مُلتَمِسِی
اے میرے مدعی! خدا تیری طرف راستہ کو آسان کردے

---

[1] دنیا کی باتیں مجھے حیرت میں ڈالدیتی ہیں اب شراب پیکر اپنے آپ کو بیخبر بناؤنگا۔
[2] وہ فارسی کے دونوں مصرعے اگلے شعر میں مذکور ہیں۔
[3] حاصلِ زندگی شراب نوشی ہے۔ دوسرے مصرع میں ساقی کے لیے دعا ہے۔
[4] معلوم نہیں دنیا میں کیا مٹھاس ہے کہ بڑے بڑے صوفیا اس میں پھنسے ہیں۔
[5] مرغ سے مراد روح ہے یعنی جسم کے پنجرے سے نکل اور طوبیٰ جو جنت کا درخت ہے اس پر پہونچ۔
[6] ساتھی چلے جا رہے ہیں اور تو خوابِ غفلت میں سو رہا ہے۔
[7] میں کل اس کے غلاموں کے ہمراہ جارہا تھا تو بطور تجاہلِ عارفانہ مجھ سے دریافت کرنے لگا تو کس کا عاشق ہے۔
[8] انگیٹھی کی آگ پر خوشبو ڈالی جاتی ہے تاکہ وہ مہکے میں نے بھی دل کو آتشِ عشق پر رکھدیا ہے تاکہ اسمیں مہک پیدا ہو۔
[9] خون جلتا ہے م جب نافہ میں مُشک بنتا ہے لہذا ہر بڑے کو خون جلانا پڑتا ہے۔ [2] آصف سے عماد بن محمود وزیر قطب الدین مراد ہے۔

کَتَبتُ قِصَّۃَ شَوقِی وَمَدمَعِی بَاکِ [1]
میں نے اپنے عشق کا قصہ لکھا، اور میری آنکھیں رو رہی ہیں
بیا کہ بے تو بجاں آمدم زغمناکی
آجا، اس لیے کہ تیرے بغیر غم کی وجہ سے جان سے عاجز ہوں

بسا کہ گفتہ ام از شوق باد و دیدۂ خویش
بسا اوقات میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے از رُوئے شوق کہا ہے
اَیَا مَنَازِلَ سَلمٰی وَ اَینَ سَلمَاکِ
اے سلمیٰ کے مقامات، اور تیری سلمیٰ کہاں ہے؟

عجیب واقعہ و بس غریب حادثہ ایست
عجیب واقعہ، اور بہت نادر حادثہ ہے
اَنَا اضطَرَبتُ قَتِیلاً وَ قَاتِلِی شَاکِ [2]
میں قتل ہو کر تڑپا، اور میرا قاتل شاکی ہے

کرا رسد کہ کند عیب دامنِ پاکت
کس کی طاقت ہے، کہ تیرے پاک دامن پر عیب لگائے
کہ ہمچو قطرہ کہ بر برگِ گل چکد پاکی [3]
اس لیے کہ تو اس قطرے کی طرح جو پھول کی پتی پر ٹپکے پاک ہے

زخاکِ پائے تو داد آبروئے لالہ و گل
تیرے پیروں کی خاک نے، لالا اور گل کو آبرو دی
چو کلکِ صُنع رقم زد ز آبی و خاکی [4]
جب قدرت کے قلم نے آبی اور خاکی کا نقش بنایا!

صبا عبیر فشاں گشت ساقیا برخیز
اے ساقی اٹھ صبا عبیر چھڑکنے والی بن گئی ہے
وَھَاتِ شَمسَۃَ کَرمٍ مُطَیَّبٍ زَاکِ
اور پاک وصاف انگور کی شراب لا

اثر نماند زمن بے شمائلت آرے
تیری صورت کے بغیر، میرا نشان نہ رہا، ہاں
اَرٰی مَاٰثِرَ مَحیَایَ مِن مَحیَاکِ
میں اپنی زندگی کے نشان تیری صورت سے سمجھتا ہوں

دَعِ التَّکَاسُلَ تَغنَم فَقَد جَرٰی مَثَلٌ
سستی چھوڑ دے، مال غنیمت حاصل کریگا اسلیے کہ مثل مشہور ہے
کہ زادِ راہرواں چستی ست و چالاکی [5]
کہ مسافروں کا توشہ، چستی اور چالاکی ہے

بآبروئے گل و خاکِ پائے سرو کہ نیست
پھول کی آبرو، اور سرو کے پیروں کی خاک کی قسم کہ نہیں ہے
چنیں بدیع جمالے ز آبی و خاکی
ایسے عمدہ جمال والا، آبی اور خاکی میں

ز وصفِ حُسنِ تو حافظ چگونہ نطق زند
حافظ تیرے حسن کی خوبیوں کو کس طرح بیان کرے؟
کہ چوں صفاتِ الٰہی ورائے ادراکی [6]
تو خدائی صفات کی طرح، ادراک سے پرے ہے

کہ بَرَد بنزدِ شاہاں زمنِ گدا پیامے
مجھ فقیر کا بادشاہوں کے پاس کون پیام لے جائے
کہ بکوئے مے فروشاں دو ہزار جم بجامے [7]
کہ شراب فروشوں کے کوچہ میں دو ہزار جمشید ایک جام کے ہیں

اگر ایں شرابِ خام ست اگر آں حریف پختہ
اگر یہ شراب کچی ہے، اگر وہ رقیب پختہ ہے
بہزار بار بہتر ز ہزار پختہ خامے [8]
ایک کچا ہزار بار، ہزار پختہ سے بہتر ہے

شدہ ام خراب و بدنام و ہنوز امیدوارم
میں برباد اور بدنام ہو گیا ہوں، اور اب بھی امید وار ہوں
کہ ز بد خلاص یابم بدعائے نیکنامے
کہ کسی نیکنام کی دعا کے ذریعہ، بدی سے نجات پا جاؤں

تو کہ کیمیا فروشی نظرے بقلبِ ما کن [9]
تو جو کہ کیمیا فروش ہے، ہمارے قلب پر ایک نظر ڈال دے
کہ بضاعتے نداریم و فگندہ ایم دامے
اس لیے کہ ہم کوئی سرمایہ تو رکھتے نہیں ہیں اور ہم نے جال بچھا دیا ہے

بکجا برم شکایت بکہ گویم ایں حکایت [10]
شکایت کہاں لیجاؤں، یہ حکایت کس سے کہوں
کہ لبت حیاتِ ما بود و نداشتی دوامے
کہ تیرے ہونٹ ہماری زندگی تھے اور تجھے ٹکاؤ نہ ہوا

[1] میں نے روتے ہوئے اس کو اپنے شوق کا حال لکھا، اور لکھا کہ اب آجا۔
[2] محبوب نے ہمیں قتل تک کر ڈالا لیکن پھر بھی اس کی شکایتیں رفع نہ ہوئیں۔
[3] تو اس قطرۂ شبنم کی طرح پاک صاف ہے جو پھول کی پتی پر ہوتا ہے
[4] آدم کا پتلا پانی اور مٹی سے بنایا گیا لہذا انسان آبی اور خاکی ہے۔
[5] انسان چستی اور چالاکی ہی سے کچھ حاصل کر سکتا ہے سُست محروم رہتا ہے۔
[6] جس طرح خدا کی صفتوں کا عقل ادراک نہیں کر سکتی ہے اسی طرح تیری خوبیاں بھی ہیں لہذا ان کی تعریف ممکن نہیں ہے۔
[7] شراب فروشوں کے کوچہ میں دو ہزار جمشید کی قیمت ایک جام ہے۔
[8] کچی شراب پختہ رقیب سے ہزار گنا بہتر ہے۔
[9] ایک نظر ڈال کر ہمارے دل کی حالت بدل دے۔

[10] مجھے یہ شکایت ہے کہ تیرے ہونٹوں سے میری زندگی وابستہ تھی لیکن تو نے وفاداری سے کام نہیں لیا۔

عجب از وفائے جاناں کہ تفقدے نفرمود
معشوق کی وفاداری پر تعجب ہے، کہ مہربانی نہ فرمائی

نہ بہ نامہ و پیامے نہ بپرسش و سلامے
نہ تو نامہ و پیام ہے، نہ پرسش اور سلام ہے

برو[1] اید پارسایاں کہ نماند پارسائی
اے نیکو! چلے جاؤ، اس لیے کہ نیکی ختم ہو گئی

مئے ناب در کشیدیم و نماند ننگ و نامے
ہم نے خالص شراب پی لی، اور ننگ و نام نہیں رہا

ز رہم[2] میفگن اے شیخ تو بدانہائے تسبیح
اے شیخ! تسبیح کے دانوں سے تو مجھے راستہ سے نہ ہٹا

کہ چو مرغ زیرک افتد نفتد بہیچ دامے
اس لیے کہ سمجھدار پرند جب اترتا ہے تو کسی جال میں نہیں پھنستا ہے

سر خدمت تو دارم بخرم بہیچ و مفروش
مجھے تیری خدمتگذاری کا خیال ہے، مجھے مفت لے لے اور نہ بیچ

کہ چو بندہ کمتر افتد بمبارکی غلامے
اس لیے کہ بندہ کی طرح مبارک ہونے میں کوئی غلام کم ہوگا

بکشائی تیر مژگان و بریز خون حافظ[3]
تو پلکوں کے تیر چلادے، اور حافظ کا خون بہادے

کہ چناں کشندہ را نکشد کس انتقامے
اس لیے کہ ایسے قاتل سے کوئی بدلہ نہیں لیتا

گفتند[4] خلائق کہ توئی یوسف ثانی
لوگوں نے کہا، تو یوسف ثانی ہے

چوں نیک بدیدم بحقیقت بہ ازانی
جب میں نے خوب دیکھا، تو حقیقتاً تو اس سے بہتر ہے

در عشق تو ام شہرہ چو فرہاد و عجب نیست
میں تیرے عشق میں فرہاد کی طرح مشہور ہوں اور تعجب نہیں ہے

اے خسرو خوباں کہ تو شیرین زمانی
اے حسینوں کے بادشاہ تو اپنے زمانہ کی شیریں ہے

تشبیہ[5] دہانت نتواں کرد بہ غنچہ
تیرے منہ کو غنچہ سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی ہے

ہرگز نبود غنچہ بایں تنگ دہانی
غنچہ ایسا تنگ دہن کبھی نہیں ہو سکتا ہے

صد بار بگفتی کہ دہم زاں دہنت کام
تونے سو بار کہا کہ اس منہ سے تیرا مقصد پورا کر دوں گا

چوں سوسن آزاد چرا جملہ زبانی
آزاد سوسن کی طرح، تو مجسم زبان کیوں ہے؟

گفتی کہ دہم کامت و جانت بستانم
تونے کہا، تیرا مقصد پورا کر دوں گا، اور تیری جان لے لونگا

ترسم ندہی کامم و جانم بستانی
مجھے ڈر ہے، تو میرا مقصد پورا نہ کریگا اور میری جان لے گا

چشم[6] تو خدنگ از سپر جاں گذرانید
تیری آنکھ نے، تیر، جان کی ڈھال کے پار کر دیا

بیمار کہ دیدہ است بایں سخت کمانی
ایسی سخت کمان والا بیمار، کس نے دیکھا ہے!

چوں[7] اشک بیندازیش از دیدۂ مردم
آنسوؤں کی طرح، تو اس کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیتا ہے

آنرا کہ دمے از نظر خویش برانی
جس کو تھوڑی دیر کے لئے، تو اپنی نظر سے ہٹا دے

گر سرو بماند از قد و رفتار تو بر پائے
اگر سرو تیرے قد اور رفتار کے سامنے کھڑا رہ گیا

بخرام کہ از سرو گذشتی بروانی
تو تو ٹہل، اس لیے کہ تو روانی میں سرو سے بڑھ گیا ہے

در راہ[8] تو عاشق چو قلم کرد ز سر پائے
عاشق نے تیرے راستہ میں قلم کی طرح، سر کو پیر بنا لیا

چوں نامہ چرا یکدمش از لطف نخوانی
تو مہربانی سے تھوڑی دیر کے لئے اس کو خط کی طرح کیوں نہیں پڑھتا ہے!

حافظ[9] بجفا از تو شکایت نماید
حافظ، تیرے ظلم کی شکایت نہیں کرتا ہے

زاں رو کہ بہر جور تو لطفیست نہانی
اس لیے کہ تیرے ہر ظلم میں، ایک چھپی ہوئی مہربانی ہے

---

[1] اب میں نے شراب پی کر پارسائی اور ننگ و نام کا معاملہ ختم کر دیا لہٰذا میرے پاس اب پارساؤں کا کوئی کام نہیں ہے۔

[2] اے شیخ میں تیری تسبیح کے دانوں سے تیرے جال میں نہیں پھنس سکتا ہوں میں ایک مُرغِ زیرک ہوں۔

[3] تجھ جیسے قاتل کو بدلہ میں قتل نہیں کیا جا سکتا ہے لہٰذا تو بے تامل مجھے قتل کر دے۔

[4] لوگ تجھے یوسفِ ثانی کہتے ہیں لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو تو یوسف سے بڑھ کر ہے۔

[5] لوگ تیرے مُنہ کو غنچے سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن یہ غلط ہے ایسی تنگ دہنی اسکو میسّر نہیں ہے۔

[6] تیری آنکھیں بیمار ہیں لیکن بڑی سخت کمان والی ہیں، تیری آنکھ کا تیر ڈھال کو پار کر گیا۔

[7] جس کو تو نظر سے گرا دے وہ آنسوؤں کی طرح لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے۔

[8] قلم سر کے بل چلتا ہے، خط کو ہر آدمی قریب سے پڑھتا ہے۔

[9] جب تیرے ظلم میں بھی کرم ہے تو حافظ شکوہ کیسے کرے۔

از پیش مراں حافظِ غمدیدۂ خود را
اپنے غمزدہ حافظ کو، سامنے سے نہ ہٹا
کز عشق رخت داد دل ودین وجوانی
اس نے تیرے رخ کے عشق میں، دل اور دین اور جوانی دی ہے

گذشتی برمنِ[1] غمدیدہ از راہِ جفاکاری
مجھ غمزدہ پر تو از روئے جفا کاری گذرا
بلے تو عمری وبر عمر کے باشد وفاداری
ہاں تو زندگی ہے، اور زندگی میں وفاداری کب ہوتی ہے؟

رقیبے[2] در پئے آزارِ جانِ ماست واویلا
ہائے افسوس! رقیب ہماری جان کے درپے آزار ہے
سگِ کوئے تو پیدا کرد خوئے مردم آزاری
تیرے کوچہ کے کتے نے مردم آزاری کی عادت بنالی ہے

خطا باشد بدورِ عارض وزلفین او گفتن
اس کے رخسار اور دونوں زلفوں کے دور میں غلط ہوگا کرنا
سخن از لعبتانِ چینی واز مشکِ تاتاری
باتیں چینی گڑیوں، اور تاتاری مشک کی

بدہ[3] ساقی مےِ نابم کہ یکدم بیخبر گردم
اے ساقی! مجھے خالص شراب دے، تاکہ تھوڑا بیخود ہوجاؤں
کہ جانم برلب آمد از تکلفہائے ہشیاری
کیونکہ ہوش کی تکلیفوں سے، میری جان ہونٹوں پر آگئی ہے

تو خواہی خونِ ما ریزی وخواہی لطف واحساں کن
تو خواہ ہمارا خون بہائے، خواہ مہربانی اور احسان کرے
عنانِ اختیار ما بدستِ تست ومختاری
ہمارے اختیار کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے اور تو مختار ہے

گشتہ[4] از آتش مے عارضِ تو گل وارے
شراب کی آگ سے تیرا رخسار پھول جیسا ہوگیا
چوں ننالم منِ دل سوختہ بلبل وارے
میں دل جلا، بلبل کی طرح کیسے نالہ نہ کروں

دلبرا بر[5] رخِ زیبائے تو آں زلفِ سیاہ
اے دل بر! تیرے حسین رخ پر، وہ کالی زلف
سایہ برسمن انداختہ سنبل وارے
سمن پر سنبل کی طرح سایہ ڈالے ہوئے ہے

وائے آنکس کہ ننوشد مے ورندی نکند
اس شخص پر افسوس ہے، جو شراب نہ پیے اور رندی نہ کرے
شیشۂ مے چو صلا بر زدہ ات قُل وارے
جبکہ شراب کی بوتل نے تجھکو شراب کی طرح آواز دی ہے

میکند قمریِ محنت زدہ در گوشۂ باغ
مصیبت زدہ قمری، باغ کے گوشہ میں نالہ کرتی ہے
از غمِ لالہ وگل نالۂ بلبل وارے
لالہ اور پھول کے غم میں بلبل کی طرح

ظاہر[6] آنست کہ از بہر پریشانیِ ماست
یہ ظاہر ہے کہ ہماری پریشانی کے لیے
حلقہ حلقہ شدہ آن زلفِ تسلسل وارے
وہ سلسلہ دار زلف، حلقہ در حلقہ ہوئی ہے

کے شود ہم نفس چو تو گدائے حافظ
اے حافظ! تجھ جیسا ہم جاں گدا کب بن سکتا ہے؟
بادشاہے کہ بود اہلِ تجمل وارے
وہ بادشاہ جو شان وشوکت والوں کی طرح ہے

لبش می[7] بوسم ودر میکشم مے
میں اس کے ہونٹوں کا بوسہ لیتا ہوں اور شراب پیتا ہوں
بآبِ زندگانی بردہ ام پے
مجھے، آبِ حیات کا پتہ لگ گیا ہے

---

[1] محبوب میری زندگی ہے اور زندگی گذرنے والی چیز ہے اس سے وفا کی امید غلط ہے۔
[2] رقیب کتا ہے اور بعض کتے مردم آزار ہوجاتے ہیں۔
[3] دنیا کی تکالیف سے عاجز ہوں شراب سے مدہوش رہوں۔
[4] شراب پی کر معشوق کا چہرہ گل کی طرح چمک اٹھا تو میں بلبل جیسے نالے کیوں نہ کروں۔
[5] چہرے کو سمن اور زلفوں کو سنبل قرار دیا ہے۔
[6] زلفیں ہماری پریشانی میں اضافہ کرنے کے لئے گرہ در گرہ ہوتی ہیں۔
[7] آب زندگانی یہی ہے کہ معشوق کے ہونٹوں کو بوسہ دیا جائے اور شراب پی جائے۔

نہ رازش می توانم گفت باکس
میں نہ اس کا راز کسی سے کہہ سکتا ہوں
نہ کس را میتوانم دید باوے
نہ اس کے ساتھ، میں کسی کو دیکھ سکتا ہوں

گُل[1] از خلوت بباغ آورد مسند
پھول، خلوت سے باغ میں مسند لے آیا
بساطِ زہد را چوں غُنچہ کن طے
زہد کے بستر کو غنچے کی طرح لپیٹ دے

بدہ[2] جامِ مے واز جم مکن یاد
شراب کا جام دے، اور جمشید کو یاد نہ کر
کہ میداند کہ جم کے بود و کے کے
کون جانتا ہے کہ جمشید کب تھا اور کیخسرو کب تھا؟

بزن بر چنگ چنگ اے ماہِ مُطرب
اے چاند جیسے مُطرب! چنگ پر چٹکی مار
رگش بخراش تا بخروشم از وے
اس کے تار کو حرکت دے تاکہ میں اس سے خروش میں آؤں

چو چشمت[3] مست را مخمور مگذار
اپنی آنکھوں جیسے مست کو اعضا شکنی میں نہ چھوڑ
بیادِ لعلش اے ساقی بدہ مے
اس کے ہونٹوں کی یاد پر اے ساقی شراب دے

نجوید[4] جاں ازاں قالب جدائی
اس جسم سے، جان، جدائی نہیں چاہتی ہے
کہ باشد خونِ جامش در رگ و پے
جس کے رگ و پے میں جام کا خون ہو

لبش[5] می بوسم و خوں میخورد جام
میں اس کے ہونٹ کو بوسہ دیتا ہوں، اور جام خون پیتا ہے
رخش می بینم و گل میکند خوے
میں اس کا رخسار دیکھتا ہوں اور پھول کو پسینہ آتا ہے

چو[6] مُرغِ باغ میگوید کہ ہُو ہو
جب باغ کا پرند ہُو ہُو کہے
مدہ از دست جامِ بادہ ہے ہے
ہائے ہائے، تو ہاتھ سے شراب کا جام نہ چھوڑ

چو مجنوں در پئے دیدارِ لیلےٰ
لیلےٰ کے دیدار کی خواہش میں مجنوں کی طرح
بباید گشتن اے دل گردِ ہر حے
ہر قبیلہ کے گرد اے دل اگر دش کرنی چاہیے

تو با سلطانِ گُل خوش باش و مے نوش
تو پھول کے بادشاہ کے ساتھ خوش رہ اور مے نوشی کر
غنیمت داں خلاصِ بہمن از دے
بہمن کے دے سے نجات پانے کو غنیمت سمجھ

زبانت در کش اے حافظ زمانے
تھوڑی دیر کے لئے اے حافظ! اپنی زبان بند کرے
حدیثِ[7] بے زباں را بشنو از نے
بانسری سے، بے زبان کی بات سُن لے

مخمورِ جامِ عشقم ساقی بدہ شرابے
اے ساقی شراب دے، میں جامِ عشق سے خمار میں ہوں
پُر کن قدح کہ بے مے مجلس ندارد آبے
پیالہ بھر دے اس لیے کہ شراب کے بغیر مجلس پر رونق نہیں ہوتی ہے

عشقِ رُخِ چو ماہش در پردہ[8] است نآید
اس کے چاند جیسے رخسار کا عشق در پردہ ٹھیک نہیں لگتا
مُطرب بزن نوائے ساقی بدہ شرابے
اے مُطرب! ساز بجا، اے ساقی! شراب دے

شد قامتم چو حلقہ تا بعد ازیں رقیبت
میرا قد حلقہ کی طرح ہو گیا تاکہ رقیب اس کے بعد
زیں در دگر نراند مارا بہیچ بابے
ہمیں پھر اس دروازے سے دوسرے در کی طرف نہ بھگائے

چوں آفتابِ رویش در دیدہ می نگنجد
جبکہ اس کے چہرے کا سورج آنکھوں میں نہیں سماتا ہے
اے دل چہ سود داری در دیدۂ اضطرابے
اے دل! آنکھوں کے اضطراب سے تجھے کیا فائدہ ہے؟

۱۔ موسم بہار آگیا ہے اب غنچے کی طرح زہد کی بساط کو طے کر کے رندی شروع کرنی چاہئے۔

۲۔ نہ اب کسی کو یہ معلوم کہ جمشید کب ہوا تھا اور کیخسرو کس زمانہ کا بادشاہ تھا لہٰذا اس دنیا کی ناپائداری کے پیش نظر شراب نوشی مناسب ہے۔

۳۔ مست وہ ہے جس پر شراب کا نشہ چڑھا ہوا ہو، مخمور وہ ہے جس پر نشہ کا اتار ہو۔

۴۔ جو شخص شراب سے سیراب ہوتا ہے اسکی رُوح جسم کو چھوڑنا نہیں چاہتی ہے۔

۵۔ میں اس کے لب کا بوسہ لیتا ہوں تو جام کو رشک پیدا ہوتا ہے، اس کے رُخ کو دیکھتا ہوں تو پھول شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہوتا ہے۔

۶۔ یعنی جب موسم بہار میں پرند چہچہانے لگیں تو شراب کا پیالہ ہاتھ میں رہنا چاہئے۔

۷۔ شعر
بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند

۸۔ در پردہ عشق زیادہ بہتر نہیں ہے کھل کر رندی ہونی چاہئے

۹۔ میں کبڑا ہو گیا ہوں اور میرا قد حلقہ کی طرح ہو گیا ہے تاکہ حلقہ در سمجھا جاؤں اور رقیب در سے نہ بھگائے۔

درانتظارِ رویت ماؤ امیدواری — وز عشوۂ لبانت ماؤ خیال و خوابے

تیرے چہرے کے انتظار میں ہم ہیں اور امیدواری — اور تیرے ہونٹوں کی ادا کا خواب و خیال ہے اور ہم

دستِ غرض میالائی بر کاسہ کہ دانی — انجام کار نبود از وے امید آبے

توغرض کا ہاتھ آلودہ نہ کر ایسے پیالہ پر، جس کے بارے میں تو جانتا ہے — کہ انجام کار، اس سے پانی کی امید نہیں ہے

حافظ چہ می نہی تو دل بر وصالِ جاناں

اے حافظ! محبوب کے وصال پر تو کیا دل لگاتا ہے؟

کے تشنہ سیر گردد از لمعۂ سرابے

پیاسہ، سراب کی چمک سے کب سیراب ہوتا ہے؟

منم[1] وآں زلف چوں زنجیر مارے — پریشاں حال و رُو دیوانہ وارے

میں ہوں، اور وہ زلف زنجیر جیسا سانپ — پریشان حال، اور دیوانوں جیسا چہرہ

بغیر از عاشقی و مے پرستی — ز دستم بر نیاید ہیچ کارے

مے پرستی، اور عاشقی کے سوا — میرے ہاتھ سے کوئی کام نہیں بنتا ہے

نگردد گردِ او غم ہر کہ بگرفت — چو چشمش گوشۂ از کنجِ غارے

غم اس کے پاس کبھی نہیں آسکتا جس نے اختیار کر لیا — اس کی آنکھوں کی طرح، غار کا گوشہ

زبارانِ[2] سرشک از چشمِ پُر خوں — حریم کوئے او شد لالہ زارے

پرخون آنکھوں کے آنسوؤں کی بارش سے — اس کے کوچہ کا صحن، لالہ زار بن گیا ہے

دریں صحرائے غم چوں گردبادم — ہمیشہ بیقرارے خاکسارے

اس غم کے جنگل میں میں، بگولے کی طرح ہوں — ہمیشہ ایک بے قرار، خاکسار

دریں گلشن ندیدم جانبِ گل — کز و در پائے دل نشکستہ خارے

اس چمن میں میں نے ایسا پھول نہیں دیکھا — جس کی وجہ سے دل کے پیر میں کانٹا نہ ٹوٹ گیا ہو

نباشد ہیچ عاشق ہمچو حافظ

کوئی عاشق حافظ کی طرح نہ ہوگا

فقیرے بیکسے بے اعتبارے

فقیر، بے کس، بے اعتبار

ماتیم و غمِ عشقِ جوانے و خیالے — وز ماہِ رُخش گشتہ تنم ہمچو ہلالے

ہم ہیں اور ایک جوان کے عشق کا غم اور ایک خیال — اور اس کے رخ کے چاند سے، میرا جسم ہلال کی طرح ہوگیا ہے

با محنتِ[3] ہجرِ تو شب و روز قرینم — تا با تو کجا دست دہد روزِ وصالے

میں دن رات تیرے ہجر کی تکلیف کا ساتھی ہوں — دیکھئے! تیرے وصال کا دن کب میسر آئے؟

احوالِ مرا عرضہ کنی پیشِ نگارم — اے بادِ صبا گر بود آنجات مجالے

میرے احوال، میرے محبوب پر پیش کر دینا — اے بادِ صبا، اگر اس جگہ تیرا گذر ہو

ور زانکہ ز حالِ منِ بیچارہ بپرسد — گو از غمِ ہجرانِ تو گشتہ ست خلالے

اور اگر وہ مجھ بے چارے کا حال پوچھے — کہہ دینا تیرے فراق کے غم میں تنکا بن گیا ہے

[1] شعر
روز لف تابہ را او چشم انگلیارہ
چو چشم کر اندرو رشتہ کند مارا

[2] چونکہ میں اس کے کوچہ میں خون کے آنسو روتا پھرتا ہوں لہٰذا اس کا کوچہ لالہ زار بنا ہوا ہے۔

[3] جس معشوق سے بھی محبت کی ہے لامحالہ تکلیف اٹھانی پڑی ہے فی الحال تو شب و روز ہجر میں مبتلا ہوں اب دیکھئے وصال کا دن کب آتا ہے۔

ہر کس ز جہاں منصب و مالے طلبیدہ
ہر شخص نے دنیا میں مرتبہ اور مال کی طلب کی ہے
مارا غمِ عشقِ تو بہ از منصب و مالے
ہمارے لئے تیرے عشق کا غم، مرتبہ اور مال سے بہتر ہے

حقا کہ نخواہیم بدنیا و بہ عقبے
سچی بات یہ ہے، کہ ہم دنیا اور عقبیٰ کے بدلے میں نہیں چاہتے ہیں
جز خاکِ سرِ کوئے تو مالے و منالے
کوئی مال و دولت سوائے تیرے کوچہ کی خاک کے

گفتم بجہاں آرزوئے وصلِ تو دارم
میں نے کہا دنیا کے بدلے تیرے وصل کی آرزو رکھتا ہوں
گفتا چہ کنی حافظ سودائے محالے
اس نے کہا اے حافظ تو ایک ناممکن چیز کا خیال کیا کرتا ہے؟

مے خواہ و گل افشاں کن از دہر چہ میجوئی
شراب مانگ اور پھول چھڑک، زمانہ سے کیا تلاش کرتا ہے؟
ایں گفت سحر گہ گل بلبل تو چہ میگوئی
پھول نے صبح کے وقت یہ کہا، بلبل تو کیا کہتی ہے؟

مسند بگلستاں بر تا شاہد و ساقی را
مسند باغ میں بچھا، تاکہ تو معشوق اور ساقی کا
لب گیری و رخ بوسی مے نوشی و گل بوئی
ہونٹ پکڑے، چہرہ چومے، شراب پئے اور پھول سونگھے

شمشاد خراماں کن آہنگِ گلستاں کن
شمشاد کو ٹہلا، گلستاں کا ارادہ کر
تا سرو بیاموزد از قدِ تو دلجوئی
تاکہ سرو تیرے قد سے دلجوئی سیکھے

اے غنچہ خنداں دولت بکہ خواہد بود
اے مسکراتے غنچے! تیری دولت کس کو حاصل ہوگی؟
اے شاخِ گلِ رعنا از بہر کہ میروئی
اے حسین پھول کی شاخ! تو کس کے لئے اگ رہی ہے؟

امروز کہ بازارت پر جوشِ خریدارست
آج جبکہ تیرا بازار، خریداروں سے پر جوش ہے
دریاب و بنہ گنجے از مایۂ نیکوئی
غنیمت سمجھ اور بھلائی کے سرمایہ سے خزانہ جمع کرے

آں طرہ کہ ہر مویش صد نافۂ چیں ارزد
وہ زلف جس کا ہر بال چین کے سو نافوں کی قیمت کا ہے
خوش بودے اگر بودے بوئیش ز خوشخوئی
کیا اچھا ہوتا، اگر اس میں خوش اخلاقی کی خوشبو ہوتی

چوں شمع نکوروئی در رہگذرِ بادست
خوبصورتی، شمع کی طرح ہوا کے راستہ پر ہے
طرف ہنرے بر بند از طورِ نکوروئی
خوبصورتی کے طریقے سے کسی ہنر کا فائدہ حاصل کرے

ہر مرغ بدستانے در گلشنِ شاہ آمد
ہر پرند ایک داستان لیکر، بادشاہ کے باغ میں آیا ہے
بلبل بنوا سازی حافظ بدعاگوئی
بلبل نغمہ سرائی کے ساتھ، حافظ دعاگوئی کے ساتھ

نسیمِ صبحِ سعادت بداں نشاں کہ تو دانی
اے خوش نصیبی کی صبح کی نسیم اس پتہ پر، جو تو جانتی ہے
خبر بکوئے فلاں بر بداں زباں کہ تو دانی
فلاں کے کوچہ میں خبر لیجا اس زبان میں جو تو جانتی ہے

تو پیکِ حضرتِ شاہی مراد و دیدہ براہست
تو شاہی دربار کی قاصد ہے، میری دونوں آنکھیں منتظر ہیں
کرم نما و بفرما خبر چناں کہ تو دانی
کرم کر، اور خبر سنا جس طرح کہ تو جانتی ہے

بگو کہ جانِ ضعیفم ز دست رفت خدارا
کہنا کہ میری کمزور جان ہاتھ سے چلی گئی، خدا کے لیے
ز لعلِ روح فزایت ببخش از آنکہ تو دانی
اپنے روح کو بڑھانے والے ہونٹ سے وہ چیز دے جو تو جانتا ہے

۱؎ دنیا میں ہر شخص جاہ و مال کا طالب ہے لیکن ہم تو صرف غم عشق چاہتے ہیں۔
۲؎ پھول نے بلبل سے کہا، تو کیا کہتی ہے یہ سب بیکار باتیں ہیں، شراب نوشی کر اور گل افشانی کر۔
۳؎ باغ میں مسند بچھا معشوق کے ہونٹوں اور رخسار کو بوسہ دے ساقی سے شراب پی اور پھول سونگھ۔
۴؎ اے شمشاد جیسے قد والے محبوب! باغ میں ٹہل تاکہ سرو تیرے قد سے دلجوئی حاصل کرے۔
۵؎ جو محبوب مسکراتے ہوئے غنچہ کی طرح ہے اور حسین پھول کی شاخ معلوم ہوتا ہے نہ معلوم اس کا وصل کس کے مقدر میں ہے۔
۶؎ محبوب کی زلف کے ہر بال میں سیکڑوں نافوں کی خوشبو ہے کاش اس میں خوش اخلاقی کی بھی خوشبو ہوتی۔
۷؎ رہگذر کی شمع کا ہوا سے بجھنے کا ہر وقت خطرہ ہے اسی طرح حسن بھی زوال پذیر ہے۔
۸؎ یعنی عشق و محبت کی زبان میں ہمارے محبوب تک ہمارا پیغام ہو بہو پہنچا دے۔

من[1] ایں دو حرف نوشتم چنانکہ غیر ندانست
میں نے یہ دو حرف اس طور پر لکھے ہیں کہ دوسرا نہ جان سکے

تو ہم زروئے کرامت چناں بخواں کہ تو دانی
تو بھی کرم کرکے ایسے طریقے پر پڑھ کہ تو ہی جانے

خیالِ[2] تیغِ تو بامن حدیثِ تشنہ و آبست
تیری تلوار کا خیال میرے لیے، پیاسہ اور پانی کا قصہ ہے

اسیرِ عشق چو کردی بکُش چناں کہ تو دانی
عشق کا قیدی جب تونے بنادیا تو مار ڈال جس طرح تو جانے

اُمیدؔ[3] در کمرِ زرکشت چگونہ ببندم
میں تیرے زری کے کمر بند سے امید کیسے باندھوں؟

دقیقہ ایست نگارا دراں میاں کہ تو دانی
اے معشوق! اس کے اندر ایک ایسا نکتہ ہے جس کو تو جانتا ہے

یکیست ترکی و تازی دریں معاملہ حافظ
اے حافظ! اس معاملہ میں ترکی، اور عربی زبان یکساں ہیں

حدیثِ عشق بیاں کن بہر زباں کہ تو دانی
عشق کی بات بیان کر، ہر اس زبان میں جو تو جانتا ہے

نو بہارست دراں کوش کہ خوشدل باشی
نو بہار ہے، اس میں کوشش کر کہ تو خوش دل رہے

کہ بسے گُل بدمد باز و تو در گِل باشی
اس لیے کہ پھر بہت پھول کھلیں گے، اور تو مٹی میں ہوگا

چنگ[4] در پردہ ہمی میدہدت پند و لے
چنگ پردہ کے اندر تجھے نصیحت دیتی ہے، لیکن

وعظت آنگاہ دہد سود کہ قابل باشی
تجھے وعظ اس وقت فائدہ دیگا جبکہ تجھ میں صلاحیت ہو

من نگویم کہ چہ کن باکہ نشیں و چہ بنوش
میں نہیں کہتا کہ، کہ تو کیا کر، کس کے ساتھ بیٹھ، اور کیا پی

کہ تو خود دانی اگر زیرک و عاقل باشی
اس لیے کہ تو خود جانتا ہے اگر تو ذہین اور سمجھدار ہے

در چمن[5] ہر ورقے دفترِ حالے دگرست
چمن میں ہر ورق، دوسرے کے حال کا دفتر ہے

حیف باشد کہ زحالِ ہمہ غافل باشی
افسوس ہوگا، کہ تو سب کے حال سے غافل ہو

گرچہ[6] راہیست پُر از بیم زما تا برِ دوست
ہم سے دوست تک، اگر چہ خطرناک راستہ ہے

رفتن آساں بود ار واقفِ منزل باشی
اگر تو منزل سے واقف ہے، تو جانا آسان ہے

نقدِ عمرت ببرد غصۂ دنیا بگزاف
دنیا کا رنج تیرے نقدِ عمر کو فضول بے بربادکر دے گا

گر شب و روز دریں قصۂ باطل باشی
اگر تو دن رات، اس باطل قصہ میں لگے گا

حافظا[7] گر مدد از بختِ بلندت باشد
اے حافظ! اگر بلند نصیبہ کی تجھے مدد حاصل ہوگی

صیدِ آں شاہدِ مطبوعِ شمائل باشی
تو تو اس پسندیدہ اخلاق معشوق کا شکار ہوگا

نورِ[8] خدا نمایدت آئینۂ مجردی
یکسوئی کا آئینہ، تجھے خدا کا نور دکھائے گا

از درِ ما در آ اگر طالبِ عشقِ سرمدی
ہمارے دروازے سے اندر آ، اگر تو دائمی عشق کا طالب ہے

بادہ[9] بدہ کہ دوزخ ار نامِ گناہِ ما برد
شراب دے، اسلیئے کہ اگر دوزخ ہمارے گناہ کا نام لے گا

آب بر آتشش زند معجزۂ محمدی
محمدی معجزہ اس کی آگ پر پانی چھڑک دے گا

شعبدہ بازیے کُنی ہر دم و نیست ایں روا
تو ہر وقت شعبدہ بازی کرتا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے

قَالَ رَسُوْلُ رَبِّنَا مَا اَنَا قَطُّ بِمَنْ اَدِیْ
ہمارے رب کے رسول نے فرمایا ہے میں وہ آدمی نہیں ہوں جسکو فریب دیا جائے

---

[1] میں نے رب سے چھپاکر تجھے خط لکھا ہے تو بھی چھپاکر پڑھ۔
[2] نہیں تیرے ہاتھوں قتل کی ایسی ہی تمنا ہے جیسے پیاسے کو پانی کی۔
[3] ظاہر ہے زری کی پٹی کے درمیان کمر ہے جو بہت دقیق اور باریک ہے۔
[4] چنگ اپنے پردۂ ساز سے نصیحت سناتی ہے اگر صلاحیت ہے تو نصیحت کا اثر ہوگا۔
[5] شعر [illegible]
[6] محبوب تک پہنچنے کا راستہ بہت خطرناک ہے واقف کار ہی منزل تک پہونچ سکتا ہے۔
[7] انسان مقدر ہی سے کسی معشوق کا شکار بن سکتا ہے۔
[8] جبتک انسان دنیاوی دھندوں سے قطع تعلق نہیں کرتا ہے خدا کا جلوہ اسے نظر نہیں آتا ہے۔
[9] شراب دے، آنحضور کا معجزہ جہنم کی آگ بجھا دے گا۔

ازچہ بعمد میکشی تیغ جفا بکین من
جان بوجھکر، تو ظلم کی تلوار میری دشمنی کے لیے کیوں سونتتا ہے

فکر نمی کنی مگر فی عمدٍ ممددہٖ[1]
شاید تو فی عمدٍ ممددۃ پر غور نہیں کرتا ہے

گر تو بایں جمال وفر سوئے چمن کنی گذر
اگر تو اس حسن اور شان شوکت سے چمن کی طرف گذرے

سوسن وسرو وگل بتو جملہ شوند مقتدی
سوسن، اور سرو، اور گلاب، سب تیرے مقتدی بنجائیں

نقش خودی[2] زلوح دل پاک کنی تو درزماں
خودی کا نقش دل کی تختی سے تو اس وقت دھو ڈالے گا

گر ببری بجان ودل راہ بکوئے بخردی
اگر تو عقل کے کوچہ کا دل اور جان سے راستہ طے کرے گا

جان ودلِ تو حافظا بستۂ دامِ آرزوست
اے حافظ! تیری جان اور دل تمنا کے جال میں گرفتار ہیں

اے متعلق خجل دم مزن از مجردی
اے شرمندگی میں پھنسے ہوئے، آزادی کا دم نہ بھر

نوش کن جامِ شرابِ یکمنی
شراب[3] کا یکمنی جام پی

تا بداں بیخ غم از دل برکنی
تاکہ اس کے ذریعہ تو دل سے غم کی جڑ اکھاڑ پھینکے

دل کشادہ دار چوں جامِ شراب
جام شراب کی طرح دل کو کشادہ رکھ

سر گرفتہ چند چوں خمِ دنی
تو کب تک کینہ مٹکے کی طرح سر پکڑے رہیگا؟

چوں زجامِ بیخودی رطلے کشی
جب بیخودی کے جام سے تو ایک رطل پی لیگا

کم زنی از خویشتن لافِ منی
پھر خودی کی ڈینگیں اپنے متعلق نہ مارے گا

دل بمے بربند تا مردانہ وار
شراب سے دل لگا، تاکہ مردانہ وار

گردنِ سالوس وتقویٰ بشکنی
تو، مکر اور تقوے کی گردن مروڑ دے

خاک[4] ساں شو در قدم نے ہمچو ابر
قدموں میں، خاک کی طرح بنجا، نہ کہ ابر کی طرح

جملہ رنگ آمیزی و تردامنی
سب رنگ آمیزی، اور تردامنی ہو

خیز و جہدے کن چو حافظ تا مگر
اُٹھ اور حافظ کی طرح کوشش کر تاکہ شاید!

خویش را در پائے معشوق افگنی
تو اپنے آپ کو معشوق کے قدموں میں ڈالدے

وقت[5] را غنیمت داں آنقدر کہ بتوانی
جس قدر تجھ سے ہو سکے وقت کو غنیمت جان

حاصل از حیات ایجاں یکدم ست تا دانی
اے جان! اگر تو سمجھے تو زندگی کا خلاصہ ایک سانس ہے

پیش زاہد از رندی دم مزن کہ نتواں گفت
رندی کی بات زاہد سے نہ کہہ، اسلیے کہ نہیں کہا جاسکتا ہے

با طبیب نامحرم حالِ دردِ پنہانی
چھپے درد کا حال نامحرم طبیب سے

بادعائے شبخیزاں اے شکر دہاں مستیز
اے شیریں دہن! شب بیداروں کی دعا سے نہ لڑ

در پناہ یک[6] اسمست خاتمِ سلیمانی
سلیمانی انگوٹھی ایک نام کی پناہ میں ہے

کام بخشیِ دوراں عمر در عوض دارد
زمانہ سے مقصد براری کا بدلہ پوری عمر ہے

جہد کن کہ از عشرت کامِ خویش بستانی
کوشش کر کہ عیش و مسرت سے تو اپنا مقصد نکال لے

[1] قرآن پاک میں جہنم کے متعلق آیا ہے اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃٌ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ۝ وہ آگ ان پر بند کردی جائیگی، وہ لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوں گے، یعنی تو مجھے قتل کرتا ہے اور اس آیت پر عقیدہ نہیں رکھتا ہے۔

[2] اگر تو عقل سے کام لے گا تو کبر و خودی کو فوراً چھوڑ دے گا۔

[3] جام کا منہ کھلا ہوا ہوتا ہے مٹکے کا سر بندھا ہوا ہوتا ہے۔

[4] ابر میں طرح طرح کے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور وہ تردامن ہوتا ہے۔

[5] نہ گذرے ہوئے سانس کا اعتبار نہ آنیوالے کا بھروسہ، صرف موجودہ سانس کا نام زندگی ہے۔

[6] حضرت سلیمان کی حکمرانی صرف اسم اعظم کی برکت کیوجہ سے تھی جو آپ کی انگوٹھی پر کھدا ہوا تھا جب اس ایک نام میں یہ اثر تھا تو شب بیدار اللہ کے بہت سے ناموں کا ورد کرتے ہیں ان کی قوت کا خود اندازہ لگالے۔

یوسفِ عزیزم رفت اے برادراں رحمے
اے بھائیو! رحم کرو، میرا پیارا یوسف چلا گیا
کز غمش عجب دیدم حالِ پیرِ کنعانی
اس لیے کہ اس کے غم میں میں نے کنعان کے بوڑھے کا عجب حال دیکھا ہے

میروی و مژگانت خونِ خلق میریزد
تو جاتا ہے، اور تیری پلکیں لوگوں کا خون بہاتی ہیں
تند میروی جاناں ترسمت فرو مانی[1]
اے جاناں! تو تیز چل رہا ہے میں ڈرتا ہوں تو تھک جائیگا

پندِ عاشقے بشنو وز رہِ طرب باز آ
عاشق کی نصیحت سن، اور خوشی اور مستی کے راستے سے لوٹ آ
کانہمہ نمی ارزد شغلِ عالمِ فانی
کیونکہ فانی دنیا کے یہ تمام شغل، کچھ قیمت نہیں رکھتے

زاہدِ پشیماں را شوقِ بادہ در جانست
شرمندہ زاہد کی جان میں شراب کا شوق ہے
عاقلا مکن کارے کآورد پشیمانی
اے عقلمند! وہ کام نہ کر جو شرمندہ کرے

خم شکن[2] نمیداند ایں قدر کہ صوفی را
مٹکا توڑنے والا، یہ نہیں جانتا ہے کہ صوفی کے
جنسِ خانگی باشد ہمچو لعلِ رمانی
گھر کی جنس رمانی لعل جیسی ہوتی ہے

گر تو فارغی از من اے نگارِ سنگیں دل
اے سنگین دل معشوق! اگر تو مجھ سے بے نیاز ہے
حالِ خود بخواہم گفت پیشِ آصفِ ثانی[3]
میں اپنا حال آصف ثانی کے سامنے جا کہوں گا

از درم در آمد مست میزنم بشادی دست
وہ مست ہو کر میرے دروازے سے آگیا میں خوشی میں تالیاں بجا رہا ہوں
روشنی بما پیوست راستی بہ ارمانی
اگر تو واقعی قیام کرے تو روشنی ہم سے وابستہ ہوگئی

باغباں[4] چو من زینجا بگذرم حرامت باد
اے باغباں! اگر میں یہاں سے چلا جاؤں تو تجھے حرام ہے
گر بجائے من سروے غیرِ دوست بنشانی
اگر میری جگہ دوست کے علاوہ تو کوئی سرو لگائے

دل[5] ز ناوکِ چشمت گوشہ داشتم لیکن
میں نے تیری آنکھ کے تیر سے دل کی حفاظت کر لی، لیکن
ابروئے کماندارت می برد بہ آسانی
تیرا کماندار ابرو اس کو آسانی سے لیجاتا ہے

جمع کن باحسانے حافظِ پریشاں را
ذرا سا احسان کر کے پریشان حافظ کو دل جمعی عطا کر دے
اے شکنجِ گیسویت مجمعِ پریشانی
اے وہ کہ تیری زلفوں کے خم پریشانی کا مجموعہ ہیں

ہزار جہد بکردم کہ یارِ من باشی
میں نے ہزاروں کوششیں کر لیں، کہ تو میرا دوست بنے
قرار بخشِ دلِ بیقرارِ من باشی
میرے بیقرار دل کو اطمینان بخشنے والا بنے

دمے بکلبۂ[6] احزانِ عاشقاں آئی
تھوڑی دیر کے لیے عاشقوں کی غموں کی کوٹھری میں آئے
شبے انیسِ دلِ سوگوارِ من باشی
کسی رات کو میرے غمگین دل کا دوست بنے

دراں[7] چمن کہ بتاں دستِ عاشقاں گیرند
جس چمن میں معشوق عاشقوں کی دستگیری کرتے ہیں
گرت ز دست بر آید نگارِ من باشی
اگر تجھ سے بھی یہ ہو سکے، تو تو میرا معشوق بنے

چراغِ دیدۂ شب زندہ دارِ من گردی
تو میری شب بیدار آنکھ کا چراغ بنجائے
امیرِ روزِ من و روزگارِ من باشی
میرے دن اور وقت کا بھی حاکم بن جائے

رفیق و مونس و آرامِ جانِ من گردی
تو میری جان کا آرام، رفیق اور مونس ہو جائے
انیسِ خاطرِ امیدوارِ من باشی
میرے امیدوار، دل کا دوست بھی بن جائے

[1] عاشقوں کے سامنے سے اس قدر تیزی سے نہ گذر اگر تھک کر رہجائے گا۔
[2] محتسب ہمارے مٹکے پھوڑتا پھرتا ہے اس کو یہ معلوم نہیں کہ صوفی بھی گھر کی کھینچی ہوئی بادۂ پندار سے مست ہے۔
[3] میں آصف ثانی سے جا کر شکایت کرونگا خواجہ صاحب آصف ثانی عماد بن محمود سلطان قطب الدین کے وزیر کو کہتے ہیں۔
[4] جب ہم دنیا سے چلے جائیں تو ہماری قبر پہ دوست کے قد کا سایہ ہو۔
[5] نظروں کے تیر سے تو میں دل کو بچا لے گیا لیکن ابرو سے نہ بچ سکا
[6] کلبۂ احزان غموں کی کوٹھری وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کے ہجر میں دن گذارے تھے۔
[7] جس چمن میں معشوق عاشقوں کی دستگیری کرتے ہیں اگر تو میری دستگیری کرے تو پھر تو میرا محبوب ہے۔
شرات بھر تیرا تصور میرے لیے بمنزلہ چراغ کے ہوتا ہے دن میں بھی اگر تو مجھے اپنا بنائے تو کیا کہنا

چو خسروانِ ملاحت بہ بندگاں نازند
جب حسنِ ملیح کے بادشاہ غلاموں پر فخر کریں
درآں میانہ خداوندگارِ من باشی
اس وقت تو میرا آقا بن جائے

ازآں عقیق کہ خونیں دلم زعشوۂ او
اس عقیق کا، جس کے ناز سے میں خونی دل ہوں
اگر کنم گلہ راز دارِ من باشی
اگر میں شکوہ کروں، تو میرا رازدار بن جائے

شود غزالۂ خورشید صیدِ لاغرِ من
سورج کا ہرن میرا کمزور شکار بن جائے
گر آہوئے چو تو یکدم شکارِ من باشی
اگر تجھ جیسا ہرن تھوڑی دیر کے لئے میرا شکار بنجائے

سہ بوسہ کز دولبت کردۂ وظیفۂ من
اپنے دو ہونٹوں کے تین بوسے جو تو نے میرے لیے مقرر کیے ہیں
اگر ادا نہ کنی وامدارِ من باشی
اگر تو ادا نہ کرے گا تو میرا قرض دار ہوگا

من ایں مراد نہ بینم بعمرِ خود کہ شبے
کیا میں اپنی زندگی میں یہ مراد حاصل نہ کر سکوں گا کہ کسی رات کو
بجائے اشکِ رواں درکنارِ من باشی
جاری آنسوؤں کی بجائے تو میری بغل میں ہو

من ارچہ حافظِ شہرم جوے نمی ارزم
میں اگرچہ شہر کا حافظ ہوں ایک جَو کے برابر بھی نہیں ہوں
مگر تو از کرمِ خویش یارِ من باشی
ہاں، اگر تو کرم کرکے میرا یار بن جائے

ہوا خواہِ توام جاناں و میدانم کہ میدانی
اے جاناں! میں تیرا خیر خواہ ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ تو جانتا ہے
کہ ہم نادیدہ میدانی و ہم ننوشتہ میخوانی
کیونکہ تو بدوں دیکھے بھی جانتا ہے، بدوں لکھے بھی پڑھ لیتا ہے

ملامت گرچہ دریابد زرازِ عاشق و معشوق
عاشق اور معشوق کے راز کو ملامت گر کیا جان سکتا ہے!
نہ بیند چشمِ نابینا خصوص اسرارِ پنہانی
اندھی آنکھ چھپے رازوں کو خاص طور پر نہیں دیکھتی ہے

ملک در سجدۂ آدم زمیں بوسِ تو نیت کرد
فرشتہ نے آدم کو سجدہ کرنے میں تیری زمین بوسی کی نیت کی
کہ در حسنِ تو چیزے یافت غیر از طورِ انسانی
کیونکہ اس نے تیرے حسن میں انسانی طور طریقہ کے علاوہ کوئی چیز پائی

خمِ زلفت بنامِ ایزد کنوں مجموعۂ دلہاست
بنامِ خدا تیری زلف کا خم، اب دلوں کا مجموعہ ہے
مبادا ایں جمع را یارب غم از بادِ پریشانی
ایخدا! اس جمع کو پریشانی کی ہوا کا غم نہ ہو

بیفشاں زلف و صوفی را ببازی و برقص آور
زلف کو جھٹک دے، اور صوفی کو بازی اور رقص میں لا
کہ از ہر رقعۂ دلقش ہزاراں بت بیفشانی
تاکہ اس کی گدڑی کے ہر پیوند سے تو ہزاروں بت جھاڑ دے

دریغا عیشِ شبگیرے کہ در خوابِ سحر بگذشت
اس رات بھر کے عیش پر افسوس ہے جو صبح کی نیند میں گذر گیا
بداں قدرِ وصال اے دل کہ در ہجراں فرومانی
اے دل وصل کی قدر جان لے کیونکہ تو ہجر میں عاجز آجائیگا

ملول از ہمرہاں بودن طریقِ کاردانی نیست
ساتھیوں سے تنگ ہونا، تجربہ کاری کا طریقہ نہیں ہے
بکش دشواریِ منزل بیادِ عہدِ آسانی
آسانی کے زمانہ کی یاد میں منزل کی دشواری کو برداشت کرلے

کشادِ کارِ مشتاقاں درآں ابروئے دلبند ست
عاشقوں کے کام کی کشادگی، اس دلبند ابرو میں ہے
خدارا یک نفس باما گرہ بکشاز پیشانی
خدا کے لئے تھوڑی دیر ہم سے پیشانی کے بل کھول

چراغ افروزِ چشمِ ما نسیمِ زلفِ خوبانست
ہماری آنکھوں کا چراغ روشن کرنیوالی، حسینوں کی زلف کی نسیم ہے
مبادا ایں قوم را یارب غم از بادِ پریشانی
اے خدا! اس قوم کو پریشانی کی ہوا کا غم نہ ہو

۱ جب حسین اپنے عاشقوں کی کثرت پر فخر کریں تو مجھے تو اپنا غلام شمار کرادے۔
۲ اگر تو میرا بنجائے تو پھر آفتاب میرا معمولی خادم ہو۔
۳ تو نے ہر روز تین بوسے میرے لئے مقرر کئے ہیں اگر نہ دے گا تو مقروض رہے گا۔
۴ حافظِ شہر ہونیکے باوجود کسی قابل نہیں ہوں اگر تو میرا یار بن جائے تو سب عزت کرنے لگیں۔
۵ ملامت گر ان رازوں کو نہیں سمجھ سکتا جو عاشق و معشوق کے درمیان میں ہیں وہ نابینا ہے۔
۶ تیری زلفوں کے پیچ میں عاشقوں کے دلوں کا مجمع ہے، خدا کرے ان کو پریشانی نہ ہو۔
۷ اگر تو اپنا جال دکھا دے تو صوفی رقص کرنے لگیں اور ان کی گدڑیوں میں جو بت پوشیدہ ہیں، وہ گر جائیں یعنی ریاکاری ظاہر ہو جائے۔
۸ شب وصال کو عیش سے گذارنا چاہیے تاکہ ہجر کی مصیبتیں آسان معلوم ہوں۔
۹ اگر تیری پیشانی پر بل ہوتے ہیں تو عاشق رنجیدہ رہتے ہیں تو کشادہ پیشانی ہوتا ہے تو ان کا دل خوشی محسوس کرتا ہے۔

امید از بخت میدارم کہ بکشایم کمر بندت
مجھے نصیب سے امید ہے کہ تیرا پٹکا کھولوں گا
باں شرطیکہ خاطر را ازیں مسکیں نرنجانی
اس شرط پر کہ تو اس مسکین سے طبیعت کو رنجیدہ نہ کرے

خیالِ چنبرِ زلفش فریبت میدہد حافظ[1]
اے حافظ! تجھے اس کی زلف کے حلقہ کا خیال فریب دیتا ہے
نگر تا حلقۂ اقبالِ ناممکن نجنبانی
دیکھ لے تاکہ تو ناممکن اقبال کا حلقہ نہ ہلائے

یَا مُبْسِمًا یُحَاکِی دُرْجًا مِّنَ اللَّآلِی
اے میرے حال پر موتیوں کی ڈبیہ سے مسکرانے والے![2]
یارب چہ در خور آمد گردت خطِ ہلالی
یا خدا! تیرے چاروں طرف خطِ ہلالی کس قدر اچھا ہے

اے با غمِ تو ما را پیوندِ لایزالی
اے دلبر تیرے غم کے ساتھ ہمارا ہمیشہ کا جوڑ ہے
قَدْ ضَاعَ فِی هَوَاکُمْ عُمْرِی وَلَا اُبَالِی
تمہاری محبت میں میری عمر ضائع ہوگئی اور میں پرواہ نہیں کرتا ہوں

یَا رَاکِبًا تَبَرَّا عَنْ مُوْثِقِی وَهَادِی
اے سوار! میرے قید کرنیوالے اور رہنمائی کرنیوالے کی خبر حاصل کر[3]
اِنْ تَلْقَ اَهْلَ نَجْدٍ کَلِّمْ بِحَسْبِ حَالِی
اگر تم نجد والوں سے ملو، میرے حسب حال بات کہدینا

مسند فرازِ دولت کانِ شکوہ و شوکت
دولت کی مسند کو بلند کرنیوالا، دبدبے اور شوکت کی کان
برہانِ ملک و ملت بونصر بو المعالی
ابونصر ابوالمعالی، برہان الملک والملت ہے

دل رفت و دیدہ خوں شد تن خست و جاں رواں شد
دل چلا گیا، آنکھیں خون ہوگئیں، جسم خستہ ہوگیا، جان روانہ ہوگئی
فِی الْعِشْقِ مُوْجِبَاتٌ یَاتِیْنَ بِالتَّوَالِی
عشق کے ایسے لوازمات ہیں جو پے در پے آتے ہیں

حالی خیالِ وصلت خوش میدہد فریبم[4]
فی الحال تو تیرے وصل کا خیال مجھے حسین فریب دے رہا ہے
تا خود چہ نقش بازد ایں صورتِ خیالی
دیکھئے! پھر یہ خیالی صورت کیا نقش کھینچے؟

خوئے تو گر نگردد ہرگز دگر نگردد[5]
اگر تیری عادت نہ بدلے گی، ہرگز پھر چکر نہ لگائیں گے
عاشق دریں جوانب عارف دریں حوالی
عاشق ان جانبوں کا، عارف اس علاقہ کا

دل خوں شدم ز دستش از نازِ چشمِ مستش
اس کے ہاتھوں میرا دل خون ہوگیا اُس کی مست آنکھ کے ناز سے
اُوْذِیْتُ بِالرَّزَایَا مَا لِلْهَوٰی وَ بَالِی
میں مصیبتوں سے ستایا گیا، محبت اور میرے دل کو کیا ہوا ہے؟

لِلّٰهِ ذَاتُ رَمْلٍ کَانَ الْحَبِیْبُ فِیْهَا[6]
اُس ریگستان کی خوبی خدا ہی کے لیے ہے، جس میں دوست تھا
طَارَ الْعُقُوْلُ طُرًّا مِنْ نَظْرَةِ الْجِبَالِ
سب عقلیں اڑ گئیں، پہاڑوں کو تکنے سے

اَلْعَیْنُ مَا تَنَامَتْ شَوْقًا بِاَهْلِ نَجْدٍ
اہل نجد کے عشق میں میری آنکھ نہیں سوئی
وَالْقَلْبُ ذَاتُ وَجْدٍ فِیْ دَابَّةِ الْغَزَالِ
اور دل غمگین ہے، ہرن کی رفتار کے معاملہ میں

دلبر بہ عشقبازی خونم حلال دانست[7]
دلبر نے عشقبازی میں میرا خون حلال سمجھا
فتوائے عشق چونست اے زمرۂ موالی
اے آقاؤوں کی جماعت! عشق کا فتویٰ کیا ہے؟

مے دہ کہ گرچہ گشتم نامہ سیاہِ عالم
شراب دے اگرچہ میں دنیا بھر کا سیاہ اعمال نامہ والا بن گیا ہوں
نومید کے تواں بود از لطفِ لایزالی
ابدی مہربانی سے ناامید کب ہوا جا سکتا ہے؟

از چار چیز مگذر گر زیرکی و عاقل[8]
چار چیزوں کو نہ چھوڑ اگر تو عقلمند اور ذہین ہے
امن و شرابِ بیغش معشوق و جائے خالی
اطمینان، اور بے میل شراب، معشوق اور تنہائی کی جگہ

---

[1] تیرا وصل تو محال ہے لیکن تیری زلف کا خیال ہمیں فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے
[2] یعنی مسکرانے والے "منہ کو" موتیوں کی ڈبیہ قرار دیا ہے۔
[3] اصل شعر میں تبرّا ہے جس کے کوئی صحیح معنی نہیں بنتے ہیں میں نے تخبر کا نسخہ قائم کر کے ترجمہ کر دیا ہے۔ موثق اور ہادی سے مراد محبوب ہے۔
[4] ابھی تو تیرے وصل کا خیال مجھے بہت حسین فریب دیرہا ہے دیکھئے آئندہ کیا رنگ لاتا ہے۔
[5] اگر تو نے اپنی بدخوئی نہ چھوڑی تو عاشقوں کا جمگھٹا ختم ہوجائے گا۔
[6] ذات رمل، ریگستان یعنی اس صحرا میں محبوبہ تھی اب صرف ہم اسکے پہاڑوں کو دیکھ کر دیوانے بن رہے ہیں۔
[7] محبوب ہمارے خون کو حلال سمجھتا ہے کیا فتویٰ یہی ہے۔
[8] انسان کو چار چیزوں کو نہ چھوڑنا چاہیے، امن، خالص شراب، معشوق اور گوشۂ تنہائی۔

ساقی[1] بیار جامے وز خلوتم بروں کن — تا دربدر[2] بگردم قلاش و لا ابالی

اے ساقی! ایک جام لا، اور مجھے خلوت سے نکال — تاکہ میں مفلس اور بے پروا در بدر پھروں

صافیست جامِ خاطر در دورِ آصفِ عہد — قم فاسقنی رحیقاً اَصفی مِنَ الزُلال

آصفِ زمانہ کے دور میں، دل کا جام صاف ہے — کھڑا ہو، اور مجھے نیر پانی سے بھی زیادہ صاف شراب پلا

اَلملکُ[2] مِن تباھی مِن جدّہٖ وجدّہٖ — یارب کہ جاوداں باد ایں قدر و ایں معالی

ملک قائم ہے، اس کے نصیبہ و عظمت پر فخر کی وجہ سے — اے خدا یہ مرتبہ اور یہ بلندیاں ہمیشہ رہیں

چوں نیست نقشِ دوراں در ہیچ حال ثابت[3]

جبکہ دنیا کا نقش کسی حالت میں جمنے والا نہیں

حافظ مکن شکایت گر مے خوریم حالی

اے حافظ! شکایت نہ کر، اگر اب ہم شراب پی رہے ہیں

دیوان تمام شد

---

[1] خلوت نشینی ابھی نہیں مست ہوکر دربدر مارا پھرنا چاہیئے۔

[2] سلطنت کا بقا اسی وجہ سے ہے کہ وہ آصف کی عظمت اور تخت پر فخر کررہی ہے۔

[3] اب موقع ہے تو شراب ہی پی لیجائے دنیا ناپائیدار ہے۔

متفرقاتِ دیوانِ خواجہ حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ

افراد

زبختِ[۱] خویش بود شکر بیشمار مرا — کہ در دیار خریدہ است درِ دیار مرا
میں اپنے نصیبہ کا بے شمار شکر ادا کرتا ہوں — کہ مجھے وطن میں یار کے در نے خرید لیا ہے

در دلم جائے گرفتہ است چناں صورتِ دوست — ہر کجا می نگرم جلوۂ حُسنِ رُخِ اوست
دوست کی صورت نے میرے دل میں ایسی صورت اختیار کرلی ہے — جہاں بھی دیکھتا ہوں اُس کے رُخ کے حُسن کا جلوہ ہے

حریمِ[۲] منزلِ جاناں چو حافظ ست اے دل — خوشا کسیکہ دریں گفتگوئے محرمِ ماست
اے دل! جبکہ حافظ، محبوب کی منزل کا مقام ہے — وہ کس قدر خوش نصیب ہے جو اس گفتگو میں ہمارا محرم ہے

امروز روئے حُسنِ تو با پردہ ظاہر ست — در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست
آج تیرے حُسن کا چہرہ پردے کے باوجود ظاہر ہے — میں حیرت میں ہوں کہ کل کا وعدہ کس لیے ہے؟

شکرِ فیضِ[۳] تو چمن چوں کند اے ابرِ بہار — کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست
اے ابرِ بہار! تیرے فیض کا چمن کس طرح شکر ادا کرے؟ — اسلیے کہ خواہ کانٹا ہے خواہ پھول سب تیرے پروردہ ہیں

کجا لبِ صدف و شکرِ ابرِ نیساں ست — کہ از شمار بروں قطرہائے باراں ست
کہاں سیپ کا منہ اور ماہِ نیساں کے ابر کا شکریہ؟ — اس لیے کہ بارش کے قطرے شمار سے باہر ہیں

اگرچہ[۴] دلبرِ من ہمچو یوسف است صبیح — و لیکن از سر تا پا فتادہ است ملیح
اگرچہ میرا دلبر، یوسف کی طرح صبیح ہے — لیکن سر سے پیر تک ملیح واقع ہوا ہے

مگر ز کوئے تو آمد نسیمِ وقتِ صباح — کہ زندہ گشت ببوئے لطیف ارواح
شاید، صبح کے وقت نسیم تیرے کوچہ سے آئی — اس لیے کہ اس کی لطیف خوشبو سے رُوحیں زندہ ہوگئیں

شبے[۵] با عارضش مہ ہمسری کرد — دِگر شب دیدمش قالب تہی کرد
چاند نے ایک رات اس کے رخسار سے مقابلہ کیا — میں نے اس کو دوسری رات دیکھا کہ اس کا جسم گھٹ گیا

صد شکر کہ آفتابِ مقصود — از بُرجِ امید چہرہ بنمود
سو شکر کہ مقصد کے آفتاب نے — اُمید کے برج سے چہرہ دکھایا

اے پسر دولتِ باقی بادب یافتہ اند — در طلب باش کہ آنہا بطلب یافتہ اند
اے فرزند! باقی رہنے والی دولت لوگوں نے ادب سے پائی ہے — طلب میں لگا رہ، کیونکہ انہوں نے جستجو سے پائی ہے

گر[۶] برتنِ من زباں شود ہر موئے — یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد
اگر میرے جسم کا ہر رونگٹا زبان بنجائے — ہزاروں میں سے میں تیرا ایک شکر بھی نہیں ادا کرسکتا ہوں

بوئے مُشکِ ختن از بادِ صبا می آید — ایں چہ بادیست کز و بوئے شما می آید
بادِ صبا سے ختن کے مشک کی خوشبو آتی ہے — یہ کیسی ہوا ہے، جس سے تمہاری خوشبو آرہی ہے؟

متفرقات

[۱] اس شعر میں دو جگہ در دیار ہے ایک جگہ در دیار ہے دوسری جگہ در۔ دیار ہے۔

[۲] حریم اور حرم خانہ کعبہ کے چاروں طرف کی زمین کو کہا جاتا ہے لیکن فارسی والے مطلقاً مکان کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

[۳] ابر بہار کا کانٹے پر بھی احسان ہے اور پھول پر بھی۔

[۴] صباحت وہ حُسن ہے جو گورے رنگ کے ساتھ ہو اور ملاحت وہ حُسن ہے جو گندم گوں رنگ کے ساتھ ہو۔

[۵] قالب تہی کرد یعنی اس کا جسم گھٹ گیا۔

[۶] اگر بدن کے ہر رونگٹے کی زبان ہو اور وہ شکریہ ادا کرے تو بھی ہزاروں میں سے ایک شکریہ بھی ادا نہ کر سکے گا۔

ترکِ مہ پیکرِ من بیں کہ چساں میگذرد
میرے چاند جیسے جسم والے معشوق کو دیکھنا، کہ کیسے جا رہا ہے؟

آفتابیست پسِ پردہ نہاں میگذرد
آفتاب ہے جو پردے کے پیچھے چھپ کر جا رہا ہے

سودائے ۱ سرِ زلفش تا در سرِ ما باشد
اس کی زلفوں کا عشق جب تک ہمارے سر میں رہے

گر عاشقِ سودائیش باشیم روا باشد
اگر ہم اس کے دیوانے عاشق رہیں، تو مناسب ہے

ہر کرا ۲ خاکِ سرِ کوئے تو مسکن باشد
جس کا ٹھکانا تیرے کوچہ کی زمین ہو

پیشِ او گلشنِ فردوس چو گلخن باشد
اس کے نزدیک جنت کا باغ بھاڑ کی طرح ہے

صد شکر کہ روز شد شبِ ہجر
سو شکر ہیں کہ ہجر کی رات، دن ہو گئی

دل یافت خلاص از تبِ ہجر
دل کو ہجر کے بخار سے نجات مل گئی

اے ۳ دل از شامِ فراقِ روزِ ہجراں غم مخور
اے دل! ہجر کے دن کی، جدائی کی رات کا غم نہ کر

شامِ ہجراں ہم رسد روزے بپایاں غم مخور
ہجر کی شام بھی کسی دن ختم ہوگی، غم نہ کر

گرم ۴ چو مشک در آتش نہند و بگدازند
اگر مجھے مشک کی طرح آگ میں رکھیں اور پگھلائیں

خیالِ نقشِ نگارم نمیرود ز ضمیر
معشوق کے نقش کا خیال میرے دل سے نہ مٹے گا

با یارِ بیوفا نتواں گفت حالِ خویش
بے وفا یار سے اپنے دل کا حال نہیں کہا جا سکتا ہے

آں بہ بود کہ دم کشم از قیل و قالِ خویش
یہ مناسب ہے کہ اپنی قیل و قال سے دم بخود ہو جاؤں

آنکہ او فکرِ دلِ شاد نکردہ است منم
جس نے خوشدلی کی کوئی فکر نہ کی، وہ میں ہوں

وآنکہ ایں غمکدہ آباد نکردہ است منم
جس نے یہ غمکدہ آباد نہ کیا، وہ میں ہوں

ذرہ ۵ ساں من در ہوائے مہرِ رخسارِ توام
میں تیرے رخسار کے آفتاب کی محبت میں، ذرہ کی طرح ہوں

نیست یک ساعت قرار از شوقِ دیدارِ توام
مجھے تیرے دیدار کے شوق سے تھوڑی دیر کیلئے بھی قرار نہیں ہے

صد شکر کہ یافت جانم آرام
سو شکر ہیں کہ میری جان کو راحت ملی

از دولتِ وصلِ آں دلآرام
اس دل کو آرام پہنچانے والے وصل کی دولت کے ذریعہ

ز جورِ چرخ بفریادم اے مسلماناں
اے مسلمانو! آسمان کے ظلم سے میری فریاد ہے

فلک بکینِ منِ مستمند بستہ میاں
مجھ مظلوم کے کینہ پر، آسمان نے کمر کسی ہے

گفتم اے ۶ دوست شدم عاشقِ آں روئے چو ماہ
میں نے کہا، اے دوست اس چاند جیسے چہرہ کا میں عاشق ہو گیا ہوں

گفت لاحول ولا قوۃ الا باللہ
اس نے کہا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ

از بُت ۷ پرست وقتِ تماشائے حسنِ او
اس کے حسن کے دیدار کے وقت، بت پرست سے

حرفے بغیرِ نامِ خدا نشنود کسے
کوئی حرف خدا کے نام کے سوا کوئی نہیں سنتا ہے

جاناں خیالِ روئے تو دارند ہر کسے
اے محبوب! تیرے چہرے کا ہر شخص کو خیال ہے

لیکن ز من نباشد مشتاق تر کسے
لیکن مجھ سے زیادہ مشتاق کوئی نہ ہوگا

نیست در خیلِ بتاں مثلِ تو شاہِ عجبی
معشوقوں کی جماعت میں تجھ جیسا کوئی عجیب بادشاہ نہیں ہے

بر فلک نیست چو رخسارِ تو ماہِ عجبی
آسمان پر تیرے رخسار جیسا کوئی عجیب چاند نہیں۔

تشریحات

۱ جب تک اس کی زلف کا عشق ہے ہم شیدائی اور عاشق بنے رہیں گے۔

۲ جس کو تیرا کوچہ میسر آ جائے وہ جنت کو بھی پسند نہ کریگا۔

۳ ہجر کی شام کی بھی لامحالہ کوئی انتہا ہے لہٰذا اس قدر غم نہ کرنا چاہیئے۔

۴ میرے دل کو آگ پر رکھ کر بھی اگر پگھلائیں گے تو محبوب کا نقش اس سے نہ مٹے

۵ ذرہ کو سورج کا عاشق مانا جاتا ہے یعنی میں بھی ذرہ کی طرح تیرا عاشق ہوں اس ہی لئے بے قرار ہوں۔

۶ میں نے محبت کا اظہار کیا اس پر اس نے لاحول پڑھی۔

۷ ہر اچھی چیز کو دیکھ کر زبان پر خدا کا نام آ جاتا ہے اس کا حسن اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس کو دیکھ کر بت پرست بھی خدا کا نام لینے لگتا ہے۔

رُباعیات

دیروز چناں وصالِ جاں افروزے ۔۔۔ وامروز چنیں فراقِ عالم سوزے
کل ایسا جاں افروز وصل! ۔۔۔ اور آج ایسا عالم سوز فراق!

افسوس کہ در دفترِ عمرم ایام ۔۔۔ آنزا روزے نویسد ایں را روزے
افسوس کہ زمانہ میری زندگی کی کتاب میں ۔۔۔ اس کو بھی ایک دن لکھے گا، اور اس کو بھی ایک دن

عمرے زپئے مراد ضائع دارم ۔۔۔ در دورِ فلک چیست کہ نافع دارم
مقصد کے پیچھے میری ایک عمر برباد ہوگئی ہے ۔۔۔ دورِ فلک سے مجھے کیا مفید بات ملی ہے

وقتے کہ بگفتم کہ ترا دوست شدم ۔۔۔ شد دشمنِ من بیں کہ چہ طالع دارم
جس وقت میں نے کہا کہ میں تیرا دوست ہوگیا ہوں ۔۔۔ وہ میرا دشمن بن گیا، دیکھو میرا کیسا نصیب ہے!

جز نقشِ تو در نظر نیاید مارا ۔۔۔ جز کوئے تو رہگذر نیاید مارا
تیری صورت کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا ہے ۔۔۔ تیرے کوچہ کے سوا ہمیں کوئی راستہ نہیں آتا ہے

خوش آمدہ خواب جملہ را در دیدہ ۔۔۔ حقّا کہ بچشم در نیاید مارا
سب کی آنکھوں میں نیند، پیاری لگتی ہے ۔۔۔ بیشک، ہماری آنکھوں میں وہ نہیں آتی ہے

برگیر شرابِ طرب انگیز و بیا ۔۔۔ پنہاں ز رقیبِ سفلہ بستیز و بیا
مستی پیدا کرنے والی شراب لے اور آجا ۔۔۔ در پردہ کمینہ رقیب سے لڑ پڑ، اور آجا

مشنو سخنِ خصم کہ بنشین و مرو ۔۔۔ بشنو ز من اے نگار برخیز و بیا
دشمن کی یہ بات نہ سن کہ بیٹھ جا اور مت جا ۔۔۔ اے معشوق! میری سن لے، اٹھ اور آجا

روزیکہ فلک از تو بریدہ است مرا ۔۔۔ کس بالبِ پُر خندہ ندیدہ است مرا
جس دن سے آسمان نے مجھے تجھ سے جدا کیا ہے ۔۔۔ کسی نے مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ مجھے نہیں دیکھا ہے

چنداں غمِ ہجرانِ تو بر دل دارم ۔۔۔ من دانم و آنکہ آفریدہ است مرا
تیرے فراق کا کس قدر دل پر غم رکھتا ہوں ۔۔۔ میں جانتا ہوں، اور وہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے

با دوست نشین و بادہ و جام طلب ۔۔۔ بوسہ ز لبِ سروِ گل اندام طلب
دوست کے ساتھ بیٹھ، اور شراب اور جام مانگ ۔۔۔ گلاب جیسے جسم والے، سرو کے لب کا بوسہ مانگ

مجروح چو راحتِ جراحت طلبد ۔۔۔ تو از سرِ زخم نیشِ حجام طلب
زخمی، جب زخم کی راحت چاہیے ۔۔۔ تو زخم کے منہ سے حجام کا نشتر مانگ

گفتم کہ مگر باتفاقِ اصحاب ۔۔۔ در موسمِ گل ترک کنم بادۂ ناب
میں نے کہا کہ شاید دوستوں کے ساتھ متفق ہو کر ۔۔۔ موسم بہار میں، خالص شراب چھوڑ دوں گا

بلبل ز چمن نعرہ زناں داد جواب ۔۔۔ کاے بیخبراں فصلِ گل و ترکِ شراب
بلبل نے چمن سے نعرہ لگاتے ہوئے جواب دیا ۔۔۔ کہ اے بے خبرو! پھول کا موسم اور ترکِ شراب!

رباعیات

۱؎ کبھی اس کا جاں افروز وصل میسر آتا ہے، کبھی عالم سوز ہجر، مجھے اس پر افسوس ہے کہ زمانہ روزِ وصال اور روزِ ہجر دونوں کو برابر لکھے گا حالانکہ روزِ ہجر روزِ وصال سے بہت دراز ہوتا ہے دونوں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں۔

۲؎ جب سے میں نے تیری دوستی کا دم بھرا ہے تو میرا دشمن ہوگیا ہے۔

۳؎ ہماری نظروں میں صرف تو سمایا ہوا ہے اور ہم سوائے تیرے کوچہ کے کوئی راستہ نہیں جانتے اور ہم میٹھی نیند سے محروم ہیں۔

۴؎ رقیب تجھے اپنے پاس بٹھاتا ہے اور اٹھ کر میرے پاس آنے کو منع کرتا ہے تو اس کا کہنا نہ مان۔

۵؎ عاشق زخم دل کی دوا کا طلبگار نہیں ہوتا ہے اور زخم کا سوا ہونا چاہتا ہے۔

اے سایۂ آفتاب زلفِ سیہت
اے وہ! کہ تیری کالی زلف، آفتاب کا سایہ ہے
شب پوشِ مہِ دو ہفتہ طرفِ کُلہت
تیری ٹوپی کا کنارہ چودھویں کے چاند کا شب پوش ہے

اے شامِ شمیم آر خطِ مشکینت
اے وہ کہ تیرا مُشکین خط، خوشبو لانے والی شام ہے
وے صبح جنیبت کشِ روئے چو مہت
اے وہ کہ تیرے چاند جیسے چہرے کیلئے صبح کوتل گھوڑا لیکر چلنے والی ہے

امروز کہ روزِ فرقتِ احباب ست
آج جبکہ دوستوں کی جدائی کا دن ہے
نہ وقت نشاط و عیش با اصحاب ست
دوستوں کے ساتھ نشاط اور عیش کا وقت نہیں ہے

ہُشیار از آں نیم کہ مے نیست مرا
میں اس وجہ سے ہوش میں نہیں ہوں کہ میرے پاس شراب نہیں ہے
مے ہست ولے حریفِ مے نایاب ست[۱]
شراب ہے، لیکن شراب کا ساتھی نایاب ہے

آں تُرکِ پری چہرہ کہ قصدِ جاں داشت
وہ پری چہرہ معشوق، جو جان لینا چاہتا تھا
مانندِ پری چہرہ زمن پنہاں داشت
پری کی طرح، مجھ سے چہرہ چھپاتا تھا

گفتم[۲] دہنِ تنگِ تو گوئی ہیچ ست
میں نے کہا تیرا تنگ مُنہ گویا کہ معدوم ہے
گفتا کہ ازیں ہیچ طمع نتواں داشت
اس نے کہا اس معدوم سے کوئی اُمید نہیں رکھی جا سکتی

با آنکہ دلم در غمِ عشقت خونست
اس کے باوجود کہ میرا دل تیرے غمِ عشق میں خون ہے
حُسنِ تو ز ادراکِ خرد بیرونست
تیرا حُسن، عقل کی سمجھ سے باہر ہے

در زلفِ تو بیچارہ غریب ست دلم
میرا دل تیری زلف میں بے چارہ مسافر ہے
یا رب کہ در آں شامِ غریبم چونست
اے خدا اس شام میں میرا مسافر کس حالت میں ہے؟

تو بدری و خورشید ترا بندہ شدہ ست
تو پورا چاند ہے، اور سورج تیرا غلام بنا ہے
تا بندۂ تو شدہ ست تابندہ شدہ ست
جب سے تیرا غلام بنا ہے، چمکدار بنا ہے

زاں زوئے[۳] کہ از شعاعِ روئے مہِ تو
اس لیے کہ تیرے چاند جیسے چہرے کی شعاعوں سے
خورشید منیر و ماہ تابندہ شدہ ست
آفتاب روشن، اور چاند، چمکدار بنا ہے

تا مرغِ دلم فتادہ در دامِ غمت
جب سے میرے دل کا پرند تیرے غم کے جال میں پھنسا ہے
بر گردنِ دل شدہ ست صمصامِ غمت
دل کی گردن پر تیرے غم کی تلوار رکھی گئی ہے

از شربتِ جامِ دہر بیزار شدم
زمانہ کے جام کے شربت سے میں بیزار ہو گیا ہوں
تا خونِ جگر میخورم از جامِ غمت
جب سے تیرے غم کے جام سے خونِ جگر پی رہا ہوں

در کوئے تو بیخانہ تر از ما کس نیست
تیرے کوچہ میں ہم سے زیادہ بے گھر کوئی نہیں ہے
نزدیکِ تو بیگانہ تر از ما کس نیست
تیرے نزدیک ہم سے زیادہ بیگانہ کوئی نہیں ہے

در سلسلۂ[۴] طنابت آویختہ ام
تیری طنابوں کی زنجیر میں لٹکا ہوا ہوں
زاں زوئے کہ دیوانہ تر از ما کس نیست
اس لیے کہ ہم سے زیادہ دیوانہ کوئی نہیں ہے

در شوخی و دلبری بُتِ من طاقست
میرا معشوق، شوخی اور دلبری میں طاق ہے
بیچارہ دلم بوصلِ او مشتاق ست
میرا بیچارہ دل اس کے وصل کا مشتاق ہے

پستہ دہن و لالہ رُخ و سیمیں تن
وہ پستہ دہن اور لالہ رُخ، چاند جیسے جسم والا ہے
شیر ۲ بہا سخن و ظریف و سیمیں ساق ست
شیر [illegible] خوش طبع، اور چاند جیسی پنڈلیوں والا ہے

۱؎ مجھے شراب تو میسر ہے لیکن کوئی ایسا دوست نہیں ہے جو ساتھ بیٹھکر شراب پیے۔
۲؎ معشوق کے مُنہ کو ایک موہوم نقطہ اور معدوم مانا جاتا ہے۔
۳؎ چاند اور سورج تیرے نور سے نور حاصل کرتے ہیں لہٰذا وہ تیرے غلام ہیں۔
۴؎ دیوانے کو زنجیروں میں باندھا جاتا ہے اس لیے میں تیری زلف میں بندھا ہوا ہوں۔

مے نوش کہ عمرِ جاودانی این ست
شراب پی، اس لیے کہ ہمیشگی کی زندگی یہی ہے
خاصیت روزگارِ فانی این ست
فانی زمانے کی خاصیت یہی ہے

ہنگامِ گل[۱] و لالہ و یاراں سرمست
گل اور لالہ کا موسم، اور سرمست دوست
خوش باش دمے کہ زندگانی اینست
تھوڑی دیر خوشی منالے، اس لیے کہ زندگی یہی ہے

اے روئے تو در لطافت آئینۂ رُوح
اے وہ کہ تیرا چہرہ پاکیزگی میں روح کا آئینہ ہے
خواہم کہ قدمہائے خیالت بصبوح
میں چاہتا ہوں کہ تیرے خیال کے قدموں کو صبح کے وقت

در دیدہ[۲] کشم ولے زخارِ مژہ ام
آنکھوں میں رکھوں، لیکن اپنی پلکوں کے کانٹوں سے
ترسم کہ شود پائے خیالت مجروح
ڈرتا ہوں کہ تیرے خیال کے قدم زخمی ہو جائیں گے

اوّل بوفا جامِ وصالم در داد
پہلے تو وفا سے مجھے وصل کا جام دیا
چوں مست شدم دامِ جفا را سرداد
میں جب مست ہو گیا، ظلم کا جال ڈال دیا

با آبِ[۳] دو دیدۂ پر از آتشِ دل
دونوں روتی ہوئی آنکھوں اور آگ بھرے دل کے ساتھ
خاکِ رہِ او شدم بباد م دردار
اس کے راستہ کی خاک بنا، تو اس نے مجھے ہوا میں اُڑا دیا

بایار[۴] کسے دست در آغوش نکرد
دوست کی بغل میں کسی نے ہاتھ نہیں ڈالا
تا ترکِ زر و سیم و دل و ہوش نکرد
جب تک اس نے سونا، چاندی اور دل، اور ہوش کو نہ چھوڑا

بے زر بُتِ شوخ دیدہ ہرگز سخنم
شوخ چشم معشوق نے بغیر روپے پیسے کے ہرگز میرا کلام
باآنکہ چو گوہرست در گوش نکرد
حالانکہ گوہر کی طرح ہے، کان میں نہ ڈالا

با مردمِ نیک بد نمی باید بود
نیکوں کے ساتھ بد نہ بننا چاہیے
در بادیہ دیو و دَد نمی باید بود
جنگل میں دیو اور درندہ نہ بننا چاہیے

مفتونِ معاشِ خود نمی باید شد
اپنی روزی کا دیوانہ نہ بننا چاہیے
مغرور بعقلِ خود نمی باید بود
اپنی عقل پر مغرور نہ بننا چاہیے

با مے بکنارِ جوئے می باید بود
نہر کے کنارے مع شراب کے ہونا چاہیے
وز غصہ کنارہ جوئے می باید بود
اور رنج سے کنارہ کرنے والا، ہونا چاہیے

چوں[۵] عمرِ گرانمایہ مادہ روزست
جب ہماری قیمتی عمر دس روزہ ہے
خنداں لب و تازہ روئے می باید بود
خنداں لب، اور تازہ رو ہونا چاہیے

تا حکمِ قضائے آسمانی باشد
جب تک آسمانی فیصلہ کا حکم جاری ہوگا
کارِ تو ہمیشہ شادمانی باشد
تیرا کام ہمیشہ خوشی ہوگا

گر[۶] جامِ مے زدستِ تو نوش کنم
اگر میں تیرے ہاتھ سے شراب کا جام پیوں
سرمایۂ عمرِ جاودانی باشد
تو جاودانی عمر کا سرمایہ ہوگا

جاں در خمِ زلفِ یار جائے طلبید
جان نے یار کی زلف کے خم میں جگہ چاہی
وز بند و بلا گرہ کشائے طلبید
اور قید و بلا سے کسی گرہ کشا کو چاہا

جاں پیشکشِ ابروئے جاناں کردم
میں نے جان محبوب کے ابرو کو پیش کردی
چوں حاجبِ او نعل بہائے[۷] طلبید
جبکہ اس کے ڈیوڑھی بان نے نذرانہ چاہا

---

۱ اصل زندگی یہی ہے کہ دنیا میں یہ سب عیش میسر آجائیں۔
۲ تیری خیالی تصویر کو آنکھوں میں لانا چاہتا ہوں لیکن اندیشہ ہے کہ پلکوں سے اس کے قدم زخمی نہ ہو جائیں۔
۳ عناصرِ اربعہ کا اجتماع پر لطف ہے۔
۴ جب تک انسان دنیا کی ہر قیمتی چیز کو قربان نہ کرے وصل دوست میسر نہیں آتا ہے، در گوش نکرد کے لطف سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔
۵ شعر: اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے
۶ اگر معشوق کے ہاتھ سے جام شراب مل جائے تو عمرِ جاودانی حاصل ہو سکتی ہے۔
۷ نعل بہا، وہ رقم کہلاتی ہے جو کسی حملہ آور فوج کو دے کر واپس کر دیا جائے یہاں مراد نذرانہ ہے

خطّت بسراپردۂ مہ میگردد
تیرا سبزۂ خط چاند کے خیمہ کے گرد گھوم رہا ہے
بازارِ تکبّرت تبہ میگردد
تیرے تکبّر کا بازار تباہ ہو رہا ہے

مارا خجل و دروغ زن میگفتی
تو ہمیں شرمندہ اور جھوٹا کہتا تھا
پیداست کہ روئے کہ سیہ میگردد
ظاہر ہے کہ کس کا کالا منہ ہو رہا ہے؟

راہِ طلب تو خارِ غمہا دارد
تیری طلب کے راستہ میں غموں کے کانٹے ہیں
کو راہروے کہ ایں قدمہا دارد
وہ راہرو کہاں ہے جو اس راہ میں قدم رکھے؟

دانی تو کہ روشناسِ عقلست آں کو
تجھے معلوم ہے کہ وہ شخص عقلندی سے روشناس ہے جو
بر چہرۂ جاں چراغِ غمہا دارد
جان کے سامنے غموں کا چراغ رکھے

روزیکہ فراق از تو دورم سازد
جس دن فراق تجھ سے مجھ کو دور کر دے
در ہجرِ رخِ تو ناصبورم سازد
تیرے رخ کے ہجر میں مجھے بے صبر بنادے

گر چشم بروئے دگرے باز کنم
اگر میں کسی دوسرے کے چہرے پر نظر ڈالوں
حقِ نمکِ حُسنِ تو کورم سازد
تو تیرے حُسن کا حقِ نمک مجھے اندھا بنادے

زاں بادۂ دیرینہ کہ دہقاں پرورد
وہ پرانی شراب جو دہقان نے کھینچی ہے
در دہ کہ بساطِ غم طے خواہم کرد
دے تاکہ غم کی بساط لپیٹ دوں

مستم کن و بیخبر ز احوالِ جہاں
مجھے مست، اور دنیا کے احوال سے بے خبر بنادے
تا سِرِ جہاں بگویمت اے سرہ مرد
تاکہ اے عقلمند انسان! میں تجھ سے دنیا کا راز کہوں

شیریں دہناں عہد بپایاں نبرند
شیریں دہن والے، عہد پورا نہیں کرتے ہیں
صاحب نظراں ز عاشقی جاں نبرند
نظر باز، عاشقی سے جان نہیں بچاتے ہیں

معشوق چو بر مراد و رائے تو بود
اگر معشوق تیرے مقصد اور رائے کا ہو
نامِ تو میانِ عشقبازاں نبرند
تو عشقبازوں میں تیرا نام شمار نہ کریں گے

گویند کسانیکہ ز مے پرہیزند
جو لوگ شراب سے پرہیز کرتے ہیں وہ کہتے ہیں
زانساں کہ بمیرند چناں برخیزند
جس طرح سے مریں گے، اسی طرح سے اٹھیں گے

ما با مے و معشوق از یں میم مدام
ہم ہمیشہ شراب، اور معشوق کے ساتھ اس لئے رہتے ہیں
تا بو کہ ز خاک ما چناں انگیزند
تاکہ شاید قبر سے، ہمیں اسی حالت میں اٹھائیں

من بندۂ آنکسم کہ شوقے دارد
میں اس کا غلام ہوں جو کچھ شوق رکھتا ہو
بر گردنِ خود ز عشق طوقے دارد
اپنی گردن میں عشق کا طوق رکھتا ہو

تو لذّتِ عشق و عاشقی کے دانی
تو عشق اور عاشقی کی لذّت کب جان سکتا ہے؟
ایں بادہ کسے خورد کہ ذوقے دارد
یہ شراب وہی پیتا ہے جو کچھ ذوق رکھتا ہو

نے دولتِ دنیا بستم می ارزد
دنیا کی دولت، ظلم کی قیمت نہیں رکھتی ہے
نے لذّتِ ہستی بہ الم می ارزد
نہ ہستی کی لذّت تکلیف کی قیمت رکھتی ہے

نے ہفت ہزار سال شادیِ جہاں
دنیا کی سات ہزار سال کی خوشی
با محنتِ پنج روزۂ غم می ارزد
پنج روزہ غم کی تکلیف کی قیمت نہیں رکھتی ہے

ردیف د

۱ تو ہمیں جھوٹا بتاتا تھا لیکن خط نکل آنے سے منہ تیرا کالا ہوا ہے
۲ راہِ عشق بہت پر خار ہے اس راستہ میں جو غموں کا چراغ سامنے رکھے وہی عقلمند ہے۔
۳ تیرے سوا اگر کسی رُخ پر نظر ڈالوں تو خدا کرے میں اندھا ہو جاؤں۔
۴ اگر معشوق بالکل فرمانبردار ہو جائے تو پھر عشقبازی ختم ہے، عشقبازی کا کمال یہی ہے کہ ہجر اور درد ہو۔
۵ مشہور ہے کہ آدمی جس حالت میں مرے گا اسی حالت میں قیامت میں قبر سے اٹھے گا میں اسی لیے ہر وقت شراب اور معشوق ساتھ رکھتا ہوں تاکہ حشر میں اسی حالت میں اٹھوں۔
۶ ایک ظلم برداشت کرنے سے دنیا کی دولت ملے تو بھی نہ خریدنا چاہئے تھوڑا سا غم برداشت کرکے اگر رہتی دنیا تک خوشی ملے تو بھی بیکار ہے۔

ہجرت کہ بجانِ منِ درویش آمد — گوئی نمکے بر جگرِ ریش آمد
تیرا فراق، جو مجھ فقیر کی جان کو لگا ہے — گویا، زخمی جگر پر نمک لگا ہے

ترسیدم ازیں کز تو شوم روزے دور — دیدی کہ ہماں روزِ بدم پیش آمد
میں ڈرتا تھا، کہ کسی دن تجھ سے دور نہ ہو جاؤں — تو نے دیکھا، مجھے وہی برا دن پیش آ گیا

یا کار بکامِ دلِ مجروح شود — یا مُرغِ دلم بر فلکِ رُوح شود
یا تو سب کام زخمی دل کے منشار کے مطابق ہو جائے — یا میرا مُرغِ دل، رُوح کے آسمان پر چلا جائے

امیدِ من آنست بدرگاہِ خدا — کابوابِ سعادت ہمہ مفتوح شود
خدا کے دربار سے مجھے یہ امید ہے — کہ نیک بختی کے تمام دروازے کھل جائیں گے

یاری چو نکرد بختِ شوریدہ چہ سود — شادی چو ندید ایں دلِ غمدیدہ چہ سود
پریشان نصیبہ نے جب مدد نہ کی تو کیا فائدہ؟ — اس غمزدہ دل نے جب خوشی نہ دیکھی تو کیا فائدہ؟

آں مردمِ[1] دیدہ بود کز دیدہ برفت — چوں مردمِ دیدہ نیست در دیدہ چہ سود
وہ، آنکھ کی پُتلی تھا جو نگاہ کے سامنے سے چلا گیا — جب آنکھ میں پُتلی ہی نہیں آنکھ سے کیا فائدہ؟

ایامِ شباب ست شراب اولیٰ تر — ہر غمزدہ مست و خراب اولیٰ تر
جوانی کا زمانہ ہے، شراب زیادہ بہتر ہے — ہر غم زدہ کا مست اور خراب ہونا زیادہ بہتر ہے

عالم ہمہ سر بسر خرابست و خراب — در جائے خراب ہم خراب اولیٰ تر
عالم تمام خراب ہی خراب ہے — خراب جگہ میں خراب ہی رہنا زیادہ بہتر ہے

مقطعات

دوش[2] از غمِ تو دمے نخفتم تا روز — یاقوت بنوکِ مژہ سفتم تا روز
تیرے غم کی وجہ سے کل رات، دن نکلنے تک گھڑی بھر نہ سویا — پلکوں کی نوک سے صبح تک یاقوت بیندھتا رہا

دردت کہ بکس نمیتوانم گفتن — ہم با دلِ خویشتن بگفتم تا روز
تیرا درد جو میں کسی سے نہیں کہہ سکتا ہوں — اپنے دل سے ہی دن نکلنے تک کہتا رہا

مردی ز کنندۂ[3] درِ خیبر پرس — اسرارِ کرم ز خواجۂ قنبر پرس
بہادری کی بات خیبر کا دروازہ اکھاڑ نے والے سے پوچھ — کرم کے راز قنبر کے آقا سے پوچھ

گر تشنۂ فیضِ رحمتی اے حافظ — سرچشمۂ آں ز ساقیِ کوثر پرس
اے حافظ اگر تو فیضِ رحمت کا پیاسا ہے — اس کا سرچشمہ کوثر کے ساقی سے پوچھ

چشمِ تو کہ سحرِ[4] بابلست استادش — حقا کہ فسوں ہا نرود از یادش
تیری آنکھ، جس کا استاد، بابل کا جادو ہے — یقیناً جادو اس کی یاد سے نہیں مٹتے ہیں

آں زلف کہ کرد حلقہ در گوشِ جمال — آویزہ ز دُرِّ نظمِ حافظ بادش
وہ زلف جس نے حسن کے کان میں حلقہ ڈالا ہے — اس کے لیے حافظ کی نظم کے موتی کا آویزہ چاہئے

چوں[5] جامہ ز تن بر کشد آں مشکیں خال — حقا کہ نظیرِ خود ندارد بمثال
جب وہ مشکین تل والا، بدن سے کپڑے اتارتا ہے — یقیناً اپنے جیسی کوئی مثال نہیں رکھتا ہے

در سینہ دلش ز نازکی بتواں دید — مانندۂ سنگریزہ در آبِ زلال
نزاکت کی وجہ سے سینہ میں اس کا دل دیکھا جا سکتا ہے — جیسے کہ نیر پانی میں پتھر کا ٹکڑا

---

[1] محبوب کو آنکھ کی پُتلی قرار دیا ہے یعنی جب محبوب نگاہوں کے سامنے نہیں ہے تو گویا آنکھ بغیر پُتلی کے ہے جو بیکار ہے۔

[2] میں تمام رات نہ سویا اور خون کے آنسو روتا رہا تیرا درد کسی سے بیان بھی نہیں کر سکتا دل سے ہی رات بھر بیان کرتا رہا۔

[3] حضرت علی کرم اللہ وجہ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا تھا اور آپ ہی کے ایک غلام کا نام قنبر تھا ساقیِ کوثر سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

[4] مشہور ہے کہ ہاروت و ماروت دو جادو گر تھے جو چاہِ بابل میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں اسی لیے بابل کا جادو مشہور ہے۔

[5] معشوق کے جسم کو صفائی میں شفاف پانی اور دل کو سنگدلی کی وجہ سے سنگریزہ سے تشبیہ دی ہے۔

ہرگز نہ کنی یادِ من اے شمعِ چگل
اے چگل کی شمع! تو مجھے کبھی یاد نہیں کرتی ہے
نزدِ من اگرچہ ہست کارے مشکل
اگرچہ میرے نزدیک یہ مشکل کام ہے

دردے کہ من از غمِ تو دارم در دل
تیرے غم سے جو درد میں، دل میں رکھتا ہوں
دل داند و من دانم و من دانم و دل
دل جانتا ہے اور میں، میں جانتا ہوں اور دل

از یارِ[1] وفا کہ دید تا من بینم
یار سے کس نے وفا دیکھی ہے کہ میں دیکھوں؟
راحت ز جفا کہ دید تا من بینم
ظلم سے آرام کس نے دیکھا ہے کہ میں دیکھوں؟

تو عمرِ منی و بیوفائی چہ کنم
تو میری عمر ہے اور بے وفا ہے، کیا کروں؟
از عمر وفا کہ دید تا من بینم
عمر سے کس نے وفا دیکھی ہے کہ میں دیکھوں؟

آوازِ پرِ مرغِ طرب می شنوم
میں مستی کے پرند کے پروں کی آواز سنتا ہوں
یا نفحۂ گلزارِ ادب می شنوم
یا ادب کے گلزار کی خوشبو سونگھتا ہوں

یا باد حدیثے ز لبش میگوید
یا ہوا اس کے ہونٹ کی بات کہہ رہی ہے
القصہ حکایتے عجب می شنوم
القصہ، میں عجب حکایت سنتا ہوں

جاناں چو شبے با تو بروز آوردم
اے جاناں! جبکہ میں نے تیرے ساتھ تمام رات گذار دی
گر بے تو دمے بر آورم نامردم
اگر تیرے بغیر ایک سانس بھی لوں تو میں نامرد ہوں

از مرگ[2] نہ ترسم پس ازیں کآبِ حیات
اس کے بعد میں مرنے سے نہ ڈروں گا، اس لیے کہ آبِ حیات
از چشمۂ نوشِ آبدارت خوردم
میں نے تیرے آبدار، شہد کے چشمہ سے پی لیا ہے

در آرزوئے بوس و کنارت مردم
میں تیرے بوس و کنار کی آرزو میں مر گیا
در حسرتِ لعلِ آبدارت مردم
میں تیرے آبدار لعل کی حسرت میں مر گیا

قصہ چہ کنم دراز کوتاہ کنم
قصہ کو دراز کیا کروں، مختصر کرتا ہوں
باز آ باز آ کز انتظارت مردم
آ جا، آ جا اس لیے کہ میں تیرے انتظار میں مر گیا

من ترکِ تو اے نگار آساں ندہم
اے معشوق! میں تجھے آسانی سے نہیں چھوڑوں گا
تا پیشِ زمردِ[3] خطت جاں ندہم
جب تک تیرے زمرد جیسے خط کے سامنے جان نہ دیدونگا

یاقوتِ لبت کہ قوتِ جانست مرا
تیرا یاقوت جیسا ہونٹ جو میری جان کی روزی ہے
آنرا بدو صد ہزار مرجاں ندہم
اس کو لاکھوں مرجان کے بدلے میں بھی نہیں دونگا

اے باد بگو ز راہِ دلداریِ من
اے ہوا! میری دلداری کیوجہ سے کہدے
آنرا کہ نباشد غمے از زاریِ من
اس سے جس کو میرے نالہ وزاری سے کوئی غم نہیں ہے

تو خفتہ بمہدِ عیش شبہائے دراز
تو لمبی راتوں میں عیش کے گہوارے میں سویا پڑا ہے
آیا داری خبر ز بیداریِ من
آیا تجھے میری بیداری کی بھی خبر ہے؟

تا کے[4] بود ایں جور و جفا کردنِ تو
کب تک ہوگا تیرا یہ ظلم و ستم کرنا؟
بیہودہ ہمہ خلائق آزردنِ تو
تمام مخلوق کو بیکار ستانا

تیغ ست بدستِ اہلِ دل خون آلود
اہل دل کے ہاتھ میں، خون آلود تلوار ہے
گر بر تو رسد خونِ تو بر گردنِ تو
اگر تیرے لگ جائیگی تو تیرا خون تیری ہی گردن پہ ہوگا

---

[1] معشوق، زندگی ہے اور زندگی نے کسی سے وفا نہیں کی لہٰذا معشوق سے وفا کی امید فضول ہے۔
[2] جب تیرے ہونٹ سے مجھے آبِ زندگی مل گیا ہے تو اب موت کا ڈر نہیں ہے۔
[3] زمرد سبز پتھر ہے جس سے سبزہ خط کو تشبیہ دی جاتی ہے، یاقوت سُرخ پتھر ہے جس سے ہونٹوں کو تشبیہ دیجاتی ہے، مرجان، مونگا۔
[4] اہلِ دل کو ستانا اچھا نہیں ہے اُن کی بد دعا خون آلود تلوار ہے اگر تو اس سے ہلاک ہوگیا تو، تو خود ذمہ دار ہے۔

گویند کہ فردوس[1] بریں خواہد بود
لوگ کہتے ہیں کہ فردوس بریں ہوگا

فردا مئے ناب و حورِ عیں خواہد بود
کل، خالص شراب اور خوش چشم حوریں ہوں گی

گر ما مے و معشوق گزیدیم چہ باک
اگر ہم نے، شراب اور معشوق پسند کیا تو کیا ہوا؟

چوں عاقبت کار چنیں خواہد بود
جب انجام کار یہی ہوگا

اے شرم زدہ غنچۂ مستور از تو
اے وہ کہ چھپا ہوا غنچہ تجھ سے شرمندہ ہے

حیران و خجل نرگسِ مخمور از تو
نشیلی نرگس تیری وجہ سے حیران اور شرمندہ ہے

گل با تو برابری کجا آرد کرد
گل، تیری کیا برابری کر سکتا ہے؟

کو نور زمہ دارد و مہ نور از تو
کیونکہ اس کو چاند سے نور حاصل ہوتا ہے اور چاند کو تجھ سے

آں بازِ طرب شکار[2] در دستم نہ
وہ مستی کا شکار کرنے والا باز، میرے ہاتھ میں دیدے

آں ساغر چوں نگار در دستم نہ
وہ معشوق جیسا ساغر، میرے ہاتھ میں دیدے

آں زلف[2] چو زنجیر بہ پیچد بر خود
وہ زلف جو زنجیر کی طرح خود بخود بل کھا رہی ہے

دیوانہ شدم بیار و بر دستم نہ
میں دیوانہ ہو گیا، لا، اور میرے ہاتھ میں ڈال دے

اے[3] کاش کہ بخت سازگاری کردے
اے کاش نصیبہ موافقت کرتا

یا چرخِ زمانہ باز یاری کردے
یا زمانہ کا آسمان دوبارہ مدد کرتا

از دست جوانیم چو بر بود عناں
جب جوانی میرے ہاتھ سے باگ چھڑا لیگی

پیری چو رکاب پایداری کردے
کاش بڑھاپا رکاب کی طرح پائداری کرتا

با شاہد[4] شوخ و شنگ و با بربط و نے
شوخ اور چنچل معشوق اور بربط اور نے کے ساتھ

کنجے و کبابے و یکے شیشۂ مے
ایک گوشہ ہو اور کباب اور ایک بوتل شراب ہو

چوں گرم شود زبادہ مارا رگ و پے
جب ہماری رگیں اور پٹھے، شراب سے گرم ہو جائیں

منت نبرم بیک جو از حاتم طے
تو میں حاتم طائی کا ایک جو برابر احسان نہ اٹھاؤں

گر ہمچو من افتادۂ ایں دام شوی
اگر تو میری طرح اس جال میں پھنس جائے گا

اے بس کہ خرابِ بادہ و جام شوی
یقیناً شراب اور جام سے خراب ہو جائے گا

ما عاشق و رند و مستِ عالم سوزیم
ہم عاشق اور رند اور عالم سوز مست ہیں

با ما منشیں وگرنہ بدنام شوی
ہمارے ساتھ نہ بیٹھ، ورنہ تو بدنام ہو جائے گا

ماہے[5] کہ قدش بسرو میماند راست
وہ چاند جس کا قد سرو کی طرح سیدھا ہے

آئینہ بدست و روئے خود می آراست
ہاتھ میں آئینہ تھا اور چہرے کو سنوار رہا تھا

دستار چہ پیشکشش کردم گفت
میں نے عمامہ اس کو پیش کیا، تو بولا

وصلم طلبی زہے خیالے کہ تراست
تو میرا وصل چاہتا ہے، تیرا خیال بھی کیا عجیب ہے

ہر[6] روز دلم بزیر بارے دگرست
میرا دل ہر روز ایک نئے بوجھ کے نیچے ہے

در دیدۂ من زہجر خارے دگرست
میری آنکھ میں ہجر کا ایک نیا کانٹا ہے

من جہد ہمی کنم قضا میگوید
میں کوشش کرتا ہوں، تو تقدیر کہتی ہے

بیروں زکفایتِ تو کارے دگرست
تیرے بس سے باہر کا ایک اور کام ہے

---

[1] جب کل جنت میں معشوق اور شراب ملے گی، اگر ہم نے آج دنیا میں یہ چیزیں حاصل کر لیں تو کیا ہو گیا۔

[2] بازِ طرب شکار سے مراد شراب ہے، دیوانہ کو زنجیروں سے جکڑا جاتا ہے میں دیوانہ ہوں۔ مجھے زلف کی زنجیر سے جکڑ دے۔

[3] رکاب کا لفظ عناں کی مناسبت اور پائداری کی بنا پر استعمال کر دیا ہے یعنی جوانی تو چلی گئی اب کچھ بڑھاپا ہی ٹھہرے۔

[4] یعنی جب عیش کے تمام اسباب مہیا ہو جائیں تو پھر مجھے کسی کا احسان برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے

[5] یعنی مجنونانہ خیال ہے کہ تجھے میرا وصل میسر آ سکے۔

[6] میں وصل کی کوشش کرتا ہوں لیکن تقدیر کہتی ہے ابھی ایک اور مشکل در پیش ہے جو تیرے بس سے باہر ہے۔

رباعیات

آں لعل در آبگینۂ سادہ بیار
وہ لعل، سادے شیشہ میں لا
واں محرم و مونس ہر آزادہ بیار
اُس ہر آزاد کے محرم اور مونس کو لا

چوں میدانی کہ مدت عالم خاک
جب تو جانتا ہے کہ خاکی عالم کی مدت
بادست ازو در گذر و بادہ بیار
ہوا ہے، اس سے قطع نظر کر، اور شراب لا

شب رفت بپایان و حکایت باقیست
رات بیت چلی، اور قصہ باقی ہے
شکر تو بگفتیم و شکایت باقیست
ہم نے تیرا شکریہ تو ادا کر دیا، شکایت باقی ہے

گستاخی ما ز حد بروں رفت و لے
ہماری گستاخی حد سے بڑھ گئی، لیکن
الْمِنَّۃُ لِلّٰہ کہ عنایت باقیست
خدا کا شکر ہے، کہ عنایت باقی ہے

پیوستہ خیالِ دوست در پیشِ من ست
دوست کا خیال ہمیشہ میرے سامنے ہے
گوئی غم و دردِ عشقِ او خویشِ من ست
گویا اس کے عشق کا درد و غم میرا رشتہ دار ہے

گر تیرِ جفا زند کہ ترکش نہ کنم
اگر وہ ظلم کا تیر چلائے تو بھی میں اس کو نہ چھوڑوں گا
قرباں شدنم بہ پیشِ او کیشِ من ست
اس کے سامنے قربان ہو جانا ہی میرا مذہب ہے

وقت ست کہ بلبل بہ گل آواز کند
وقت ہے کہ بلبل، پھول کو پکارے
ایں نالہ در افزاید واں ناز کند
یہ نالہ کرے اور وہ ناز کرے

بلبل سخن فصاحت آغاز کند
بلبل فصاحت کی باتیں شروع کرے
تا گل بہ شکر خندہ دہن باز کند
تاکہ پھول مسکرا کر منہ کھول دے

بلبل بہزار خوں گلے حاصل کرد
بلبل نے ہزار مصیبت سے ایک پھول حاصل کیا
باد از سرِ غیرتش پریشاں دل کرد
ہوا نے غیرت سے اس کا دل پریشان کر دیا

طوطی بہوائے شکرے دل خوش بود
طوطی شکر کی خواہش میں خوش دل تھی
مرگ آمد و نقشِ املش باطل کرد
موت آئی اور اس نے اس کی امید کا نقش مٹا دیا[1]

از بادِ اجل چو من سر افگندہ شوم
جب موت کی ہوا سے میں سر ڈال دوں
وز بیخ درخت عمر بر کندہ شوم
اور عمر کے درخت کی جڑ سے میں اکھیڑ دیا جاؤں

زنہار گلم بجز صراحی مکنید
ہرگز میری مٹی سے صراحی کے علاوہ کچھ نہ بنانا
تا بو کہ ز بادہ پر شود زندہ شوم
ہو سکتا ہے کہ جب وہ شراب سے بھر جائے تو میں زندہ ہو جاؤں[2]

عشقِ رخِ یار بر منِ زار مگیر
مجھ عاجز پر یار کے رخ کے عشق کی گرفت نہ کر
بر خستہ دلاں خردہ بیکبار مگیر
خستہ دلوں کی یکبار گی خطا نہ پکڑ

صوفی چو تو رسمِ رہرواں میدانی
اے صوفی! اگر تو راہگیروں کی رسم جانتا ہے
بر مردمِ رند نکتہ بسیار مگیر
تو رند انسانوں پر زیادہ نکتہ چینی نہ کر

کم گوی و بجز مصلحتِ خویش مگوی
کم بول، اور اپنی مصلحت کے علاوہ کچھ نہ کہہ
چیزیکہ نپرسند تو از پیش مگوی
جو بات تجھ سے نہ پوچھیں پہلے سے نہ کہہ

گوشِ تو دو دادند و زبانِ تو یکے
تجھے دو کان دیئے ہیں، اور ایک زبان
یعنے کہ دو بشنو و یکے بیش مگوی
یعنی کہ دو سُن، اور ایک سے زیادہ نہ کہہ[3]

[1] ہر شخص اپنی تمنا پوری کرنیکی فکر میں ہے لیکن موت سب امیدوں کو ختم کر دیتی ہے۔

[2] جب میں مر جاؤں تو میری مٹی سے صرف صراحی بنانا ممکن ہے کہ جب وہ شراب سے بھری جائے تو میں زندہ ہو جاؤں۔

[3] خدا نے ایک زبان اور دو کان اسی لیے دیئے ہیں کہ جب دو باتیں سنے تو ایک بات کہے۔

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو — پروردہ شدم بناز در نعمتِ تو
میں وہ ہوں جو تیری قدرت سے پیدا ہوا ہوں — تیری نعمت میں ناز سے پلا ہوں

صد[۱] سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد — تا جرمِ منست بیش یا رحمتِ تو
آزمائش کے طور پر سو سال گناہ کروں گا — تاکہ معلوم ہو کہ میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت

اے باد حدیثِ من نہانش میگو — سوزِ دلِ من بصد زبانش میگو
اے صبا! میری بات اس سے چپکے چپکے کہنا — اس سے میرے دل کا سوز، سو زبانوں سے کہنا

اما نہ بد[۲] آنساں کہ ملالش گیرد — میگو سخنے و در میانش میگو
لیکن نہ اس طور پر کہ اس کو رنج پہونچے — اس سے بات کہنا اور درمیانہ طرز پر کہنا

لب باز مگیر یک زماں از لبِ جام — تا برداری کامِ جہاں از لبِ جام
تھوڑی دیر کے لیے بھی، جام کے ہونٹ سے ہونٹ ہٹا — تاکہ تو دنیا کا مقصد جام کے ہونٹ سے حاصل کرے

در[۳] جامِ جہاں چو تلخ و شیریں بہم ست — ایں از لبِ یار خواہ و آں از لبِ جام
دنیا کے جام میں چونکہ کڑوا اور شیریں ملا ہوا ہے — یہ معشوق کے ہونٹ سے حاصل کر اور وہ جام کے ہونٹ سے

عشقِ تو منِ غمزدہ را دل خوں کرد — واں خوں زرہِ دو دیدہ ام بیروں کرد
تیرے عشق نے مجھ غم زدہ کے دل کا خون کر دیا — اور وہ خون میری دونوں آنکھوں کے ذریعہ باہر نکال دیا

تن کاست[۴] مرا ز عشق لیکن عشقت — چوں حسنِ تو ہر روز غمم افزوں کرد
عشق سے میرا جسم گھٹ گیا، لیکن تیرے عشق نے — تیرے حسن کی طرح روز بروز میرے غم کو بڑھایا

دلدار بمن گفت مدار اندیشہ — دل خوش کن و بر صبر گمار اندیشہ
معشوق نے مجھ سے کہا، فکر نہ کر — دل خوش رکھ، اور اپنی فکر کو صبر میں لگا

کو صبر[۵] و چہ دل کانچہ دلش میدانی — یک قطرۂ خونست و ہزار اندیشہ
صبر کہاں، اور دل کیا اس لئے کہ جس کو تو دل سمجھتا ہے — خون کا ایک قطرہ ہے اور ہزاروں فکریں

چشمان و خطت بیکدگر پیوستند — بر خونِ منِ دل شدہ محضر بستند
تیری آنکھوں اور خط نے باہمی اتفاق کر لیا — مجھ گم شدہ دل کے خون پر انھوں نے محضرنامہ تیار کیا

قاضی[۶] تو دریں مسئلہ فتویٰ چہ دہی — خطیست پریشاں و گواہاں مستند
اے قاضی تو اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دیتا ہے؟ — خط تو پریشان ہے اور گواہ مست ہیں

در صحبت[۷] آں کسے کہ صاحب ہنرست — گر زہر خوری بداں کہ شہد و شکرست
اس شخص کی صحبت میں جو ہنرمند ہے — اگر تو زہر بھی کھائے، سمجھ لے کہ شہد اور شکر ہے

اما نفسے بصحبت نااہلاں — گر خلدِ بریں بود کہ نارِ سقرست
لیکن تھوڑی دیر کے لیے بھی نااہلوں کی صحبت میں — اگر خلد بریں ہو تو جہنم کی آگ ہے

اے دوست[۸] ترا دوست کہ دارد جز من — با خوئے بدت پائے کہ دارد جز من
اے دوست! تجھے میرے سوا کون دوست بنا سکتا ہے؟ — تیری بدخوئی کے مقابلہ میں میرے سوا کون ٹھہر سکتا ہے؟

ہر جا کہ روم خوئے بدت خواہم گفت — تا ہیچ کست دوست ندارد جز من
میں جہاں بھی جاؤں گا تیری بداخلاقی بیان کروں گا — تاکہ تجھے میرے سوا کوئی دوست نہ بنائے

۱۔ شعر [illegible] میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت [illegible] جب حساب کرے گا

۲۔ شکوہ ایسی زبان سے کرنا چاہئے جو محبوب کو ناگوار نہ ہو۔

۳۔ دنیا میں تلخ و شیریں ملا جلا ہے۔ لبِ محبوب سے شیریں حاصل کرو اور لبِ جام سے تلخ۔

۴۔ میرا جسم تو روز بروز گھٹنے پر ہے لیکن عشق تیرے حسن کی طرح روز افزوں ہے۔

۵۔ محبوب کہتا ہے دل میں صبر کا خیال پیدا کر، جس کو وہ دل سمجھا ہے وہ تو ایک قطرۂ خون ہے اور اس میں سو فکر ہیں۔

۶۔ گواہ عقلمند ہونے چاہئیں لیکن اس کی آنکھیں نشہ میں ہیں اور خط پریشان ہے ظاہر ہے کہ قاضی یہی فتویٰ دیگا کہ خط پریشان اور گواہ مست ہونگی وجہ سے مقدمہ ناقابلِ سماعت اور جرم غیر ثابت ہے۔

۷۔ ہنرمند کی صحبت میں اگر زہر بھی ملے تو اس کو شہد اور شکر سمجھنا چاہیے نااہل کی صحبت میں اگر جنت بھی ملے تو نہ اختیار کرنی چاہئے۔

۸۔ میں تمام دنیا میں تیری بدمزاجی کا چرچا کروں گا تاکہ تجھ سے کوئی دوستی کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

صوفی بسماع دست ازآں افشاند
قوالی میں صوفی اس لیے رقص کرتا ہے

تاآتش دل بحیلۂ بنشاند
کہ کسی تدبیر سے دل کی آگ بجھائے

عاقل داند کہ دایہ گہوارۂ طفل
عقلمند جانتا ہے، کہ دایہ بچے کے پالنے کو

از بہرِ سکونِ طفل می جنباند
بچے کو آرام دینے کے لیے ہلاتی ہے

اے چشمِ تو بادام و دہانت پستہ
اے وہ، کہ تیری آنکھیں بادام ہیں، اور تیرا منہ پستہ ہے

از پستہ و بادامِ تو جانم خستہ
تیرے پستہ اور بادام سے میری جان خستہ ہے

آیا بود آنکہ ما و تو بنشینیم
آیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو اور ہم بیٹھیں؟

تو ساقی و من حریف و درہا بستہ
تو ساقی ہو اور میں دوست! اور دروازے بند ہوں

گفتی کہ بمہ نظر کن و انگار منم[1]
تو نے کہا چاند کو دیکھ لے اور سمجھ لے کہ میں ہوں

روئے توام آرزوست مہ را چکنم
مجھے تو تیرے چہرے کی تمنا ہے، چاند کا کیا کروں؟

مہ چون تو کجا بود کہ اندر ماہے
چاند تجھ جیسا کہاں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ چاند ایک مہینہ میں؟

یک شب چو رخت باشد و باقی چو تنم
ایک رات تیرے رخ کی طرح ہوتا ہے اور باقی راتوں میں میرے جسم کی طرح

من بودم و خورشید و مہے چوں ناہید
میں تھا اور آفتاب اور زہرہ جیسا چاند

بودیم بہم نشستہ چوں صبحِ امید
ہم لے بیٹھے تھے، امید کی صبح کی طرح

روز آمد[2] و خورشیدِ من از من برمید
دن نکلا اور میرا سورج مجھ سے بھاگ گیا

روز آمدن و رفتنِ خورشید کہ دید
دن نکلنا اور سورج کا چلا جانا کس نے دیکھا ہے؟

از بیکسی[3] و عاجزی و مسکینی
بے کسی اور عاجزی اور مسکینی کی وجہ سے

وز سرکشی و تکبر و خود بینی
اور سرکشی اور تکبر اور خود بینی کی وجہ سے

برآتش اگر نشانیم بنشینم
اگر تو مجھے آگ پر بٹھائے گا تو میں بیٹھ جاؤں گا

بر دیدہ اگر نشانمت ننشینی
اگر میں تجھے آنکھ میں بٹھاؤں گا تو نہ بیٹھے گا

نوبادۂ گلبن جوانی عشق ست
جوانی کی شاخ کا تازہ پھل عشق ہے

سرمایۂ عمر جاودانی عشق ست
عمر جاودانی کا سرمایہ عشق ہے

چوں[4] خضر گر آبِ زندگانی طلبی
اگر تو خضر کی طرح، آبِ حیات چاہتا ہے

سرچشمۂ آبِ زندگانی عشق ست
تو آبِ حیات کا سرچشمہ، عشق ہے

عشقِ[5] تو زہر بیخبرے خالی نیست
تیرا عشق کسی بے خبر سے بھی جدا نہیں ہے

دردِ تو زہر بے بصرے خالی نیست
تیرا درد کسی بے بصر سے بھی جدا نہیں ہے

ہر چند کہ در خلقِ جہاں می نگرم
میں جس قدر بھی دنیا کی مخلوق کو دیکھتا ہوں

سودائے تو در ہیچ سرے خالی نیست
تیرا جنون کسی سر سے جدا نہیں ہے

جانِ تو باسرارِ الٰہی پرداخت
تیری جان، خدائی رازوں میں مشغول ہو گئی ہے

نے در طلبِ نامتناہی پرداخت
نہیں، لا محدود کی طلب میں لگ گئی ہے

دردا کہ چناں بہ نقش مشغول شدی
ہائے افسوس! تو نقش میں ایسا لگا ہے

کز نقش بہ نقاش نخواہی پرداخت
کہ نقش سے نقاش کی طرف متوجہ نہ ہو سکے گا

---

[1] اس نے کہا چاند کو میرا رخ سمجھ لے اور دیکھ لے میں نے کہا چاند تیرے چہرے جیسا کب ہو سکتا ہے وہ تو صرف چودھویں رات میں تیرے چہرے کی طرح ہوتا ہے باقی دنوں میں ایسا لاغر ہوتا ہے جیسا کہ میرا جسم۔

[2] دن کے ساتھ تو سورج نکلتا ہے لیکن میرا سورج دن نکلتے ہی مجھ سے جدا ہو گیا۔

[3] میں تو اس قدر بے کس ہوں کہ اگر وہ مجھے آگ پر بھی بٹھانا چاہے تو بیٹھ جاؤں گا وہ اس قدر سرکش ہے کہ اگر اس کو آنکھوں پہ بھی بٹھانا چاہوں تو کبھی نہ بیٹھے گا۔

[4] شعر
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

[5] یہ رباعی بظاہر خواجہ حافظ کی نہیں ہے جو صحیح ترجمہ ہو سکتا تھا وہ تحریر کر دیا گیا ہے اگرچہ عبارت اس کی زیادہ متحمل نہیں ہے۔

مخمّس[5]

[5] مخمس وہ نظم کہلاتی ہے جس کے پہلے بند میں پانچوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جس قدر بند کہے جائیں ان کے چار مصرعے ہم قافیہ، اور پانچواں مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہوگا۔

در عشقِ تو اے صنم چنانم[1] — کز ہستیِ خویش در گمانم
اے صنم! میں تیرے عشق میں ایسا ہوں — کہ اپنے وجود کے بارے میں وہم میں ہوں
ہر چند کہ زار و ناتوانم — گر دست دہد ہزار جانم
اگرچہ میں لاغر اور کمزور ہوں — اگر ہزاروں جانیں میرے ہاتھ آ جائیں

در پائے مبارکت فشانم
تیرے بابرکت قدم پر نثار کردوں

کو بخت[2] کہ از سرِ نیازے — در حضرتِ چوں تو دلنوازے
وہ، نصیب کہاں ہے کہ نیاز مندی سے — تجھ جیسے دلنواز کی خدمت میں
معروض کنم نہفتہ رازے — ہیہات کہ چوں تو شاہبازے
ایک چھپا ہوا راز پیش کروں — کاشش، کہ تجھ جیسا شہباز

تشریف دہد در آشیانم
مجھے آشیانہ میں شرفِ ملاقات بخشے

اے بستہ[3] کمر ز دور و نزدیک — بر خونِ تمام تُرک و تاجیک
اے وہ کہ جس نے دور اور نزدیک کے متعلق کمر باندھی ہے — تمام تُرک اور تاجیک کی خونریزی پر
در مسکنِ اخلص الممالیک — گر خانہ محقّرست و تاریک
مخلص ترین غلام کے گھر میں — اگرچہ گھر حقیر اور تاریک ہے

در دیدۂ روشنت نشانم
میں تجھے روشن آنکھ میں بٹھا لوں

ہر چند[4] ستمگری ترا خوست — کم کن تو جفا کہ ایں نہ نیکوست
اگرچہ تیری عادت ستمگری ہے — تو ظلم نہ کر اس لیے کہ یہ اچھی بات نہیں ہے
گیرم کہ دلت ز آہن و رُوست — آخر بسرم گذر کن اے دوست
میں نے مانا کہ تیرا دل لوہے اور کانسی کا ہے — بالآخر اے دوست! میرے پاس سے گذر

انگار کہ خاکِ آستانم
سمجھ لے کہ میں چوکھٹ کی خاک ہوں

---

[1] میں تیرے عشق میں ایسا کھوگیا ہوں کہ مجھے اپنی ہستی میں شک ہے۔
[2] ہمارا ایسا مقدر کہاں ہے کہ ہم محبوب کی بارگاہ میں اپنا ایک چھپا راز یعنی عشق کہہ سکیں اور وہ ہمیں اپنے دربار میں پہونچنے کا موقع دیدے۔
[3] تاجیک اور تاجک وہ عربی النسل لوگ کہلاتے ہیں جو عجم میں آباد ہوگئے ہیں ان کا پیشہ عموماً تجارت تھا لہٰذا اب ہر تاجر کو تاجیک کہدیا جاتا ہے مخلص ترین غلام سے خود شاعر کی ذات مراد ہے۔
[4] روی ایک مرکب دھات ہے جس کو کانسی اور بھرت بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی مجھے اپنی چوکھٹ کی خاک ہی سمجھ کر میرے پاس سے گذر۔

مخمس

گفتم کہ ¹چو کشتیم بزاری — زآں پس رہِ مرحمت سپاری
میں نے کہا، جبکہ تونے مجھے، بری طرح مار ڈالا — اس کے بعد تو رحم کا راستہ اختیار کرے گا

بر دل رقمِ وفانگاری — تو خود سرِ وصلِ ما نداری
دل پر وفا کا نشان قائم کردے گا — تجھے خود ہی ہمارے وصل کا خیال نہیں ہے

من عادتِ بختِ خویش دانم
میں اپنے نصیب کی عادت جانتا ہوں

من² از تو بجز وفا نجویم — بیروں ز گلِ وفا نبویم
میں تجھ سے وفا کے سوا کچھ نہیں چاہتا ہوں — میں وفا کے پھول کے سوا نہیں سونگھتا ہوں

الّا رہِ بندگی نپویم — اسرارِ تو پیشِ کس نگویم
میں غلامی کے راستہ کے سوا نہیں چلتا ہوں — میں تیرے راز کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا ہوں

اوصافِ تو پیشِ کس نخوانم
تیری خوبیاں میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا ہوں

گر غمزۂ³ تو زند بہ تیرم — گر ترکِ فلک کند اسیرم
اگر تیری ادا میرے اوپر تیر چلائے — اگر آسمان کا ترک مجھے قیدی بنائے

یک دم نبود ز تو گزیرم — من ترکِ وصالِ تو نگیرم
تھوڑی دیر کے لیے بھی مجھے تجھ سے چارہ نہیں ہو — میں تیرے وصل کا خیال نہ چھوڑوں گا

الّا بہ فراقِ جسم و جانم
مگر یہ کہ جسم اور جان میں فراق ہو جائے

گیرم⁴ نہ رہِ وفا کشودیم — نے مہر بہ مہر بر فزودیم
میں مانتا ہوں کہ ہم نے وفا کا راستہ نہیں کھولا — نہ ہم نے محبت پر محبت کا اضافہ کیا

نہ بود ہر آنچہ می نمودیم — آخر نہ من و تو دوست بودیم
جو ہم نے دکھایا وہ نہیں تھا — آخر میں اور تو دوست نہ تھے

عہدِ تو شکست و من ہمانم
تیرا عہد ٹوٹ گیا اور میں وہی ہوں

گر سر⁵ ببری بہ تیغِ تیزم — از کوئے وفات بر نخیزم
اگر تیز تلوار سے تو میرا سر بھی کاٹ دے گا — میں تیری وفا کے کوچہ سے نہ اٹھوں گا

ورز آنکہ کنند ریز ریزم — من مہرۂ مہرِ تو نریزم
اور اگر مجھے ریزہ ریزہ کردیں گے — میں تیری محبت کا مہرہ نہ پھینکوں گا

الّا کہ بریزد استخوانم
مگر یہ کہ میری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوجائیں

¹ جبکہ تونے ظلم کرکے مار ڈالا ہے اب تو کیا رحم کریگا، تجھے میرے وصل کا خیال نہیں ہے یہ سب میرے نصیب کی بات ہے۔
² میں صرف وفا کا طالب ہوں ہر حال میں تیرا غلام اور راز دار ہوں رقابت کے خوف سے تیری خوبیاں بھی کسی سے نہیں کہتا ہوں۔
³ اگر تو ہلاک بھی کردیگا اور آسمان مجھے قید کرڈالیگا تب بھی جیتے جی وصل کا خیال نہ چھوڑوں گا۔
⁴ یہ بھی مانا کہ مجھ سے زیادہ وفاداری نہیں ہوئی اور محبت میں بھی اضافہ نہ ہوا لیکن بہرحال تو اور میں دوست تھے تو نے عہد توڑ ڈالا میں عہد پر قائم ہوں۔
⁵ میں جب تک زندہ ہوں ترکِ محبت نہ کروں گا۔

آنانکہ نشانِ عہد جویند — جز راہِ مزارِ من نپویند
وہ لوگ جو وفاداری کا نشان تلاش کریں گے — میرے مزار کے راستہ کے سوا نہ دوڑیں گے
خاکِ منِ زار چوں بویند — گر نامِ تو بر سرم بگویند
جب مجھ عاجز کی خاک سونگھیں گے — اگر میرے سرہانے تیرا نام لیں گے

فریاد بر آید از رُوانم
میری رُوح سے فریاد بلند ہوگی

گر بگذرد م بہ پیش خیلے — ہر یک بہ صفا بہ از سہیلے
اگر میرے سامنے سے ایک جماعت گذرے — جس میں ہر ایک رونق میں سہیل سے بہتر ہو
جز تو نہ کنم بغیر میلے — مجنوں نیم ار بہائے لیلےٰ
تیرے سوا کسی دوسرے کی طرف میں میلان نہ کروں گا — میں مجنوں نہیں ہوں، اگر لیلیٰ کی قیمت میں

مُلکِ عرب و عجم ستانم
عرب اور عجم کا مُلک لے لوں

گشتم صنما در آرزویت — آشفتہ و تیرہ دل چو مویت
اے صنم میں تیری آرزو میں ہوگیا ہوں — تیرے بال کی طرح پریشان، اور سیاہ دل
ہر چند نمی رسم بکُویت — شب نیست کہ از فراقِ رویت
ہر چند کہ میں تیرے کوچہ تک نہیں پہونچتا ہوں — کوئی رات نہیں گذرتی ہے کہ تیرے چہرے کے فراق سے

زاری بفلک نمیرسانم
آہ وزاری آسمان تک نہیں پہونچاتا ہوں

اے وصلِ تو اصلِ شادمانی — دائم بمرادِ دل بمانی
اے دوست کہ تیرا وصل اصل خوشی ہے — خدا کرے تو ہمیشہ دلی مراد کے مطابق رہے
با حافظِ خود بگو عیانی — ہر حکم کہ بر سرم برانی
اپنے حافظ سے کُھلم کُھلا کہہ — جو حکم بھی تو مجھ پر جاری کرے

سہل ست ز خویشتن مرانم
وہ آسان ہے، مجھے اپنے سے دور نہ کر

؎۱ وفائے عہد کا نشان صرف میری قبر ہوگی لوگ وفا کے نشان کی تلاش میں میری قبر کی طرف دوڑیں گے اور اگر قبر کے سرہانے تیرا نام لیں گے تو میں فریاد کرنے لگوں گا۔ ؎۲ اگر میرے سامنے حسینوں کی ایسی جماعت آئے جو ہر ایک سہیل ستارے سے بہتر ہو تو بھی میں کسی کی طرف مائل نہ ہونگا۔ اگر میں اپنی لیلیٰ کے بدلے مُلک عرب و عجم کو لینا پسند کرلوں تو پھر میں مجنوں کب ہوا۔ ؎۳ تیرا ہر حکم ماننا میرے لیے آسان ہے ہاں فراق کا حکم نہ دینا۔

خمس

مسدسؔ[1]

اے حریمِ بارگاہت کعبۂ عزّ و علا — نورِ چشمِ مصطفےٰ یعنی علی موسیٰ رضا
اے وہ کہ تیری بارگاہ کا حرم، عزّت اور بلندی کا کعبہ ہے — مصطفےٰ کی آنکھوں کا نور یعنی علی موسیٰ رضا

ماہِ گردونِ ولایت شمعِ جمعِ اصطفا — میوۂ بستانِ جنّت بلبلِ نیکو سرا
ولایت کے آسمان کا چاند، برگزیدہ جماعت کی شمع — جنّت کے باغ کا میوہ، عمدہ گانے والی بلبل

دائماً از غیب می آید بگوشم ایں ندا
ہمیشہ غیب سے میرے کان میں یہ آواز آتی ہے

کالسّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السلام، اے حضرت شاہِ خراساں، السّلام

جدِّ تو سلطانِ کونین ست یعنی مصطفےٰ[2] — جدّۂ تو فاطمہ اُمّ امامِ مجتبےٰ
تیرے نانا، دونوں جہان کے بادشاہ ہیں یعنی مصطفےٰ — تیری نانی فاطمہ ہیں، برگزیدہ امام کی ماں

جدِّ دیگر حیدرِ صفدر علیِ مرتضیٰ — ہم غریبؔ و ہم شہیدی چوں حسینِؑ کربلا
دوسرے دادا صف شکن حیدر علی مرتضیٰ ہیں — تو کربلا کے حسین کی طرح پردیسی بھی ہے اور شہید بھی ہے

در محبّت ہر زماں گوئیم و باشد وِردِ ما
ہم ہر وقت محبت سے کہتے ہیں اور یہی ہمارا ورد ہے

کالسّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السلام، اے حضرتِ شاہِ خراساں، السّلام

نورِ چشمی بہرِ زین العابدیں[3] باقرِ امام — جعفرِ صادقؓ کہ دادہ دین و دنیا را نظام
اے امام! تو زین العابدین اور باقر کا نورِ چشم ہے — اور جعفرِ صادقؓ کا نورِ چشم ہے جس نے دین اور دنیا کا نظم کیا ہے

بابِ تو موسیٰؑ کاظم آں شفیعِ خاص و عام — گشتہ خورشیدِ فلک بر درگہت یا شہ غلام
تیرے باپ ہر خاص و عام کے شفیع موسیٰ کاظم ہیں — اے شاہ! آسمان کا سورج، تیری درگاہ کا غلام ہے

بعدِ ذکرِ حق ہمیگوئیم ما در صبح و شام
ہم اللہ کے ذکر کے بعد صبح اور شام کہتے ہیں

کالسّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کر السلام، اے حضرت شاہِ خراساں، السلام

چوں تقی[4] از حالِ بابِ خویشتن آگاہ شد — نزدِ بابِ خویشتن آندم زچندیں راہ شد
جبکہ تقی اپنے باپ کے حال سے آگاہ ہوئے — اتنے دور کے راستہ سے اپنے باپ کے پاس آئے

دید چوں حالِ پدر با نالہ و با آہ شد — پیشِ خود خواندش پدر تا واصل باللہ شد
جب باپ کا حال دیکھا آہ اور نالہ کیا — باپ نے اسکو اپنے پاس بلایا یہاں تک کہ اللہ سے واصل ہوئے

---

[1] مسدس وہ نظم ہوتی ہے جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں ابتدائی چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں بقیہ دو مصرعوں کا قافیہ جداگانہ ہوتا ہے اور پھر ہر بند کے آخری دو مصرعے، پہلے بند کے آخری دو مصرعوں کے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ یہ مسدس حضرت علی الرضا کی منقبت میں ہے جو امامیہ فرقہ کے امام ہشتم اور حضرتِ موسیٰ کاظم امامِ ہفتم کے صاحبزادہ ہیں جن کا مزار خراسان میں مشہد کے اندر ہے

[2] امام مجتبیٰ سے حضرتِ حسین مراد ہیں۔ جدِ دیگر یعنی جدِ بزرگوار حضرت علی ہیں۔

[3] زین العابدین سے حضرتِ امام زین العابدین سجّاد مراد ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور امام چہارم ہیں حضرت محمد باقر امام پنجم اور حضرت زین العابدین کے صاحبزادے ہیں حضرت جعفرِ صادق امامِ ششم اور حضرت محمد باقر کے صاحبزادے ہیں حضرت موسیٰ کاظم امام ہفتم اور حضرت جعفرِ صادق کے صاحبزادے ہیں اس مسدس میں جہاں لفظ باب آیا ہے اس سے مراد باپ ہے

[4] محمد تقی امامِ نہم اور علی الرضا امامِ ہشتم کے صاحبزادے ہیں اس بند میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے انگوروں میں زہر ملایا اور حضرت علی الرضا کو کھلا دیئے زہر کے اثر سے حالت بگڑ گئی اس کی اطلاع حضرت محمد تقی کو ہوئی وہ مدینہ سے مشہد پہونچے حضرت علی الرضا نے ان کو ضروری وصیتیں فرمائیں اور جان بحق واصل ہوئے۔

برزبانِ اوز بعدِ ذکرِ اِلّا اللّٰہ شد
ان کی زبان پر الّا اللّٰہ کے ذکر کے بعد جاری ہوگیا

کالسّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السّلام، اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام

چوں[1] نقی و عسکری باآرزویت درخیال ۔۔۔ درخیالِ روئے تو گویند اے مقصودِ حال
جب نقی اور عسکری تیری آرزو کے خیال میں ۔۔۔ تیرے چہرے کے خیال میں اے حال کے مقصود کہتے ہیں

شاہِ سلطانِ خراساں اخترِ برجِ کمال ۔۔۔ دُرِّ دریائے ولایت بحرِ علمِ ذوالجلال
خراسان کے سلطان کے شاہ کمال کے برج کے تارے ۔۔۔ ولایت کے دریا کے موتی اللّٰہ کے علم کے سمندر

دائما گفتیم و میگوئیم ما از روئے حال
از روئے حال، ہم نے ہمیشہ کہا ہے اور کہیں گے

کالسّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام

مہدیِ[2] ہادی کہ نورِ کلِ عالم روئے اوست ۔۔۔ آبِ حیواں شبنمے زاں آب کاندر جوئے اوست
مہدیِ ہادی کہ کل عالم کا نور اس کا چہرہ ہے ۔۔۔ آبِ حیات اس پانی کی شبنم ہے جو پانی اس کی نہر میں ہے

روضہ اش بستانِ جنّت خاطرِ ما سوئے اوست ۔۔۔ درخراساں روز و شب اندر دلم ہائے و ہوست
اس کا مزار جنّت کا باغیچہ ہے، ہمارا دل اسکی طرف ہے ۔۔۔ دن رات خراسان میں میرے دل میں اس کی وجہ سے ہائے اور ہو ہے

بردلِ ما دائما اینست گفت و گوئی اوست
ہمارے دل پر ہمیشہ اس کی یہ گفتگو ہے

کالسّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام

ہست[3] ایندم کوہِ طوس از مقدمش چوں کوہِ طور ۔۔۔ چوں تو موسیٰ نسبتی کردی دراں منزل ظہور
اب طوس کا پہاڑ اس کی تشریف آوری سے کوہِ طور ہے ۔۔۔ تجھ جیسے موسیٰ نسبت والے نے اس منزل میں ظہور کیا ہے

دارد از فیضِ جمالت روئے مہر و ماہ نور ۔۔۔ روضہ ات بستانِ جنّت آستانت جائے حور
تیرے حسن کے فیض سے، سورج اور چاند کے چہرہ کو نور حاصل ہے ۔۔۔ تیرا مزار جنّت کا باغیچہ ہے، تیری چوکھٹ حور کا مقام ہے

آمدہ خلقے باُمیدِ شما از راہِ دور
تمہاری امید میں لوگ دور و دراز راستے سے آتے ہیں

کالسّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السّلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام

خردہ[4] بینانے کہ ایشاں سکّہ بر زر میزنند ۔۔۔ سکّۂ دولت بنامِ آلِ حیدر میزنند
وہ باریک بیں جو سونے کا سکّہ بناتے ہیں ۔۔۔ حکومت کا سکّہ آلِ حیدر کے نام پر بناتے ہیں

شہ نشیناں جملہ آنجا حلقۂ در میزنند ۔۔۔ مؤذناں ہر صبح و شام اللّٰہ اکبر میزنند
شہ نشین لوگ سب اس جگہ در کی زنجیر ہلاتے ہیں ۔۔۔ مؤذن ہر صبح و شام اللّٰہ اکبر کہتے ہیں

مسدس

[1] علی النقی امام دہم اور محمد تقی کے صاحبزادے ہیں۔ حسن عسکری امام یازدہم اور علی النقی کے صاحبزادے ہیں۔

[2] محمد مہدی امام دوازدہم اور حسن عسکری کے صاحبزادے ہیں فرقۂ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق اگرچہ بارہواں امام پیدا ہوچکا ہے لیکن اس کے ظہور کا وقت ابھی نہیں آیا جب اس کے ظہور کا وقت ہوگا تو ظاہر ہوگا۔

[3] کوہِ طور پر حضرت موسیٰ کو تجلّی حاصل ہوئی تھی اسی لیے کوہِ طور مقدس مقام ہے اسی طرح کوہِ طوس کو امام علی الرضا کی وجہ سے تقدس حاصل ہوگیا ہے۔

[4] خردہ بیناں باریک بیں یعنی سکّہ آلِ حیدر کے نام کا بنایا جاتا ہے۔

مُقریاں بر چرخ ہر دم ایں ندا بر میزنند
پڑھنے والے آسمان پر ہر وقت یہ پکارتے ہیں

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السّلام اے حضرت شاہِ خراساں السلام

سینہ ام پر درد و دل در سینہ از غم می طپید
میرا سینہ درد سے پُر اور دل سینے میں غم سے تڑپ رہا تھا

از فراقِ آں شہنشاہِ عرب میرِ شہید
عرب کے اس شہنشاہ کے فراق کی وجہ سے جو شہیدوں کا سردار ہے

در عنب چوں زہر خورد از دستِ ہارون الرشید
جبکہ اس نے ہارون الرشید کے ہاتھ سے انگور میں زہر کھایا

رازِ خود با کس نگفت و سرِّ او را کس ندید
اپنا راز کسی کو نہ بتایا اور اس کے راز کو کسی نے نہ دیکھا

چونکہ شد در خانہ ایں آوازہ از رضواں شنید
جب گھر میں اس کی شہرت ہو گئی تو رضوان سے اس نے سنا

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السّلام اے حضرت شاہِ خراساں السّلام

دائما خورشید و مہ بر درگہت جا کردہ اند
سورج اور چاند نے تیری درگاہ پر مستقل ٹھکانا بنایا ہے

زاں سبب ہر لحظہ ایشاں قصدِ بالا کردہ اند
اسی سبب سے انھوں نے ہر وقت بلندی کا ارادہ کیا ہے

شمع را زایں سبب ہر روز برپا کردہ اند
شمع کو اسی سبب سے ہر روز کھڑا کیا ہے

زیرکانِ روزگار ایں نکتہ انشا کردہ اند
زمانہ کے سمجھداروں نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے

باد را فراشِ آں درگاہِ اعلیٰ کردہ اند
ہوا کو اس بلند درگاہ کا فراش بنایا ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السلام اے حضرت شاہِ خراساں، السلام

صبح و شام اندر غمِ او شمع با سوز و گداز
شمع سوز و گداز کے ساتھ اس کے غم میں، صبح و شام

گریہ و استادہ اندر درگہش تا روز باز
روتی ہے اور دن نکلنے تک اس کی درگاہ میں کھڑی ہے

حافظانِ بارگاہِ او بشبہائے دراز
اس کی بارگاہ کے محافظ، لمبی راتوں میں

تا بروز اندر تلاوت با خدا گویند راز
دن نکلنے تک قرآن خوانی میں خدا سے راز کہتے ہیں

بلبلاں اندر گلستاں کردہ اند ایں نغمہ ساز
باغوں میں بلبلوں نے یہ نغمہ گایا ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السّلام
کہ السلام اے حضرت شاہِ خراساں، السّلام

دوش بودم در طوافِ روضۂ خیر الانام
میں کل خیر الانام کے مزار کے طواف میں تھا

شاہِ سلطانِ خراساں آں امام ابنِ امام
کہ جو سلطانِ خراسان کا شاہ، اور امام ابن امام ہے

آں امامے کز شرف ذاتش بود در دیں مدام
وہ امام جس کی ذات شرافت کی وجہ سے دین میں ہمیشہ

قبلۂ اہلِ خراساں کعبۂ ہر خاص و عام
اہل خراساں کا قبلہ اور ہر خاص و عام کا کعبہ ہے

مشہور ہے کہ امام علی الرضا کو خلیفہ ہارون رشید نے انگوروں میں زہر دلوا دیا تھا۔

بودم اندر روضہ اش کآمد بگوشم ایں کلام
میں اس کے مزار پر تھا کہ میرے کان میں یہ کلام آیا

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

ایں[1] بہ معجز کرد چوبِ خشک را اصلِ شجر — ہم بمعنی نقشِ پایت گشتہ پیدا در حجر
اس نے معجزے سے خشک لکڑی کو درخت کی جڑ بنا دیا — نیز حقیقتاً تیرے پیر کا نقش پتھر پر آ گیا

اہلِ معنی را توئی چوں شاہِ سلطاں راہبر — گشتہ[2] شیرِ پردہ بر اعدا ز امرت پردہ در
چونکہ اے شاہِ سلطاں! اہلِ باطن کا تو ہی راہبر ہے — پردے پر کا شیر تیرے حکم سے دشمنوں کا پردہ چاک کرنے والا ہو گیا

داد جبریلِ امیں در کلِ عالم ایں خبر
جبریلِ امین نے تمام عالم میں یہ خبر پہنچا دی

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

اے کہ دارد روضات بر جنت الماوٰی شرف — در خراساں مشہدت باشد بمعنی چوں نجف
اے وہ کہ تیرا مزار جنت الماوٰی پر شرف رکھتا ہے — خراسان میں تیرا مشہد حقیقتاً نجف کی طرح ہے

دوست باشد مر ترا در دنیا و عقبیٰ خلف — گشتہ جانِ دشمنت تیرِ ملامت را ہدف
خاص تیرا دوست ہوگا دنیا اور آخرت میں جانشیں — تیرے دشمن کی جان، ملامت کے تیر کا نشانہ بن گئی ہے

ہر زماں آید بگوشِ جانِ من از ہر طرف
ہر جانب سے ہر وقت میری جان کے کان میں یہ آواز آتی ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام

مرغِ روحم در ہوائے تست یا سلطانِ دیں — یک زماں اے شاہِ من بر حالِ مسکیناں ببیں
اے دین کے بادشاہ! میری روح کا پرند تیری محبت میں ہے — تھوڑی دیر کے لئے اے میرے بادشاہ! مسکینوں کے حال کو دیکھ

ہمچو مرغِ نیم بسمل اوفتادہ در زمیں — خاصہ حافظ را کہ دارد داغِ مہرت بر جبیں
نیم بسمل پرند کی طرح زمین پر پڑا ہوا ہے — خاص طور پر حافظ کو جو کہ پیشانی پر تیری محبت کا داغ رکھتا ہے

گوید از صدق و صفا ہر دم بآوازِ حزیں
سچائی اور خلوص سے غمگین آواز کے ساتھ ہر وقت کہتا ہے

کالسلام اے حضرتِ شاہِ خراساں السلام
کہ السلام، اے حضرتِ شاہِ خراساں، السلام

---

[1] مشہور ہے کہ امام علی الرضا کی کرامت سے سوکھی لکڑی تازہ درخت بن گئی تھی۔ نیز ان کی کرامت تھی کہ ان کے پیر کا نقش پتھر پر آ جاتا تھا۔

[2] مشہور ہے کہ حضرت علی الرضا کو دعوت طعام پر بلایا گیا جب کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا اور حضرت نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو جادوگروں نے جادو کے زور سے کھانا غائب کر دیا۔ حضرت کو اس پر ناگواری ہوئی اور آپ نے پردے پر شیر کی جو تصویر بنی ہوئی تھی اس پر توجہ ڈالی آپ کی توجہ سے وہ واقعی شیر بن کر جادوگروں پر حملہ آور ہوا اور ان کا تمام جادو کا کھیل ختم ہو گیا۔

قطعات [1]

گرکساں [2] قدرِ مے بدانندے
اگر لوگ شراب کی قدر جان لیتے
شب نخفتند ورَز نشانندے
رات کو نہ سوتے اور انگور کی بیل لگاتے

تاکہا را از چوبِ عود کنند
انگور کی بیل کے لیے عود کی لکڑیاں لگاتے
جوبہارا گلاب رانندے
نہروں میں عرق گلاب بہاتے

صد و سی گز کنند دیوارش
ایک سو تیس گز کی اسکی چہار دیواری بناتے
پاسباناں باو نشانندے
وہاں چوکیدار بٹھاتے

پائے ہر خوشۂ کنیزکِ تُرک
ہر خوشہ کے نیچے ترک باندی کو
بنشانندے مگس برانندے
بٹھاتے جو مکھیاں اڑاتی

خسروا داد گرا شیر دلا بحر کفا
اے بادشاہ! اے منصف، اے شیر دل، اے سمندر جیسی ہتھیلی والے
اے کمالِ تو بانواعِ ہنرار زانی
اے وہ کہ تیرا کمال مختلف ہنروں میں مسلّم ہے

ہمہ آفاق گرفت و ہمہ اطراف کشاد
تمام اطراف کو لے لیا اور تمام آفاق کو فتح کر لیا
صیتِ مسعودی و آوازِ شہِ سلطانی
تیری سعادتمندی کی شہرت نے اور شہنشاہیت کے آوازے نے

گفتہ باشد [3] مگرت مُلہمِ غیب احوالم
شاید میرے احوال تجھسے غیب کے الہام کرنیوالے کہہ چکے ہونگے
اینکہ شد روزِ منیرم چو شبِ ظلمانی
یہ کہ میرا روشن دن، تاریک رات کی طرح ہوگیا ہے

در دو سال آنچہ بہ بنید وختم از شاہ و وزیر
میں نے دو سال میں، بادشاہ اور وزیر سے جو کچھ جمع کیا تھا
ہمہ بربود بیکدم فلکِ چوگانی
چوگان کھیلنے والا آسمان سب کو ایک دم لے گیا

دوش در خواب چناں دید خیالم کہ سحر
کل رات میرے خیال نے خواب میں یہ دیکھا کہ صبح کے وقت
گذر افتاد بر اصطبلِ شہم پنہانی
خفیہ طور پر، شاہی اصطبل سے میرا گزر ہوا

بستہ بر آخورِ او استرِ من جو میخورد
میرا خچر اُس کی چرپر بندھا ہوا جَو کھا رہا تھا
تو برہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی
اس نے تو برا جھاڑ دیا اور مجھ سے بولا کہ تو مجھے جانتا ہے؟

پیچ [4] تعبیر نمیدانمش ایں خواب کہ چیست
میں اس خواب کی کوئی تعبیر نہ جان سکا کہ کیا ہے؟
تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی
تو بتا، کیونکہ سمجھ میں تیرا کوئی ثانی نہیں ہے

پادشاہا لشکرِ توفیق ہمراہِ تو اند
اے بادشاہ! توفیق کے لشکر تیرے ساتھ ہیں
خیز اگر بر عزمِ تسخیرے کماں زہ میکنی
اٹھ اگر کسی فتح کے ارادے سے تو کمان کا چلہ چڑھاتا ہے

با چنیں جاہ و جلال از پیشگاہِ سلطنت
سلطنت کیوجہ سے اس قدر مرتبہ اور جلال ہوتے ہوئے
آگہی و خدمتِ دلہائے آگہ میکنی
تو باخبر دل ہے اور باخبر دلوں کی خدمت کرتا ہے

با فریبِ ایں خُمِ [5] زنگار گونِ نیلفام
اس زنگاری، نیلگوں مٹکے کے فریب کے باوجود
کار بر وفقِ مرادِ صبغۃ اللہ میکنی
تو شریعت کے مقصد کے مطابق کام کرتا ہے

---

[1] قطعہ اشعار کے اس مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس میں ایک شعر کا مطلب دوسرے سے متعلق ہو اس میں قصیدے کی طرح مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہونے ضروری نہیں ہیں ہاں قطعہ کے ہر شعر کا مصرعۂ ثانی ہم قافیہ ہوگا۔ اس کے اشعار کی تعداد دو سے ایک سو تک ہو سکتی ہے۔

[2] اگر لوگ شراب کی صحیح قدر جان جائیں تو انگور کی بیلوں کی انتہائی قدر و منزلت کریں اور طرح طرح سے اس کی حفاظت اور دیکھ بھال رکھیں۔

[3] وہ خدا جو غیب کی باتیں دل میں ڈالتا ہے اُس نے شاید بتایا ہوگا کہ میں انتہائی پریشانی میں ہوں۔

[4] ظاہر ہے کہ اس خواب کی یہی تعبیر ہے کہ حافظ کو ممدوح سے کچھ حاصل ہوگا۔

[5] خم زنگاری سے آسمان مراد ہے صبغۃ اللہ خدائی رنگ اس سے دینِ محمدی مراد ہے۔

قطعات

آنکہ دہ با ہفت و نیم آورد بس سودے نکرد
جس نے دس کو ساڑھے سات بنا یا کوئی فائدہ نہ کیا

فرصتت بادا کہ ہفت و نیم را دہ میکنی
تیری عمر دراز ہو تو ساڑھے سات کو دس بناتا ہے

سال و فال و مال و حال و اصل و نسل و بخت و تخت[1]
سال اور فال، مال اور حال، اصل اور نسل، نصیبا اور تخت

بادت اندر ہر دو گیتی بر قرار و بر دوام
تیرے لیے دونوں جہان میں ہمیشہ برقرار ہیں

سالِ خرم فالِ نیکو مالِ وافر حالِ خوش
مبارک سال، نیک فال، گھنا مال، خوش حال

اصلِ ثابت نسلِ باقی تختِ عالی بخت رام
پائیدار اصل، باقی رہنے والی نسل، بلند تخت، فرمانبردار نصیب

شاہا مبشرے ز بہشتم رسیدہ است[2]
اے بادشاہ! ایک ایسا خوشخبری دینے والا جنت سے تیرے پاس پہونچا ہے

رضواں سریر و حور وش و سلسبیل موی
جو رضوان طبیعت، حور صفت، سلسبیل جیسے بالوں والا ہے

خوش لفظ و پاک معنی و موزون و دلفریب
خوش لفظ، پاک معنی، اور موزوں، اور دلفریب ہے

صاحب جمال و نازک و خوب و لطیف گوی
حسین، نازک، خوبصورت اور لطیفہ گو ہے

گفتم دریں سراچہ زبہرِ چہ آمدی
میں نے کہا اس گھر میں تو کس لیے آیا ہے

گفتا ز بہرِ مجلسِ شاہِ غریب جوی
اس نے کہا مسافر نواز، بادشاہ کی مجلس کے لے

اکنوں ز صحبتِ منِ مُفلس بجاں رسید
اب وہ مجھ مفلس کی صحبت سے تنگ ہوگیا ہے

نزدیکِ خویش خوانش و کامِ دلش بجوی
اپنے پاس اسے بلالے اور اس کے دل کا مقصد معلوم کرلے

آں کیست تا بحضرتِ سلطاں ادا کند
وہ کون ہے جو بادشاہ کے دربار تک پہونچا دے؟

کز جورِ چرخ گم شُتر و گربہ پدید
کہ آسمان کے ستم سے اونٹ گم ہو گئے اور بلیاں نکل پڑیں

رندے نشستہ بر سرِ سجادۂ قضا
قضا کے مصلے پر ایک رند بیٹھا ہوا ہے

حیزے دگر بمرتبۂ سروری رسید
ایک اور ہیجڑا، سرداری کے رتبے کو پہونچ گیا ہے

آں رند گفت چشم و چراغِ جہاں منم
وہ رند بولا، میں دنیا کا چشم و چراغ ہوں

آں حیز گفت ہمچو منی در جہاں کہ دید
وہ ہیجڑا بولا، مجھ جیسا دنیا میں کس نے دیکھا ہے؟

اے آصفِ زمانہ زبہرِ خدا بگوی
اے آصفِ دوراں خدا کے لئے کہدے

باآں شہے کہ دولتِ او باد بر مزید
اس بادشاہ سے جس کی حکومت خدا کرے ترقی پر ہے

شاہا روا مدار کہ مفعول من یراد
اے بادشاہ اس کو جائز نہ رکھ کہ ہر شخص کا مفعول جو اس سے چلے

گردد بروزگارِ تو فعّالِ ما یرید
تیرے زمانہ میں من مانی کرنے والا ہو

دل منبدا یجانِ من بر وعدۂ شاہ و وزیر[3]
اے میری جان! بادشاہ اور وزیر کے وعدے سے دل لگا

کس نمیداند کہ کارش از کجا خواہد کشاد
کوئی نہیں جانتا کہ اس کا کام کہاں سے بنے گا

رو توکل کن نمیدانی کہ نوکِ کلکِ من
جا، توکل کر تو نہیں جانتا کہ میرے قلم کی نوک نے

نقشِ ہر صورت کہ زد رنگے دگر بیروں فتاد
جس صورت کا نقش بنایا دوسرا ہی رنگ نکلا

شاہِ ہرموزم ندید و بے سخن صد لطف کرد
شاہِ ہرموز نے مجھے نہیں دیکھا اور بغیر بات کے سو مہربانیاں کیں

شاہِ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نداد
شاہِ یزد نے مجھے دیکھا اور میں نے اس کی تعریف کی پھر اس نے کچھ نہ دیا

کارِ شاہاں اینچنیں باشد تو اے حافظ مرنج
اے حافظ! تو رنج نہ کر بادشاہوں کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں

داورِ روزی رساں توفیقِ نصرتشاں دہاد
روزی پہونچانے والا خدا ان کو مدد کرنے کی توفیق دے

قطعات

[1] یعنی اے ممدوح تجھے دنیا اور آخرت میں عمدہ سال اور خوشی وغیرہ نصیب ہو۔
[2] یہ قطعہ ایک قاضی اور ایک حاکم کی شکایت میں ہے اور حاکم ہیجڑا ہے، آصف سے عماد بن محمود، قطب الدین کا وزیر مراد ہے۔ مفعول من یراد یعنی بدفعلی کرانے کا عادی ہے فعّال ما یرید یعنی اتنا اقتدار حاصل ہو کر جو چاہے کرگزرے
[3] یہ قطعہ شاہِ یزد کی شکایت میں ہے، یزد شیراز کے قریب ایک شہر کا نام ہے اسی کے قریب ہرموز شہر ہے۔

گفتند شعرِ من زبنفشہ شکر رُباست
لوگ کہتے ہیں میرے اشعار نے بنفشہ کی شیرینی ختم کردی
زآں غیرتِ طبرزد و کعب الغزال شد
اسی وجہ سے وہ مصری اور بتاشے کے لیے باعث رشک بنے ہوئے ہیں

بادا دہانش تلخ کہ عیبِ نبات گفت
اُس کا مُنہ کڑوا ہو، جو مصری میں عیب نکالے
خاکش بسر کہ مُنکرِ آبِ زلال شد
اُس کے سر پر خاک، جو صاف پانی کا مُنکر ہو

آنکس کہ کور زاد ز مادر بعمرِ خویش
جو شخص ماں کے پیٹ سے اندھا پیدا ہوا ہو وہ اپنی عمر میں
کے مُشتریِ دلبرِ صاحب جمال شد
کب حسین، دلبر کا خریدار بنا ہے؟

بسمعِ خواجہ رساں اے رفیقِ وقت شناس
اے وقت شناس دوست، خواجہ کے کان تک پہونچا دے
بخلوتے کہ در آں اجنبی صبا باشد
اس خلوت میں جہاں صبا بھی اجنبی ہو

لطیفۂ بمیان آر و خوش بخندانش
کوئی لطیفہ سنا، اور اس کو خوب ہنسا دے
بہ نکتۂ کہ دلش را در آں رضا باشد
اس نکتے سے جس سے اس کا دل راضی ہو جائے

پس آنگہے ز کرم آنقدر بپرس ز لطف
پھر اس وقت کرم کر کے نرمی سے اس قدر پوچھ لے
کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد
کہ اگر میں وظیفہ کا تقاضا کردوں تو مناسب ہوگا؟

ز دانش مطلقاً بے بہرہ باشد
وہ عقل سے بالکل بے بہرہ ہوگا
کہ از دنیا بشادی بہرہ جوید
جو دنیا سے خوشی کا حصہ طلب کرے گا

بوَد از شربتِ شادی صائم الدہر
وہ خوشی کے شربت سے ہمیشہ کا روزہ دار ہوگا
کہ جُلّابِ طرب از دہر جوید
جو خوشی کا عرقِ گلاب، زمانہ سے چاہے گا

کسے چوں نوشدارو جوید از دہر
جب کوئی شخص زمانہ سے نوشدارو مانگتا ہے
کدامی نوشدارو زہر جوید
نوشدارو کیا، وہ تو زہر مانگتا ہے

بُلبل اندر نالہ وُ گُل خندۂ خوش میزند
بُلبل نالہ کررہی ہے اور گلاب خوب قہقہہ لگا رہا ہے
چوں نسوزد دل کہ دلبر در وے آتش میزند
دل کیوں نہ جلے کہ معشوق اس میں آگ لگا رہا ہے

ناخوشیہا دیدہ ام زآں زاہدِ پشمینہ پوش
اس کمبل پوش، زاہد سے میں نے غم اٹھائے ہیں
من غلامِ مُطربم کابریشم خوش میزند
میں اس مُطرب کا غلام ہوں جو ریشم کے تار خوب بجا رہا ہے

زاہدا از تیرِ مژگانش حذر کردن چہ سود
اے زاہد! اس کی پلکوں کے تیر سے بچنے سے کیا فائدہ؟
زخمِ پنہاں چوں بابروئے کمانش میزند
جبکہ وہ، پوشیدہ زخم، کمان جیسے ابروؤں سے لگاتا ہے

رُوحُ القدس آں سروشِ فرّخ
وہ مبارک غیبی فرشتہ، جبرئیل
از قبّۂ طارمِ زبر جد
زبرجدی بالا خانہ کے قبّے سے

میگفت سحر گہاں کہ یارب
صبح کے وقت کہہ رہا تھا کہ یارب
در دولت و حشمتِ مُخلّد
دولت اور مستقل حشمت میں

برمسندِ خسروی بماناد
شاہی مسند پر رہے
منصور مُظفّرِ محمّد
محمد منصور کامیاب

تو نیک و بدِ خود ہم از خود بپرس
تو اپنی نیکی اور بدی، خود اپنے آپ سے معلوم کر
چرا دیگرے بایدت مُحتسب
دوسرا مُحتسب تجھے کیوں چاہیے؟

لغات

۱ طبرزد ایک سخت قسم کی مصری کو کہتے ہیں، کعب الغزال ہرن کا ٹخنہ، بتاشے کو کہتے ہیں۔
۲ خواجہ کا مقررہ وظیفہ رُک گیا تھا اس پر یہ قطعہ کہا ہے، صبا کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی خاص تنہائی ہو کہ وہاں صبا بھی موجود نہو۔
۳ صائم الدہر، وہ شخص جو بارہ مہینے روزے رکھتا ہو جلاب گُل اور آب سے بنا ہے وہ شربت جو عرقِ گلاب سے تیار کیا گیا ہو۔
۴ روح القدس، جبرئیل، یعنی جبرئیل نے وہ دعا دی جو اگلے اشعار میں مذکور ہے، قبہ سے آسمان مراد ہے۔
۵ یہ شاہ شجاع کا بھتیجہ ہے جس نے اس کے بیٹے سلطان زین العابدین کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔

قطعات

زہد دور باش و بہ نیکی بکوش ۔ مکن عمر ضائع بلہو و لعب
بڑے کام سے دور رہ اور نیکی کی کوشش کر ۔ کھیل کود میں اپنی عمر ضائع نہ کر
چو دانی کہ روزی دہندت خداست ۔ مدار از طمع قلب را منقلب
جب تجھے معلوم ہے کہ تجھے روزی دینے والا خدا ہے ۔ لالچ کی وجہ سے دل کو الٹنے پلٹنے والا نہ بنا
چو دوناں دریں خاکدانِ دنی ۔ زبہر دونان از چہ مضطرب
کمینوں کی طرح اس کمینی دنیا میں ۔ دو روٹی کے لیے تو کیوں پریشان ہے؟
وَمَنۡ یَّتَّقِ اللہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ ۔ وَیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ[1]
جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لیے رہائی کی صورت پیدا فرما دیتا ہے ۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اسکو گمان نہیں ہوتا ہے

بگوشِ ہوش شبے منہیے ندا در داد ۔ ز حضرتِ احدی لا الٰہ الا اللہ
ایک رات گوش ہوش میں ایک خبر دینے والے نے کہا ۔ اس اللہ کے دربار سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں
کہ اے عزیز کسے را کہ خواریست نصیب ۔ یقیں بداں کہ نیابد بزور منصب و جاہ
کہ اے عزیز جس شخص کے نصیب میں ذلت ہے ۔ یقین کر طاقت سے منصب اور مرتبہ نہیں پا سکتا
بآبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد ۔ گلیمِ بخت کسے را کہ بافتند سیاہ[2]
زمزم اور کوثر کے پانی سے سفید نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ اس شخص کے نصیب کی کملی کو جس کو کارکنان قضا و قدر نے سیاہ بنایا ہے

آں حبۂ[3] خضرا خور کز روئے سبکروحی ۔ ہر کو بخورد یک جو بر سیخ زند سیمرغ
وہ سبز دانہ کھا کہ مزاج کی شگفتگی کی وجہ سے ۔ جو کوئی ایک جو کے برابر کھاتا ہے سیمرغ کے کباب بناتا ہے
آں ذرہ کہ اعضا را در ولولہ اندازد ۔ یک ذرہ و صد مستی یک حبہ و صد سیمرغ
وہ ذرہ جو اعضاء کو ولولہ میں ڈال دے ۔ ایک ذرہ ہے اور سو مستیاں، ایک دانہ ہے اور سو سیمرغ

سگ[4] بر آں آدمی شرف دارد ۔ کہ دلِ مردماں بیازارد[5]
اس آدمی پر کتا فضیلت رکھتا ہے ۔ جو لوگوں کے دلوں کو آرزدہ کرے
ایں سخن را حقیقتے باید ۔ تا معانی بدل فرود آید
اس کلام میں کوئی حقیقت ہونی چاہیے ۔ تاکہ معنی دل میں اتر جائیں
آدمی با تو دست در مطعوم ۔ سگ ز بیرونِ آستاں محروم
آدمی کا ہاتھ تیرے ساتھ کھانے میں ہے ۔ کتا چوکھٹ کے باہر محروم ہے
حیف باشد کہ سگ وفا دارد ۔ و آدمی دشمنی روا دارد
افسوس ہے کہ کتا وفاداری کرے ۔ اور آدمی دشمنی کو روا رکھے

صاحبم[6] دوش بادہ نفرستاد ۔ آں خطا ایں خطاب می ارزد
میرے دوست نے کل شراب نہ بھیجی ۔ وہ غلطی اس خطاب کے لائق ہے
لعل و یاقوتِ جامِ او گوئی ۔ ملکِ مالکِ رقاب می ارزد
اس کے جام کا لعل اور یاقوت گویا ۔ گردنوں کے مالک کے ملک کی قیمت رکھتا ہے
قطعۂ پیشِ او فرستادم ۔ کہ بصد خم شراب می ارزد
میں نے اس کے پاس ایسا قطعہ بھیجا ۔ جو شراب کے سو مٹکوں کی قیمت کا ہے

---

[1] یہ کلام اللہ کی ایک آیت کا اقتباس ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کو بے سان و گمان رزق دیتا ہے۔
[2] جس کے مقدر میں ذلت ہے اس کو عزت نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔ کالی گدڑی دھونے سے سفید نہیں ہو سکتی ہے۔
[3] سبز دانہ سے انگور کا دانہ مراد ہے یعنی شراب وہ نشاط پیدا کرتی ہے کہ انسان سیمرغ کے کباب بنانے کا ارادہ کرتا ہے۔
[4] مردم آزار انسان غداری کرے اور کتا وفاداری تو یہ انسان کتے سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔
[5] اس کے شراب نہ بھیجنے کی غلطی پر یہ اس بات کا مستحق ہے جو اگلے شعر میں کہی گئی ہے۔
[6] یہ ۲ شعر مثنوی کے ہیں۔ نہ معلوم قطعات کے ذیل میں کیوں لکھے گئے ہیں۔

اے بادِ صبا اگر توانی | از راہِ وفا و مہربانی
اے صبا! اگر تجھ سے ہو سکے | تو وفا اور مہربانی کی راہ سے

از من خبرے بر بیارم | کو سوختہ تو در نہانی
میری خبر میرے یار کے پاس لے جا | کہ وہ جو تیرا پوشیدہ طور پر جلا ہوا ہے

می مُرد ز اشتیاق و میگفت | اے بے تو حرام زندگانی
اشتیاق سے مرا جاتا تھا اور کہتا تھا | اے دوست! تیرے بغیر زندگی حرام ہے

شراب[۱] لعلِ مُروّق بجام گفت کہ من | چہار گوہرم اندر چہار جائے مدام
صاف سرخ شراب نے جام میں کہا کہ میں | ہمیشہ چار جگہوں میں چار گوہر ہوں

زمرّدم بر تاک و عقیق در شیشہ | سُہیل در خمم و آفتاب اندر جام
میں انگور کی بیل پر زمرد ہوں، شیشہ میں عقیق ہوں | میں مٹکے میں سہیل ہوں، اور جام میں آفتاب ہوں

مرا حرام کہ گوید کہ وقتِ خوردنِ من | حلال زادہ بروں آید از نتاج حرام
مجھے حرام کون کہتا ہے اس لئے کہ مجھے پینے کے وقت | حرامی نطفہ سے حلال زادہ پیدا ہوتا ہے

قطعات

اے معزّا[۲] اصلِ عالی جوہرت از حقد و حرص | وے مبرّا ذاتِ میمون اخترت از زرق و ریو
اے وہ کہ تیرے جوہر کی بلند اصل، کینے اور حرص سے پاک ہے | اور اے وہ کہ تیرے مبارک ستارے والی ذات مکاری اور دھوکے سے مبرا ہے

از بزرگی کے روا باشد کہ تشریفات را | از فرشتہ بازگیری و آنگہے بخشی بدیو
بزرگی کیوجہ سے، کب جائز ہوگا کہ تو انعامات کو؟ | فرشتہ سے لوٹالے اور پھر شیطان کو دیدے

سرائے مدرسہ و بحثِ علم و طاق و رواق | چہ سود چوں دلِ دانا و چشمِ بینا نیست
مدرسہ کی سرائے، اور علم کی بحث، اور محراب اور پردہ | کیا فائدہ جبکہ دانا دل اور بینا آنکھ نہیں ہے!

سرائے[۳] قاضیِ یزد ار چہ منبعِ فضل ست | خلاف نیست کہ علمِ نظر در آنجا نیست
یزد کے قاضی کا مکان اگرچہ علم کا سرچشمہ ہے | اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نظربازی کا علم وہاں نہیں ہے

ایکہ از روزگار می طلبی | فرح و عیش و خرمی و طرب
اے وہ! کہ تو زمانہ سے طلب کرتا ہے | فرحت، اور عیش، اور خوشی اور مستی

فکرِ مال و منال و حشمت و جاہ | ہمہ بگذار و ساغرے بطلب
مال و منال اور حشمت اور جاہ کا فکر | سب چھوڑ اور ایک ساغر مانگ

دلا دیدی[۴] کہ آں فرزانہ فرزند | چہ دید اندر خمِ ایں طاقِ نیلیں
اے دل! تو نے دیکھا کہ اس عقلمند بچے نے | اس نیلگوں محراب کے خم میں کیا دیکھا

بجائے لوحِ سیمیں در کنارش | فلک بر سر نہادش لوحِ سنگیں
اُس کی بغل میں چاندی کی تختی کی بجائے | آسمان نے اس کے سر پہ پتھر رکھ دیا

مدتے[۵] در طلبِ مالِ جہاں کردم سعی | تا بآخر خبرم شد کہ ز نفعش ضرر ست
میں نے ایک مدت تک دنیا کا مال طلب کرنے میں کوشش کی | یہاں تک کہ آخر میں مجھے پتہ چل گیا کہ اس کے فائدہ میں نقصان ہے

عوضِ ہر چہ فلک داد بمن باز ستد | نکند فائدہ فریادِ جوانی چہ سر ست
جو چیزیں آسمان نے مجھے دیں ان کا بدلہ واپس لے لیا | جوانی کی فریاد کوئی فائدہ نہیں دیتی ہے کیا خیال ہے!

---

۱ شراب نے کہا میں چار جگہ پر چار گوہروں کی طرح ہوں انگور کی بیل پر جب تک ہوں زمرد ہوں۔ شیشہ میں اگر سرخ عقیق ہوں مٹکے میں سہیل ستارہ اور جام میں آفتاب ہوں مجھے پیکر حلال زادہ حرام زادے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ شراب پینے کے بعد انسان کی اصل حقیقت اور اس کے اخلاق ظاہر ہو جاتے ہیں۔

۲ یہ قطعہ بھی شکایتی ہے یعنی تیری ذات حرص سے پاک ہے تیری بزرگی کے یہ شایانِ شان نہیں ہے کہ دوسرے تیرے عطیات سے فائدہ اٹھائیں اور ہم محروم رہیں۔

۳ علم نظر، علم بحث و مناظرہ کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں اگر نظر بازی اور شاہد بازی کے معنی لئے جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔

۴ یہ قطعہ کسی بچے کے مرثیہ میں کہا ہے۔ لوحِ سیمیں چاندی کی تختی لوحِ سنگیں سے قبر کا پتھر مراد ہے۔

۵ یعنی دنیا کمانے میں آخرت کا نقصان ہے۔

عمر[1] ضائع شد و از مال زیانے دارد — اندہِ عمر کنوں از ہمہ غمہا بتر ست
عمر ضائع ہوگئی، اور مال میں بھی نقصان ہے — اب عمر کا غم سب غموں سے بدتر ہے

بعد ازیں یکنفس از عمر بملک دو جہاں — نفروشم کہ بچشمم دو جہاں مختصر ست
اس کے بعد عمر کا ایک سانس دونوں جہان کے ملک کے بدلے — میں نہ بیچوں گا اس لیے کہ میری آنکھوں میں دونوں جہان مختصر ہیں

مالکِ[2] مُلکِ قناعت چو شدم گفتم فاش — کہ ز سر ہر چہ زیادست مرا دردِ سر ست
میں جب قناعت کے ملک کا مالک ہو گیا تو کھلم کھلا میں نے کہا — کہ سر کے علاوہ جو کچھ زیادہ ہے میرے لیے دردِ سر ہے

گنجہا یافتہ ام در دلِ ویراں ز ہنر — گرچہ بحریست ضمیرم کہ سراسر ہنر ست
میں نے اپنے ویران دل میں ہنر کے خزانے پائے ہیں — اگرچہ میرا دل ایسا سمندر ہے جو سراسر ہنر ہے

بعد ازیں ہر چہ رسد از بد و نیک اے حافظ — غم مخور شاد بزی زانکہ جہاں در گذر ست
اے حافظ! اس کے بعد جو کچھ نیک اور بد حاصل ہو — غم نہ کر، خوش رہ اس لئے کہ دنیا فانی ہے

ہر کہ آمد[3] در جہانِ پُر ز شور — عاقبت میبایدش رفتن بگور
پُر فساد دنیا میں جو آیا — انجام کار اس کو قبر میں جانا پڑے گا

در رہِ عقبیٰ ست دُنیا چوں پُلے — بے بقا جائے و ویراں منزلے
آخرت کے راستہ میں دُنیا ایک پُل کی طرح ہے — نہ باقی رہنے والی جگہ، اور ایک ویران منزل ہے

دل[4] منہ بر ایں پُلِ پُر ترس و بیم — برگِ رہ ساز و مشو اینجا مقیم
اس پُر خوف و خطر پُل سے دل نہ لگا — راستہ کا سامان تیار کر، اور اس جگہ نہ ٹھہر

نزدِ اہلِ معنیٰ ایں کاخِ سپنج — ہست چوں ویرانہ خالی ز گنج
یہ اسپنجی محل، اہلِ باطن کے نزدیک — اس ویرانے کی طرح ہے جو خزانے سے خالی ہے

دور باش از دوستیِ مال و جاہ — زانکہ مالت مار و جاہت ہست چاہ
مال اور مرتبہ کی دوستی سے دور رہ — اس لیے کہ تیرا مال، سانپ اور مرتبہ، کنواں ہے

من[5] گرفتم خود توئی بہرام گور — خواہی افتاد آخر اندر دامِ گور
میں نے مانا کہ تو خود بہرام گور ہے — بالآخر تو قبر کے جال میں پھنسے گا

گر نہ کوری گور می بیں گفتمت — یک زماں بیکار منشیں گفتمت
میں تجھ سے کہتا ہوں اگر تو اندھا نہیں ہے تجھے قبر کو دیکھنا چاہیے — میں نے تجھ سے کہدیا، تھوڑی دیر کیلئے بھی بیکار نہ بیٹھ

ہیچکس را نیست زیں منزل گزیر — از گدا و شاہ واز برنا و پیر
اس منزل سے کسی کو چارہ نہیں ہے — خواہ فقیر ہو یا بادشاہ، خواہ جوان ہو یا بوڑھا

اے کہ بر ما بگذری دامن کشاں — از سرِ اخلاص الحمد[6] بخواں
اے وہ کہ جو ہمارے پاس سے دامن کھینچتا ہوا گزر رہا ہے — مخلصانہ طور پر سورۂ فاتحہ پڑھ

فسادِ[7] چرخ نہ بینیم و نشنویم ہنوز — کہ چشمہا ہمہ کور ست و گوشہا ہمہ کر
ہم ابھی تک آسمان کا فساد نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں — اس لیے کہ سب آنکھیں اندھی ہیں اور سب کان بہرے ہیں

بسا کساں کہ مہ و مہر باشدش بالیں — بعاقبت ز گل و خاک باشدش بستر
بہت سے وہ لوگ جن کے سرہانے سورج اور چاند ہوتے ہیں — انجام کار ان کا بستر مٹی اور خاک سے ہوتا ہے

قطعات

[1] مال بھی ضائع ہوا اور عمر بھی برباد ہوگئی عمر کی بربادی کا زیادہ افسوس ہے۔

[2] قناعت حاصل ہو جانے کے بعد میں نے کہدیا کہ بس انسان کو اپنے سر کا مالک ہونا چاہئے اس سے علاوہ اگر کچھ ہے تو وہ دردِ سری کا باعث ہے۔

[3] دنیا میں آنے کے بعد لامحالہ ہر شخص کو قبر میں جانا ہے۔

[4] دنیا آخرت کا پُل ہے پُل پر کوئی شخص قیام نہیں کرتا ہے بلکہ وہ محض گذر جانے کے لئے ہوتا ہے۔

[5] بہرام بادشاہ کو گورخر کے شکار کا بہت زیادہ شوق تھا اس لئے بہرام گور کہلانے لگا دامِ گور یعنی مر کر قبر میں جائے گا۔

[6] جو شخص تکبر کے ساتھ ہماری قبر پر سے گذرے اس کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر ہمیں ایصالِ ثواب کرنا چاہیے۔

[7] چونکہ ہم اندھے اور بہرے ہیں اس لیے زمانے کے فساد کو نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔

چہ فائدہ ز زرہ باکشادِ تیرِ قضا
قضا کا تیر چھوٹنے پر زرہ سے کیا فائدہ؟
چہ منفعت ز سپر بانفاذِ تیغِ قدر
تقدیر کی تلوار چلنے پر ڈھال سے کیا فائدہ؟

اگر ز آہن[۱] و فولادِ سودہ حصن کنی
اگر تو پسے ہوئے لوہے اور فولاد سے قلعہ بنا دے
حوالہ چوں برسد زود اجل بکوبد در
جب وقت آجاتا ہے تو موت جلد دروازہ کھٹکھٹا دیتی ہے

بروشنیِ خوش و عیش و نوش غرّہ مشو
اچھی روشنی اور عیش اور پینے پلانے سے دھوکا نہ کھا
کہ ظلمت از پئے نورست و زہر زیرِ شکر
اس لیے کہ تاریکی نور کے درپے ہے اور شکر کے نیچے زہر ہے

درے کہ بر تو کشایند از ہوا مکشائے
خواہش نفسانی کا جو دروازہ تجھ پر کھولیں اسے نہ کھول
رہے کہ بر تو نمایند از ہوس مسپر
ہوس کی جو راہ تجھے دکھائیں اس پر نہ چل

براہِ تو[۲] ہمہ چاہ است سر نہادہ مرو
تیرے راستے میں کنوئیں ہی کنوئیں ہیں، سر لگائے ہوئے چل
بجامِ تو ہمہ زہرست ناچشیدہ مخور
تیرے جام میں سب زہر ہے بغیر چکھے نہ پی

عیارِ چرخ بگیر و نہادِ دور نگر
آسمان کی آزمائش کر، اور زمانہ کی فطرت دیکھ
بساطِ حرص بچین و لباسِ آز بدر
حرص کی بساط لپیٹ دے اور لالچ کا لباس پھاڑ دے

دل منہ[۳] بر دنیا و اسبابِ او
دنیا اور اس کے سامان سے دل نہ لگا
زانکہ از وے کس وفاداری ندید
اس لیے کہ اس سے کسی نے وفاداری نہیں دیکھی ہے

کس عسل[۴] بے نیش ازیں دکاں نخورد
اس دکان سے کسی نے بغیر ڈنک کے شہد نہیں کھایا
کس رطب بے خار ازیں بستاں نچید
کسی نے بدون کانٹے کے اس باغ سے کھجوریں نہیں چنیں

ہر کہ ایامے چراغے بر فروخت
جس نے چند دن چراغ جلایا
چوں تمام افروخت بادش در دمید
جب پورا روشن ہوگیا، ہوا نے اسکو بجھا دیا

بے تکلّف ہر کہ دل بر وے نہاد
جس نے اس سے بے تکلف دل لگایا
چوں بدیدم خصمِ خود می پرورید
جب میں نے دیکھا تو وہ اپنا دشمن پال رہا تھا

شاہِ[۵] غازی خسروِ گیتی ستاں
غازی بادشاہ، دنیا کا فاتح خسرو
آنکہ از شمشیرِ او خوں می چکید
وہ کہ جس کی تلوار سے خون ٹپکتا تھا

گہ بیک حملہ سپاہے می شکست
کبھی ایک حملہ سے لشکروں کو شکست دیتا تھا
گہ بہ ہوئے قلبِ کوہے می درید
کبھی ایک ہُو سے پہاڑ کا دل پھاڑتا تھا

سروراں را بے گنہ میکرد حبس
سرداروں کو بے خطا قید کر دیتا تھا
گردناں را بے سخن سر می برید
بے بات لوگوں کے سر کاٹتا تھا

از نہیبش پنجہ می افگند شیر
اس کے خوف سے شیر پنجے ڈھیلے کر دیتا تھا
در بیاباں نامِ او چوں می شنید
جنگل میں جب اس کا نام سن لیتا تھا

عاقبت شیراز و تبریز و عراق
انجام کار جب اس نے شیراز، اور تبریز اور عراق کو
چوں مسخر کرد وقتش در رسید
فتح کرلیا تو اس کا وقت آگیا

آنکہ روشن بُد جہاں بینش باو
جس کی وجہ سے اس کی آنکھ روشن تھی
میل در چشمِ جہاں بینش کشید
اس نے اس کی جہاں بیں آنکھ میں سلائی پھیر دی

حواشی

[۱] اگر انسان آہنی قلعوں میں بھی رہے تو موت کا وقت آنے پر لامحالہ مرجائے گا۔

[۲] انسان کے راستے میں بہت سے کنوئیں ہیں اور اس کے جام میں زہر ہے ہوش سے کام کرنا چاہئے۔

[۳] یہ قطعہ امیر مبارز الدین کی گرفتاری پر لکھا ہے یعنی دنیا ناپائدار ہے اس پر بھروسہ مناسب نہیں ہے۔

[۴] دنیا کی ہر راحت تکلیف سے ملی ہوئی ہے۔ دکان، سے دنیا مراد ہے

[۵] شاہ غازی سے، امیر مبارز الدین محمد مراد ہے جس کو اس کے بیٹے شاہ شجاع نے گرفتار کرکے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر معزول کردیا تھا اور پھر خود شیراز کا بادشاہ بن گیا تھا۔

بعہدِ سلطنت شاہِ شیخ ابو اسحاق[1] | بہ پنج شخصِ عجب مُلکِ فارس بود آباد
شیخ ابو اسحاق بادشاہ کی سلطنت کے زمانے میں | ملک فارس پانچ عجیب شخصیتوں کی وجہ سے آباد تھا

نخست پادشہے ہمچو او ولایت بخش | کہ جانِ خویش بپرورد و دادِ عیش بداد
اوّلاً، اس جیسا ملک بخشنے والا بادشاہ | جس نے اپنی جان کی پرورش کی اور عیش کی داد دی

دِگر مربّیِ اسلام شیخ مجد الدیں | کہ قاضیے بہ ازآں آسماں ندارد یاد
دوسرے اسلام کے مربّی شیخ مجد الدین | کہ ان سے بہتر کوئی قاضی آسمان کو یاد نہیں ہے

دِگر شہنشہِ دانش عضد کہ در تصنیف | زمینِ ہمّتِ او کارہائے بستہ کشاد
تیسرے، عقل کا بادشاہ عضد الدین، کہ تصنیف میں | اس کی توجہ کی برکت سے بندھے ہوئے کام کھلے

بنائے کارِ موافق بنامِ شاہ نہاد | دِگر بقیّۂ ابدال شیخ امین الدیں
چوتھے، ابدال کے بقیّہ شیخ امین الدین | جنہوں نے موافق کام کی بنیاد بادشاہ کے نام پر رکھی

دِگر کریم چو حاجی قوامِ دریا دل | کہ نامِ نیک ببرد از جہاں بخشش و داد
پانچویں، حاجی قوام جیسا سخی دریا دل | جو بخشش اور عطا کی وجہ سے دنیا میں نیک نام پیدا کر گیا

نظیرِ خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند | خدائے عزّ و جل جملہ را بیامرزاد
انہوں نے اپنی مثال نہ چھوڑی اور چلے گئے | اللہ تعالیٰ سب کی بخشش کرے

مثنوی[2]

الا اے آہوئے وحشی کجائی | مرا با تست بسیار آشنائی
اے وحشی ہرن تو کہاں ہے؟ | مجھے تجھ سے بہت محبت ہے

دو تنہا و دو سرگردان بیکس[3] | دو راہ اندر کمیں از پیش و از پس
دو تنہا، اور دو حیراں، بیکس ہیں | آگے اور پیچھے سے دو راستے گھات میں ہیں

بیا تا حالِ یک دیگر ببینیم | زمانے پیشِ یکدیگر نشینیم
آجا، تاکہ ہم ایک دوسرے کا حال جان لیں | تھوڑی دیر مل کر بیٹھیں

حدیثِ دردِ دوری را نخوانیم[4] | مرادے ہم بجوئیم ار توانیم
فراق کے درد کا قصّہ ہم نہ پڑھیں | اگر ہو سکے تو ایک دوسرے کی مراد ڈھونڈیں

کہ می بینم دریں دشتِ مشوّش[5] | چراگاہے ندارم خرّم و خوش
اس لیے کہ میں اس تشویشناک جنگل میں دیکھتا ہوں | کہ میرے پاس کوئی سرسبز اور اچھی چراگاہ نہیں ہے

کہ خواہد شد بگوئید اے حبیباں | رفیقِ بیکساں یارِ غریباں
اے دوستو! بتاؤ کون ہوگا؟ | بیکسوں کا دوست، غریبوں کا یار

مگر خضرِ مبارک پے درآید | زیُمنِ ہمّتش ایں رہ سرآید
شاید با برکت خضر آجائے | اس کی توجہ کی برکت سے یہ راستہ طے ہو جائے

---

[1] شاہ ابو اسحاق وہی شیراز کا والی ہے جس کو امیر مبارز الدین نے شکست دی تھی اس قطعہ میں ابو اسحاق کے دور کی پانچ (۵) شخصیتوں کا ذکر ہے۔

[2] مثنوی کے معنی دُو دُو والا ہیں چونکہ مثنوی کے ہر شعر میں دونوں مصرعے ایک قافیہ کے ہوتے ہیں گویا ہر شعر دو قافیوں والا ہے۔ قافیہ کے اعتبار سے مثنوی کا ہر شعر جداگانہ ہوتا ہے، لیکن مضمون مسلسل ہوتا ہے۔

[3] دو سے ہرن اور خود شاعر مراد ہے۔

[4] درد اور غم سے قطع نظر کر کے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

[5] دشتِ مشوّش سے میدانِ عشق مراد ہے۔

مثنوی

مگر[1] وقتِ عطا پروردن آمد
شاید! عطا پروری کا وقت آگیا ہے

کہ فالم لاتذرنی فرداً آمد
اس لیے کہ "مجھے اکیلا نہ چھوڑ" میری فال نکلی ہے

کہ روزے رہروے در سرزمینے
اس لیے کہ ایک دن ایک راہ چلنے والا ایک جگہ

ہمی گفت ایں معما با قرینے
ایک ساتھی سے یہ معما کہہ رہا تھا

کہ اے سالک چہ در انبانہ داری
کہ اے سالک! تو تھیلے میں کیا رکھتا ہے؟

بیا دامے بنہ گر دانہ داری
آ، جال بچھا، اگر دانہ رکھتا ہے

جوابش[2] داد و گفتا دانہ دارم
اس نے اس کو جواب دیا، "میرے پاس دانہ تو ہے

ولے سیمرغ می باید شکارم
لیکن میں سیمرغ کا شکار کرنا چاہتا ہوں"

بگفتا چوں بدست آری نشانش
اس نے کہا، تو اس کا پتہ کیسے لگائے گا؟

کہ از ما بے نشانست آشیانش
کیونکہ ہمیں اس کے آشیانہ کا کوئی پتہ نہیں ہے

بگفتا گرچہ ایں امرِ محال ست
اس نے کہا، اگر چہ یہ محال بات ہے

ولیکن ناامیدی ہم وبال ست
لیکن مایوسی بھی وبال ہے

ہمی تا جاں بود در تن بکوشم
جب تک بدن میں جان ہے، میں کوشش کروں گا

بود کز جامِ او یک جرعہ نوشم
ہوسکتا ہے کہ میں اُس کے جام سے ایک گھونٹ پی لوں

مرا بگذشت آبِ فرقت از سر
ہجر کا پانی میرے سر سے گزر گیا ہے

دریں حالم مدارا اینست درخور
اس حالت میں تو مجھ کو مت رکھو یہ مناسب ہے

ہم اکنوں[3] راہِ مُلکِ خویش گیرم
میں اب اپنے مُلک کا راستہ اختیار کرتا ہوں

وگر میرم ہم اندر راہ میرم
اگر مروں گا بھی تو راستہ میں مروں گا

غریبانے کہ حالم را ببینند
جو مسافر میرا حال دیکھیں گے

بمرگم بر سرِ بالیں نشینند
مرنے پر میرے سرہانے بیٹھ جائیں گے

غریباں را غریباں یاد آرند
پردیسیوں کو پردیسی یاد رکھتے ہیں

کہ ایشاں یکدگر را یادگارند
اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کی یادگار ہیں

خدایا چارۂ بیچارگانی
اے خدا! تو ہی بے چاروں کا چارہ ہے

مرادِ بندہ را چارہ تو دانی
بندے کے مقصد کی تو تدبیر جانتا ہے

چناں[4] کز شب بر آری روزِ روشن
جس طرح تو رات سے روشن دن برآمد کردیتا ہے

ازیں اندُہ برآور شادیِ من
اس غم میں سے میری خوشی برآمد کردے

زہجرانت ہمی دارم شکایت
تیرے فراق سے مجھے شکوہ ہے

نمی گنجد در اینجا ایں حکایت
اس جگہ اس قصہ کی گنجائش نہیں ہے

رفیقاں قدرِ یکدیگر بدانید
اے ساتھیو! ایک دوسرے کی قدر پہچانو

مرادے ہم بجوئید ار توانید
اگر کرسکتے ہو تو کسی مراد کی جستجو کرو

چو آں[5] سروِ رواں شد کاروانی
جبکہ وہ سروِ رواں، قافلہ والا بن گیا

بگفتا صبر کن تا می توانی
بولا، جب تک تجھ سے ہوسکے صبر کر

[1] قرآن پاک میں ہے "رب لاتذرنی فرداً وانت خیر الوارثین" اے خدا مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے اس شعر میں اسی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

[2] سالک نے جواب میں کہا کہ دانہ تو ہے لیکن میں اس سے سیمرغ کا شکار کرنا چاہتا ہوں۔

[3] میں اس دنیا میں پردیسی ہوں اپنے وطن کا راستہ اختیار کروں گا۔ اگر موت بھی آئے تو وطن کے راستہ میں آئے جو اور مسافر ہوں گے وہ تو میری تُربت پر بیٹھیں گے اس لیے کہ مسافر مسافر کا ہمدرد ہوتا ہے۔

[4] جس طرح خدا رات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی نمودار فرماتا ہے، اسی طرح میرے غم میں سے خوشی نمودار فرماسکتا ہے۔

[5] یعنی جب محبوب قافلہ کے ساتھ چلا، اور مجھے صبر کی تلقین کرنے لگا۔

(۵۸)

مدہ[1] جامِ مے و پائے گُل از دست — وے غافل مشو از چرخِ بدمست
شراب کا جام اور گلزار، ہاتھ سے نہ چھوڑ — لیکن بدمست آسمان سے غافل نہ ہو

لبِ سرچشمۂ و بر طرفِ جوئے — نمِ اشکے و با خود گفتگوئے
چشمے کے کنارے، اور نہر پر — آنسوؤں کی نمی ہو اور اپنے آپ سے باتیں

بیادِ[2] رفتگان و دوستداراں — توافق کن تو با ابرِ بہاراں
دوستوں اور گذرے ہوؤں کی یاد پر — تو موسمِ بہار کے ابر سے موافقت کر

چو نالاں آیدت ابرِ رواں پیش — مدد بخشش ز آبِ دیدۂ خویش
جب ابرِ رواں، تیرے سامنے روتا ہوا آئے — اپنی آنکھ کے آنسوؤں سے اس کی مدد کر

نکرد آں ہمدمِ دیریں مدارا — مسلماناں مسلماناں خدارا
اس قدیم ساتھی نے مروت نہ برتی — اے مسلمانو! دُہائی ہے

چناں بیرحم زد تیغِ جدائی — کہ گوئی خود نبودہ است آشنائی
جدائی کی تلوار اس قدر بے رحمی سے چلائی — کہ گویا دوستی تھی ہی نہیں

برفت و طبعِ خوش باشم حزیں کرد — برادر با برادر کے چنیں کرد
وہ چلا گیا، اور میری خوش رہنے والی طبیعت کو غمگین کر گیا — بھائی نے بھائی کے ساتھ ایسا کب کیا ہے؟

مگر خضرِ[3] مبارک پے تواند — کہ ایں تنہا بآں تنہا رساند
شاید مبارک قدم، خضر کر سکے — کہ اس اکیلے کو اُس اکیلے کے پاس پہونچا دے

نیازِ من چہ وزن آرد بدیں ساز — کہ خورشیدِ غنی شد کیسہ پرداز
اس ٹھاٹ میں میری نیازمندی کا کیا وزن ہے — اس لیے کہ مالدار سورج خالی تھیلی والا ہو گیا

تو گوہر بین و از خر مہرہ بگذر — ز طرزے کاں نگردد شہرہ بگذر
تو موتی کو دیکھ اور کوڑی کو چھوڑ دے — اس طرز سے گذر جس سے شہرت نہ ہو

چو من[4] ماہیِ کلک آرم بتحریک — تو از نون والقلم می پرس تفسیر
جب میں قلم کی مچھلی کو حرکت میں لاؤں — تو نون اور قلم کی تفسیر پوچھ لے

رواں را با خرد درہم سرشتند — وزاں تخمے کہ حاصل بود کشتند
رُوح کو عقل کے ساتھ گوندھا — اس سے جو بیج پیدا ہوا اس کو بویا

بیاور نکہتے زاں طیبِ امید — مشامِ جان معطر ساز جاوید
اس امید کی خوشبو سے مہک لا — جان کے دماغ کو ہمیشہ معطر بنا

کہ ایں نافہ ز چینِ زلفِ حور ست — نہ زاں آہو کہ از مردم نفور ست
اس لیے کہ یہ نافہ، حور کی زلف کی شکن کا ہے — اس ہرن کا نہیں ہے جو انسانوں سے متنفر ہے

چرا با بختِ خود چندیں ستیزم — چرا از طالعِ خود می گریزم
میں اپنے نصیبے سے اس قدر کیوں لڑوں؟ — میں اپنے مقدر سے کیوں بھاگوں؟

دریں[5] وادی ز بانگِ چنگ بشنو — کہ صد من خونِ مظلوماں بیک جو
اس میدان میں چنگ کی آواز سے سن — کہ مظلوموں کا سو من خون ایک جو کی قیمت کا ہے

تشریح

[1] جام اور گلستان کو ترک نہ کرنا چاہیے لیکن آسمان کی بدمستی سے غفلت کبھی نہ اختیار کرنی چاہیے۔

[2] جس طرح ابرِ بہاری آنسو بہاتا ہے تو بھی گذرے ہوؤں کی یاد میں رو۔

[3] مجھ تنہا کو اس محبوب تک خضرِ مبارک قدم ہی پہونچا سکتا ہے۔

[4] نٓ والقلم و مایسطرون قرآن پاک کی آیت ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے یعنی قلم اسرار ظاہر کرتا ہے۔

[5] میدانِ عشق میں عاشقوں کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

پرِ جبریل را اینجا بسوزند
اس جگہ[1] جبریلؑ کے پر جلا دیتے ہیں
بدامن کودکاں آتش فروزند
بچے دامن سے آگ روشن کردیتے ہیں

سخن گفتن کرا یارا است اینجا
اس مقام[1] پر کس کو بات کرنے کی طاقت ہے؟
تعالی اللہ چہ استغناست اینجا
خدا بلند ہے! اس جگہ کیا بے نیازی ہے؟

برو حافظ دریں معرض مزن دم
اے حافظ جا! اس میدان میں سانس نہ لے
سخن کوتاہ کن واللہُ اعلم
بات مختصر کر اور خدا زیادہ جانکار ہے

قصائد[2]

جوزا[3] سحر نہاد حمائل برابرم
صبح کو، جوزا نے پرتلا میرے سامنے رکھدیا
یعنی غلامِ شاہم و سوگند میخورم
یعنی میں شاہ کا غلام ہوں، اور میں قسم کھاتا ہوں

ساقی بیا کہ از مددِ بختِ سازگار
اے ساقی! آجا اس لیے کہ موافق نصیبے کی مدد سے
کامے کہ خواستم ز خدا شد میسّرم
جو مقصد میں نے خدا سے مانگا، وہ مجھے مل گیا

جامے[4] بدہ کہ باز بشادیِ روئے شاہ
ایک جام دے، اس لیے کہ پھر شاہ کے دیدار کی خوشی میں
پیرانہ سر ہوائے جوانی ست بر سرم
بڑھاپے میں، جوانی کی خواہش میرے سر پر سوار ہے

راہم مزن بوصفِ زلالِ خضر کہ من
خضر کے نیر پانی کی تعریف کرکے مجھے نہ بھٹکا اس لیے کہ میں
از جامِ شاہ جرعہ کشِ حوضِ کوثرم
شاہ کے جام سے حوضِ کوثر کے گھونٹ پی رہا ہوں

شاہا من ار بعرش رسانم سریر فضل
اے بادشاہ اگر میں بزرگی کا تخت عرش پر بھی پہونچا دوں
مملوکِ ایں جنابم و مسکینِ ایں درم
تو میں اس دربار کا غلام اور اس در کا فقیر ہوں

من[5] جرعہ نوشِ بزمِ تو بودم ہزار سال
میں ہزاروں سال تیری محفل کا جرعہ نوش رہا ہوں
کے ترکِ آبخور کند ایں طبعِ خوگرم
میری عادی طبیعت اس آبخور کو کب چھوڑ سکتی ہے؟

گر باورت نمی شود از بندہ ایں حدیث
اگر تجھے غلام کی اس بات پر یقین نہیں ہے
از گفتۂ کمال دلیلے بیاورم
کمال کی بات سے ایک دلیل لاؤں گا

گر برکنم دل از تو و بردارم از تو مہر
اگر تجھ سے دل ہٹاؤں، اور تجھ سے محبت ہٹا لوں
آں مہر بر کہ افگنم آں دل کجا برم
وہ محبت کس سے کروں، اس دل کو کہاں لیجاؤں؟

منصور بن محمدِ غازیست حرزِ من
منصور، محمد غازی کا بیٹا، میری حفاظت کا ذریعہ ہے
وز ایں خجستہ نام بر اعدا مظفرم
اس بابرکت نام کی وجہ سے میں دشمنوں پر فتحیاب ہوں

عہدِ[6] الستِ من ہمہ با مہرِ شاہ بود
میرا پورا عہدِ الست شاہ کی محبت پر تھا
در شاہراہِ عمر ازیں عہد نگذرم
زندگی کی شاہراہ میں، میں اس سے نہ ہٹوں گا

گردوں چو کرد نظمِ ثریا بنامِ شاہ
جب آسمان نے ثریا کو شاہ کے نام پر پرو دیا ہے
من خود چرا چنیں نہ کنم از کہ کمترم
میں خود ایسا کیوں نہ کروں، میں کس سے کم ہوں؟

[1] یہ دربار اس قدر بے نیاز ہے کہ وہاں بات کرنے کی بھی مجال نہیں ہے۔
[2] قصیدہ اشعار کا وہ مجموعہ کہلاتا ہے جس میں کسی کی تعریف یا مذمت ہو اس کا مضمون مسلسل ہوتا ہے، اس کے مطلع کے دونوں مصرعوں کا قافیہ ایک ہوتا ہے، باقی اشعار میں ہر شعر کے دوسرے مصرع کا قافیہ مطلع کے قافیے کے مطابق ہوگا۔ یہ قصیدہ شاہ منصور کی تعریف میں ہے جس نے شاہ شجاع کے بیٹے زین العابدین کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔
[3] جوزا سے برجِ جوزا مراد نہیں ہے بلکہ وہ آسمانی شکل مراد ہے جس میں ایک مرد دو کرسیوں پر کھڑا ہے اور ایک تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے ہے۔
[4] بادشاہ کو دیکھنے کی خوشی سے بڑھاپے میں جوانی کے جذبات پیدا ہوگئے ہیں۔
[5] ہزار سال سے مراد ازل ہے یا طویل زمانہ۔
[6] عہدِ الست وہ عہد ہے جو ازل میں خدا نے اپنے بندوں سے اپنے رب ہونے کا لیا تھا یعنی میرا عہدِ الست شاہ کی محبت پر ہوا تھا۔

قصائد

شاہیں صفت چو طُعمہ چشیدم بدستِ شاہ
جب میں نے باز کی طرح شاہ کے ہاتھ کا نقمہ کھایا ہے

کے باشد التفات بصیدِ کبوترم
کبوتر کے شکار کی طرف میری توجہ کب ہو سکتی ہے؟

اے شاہِ شیر گیر چہ کم گردد ار شود
اے شیر کو پکڑنے والے بادشاہ! کیا کم ہو جائے گا اگر ہو جائے

در سایۂ تو مُلکِ فراغت میسّرم
تیرے سایہ میں مجھ کو فراغت کا ملک حاصل؟

بال[۱] و پرے ندارم و ایں طُرفہ تر کہ نیست
میں بال اور پر نہیں رکھتا ہوں، اور یہ عجیب بات ہے

غیر از ہوائے منزلِ سیمرغ در سرم
کہ میرے سر میں کوئی خواہش سیمرغ کی قیامگاہ کے سوا نہیں ہے

بر گلشنے اگر بگذشتم چو بادِ صبح
اگر میں کسی چمن پر صبح کی ہوا کی طرح گذرا

نے عشقِ سرو بود و نہ شوقِ صنوبرم
تو نہ مجھے کسی سرو کا عشق تھا نہ کسی صنوبر کا شوق

بوئے تو می شنیدم و بر یادِ روئے تو
میں نے تیری خوشبو سونگھی اور تیرے رُخ کی یاد پر

دادند ساقیانِ طرب یکدو ساغرم
مستی کے ساقیوں نے مجھے ایک دو ساغر دیئے

مستی[۲] بآبِ یکدو قدح وضعِ بندہ نیست
ایک دو پیالوں کے پانی سے مست ہو جانا بندہ کی وضع نہیں ہے

من سالخوردہ پیرِ خرابات پرورم
میں شراب خانہ میں پلا ہوا، پرانا بوڑھا ہوں

با سیرِ اختر و فلکم داوری بسے ست
ستارے اور آسمان کی رفتار سے میرا بہت جھگڑا ہے

انصافِ شاہ باد دریں قصہ داورم
اس قصہ میں بادشاہ کا انصاف میرا منصف ہو

شکرِ خدا کہ باز دریں اوجِ بارگاہ
خدا کا شکر ہے کہ پھر اس دربار کی بلندی میں

طاؤسِ[۳] عرش می شنود صیتِ شہپرم
تخت کا مور میرے شہپر کی آواز سن رہا ہے

نامم زکار خانۂ عُشّاق محو باد
خدا کرے عاشقوں کے کارخانہ سے میرا نام مٹ جائے

گر جز محبتِ تو بود شغلِ دیگرم
اگر تیری محبت کے سوا میرا کوئی دوسرا شغل ہو

شِبلُ[۴] الاسد بصیدِ دلم حملہ کرد و من
شیر کے بچے نے میرے دل کو شکار کرنے کیلئے حملہ کیا اور میں

گر لاغرم و لیک شکارِ غضنفرم
اگرچہ لاغر ہوں لیکن شیرِ ببر کا شکار ہوں

اے[۵] عاشقانِ روئے تو از ذرہ بیشتر
اے وہ کہ تیرے عاشق موتی سے بھی بڑھے ہوئے ہیں

من[۶] کے رسم بوصلِ تو کز ذرہ کمترم
میں تیرے وصل تک کب پہونچ سکتا ہوں کیونکہ ایک ذرے سے بھی کم ہوں؟

بنما بمن کہ منکرِ حُسنِ رُخِ تو کیست
مجھے دکھا کہ تیرے رُخ کے حُسن کا منکر کون ہے؟

تا دیدہ اش بگزلکِ غیرت بر آورم
کہ میں اپنی غیرت کی چھری سے اس کی آنکھیں نکال لوں

مقصود ازیں معاملہ بازارِ تیزِ تست
اس معاملہ سے مقصود تیرا تیز بازار ہے

نہ جلوہ می فروشم و نہ عشوہ می خرم
نہ میں جلوہ فروشی کرتا ہوں نہ ناز خریدتا ہوں

بر من فتادہ سایۂ خورشیدِ سلطنت
میرے اوپر سلطنت کے آفتاب کا سایہ پڑ گیا ہے

اکنوں فراغتست ز خورشیدِ خاورم
مجھے اب مشرق کے سورج سے فراغت ہے

شعرم[۷] بیُمنِ مدحِ تو صد مُلکِ دل کشاد
میرے اشعار نے تیری تعریف کی برکت سے دل کے سو ملک فتح کئے

گوئی کہ تیغِ تست زبانِ سخنورم
گویا کہ میری سخنور زبان، تیری تلوار ہے

حافظ زجاں محبِّ رسول ست و آلِ او
حافظ، جان سے رسول اور ان کی اولاد کا محب ہے

بر ایں سخن گواست خداوندِ اکبرم
اس بات پر میرا ربِّ اکبر گواہ ہے

---

۱ یعنی اگرچہ کمزور اور بے طاقت ہوں لیکن محبوبِ کامل کی جستجو میں ہوں۔

۲ یعنی پرانا شراب نوش ہوں ایک دو پیالوں سے بدمست نہیں ہوتا ہوں۔

۳ شاہی تخت کو مور کی شکل میں بنایا جاتا تھا شاہجہاں کا مشہور تختِ طاؤسی بھی بشکلِ طاؤس ہی تھا۔

۴ یعنی معمولی درجہ کا ممدوح مجھے اپنا قصیدہ خواں نہیں بنا سکتا ہے۔

۵ تیرے چہرے کے وہ بھی مشتاق ہیں جو ہمنژادِ مروارید کے ہیں۔

۶ میں ایک بے مقدار ذرہ ہوں مجھے تیرا وصل کیسے میسّر آسکتا ہے۔

۷ جس طرح تیری تلوار ملک فتح کرتی ہے، میرے اشعار بھی دلوں کے فاتح ہیں۔

قصیدہ نمبر ۲

شد عرصۂ زمین چو بساط ارم جواں
زمین کا میدان، جنت کے فرش کی طرح جوان ہوگیا ہے
از پرتوِ سعادتِ شاہِ جہانیاں
دنیا والوں کے بادشاہ کی نیک بختی کے سایہ سے

خاقانِ[1] شرق و غرب کہ در غرب و شرق اوست
مشرق اور مغرب کا خاقان جو کہ مغرب اور مشرق میں
صاحبقرانِ خسرو و شاہِ خدایگاں
صاحبِ قران بادشاہ، اور شہنشاہ ہے

خورشیدِ ملک پرور و سلطانِ دادگر
ملک پرور آفتاب ہے، اور منصف بادشاہ ہے
دارائے عدل گستر و کسرائے کے نشاں
عدل کرنیوالا دارا ہے اور کیخسرو جیسا کسریٰ ہے

سلطاں نشانِ عرصۂ اقلیمِ سلطنت
سلطنت کی اقلیم کے میدان کا سلطان منصب ہے
بالا نشینِ مسندِ ایوانِ لامکاں
لامکاں کے محل کی مسند کا بالا نشین ہے

اعظم[2] جلالِ دولت و دیں آنکہ رفعتش
سلطنت اور دین کے بڑے جلال والا ہے جسکی بلندی
دارد ہمیشہ توسنِ ایام زیرِ راں
زمانہ کے گھوڑے کو ہمیشہ ران کے نیچے رکھتی ہے

دارائے دہر شاہ شجاع آفتابِ ملک
وقت کا دارا شاہ شجاع جو سلطنت کا آفتاب ہے
خاقانِ کامگار و شہنشاہِ نوجواں
کامیاب خاقان اور نوجوان شہنشاہ ہے

ماہے کہ شد ز طلعتش افروختہ زمیں
ایسا چاند جس کی چمک سے زمین روشن ہوگئی ہے
شاہے کہ شد ز ہمتش افراختہ زماں
ایسا بادشاہ جس کی ہمت کا باز آشیانہ بناتا ہے

سیمرغِ وہم را نبود قوتِ عروج
وہم کے سیمرغ کو بھی چڑھنے کی طاقت نہیں ہے
آنجا کہ بازِ ہمتِ او سازد آشیاں
جس جگہ اس کی ہمت کا باز آشیانہ بناتا ہے

گر[3] در خیالِ چرخ فتد عکسِ تیغِ او
اگر اس کی تلوار کا عکس آسمان کے خیال میں آجائے
از یکدگر جدا شود اجزائے آسماں
آسمان کے اجزا ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں

حکمش رواں چو باد بر اطرافِ بحر و بر
اس کا حکم بحر و بر کے اطراف پر، ہوا کی طرح جاری ہے
مہرش رواں چو روح بر اعضائے انس و جاں
اس کی محبت انسانوں اور جنوں کے اعضا پر روح کی طرح جاری ہے

اے صورتِ تو ملکِ جمال و جمالِ ملک
اے وہ کہ تیری صورت حسن کی سلطنت اور سلطنت کا حسن ہے
وے طلعتِ تو جانِ جہان و جہانِ جاں
اور اے وہ کہ تیرا چہرہ دنیا کی جان اور جان کی ایک دنیا ہے

تختِ تو رشکِ مسندِ جمشید و کیقباد
تیرا تخت، جمشید اور کیقباد کی مسند کا رشک ہے
تاجِ تو عینِ افسرِ دارا و داوراں
تیرا تاج دارا اور بادشاہوں کے تاج کا سردار ہے

تو آفتابِ ملکی و ہر جا کہ میروی
تو سلطنت کا سورج ہے اور جہاں کہیں تو جاتا ہے
چوں سایہ از قفائے تو دولت بود رواں
سایہ کی طرح تیرے پیچھے سلطنت چلتی ہے

ارکاں نپرورد چو تو گوہر بہیچ قرن
کسی زمانہ میں بھی عناصرِ اربعہ تجھ جیسا موتی پیدا نہیں کرسکتے
گردوں نیاورد چو تو اختر بصد قراں
سو قرانوں سے بھی آسمان تجھ جیسا ستارہ نہیں لاسکتا ہے

بے[4] طلعتِ تو جاں نگراید بکالبد
تیرے چہرے کے بغیر، جاں، جسم پر مائل نہیں ہوتی ہے
بے نعمتِ تو مغز نہ بندد در استخواں
تیری نعمت کے بغیر ہڈیوں میں گودا پیدا نہیں ہوتا ہے

[1] خاقان ایرانی بادشاہوں کا لقب تھا صاحبِ قران وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی ولادت کے وقت زہرہ اور مشتری ستارے مل گئے ہوں ایسا بچہ بہت بڑا بادشاہ بنتا ہے۔
[2] یعنی زمانہ کی رفتار اس کے قابو میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جلال سے جلال الدین توران شاہ مراد ہو جو شاہ شجاع کا وزیر تھا۔ شاہ شجاع نے اپنے باپ مبارز الدین کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔
[3] اس کی تلوار کا تصور کبھی آسمان کو پارہ پارہ کردے گا۔
[4] روح کا جسم سے تعلق تیرے چہرے کی وجہ سے ہے، ہڈیوں کا گودا تیری نعمتوں کی پیداوار ہے۔

هر دانشے کہ در دلِ دفتر نیامدہ است
عقل کی ہر وہ بات جو کتابوں میں نہیں سما سکی ہے
دارد جوابِ خامۂ تو بر سرِ زباں
تیرے قلم کا جواب اس کو نوکِ زبان پر رکھتا ہے

دستِ ترا بابر کہ آرد شبیہ کرد
تیرے ہاتھ کو ابر کے ساتھ کون تشبیہ دے سکتا ہے،
چوں بدرہ بدرہ ایں دہد و قطرہ قطرہ آں
جبکہ یہ تھیلی تھیلی دیتا ہے، اور وہ قطرہ قطرہ

باپایۂ جلالِ تو افلاک پایمال
تیرے جلال کے رتبہ کے سامنے آسمان پامال ہیں
وز بہرِ جودِ دستِ تو در دہر داستاں
زمانہ میں تیرے ہاتھ کی سخاوت کی داستان پھیلی ہوئی ہے

علم از تو با کرامت و عقل از تو با فروغ
علم تیری وجہ سے باعزت ہے، اور عقل تجھ سے پُر رونق ہے
شرع از تو در حمایت و دیں از تو در اماں
شریعت تیری وجہ سے پناہ میں ہے اور دین تیری وجہ سے امن میں ہے

بر چرخِ علم ماہی و بر فرقِ مہر تاج
تو علم کے آسمان کا چاند، اور سورج کے سر پہ تاج ہے
در چشمِ فضل نوری و در جسمِ مُلک جاں
تو بزرگی کی آنکھ کا نور ہے اور سلطنت کے جسم کی جان ہے

اے خسروِ رفیع جناب و منیع قدر
اے بلند بارگاہ والے اور محفوظ رتبے والے بادشاہ
اے داورِ عدیم مثال و عظیم شاں
اے عدیم المثال اور عظیم الشان بادشاہ!

اے آفتابِ مُلک کہ در جنبِ ہمّتت
اے سلطنت کے آفتاب، تیری ہمت کے پہلو میں
چوں ذرّۂ حقیر بود گنجِ شایگاں
گنجِ شائگاں، حقیر ذرّے کی طرح ہے

در جنبِ بحرِ جودِ تو از ذرّہ کمتر ست
تیری سخاوت کے سمندر کے پہلو میں ذرّے سے بھی کم ہیں
صد گنجِ شایگان کہ بہ بخشی برائیگاں
سو گنجِ شائگاں، جو تو بلا وجہ بخش دیتا ہے

عصمت نہفتہ رُخ بہ سراپردۂ مخیم
خیمہ کے سراپردے میں عصمت منہ ڈھکے ہوتے ہے
دولت کشادہ رو بصفاریز کندلاں
رونق پھیلانے والے خیمہ میں دولت منہ کھولے ہوئے ہے

گردوں برائے خیمۂ خورشید فلکہ ات
آسمان نے تیرے آفتاب جیسے خیمہ کے فلکہ کے لئے
از کوہ ابر ساختہ تا زیرِ سائباں
پہاڑوں سے سائبان کے نیچے تک ابر تیار کر دیا ہے

ایں اطلسِ منقّش نہ توی زر نگار
اس نوبتِ والے زر نگار، منقش، اطلس کو
چترِ بلند بر سرِ خرگاہِ خویش داں
اپنے خیمہ پر بلند چھتر، سمجھ

بودی درونِ گلشن و از پُردلانِ تو
تو چمن میں تھا، اور تیرے بہادروں کی وجہ سے
در ہند بود غلغل و در زنگ بُد فغاں
ہندوستان میں شور تھا، اور زنگ میں فریاد

در دشتِ روم خیمہ زدی تا غریوِ کوس
تو نے روم کے جنگل میں خیمہ لگایا یہاں تک کہ نقارہ کی گونج
در دشتِ سند رفت و بیابانِ سیستاں
سندھ کے جنگل اور سیستان کے بیابان میں پہونچی

آں کیست کو بمُلک کند با تو ہمسری
وہ کون ہے جو سلطنت میں تیری برابری کرے؟
از مصر تا بروم و ز چیں تا بقیرواں
مصر سے روم تک، اور چین سے قیروان تک

تو شاکری ز خالق و خلق از تو شاکرند
تو اللہ کا شکر گذار ہے اور مخلوق تیری شکر گذار ہے
تو شادماں بدولت و مُلک از تو شادماں
تو سلطنت سے خوش ہے اور سلطنت تجھ سے خوش ہے

اے مُلہمے کہ در صفِ کرّوبیانِ قدس
اے وہ مُلہم جو عالمِ قدس کے فرشتوں کی صف میں ہے
فیضے رسد بخاطرِ پاکت زماں زماں
تیری پاک طبیعت کو ہر وقت فیض پہونچتا ہے

ؔ۱ سخاوت میں تیرا ہاتھ ابر سے بڑھا ہوا ہے ابر سے قطرات برستے ہیں تیرے ہاتھ سے روپیوں کی تھیلیاں۔
ؔ۲ گنجِ شائگاں کیخسرو کے ایک خزانے کا نام ہے۔
ؔ۳ سمندر سخاوت میں مشہور ہے لیکن تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔
ؔ۴ تیرا خیمہ عصمت اور دولت کی پناہ گاہ ہے۔
ؔ۵ تیرے لشکر کی دھاک ہندوستان اور حبش تک ہے۔
ؔ۶ کرّوبیانِ قدس وہ فرشتے جو جنابِ باری میں مقرب ہیں۔ مُلہَم وہ شخص جس کو خدا کی جانب سے الہام ہوتا ہو۔

دادا فلک عنانِ ارادت بدستِ تو
آسمان نے ارادہ کی باگ تیرے ہاتھ میں دیدی ہے

یعنی کہ من کیَم بمرادِ خودم رسال
یعنی میں کیا چیز ہوں تو مجھے میری مراد تک پہنچادے

خصمت کجاست در تہِ پائے خودت فگن
تیرا دشمن کہاں ہے، اس کو اپنے پیر کے نیچے ڈال دے؛

یارِ تو کیست بر سرو چشمِ منش نشاں
تیرا دوست کون ہے، اس کو میرے سر و چشم پر بٹھادے؛

ہم کامِ من بخدمتِ تو گشتہ منتظم
میرے مقصد کا بھی تیری خدمت کی وجہ سے بندوبست ہوگیا

ہم نامِ من بمدحتِ تو گشتہ جاوداں
میرا نام بھی تیری تعریف کی وجہ سے ہمیشگی اختیار کرگیا

قصیدہ نمبر ۳

سپیدہ[1] دم کہ صبا بوئے بوستاں گیرد
صبح کے وقت جب صبا چمن کی خوشبو حاصل کرلیتی ہے

چمن زلطفِ ہوا نکتہ بر جناں گیرد
چمن ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے جنتوں پر نکتہ چینی کرتا ہے

ہوا[2] ز نکہتِ گُل در چمن تتق بندد
ہوا پھول کی خوشبو کی وجہ سے چمن میں پردے تان دیتی ہے

افق ز رنگِ شفق رنگِ گلستاں گیرد
شفق کے رنگ کی وجہ سے افق، گلستاں کا رنگ اختیار کرتا ہے

نوائے چنگ بدانساں زند صلائے صبوح
چنگ کی آواز اس طور پر صبح کی شراب کی دعوت دیتی ہے

کہ پیرِ صومعہ راہِ درِ مغاں گیرد
کہ عبادت خانہ کا پیر مغوں کے دروازے کا راستہ لیتا ہے

شہ[3] سپہر چو زریں سپر کشد بر سر
آسمان کا بادشاہ جب سر پر زریں سپر لگا لیتا ہے

بہ تیغِ صبح و عمودِ افق جہاں گیرد
صبح کی تلوار اور افق کے گرز کے ذریعہ دنیا پر قبضہ کرلیتا ہے

بر غم[4] زاغِ سیہ شاہبازِ زریں بال
سیاہ کوے کی ذلت کے لئے زریں پر والا شہباز

دریں مقرنسِ زنگاری آشیاں گیرد
اس زنگاری قلعہ میں گھونسلا بنا لیتا ہے

بزمگاہِ چمن رو کہ خوش تماشا ئیست
چمن کی محفل میں جا، کہ بہترین منظر ہے

چو لالہ کاسۂ زرّینِ ارغواں گیرد
جبکہ لالہ، ارغواں کا زریں پیالہ تھامتا ہے

چو شہسوارِ فلک بنگرد بجامِ صبوح
جب آسمان کا شہسوار صبح کے جام کے ذریعہ دیکھتا ہے

کہ خور بشعشعہ خود مہرِ خاوراں گیرد
یعنی آفتاب اپنی شعاعوں سے مشرق کو فتح کرتا ہے

صبا[5] نگر کہ دمادم چو رندِ شاہد باز
صبا کو دیکھ کہ معشوق باز رند کی طرح پے در پے

گہے لبِ گل و گہ زلفِ ضیمراں گیرد
کبھی گلاب کے ہونٹ اور کبھی ضیمران کی زلف پکڑتی ہے

ز اتحادِ ہیولیٰ و اختیارِ صُوَر
ہیولیٰ کے اتحاد، اور صورتوں کو اختیار کرکے

خرد ز ہر گل و نقشے رُخِ بتاں گیرد
عقل ہر پھول اور نقش سے معشوقوں کا رُخ بنالیتی ہے

من[6] اندر آں کہ دم کیست آں مبارک دم
میں اس فکر میں ہوں کہ وہ مبارک سانس کس کا سانس ہے؟

کہ وقتِ صبح دریں تیرہ خاکداں گیرد
جو کہ صبح کے وقت اس تاریک زمین میں پھیلتا ہے

چہ حالتست کہ گُل در چمن نماید روی
وہ کیا حالت ہے کہ پھول چمن میں رخ نمائی کرتا ہے

چہ آتش ست کہ در مُرغِ صبح خواں گیرد
وہ کیا آگ ہے جو صبح کو چہکنے والے پرندے میں لگتی ہے؟

چہ پرتو است کہ نورِ چراغِ صبح دہد
وہ کیا روشنی ہے جو صبح کے چراغ کا نور دیتا ہے؟

چہ شعلہ است کہ در ماہِ آسماں گیرد
وہ کیا شعلہ ہے جو آسمان کے چاند میں لگتا ہے؟

---

۱ یعنی چمن ہوا کی لطافت کی وجہ سے رشکِ جناں بنا ہوا ہے۔ یہ قصیدہ شاہ ابو اسحاق کی تعریف میں ہے۔ جس نے سلطان ابو سعید بہادر کو شکست دیکر شیراز پر قبضہ کیا تھا۔

۲ تتق، سراپردہ یعنی ہوا نے گلاب کی خوشبو کے پردے تان دیئے ہیں اور افق پر شفق گلستاں بنائے ہوئے ہے۔

۳ شہِ سپہر سے مراد سورج ہے۔ عمودِ افق سے مراد صبحِ صادق ہے جو عمودی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔

۴ زاغ سے رات کی سیاہی اور شاہباز سے سورج، مُقرنسِ زنگاری سے آسمان مراد ہے۔

۵ ضیمران نازبو یعنی صبا گلاب اور نازبو کے بوسے لے رہی ہے۔

۶ صبح کی نسیم معلوم کس مبارک سانس والے کا سانس ہے۔

ضمیرِ دل نکشایم بکس مرا آں بہ
میں دل کا راز کسی کے سامنے نہ کھولوں میرے لئے بہتر ہے

کہ روزگار غیور ست و ناگہاں گیرد
اس لیے کہ زمانہ غیر تمند ہے اور اچانک پکڑ لیتا ہے

چو شمع[۱] ہر کہ بافشائے راز شد مشغول
جو شمع کی طرح راز پھیلانے میں مشغول ہوا

لبش زمانہ چو مقراض در میاں گیرد
زمانہ اس کے ہونٹ کو قینچی کی طرح پکڑ لیتا ہے

کجاست ساقیِ مہ روئے من کہ از سرِ مہر
میرا چاند جیسے رُخ والا ساقی کہاں ہے جو محبت سے؟

چو چشمِ مستِ خودش ساغرِ گراں گیرد
اپنی مست آنکھوں کی طرح بھاری ساغر اٹھائے

پیامے آورد از یار و از پیش جامے
دوست کا پیام لائے اور اس کے بعد ایک جام

بشادیِ رُخِ آں ماہِ مہرباں گیرد
اس مہربان چاند کے رخ کی خوشی میں اٹھائے

نوائے[۲] نغمۂ نے را چو بر کشد مطرب
جب مطرب بانسری کے نغمہ کا سُر پیدا کرتا ہے

گہے عراق زند گاہ اصفہاں گیرد
کبھی عراقی، اور کبھی اصفہانی نغمہ شروع کرتا ہے

چرا بصد غم و حسرت سپہرِ دائرہ شکل
دائرے کی شکل والا آسمان، کس لیے سو غم اور حسرت میں

مرا چو نقطۂ پرکار در میاں گیرد
مجھے پرکار کے نقطہ کی طرح، درمیان میں لیتا ہے

فرشتۂ بحقیقت سروشِ عالمِ غیب
وہ حقیقتاً ایک فرشتہ، عالم غیب کی آواز ہے

کہ روضۂ کرمش نکتہ بر جناں گیرد
کہ اس کے کرم کا باغیچہ، جنتوں پر نکتہ چینی کرتا ہے

سکندر[۳] ے کہ مقیمِ حریمِ او چوں خضر
وہ ایسا سکندر ہے کہ اس کے حریم میں رہنے والا خضر کی طرح

زفیضِ خاکِ درش عمرِ جاوداں گیرد
اس کے در کی خاک کے فیض سے عمر جاوداں حاصل کرلیتا ہے

جمالِ چہرۂ اسلام شیخ ابو اسحٰق
اسلام کے چہرے کا حسن۔ شیخ ابو اسحاق

کہ ملک در قدمش زیبِ بوستاں گیرد
کہ ملک اس کے قدموں میں باغ کی زینت حاصل کرتا ہے

کسیکہ[۴] بر فلکِ سروری عروج کند
وہ شخص کہ جب سرداری کے آسمان پر چڑھتا ہے

نخستِ پایۂ خود فرقِ فرقداں گیرد
تو اپنی پہلی سیڑھی فرقدان کے سر کو بناتا ہے

چراغِ دیدۂ محمود آنکہ دشمن را
محمود کی آنکھوں کا چراغ، وہ کہ دشمن کے

زبرقِ تیغِ وے آتش بدودماں گیرد
خاندان میں اس کی تلوار کی بجلی سے آگ لگ جاتی ہے

باوجِ ماہ رسد موجِ خوں چو تیغ کشد
جب وہ تلوار سونتتا ہے تو خون کی موج چاند کی بلندی تک پہونچتی ہے

بہ شیرِ چرخ برد حملہ چوں کماں گیرد
جب کمان اٹھا لیتا ہے تو آسمان کے شیر پر حملہ کرتا ہے

عروسِ[۶] خاوری از شرعِ رائے انورِ شاہ
مشرقی دولھا، شاہ کی روشن رائے کے طریقہ کی وجہ سے

بجائے خود بود ار راہِ قیرواں گیرد
اگر قیروان کا راستہ اختیار کرے تو مناسب ہوگا

ایا[۷] عظیم وقارے کہ ہر کہ بندۂ تست
اے ایسے بڑے وقار والے کہ جو شخص تیرا غلام ہے

ز رفعِ قدر کمر بندِ تواماں گیرد
مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے جوزا کی پیٹی پکڑ لیتا ہے

رسد ز چرخِ عطارد ہزار تہنیت
عطارد کے آسمان سے ہزاروں مبارکبادیاں پہونچتی ہیں

چو فکرِ تت صفتِ امرِ کن فکاں گیرد
جبکہ تیری تدبیر کن فکاں کے امر کی صفت اختیار کرتی ہے

مدام در پئے طفل ست در وجودِ عدوت
تیرا دشمن ہمیشہ اپنے وجود میں طفل شب کے درپے ہے

سماکِ رامح از آں روز و شب عناں گیرد
اسی وجہ سے نیزے والا سماک، رات دن اس کی لگام تھامتا ہے

۱۔ شمع کو زبان دراز، اور رازوں کا اظہار کرنے والی، مانا گیا ہے قینچی سے شمع کے گل کو کاٹا جاتا ہے۔

۲۔ عراق اور اصفہان دو مشہور شہر بھی ہیں اور موسیقی کے دو پردوں کے نام بھی ہیں۔

۳۔ سکندر آبِ حیات کی تلاش میں نکلا تھا۔ مشہور ہے کہ خضر کی بہت طویل عمر ہے۔

۴۔ فرقدان ایک ستارا ہے جو قطبِ شمالی کے پاس ہے یعنی ممدوح کے عروج کا ابتدائی قدم بھی فرقدان سے اونچا ہے۔

۵۔ جب دشمنوں پر حملہ کرتا ہے تو خون سے ایسے دریا بہا دیتا ہے جن کی موجیں چاند تک پہونچتی ہیں اور کمان سے برجِ اسد پر حملہ کرتا ہے۔

۶۔ اس کی رائے سورج سے بھی زیادہ روشن ہے اگر اس کو دیکھ کر سورج حبش میں جا آباد ہو تو مناسب ہوگا۔

۷۔ اس کا غلام بھی اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ تواماں کی پیٹی پکڑ کر اس کو پٹک دیتا ہے تواماں سے برجِ جوزا مراد ہے جو دو جڑواں م بچوں کی شکل میں ہے ۸۔ خدا کی صفت ہے کہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو کہدیتا ہے۔ "کُن" یعنی ہو جا۔ تو وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔

فلک چو جلوہ کناں بنگرد سمندِ ترا
آسمان جب تیرے گھوڑے کو جلوہ فگن دیکھتا ہے
کمینہ پایگہش اوجِ کہکشاں گیرد
اس کا ادنیٰ اصطبل کہکشاں کی بلندی اختیار کرتا ہے

ملامتے چو کشیدی سعادتے دہدت
جبکہ تو کوئی نامناسب بات برداشت کرتا ہے وہ بھی تجھے نیک بختی بخشتی ہے
کہ مشتری نسقِ کارِ خود ازآں گیرد
اس لیے کہ مشتری اپنے کام کا انتظام اسی سے حاصل کرتا ہے

زامتحانِ[1] تو ایام را غرض آنست
تیرا امتحان لینے سے زمانہ کی یہ غرض ہے
کہ از صفائے ریاضت دلت نشاں گیرد
کہ ریاضت کی صفائی کی وجہ سے تیرے دل کا پتہ معلوم کرے

وگرنہ پایہ مصحف ازآں بلندتر است
ورنہ قرآن کا مرتبہ اس سے زیادہ بلند ہے
کہ روزگار برآں حرفِ امتحاں گیرد
کہ زمانہ اس پر امتحان کی حرف گیری کرے

زعمر برخورد آنکس کہ در ہمہ صفتے
اپنی زندگی سے وہ شخص فائدہ اٹھاتا ہے جو کہ تمام معاملوں میں
نخست بنگرد آنگہ طریق آں گیرد
پہلے غور کرے اس کے بعد اس کا راستہ اختیار کرے

مذاق[2] جانش زتلخی غم شود ایمن
اس کی جان کا ذائقہ غم کی کڑواہٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے
کسیکہ شکرِ شکرِ تو در دہاں گیرد
جو شخص تیرے شکریہ کی شکر منہ میں رکھ لے

چو[3] جائے جنگ نہ بیند بجام آرد چنگ
جب کہ وہ جنگ کا موقع نہیں دیکھتا ہے جام ہاتھ میں لے لیتا ہے
چو وقتِ کار بود تیغِ جانستاں گیرد
جب کام کا وقت آتا ہے جان لینے والی تلوار تھام لیتا ہے

زلطفِ غیب بسختی رُخِ امید متاب
سختی میں، غیبی مہربانی سے امید کا رخ نہ پھیر
کہ مغزِ نغز مقام اندر استخواں گیرد
اس لیے کہ عمدہ مغز ہڈیوں میں مقام بناتا ہے

شکر کمالِ[4] حلاوت پس از ریاضت یافت
شکر کو مکمل شیرینی، محنت کے بعد ملی
نخست در شکنِ تنگ آں مکاں گیرد
پہلے بوری کی شکنوں میں وہ مقام بناتی ہے

درآں مقام کہ سیلِ حوادث از چپ و راست
اس جگہ، جہاں کہ حوادث کا بہاؤ، بائیں اور دائیں سے
چناں رسد کہ اماں از میاں کراں گیرد
اس طرح پہونچتا ہے کہ امن درمیان سے کنارہ اختیار کر لیتا ہے

چہ غم بود بہمہ حال کوہِ ثابت را
جمے ہوئے پہاڑ کو، ہر حال، کیا غم ہے؟
کہ حملہ ہائے چناں قلزمے جہاں گیرد
اس لیے کہ ایسے سمندر کے حملے دنیا کو فتح کر لیتے ہیں

اگرچہ خصمِ تو گستاخ میرود حالی
اگرچہ تیرا دشمن، فی الحال گستاخانہ روش رکھتا ہے
تو شاد باش کہ گستاخیش عناں گیرد
تو خوش رہ اس لیے کہ اس کی گستاخی اس کی لگام پکڑ لے گی

کہ ہرچہ در حقِ ایں خاندانِ دولت کرد
اس لیے کہ اس نے جو کچھ بھی اس سلطنت کے خاندان کے حق میں کیا ہے
جزاش برزن و فرزند و خانماں گیرد
اس کی سزا اس کی بیوی اور اولاد، اور خاندان پر بھگتے گا

خیالِ شاہی اگر نیست در سرِ حافظ
اگر حافظ کے سر میں بادشاہی کا خیال نہیں ہے
چرا بہ تیغِ زباں عرصۂ زماں گیرد
کیوں وہ زمانہ کا میدان، زبان کی تلوار سے فتح کرتا ہے!

زمانِ عمرِ تو پایندہ باد کایں دولت
تیری زندگی کا زمانہ دراز ہو اس لیے کہ یہ دولت
عطیہ ایست کہ در کارِ انس و جاں گیرد
ایک ایسا عطیہ ہے جو انسانوں اور جنوں کے کام آئے گا

[1] زمانہ ممدوح کی اس لیے آزمائش کرتا ہے کہ اس کے دل کی صفائی سے رہبری حاصل کرے ورنہ اس کی ذات قرآن کی طرح حرف گیری سے بالاتر ہے۔

[2] جو ممدوح کے شکریہ کی شکر منہ میں رکھے زمانہ اس کا منہ تلخ نہیں کر سکتا ہے۔

[3] وہ میرِ بزم بھی ہے اور میرِ رزم بھی۔

[4] سختیاں جھیلنے کے بعد راحتیں پیدا ہوتی ہیں شکر کو بوریوں میں بھر کر دبایا جاتا ہے۔ جب شکر شکر بنتی ہے۔

قصیدہ نمبر ۴

خیر مقدمؔ مرحبا اے طائرِ میموں قدم
اے مبارک قدم پرندا تیرا خیر مقدم ہے مرحبا
شادماں کردی مرا نازم ترا سرتا قدم
تو نے مجھے خوش کر دیا مجھے سر سے لیکر قدم تک تجھ پر ناز ہے

میکنم در ہجرِ تو انجامِ آغازِ نیاز
میں تیرے ہجر میں نیاز مندی کے آغاز کا انجام کرتا ہوں
زانکہ شرحِ آرزو مندی نیاید در قلم
اس لیے کہ آرزو مندی کی شرح قلم سے بیان نہیں ہو سکتی ہے

تا بدانی تو کہ ہجراں خونِ عاشق میخورد
تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ہجر، عاشق کا خون پی لیتا ہے
نالۂ شبگیر در کار ست و آہِ صبحدم
شبگیر نالہ اور صبح کی آہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں

صحبتِ عشاقؔ بدنامت کند زاہد برو
اے زاہد! تو چلا جا، عاشقوں کی صحبت تجھے بدنام کر دیگی
خوش نگہ کن بادہ در جام ست و مجلس متہم
تو خوب دیکھ لے پیالہ میں شراب ہے اور مجلس تہمت زدہ ہے

گر چنیںؔ در حلقہ پیچد زلفِ افعی بندِ یار
اگر اس طرح حلقہ بناتی رہیگی یار کی افعی بند زلف
مہرہ نتواں برد آساں ایدل افسونے بدم
تو اے دل کوئی بھی جادو جھاڑ پھونک سے بازی نہیں جیت سکتا ہے

گر حریمِ کعبہ خواہی واں جمالِ بے نقاب
اگر تو کعبہ کے اطراف اور اس بے نقاب حسن کا خواہشمند ہے
لالہ و گل داں ہمہ خارِ بیابانِ حرم
تو حرم کے جنگل کے تمام کانٹوں کو لالہ اور گل سمجھ

آں گذشت اے دل کہ خواری دیدی از دستِ رقیب
اے دل وہ زمانہ گذر گیا جب کہ تو نے رقیب کے ہاتھوں ذلت دیکھی
یار باز آمد بحمد اللہ عزیز و محترم
یارِ عزیز اور محترم بحمد اللہ واپس آ گیا ہے

ساقیا مے دہ کہ رندیہائے حافظ سہو کرد
اے ساقی شراب دے کیونکہ حافظ کی رندیاں فراموش کر دیں
نوکِ کلکِ خواجہ بر منشورِ حافظ زد رقم
حافظ کے حکمنامہ پر خواجہ کے قلم کی نوک نے لکیر کھینچ دی ہے

خواجہ تورانؔ شاہِ عادل دل جلالِ ملک و دیں
خواجہ توران شاہ، منصف مزاج، ملک اور دین کا جلال
بدرِ آفاقِ علی عونُ الوریٰ غوثُ الامم
بلندی کے آسمانوں کا چاند، مخلوق کی مدد، امتوں کی فریاد

صورتِ جاہ و جلال و مقصدِ فضل و کمال
جاہ اور جلال کی صورت، فضل اور کمال کا مقصود
منظرِ انوارِ رحمتؔ مُبصرِ حسنِ شیَم
رحمت کے نوروں کا منظر، حسنِ اخلاق کے دیکھنے کی جگہ

کانِ مردی و مروت معدنِ صدق و صفا
انسانیت اور مروت کی کان، سچائی اور خلوص کا معدن
جوہرِ عدل و سیاست عنصرِ لطف و کرم
انصاف اور سیاست کا جوہر، مہربانی اور کرم کا عنصر

رافعِ اوضاعِ بدعت ناصرِ اعلامِ دیں
بدعت کی رسموں کو ہٹانیوالا، دین کے جھنڈوں کا مددگار
ماحیِ آثارِ طغیاں قاطعِ ظلم و ستم
سرکشی کے آثار کو مٹانیوالا ظلم اور ستم کو قطع کرنے والا

آستانت موضعِ دولت نہ اکنون ستؔ و بس
تیری چوکھٹ صرف ابھی دولت کا مقام نہیں ہے
دار دایں قصرِ معلی نقشِ تاریخِ قدم
یہ بلند محل، قدیم تاریخ کا نقش رکھتا ہے

بختِ بیدارت چو می آمد بصحرائے وجود
تیرا بیدار نصیبہ جب وجود کے جنگل میں آ رہا تھا
خفتہ بد گردوں ہنوز اندر شبستانِ عدم
تو آسمان ابھی تک عدم کے شبستان میں سویا ہوا تھا

قلبِ بدخواہاں شکستِ احوالِ پابر جائے تو
تیرے مستقل احوال نے بدخواہوں کا دل توڑ دیا
ہر کرا دل نشکند فیروز گردد لاجرم
جس کا دل نہیں ٹوٹتا ہے، وہ لامحالہ کامیاب ہو جاتا ہے

قصائد

۱ے پرندے سے نیک فال لی جاتی ہے، اسی لئے اس کو محبوب کا پیغامبر مانا جاتا ہے۔ یہ قصیدہ جلال الدین توران شاہ کی تعریف میں ہے۔ جو شاہ شجاع کا وزیر تھا۔
۲ے عاشقوں کی مجلس میں دور جام چلتا ہے اور وہ تہمت زدہ ہوتی ہے زاہد کو بدنام کر دیگی۔
۳ے زلفیں رہا ہیں جو کانوں کی لو کے پاس ہوتے ہیں افعی، کالا ناگ، اس سے مراد لقبیہ بال ہیں۔
۴ے توران شاہ کے چہرے پر انوارِ رحمت نظر آتے ہیں اور حسنِ اخلاق عیاں ہیں۔
۵ے توران شاہ کی سلطنت قدیم ہے نو دولتیا بادشاہ نہیں ہے

ہاں[1] نہ پنداری کہ تنہا میزنی بر قلبِ خصم
ہاں تو یہ خیال نہ کر کہ دشمن کے قلب پر تو تنہا چوٹ مارتا ہے
ہمتِ اربابِ دل با تست و اربابِ کرم
اصحابِ دل اور اربابِ کرم کی توجہ تیرے ساتھ ہے

شرحِ احوالِ تو الحق بو العجائب دفتریست
تیرے احوال کی شرح یقیناً عجب دفتر ہے
بندہ یارب کے تواند کرد شکرِ ایں نعم
اے خدا! بندہ ان نعمتوں کا شکر کب ادا کر سکتا ہے

تا لبم مہجور بود از خاک بوسِ درگہت
تیری درگاہ کی خاک بوسی سے جب میرا ہونٹ محروم تھا
دُردنوشِ درد بودم با ندیمانِ ندم
شرمندہ دوستوں کے ساتھ درد کا تلچھٹ نوش تھا

باشما اخلاصِ ہر یک حاجتِ تقریر نیست
تیرے ساتھ ہر شخص کے اخلاص کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے
علمِ آصف دیدہ باشد سالہا در جامِ جم
جامِ جمشید میں سالوں آصف کا علم دیکھا ہوا ہو گا

تا جہاں باشد بہ نیکی در جہانت باد نام
جب تک دنیا نیکی کے ساتھ ہے دنیا میں تیرا نام ہے
ایں دعا بر انس و جاں گشت از دل و جاں فرض ہم
یہ دعا انسانوں اور جنوں پر دل اور جان سے فرض ہے

قصیدہ نمبر ۵

مقدری[2] کہ ز آثارِ صنع کرد اظہار
اللہ ایسا اندازہ لگانیوالا ہے جس نے صنعت کے آثار سے ظاہر کیا
سپہر و مہر و مہ و سال و ماہ و لیل و نہار
آسمان اور سورج اور چاند اور سال اور مہینے اور رات دن

مدارِ سیرِ کواکب بامرِ کن فیکون
کن فیکون کے حکم سے ستاروں کی رفتار کا مدار
قرار داد بریں طاقِ گنبدِ دوّار
اس گھومنے والی گنبد کی محراب پر بنایا

ز ہفت کوکبِ سیّارہ و دوازدہ برج
سات پھرنیوالے ستارے اور بارہ برج سے
کنند سیر مخالف کواکبِ سیّار
جو چلنے والے ستاروں کے مخالف رفتار چلتے ہیں

نہ آسماں ز ملائک بامرِ حق مشغول
فرشتوں کے نو آسمان خدائی حکم بجا لانے میں مشغول ہیں
بہ سجدہ درگہِ تسبیح و ذکر و استغفار
بوقت تسبیح اور ذکر اور استغفار سجدہ میں مشغول ہیں

چہار[3] عنصر از و مختلف پدید آورد
چار عنصروں سے مختلف چیزیں بنائیں
مدارِ آتش و آب و غبارِ خاکِ بہار
وہی آگ، پانی، مٹی وغیرہ کا مدار ہے

قرار داد ببالائے خاک و باد آتش
خاک اور ہوا کے اوپر، آگ کو ٹھہرایا
گرفتہ کوہ و زمیں درمیانِ آب قرار
پہاڑ اور زمین، پانی کے درمیان ٹھہرے ہوئے ہیں

بدوستیِ[4] نبی و ولی اساس نہاد
نبی اور ولی کی دوستی پر، بنیاد دھری
جہان و ہرچہ در و ہست خالقِ جبّار
دنیا کی اور جو کچھ اس میں ہے، خالقِ جبار نے

اگر نہ ذاتِ نبی و ولی بُدے مقصود
اگر نبی اور ولی کی ذات مقصود نہ ہوتی
جہاں بکتمِ عدم رفتے ہمچو اوّل بار
پہلے کی طرح دنیا عدم کے پردے میں چلی جاتی

نوشتہ[5] بر درِ فردوس کاتبانِ قضا
تقدیر کے کاتبوں نے۔ جنت کے دروازے پر لکھا ہے
نبی رسول و ولیعہد حیدرِ کرّار
نبی رسول ہے، اور حیدر کرار ولی عہد ہے

امامِ[6] جنّی و انسی علیؓ بود کہ علیؓ
جنوں اور انسانوں کے امام علی ہیں اس لیے کہ علی
ز کُلِ خلق فزونست از صغار و کبار
تمام مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں، چھوٹوں اور بڑوں سے

قصائد

[1] دشمنوں پر تنہا تو ہی حملہ آور نہیں ہوتا ہے بلکہ بزرگوں کی دعائیں بھی تیرے ساتھ ہوتی ہیں۔
[2] یہ قصیدہ حضرتِ علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں ہے مقدر سے مراد خدا ہے۔ یہ قصیدہ لفظی اور معنوی نقائص کی وجہ سے الحاقی معلوم ہوتا ہے۔
[3] چہار عنصر سے آگ، خاک، پانی، ہوا مراد ہیں۔
[4] اللہ نے تمام کائنات نبی اور ولی کی دوستی کی وجہ سے پیدا فرمائی ہے۔
[5] ازل ہی میں حضرتِ علی کو نبی کا جانشین اور ولی عہد بنا دیا گیا تھا۔
[6] حضرتِ علی جن و انس کے امام ہیں، اس لیے کہ سب سے افضل ہیں۔

زنامِ اوست معلّق سماؤ کرسی و عرش
انہی کے نام سے آسمان، اور کرسی و عرش معلق ہیں

زذاتِ اوست مطبّق زمیں بدیں ہنجار
انہی کی ذات سے زمین اس طور پہ طبقہ وار ہے

علی امام و علی آمین و علی ایماں
علی امام ہیں اور علی بابرکت ہیں اور علی ایمان ہیں

علی امین و علی سرور و علی سردار
علی امین ہیں، اور علی سرور ہیں اور علی سردار ہیں

علی علیم و علی عالم و علی اعلم
علی علیم ہیں اور علی عالم ہیں اور علی اعلم ہیں

علی حکیم و علی حاکم و علی گفتار
علی حکیم ہیں، اور علی حاکم ہیں اور علی گفتار ہیں

علی نصیر و علی ناصر و علی منصور
علی نصیر ہیں، اور علی ناصر ہیں اور علی منصور ہیں

علی مظفّر و غالب علی سر و سردار
علی مظفّر ہیں اور غالب ہیں علی سر اور سردار ہیں

علی عزیز و علی عزّت و علی افضل
علی عزیز ہیں اور علی عزت ہیں اور علی افضل ہیں

علی لطیف و علی انور و علی انوار
علی لطیف ہیں، اور علی انور ہیں اور علی انوار ہیں

علی ست فتوح و علی ست راحتِ روح
علی فتحوں کی فتح ہیں، علی روح کی راحت ہیں

علی ست فاضل و افضل علی سر و سردار
علی فاضل اور افضل ہیں علی سر اور سردار ہیں

علی سلیم و علی سالم و علی مسلم
علی سلیم ہیں، علی سالم ہیں اور علی مسلم ہیں

علی قسیمِ قصور و علی ست قاسمِ نار[1]
علی جنتیں بانٹنے والے ہیں اور علی جہنم تقسیم کرنیوالے ہیں۔

علی صفی و علی صافی و علی صوفی
علی صفی ہیں اور علی صافی ہیں اور علی صوفی ہیں

علی وفی و علی صفدر و علی سردار
علی وفادار ہیں اور علی صف شکن ہیں اور علی سردار ہیں

علی نعیم و علی ناعم و علی مُنعم
علی نعیم ہیں اور علی نعمتوں والے اور علی نعمتیں دینے والے ہیں

علی بوَد اسد اللہ قاتلِ کفار
علی اللہ کے شیر، کافروں کو قتل کرنیوالے ہیں

علی زبعدِ محمدؐ زہرچہ ہست بہ است
علیؑ، محمدؐ کے بعد ہر موجود سے بہتر ہیں

اگر تو مومنِ پاکی نظر دریغ مدار
اگر تو پاک مومن ہے نگاہ نہ ہٹا

بحقِ نورِ محمدؐ بآدمؑ و بہ خلیلؑ[2]
محمد کے نور کی قسم، آدم اور خلیل اللہ کی قسم

بحقِ شیثؑ و شعیبؑ و بہ ہُودِ کم آزار
شیثؑ اور شعیبؑ اور نہ ستانیوالے ہود کی قسم

بحقِ یوسف و یعقوبؑ و یحییٰ و لقمان
یوسف اور یعقوب اور یحییٰ اور لقمان کی قسم

بحقِ نوح نجی درمیان دریا بار
زبردست دریا میں نجات حاصل کرنیوالے نوح کی قسم

بحقِ عزتِ توریت و حرمتِ انجیل
توریت کی عزت اور انجیل کی حرمت کی قسم

بحقِ جمعِ زبور و بحقِ روزِ شمار
زبور کے مجموعہ، اور قیامت کی قسم

بحقِ[3] دانشِ اسحٰق و شوقِ اسمٰعیل
اسحاق کی دانش اور اسماعیل کے شوق کی قسم

کہ در رضائے خدا کرد جانِ خویش نثار
جس نے خدا کی رضامندی میں اپنی جان قربان کردی

بحقِ یوشع و الیاس و لوط و اسکندر
یوشع، اور الیاس، اور لوط اور سکندر کی قسم

بحقِ نغمۂ داؤد و صوتِ خوش گفتار
داؤد کے نغمہ اور خوش گفتار آواز کی قسم

بحقِ مہرِ سلیمان و زہدِ ابراہیم
سلیمان کی انگوٹھی، اور ابراہیم کے زہد کی قسم

بحقِ عیسیٰ و موسیٰ و یونسِ غمخوار
عیسیٰ اور موسیٰ اور غمخوار یونس کی قسم

قصائد

[1] شیعانِ علی، حضرت علی کو جنت اور جہنم کا تقسیم کنندہ مانتے ہیں۔

[2] تمام انبیاء کے حق کی قسمیں کھاکر کہا ہے کہ نیست دین جز علی را، یعنی حضرت علی ہی آنحضور کے بعد امام ہیں۔

[3] کیونکہ حضرت اسماعیل اپنی قربانی دینے پر راضی ہوگئے تھے۔ اسی لیے ان کو ذبیح اللہ کہا جاتا ہے۔

قطعہ

بحقِ قوّتِ جبریل و صورِ اسرافیل
جبرئیل کی قوّت، اور اسرافیل کے صور کی قسم
بحقِ قابضِ ارواح در یمین و یسار
دائیں اور بائیں طرف میں روحوں کو قبض کرنیوالیکی قسم

بحقِ حاملِ عرش و بقربِ میکائیل
عرش کو اٹھانے والے اور میکائیل کے قرب کی قسم
بحقِ چار کتابِ ستودۂ جبّار
خدا کی تعریف کی ہوئی چاروں کتابوں کی قسم

بحقِ جملۂ قرآں بہ صُحفِ ابراہیم
پورے قرآن اور ابراہیم کے صحیفوں کی قسم
بحقِ جملۂ مردانِ واقفِ اسرار
رازوں کے جان کار تمام مردوں کی قسم

بحقِ سوزِ فقیرانِ بیگنہ در بند
بے خطا قیدی فقیروں کے سوز کی قسم
بحقِ زاریِ رنجورِ بیکس و بے یار
بے یار اور بے کس، رنجیدہ کی آہ وزاری کی قسم

بحقِ چہرۂ زردِ فقیرِ سرگرداں
پریشان فقیروں کے زرد چہرے کی قسم
بحقِ دردِ اسیرانِ خانماں بیزار
گھروں کے بیزار، قیدیوں کے درد کی قسم

بحقِ ضربِ جوانانِ راہِ دیں با کفر
دین کے راستے کے جوانوں کی کفر کے ساتھ تلوار بازی کی قسم
بحقِ زاریِ پیرانِ خوار و زار و نزار
ذلیل، اور کمزور، اور عاجز بوڑھوں کی عاجزی کی قسم

بحقِ دینِ محمدؐ بخونِ پاکِ حسینؑ
محمدؐ کے دین اور حسین کے پاک خون کی قسم
بحقِ مردمِ نیکِ مہاجر و انصار
مہاجر اور انصار، نیک مردوں کی قسم

کہ نیست[1] دینِ ہدیٰ را بقولِ پاکِ رسولؐ
کہ نہیں ہے پاک رسول کے قول کے مطابق دینِ ہدیٰ کا
امام غیرِ علی بعدِ احمدِ مختار
امام علی، کے سوا، احمدِ مختار کے بعد

ز بعدِ او حسنؑ ست و حسین بعدِ او
ان کے بعد حسن ہیں اور ان کے بعد حسین
مجوئے جہل بریں کار مومنِ دیندار
اے دیندار مومن! اس کام میں نادانی نہ برت

بجہل غافلِ مستغرقی بغفلہ ہمی
تو جہل میں غافل اور ڈوبا ہوا ہے، غفلت کی وجہ سے
ز زنگ می نشناسی سفیدی از زنگار
زنگ کی وجہ سے تو سفیدی کو زنگار سے شناخت نہیں کرتا ہے

بجہد و سعیِ منِ خستہ دل چہ سود ترا
مجھ دل خستہ کی کوشش اور سعی سے تجھے کیا فائدہ؟
مگر ز خوابِ جہالت ہمی شوی بیدار
شاید نادانی کی نیند سے تو بیدار ہو جائے

بجہل بیشتر و بیش آنچناں ہستم
میں جہالت میں اس قدر زیادہ ہوں
کہ کس مباد چناں کآمدم در اوّل بار
کہ خدا کرے کوئی ایسا نہ ہو جیسا کہ میں پہلے ہوا

سپاس و منّت و عزّت خدائے را کہ نمود
اس خدا کا احسان اور شکر ہے، جس نے دکھایا
رہِ نجات و شدم از حیات برخوردار
نجات کا راستہ، اور میں زندگی سے نفع اندوز ہوا

بگاہ[2] ہفصد و ہفتاد بُد کہ در شیراز
سات سو ستر کا وقت تھا، کہ شیراز میں
تمام گشت بیکروز جملہ ایں اشعار
ایک دن میں یہ تمام اشعار پورے ہوئے

بدشمناں[3] منشیں حافظا تولّا کن
دشمنوں کے ساتھ نہ بیٹھ، اے حافظ تولّا کر
نجاتِ خویش طلب کن بجانِ ہشت و چہار
آٹھ اور چار کے طفیل سے اپنی نجات کا طالب بن

حرامزادہ[4] و بدفعل و شوم و بے بنیاد
حرام زادہ، اور بد معاش منحوس، اور بے اصل
بمدحِ شاہِ جہاں کے کجا کند اقرار
دنیا کے بادشاہ کی تعریف کا کب اقرار کرتا ہے؟

---

۱ یہ شعر تمام قسموں کا جواب ہے۔
۲ میں نے یہ قصیدہ ایک دن میں شیراز میں ۷۷۰ھ میں لکھا ہے۔
۳ تولّا سے، حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ، کی دوستی مراد ہے، ہشت اور چہار سے بارہ امام مراد ہیں۔
۴ جو حضرتِ علی کے مذکورہ اوصاف کا قائل نہیں ہے وہ ان اوصاف کا آدمی ہے۔

متابعت بمنافق چو میکنی بگذر — زیادہ گفتنِ نامش ہزار استغفار
منافق کی پیروی تو کیوں کرتا ہے؛ چھوڑ! — اس کا بیہودہ نام لینے سے ہزار استغفار پڑھ

ترکیب[1] بند

شاہے کہ پناہِ مُلک و دین ست — در خوردِ ھزار آفرین ست
وہ بادشاہ جو کہ دین اور مُلک کی پناہ ہے — ہزار آفرین کے لائق ہے

نوبادۂ[2] خاندانِ مُلک ست — گلدستۂ بوستانِ دین ست
مُلک کے خاندان کا تازہ پھل ہے — دین کے باغ کا گلدستہ ہے

ہم نسلِ شہنشہِ زمان ست — ہم نقدِ خلیفۂ زمین ست
زمانہ کے شہنشاہ کا ہم نسل ہے — موجودہ وقت میں خلیفۂ زمین ہے

آثار و دلائلِ سعادت — تابندہ چو نورش از جبین ست
خوش نصیبی کی نشانیاں اور دلیلیں — اس کی پیشانی سے نور کی طرح چمکنے والی ہیں

در مُلکِ جہاں بفرِّ شاہی — انصاف او کوکبِ یقین ست
مُلکِ دنیا میں شاہی دبدبہ کے ساتھ — اس کا انصاف یقین کا ستارہ ہے

در خاتمِ قدرِ او نہفتہ — فیروزۂ[3] چرخ چوں نگین ست
اس کے مرتبہ کی انگوٹھی میں پوشیدہ — آسمان کا فیروزہ نگ کی طرح جڑا ہوا ہے

تیغش بمیانِ کفر و اسلام — سدّ[4] ے ست ولیک آہنین ست
اس کی تلوار کفر اور اسلام کے درمیان میں — دیوار ہے لیکن لوہے کی ہے

کلکش[5] از کفِ دستِ اوست دُربار
قلم اس کے ہاتھ سے موتی برسانے والا ہے
شمشیر ببازوش سزاوار
تلوار اس کے بازو کے لائق ہے

اے سایۂ رحمتِ الٰہی — وے غنچۂ باغِ پادشاہی
اے اللہ کی رحمت کے سائے! — اے بادشاہی باغ کے غنچے!

ہرگز بشمائلِ[6] تو سروے — نارُستہ ز بوستانِ شاہی
تیری خوبیوں والا کوئی سرو کبھی — نہیں اُگا شاہی باغ میں

ہم چرخِ جمال را تو مہری — ہم بُرجِ جلال را تو ماہی
تو جمال کے آسمان کا بھی سورج ہے — تو جلال کے برج کا بھی چاند ہے

درخواستہ از خدائے بیچوں — بختت بدعائے صبحگاہی
بے مانند، خدا سے مانگا ہوا ہے — تیرا نصیبہ، کو صبح کی دعا کے ذریعے

---

[1] ترکیب بند، اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں ایک غزل مع مطلع کے کہی جائے اس کے بعد ایک مقفیٰ بیت جس کا قافیہ غزل کے قافیے سے بدلا ہوا ہو لطور گرہ لایا جائے وہ غزل مع اس گرہ کے ایک بند ہوگا اسی طرح چند بند کہے جائیں، ترکیب بند اور ترجیع بند میں صرف اتنا فرق ہے کہ ترجیع بند میں ہر گرہ بار بار لوٹائی نہیں جاتی ہے۔

[2] نوبادہ، تازہ پھل

[3] فیروزہ نیلگاری رنگ کا ایک پتھر ہے یعنی آسمان اس کی انگوٹھی کا نگینہ ہے۔

[4] سد، روک یعنی اسکی تلوار کفر کے حملوں کی روک ہے۔

[5] یعنی وہ قلم اور تلوار، دونوں کا دھنی ہے۔

[6] شمائل عربی میں اخلاق کو کہا جاتا ہے فارسی والے وضع اور صورت کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

برنامِ تو مُہر کردہ گردوں | منشورِ[1] اوامر و نواہی
آسمان نے تیرے نام پر مہر لگادی ہے | کرنے اور نہ کرنے کے احکام کے فرمان پر
بر سلطنتِ تو بے تکلّف | تمکینِ تو مید ہد گواہی
تیری سلطنت پر بے تکلف | تیرا وقار گواہی دیتا ہے
نامِ تو یقیں کہ می برآرد | آوازہ زماہ تا بماہی
یقیناً تیرا نام | شہرت حاصل کرے گا، چاند سے مچھلی تک

گردوں[2] کہ لطیفہ ہا برآرد
آسمان جو کہ عجائبات ظاہر کرتا ہے
دُرّے چو تو در صدف ندارد
سیپ میں تجھ جیسا کوئی موتی نہیں رکھتا ہے

اے خلعتِ مُلک بر تو زیبا | وے[3] غُرّۂ دولتِ تو غرّا
اے کہ شاہی پوشاک تجھ کو زیب دیتی ہے! | اے کہ تیری حکومت کی پیشانی روشن ہے!
اے آمدہ نو عروسِ دولت | بر شکل و شمائلِ تو شیدا[4]
اے کہ دولت کی نئی دلہن! | تیری شکل اور عادتوں پر عاشق ہوئی ہے
انوارِ شکوہ و شہریاری | از روئے مبارکت ہویدا[5]
دبدبہ اور شاہی کے نور | تیرے مبارک چہرے سے ظاہر ہیں
بر قامتِ[6] حشمتِ تو کوتاہ | ایں اطلسِ نیلگونِ والا
تیری حشمت کے قد پر کوتاہ ہے | یہ نیلا، بلند اطلس
بگذشت[7] صدائے صیتِ عدلت | از سقفِ نہم رواقِ خضرا
تیرے انصاف کی شہرت کا چرچا گذر گیا | سبز آسمان کی نویں چھت سے
بر شادیِ مجلسِ تو خورشید | ہر لحظہ کشیدہ جامِ صہبا
تیری محفل کی خوشی میں سورج | ہر لحظہ شراب کا جام چڑھا رہا ہے
تا روئے مبارکِ تو بیند | نرگس ہمہ دیدہ گشت عمدا
تاکہ تیرا مبارک چہرہ دیکھے | قصداً نرگس مجسم آنکھ بن گئی ہے
از بہرِ قبولیت دریں گوش | لُولُوئے خوشاب گشتہ لالا
اس کان میں پسندیدگی کے لئے | آبدار موتی چمکدار بن گیا ہے

در قصرِ[8] تو چرخ آستانے
آسمان، تیرے محل کی ایک چوکھٹ ہے
کیواں بدرِ تو پاسبانے
زُحل تیرے در کا محافظ ہے

تا یارِ خدائے باد یارت | جز عیش مباد ہیچ کارت
جب تک باری تعالیٰ تیرا مددگار رہے | عیش کے سوا تیرا کوئی کام نہ ہو

ترجیع بند

(۱) منشور، فرمان، اوامر احکام، نواہی، ممانعتیں۔
(۲) یعنی آسمان اگرچہ رنگ رنگ کی چیزیں نمودار کرتا ہے لیکن تجھ جیسا کوئی نہ پیدا کر سکا۔
(۳) غُرّۂ پیشانی کی سفیدی، غرّا، روشن۔
(۴) شیدا، عاشق، دیوانہ۔
(۵) ہویدا، ظاہر یعنی تیری پیشانی سے شاہی نور چمکتے ہیں۔
(۶) اطلس نیلگوں سے مراد آسمان ہے یعنی تیری دستیں آسمان سے زیادہ ہیں۔
(۷) رواقِ خضرا سے مراد آسمان ہے۔
(۸) کیوان، زحل ستارے کو کہا جاتا ہے جو ساتویں آسمان پر مانا گیا ہے یعنی آسمان تیری چوکھٹ ہے اور زحل تیرا دربان ہے۔

ہر آرزوئے کہ در دل آید
جو تمنا تیرے دل میں آئے
ایام نہادہ در کنارت
زمانہ تیری آغوش میں ڈال دے

توفیق رفیق در یمینت
توفیق تیرے داہنے ہاتھ کا دوست رہے
تائید ندیم در یسارت
تائید تیرے بائیں ہاتھ کا دوست رہے

نصرت[1] کہ مباد از تو خالی
نصرت جو تجھ سے جدا نہ رہے
در رزم کمینہ دستیارت
میدانِ جنگ میں تیرا ادنیٰ ہتھیار ہے

آراستہ چوں بہشت گیتی
دنیا، بہشت کی طرح حسین ہے
از کوششِ تیغِ آبدارت
تیری آبدار تلوار کی کوشش سے

تا چرخ بپاست دور دورت
جب تک آسمان قایم ہے تیرا دور دورہ رہے
تا دہر بجاست کار کارت
جب تک زمانہ موجود ہے تیرا ہی کام، کام ہو

جاوید بعونِ جاہ و عزت
مرتبہ اور عزت کی مدد سے، ہمیشہ
بادا ہمہ چیز بر قرارت
تیری ہر چیز برقرار رہے

آسودہ چو حافظ اند خلقاں
تمام دنیا، حافظ کی طرح چین و آرام سے ہے
در سایۂ بختِ کامگارت
تیرے کامیاب نصیبہ کے سایہ میں

کارت ہمہ حفظِ مُلک و دیں باد
تیرا تمام کام دین، اور مُلک کی حفاظت ہو
تا باد ہمیشہ ایں چنیں باد
جب تک ہو، ہمیشہ اسی طرح ہو

ماہے چو تو آسماں ندارد
تجھ جیسا چاند، آسمان نہیں رکھتا ہے
سروے چو تو بوستاں ندارد
تجھ جیسا، سرو، باغ نہیں رکھتا ہے

باروئے[2] تو آفتاب دیدم
تیرے چہرے کے سامنے میں نے سورج کو دیکھا
نیک ست و لیکن آں ندارد
اچھا ہے لیکن کوئی ادا نہیں رکھتا ہے

از حسنِ تو چوں کنم عبارت
تیرے حسن کو کیسے بیان کروں؟
کز ہیچ صفت نشاں ندارد
اسلئے کہ کسی خوبی میں، کوئی مثال نہیں رکھتا ہے

حیراں[3] شدہ ام کہ ہیچ وصفے
میں حیران ہو گیا ہوں، اس لئے کہ کوئی تعریف
در خورِ رُخت بیاں ندارد
تیرے رُخ کے مناسب، بیان نہیں رکھتی ہے

مُرغے کہ سوئے تو کرد پرواز
جس پرندے نے تیری جانب پرواز کر لی
دیگر سرِ آشیاں ندارد
پھر گھونسلے کا خیال نہیں کرتا ہے

ہر دل کہ ز جاں ندارد ت دوست
جو دل، کہ جان سے تجھے دوست نہ رکھے
میداں بہ یقیں کہ جاں ندارد
سمجھ لے کہ یقیناً اس میں جان نہیں ہے

از بہرِ دلم کدام تیرست
میرے دل کے لیے کونسا تیر ہے
کابروئے تو در کماں ندارد
جسے تیری ابرو، کمان میں نہیں رکھتی ہے

[1] دستیار، ہتھیار یعنی کامیابی تیرا ادنیٰ ترین غلام ہے۔
[2] یعنی سورج اپنی جگہ خوبصورت چیز ہے لیکن تیرے چہرے کے بالمقابل ہیچ ہے۔
[3] تیری تعریف کے لئے بیان اور الفاظ ناکافی ہیں۔

چشمت نظرے بما نینداخت — مست ست و سر جہاں ندارد
تیری آنکھ نے ہم پر ذرا نظر نہ ڈالی — مست ہے اور اس کو دنیا کا خیال نہیں ہے

منظورِ شہنشہ است و از ناز — پروائے شکستگاں ندارد
بادشاہ کا منظورِ نظر ہے اور ناز کی وجہ سے — عاجزوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے

سُلطانِ زمانہ ناصر الدیں
شاہِ دوراں ناصر الدین

شد معتصم[1] بعز و تمکیں
عزت اور وقار کی وجہ سے میری جائے پناہ ہے

ساقی اگرت ہوائے ماست[2] — جز بادہ میار پیشِ ما شے
ساقی! اگر تجھے ہم سے محبت ہے — شراب کے علاوہ ہمارے سامنے کچھ نہ لا

سجادہ و خرقہ در خرابات — بفروش و بیار جرعۂ مے
مصلّے اور گدڑی کو شراب خانہ میں — بیچ دے اور شراب کا گھونٹ لا

گر زندہ دلی شنو ز مستاں — در گلشنِ جاں صدائے یا حے
اگر تو زندہ دل ہے تو مستوں سے سن — جان کے چمن میں یا حیّ کی آواز

با درد در آ بُوئے درماں — کونین نگر ز عشق لاشے
علاج کی امید پر درد لے کر آ — عشق کی وجہ سے دونوں جہان کو ہیچ سمجھ

اسرارِ دلست در رہِ عشق — بہتر ز ہزار حاتمِ طے
عشق کے راستہ میں دل کے راز — بنو طے کے ہزار حاتموں سے بہتر ہیں

سلطاں صفت آں بُتِ پری وش — می آمد و خلقِ شہر از پے
وہ پری جیسا بت، شاہانہ انداز سے — آرہا تھا اور شہر کی مخلوق پیچھے تھی

مردم[3] نگراں بروئے خوبش — وز شرم رواں ز عارضش خوے
لوگ اس کے حسین رخ کو دیکھ رہے تھے — اور شرم سے اس کے رخسار پر پسینہ بہ رہا تھا

حافظ ز غمِ تو چند نالد — آخر دلِ من شکستہ تا کے
حافظ تیرے غم سے کب تک نالاں رہے — آخر میرا دل کب تک ٹوٹا رہے

با درد و غمِ تو یار باشم — وز عیشِ جہاں کنار باشم
تیرے درد و غم کا یار رہوں — اور دنیا کے عیش سے کنارے پر رہوں

ترجیع بند[4]

اے[5] دادہ بباد دوستداری — ایں بود وفا و عہدِ یاری
اے کہ جس نے دوستی کو برباد کر دیا! — وفا، اور دوستی کا یہی عہد تھا؟

ترجیع بند

(1) معتصم، جائے پناہ اور معتصم، مشہور عباسی خلیفہ کا نام بھی ہے۔
(2) ہے پوری زبان کا لفظ ہے اور اسی معنی میں مستعمل ہے جس معنی میں اردو میں استعمال کیا جاتا ہے۔
(3) خوے، بروزنِ نے بعد ولہ واؤ کے ساتھ، پسینہ
(4) ترجیع بند کا مطلب ہم ترکیب بند کی تشریح میں سمجھا چکے ہیں۔ یعنی اسکے ہر بند میں وہی گرہ لگائی جائے گی جو پہلے بند میں ہوتی ہے
(5) یعنی تو نے دوستی کو برباد کر دیا وفا کا تقاضا کیا یہی تھا؟

آخر دلِ ریشِ دردمندم — تا چند بدستِ غم سپاری
آخر میرے ، زخمی ، دردمند دل کو — تو کب تک غم کے سپرد رکھے گا؟

از زلفِ تو حاصلے ندیدم — جز شیفتگی و بیقراری
تیری زلف سے میں نے کوئی فائدہ نہ دیکھا — سوائے دیوانگی اور بے قراری کے

ایجانِ عزیز بر ضعیفاں — تا چند کنی جفا و خواری
اے پیاری جان ! کمزوروں پر — جفا اور ذلت کب تک کریگا؟

ہر چند[1] کہ سوختی بجورم — کردم منِ خستہ سازگاری
ہر چند کہ تو نے مجھے ظلم سے جلایا — مجھ خستہ نے موافقت کی

گفتم مگر از سرِ ترحّم — دست از ستم و جفا بداری
میں نے کہا شاید رحم کھاکر — ظلم و ستم سے تو ہاتھ اٹھائے

چوں نیست امید آں کہ روزے — بر عاشقِ خستہ رحمت آری
چونکہ یہ امید نہیں ہے کہ کسی دن — خستہ عاشق پر تو رحم کرے

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے مُنہ نہ موڑوں

باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پاؤں

اے ساقی از آں مے شبانہ — در دہ دو سہ جامِ عاشقانہ
اے ساقی! اس رات کی بچی ہوئی شراب سے — دو، تین عاشقانہ جام دے

تا در سرِ[2] من ز عقل باقیست — از دست منہ مے مُغانہ
جب تک میرے سر میں عقل باقی ہے — مُغوں والی شراب ہاتھ سے نہ چھوڑ

برداشتہ اند صوتِ داؤد — مُرغانِ چمن ز آشیانہ
داؤدی نغمہ بلند کیا ہے — چمن کے پرندوں نے آشیانہ سے

اے[3] مُطربِ ما تو نیز یکدم — مگذار ز کف دف و چغانہ
اے ہمارے مُطرب! تو تھوڑی کے لئے بھی — ہاتھ سے دف اور چغانہ نہ چھوڑ

برگوی بیادِ وصلِ جاناں — چوں عُود بسوزِ دل ترانہ
محبوب کے وصل کی یاد میں گا — عود کی طرح، دل کے سوز کے ساتھ، ترانہ

مے نوش تو حافظا بشادی — تا چند خوری غمِ زمانہ
اے حافظ! خوشی سے شراب پی — زمانہ کا غم کب تک کھائے گا؟

دیریست[4] کہ آتشِ غمِ دل — در سینہ ہمی کشد زبانہ
عرصہ ہوگیا ہے کہ دل کے غم کی آگ — سینہ میں لپٹیں مار رہی ہے

چوں نیست بہیچگونہ پیدا — دریائے فراق را کرانہ
جب کہ کسی طرح بھی پیدا نہیں ہے — فراق کے دریا کا کنارہ

---

[1] میں تیرے جلانے پر اسی وجہ سے راضی رہا کہ شاید کسی وقت رحم کرے۔
[2] یعنی جب تک سر میں کچھ بھی عقل باقی ہے برابر شراب پلائے جا تاکہ مدہوش ہو جاؤں۔
[3] چغانہ ایک ساز کا نام ہے اور موسیقی کا ایک پردہ بھی ہے۔
[4] زبانہ، آگ کا شعلہ یعنی میں ایک عرصہ سے فراق کی آگ میں جل رہا ہوں۔

آں بہ کہ زصبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے منہ نہ موڑوں
باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پاتوں

در سختیِ عشق اگر بمیرم
اگر میں عشق کی سختی سے مر بھی جاؤں
من دل ز غمِ تو بر نگیرم
تیرے غم سے دل نہ ہٹاؤں گا

بیشک[1] دلِ ماہ و خور بگیرد
یقیناً چاند اور سورج دلگیر ہو جائے
گر سوئے فلک رسد نفیرم
اگر میری فریاد آسمان پر پہونچے

پیوستہ کمانِ ابروانش
اس کی ابروؤں کی کمان، مسلسل
از غمزہ ہمی زند بہ تیرم
ادا سے میرے تیر مار رہی ہے

نتواں بہ قلم نوشت شوقش
اس کا عشق قلم سے نہیں لکھا جا سکتا ہے
گر پیرِ فلک شود دبیرم
اگر چہ بوڑھا آسمان میرا منشی بنجائے

پیر[2] غمِ عشقم ارچہ طفلم
میں غمِ عشق سے بوڑھا ہوں اگر چہ لڑکا ہوں
طفلِ غمِ عشقم ارچہ پیرم
میں غمِ عشق کا لڑکا ہوں، اگر چہ بوڑھا ہوں

دارم سرِ آں کہ ہمچو سعدی
میرا یہ خیال ہے کہ سعدی کی طرح
بنشینم و صبر پیش گیرم
بیٹھ جاؤں اور صبر اختیار کرلوں

چوں کرد زمانۂ ستمگار
جب ظالم زمانہ نے تجھ سے دور ہونیکی وجہ سے
دور از تو بہ بندِ غم اسیرم
غم کی قید میں مجھے قیدی بنا دیا

آں بہ کہ زصبر رُخ نتابم
یہ بہتر ہے کہ صبر سے مُنہ نہ موڑوں
باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پالوں

اے[3] غیرتِ لُعبتانِ طنّاز
اے نازنین گڑیوں کے لئے باعث غیرت!
برقع ز رخِ چو مہ برانداز
چاند جیسے رخ سے برقع اُلٹ دے

تا من ز سرِ جہاں بہ کُلّی
تاکہ میں بالکل دنیا کے خیال سے
برخیزم و توبہ بشکنم باز
ہٹ جاؤں اور پھر توبہ توڑ دوں

اے دوست ز رہگذارِ دیدہ
اے دوست! آنکھوں کے راستہ سے
شد فاش میانِ مردماں راز
لوگوں میں راز کھل گیا

تا خود[4] چہ بود مرا سرانجام
دیکھئے، خود میرا کیا انجام ہوتا ہے!
در عشق چو ہجر کرد آغاز
جب عشق میں، ہجر نے آغاز کیا ہے

سرمایۂ عمر داد برباد
اپنی عمر کا سرمایہ برباد کر دیا
ہر کو بغمِ تو گشت انباز
جو تیرے غم کا شریک بنا

ترجیع بند

[1] نفیر، آواز، نوحہ یعنی اگر میرے نالے آسمان کی طرف پہنچیں تو ان کو سن کر ماہ اور خورشید دل گرفتہ ہو جائیں گے۔
[2] یعنی جوانی میں ہجر کی وجہ سے بوڑھا ہو گیا ہوں۔
[3] طنّاز، بہت زیادہ ناز و انداز دکھانیوالا۔
[4] جبکہ عشق کے آغاز میں ہجر ہے تو نہ معلوم انجام کیا ہوگا۔

ترجیع بند

دُرآتشِ عشق و مجمرِ غم — میسوز دِلا چو عُود و می ساز
عشق کی آگ، اور غم کی انگیٹھی میں — اے دل! اگر کی طرح جل اور غم سے موافقت کر

حالی چو نمید ہد مرادست — بوسیدنِ پائے آں سرافراز
اب چونکہ مجھ کو میسّر نہیں ہے — اس سربلند کی قدم بوسی

آں بہ کہ زصبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے مُنہ نہ موڑوں

باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پاؤں

اے سروِ سمن برِ گُل اندام — از عارضِ تو خجل مہِ شام
اے سمن جیسے جسم والے، پھول جیسے بدن والے سرو! — تیرے رخسار سے شام کا چاند شرمندہ ہے

باز آ کہ ہجرِ جانگدازت — برد از دلِ من قرار و آرام
لوٹ آ، اس لیے کہ تیرا جانگداز فراق — میرے دل سے سکون اور آرام لے گیا

از دانۂ خال و دامِ زلفت — مُرغِ دلِ من فتادہ در دام
تیرے تل کے دانہ اور زلف کے جال کی وجہ سے — میرے دل کا پرندہ جال میں پھنس گیا ہے

چوں کام نشد بہ سعی حاصل — قانع شدہ ام بہ ہجر ناکام
جب کہ کوشش سے مقصد حاصل نہ ہوا — ناکام ہجر پر صابر بن گیا ہوں

مائیم و غمِ فراق حالی — تا خود بہ کجا رسد سرانجام
اب تو ہم ہیں اور فراق کا غم — دیکھئے انجام کہاں تک پہونچے؟

جز محنت و دردؔ گوئیا نیست — دور از تو نصیبِ من بأیام
گویا درد اور تکلیف کے سوا نہیں ہے — زمانہ سے میرا حصّہ (تجھ سے دور)

مقصودِ وجود حافظا چیست — جز صحبتِ یار و بادہ و جام
اے حافظ! وجود سے، مقصود کیا ہے — دوست کی صحبت اور شراب اور جام کے سوا

حالی چو نمی شود مہیّا — کامِ دلم از تو اے دلآرام
اب چونکہ حاصل نہیں ہوتا ہے — میرے دل کا مقصد اے دل آرام! تجھ سے

آں بہ کہ زصبر رُخ نتابم
یہی بہتر ہے کہ صبر سے مُنہ نہ موڑوں

باشد کہ مرادِ دل بیابم
ہو سکتا ہے کہ دل کی مراد پاؤں

اے راحتِ جانِ بیقرارم — امیدِ دلِ امیدوارم
اے میری بے قرار جان کی راحت! — اے میرے امید وار دل کی امید!

شادمؔ بغمت کہ در ہمہ حال — سوزِ غمِ تست سازگارم
میں تیرے غم پر خوش ہوں اس لیے کہ ہر حال میں — تیرے غم کی سوزش میرے موافق ہے

۱؎ مجمر، انگیٹھی یعنی عشق کی آگ میں اگر کی طرح جل اور صبر کر۔

۲؎ میرا مُرغِ دل تیرے تل کے دانہ کی وجہ سے زلف کے جال میں پھنس گیا ہے۔

۳؎ گویا زمانہ میں میرے لیے درد اور غم کے سوا کچھ نہیں ہے خدا تجھ سے اس درد کو دور رکھے۔

۴؎ شعر

[illegible]

تا رفتہ[1] ازکنارم ایدوست — یکبار ز عیش برکنارم

اے دوست جب سے تو میری بغل سے گیا ہے — میں ایک دم عیش سے جدا ہوگیا ہوں

در آرزوئے وصالِ جانے — عمرے بفراق میگذارم

ایک معشوق کے وصال کی آرزو میں — زندگی فراق میں گذار رہا ہوں

امشب بگذشت خواہد از دوش — طوفانِ سرشکِ اشکبارم

آج کی رات کاندھے سے گذر جائے گا — میرے اشکبار آنسوؤں کا طوفان

تا مرگ[2] نہ گیر دم گریباں — من دست زدا منت ندارم

جب تک موت میرا گریبان نہ پکڑے گی — میں تیرے دامن سے دست بردار نہ ہوں گا

چوں ہیچ نشد بسعی حاصل — کامِ دلِ خستہ فگارم

جب کہ کوشش سے کچھ حاصل نہ ہوا — میرے زخمی خستہ دل کا مقصد

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم

یہی بہتر ہے کہ صبر سے مُنہ نہ موڑوں

باشد کہ مُرادِ دل بیابم

ہوسکتا ہے کہ میں دل کی مراد پاؤں

اے زخمِ غمِ تو مرہمِ دل — عشقِ تو انیس و محرمِ دل

اے وہ کہ تیرے غم کا زخم دل کا مرہم ہے — تیرا عشق دل کا محبوب اور محرم ہے

زلفِ تو کمندِ گردنِ جاں — لعلِ تو نگینِ خاتمِ دل

تیری زلف، جان کی گردن کی کمند ہے — تیرا لعل دل کی انگوٹھی کا نگ ہے

ابروئے تو بود شحنۂ جاں — چوں چشمِ تو گشت حاکمِ دل

تیری ابرو جان کی کوتوال ہے — جبکہ تیری آنکھ دل کی حاکم بن گئی ہے

او[3] در دلِ ما و ما در آتش — ما را غمِ اوست نے غمِ دل

وہ ہمارے دل میں ہے اور ہم آگ میں ہیں — ہمیں اس کا غم ہے نہ کہ دل کا

نزدیک شد آنکہ من بدوری — گیرم گمِ خویش یا گمِ دل

ہے بالکل قریب ہے کہ میں ہجر کی وجہ سے — اپنے آپ کو گم کردوں گا یا دل کو

حافظ چہ شود اگر بیابی — نورے ز حضورِ عالمِ دل

اے حافظ کیا ہو جائے گا اگر تو حاصل کرے گا؟ — دل کی دنیا کے حضور سے، کوئی نور

چوں[4] مُلکِ وصالِ او نگردد — آساں آسان مُسلمِ دل

جب کہ اس کے وصل کا مُلک — آسانی سے دل کے زیر فرمان نہیں ہوتا ہے

آں بہ کہ ز صبر رُخ نتابم

یہی بہتر ہے کہ میں صبر سے مُنہ نہ موڑوں

باشد کہ مُرادِ دل بیابم

ہوسکتا ہے کہ میں دل کی مراد پاؤں

ترجیع بند

۱ جب سے تو مجھ سے جدا ہوا ہے میں رنج اور غم کی وجہ سے بے قرار ہوں۔
۲ میں جیتے جی تجھ سے دست بردار نہیں ہوسکتا ہوں۔
۳ معشوق ہمارے دل میں ہے، اور دل ہجر کی آگ میں جل رہا ہے۔ مجھے دل کی تو نہیں اس کی فکر ہے۔
۴ وصل کی سلطنت جبکہ آسانی سے قابو میں نہیں آرہی ہے تو صبر اختیار کرنا چاہئے۔

ساقی نامہ

سر فتنہ[1] دارد دگر روزگار
زمانہ، پھر فتنہ کا خیال رکھتا ہے

من و مستی و فتنۂ چشم یار
میں ہوں اور مستی، اور یار کی آنکھ کا فتنہ

ہمی مانم از دورِ گردوں شگفت
میں زمانہ کی گردش سے تعجب میں ہوں

ولے نیست در وے مجالِ گرفت
لیکن اس میں گرفت کی گنجائش نہیں ہے

یکے را قلم زن کند روزگار
کسی پر زمانہ قلم پھیر دیتا ہے

یکے را دہد تیغ در کارزار
کسی کو لڑائی کے میدان میں تلوار دیدیتا ہے

دگر ہمچو زَند آتشے میزند
اور اگر وہ چقماق کی طرح آگ نکالتا ہے

ندانم چراغے کہ بر میکند
معلوم نہیں کس کا چراغ بجھاتا ہے؟

فریب[2] جہاں قصّۂ روشنست
زمانہ کا مکر، ایک کھلا ہوا معاملہ ہے

ببیں تا چہ زاید شب آبستن ست
دیکھو کیا جنتی ہے، رات حاملہ ہے؟

دلا[3] بر جہاں دل منہ زینہار
اے دل! دنیا سے ہرگز دل نہ لگا

کہ کس بر سرِ پل نگیرد قرار
اس لئے کہ کوئی شخص پل پر نہیں ٹھہرتا ہے

ہماں[4] مرحلہ است ایں بیابانِ دور
یہ طویل جنگل وہی مقام ہے

کہ گم شد درو لشکرِ سلم و تور
جہاں سلم اور تور کے لشکر گم ہوگئے ہیں

ہماں منزلست ایں جہانِ خراب
یہ جہانِ خراب وہی مقام ہے

کہ دیدست ایوانِ افراسیاب
جس نے افراسیاب کا محل دیکھا ہے

کجا رائے پیران[5] لشکر کشش
اس کے لشکر کش پیران کی رائے کہاں ہے؟

کجا شیدۂ ترکِ خنجر کشش
اس کا، خنجر کش شیدہ ترک کہاں ہے؟

نہ تنہا شد ایوان و کاخش بباد
اس کا محل اور قلعہ ہی صرف برباد نہیں ہوا ہے

کہ خاکش ندارد کسے ہم بیاد
بلکہ اس کی قبر بھی کسی کو یاد نہیں ہے

چہ خوش[6] گفت جمشید با تاج و گنج
باوجود تاج اور خزانہ حاصل ہونیکے جمشید نے کیا خوب کہا ہے

کہ یک جَو نیرزد سرائے سپنج
کہ اسپنجی سرائے ایک جَو کے لائق بھی نہیں ہے

بیا ساقیا جامِ جم دہ مرا
اے ساقی! آ مجھے جامِ جمشید دے

تعلّل مکن دمبدم دہ مرا
بہانے نہ کر مجھے پے در پے دے

مُغنّی کجائی بگلبانگ رود
اے مُطرب! تو کہاں ہے بربط کی آواز سے

بیاد آور آں خسروانی سرود
وہ خسروانی گانا یاد دلا

بہ مستاں نویدِ سرودے فرست
مستوں کو کسی گانے کی دعوت بھیج

بیارانِ رفتہ درودے فرست
گذرے ہوئے دوستوں پر درود بھیج

[1] چونکہ زمانہ مجھے کسی فتنے میں مبتلا کرنے کی فکر میں ہے لہٰذا میں محبوب کی آنکھوں کے فتنے میں مبتلا ہوکر اس سے بچنے کی تدبیر کرتا ہوں۔
[2] ہر رات اپنے اندر سَو فتنوں کو لے آتی ہے۔
[3] دنیا ایک پل ہے جس سے گذر کر عالمِ آخرت میں پہونچنا ہے۔
[4] سلم اور تور فریدوں کے دو لڑکوں کے نام ہیں۔
[5] پیران، افراسیاب کے وزیر کا نام ہے جو دانائی میں مشہور تھا۔ شیدہ افراسیاب کے لڑکے کا نام ہے۔
[6] جمشید مشہور بادشاہ گذرا ہے جس نے خدائی کا دعوٰی بھی کیا تھا۔ اور ضحاک کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

مُغنّی[1] بزن چنگ برار غنوں
اے مُطرب! ار غنون پر چنگل مار

براز دلم فکرِ دنیائے دوں
کمینی دنیا کا فکر میرے دل سے نکال

مگر خاطرم یابد آسایشے
شاید میری طبیعت ایک آرام حاصل کرے

کہ نبود ز غم باوے آلایشے
کہ اُس کے ہوتے ہوئے غم سے آلودگی نہ ہو

مُغنّی بزن خسروانی سرود
اے مطرب! شاہی گانا گا

بگو با حریفاں باآوازِ رود
رود کی آواز سے دوستوں سے کہہ

کہ از آسماں مژدۂ فرصت است
کیونکہ آسمان سے فرصت کی خوشخبری آرہی ہے

مرا بر عدو عاقبت نصرت ست
انجام کار، دشمن پر میری فتح ہے

مُغنّی نوائے[2] طرب ساز کن
اے مطرب! مستی کا نغمہ گا

بقولِ غزل قصہ آغاز کن
غزل کہہ کر قصہ شروع کر

کہ بارِ غمم بر زمیں دوخت پای
اس لیے کہ غم کے بوجھ نے میرے پیر زمین میں دھنسا دیئے ہیں

بضربِ اصولم بر آور ز جائے
میری جڑوں پر مار کر مجھے جگہ سے اکھاڑ دے

مُغنّی ازیں پردہ نقشے بر آر
اے مطرب! اس پردے سے کوئی نقش باہر لا

ببیں تا چہ گفت از حرم پردہ دار
دیکھ، حرم سے پردہ دار نے کیا کہا ہے؟

چناں بر کش[3] آہنگِ ایں داوری
اس داوری کی تان کو ایک بلند کر

کہ ناہیدِ چنگی برقص آوری
کہ چنگ والے ناہید کو جھوما دے

مُغنّی دف و چنگ را ساز دہ
اے مطرب! دف اور چنگ کو بجا

بیارانِ خوش نغمہ آواز دہ
اچھے گانے والے دوستوں کو پکار

رہے زن کہ صوفی بحالت[4] رود
ایک سُر گا کہ صوفی کو حال آجائے

بہ مستی و وصلش حوالت رود
وہ اس کے وصل کی مستی کے حوالے ہو جائے

مُغنّی بیا[5] بامنت جنگ نیست
اے مطرب! آجا تیری مجھ سے لڑائی نہیں ہے

کفے بر دُفے زن گرت چنگ نیست
اگر تیرے پاس چنگ نہیں ہے تو دف پر ہاتھ مار

شنیدم کہ چوں غم رساند گزند
میں نے سنا ہے کہ جب غم تکلیف پہونچائے

خروشیدنِ دُف بود سودمند
دُف کا شور مچانا مفید ہوتا ہے

مُغنّی کجائی کہ وقتِ گل ست
اے مُطرب! تو کہاں ہے، بہار کا موسم ہے

ز بلبل چمنہا پر از غلغل ست
چمن، بلبلوں سے گونج رہے ہیں

ہماں بہ کہ خونم بجوش آوری
یہی بہتر ہے کہ تو میرے خون کو جوش دیدے

دمِ چنگ را در خروش آوری
چنگ کے سانس کو شور میں لائے

مُغنّی بیا[6] عود را ساز کن
اے مطرب! آ، سارنگی بجا

نو آئیں نوائے نو آغاز کن
نیا طرز کا، نیا نغمہ شروع کر

بیک نغمہ دردِ مرا چارہ ساز
ایک نغمے سے میرے درد کا علاج کردے

دلم نیز چوں خرقہ صد پارہ ساز
میرے دل کو گدڑی کی طرح سو ٹکڑے بنادے

---

[1] ارغنوں، ایک مشہور باجا ہے یعنی دنیا کا فکر ارغنوں کے ذریعہ دور کر دے۔
[2] اے مُطرب کوئی غزل سنا، غموں کے بوجھ سے قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ہے کوئی ایسا نغمہ سنا جس سے وجد میں آجاؤں۔
[3] داوری ایک باجا ہے ناہید زہرہ ستارہ جس کو رقاصۂ فلک مانا گیا ہے۔
[4] حالت یعنی کیفیتِ وجد و رقص، مستی، کیفیتِ وصل ہے۔
[5] اگر چنگ موجود نہیں ہے تو دف بجا اس کی آواز بھی غموں کو دور کر دیگی۔
[6] اے مُطرب کوئی نیا نغمہ سنا، صوفی وجد کی حالت میں کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں یعنی کپڑوں کی طرح میرے دل کے بھی ٹکڑے کردے۔

مُغنّی کجائی کہ لطفے کنی
اے مطرب! تو کہاں ہے کہ مہربانی کر دے
زمے آتشے در دلم افگنی
میرے دل میں شراب سے آگ لگا دے

برُوں آری از فکرِ خود یکدمم[1]
مجھے اپنی فکر سے ایک دم نکال دے
بہم بر زنی کاروبارِ غمم
میرے غم کے کاروبار کو برباد کر دے

مُغنّی کجائی نوائے بزن
اے مطرب! تو کہاں ہے کوئی گانا گا
بیکتائی او دوتائے بزن
اس کی یکتائی کی قسم دوتارا بجا

چو خواہد شدن عالم از ما تہی
جب دنیا ہم سے خالی ہی ہوگی
گدائی بسے بہ ز شاہنشہی
تو شہنشاہی سے گدائی بہت بہتر ہے

مُغنّی بگو قول بردار ساز
اے مطرب! قوالی کہہ ساز اٹھا
کہ بیچارگاں را توئی چارہ ساز[2]
اسلئے کہ بے چاروں کا تو ہی چارہ ساز ہے

رُوانِ بزرگانِ خود شاد دار
اپنے بزرگوں کی روح کو خوش رکھ
ز روزِ فرو ماندگی یاد دار
عاجزی کے دن کو یاد رکھ

مُغنّی ازآں پردہ نقشے بساز
اے مطرب! اس پردے سے کوئی نقش بنا
ببیں تا چہ گفتم ازآں پردہ ساز
دیکھ میں نے اس پردہ ساز سے کیا کہا؟

تو بنمائی راہِ عراقم[3] بزود
تو مجھے راہ عراق جلد دکھا
کہ بکشایم از دیدہ صد زندہ رود
تاکہ میں آنکھوں سے سو زندہ رود جاری کر دوں

مُغنّی بیا بشنو و کار بند
اے مطرب! آ، سن اور عمل کر
ز قولِ من ایں پندِ دانا پسند
میرے قول سے عقلمند کی یہ نصیحت پسند کر

چو[4] غم لشکر آرد بیارا صفے
جب غم لشکر کشی کرے تو صف آراستہ کر
ز چنگ و رباب و ز نای و دفے
چنگ اور رباب، اور نے، اور دف کی

مُغنّی تو سِرِّ مرا محرمی
اے مطرب! تو میرا محرم راز ہے
زمانے بہ نے زن دمِ ہمدمی
تھوڑی دیر کے لیئے نے کے ذریعہ ہمدمی کا دم بھر

بمے دور کن در دلت گر غمے ست
اگر تیرے دل میں کوئی رنج ہے، شراب سے دور کر
دمے پیشِ دانا بہ از عالمیست
عقلمند کی صحبت کا تھوڑا سا وقت دنیا بھر سے بہتر ہے

مُغنّی[5] کجائی بزن بربطے
اے مطرب! تو کہاں ہے؟ کوئی بربط بجا
بیا ساقیا پُر کن از مے بطے
اے ساقی! آ، شراب سے ایک بطخ بھر

کہ با ہم نشینیم و عیشے کنیم
تاکہ ہم ملکر بیٹھیں اور کچھ عیش کریں
دمے خوش بر آریم و جیشے کنیم
ذرا سا خوشی کا سانس لیں اور ایک لشکر تیار کریں

مُغنّی ز اشعارِ من یک غزل[6]
اے مطرب! میرے اشعار میں سے ایک غزل
بآہنگِ چنگ آر اندر عمل
چنگ کی دھن پر کام میں لا

کہ تا وجد[7] را کار سازی کنم
تاکہ میں بے خودی پیدا کروں
برقص آیم و خرقہ بازی کنم
میں ناچنے لگوں اور گدڑی کا کھیل بناؤں

ساقی نامہ

[1] یعنی مجھے بیخود بنا دے تاکہ غم سے نجات پا جاؤں۔
[2] بے چاروں کا چارہ ساز مُطرب ہی ہے۔
[3] عراق بساز کے پردے کا نام بھی ہے اور ایک مُلک بھی ہے۔ زندہ رود اصفہان کی مشہور نہر ہے۔
[4] جب غموں کا لشکر حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ کے لئے چنگ و رباب وغیرہ سے صف آرائی کرنی چاہیئے۔
[5] بربط ایک ساز کا نام ہے، بط شراب کی صراحی جو بطخ کی صورت کی بنائی جاتی ہے۔
[6] میری ایک غزل چنگ پر سُنا۔
[7] وجد میں سماع لذت دیتا ہے۔ رقص میں صوفی کی گدڑی کھلونے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

باقبالِ دارائے دیہیم و تخت
اقبال مندی سے تخت و تاج کا مالک

بہیں میوۂ خسروانی درخت
شاہی درخت کا قیمتی میوہ

پناہِ زمیں پادشاہِ زماں
زمین کی پناہ، زمانہ کا بادشاہ

مہِ برجِ دولت شہِ کامراں
دولت کے برج کا چاند، کامیاب بادشاہ

کہ تمکین اورنگِ شاہی ازوست
کیونکہ شاہی تخت کا وقار، اس سے ہے

تن آسانیِ مرغ و ماہی ازوست
مرغ و ماہی کا آرام، اس سے ہے

فروغِ دل و دیدۂ مُقبلاں
وہ بااقبال لوگوں کے دل اور آنکھ کا نور ہے

ولی نعمتِ جملہ صاحبدلاں
تمام صاحبانِ دل کا ولی نعمت ہے

الا اے ہُمائے ہمایوں اثر
سُن، اے برکتوں والے ہُما

خجستہ سروشِ مبارک خبر
مبارک آواز مبارک خبر والے

جہاں دار و دیں پرور و تاجور
وہ جہاندار ہے، اور دین پرور تاجدار ہے

کز و تختِ جم گشت بازیب و فر
جس کی وجہ سے جمشید کا تخت شان و شوکت والا ہو گیا ہے

چگونہ دہم شرحِ[1] آثارِ او
میں اس کی خوبیوں کی کس طرح شرح کروں

کہ عقل ست حیراں در اطوارِ او
اس کے طور طریقوں میں عقل حیران ہے

چو قدرِ وے از حدِ مدحست بیش
جبکہ اس کا مرتبہ تعریف کی حد سے باہر ہے

سر اندازم از عجز و تشویر پیش
عاجزی اور شرمندگی سے میں سر نیچا کر لیتا ہوں

برآرم باخلاص دستِ دعا
میں اخلاص سے دعا کا ہاتھ اٹھاتا ہوں

کنم روئے در حضرتِ کبریا
اللہ کے دربار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں

کہ یارب[2] بآلائے و نعمائے تو
کہ اے خدا اپنی نعمتوں اور بخششوں کے طفیل

باسرارِ اسمائے حُسنائے تو
اپنے اسمائے حُسنیٰ کے اسرار کے طفیل

بحقِ کلامت[3] کہ آمد قدیم
اپنے قدیم کلام کے طفیل

بحقِ رسول و بخلقِ عظیم
رسول کے حق اور بلند اخلاق کے طفیل

کہ شاہِ جہاں باد فیروز بخت
کہ دنیا کا بادشاہ کامیاب نصیبہ والا رہے

باقبال ہموارہ با تاج و تخت
اقبال کے ساتھ ہمیشہ تاج و تخت والا رہے

زمیں تا بود مظہرِ عدل و جور
زمین جب تک انصاف اور ظلم کا مظہر رہے

فلک تا بود مرتعِ جدی و ثور[4]
فلک جب تک جدی اور ثور کی چراگاہ رہے

خدیوِ جہاں شاہ منصور باد
شاہ منصورؔ عالم کا بادشاہ رہے

غبارِ غم از خاطرش دور باد
غم کا غبار اس کی طبیعت سے دور رہے

بحمد اللہ اے خسروِ جم نگیں
بحمد اللہ، اے جمشید کی انگوٹھی والے بادشاہ!

شجاعے بمیدانِ دنیا و دیں
دنیا اور دین کے میدان کے بہادر

بمنصوریت در جہاں رفت نام
تیرا نام دنیا میں منصورؔ مشہور ہوا ہے

کہ منصور باشی بر اعدا مُدام
تاکہ تو دشمنوں پر ہمیشہ کامیاب رہے

---

[1] اس بادشاہ کی تعریف کرنا ناممکن ہے اس کی خوبیاں بیان سے باہر ہیں۔
[2] خدا کے ننانوے ناموں کو اسماءِ حُسنیٰ کہا جاتا ہے۔
[3] کلام اللہ، اللہ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔
[4] جدی اور ثور آسمان کے دو برجوں کے نام ہیں اور جدی بکری کا بچہ اور ثور بیل کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

فریدوں شکوہی در ایوانِ بزم
تو محفل میں فریدوں جیسے دبدبہ والا ہے
تہمتن[1] نبردی بمیدانِ رزم
جنگ کے میدان میں رستم جیسا جنگجو ہے

فلک را گہر در صدف چوں تو نیست
آسمان کی سیپ میں تجھ جیسا موتی نہیں ہے
فریدون و جم را خلف چوں تو نیست
فریدوں اور جمشید کا جانشیں، تجھ جیسا کوئی نہیں ہے

نہ تنہا خراجت دہند از فرنگ
تجھے صرف فرنگی ہی خراج نہیں دیتے ہیں
کہ مہراج[2] باجت فرستد ز زنگ
بلکہ زنگ سے مہاراجہ تجھے خراج بھیجتے ہیں

اگر ترک و ہند ست وگر روم و چین
خواہ ترک اور ہند ہو، خواہ روم اور چین
چو جم جملہ داری بزیر نگیں
تو سب کو جمشید کی طرح حکم کے ماتحت رکھتا ہے

ہمائیست[3] چترت ہمایوں نظر
تیرا چتر مبارک نظر ایسا ہُما ہے
کہ دارد بسیطِ زمیں زیر پر
جو کہ روئے زمین کو پر کے نیچے رکھتا ہے

زحل کمتریں ہندویت در وثاق
زحل، بیٹری میں تیرا ادنےٰ غلام ہے
سپہرت غلامے مرصّع نطاق
آسمان، تیرا جڑاؤ پر تلے والا غلام ہے

سکندر صفت روم تا چیں تراست
سکندر کی طرح روم سے چین تک تیرا ہے
گر او داشت آئینہ آئیں تراست
اگر اس کے پاس آئینہ تھا تو تیرا حکم ہے

بجائے سکندر بماں سالہا
سکندر کی جگہ تو سالہا سال رہ
بدانا دلی کشف کن حالہا
عقلمند دل سے حالات معلوم کر

چو دریائے وصفت ندارد کنار
جبکہ تیرے وصف کے دریا کا کنارہ نہیں ہے
ثنار اکنم بر دعا اختصار
اس لیے تعریف کو دعا پر ختم کرتا ہوں

ز نظمِ[4] نظامی کہ چرخِ کہن
اس نظامی کی نظم میں سے کہ پرانا آسمان
ندارد چو او ہیچ زیبا سخن
اس جیسا کوئی حسین کلام نہیں رکھتا ہے

بیارم بہ تضمیں سہ بیتِ متیں
تضمین میں تین عمدہ شعر لاتا ہوں
کہ نزدِ خرد بہ ز دُرِّ ثمیں
جو عقل کے نزدیک قیمتی موتی سے بہتر ہیں

ازآں[5] بیشتر کآوری در ضمیر
اس سے بھی زیادہ جتنا تو دل میں خیال کرے
ولایت ستاں باش و آفاق گیر
ملک لینے والا اور دنیا کو فتح کرنے والا ہو

زماں تا زماں از سپہرِ بلند
ابدالآباد تک، بلند آسمان کی طرف سے
بفتحِ دگر باش فیروز مند
تو نئی فتح کے ساتھ کامیاب رہے

ازاں مے کہ جاں را بدو ہوش باد
وہ شراب جس سے جان کو ہوش رہے
مرا شربت و شاہ را نوش باد
میرے لیے شربت اور بادشاہ کے لیے شہد بنے

بیا ساقی آں مے کہ یکبارگی
اے ساقی! آ، وہ شراب جو ایک دم
بچارہ رساند ز بیچارگی
بے چارگی سے چارہ تک پہونچا دے

بمن دہ کہ سلطانِ دل بودہ ام
مجھے دے، اس لیے کہ میں دل کا بادشاہ ہوں
کنوں دُورم ازوے کہ آلودہ ام
اب اس سے دور ہوں، کیونکہ ناپاک ہوں

[1] تہم بمعنی قوی اور بزرگ، تن، بمعنی جسم یعنی قوی جسم والا یہ رستم کا لقب تھا۔
[2] مہراج، بڑا بادشاہ یہ ہندوستان اور حبش کے بادشاہوں کا لقب تھا۔
[3] تیرا چترِ شاہی بمنزلہ ہُما کے ہے اور اپنے پروں میں روئے زمین کو لئے ہوئے ہے۔
[4] چونکہ نظامی سے بہتر کوئی شاعر نہیں ہے لہٰذا اس کے کلام کے تین دعائیہ اشعار پر تعریف ختم کرتا ہوں
[5] یہ شعر اور اگلے شعر نظامی کے ہیں۔

فریدوں[1] صفت کاویانی علم
فریدوں کی طرح کاویانی جھنڈا
برافرازم از پشتیِ جامِ جم
جامِ جمشید کی مدد سے میں بلند کروں

بیا ساقی ایں نکتہ بشنو زنے
اے ساقی آ، بانسری سے یہ نکتہ سن
کہ یک جرعہ مے بہ ز دیہیم کے
کہ شراب کا ایک گھونٹ کیخسرو کے تاج سے بہتر ہے

بمن دہ کہ در کیشِ مردانِ راہ
مجھے دے، اس لیے کہ راستہ کے مردوں کے مذہب میں
چہ طاعت در آنجا چہ آنجا گناہ
اس جگہ کیا عبادت اور کیا گناہ

دم از سیرِ ایں دیرِ دیرینہ[2] زن
اس پرانے آتشکدہ کی سیر کا دم بھر
صلائے بشاہانِ پیشینہ زن
گزشتہ بادشاہوں کو پکار

بیا ساقی[3] آں کیمیائے فتوح
اے ساقی! آ، کامیابی کی وہ کیمیا
کہ با گنجِ قاروں دہد عمرِ نوح
جو قارون کے خزانے کے ساتھ نوح کی عمر دیتی ہے

بدہ تا بروئیت کشایند باز
دے تاکہ تیرے سامنے کھول دیں
درِ کامرانی و عمرِ دراز
کامیابی اور دراز عمر کا دروازہ

بیا ساقی آں ارغوانی قدح
اے ساقی! آ، وہ ارغوانی پیالہ
کہ یابد ز فیضش دل و جاں فرح
جس کے فیض سے دل اور جان فرحت حاصل کرے

بمن دہ کہ از غم خلاصم دہد
مجھے دے تاکہ غم سے، وہ مجھے نجات دے
نشانِ رہِ بزمِ خاصم دہد
خاص لوگوں کی محفل کا مجھے پتہ بتادے

بیا ساقی آں مے کہ جاں پرور است
اے ساقی! آ، وہ شراب جو جان پرور ہے
دلِ خستہ را ہمچو جاں در خور است
جو زخمی دل کے لیے جان کی طرح ضروری ہے

بدہ[4] کز جہاں خیمہ بیروں زنم
دے تاکہ دنیا سے باہر خیمہ گاڑوں
سراپردہ بالائے گردوں زنم
آسمان پر خیمہ لگاؤں

بیا ساقی[5] آں مے کہ حال آورد
اے ساقی! آ، وہ شراب جو حال لائے
کرامت فزاید کمال آورد
کرامت بڑھائے اور کمال پیدا کرے

بمن دہ کہ بس بیدل افتادہ ام
مجھے دے اس لیے کہ میں بہت بے دل ہوا پڑا ہوں
وزیں ہر دو بے حاصل افتادہ ام
اور ان دونوں سے خالی پڑا ہوں

بیا ساقی آں آبِ اندیشہ سوز
اے ساقی! آ، وہ پانی جو فکر کو جلانیوالا ہے
کہ گر شیر نوشد شود بیشہ سوز
اگر شیر پی لے تو کچھار جلادے

بدہ[6] تا روم بر فلک شیر گیر
دے تاکہ میں آسمان پر شیر پکڑنے والا بن کر جاؤں
بہم برزنم دامِ ایں گرگِ پیر
اس پرانے بھیڑیے کا جال پھاڑ ڈالوں

بیا ساقی آں بکرِ[7] مستورِ مست
اے ساقی! آ وہ پردہ نشین، مست، باکرہ
کہ اندر خرابات دارد نشست
جو شراب خانوں میں بیٹھی ہے

بمن دہ کہ بدنام خواہم شدن
مجھے دے کیونکہ میں بدنام ہونا چاہتا ہوں
مریدِ مے و جام خواہم شدن
شراب اور جام کا مرید ہونا چاہتا ہوں

[1] کاوہ ایک لوہار کا نام ہے کاویانی علم وہ جھنڈا کہلاتا تھا جو فریدوں بادشاہ کے پاس تھا۔
[2] دیرِ دیرینہ سے مراد دنیا ہے، صلا کھانے کی دعوت یا ہر پکار کو کہا جاتا ہے
[3] حضرتِ نوح کی عمر اور قارون کا خزانہ کثرت میں ضرب المثل ہے۔
[4] شراب کے بعد عالم بالا کی طرف پرواز اور دنیا سے لاپروائی ہوتی ہے۔
[5] شراب پینے سے وجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور کرامت اور کمال کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔
[6] گرگِ پیر سے مراد آسمان ہے یعنی آسمان کے تمام مکر و فریب کا جال پھاڑ ڈالوں۔
[7] بکرِ مستور، پردہ نشین کنواری یعنی شراب۔

ساقی نامہ (۲)

بیا ساقی آں مے کہ حورِ بہشت
اے ساقی! آ وہ شراب کہ بہشتی حور نے

عبیرِ[1] ملائک دراں مے سرشت
فرشتوں کی خوشبو اس شراب میں گوندھی ہے

بدہ تا بخورے[2] بر آتش کنم
دے، تاکہ آگ پر کچھ دھونی دوں

دماغِ خرد را دمے خوش کنم
تھوڑی دیر کے لئے عقل کا دماغ خوش کروں

بیا ساقی آں مے کہ تیزی کند
اے ساقی! آ وہ شراب جو تیزی دکھائے

بباغِ دلم مُشک بیزی کند
میرے دل کے باغ میں مُشک بکھیرے

بدہ تا بنوشم بیادِ کسے
دے، تاکہ اس شخص کی یاد میں پیوں

کہ ہست از غمش در دلم خوں بسے
جس کے غم سے میرے دل میں بہت خون ہوگیا ہے

بیا ساقی از مے ندارم گزیر
اے ساقی! آ میرے لیے شراب سے چارہ نہیں ہے

بیک جامِ باقی مرا دستگیر
ایک باقی جام سے میری دستگیری کر

کہ از دورِ گردوں بجاں آمدم
اس لیے کہ آسمان کی گردش سے میں جان سے عاجز آگیا ہوں

رواں سوئے دیرِ مُغاں آمدم
مغوں کے آتشکدے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں

بیا ساقی از گنجِ[3] دیرِ مُغاں
اے ساقی! مغوں کے آتشکدہ کے گوشہ سے نکل آ

مشو دور کانجاست گنجِ رواں
دور نہ جا کیونکہ گنجِ رواں اسی جگہ ہے

ورت[4] شیخ گوید مرو سوئے دیر
اور اگر تجھ سے شیخ کہے کہ آتشکدہ کی طرف نہ جا

جوابش چہ گوئی بگو شب بخیر
تو اس کو کیا جواب دے گا؟ شب بخیر کہہ دے

بیا ساقی آں جامِ صافی صفت
اے ساقی! آ، وہ شفّاف جام

کہ بر دل کشاید درِ معرفت
جو دل پر معرفت کا دروازہ کھول دے

بدہ تا صفائے دروں آردم
دے، تاکہ مجھ میں اندرونی صفائی پیدا کردے

دمے از کدورت بروں آردم
تھوڑی دیر کے لیے مجھے کدورت سے باہر نکال دے

بیا ساقی آں آتشِ تابناک
اے ساقی! آ وہ چمکتی ہوئی آگ

کہ زردشت[5] میجویدش زیرِ خاک
جس کو زردشت خاک کے نیچے ڈھونڈتا ہے

بمن دہ کہ در کیشِ رندانِ مست
مجھے دے، اس لیے کہ مست رندوں کے مذہب میں

چہ دنیا پرست و چہ آتش پرست
کیا دنیا پرست اور کیا آتش پرست!

بیا ساقی اکنوں کہ شد چوں بہشت
اے ساقی! آ اب جبکہ بہشت کی طرح ہوگئی ہے

زروئے تو ایں بزمِ عنبر سرشت
یہ عنبر مزاج مجلس تیرے رُخ کی وجہ سے

خُذِ الجَامَ لَا تَخْشَ فِیهِ الجُنَاح
جام لے، اس بارے میں گناہ سے نہ ڈر

کہ در[6] باغِ جنّت بود مے مباح
اس لیے کہ جنّت کے باغ میں شراب حلال ہوتی ہے

---

[1] عبیر ایک خوشبو ہے جو صندل، گلاب اور مُشک سے بنائی جاتی تھی۔

[2] بخور، خوشبودار دھونی جو اگر، لوبان وغیرہ سے دیجاتی ہے

[3] گنجِ رواں کیخسرو کے خزانہ کا نام ہے۔ مراد شراب ہے۔

[4] دیر سے مراد آتش کدہ ہے یعنی شیخ کو شب بخیر کہکر رخصت کردے۔

[5] زردشت آتش پرستی کے مذہب کا بانی ہے جو منوچہر کی نسل سے تھا اور حکیم فیثا غورث کا شاگرد تھا۔ ژند، اسی کی کتاب ہے، آتشِ تابناک سے مراد شراب ہے، زیرِ خاک سے مراد قبر ہے

[6] ساقی کے رُخ سے دنیا جنّت بن گئی ہے اور جنّت میں شراب کا پینا جائز ہے۔

بیا ساقی آں جامِ یاقوت وش
اے ساقی! آ، وہ یاقوت جیسا جام
کہ بر دل کشاید درِ وقت خوش
جو کہ دل پر اچھے وقت کا دروازہ کھولتا ہے

بدہ[1] ویں نصیحت ز من گوش کن
دے، اور یہ نصیحت مجھ سے سُن لے
جہاں جملہ ہیچست مے نوش کن
دنیا سب ہیچ ہے، شراب پی

ساقی نامہ (۳)

بیا[2] ساقی از بیوفائی عمر
اے ساقی! آ، عمر کی بے وفائی کو
ببین وز مے کن گدائی عمر
دیکھ، اور شراب سے عمر کی بھیک مانگ

کہ[3] مے عمر باقی بیفزایدت
اس لیے کہ شراب تیری باقی عمر کو بڑھا دے گی
درے ہر دم از غیب بکشایدت
ہر وقت تیرے لئے غیب کا ایک دروازہ کھول دیگی

بیا ساقی از مے بنہ مجلسے
اے ساقی آ، شراب کی ایک مجلس جما
کہ دنیا ندارد وفا با کسے
اس لیے کہ دنیا کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی

کہ چوں بگذرد عمر و تو بگذری
اس لیے کہ جب عمر اور تو گذرے گا
ازو باز مانی و حسرت خوری
اس سے رُکے گا اور حسرت کرے گا

بیا ساقی از مے طلب کامِ دل
اے ساقی! آ، شراب سے دل کا مقصد طلب کر
کہ بے مے ندارم من آرامِ دل
اس لیے کہ شراب کے بغیر مجھے دل کا آرام نہیں ملتا

گر[4] از ہجر جاں تن صبوری کند
اگر جان کے ہجر پر، جسم صبر کرے
دل از مے تواند کہ دوری کند
تو ہو سکتا ہے کہ دل شراب سے دوری اختیار کرے

بیا ساقی ایمن چہ باشی کہ دہر
اے ساقی! آ، مطمئن کیا ہوتا ہے، اس لیے کہ زمانہ
بر آنست کت خوں بریزد بقہر
اس پر آمادہ ہے کہ ظلم سے تیرا خون بہا دے

دریں[5] خوں فشاں عرصۂ رستخیز
جنگ کے اس خونریز میدان میں
تو خونِ صراحی و ساغر بریز
تو صراحی اور ساغر کا خون بہا

بیا[6] ساقی از من مکن سرکشی
اے ساقی! آ، مجھ سے سرکشی نہ کر
کہ از خاکی آخر نہ از آتشی
اس لیے کہ آخر تو خاکی ہے، نہ کہ آتشی

قدح پر کن از مے کہ مے خوش بود
شراب سے پیالہ بھر، اس لیے کہ شراب اچھی چیز ہے
خصوصاً کہ صافی و بیغش بود
خصوصاً جو صاف اور خالص ہو

بیا ساقی آں راحِ ریحاں نسیم
اے ساقی! آ، وہ ریحان کی خوشبو والی شراب
بمن دہ کہ نہ زر بماند نہ سیم
مجھے دے، اس لئے کہ نہ سونا رہے گا نہ چاندی

زرے را کہ بیشک تلف در پے ست
جس سونے کے، بلاشبہ، بربادی در پے ہے
بمے دہ کہ درمانِ دلہا مے ست
شراب میں خرچ کر دے اس لیے کہ دلوں کا علاج شراب ہے

[1] مجھے بھی پلا اور نصیحت سن لے دنیا ہیچ ہے تو بھی پی لے۔
[2] زندگی کا لطف شراب ہی سے حاصل ہوتا ہے۔
[3] شراب پینے سے عمر دراز ہوگی اور غیب کے راز کھلیں گے۔
[4] شراب سے جدائی ایسی ہی ہے جیسا کہ جسم کی روح سے جدائی۔
[5] دنیا خوں ریز میدانِ جنگ ہے تو ساغر اور صراحی سے خون جیسی شراب لنڈھا۔
[6] آگ میں سرکشی اور خاک میں فروتنی ہوتی ہے آگ کی لپٹ اوپر کو جاتی ہے خاک زمین پر گرتی ہے۔

ساقی نامہ

بیا ساقی آں بادۂ لعلِ صاف
اے ساقی! آ وہ صاف لعل جیسی شراب
بدہ تا کے ایں شید و تزویر و لاف
دے، یہ مکر اور جھوٹ اور لاف زنی کب تک؟

ز تسبیح[1] و خرقہ ملولم تمام
میں تسبیح اور گدڑی سے بالکل ملول ہوں
بمے رہن کن ہر دو را والسّلام
دونوں کو شراب میں گروی کردے والسّلام

بیا ساقی[2] آں بادۂ روح بخش
اے ساقی! آ وہ روح بخش شراب
بدہ تا نشینیم بر پشتِ رخش
دے، تاکہ ہم ابلق گھوڑے کی پشت پر بیٹھیں

تہمتن صفت رو بمیداں کنم
رستم کی طرح میدان کا رخ کروں
بکامِ دل آہنگِ جولاں کنم
دل کی تمنا کے مطابق گھومنے کا قصد کروں

بیا ساقی از من برو پیشِ شاہ
اے ساقی! آ میری طرف سے شاہ کے پاس جا
بگویش ز من کاے شہِ جم کلاہ
میری جانب سے اس سے کہہ، کہ اے جمشید کے تاج والے بادشاہ

دلِ بینوایانِ مسکیں بجوی
بے سروسامان مسکینوں کی دل جوئی کر
پس آنگاہ جامِ جہاں بیں بجوی
پھر جام جہاں نما تلاش کر

بیا ساقی[3] آں مے کز آں جامِ جم
اے ساقی! آ وہ شراب جس سے جمشید کا جام
زند لافِ بینائی اندر عدم
عدم میں بینائی کی ڈینگیں مارے

بمن دہ کہ باشم بتائیدِ جام
مجھے دے تاکہ میں جام کی تائید سے ہوجاؤں
چو جم آگہ از سرِّ عالم تمام
آگاہ، جمشید کی طرح تمام دنیا کے راز سے

بیا ساقی آں جام پر کن ز مے
اے ساقی! آ، وہ جام، شراب سے بھر
کہ گویم ترا حالِ کسریٰ و کے
کہ میں تجھ کو کسریٰ اور کیخسرو کے راز بتاؤں

بمستی تواں دُرِّ اسرار سفت
مستی میں رازوں کے موتی بیندھے جاسکتے ہیں
کہ در بیخودی راز نتواں نہفت
اس لیے کہ بیخودی میں راز نہیں چھپایا جاسکتا ہے

بیا ساقی آں مے کہ عکسش ز جام
اے ساقی! آ، وہ شراب کہ جس کا عکس، جام سے
بکیخسرو و جم فرستد پیام
کیخسرو اور جمشید کو پیام بھیجتا ہے

بدہ تا بگویم بآوازِ نے
دے، تاکہ میں بانسری کی آواز کے ذریعہ کہوں
کہ جمشید کے بود و کاؤس کے
کہ جمشید کب تھا اور کاؤس کب تھا؟

بیا ساقی[4] آں مے کہ شاہی دہد
اے ساقی! آ وہ شراب جو شاہی عطا کرے
بپاکیِ او دل گواہی دہد
دل اس کی پاکی پر گواہی دے

بمن دہ کہ تا گردم از عیب پاک
مجھے دے، تاکہ میں عیب سے پاک ہوجاؤں
خرامم بعشرت بہ تیرہ مُغاک
اندھیرے گڑھے میں عیش سے ٹہلوں

بیا ساقی آں جام چوں مہر و ماہ
اے ساقی! آ وہ جام جو چاند اور سورج کی طرح ہے
بدہ تا زنم بر فلک بارگاہ
دے، تاکہ میں آسمان پر مجلس جماؤں

چو شد[5] باغِ روحانیاں مسکنم
جبکہ روحانیت والوں کا باغ، میرا ٹھکانا بن گیا
دریں جا چرا تختہ بندِ تنم
تو اس جگہ میں اپنے جسم کا قیدی کیوں بنوں؟

---

[1] تسبیح اور خرقہ سے رنجیدہ ہوچکا ہوں دونوں کو خیرباد کہدے اور شراب میں گروی کردے۔
[2] رخش، سُرخ اور سفید رنگ، چونکہ رستم کے گھوڑے کا یہی رنگ تھا لہٰذا اس کے گھوڑے کو کہتے تھے پھر مطلقاً گھوڑے کے معنی میں آنے لگا۔
[3] جامِ جم اگرچہ گم ہوچکا ہے لیکن وہ شراب اگر اس کو میسر ہوجائے تو دوبارہ موجود ہوجائے۔
[4] وہ شراب دے جس کے پینے کے بعد شاہانہ مزاج بن جائے۔
[5] روحانیوں کا ٹھکانا عالمِ بالا ہے۔ لہٰذا مجھے بھی عالمِ بالا میں پہونچنا چاہیے اور جسم کی قید سے آزاد ہوجانا چاہیے۔

ساقی نامہ

بیا ساقی آں جام چوں سلسبیل
اے ساقی! آ، وہ جام جو سلسبیل کی طرح ہے
کہ دل را بفردوس باشد دلیل
جو دل کی جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے

بدستم[1] دہ و روئے دولت ببیں
میرے ہاتھ میں دے، اور دولت کا چہرہ دیکھ
خرابم کن و گنجِ حکمت ببیں
مجھے مست کر دے اور حکمت کا خزانہ دیکھ

بیا ساقی از بادہ ہائے کہن
اے ساقی! آ، پرانی شرابوں کے
ز جامِ پیاپے مرا مست کن
پے در پے جاموں سے مجھے مست کر دے

چو مستم[2] کنی از مے بے غشت
جبکہ تو مجھے اپنی خالص شراب سے مست کر دیگا
بمستی بگویم سرودِ خوشت
میں تیرے لئے اچھا گانا مستی میں گاؤں گا

اگر ہمچو جم جام گیری بدست
اگر تو جمشید کی طرح، ہاتھ میں جام لے گا
بہ بینی در آں آئنہ ہر چہ ہست
اس آئینہ میں، ہر موجود کو دیکھ لے گا

بمستی[3] درِ پارسائی زنی
تو مستی میں، نیکی کا دروازہ کھٹکٹائے گا
درِ خسروی در گدائی زنی
فقیری میں، بادشاہت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا

کہ حافظ چو مستانہ سازد سرود
اس لیے کہ حافظ جب مستانہ گانا گاتا ہے
ز چرخش دہد زہرہ آوازِ رود
تو زہرہ فلک سے اسکو رود کی آواز سناتی ہے

بتاثیر[4] صبح از طبقہائے نور
نور کے طبقوں سے صبح کی تاثیر کی وجہ سے
بگوش آیدم ہر دم از لفظِ حور
ق ہر وقت میرے کان میں حور کے الفاظ آتے ہیں

کہ اے خوشنوا مرغ شیریں نفس
کہ اے شیریں نفس، خوش الحان پرند!
بیفشاں پر و بال و بشکن قفس
پر اور بال جھاڑ، اور پنجرا توڑ ڈال

بیا تا خرد را قلم در کشیم
آ، تاکہ ہم عقل پر قلم پھیر دیں
ز مستی بعالم علَم در کشیم
عالم پر، مستی کا جھنڈا گاڑ دیں

زجامِ[5] دمادم دمے دم زنیم
پے در پے جام کا تھوڑی دیر کے لیے دم بھریں
ز مے آب بر آتشِ غم زنیم
شراب کا پانی، غم کی آگ پر چھڑک دیں

یک امروز باید گرمے خوریم
آج تھوڑی دیر کے لیے مگر شراب پی لیں
چو فرصت نباشد دگر کے خوریم
جب فرصت نہ ہوگی پھر کب پیئں گے؟

کہ آنہا کہ بزمِ طرب ساختند
اس لئے کہ جن لوگوں نے محفلِ طرب بنائی
بہ بزمِ طرب ہم نپرداختند
وہ خود محفلِ طرب میں نہ لگ سکے

بایں تختِ فیروزہ فیروز کیست
اس فیروزی تخت پر کون کامیاب ہے؟
ز ایامِ عمر آنکہ بہروز کیست
جو زندگی کے ایام سے راحت میں ہو کون ہے؟

دریغا جوانی کہ برباد شد
اس جوانی پر افسوس ہے جو برباد ہوگئی
خنک آنکہ از عالمِ آزاد شد
وہ آرام سے ہے جو دنیا سے آزاد ہوگیا

[1] مجھے شراب پلادے تاکہ تجھے حکیمانہ باتیں سناؤں۔
[2] میں مستی میں تیرے لیے بہترین گانا گاؤں گا۔
[3] مستی میں ریاکاری ختم ہوجاتی ہے، اور انسان گدائی میں بادشاہی کرتا ہے۔
[4] صبح کے وقت نور کے طبقات سے حور کا وہ گانا کان میں آتا ہے جس کا بیان اگلے شعروں میں ہے
[5] آگ پر پانی ڈالنا یعنی اس کو بجھانا۔

ساقی نامہ (۴)

بدہ[1] ساقیا مے کہ تا دم زنیم
اے ساقی! شراب دے تاکہ ہم سانس لیں

قلم بر سرِ ہر دو عالم زنیم
دونوں جہان کے سر پر قلم پھیر دیں

سبک باش و رطلِ گرانم بدہ
چست ہو، اور مجھے بھاری پیمانہ دے

وگر فاش نتواں نہانم بدہ
اگر کھلم کھلا نہ ہو سکے، تو چھپا کر دے

کہ ایں[2] چرخ و ایں انجمِ آبنوس
اس لیے کہ یہ آسمان، اور یہ آبنوس کے ستارے

بسے یاد دارد چو بہرام و طوس
بہرام اور طوس جیسے کو بہت یاد رکھتے ہیں

کسے کوزدے کوس بر پشتِ پیل
وہ شخص جو ہاتھی کی پشت پر نقارہ بجاتا تھا

زدندش بناکام طبلِ رحیل
ناکامی کے ساتھ اس کے کوچ کا انھوں نے نقارہ بجادیا

جز ایں[3] مرکزِ ہفت پرکار نیست
سات پرکاروں کے اس مرکز کے علاوہ کچھ نہیں ہے

جز ایں ہفت پرکار پُرکار نیست
ان ساتوں پرکار کے سوا کوئی چالاک نہیں ہے

تو در[4] خانۂ ششدری ششدری
تو اس چھ دروازے والے گھر میں پریشان ہے

کہ او ماندہ تا بنگری بگذری
کہ وہ رہے گا، جب تک تو دیکھے گا اور چلدیگا

بر[5] ایوانِ شش طاقِ خضرا نشیں
چھ سبز محرابوں والے قلعہ پر بیٹھ

بمنزل گہِ جاں نشیمن گزیں
جان کی منزل میں گھونسلا بنا

بدہ ساقی آں آبِ آتش فشاں
اے ساقی! وہ آگ برسانے والا پانی دے

ازاں پیش کز ما نیابی نشاں
اس سے قبل کہ تو ہمارا نشان کبھی نہ پائے

کہ در آتش ست ایں دلِ روشنم
کیونکہ میرا یہ روشن دل آگ میں ہے

ہمانا کہ آبے بر آتش زنم
شاید کہ میں آگ پر کچھ پانی چھڑکوں

کہ فیروز[6] فرخ منوچہر چہر
اس لیے کہ منوچہر کا میاب مبارک چہرے والے نے

شنیدم کہ در عہدِ بوزرجمہر
میں نے سنا ہے کہ بوزرجمہر کے زمانہ میں

نوشتہ است بر جامِ نوشیرواں
نوشیرواں کے جام پر لکھا ہوا ہے

کہ بفزائے از جامِ نوشیں رواں
کہ پکڑیں جام سے روح کو بڑھا

اگر پور[7] زالی وگر پیرِ زال
خواہ تو زال کا بیٹا ہے خواہ بوڑھی عورت

بدستاں نمانی شوی پائمال
مکر سے تو نہ بچے گا، پائمال ہوجائے گا

زمن بشنو اے پیر آموزگار
اے سکھانے والے بوڑھے! مجھ سے سن لے

مکن تکیہ بر گردشِ روزگار
زمانہ کی گردش پر بھروسہ نہ کر

کہ ایں منزلِ درد و جائے غمست
کہ یہ درد کی منزل اور غم کی جگہ ہے

دریں دامگہ شادمانی کم ست
اس جال کی جگہ میں خوشی کم ہے

۱ہم سب شراب پی کر دنیا اور آخرت کے غم سے آزاد ہو جائیں۔

۲انجم آبنوس اس لیے کہا ہے کہ آسمان سیاہ آبنوس کی طرح ہے جس میں ستارے نظر آتے ہیں، طوس بہرام گور بادشاہ کا پوتا تھا۔

۳ہفت پرکار سے ساتوں آسمان مراد ہیں تمام انقلابات اور تغیرات انہیں کی بدولت ہیں اسی لیے آسمان کی مکاری ضرب المثل ہے۔

۴خانہ ششدر سے مراد دنیا ہے اس لیے کہ اس کی چھ سمتیں ہیں

۵شش طاق خضرا سے مراد چھ آسمان ہیں۔

۶منوچہر، بہشت جیسے چہرے والا۔ مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ بوزرجمہر، نوشیرواں شاہ ایران کا مشہور وزیر ہے۔

۷پور زال یعنی زال کا بیٹا مراد رستم ہے پیرزال بڑھیا۔

بدیں[1] شاد مانیم کز درد و غم
ہم اس پر خوش ہیں کہ درد اور غم کی وجہ سے

نداریم غم گر نداریم کم
ہمیں غم نہیں اگر ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے

بدہ ساقی آں لعل یاقوت رنگ
اے ساقی! وہ یاقوت جیسے رنگ والا لعل دے

کہ بُرد از رُخِ لعل و یاقوت رنگ
جس نے لعل اور یاقوت کے رخ سے رنگ اڑا دیا ہے

رواں[2] در دہ آں مے چو آبِ رواں
فوراً وہ شراب دے جو بہتے پانی کی طرح ہے

نہ آبِ رواں کآفتابِ عیاں
نہ صرف بہتے پانی کی طرح ہے بلکہ روشن آفتاب کی طرح ہے

شہانیکہ[3] اینجا نشستند شاد
وہ بادشاہ جو اس جگہ خوش بیٹھے

برفتند و از کس نہ کردند یاد
وہ چلدئے اور انھوں نے کسی کو یاد نہ کیا

کدام ست جامِ جم و جم کجاست
جامِ جم کونسا ہے، اور جمشید کہاں ہے؟

سُلیماں کجا رفت و حاتم کجاست
سلیمان کہاں گیا، اور حاتم کہاں ہے؟

کہ مید انداز فیلسوفانِ حے
قبیلہ کے فلسفیوں میں سے کون جانتا ہے؟

کہ جمشید کے بود و کاؤس کے
کہ جمشید کب تھا اور کاؤس کب تھا؟

مطالب

[1] ہمیں یہ خوشی ہے کہ درد سے ہم ایسے مدہوش ہیں کہ مفلسی کا غم نہیں ہے۔

[2] ہمیں فوراً وہ شراب دے جس کو جاری پانی بلکہ چشمۂ آفتاب کہا جائے۔

[3] جن بادشاہوں نے خوشی سے زمانہ بسر کیا وہ کبھی دنیا سے چلدیئے نہ جمشید ہے نہ اس کا جام نہ سلیمان ہے نہ حاتم۔

ختم شد

کتابت:- منشی نذیر الدین شیرکوٹی
۶۱۵ چوڑیوالان دہلی

Two previous editions of the present work, which were sold out in a short time, have made a third edition neeessary. I have tried to make it more useful and more beautiful. The verses have been translated afresh as literally as possible yet clearly, in simple Urdu. Where necessary, difficult expressions and allusions have been explained in the margin. A detailed Appendix shows the methods used for divination from the *diwan*. If my labours find favour with the readers I shall feel amply rewarded, and also take it as a sign that the Voice from Beyond has not lost its resonance.

I owe a deep debt to my friend Mr Kirpal Singh Bedar of Punjabi University for going through the manuscript and suggesting many improvements.

SAJJAD HUSAIN

INTRODUCTION

Khwajah Shams al-Din Muhammed Hafiz, born in Shiraz around A.D. 1320, is unquestionably the greatest Persian lyric poet. His subtlety of thought and matchless diction have so enthralled his readers that his *diwan* has been called the Voice from Beyond (*lisan al-ghaib*). Interest in his *diwan* in India dates back to the period immediately after his death in A.D. 1390. Not only was his *diwan* beautifully copied by hand by hundreds of calligraphers, but a great number of translations and commentaries was also produced. A great quality of the poems of Hafiz is that they appeal to all sections of the people, whether religious or worldly. It is because when he sings of love or intoxication, he uses the words so deftly that one could take them either as mundane love or divine love, as joy flowing from the bottle or spiritual ecstasy. Thus there is room enough for interpretation, and each interpreter and translator has seen different meanings in the verses of Hafiz.

India is also credited with producing authentic texts of the famous *diwan*. The first such text was published in Calcutta in 1791. The latest edition, published from Tehran by Mr Jalali Na'ini and Dr Nazir Ahmed, is also based on an Indian manuscript dated 824 A.H. which is considered to be the oldest. The present work is based on the famous Rahmat Ullah Ra'ds edition published from Kanpur.

It is surprising that while we are so familiar with the *diwan* of Hafiz, we know so little about his life. An attempt is now being made to reconstruct his life from his poems—an attempt that is unlikely to show any great result. Whatever is known about him is discussed very ably in the Urdu Introduction to this book by the famous Urdu critic and writer, Hakim 'Ali Kausar Chandpuri. He has also discussed in his inimitable style the poetry of Hafiz.

DIWAN -E- HAFIZ

TRANSLATED BY

MAULANA QAZI SAJJAD HUSAIN

PRINCIPAL,
MADRESA-E-ALIA FATEHPURI, DELHI

PUBLISHED BY

SABRANG KITAB GHAR
DELHI-6

DIWAN-E-HAFIZ

TRANSLATED BY

MAULANA QAZI SAJJAD HUSAIN

PRINCIPAL,
MADRESA-E-ALIA FATEHPURI, DELHI



PUBLISHED BY

SABRANG KITAB GHAR
DELHI-6